بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجعلنٰھم ائمۃ یدعون الی النار ویوم القیٰمۃ لا ینصرون

ائمہ تلبیس

یا

غارتگران ایمان

یعنی اُن مشہور دجالوں کے سوانح حیات جنہوں نے عہد رسالت سے لیکر آج تک الوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعوے کرکے ملت حنیفی میں رخنہ اندازیاں کیں اور اسلام کے حق میں مار ہائے آستین ثابت ہوئے

جسے

خاکسار ابوالقاسم رفیق دلاوری پرنٹر و پبلشر نے

"دار التصنیف" لاہور کیلئے مدون کیا

اور

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں طبع کراکر شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اما بعد مدت سے یہ خیال راقم الحروف کے دل دماغ میں موجزن تھا کہ ایک ایسی جامع تاریخ مرتب کی جائے جس میں ان تمام مشاہیر کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہوں جنھوں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت سے لے کر آج تک اُلوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعووں کو اپنی دکان آرائی اور زرطلبی کا وسیلہ بنایا اور مذہبی فضا کو مکدر کر کے عالم اسلام میں ہلچل ڈالے رکھی۔ گو یہ کام بہت دشوار اور محنت طلب تھا مگر میں نے اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود متوکلاً علی اللہ اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور آج یہ تاریخ قوم کے سامنے پیش کر کے توفیق الٰہی کا شکریہ ادا کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

ائمہ مضلین کے متعلق حضرت خیر البشرؐ کی پیشین گوئی

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ملت حنیفی کی سب سے بڑی مصیبت ائمہ ضلال کا وجود ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے وابستگان اُسوۂ محمدی کو جس طرح اپنے بعد کو دوسرے مفاسد و فتن کی اطلاع دی اسی طرح ان کے کذب و زُور سے بھی بڑے شد و مد سے متنبہ فرمایا تاکہ انکی دجالی فتنہ انگیزیاں ارباب ایمان کو ورطۂ ہلاک میں نہ ڈال سکیں لیکن صد ہزار افسوس ہے ان لوگوں کی سرشاری ضلالت پر جو حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہہ کے باوجود آنکھوں پر پٹی باندھے اور کانوں میں روئی ٹھونسے خسران ابدی کے بحر متلاطم میں کود رہے ہیں انبیاؑ و مرسلین کے سرتاج جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ صدیاں پیشتر ہی فرما دیا تھا۔

انما اخاف علی امتی الائمۃ المضلین انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین لانبی بعدی (رواہ مسلم عن ثوبانؓ)

مجھے اپنی امت کے حق میں گمراہ کرنے والے اماموں (یعنی خانہ ساز نبیوں) کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے۔ اور میری امت میں ضرور تیس کذاب (جھوٹے) پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی ہو گا کہ وہ خدا کا نبی ہے حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو گا۔

اور بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قریباً تیس کی تعداد قیامت تک جا کر پوری ہو گی چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک قریباً تیس دجال کذاب ظاہر نہ ہو لیں۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہو گا کہ وہ اللہ کا فرستادہ ہے"

اس میں شبہ نہیں کہ اگر مجرد دعوائے نبوت کا لحاظ کیا جائے تو مفتریوں کی تعداد آج تک شاید تیس ہزار سے بھی متجاوز ہو چکی ہو گی کیونکہ کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا جس میں پانچ سات برساتی نبیوں کے ظہور کی خبر اطراف واکناف عالم سے نہ آجاتی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس یا کم و بیش کذابوں کے غلغلہ انداز عالم ہونے کی جو اطلاع دی ہے وہ کامیاب اور ذی جاہ متنبی ہیں۔ نہ یہ کہ جس ہرزہ سرا کورے نادانی نے بھی یہ کہہ دیا کہ میں فرستادۂ خدا ہوں وہی سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیشین گوئی کا مصداق بن جائے۔ غرض ایسا مفتری اُن تیس مفتریوں کے زمرہ میں قطعاً داخل نہیں ہوسکتا جسے اپنے وطن سے باہر کوئی جانتا تک نہ ہو بلکہ وہی لوگ اس "طائفہ علیہ" میں داخل ہیں جن کے فتنہ کو ہمہ گیر شہرت و نمود حاصل ہو۔

رہا یہ سوال کہ آج تک ایسے مشہور مدعیان نبوت کتنے گزرے ہیں جو تقدس آبی کی عبا پہن کر لوگوں کو زندقہ و دہریت کی تعلیم دیتے رہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرے نزدیک ایسے کامیاب متنبیوں کی تعداد جن کا نام اقصائے عالم تک پہنچا اور ان کے فتنہ نے عالمگیر حیثیت اختیار کی بمشکل بیس بائیس تک پہنچتی ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ دجّال اعور کے ظہور سے پہلے عالم اسلام کو ابھی مزید آٹھ دس شہرۂ آفاق مفتریوں سے سابقہ پڑنا ہے۔ حافظ حقیقی ہمیں ان کے شر سے بچائے اور ہر مسلمان کو استقامت علی الایمان کی توفیق بخشے۔ آمین

مفتریوں کے علامات و خصائص لیکن یاد رہے کہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مفتریوں کی تعداد پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ امت مرحومہ کی رہنمائی کے لئے ان کی بعض علامتیں بھی بیان فرما دی ہیں۔ یہاں تین حدیثیں پیش کی جاتی ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ اور لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و خوبی کے متعلق استفسار کیا کرتے تھے لیکن میں شر و فتنہ کی نسبت دریافت کیا کرتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اس میں مبتلا ہونیکا خطرہ تھا ایک مرتبہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم جاہلیت کے تاریک ترین دور میں بڑے زیاں کار تھے، خدائے ذوالمنن نے ہمیں نعمت اسلام سے سرفراز فرمایا لیکن یہ تو فرمائیے کہ اس خیر و برکت کے بعد جو ہمیں حاصل ہے کوئی فتنہ تو رونما نہ ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا "بے شک ہوگا" میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس فتنہ کے بعد بھی کوئی بھلائی عرصۂ ظہور میں آئے گی؟ فرمایا "ہاں لیکن اس میں کدورت ہوگی" میں نے پوچھا کدورت کس قسم کی ہوگی؟ فرمایا "ایسے ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میری راہ ہدایت سے منحرف ہو کر اپنا علیحدہ طریقہ اختیار کریں گے جو شخص انکی بات پر کان دھرے گا اور عمل پیرا ہوگا اسے جہنم واصل کر کے چھوڑیں گے" میں نے کہا یا رسول اللہ! انکی علامت کیا ہے؟ فرمایا "وہ ہماری ہی قوم میں سے ہوں گے (یعنی مسلمان کہلائیں گے) ان کا ظاہر تو علم و تقوے سے آراستہ ہوگا مگر باطن ایمان و ہدایت سے خالی ہوگا۔ وہ ہماری ہی زبانوں کے ساتھ کلام کریں گے" میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! تو پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا "اے حذیفہ! جب ایسا وقت آجائے تو مسلمانوں کی جماعت کا التزامی طور پر شریک حال رہنا اور مسلمانوں کے امام و خلیفہ کی انحراف ورزی نہ کرنا" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ اگر ایسا وقت ہو کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ہی نہ ہو اور انکا کوئی امام بھی نہ ہو تو پھر کیا کرنا ہوگا؟ فرمایا "اگر ایسی حالت رونما ہو تو بھی گمراہ فرقوں سے الگ رہنا اگرچہ تمہیں درختوں کے پتے اور جڑیں چبا کر ہی گزر اوقات کرنا پڑے۔ اور تادم مرگ اسی طرز بود و ماند پر مجبور رہو (بخاری و مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ "وہ ہماری ہی زبانوں کے ساتھ کلام کریں گے" یہ مطلب ہے کہ بظاہر تو قرآن و حدیث ہی سے استدلال کریں گے لیکن بعید اور لچر تاویلیں کر کے ان کا مفہوم بدل دیں گے۔ ان کی زبان پر تو قال اللہ و قال الرسول ہوگا لیکن وہ فی الحقیقت اس شعر کا مصداق ہوں گے ؎

یاراں چہ عجب شان دورنگی دارند مصحف بکف و دین فرنگی دارند

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ مخبر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت سے پیشتر کانا دجّال ظاہر

ہوگا اور اس سے پہلے تیس کے قریب دجّال کذّاب عرصۂ شہود میں آئیں گے۔ عرض کیا گیا "یا رسول اللہ ان کی علامت کیا ہے؟ فرمایا" وہ تمہارے سامنے ایسا طریقہ پیش کریں گے جس پر تم پہلے سے نہ ہوگے اور اس نئے طریقے سے تمہارے دین کو بگاڑیں گے سو جب ایسے شخصوں کو پاؤ تو اُن سے الگ رہو اور انھیں بُرا جانو (رواہ الطبرانی فی الکبیر و روی احمد اولہ، کنز العمال)

ایک اور روایت ملاحظہ ہو :۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث مالم تسمعوا انتم ولا اٰباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (مسلم)

حسب روایت ابو ہریرہؓ سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں دجّال کذّاب (جھوٹے نبی) ظاہر ہوں گے۔ وہ تمہارے سامنے ایسی ایسی باتیں پیش کرینگے جو نہ صرف تم نے بلکہ تمہارے آباؤ اجداد نے بھی نہ سنی ہوں گی خبردار ان سے بچنا اور اپنے دامنِ ایمان کو ان سے محفوظ رکھنا۔ مبادا تمھیں گمراہ کردیں اور فتنہ میں ڈال دیں۔ (مسلم)

ایک روایت میں "آخری زمانہ" کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ یا تو یہ روایت بالمعنیٰ ہے یا اس سے قیامت تک کے کذّابوں کا احاطہ کرنا مقصود ہے، تاکہ غلط اندیش و حق فراموش فرقے یہ نہ کہہ سکیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی میں زمنِ نبوت کے قریب زمانہ کے کذّاب ہی ہیں عہدِ رسالت سے بعید تر زمانہ کے دجّال مقصود نہیں، اس حدیث نے قریب بعید ہر عہد کے جھوٹے مدعیوں کا احاطہ کرلیا علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بعثت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لیکر قیامت تک کا زمانہ آخری زمانہ ہی ہے۔

مدّعیانِ نبوّت کا کفر و ارتداد

اس کتاب میں ائمۂ تزویر کے زمرہ میں بعض ایسے لوگ بھی آگئے ہیں جو انجام کار اپنے جھوٹے دعووں سے تائب ہوگئے اور ان شاء اللہ العزیز ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہوگا لیکن اس لحاظ سے کہ ان کا فتنہ کسی زمانہ میں عالمگیر تھا۔ اور انھوں نے حصولِ زر و مال کے نصب العین میں کامیاب ہونے کے باوجود رجوع الی الحق کیا۔ ان کے نظائر کا پیش کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ تھا مدّعیانِ باطل کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جنھوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا۔ چونکہ سلسلۂ نبوّت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ختم ہوگیا اور انقطاعِ دورِ نبوّت کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے اس بنا پر تمام مدّعیانِ نبوّت اور ان کے پیرو عند الشرع کافر و مرتد ہیں۔ مدّعی نبوّت کے کفر و ارتداد کے متعلق علّامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں :۔

دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع (شرح فقہ اکبر مطبوعہ دہلی ص ۲۰۶)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا دعوےٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔

تمام علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ مرتد عند الشرع واجب القتل ہے۔ اور یہ خیال کہ مسیلمہ کذّاب جو نبوت باطلہ کا مدّعی تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے اس کے قتل کا حکم نہ دیا صحیح نہیں کیونکہ جب مسیلمہ مدینہ منوّرہ آیا ہے تو اس وقت تک وہ مدّعیٔ نبوّت نہ تھا۔

مدّعیانِ مسیحیت و مہدویّت کا کفر و اسلام

انجیل متّی میں جناب مسیح علیہ السلام کی ایک پیشین گوئی درج ہے کہ "جھوٹے مسیح اٹھ کھڑے ہوں گے" یہ پیشین گوئی خود ذات بابرکات جناب مسیح علیہ السلام کو چھوڑ کر ان تمام لوگوں پر صادق آتی ہے جو مدّعیانِ مسیحیت ہوئے یا ہونگے۔ خواہ کوئی مدّعی عیسائی ہو یا موسائی یا مسلمان کہلاتا ہو یا کسی دوسرے دین کا پیرو ہو لیکن یہ عجیب دیکھو کہ یہ لوگ ہمیشہ

اپنے تئیں سچا اور دوسرے مدعیوں کو جھوٹا مسیح ہی بتاتے رہے چنانچہ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا تھا کہ عیسائیوں نے بھی مجھے مخاطب کر کے بار بار لکھا ہے کہ انجیل میں ہے کہ جھوٹے مسیح آئیں گے اور اس طرح پر انھوں نے مجھے جھوٹا مسیح قرار دیا ہے حالانکہ خود ان دنوں میں خاص لندن میں عیسائیوں میں سے جھوٹا مسیح پگٹ نام موجود ہے جو خدائی اور مسیحیت کا دعویٰ کرتا ہے اور انجیل کی پیش گوئی کو پورا کر رہا ہے۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۲۷)

چونکہ زمانہ کے مقتضایا مغربی تعلیم کی "برکت" سے خدا شناسی کا نور دھندلا پڑ گیا ہے اکثر ابنائے تعلیم جدید عقیدۂ نزولِ مسیح علیہ السلام کے منکر ہیں لیکن یاد رہے کہ ایسی غیر معقول روشن خیالی جو تعلیماتِ نبویہ کی مخالفت پر مبنی ہو ہلاکتِ سرمدی کا ذریعہ ہے اگر ان عقل فروشوں کی دیدۂ بصیرت کھلی ہوتی تو غور کرتے کہ جب یہ لوگ خود اپنے شکم تک کی اندرونی کیفیت سے واقف نہیں انکی عقلِ نارسا کی کمند مصالح و حکمِ خداوندی کے فلکِ رفیع کے کنگرہ تک کیونکر پہنچ سکتی ہے؟ نزولِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بے شمار احادیثِ صحیحہ اور بعض آیاتِ قرآنی سے ثابت اور قطعی الدلالۃ ہے اس کے متعلق تمام اہلِ حق کا اجماع ہے حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ جو فلکِ ہدایت کے انجم درخشاں تھے اس عقیدہ پر متفق تھے اور کوئی صحابی ایسا نہ مل سکے گا جس نے اس عقیدہ کی صحت سے انکار کیا ہو یہی وجہ ہے کہ علمائے حق بالاتفاق اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو مدعی نبوت ہو یا حضرت ابن مریم علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے شخص کو مسیح موعود خیال کرتا ہو۔

اس کتاب میں ایسے لوگوں کا بھی بکثرت تذکرہ ملے گا جو نبوت سے کمتر درجہ یعنی مہدویت کے مدعی ہوئے۔ دعوائے مہدویت کفر نہیں اور نہ کسی جھوٹے مدعی کو مہدی سمجھنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے اس بنا پر محمد بن تومرت، محمد احمد مہدی سوڈانی اور اس قسم کے دوسرے مہدیوں اور ان کے پیرووں کو دائرۂ اسلام میں داخل سمجھنا چاہیئے بشرطیکہ کسی نے ضروریاتِ دین میں سے کسی عقیدہ کا انکار نہ کیا ہو لیکن چونکہ یہ لوگ اہلِ سنت و جماعت کے اجماعی مسلک سے علیحدہ ہو گئے ہیں اس لئے ان کے بدعتی ہونے میں کوئی کلام نہیں البتہ سید محمد جونپوری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان کا دعوائے مہدویت محض غلبۂ حال کے باعث تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ اس دعوے کے باعث اہلِ سنت و جماعت کے دائرہ سے بھی خارج نہیں ہوئے۔

ضروری التماس

"ائمہ تلبیس" میں بہ مقتضائے ضرورت کہیں کہیں مذاہب باطلہ کا بطلان بھی ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ مقصد نہیں کہ ان کے خلاف محاذِ جنگ قائم کیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ فرقۂ حقۂ اہلِ سنت و جماعت کے پیرو بدعتی فرقوں سے کنارہ کش رہ کر سلف صالح اور اخیارِ امت کی صراطِ مستقیم کے سختی سے پابند رہیں لیکن یہ بُعد و ہجران عقائد، عبادات اور مذہبی امور تک محدود رہنا چاہیئے کیونکہ غیر اسلامی ادیان کے مقابلہ میں ان تمام فرقوں سے اتحاد کیا جا سکتا ہے جو مسلمان کہلاتے ہیں۔

میں نے اپنی ناچیز استعداد کے مطابق کوشش کی ہے کہ واقعات کو ان کے صحیح رنگ میں پیش کروں۔ تاہم میرا گمان ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ اس لئے اہلِ نظر سے ملتمس ہوں کہ جو جو اغلاط دیکھیں از راہ عنایت مجھے مطلع کر دیں تاکہ اگر اشاعتِ ثانی کی نوبت آئے تو ان کی اصلاح کر دوں۔

لاہور ۴ جنوری ۱۹۳۷ء

خاکسار:۔ ابو القاسم رفیق دلاوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱ - صاف ابن صیّاد مدنی

عہد جاہلیت میں کہانت کا شیوع

حضرت بشیر و نذیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لئے کاہنوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور خصومات کا معاملہ بھی زیادہ تر انہی کی مرضی اور صواب دید پر موقوف رہتا تھا۔ چونکہ یہ مدعیانِ غیب دانی مرجع انام اور قبلۂ حاجات بنے ہوئے تھے۔ انبیائے کرام کی روحانی تعلیمات بھی اسی طائفہ کی دکان آرائیوں میں گم ہو رہی تھیں۔ لیکن جب مرغانِ حرم نے توحید کی نغمہ سرائی کی اور حضرت خلاصۂ موجودات سید العرب والعجم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر کشورِ انسانیت کی از سر نو تعمیر و تاسیس کا کام شروع ہوا تو کاہنوں کی بساط مقتدائی یکسر الٹ گئی اور کوئی شخص ان کا پُرسانِ حال نہ رہا۔ جس طرح نیّر اعظم کی ضیا پاشیوں میں کرمکِ شب تاب قعر گمنامی میں مستور ہو جاتا ہے اسی طرح سحر و کہانت کی ہمہ گیر تاریکیاں بھی آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی نابود ہو گئیں اور ظلمت سحر و کہانت کی جگہ آسمانی تعلیمات کا نور مبین افق عالم پر لمعہ افگن ہُوا۔ کہانت و نجوم کے ان دکانداروں میں صافؔ نام ایک یہودی بھی تھا۔ جو ناموس الٰہی کے آخری ایّام سعادت میں مدینہ منوّرہ میں ظاہر ہُوا۔ اور اسلامی حلقوں میں ابن صیّاد کی کنیت سے مشہور ہے۔

کیا ابن صیّاد مسلمان تھا؟

ابن صیاد سحر و کہانت میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ گو نبوّت کا مدعی تھا لیکن کسی روایت سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ وہ کسی دن دوسرے خانہ ساز نبیوں کی طرح باقاعدہ بے ہمتائی و یکتائی کی مسند غرور پر بیٹھا ہو اور کسی نے اس کے دعوائے نبوّت کی تصدیق کر کے اس کی متابعت کی ہو۔ ابن صیّاد بعد میں بظاہر مسلمان ہو گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اسلام شائبۂ نفاق سے پاک نہ تھا جس کے بہت سے دلائل و شواہد پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کو بعض دوسرے یہود کی طرح صرف عرب کے ساتھ مخصوص مانتا تھا۔ اور تصدیق رسالت کے باوجود خود بھی مدعیٔ نبوّت تھا حالانکہ کوئی شخص جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دعوائے نبوّت کر کے دائرۂ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن صیّاد کے سامنے دجّال کا ذکر آیا۔ میں نے اس سے ازراہ مذاق کہا "تیرا بُرا ہو کیا تو دجّال ہونا پسند کرتا ہے؟" کہنے لگا کہ اگر وہ تمام قدرت جو دجّال کو دی جائے گی۔ مجھے عطا کی جائے تو میں دجّال بننا ناپسند نہ کروں" (صحیح مسلم) ابن صیاد کا یہ جواب اس کے دلی خیالات و عقاید کا صحیح آئینہ ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے دل پر شیفتگیٔ اسلام و ایمان کے نقش کہاں تک مرتسم تھے؟

ابن صیاد قتل و استہلاک سے کیوں بچا رہا؟

ایک مرتبہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی رگ غیرت اس کے دعوائے نبوت پر جنبش میں آگئی۔ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس کی گردن

مار دُوں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ابن صیاد وہی دجّال منتظر ہے تو تم اس پر کسی طرح قابو نہ پا سکو گے (کیونکہ وہ لا محالہ قرب قیامت تک زندہ رہ کر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہو گا) اور اگر ابن صیاد دجّال معہود نہیں تو اس کے قتل کرنے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا (بخاری و مسلم) ظاہر ہے کہ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد ہر وہ شخص جو نبی اور مہبط وحی ہونے کا مدعی ہو گا فراور واجب القتل ہے۔ لیکن ابن صیاد باوجود ادعائے نبوت قتل سے اس لئے محفوظ رہا کہ آئین خداوندی نے لڑکوں کے قتل کی اجازت نہیں دی۔ اگر وہ بالغ ہوتا تو پھر دعوائے نبوت کے ساتھ کسی آمرزش و رعایت کا مستحق نہ تھا۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جو شخص حکومت وقت کے خلاف غدّاری کرتا ہے۔ یا اس پر کسی سازش یا جنگجوئی کا الزام عاید ہوتا ہے، وہ کشتنی و گردن زدنی قرار پاتا ہے۔ اسے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جاتی ہے یا وہ نشانۂ بندوق بنایا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص شہنشاہ ارض و سما کی روحانی مملکت میں غدر و فساد کرے اور دین الٰہی میں رخنہ اندازی کا مجرم ہو وہ کس درجہ قابل مواخذہ نہ ہو گا؟

منع قتل کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود ان دنوں ذمّی تھے اور ان سے اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ ان سے کسی حال میں تعرض نہ کیا جائیگا۔ چنانچہ "شرح السنۃ" کی روایت میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں کہ اگر ابن صیاد دجّال موعود نہیں تو تمہیں کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک ذمّی کو قتل کر دو" (مشکوٰۃ)

ابن صیاد سے سرورِ عالمؐ کا دلچسپ مکالمہ

روایات صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیسی طاقتیں خورد سالی سے ہی اس کے باطن میں اپنی طاغوتی کذب آفرینیاں القا کر رہی تھیں اور وہ حدِ بلوغ سے قبل ہی اظہار نبوت کر رہا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ بھی ساتھ تھے۔ ابن صیاد عالم طفلی میں قلعہ بنی مغالہ کے اندر جو یہود کا ایک قبیلہ تھا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی طرف راجع کر کے فرمایا کیا تو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا فرستادہ ہوں؟ ابن صیاد نے کہا میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ امیوں کے (یعنی عرب والوں کے جو اکثر ناخواندہ تھے) نبی ہیں۔ پھر ابن صیاد نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ "کیا آپ بھی مجھے رسول اللہ مانتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا کہ "میں تو اللہ جل و علا اور اس کے تمام (سچے) نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں لیکن یہ تو بتا کہ تو جو نبوت کا دعوے دار ہے تجھے کیا دکھائی دیتا ہے"؟ اس نے جواب دیا کہ "میرے پاس ایک صادق آتا ہے اور ایک کاذب"۔ غالباً اس کا منشا یہ تھا کہ اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور ایک شیطان یہ دونوں اس کے دل پر امور غیبیہ القا کر جاتے ہوں گے۔ ابن صیاد کے خود اپنے بیان سے اس کے دعوائے نبوت کا بطلان ثابت ہو گیا کیونکہ انبیاء کرام کی خبریں ابلیسی اکاذیب سے قطعاً مبرا ہوتی ہیں۔ بخلاف کاہنوں کے کہ ان کی بعض اطلاعیں سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی۔ یہ سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تجھ پر صدق اور کذب مختلط ہو گیا ہے"۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ پر اس کا بطلان ظاہر کرنے کے لئے علیٰ رؤس الاشہاد

اس کا امتحان کرنا چاہا۔ چنانچہ فرمایا "اچھا میں ایک کلمہ اپنے دل میں سوچتا ہوں بتاؤ کہ وہ کون سا کلمہ ہے؟" جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت جس کے پانچ کلمے ہیں اپنے ذہن میں ملحوظ رکھی یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ (جس دن کہ آسمان پر بیّن دُھواں ظاہر ہوگا) ابن صیّاد نے کہا وہ دُھواں ہے۔ ابن صیاد پانچ الفاظ کے کلام میں سے صرف ایک لفظ بتا سکا۔ جب حضور نے دیکھا کہ اس کا حال عام کاہنوں کا سا ہے جو القائے شیطانی کی بدولت بعض امور غیبیہ معلوم کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ "تو اپنی بساط سے بڑھ کر قدم نہیں مار سکتا اور نہ اس درجے سے تجاوز کر سکتا ہے جو کاہنوں کو حاصل ہے اور جب تو دوسرے دن کے دلی خطرات کو پوری طرح نہیں بتا سکتا تو نبوت کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔" ربّ قدیر انبیاء کو لوگوں کے دلی ارادوں اور راز ہائے پنہانی پر علیٰ وجہ الکمال مطلع فرما دیتا تھا۔ بخلاف منجموں اور کاہنوں کے کہ جنود ابلیس ان پر کلمات قدسیہ میں سے کوئی ایک کلمہ القا کر دیتا ہے۔

جس دن خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے اپنے معہود ذہنی کے متعلّق سوال کیا اس کے بعد آپ کو ابن صیّاد کے مزید حالات معلوم کرنے کا اشتیاق ہُوا۔ چنانچہ آپ دوسرے دن حضرت اُبَیّ بن کعب انصاریؓ کو ساتھ لے کر اس نخلستان کو تشریف لے گئے جہاں ابن صیّاد مقیم تھا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ ایک چادر تانے بستر پر دراز ہے اور چادر میں سے غن غن کی آواز آرہی ہے۔ آپ اس حقیقت کے پیش نظر کہ جب کسی کے مفسدہ کا خوف ہو تو افشاء راز اور اظہار حقیقت جائز ہے، درخت خرما کی شاخوں کی آڑ میں ہو لئے تا کہ اس کے یہ جاننے سے پیشتر کہ آنحضرت تشریف فرما ہیں۔ اس کی گنگناہٹ کا مفہوم اور مفاد سمجھ سکیں جو مخفی اور ناقابل فہم تھا۔ ابن صیّاد کی ماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پکار اُٹھی۔ "دیکھو صاف! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لاتے ہیں۔ ابن صیاد حضور کی تشریف آوری سے مطلع ہو کر خاموش ہو گیا۔ اگر اس کی ماں خاموش رہتی تو اس کی باتوں سے اس کی حقیقتِ حال پر مزید روشنی پڑ سکتی۔ اس کے بعد جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور دجّال کے متعلّق ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ اور واپس تشریف لے آئے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک اور مرتبہ جناب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ مدینہ طیبہ کے ایک کوچہ میں ابن صیّاد سے ملے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا کہ کیا تو میری رسالت کا قائل ہے؟ کہنے لگا کیا آپ بھی مجھے رسول اللہ مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ اور چونکہ تو کذّاب ہے اس لئے تجھ پر ایمان نہیں لا سکتا۔" اس کے بعد حضور نے دریافت فرمایا کہ تجھ پر کیا بشارتیں آتی ہیں؟ اس نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ عرش پانی پر کھڑا ہے۔ فرمایا "تو عرش ابلیس کو سطح آب پر دیکھتا ہوگا۔" بعض احادیث نبویہ میں وساوس کے متعلق مذکور ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھا کر اپنی ذریات کو فسوں سازیوں اور فتنہ انگیزیوں کے لئے لوگوں کے پاس بھیجتا ہے۔ ابن صیاد اسی ابلیسی تخت کو پانی پر دیکھ کر گمان کرتا تھا کہ یہ عرش الٰہی ہے۔ اس کے بعد آنسرور علیہ التحیۃ والسلام نے دریافت فرمایا "کبھی کچھ اور بھی دیکھا ہے؟" جواب دیا میں دو صادق اور ایک کاذب یا دو کاذب اور ایک صادق کو دیکھا کرتا ہوں۔" آپ نے فرمایا "اس شخص پر اپنا معاملہ مختلط ہو گیا ہے اور اسے اپنی نسبت بھی

یقین نہیں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔" (مسلم)

ابن صیاد بارگاہ نبوی میں

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن صیاد نے جناب نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنت کی مٹی کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سفیدی میں میدے کی مانند ہے اور اس کی بو خالص کستوری کے مشابہ ہے۔" (صحیح مسلم) اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابن صیاد کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا لیکن کسی روایت سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ابن صیاد نے کس سال بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بیعت اسلام کی اور کتنی مرتبہ آستانۂ نبوت میں حاضر ہوا؟ لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ ابن صیاد جیسا کاہن مدعی نبوت عہد رسالت میں خاص مدینۃ الرسولؐ کے اندر موجود ہو۔ یوم حرہ کے واقعات ہائلہ تک جو یزید بے دولت کے عہد ظلمت میں ظہور پذیر ہوئے۔ ہزارہا صحابہ کو اس سے وقتاً فوقتاً ملنے کا اتفاق ہوا ہو اور پھر اس کی اغواکوشیوں کے حالات اور سوانح حیات شرح و بسط کے ساتھ نہ مل سکیں لیکن اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے دوسرے متنبیوں اور خانہ ساز مسیحوں کی طرح اپنے تقدس کی دکان جمانے اور لوگوں کے لئے باقاعدہ دام تزویر بچھانے کا قصد ہی نہ کیا بلکہ کچھ تو اپنے غلبۂ حال اور دجالی حرکات کے باعث لوگوں سے بہت کچھ الگ تھلگ رہتا تھا اور کچھ صحابہ کرامؓ سے بوجہ اپنے کذب آفرین دعاوی کے جھپتا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنے اوقات حیات کو گوشۂ عزلت میں زیادہ گذارتا ہوگا۔ اور یہی اس کے سوانح حیات بکثرت نہ پائے جانے کی علت ہے

کیا ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے؟

بعض علماء نے ابن صیاد کو وہی دجال اکبر سمجھا ہے جسے مسیح علیہ السلام قرب قیامت کو قتل کریں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دجال اکبر تو نہیں تھا البتہ ان دجالوں میں سے ایک ضرور تھا جو جھوٹے دعووں کے ساتھ خلق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جن حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے اور یہ کہ وہی نہایت مسن اور طویل العمر ہو کر اخیر زمانے میں ظاہر ہوگا۔ اور روئے زمین پر فساد برپا کرے گا۔ اُن کے دلائل یہ ہیں:-

محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ میں نے جابرؓ بن عبداللہ کو اس بات پر حلف اُٹھاتے دیکھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ میں نے کہا تعجب کی بات ہے کہ آپ اس بارے میں اللہ کی قسم کھاتے ہیں؟ جابرؓ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے میری موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس بات پر قسم کھائی تھی اور حضورؐ نے اس پر انکار یا اعتراض نہیں کیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

اس روایت کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے ابن صیاد میں بعض دجالی علامتیں دیکھ کر اسے ہی دجال یقین کر لیا تھا۔ اور ان کے حلف کا اصل مبنیٰ یہ تھا کہ ابن صیاد ان دجالوں یعنی عیاروں میں سے ہے جو دعاوی نبوت کے ساتھ فتنہ انگیزی کریں گے ان کی سوگند کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ وہ دجال اکبر ہے۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ آپ اُس وقت تک آسمانی اطلاع نہ پانے کے باعث خود متردد تھے کہ ابن صیاد جس میں دجالی علامتیں پائی جاتی ہیں، دجال موعود ہے یا نہیں؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے تمیم داریؓ کی زبان سے

عرب کے ایک جزیرہ میں دجّال کے قید ہونے کا واقعہ سُنا تو اس وقت آپ پر دجال کی شخصیت متحقّق ومتعیّن ہو گئی۔

دو صحابیوں کی ابن صیّاد کے والدین سے گفتگو

ابن صیّاد کو دجال اکبر سمجھنے والے علماء کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ابو بکرہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ دجّال کے والدین کے یہاں تیس سال تک کوئی اولاد پیدا نہ ہوگی۔ اس کے بعد ان کے گھر ایک کانا لڑکا متولد ہوگا۔ جس کے بڑے بڑے دانت ہوں گے اور دنیاوی لحاظ سے نہایت حقیر اور کریہ المنظر ہوگا۔ نیند کے وقت اس کی آنکھیں تو سوئیں گی لیکن دل (بوجہ ہجوم وساوس وخیالات فاسدہ کے جو شیطان القا کرے گا اسی طرح) بیدار رہے گا (جس طرح سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کثرت افکار صالحہ اور وحی والہامات کے پے در پے وارد ہونے کی وجہ سے نہ سوتا تھا) اس کی ناک پرندے کی چونچ کی مانند گول ہوگی۔ اس کی ماں بہت فربہ اندام اور لحیم وشحیم ہوگی۔ اور اس کے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔" حضرت ابو بکرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے ایک یہودی کے گھر میں ایک کانا لڑکا پیدا ہونے کا حال سُنا۔ میں اور زبیرؓ بن عوّام اس کے والدین سے ملے اور اُنہیں ان تمام صفات سے متصف پایا جو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجّال کے ماں باپ کے متعلق بیان فرمائے تھے۔ ہم نے پُوچھا تمہارا کوئی فرزند بھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ تیس سال تک تو ہمارے ہاں کوئی اولاد نہ تھی لیکن اب ایک کانا اور بڑے بڑے دانتوں والا حقیر سا لڑکا متولد ہُوا ہے اس کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔" ہم وہاں سے چلے تو ہم نے لڑکا بھی قریب ہی دھوپ میں پڑا پایا۔ یہ لڑکا جو پست آواز سے گنگنا رہا تھا سر کھول کر بولا تم نے کیا کہا؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری بات سُنی؟ کہنے لگا بیشک! گو میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے۔" (ترمذی)

لیکن علماء کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے رواۃ میں ایک شخص علی بن زید بن جدعان منفرد ہے۔ اور وہ قوی نہیں۔ علاوہ بریں یہ روایت بقول شیخ ابن حجر عسقلانیؒ "درایۃً" بھی ناقابل اعتماد ہے کیونکہ ابو بکرہؓ ۸ھ میں ایمان لائے۔ اور صحیحین میں ہے کہ جب وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے تو وہ قریب البلوغ تھے اور انہوں نے وصال نبوی سے صرف دو ہی سال پیشتر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی تھی پس ظاہر ہے کہ ابو بکرہ رضہ نے ابن صیّاد کو اس کے زمانۂ ولادت میں مدینۂ طیبہ میں ہرگز نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ ابن صیّاد اور اس کے والدین کا دجّالی صفات وعلامات سے موصوف ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ابن صیّاد ہی دجّال اکبر تھا کیونکہ دو صفتوں کا اتحاد دو موصوفوں کے اتحاد کو مستلزم نہیں۔"

ابن صیّاد سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ کی ملاقات

ابن صیّاد پر دجّال ہونے کا شبہ اس بنا پر بھی کیا جاتا تھا کہ وہ شکل وشباہت اور شمائل میں دجّال اکبر سے بہت بڑی مماثلت رکھتا تھا۔ چنانچہ جس طرح دجّال کی ایک آنکھ دانۂ انگور کی مانند پھولی ہوگی اسی طرح ابن صیاد کی ایک آنکھ بھی اُبھری ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ کہتے ہیں کہ میں ابن صیّاد سے ملا تو دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ پھُولی ہوئی اور اوپر کو اُٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پُوچھا کہ تمہاری

آنکھ میں کب سے یہ خرابی پیدا ہوئی؟ بولا میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا بندۂ خدا خود تیری آنکھ تیرے سر میں ہے اور تجھے اس کی خرابی کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ ابن صیاد کہنے لگا کہ اگر خدائے قادر و توانا چاہے تو تمہارے ہاتھ کی اس چھڑی میں بھی ایسی ہی آنکھ پیدا کر دے"۔ ابن صیاد کے اس جواب کا منشا یہ تھا کہ حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جمادات میں بھی آنکھ پیدا کر دے اور جس طرح اس جماد کو اپنی آنکھ کا شعور اور آشوبِ چشم کا احساس نہیں ہو گا اسی طرح ممکن ہے کہ انسان بھی کثرت اشتغال و ہجوم افکار کی وجہ سے مانع ادراک اشیاء کو اسی طرح مدرک نہ کر سکے۔ جس طرح لوگ غرقِ غم اور وفورِ مسرت کے وقت بھوک کا مطلق احساس نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ابن صیاد گدھے کی سی آواز کے ساتھ چیخنے لگا۔ یہ آواز ایسی کریہہ اور بھیانک تھی کہ میں نے کسی گدھے کی بھی ایسی مکروہ آواز نہیں سُنی تھی۔ میرے احباب کا خیال تھا کہ میں نے ابن صیاد کو اپنی لاٹھی سے اتنا پیٹا تھا کہ لاٹھی ٹوٹ گئی۔ حالانکہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آیا اور وہ کیوں چیخا؟ اسی طرح ابن صیاد کے ایک یہودی رفیق نے یہ گمان کیا تھا کہ میں نے اس کے گھونسا رسید کیا حالانکہ یہ خیال بھی سراپا غلط تھا"۔ (صحیح مسلم)

حدیث جساسہ سے جو عنقریب سپردِ قلم ہو گی۔ اس بات کا قطعی علم ہو گیا تھا کہ ابن صیاد دجال اکبر نہیں ہے۔ لیکن مسلمانانِ مدینہ ابن صیاد کے دجالی صفات اور اس کی ہیئت کذائی کا لحاظ کرتے ہوئے بہت دن تک اس شبہ میں پڑے رہے۔ کہ شاید یہی شخص قرب قیامت کو دجال کی حیثیت سے ظاہر ہو۔ اور یہی وجہ تھی کہ ابن صیاد اہل مدینہ کے لئے سامان خندہ زنی بنا ہُوا تھا اور لوگ اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی کسی سڑک پر ابن عمرؓ کی ابن صیاد سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس سے کوئی ایسی بات کہہ دی۔ جس سے وہ بڑا غضب ناک ہُوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ اپنی خواہر محترم ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس آئے ام المومنین اس سے پیشتر سُن چکی تھیں کہ ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ ابن صیاد سے کوئی بات کہہ کر اس کی اشتعال انگیزی کا باعث ہوئے تھے۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: "خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے ابن صیاد کو کیوں مشتعل کیا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کسی بات پر غضبناک ہو گا اور پھر یہی غیظ و غضب اس کے خروج کا باعث بن جائے گا؟ اور چونکہ یہ احتمال ہے کہ یہی شخص دجال اکبر ہو اس لئے یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ اسے برانگیختہ کر کے باب فتن کھولا جائے"۔ (صحیح مسلم)

ابن صیاد کا استدلال اپنے دجال ہونے کی نفی پر

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور تعجب ہے کہ جن حضرات نے ابن صیاد کو دجال اکبر یقین کیا۔ ان کا ذہن ان روایات صحیحہ کی طرف کیوں منتقل نہ ہُوا؟ ایک روایت میں خود ابن صیاد نے بھی اسی ارشاد نبوی سے استدلال کر کے اپنے دجال ہونے کی نفی کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کو جاتے ہوئے میں ابن صیاد کا رفیقِ سفر تھا۔ اثناء گفتگو میں وہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے لوگوں سے اتنا دُکھ اٹھایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ رسّا درخت سے باندھ کر اس کا پھندا گلے میں ڈال لوں اور پھانسی لے لوں۔ میں نے پُوچھا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

کہنے لگا وجہ یہ ہے کہ لوگ مجھے دجّال سمجھتے ہیں۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سُنا کہ دجّال لاولد ہوگا اور میں صاحب اولاد ہوں؟ کیا پیغمبر علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجّال کافر ہوگا۔ اور میں مسلمان ہوں؟ اور کیا سردار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجّال مکّے اور مدینے میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن میں مدینے میں پیدا ہُوا اور وہیں سے آکر مکہ معظّمہ جا رہا ہوں؟ (مسلم) حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ابن صیاد واقعۂ حرّہ میں جب کہ یزید کا لشکر اہل مدینہ پر غالب آیا مفقود ہوگیا۔ بظاہر یہ روایت اس بیان کے منافی ہے جس میں مذکور ہے کہ وہ مدینے میں مرا اور اس پر نماز پڑھی گئی۔ اگر اس روایت کا مفہوم عام اور موت کو بھی شامل ہے تو کچھ منافات نہیں کیونکہ دونوں کا ماحصل یہ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعۂ حرّہ میں مرا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔

دجّال اکبر ایک جزیرہ میں قید ہے۔

تمیم داریؓ کے بیان سے جو دجّال کی شخصیّت کے بارہ میں نص ہے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ابن صیاد دجّال منتظر نہیں کیونکہ جن دنوں ابن صیاد بچوں کے ساتھ مدینہ مطہرہ کی گلیوں میں کھیل رہا تھا۔ انہی ایام میں یا شاید اس سے بھی پیشتر تمیم داریؓ نے دجّال کو عرب کے ایک جزیرہ میں پابزنجیر دیکھا۔ اب تمیم داریؓ کے دلچسپ مشاہدات کی روایت جو علماء میں "حدیث جساسہ" کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہؓ کہتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضورؐ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھے اور آپ نے حسب عادت مسکرا کر فرمایا کہ سب آدمی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ اس کے بعد فرمایا کیا جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا؟ صحابہ عرض گذار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول علم ہیں۔ "ارشاد ہُوا میں نے کسی ترغیب یا ترہیب کے لئے تمہارے اجتماع کی خواہش نہیں کی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمیم داری ایک عیسائی تھے جو خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ اب اُنہوں نے دجّال کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ان ربانی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے جو میں دجّال کے متعلق تمہارے سامنے پیش کرتا رہا ہوں" چونکہ یہ ماجرا تمیم کے عینی مشاہدہ پر مبنی تھا اس لئے حضورؐ نے لوگوں کے ازدیاد یقین کے لئے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ تمیم داری کا بیان ہے کہ میں نے جہاز میں سوار ہو کر سمندر کا سفر اختیار کیا۔ قبیلہ لخم اور جذام کے بھی تیس آدمی میرے رفیق سفر تھے اتنے میں سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ جہاز سمندر کے طول و عرض میں بحالت تباہ چکر کاٹتا رہا لیکن ساحل بحر تک نہ پہنچ سکا۔ آخر موجوں کے خوفناک تھپیڑے کھاتا ہُوا ایک مہینہ کے بعد بصد خرابی کنارے لگا۔ ہم ایک جزیرہ میں اُترے۔ اثنائے راہ میں ایک عجیب تماش کی عورت ملی جس کے بہت لمبے لمبے بال تھے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا تو کون ہے؟ کہنے لگی میں جساسہ یعنی مخبرہ ہوں جو دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں۔ تم لوگ سامنے والے دَیر میں جاؤ وہاں دجّال کو دیکھو گے۔ ہم نے دَیر کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر ایک اتنا بڑا قوی ہیکل مرد دیکھا کہ اس سے پیشتر اس قد و قامت کا انسان کبھی نظر سے نہ گذرا تھا۔ یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہُوا تھا اس کے ہاتھ گھٹنوں اور ٹخنوں کے بیچ میں سے نکل کر گردن سے بندھے تھے۔ ہم اس کوہ پیکر انسان کو دیکھ کر محو حیرت رہ گئے۔ ہم نے پوچھا تو کون ہے؟

وہ۔ چونکہ تم نے مجھے اس حال میں دیکھ لیا اس لئے میں اپنے تئیں تم سے مخفی نہ رکھوں گا۔ لیکن پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح آنا ہوا؟

ہم۔ ہم عرب کے رہنے والے ہیں۔ ہم نے بحری سفر اختیار کیا تھا لیکن ہمارا جہاز طوفان میں گھر کر مہینہ بھر سرگرداں رہا۔ آخر ہم بحالتِ تباہ اس جزیرہ میں آ پہنچے۔ ایک اعجوبۂ روزگار جساسہ ہم سے کہنے لگی کہ تم لوگ اس شخص کی طرف جاؤ جو دیر میں ہے۔ پس ہم لوگ عجلت سے تیرے پاس پہنچے۔

وہ۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ نخلِ بیسان ہنوز بار آور ہوا یا نہیں؟

ہم۔ بیسان کے نخلستان میں برابر پھل آ رہا ہے۔

وہ لیکن یاد رکھو کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب کہ بیسان میں کھجوروں کے درخت ثمر آور نہ ہوں گے" اس کے بعد سوال کیا کہ "کیا بحیرہ طبریہ میں ابھی پانی موجود ہے یا خشک ہو چکا؟

ہم۔ اس میں تو پانی بافراط موجود ہے۔

وہ۔ وہ وقت دور نہیں جب کہ (قرب قیامت کو) اس کا پانی خشک ہو جائے گا" اس کے بعد دریافت کرنے لگا کہ کیا چشمۂ زغر میں پانی آ رہا ہے؟ اور وہاں کے لوگ اس پانی سے زراعت کر رہے ہیں؟

ہم۔ اس میں تو پانی کی بہتات ہے۔ اور لوگ اس سے اپنی زمینوں کو خوب سیراب کر رہے ہیں۔

وہ۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اُمیوں[1] کے نبی نے ظاہر ہو کر کیا کچھ کیا ہے؟

ہم وہ اپنی قوم پر غالب آئے اور لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔

وہ ہاں ان کے لئے اطاعت و سرافگندگی ہی بہتر تھی۔ اس کے بعد کہنے لگا اب میں اپنی نسبت بھی بتا دوں کہ میں مسیح (دجال) ہوں۔ اور مجھے عنقریب یہاں سے نکلنے کی اجازت ملے گی۔ میں روئے زمین میں ہر جگہ دورہ کروں گا۔ اور دنیا میں کوئی آبادی ایسی نہ ہوگی جہاں چالیس دن کی مدت میں پہنچ نہ جاؤں باستثناء مکہ اور طیبہ کے کیونکہ ان دو شہروں میں مجھے داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔ جب میں مکہ یا طیبہ میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو معاً تیغ برہنہ فرشتہ موجود ہو کر میرے اقدام میں مزاحم ہونے لگے گا"

یہ واقعہ بیان کر کے جناب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصا منبر پر مار کر تین مرتبہ فرمایا یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ (مدینہ منورہ) ہے (مسلم و ابو داؤد بالفاظ مختلفہ)

باب ۲۔ اَسوَد عَنسی

جب حضرت سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے تو آپ

[1] اُمیوں کے نبی کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص عرب ہی کی رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے چنانچہ عرب کے بعض یہود کا یہی عقیدہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس نابکار نے ازراہ تعریض یہ طوفان باندھا ہو کہ آنحضرت نادانوں اور جاہلوں کیلئے مبعوث ہوئے ۱۲

کی صحت مزاج اعتدال سے منحرف ہوگئی۔ اور گو طبیعت جلد سنبھل گئی لیکن منافقوں کی طرف سے ناسازیٔ طبع کی خبر کچھ ایسے بُرے عنوان سے پھیلائی گئی تھی کہ استبداد و خودسری کے مادّے مختلف رنگوں میں ظہور کرنے لگے اور بہت سے منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کا حوصلہ ہوگیا۔ نفس امّارہ کے جن پجاریوں نے علالت نبویؐ کی خبر پاتے ہی اپنے ایمان واسلام کو خیرباد کہہ دیا۔ اسود عنسی ان میں سب سے پیش پیش تھا اس نے نہ صرف نعمت ایمان سے ہجر وحرمان قبول کیا۔ بلکہ اس کی بوالہوسی نے خودساختہ نبوّت کا تاج بھی اسکے سر پر رکھدیا

حضرت خیرالبشرؐ کی پیشین گوئی رنجوریٔ اوّل کے چند ماہ بعد حضرت سیدالخلق صلی اللہ علیہ وسلم اُس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ دنیائے رفتنی وگزشتنی کو الوداع کہہ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ بروز شنبہ ۱۰ ربیع اوّل ۱۱ھ کو خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت مرض میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کے مکان پر تشریف لائے اور یکشنبہ کے دن مرض نے شدّت اختیار کرلی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں فرمایا کہ میں نے (خواب میں) اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ مجھے ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا۔ معًا دونوں کنگن معدوم ہوگئے۔ ان دو کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجّال ہیں کہ میں جن کے درمیان میں ہوں۔ ایک مسیلمہ یمامہ والا۔ دوسرا اسوَدْ یمنی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں وحی الٰہی سے اطلاع پاکر یہ بھی فرمایا کہ "اسود فلاں روز اور فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ویسا ہی ظہور میں آیا۔[۱]

ابتدائی حالات اور دعوائے نبوّت اسود کا اصل نام عَیْہلہ بن کعب بن عوف عنسی تھا۔ لیکن سیاہ فام ہونے کی وجہ سے اسود کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔ عنس قبیلۂ مذحج کی ایک شاخ تھی۔ علاقۂ یمن کے ایک موضع میں جس کا نام کہف خار ہے پیدا ہوا اور وہیں نشو ونما پایا۔ شعبدہ گری اور کہانت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اور اس زمانہ میں یہی دو چیزیں باکمال ہونے کی بہت بڑی دلیل سمجھی جاتی تھیں۔ اسود کی ذات میں شیریں کلامی اور تحمّل و بُردباری کا جوہر بدرجۂ اتم ودیعت تھا۔ اس لئے عامۃ الناس جلد اس کی کمند فریب میں پھنس جاتے تھے۔ اس کے لقب میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے ذوالخمار یعنی اوڑھنی والا لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت چادر اوڑھے اور عمامہ باندھے رہتا تھا۔ اور بعض نے اس کا لقب ذوالحمار بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک سدھا ہُوا گدھا تھا۔ جب اس کی طرف مخاطب ہوکر کہتا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر تو وہ فوراً سربسجود ہوجاتا۔ جب بیٹھنے کو کہتا تو جھٹ بیٹھ جاتا۔ اور جب کھڑا ہونے کا حکم دیتا تو وہ نیم قد اور بعض اشاروں پر سروقد کھڑا ہوجاتا تھا۔ جب اہل نجران نے اَسْوَدْ کے ادعائے نبوّت کی خبر سُنی تو اسے بغرض امتحان اپنے ہاں مدعو کیا۔ یہ لوگ اس کی چکنی چپڑی باتوں پر فریفتہ ہوگئے۔ اور جب اس نے گدھے کی نشست و برخاست سے اپنا "اعجازی کرشمہ" بھی دکھا دیا تو انھوں نے نقد ایمان نذر کرکے اس کی پیروی اختیار کرلی۔ اسی طرح قبیلہ مذحج نے بھی اسود کی نئی تحریک کو سمعًا وطاعۃً قبول کرلیا۔

حضرت سرورِ عالمؐ حکومت یمن کو مختلف افراد میں تقسیم فرماتے ہیں جس وقت باذان اور اہل یمن حلقۂ اسلام میں

---

[۱] جذب القلوب الی دیار المحبوب وجمع الکرامہ ناقلاً عن البقاعی

یمن واخل ہوئے تھے۔اس وقت سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی ساری حکومت باذان کو تفویض فرمائی تھی وہ مدت العمر یہاں کے والی رہے۔ باذان کی رحلت کے بعد آپ نے یمن کی حکومت تقسیم کرکے گیارہ افراد کے دستِ اختیار میں دے دی۔ نجران پر عمرو بن حزم کو حاکم مقرر فرمایا۔ نجران اور زبید کا درمیانی علاقہ خالد بن سعید کو تفویض فرمایا ہمدان عامر بن شہر کو دیا گیا۔ صنعا کی حکومت شہر بن باذان کو عطا ہوئی۔ طاہر بن ابو ہالہ عک اور اشعریوں کے والی بنائے گئے۔ ابو موسیٰ کو مارب کی اور فروہ بن مسیک کو مراد کی امارت پر سرفراز فرمایا گیا۔ جَنَد کی سرداری یعلیٰ بن اُمیہ کے زیرِ فرمان دی گئی۔ حضرموت کی حکومت زیاد بن لبید انصاری کو مفوض ہوئی۔ اور سکاسک اور سکون پر عکاشہ بن ثور کو اور بنو معاویہ بن کندہ پر مہاجر کو عامل مقرر فرمایا گیا۔ مگر مؤخر الذکر کے تقرر کے بعد ہی حضور سید کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت سخت علیل ہوگئی اس لئے ان کا جانا ملتوی رہ گیا۔ آخر حضورؐ کے وصال کے بعد امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی حکومت پر روانہ فرما دیا۔

اسود کی ملک گیری اور اسکا فوری عروج و اقبال

اسود نے دعوائے نبوت کے بعد تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ سب سے پہلے اہل نجران کو گانٹھ کر نجران پر چڑھ دوڑا۔ اور عمرو بن حزم اور خالد بن سعید بن عاص کو وہاں کی حکومت سے بے دخل کر دیا۔ اسی طرح اسود کا وزیر قیس بن عبد یغوث مرادی بھی جس کے ہاتھ میں اسودی لشکر کی قیادت تھی۔ فروہ بن مسیک پر چڑھ آیا جو مراد پر عامل تھے اور انہیں منہزم کرکے وہاں پر قابض ہوگیا۔ نجران سے فارغ ہوکر اسود نے صنعا کا رخ کیا۔ یہاں شہر بن باذان نے اس کا مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہوکر جرعۂ شہادت پی لیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی بے سروسامانی کا لحاظ کرتے ہوئے صنعاء سے روانہ ہوئے اور مارب میں ابو موسیٰ کی طرف ہوکر گزرے۔ ابو موسیٰ نے دیکھا کہ حفظ و دفاع کا کوئی سامان نہیں ناچار وہ بھی حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے۔ حضرت معاذؓ تو سکون میں ٹھہرے اور ابو موسیٰ کاسک کو چلے گئے۔
اسی طرح طاہر بن ابو ہالہ جبل صنعا میں جا پناہ گزین ہوئے اور وہ لوگ جو قبیلۂ مذحج میں سے اسلام پر قائم رہے انہوں نے فروہ کے پاس جا پناہ لی۔ اس وقت اسودی اقبال کا یہ عالم تھا کہ فتح و ظفر ہر وقت حکم کی منتظر تھی۔ غرض یمن کا سارا ملک اسود کے حیطۂ اقتدار میں چلا گیا اور وہ شرقاً غرباً صحرائے حضرموت سے طائف تک اور شمال میں بحرین سے احسا تک اور جنوب میں عدن تک کا مالک ہوگیا۔ اسود کی حکومت ملک کے طول و عرض میں اس سرعت سے پھیلی جس طرح آگ گھاس پھوس کے مکان کے ایک سرے میں لگ کر آناً فاناً دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ جب پہلی مرتبہ شہر بن باذان سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی ہے تو اس وقت اس کے پاس صرف سات گھڑ چڑھوں اور کچھ سانڈنی سواروں کی جمعیت تھی لیکن اب اس کی سلطنت کو بڑا استحکام نصیب ہوا ان واقعات سے اکثر اہل یمن اسلام کے صراطِ صدق و صواب سے منحرف ہوکر اسود کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ اب عمرو بن حزم اور خالد بن سعید مدینہ منورہ پہنچے اور تمام دل خراش واقعات حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک جب یمن کے سارے علاقے اسود کے علم اقبال کے سایہ میں آچکے تو اس نے عمرو بن معدیکرب کو اپنا نائب مقرر کیا

یہ وہی شخص ہے جو پہلے خالد بن سعید بن عاص کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا۔ لیکن پھر مرتد ہو کر اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور خالد بن سعید کے مقابلہ سے بھاگ کر اسود کے ظلِ عاطفت میں جا پناہ لی تھی۔ اب حضرموت کے مسلمانوں کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں اسود ان پر بھی فوج کشی نہ کرے یا حضرموت میں بھی اسود کی طرح کوئی نیا دجال کذاب نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے حضرت معاذ بن جبلؓ نے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی سے کام لے کر استمالتِ قلوب کے لئے قبیلۂ سکون میں نکاح کر لیا۔ جس سے قبیلہ کے لوگ ان سے عطوفت اور محبت کا برتاؤ

اسود کے خلاف نفرت و عناد کا جذبہ

اب اسود یمن کا بلا شرکت غیرے مالک بن کر کوس اَنَا وَلَا غَیرِی بجا رہا تھا۔ لیکن حکومت پر فائز ہونے کے بعد اس میں وہ پہلی سی تواضع و منکسر المزاجی باقی نہ رہی تھی۔ غرور و انانیت نے حلم و خاکساری کی جگہ لے لی تھی۔ اور ہر وقت فرعونیت کا تاج پہنے یکتائی اور بے ہمتائی کے نشہ میں سرشار تھا۔ گو قیس بن عبد یغوث سپہ سالار نہایت صبر و سکون کے ساتھ اسود کے تمام نرم و گرم احکام کی تعمیل کرتا تھا لیکن اسود کی نخوت اور فرعون مزاجی نے اس کو سخت کبیدہ خاطر اور متنفر کر دیا تھا۔ اسود نے شہر بن باذان کی جان ستانی کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبراً اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔ اور آزاد کا عم زاد بھائی فیروز دیلمی جو شاہ حبشہ کا بھانجا تھا آزاد کو اس کے پنجۂ بیداد سے نجات دلانے اور اس کا قرار واقعی انتقام لینے کے لئے بُری طرح دانت پیس رہا تھا۔ اتنے میں وبر بن یحنس ازدی کے ہاتھ سکون اور یمن کے مسلمانوں کے نام حضرت فخر کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان آیا جس میں اسود کی سرکوبی کا حکم تھا۔ ارباب ایمان اس فرمان سے نہایت قوی دل ہوئے۔ اور اسود کو نیچا دکھانے کا عزم صمیم کر لیا۔ اتنے میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیس بن عبد یغوث پر اسود کا کچھ عتاب نازل ہوا ہے اور قیس اسود سے سخت کشیدہ خاطر ہے۔ اس لئے قیس کو بھی اپنا رازدار اور شریک کار بنا لیا

قتل کے مشورے

صنعاء کے بعض مسلمان اسود کی فوج گراں کے مقابلہ میں اپنے حربی ضعف کو بخوبی محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بجائے عسکری اجتماع کے رازدارانہ سرگرمیوں سے کام لینا چاہا۔ یہاں کے مسلمانوں نے قرب و جوار کے لوگوں سے نامہ و پیام کر کے اسود کے خلاف ناراضی کا ایک جال پھیلا دیا۔ اس اثنا میں اسود کو اس کے مؤکل نے بتا دیا کہ تمہارے قتل کی پخت و پز ہو رہی ہے۔ اسود قیس کو بلا کر کہنے لگا "مجھے میرے مؤکل نے حکم دیا ہے کہ میں قیس کو چاہ ہلاکت میں ڈال دوں۔ کیونکہ وہ اعداء سے مل گیا ہے"۔ قیس ہر طرف خطرہ کی آندھیوں کو محیط پاکر بطور دفع الوقتی قسم کھا کر کہنے لگا حضور کے تقدس اور عظمت کا سکہ میرے لوح دل پر اس درجہ منقوش ہے کہ اس قسم کے کافرانہ وسوسے میرے دل میں کبھی بار نہیں پا سکتے۔ یہ سن کر اسود قیس کے خون سے درگزرا۔ اس کے بعد قیس موقع پا کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اسود سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ سب بالتفصیل بیان کیں۔ اب اسود نے فیروز دیلمی اور جشنس دیلمی کو جو مسلمانوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے بلا کر دھمکایا مگر انہوں نے دفع الوقتی سے کام لے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ اسود مسلمانوں کی طرف سے ہنوز کھٹکا ہوا تھا اور ارباب ایمان بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے کہ اس اثناء میں عامر بن شہر ذی زود ذوالکلاع اور ذی ظلیم کی طرف سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ ہم تمہاری

عون و نصرت کے لئے ہر طرح سے حاضر ہیں۔ بات یہ تھی کہ سید خلق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس اس مضمون کے فرمان بھیجے تھے کہ وہ اسود کے خلاف حرب آزما ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے صنعاء کے مسلمانوں کو جہاد کی تحریک کی تھی۔ اسی طرح فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو بھی شریک جہاد ہونے کو لکھا تھا اور نجران والوں نے تعمیل ارشاد کا تہیہ کر کے صنعاء والوں کو اپنے عزائم کی اطلاع دے دی تھی۔ یہاں سے فیروز اور جشنس نے اطراف واکناف کے ان تمام مسلمانوں کو جنہوں نے اسود کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کی تحریک کی تھی یہ جواب دیا کہ جب تک ہم یہاں کا کام مستحکم نہ کر لیں۔ اُس وقت تک تم لوگ کوئی اقدام عمل نہ کرنا۔ جب اسود کو ان سب باتوں کی اطلاع ہوئی تو اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہو گیا۔

اسود کی جان ستانی میں آزاد کے شریک کار ہونے کی درخواست

اب جشنس دیلمی فیروز دیلمی کی عم زاد بہن آزاد کو گانٹھنے کے لئے اسود کے محل سرائے میں گیا۔ جس پر اسود نے اس کے شوہر شہر بن باذان کے واقعۂ شہادت کے بعد جبرًا قبضہ کر رکھا تھا۔ اور کہا تم جانتی ہو کہ یہ لعین تمہارے والد اور شوہر کا قاتل ہے اور اس نے تمہیں جبرًا و قہرًا گھر میں ڈال رکھا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کی جان ستانی میں ہماری معاون اور شریک راز بنو۔ آزاد کہنے لگی "واللہ میرے لئے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اس نابکار سے بڑھ کر مکروہ اور قابل نفرت چیز کوئی نہیں۔ یہ کمبخت نبوت کا مدعی ہے مگر حالت یہ ہے کہ نہ تو حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ اسے محرمات ہی سے پرہیز ہے۔ تمہارا جو کچھ ارادہ ہو اس کی مجھے برابر اطلاع دیتے رہو۔ میں اس کار خیر میں جان و دل سے تمہاری مدد کروں گی"۔ اس اثناء میں اسود نے ایک قاصد بھیج کر قیس کو بارادۂ قتل اپنے پاس بلایا۔ قیس مذحج اور ہمدان کے دس مسلح جوان لے کر اسود کے پاس گیا۔ اسود کو ان دس محافظوں کی موجودگی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ قیس کو قتل کرے کہنے لگا۔ قیس! میں نے تجھ سے سچ سچ نہیں کہہ دیا کہ تو میرے قتل کی سازش میں شریک ہے۔ مگر تو ہر مرتبہ جھوٹ بول کر دفع الوقتی کر رہا ہے چنانچہ میرے مؤکل نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ میں قیس کے ہاتھ قطع کر دوں ورنہ وہ ضرور میری گردن مار دیگا"۔ قیس نے کہا یہ قطعًا غلط ہے۔ میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوں اور حضور کے مؤکل کو بھی سچا پیامبر یقین کرتا ہوں لیکن وحی میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے اس لئے ساز باز کا الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ آپ بدگمانی کو پاس نہ پھٹکنے دیجئے۔ میں ہر طرح سے حضور کا غلام اور چاکر ہوں اور حضور کے ہر حکم کی تعمیل کو باعث سعادت یقین کرتا ہوں اور اگر آپ میری طرف نظر ترحم سے نہ دیکھیں گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا" یہ باتیں سن کر اسود کا خیال بدل گیا اور قیس کو جانے کی اجازت دی۔ قیس وہاں سے نکل کر اپنے مسلمان دوستوں سے ملا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ بس اب اپنا کام پورا کر دو۔ اسود محل سرائے سے اُٹھ کر باہر آیا۔ تمام لوگ اس کی تعظیم کے لئے سروقد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قصر کے باہر قریبًا سو گائیں اور اونٹ بندھے تھے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہاں تینوں مسلمان بھی موجود تھے۔ فیروز کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ فیروز! کیا وہ بات جو تیری نسبت مجھے بتائی گئی ہے غلط ہے؟ اور پھر تلوار دکھا کر کہنے لگا کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں"۔ فیروز نے کہا حضور والا! آپ کو شاید معلوم

نہیں کہ حضور کی حرم محترم میری عم زاد بہن ہے۔ اور ہم اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ حضور نے ہمیں سُسرالی قرابت سے مشرف فرمایا۔ اگر حضرت اعلیٰ منصب نبوت پر فائز نہ ہوتے تو ہم کسی بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنی قسمت حضور کے ہاتھ میں فروخت نہ کرتے۔ حضور کی اطاعت میں ہمیں ہر طرح دین و دنیا کی فلاح نصیب ہے" اتنے میں ایک شخص نے اسود کے سامنے فیروز کی چغلی کھائی اور کہنے لگا کہ سرکار! یہ فیروز آپ کا جانی دشمن ہے آپ اس کی سخن سازیوں سے دھوکا نہ کھایئے۔ فیروز بھی سن رہا تھا۔ اسود نے عتاب آمیز نگاہوں سے فیروز کی طرف دیکھ کر کہا "میں سب کچھ جانتا ہوں اس لئے عزم صمیم کر چکا ہوں کہ کل کے روز فیروز اور اس کے رفقاء کو ضرور موت کے گھاٹ اتروا دونگا۔"

نقب لگا کر محل میں گھُس جانے کا مشورہ

اب یہ لوگ وہاں سے چلے آئے اور قیس کو بلا کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ جشنس نے یہ رائے دی کہ میں آزاد کے پاس جا کر اس کی رائے معلوم کرتا ہوں۔ اگر وہ اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائے تو ہمیں اسے ٹھکانے لگا دیں۔ جشنس نے آزاد کے پاس جا کر اپنا خیال ظاہر کیا۔ آزاد کہنے لگی "اسود آج کل نہایت چوکنا اور ہوشیار ہو گیا ہے۔ اس حصۂ مکان کے سوا محل میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پہرہ چوکی نہ ہو البتہ اس مکان کے عقب سے نقب زنی کا موقع ہے اگر تم لوگ سر شام اس طرف جا کر نقب لگاؤ تو وہاں تمہیں کوئی آدمی نہ دیکھ سکے گا۔ اُس وقت جو چاہو کر سکتے ہو۔ وہاں اسود کو کوئی معاون بھی نہ مل سکے گا۔ تمہیں اس جگہ شمعدان روشن ملے گا۔ اور اسلحہ بھی موجود ہوں گے۔" اتنے میں اسود بھی دیوان خانہ سے نکل کر حرم سرائے میں آیا اور جشنس کو اپنی بیوی سے باتیں کرتے پایا۔ اسود نے سخت غضب ناک ہو کر پوچھا تو یہاں کیوں آیا؟ یہ کہہ کر ایک گھونسا جشنس کے اس زور سے رسید کیا کہ وہ پیچھے گر پڑا۔ یہ دیکھ کر آزاد نے ایسی بُری طرح چیخنا چلّانا اور شور مچانا شروع کیا کہ اسود مبہوت رہ گیا۔ آزاد ناک بھوں چڑھا کر اور اسود کو ڈانٹ بتا کے کہنے لگی "یہ میرا دودھ شریک بھائی مجھ سے ملنے کو آیا ہے۔ اور تو سخت بے حیائی کے ساتھ اس سے ایسا وحشیانہ سلوک کرتا ہے۔" یہ کہہ کر آزاد اسود کو سخت سُست کہنے لگی۔ اسود جشنس کو چھوڑ کر آزاد سے معذرت کرنے لگا اور اس سے بصد مشکل اپنا قصور معاف کرایا۔ وہاں سے اُٹھ کر جشنس اپنے دوستوں کے پاس آیا اور اپنی سرگذشت بیان کی۔ یہ لوگ کہنے لگے اب ہم اسود کے شر سے مأمون نہیں ہیں فوراً بھاگنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں پر بدحواسی طاری تھی اور عالم اضطراب میں کہیں چمپت ہو جانے کی طیّاریاں کر رہے تھے کہ اتنے میں آزاد کا غلام جشنس کے پاس آیا اور پیغام دیا کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان قرار پائی ہے اس میں تغافل نہ کرنا۔" جشنس نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہماری طرف سے ان شاء اللہ اس کام میں ہرگز سُستی نہ ہوگی۔ اور غلام کو ہر طرح تشفی دے کر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے فیروز سے کہا کہ تم بھی آزاد کے پاس جاؤ۔ اور اس سے بالمشافہ گفت گو کر کے اس بات کو پکّا کر لو۔ چنانچہ فیروز نے جا کر بات چیت کی۔ آزاد نے فیروز سے بھی وہی باتیں کہیں جو اس سے پیشتر جشنس سے کر چکی تھی۔ فیروز نے کہا ہم ان اندرونی کمروں میں نقب لگائیں گے۔ فیروز یہی باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں اسود بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور اجنبی مرد کو

اپنی ہم نشین کے پاس بیٹھے دیکھ کر اس کی رگِ غیرت جنبش میں آ گئی۔ اس پر آزاد کہنے لگی۔ "تم نے شاید اسے پہچانا نہیں یہ میرا عم زاد اور دودھ شریک بھائی ہے اور میرا قریب کا رشتہ دار اور محرم ہے۔" اسوؔد نے آزاد کے خوف سے اور تو کچھ نہ کہا البتہ فیروز کو وہاں سے نکال دیا۔

اسود کی جان ستانی جب شام کی سیاہ چادر فضائے عالم پر محیط ہو گئی تو ان لوگوں نے جا کر اپنا کام شروع کر دیا۔ اور نقب لگا کر اندر گھس گئے۔ وہاں شمعدان روشن تھا۔ ان میں سے ہر شخص کو فیروز ہی کی قوت بازو پر زیادہ بھروسا تھا۔ کیونکہ وہ سب میں تنومند زور اور قوی ہیکل تھا۔ ان لوگوں نے فیروز کو آگے کیا اور خود ایسے موقع پر ٹھہرے رہے جو پہرہ داروں اور فیروز کے بیچ میں تھا۔ ان لوگوں کا یہ قیام اس پیشبندی پر مبنی تھا۔ کہ اگر بالفرض پہرہ دار فیروز پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ اس کے آڑے آئیں۔ جب فیروز دروازہ کے قریب پہنچا تو اس نے بڑے زور سے خراٹوں کی آواز سنی اور دیکھا کہ آزاد پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ اور بوالعجبی دیکھو کہ جیسے ہی فیروز دروازہ میں جا کر کھڑا ہوا اس کے موکل نے اسود کو اٹھا کر بٹھا دیا۔ اب اسود اپنے شیطان کی طرف سے یوں گویا ہوا کہ فیروز! تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے جو یہاں آیا ہے؟ فیروز کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس وقت لوٹتا اور موقع کو ہاتھ سے دیتا ہوں تو وہ اور اسکے ساتھی بھی مارے جائیں گے اور آزاد بھی زندہ نہ بچے گی اس لئے پھرتی کر کے اسود سے لپٹ گیا۔ فیروز بلند بالا اور قوی الجثہ جوان تھا۔ اس نے اسود کی منڈی پکڑ کر اس طرح زور سے مروڑی جس طرح دھوبی کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیتا ہے اور معاً اس کی گردن توڑ ڈالی۔ جب فیروز نے اسود کو ہلاک کر کے باہر جانے کا قصد کیا تو آزاد نے لپک کر اس کا دامن پکڑ لیا اور کان میں کہنے لگی کہ اسے زندہ کیوں چھوڑے جاتا ہے ؎

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی
رُکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگِ گلو باقی

آزاد یہ سمجھ رہی تھی کہ اسود ہنوز زندہ سلامت ہے۔ فیروز نے کہا اطمینان رکھو میں نے اسے ہلاک کر کے تمہیں اس کے پنجہ جور سے نجات دلا دی۔ مرنے کے بعد اسوؔد کے منہ سے اس طرح خرخر کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی بیل ڈکارتا ہو۔ یہ عجیب وغریب آواز سن کر محل کے پہرہ دار دوڑے اور دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ آزاد نے آگے بڑھ کر انہیں اندر آنے سے روک دیا اور کہنے لگی خاموش رہو۔ ہمارے پیغمبر پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ وہ خاموش ہو کر چلے گئے۔ فیروز باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے اسوؔد کا کام تمام کر دیا۔ اس پر فیروز کے رفیق اندر کو دوڑے اور دیکھا کہ اسوؔد کے منہ سے بدستور خرخر کی آواز آ رہی ہے۔ حشنس نے بڑھ کر پیش قبض سے اس کا سر تن سے الگ کر دیا۔ اب قاتلوں نے باہم مشورہ کیا کہ اپنے دوسرے ہم مشربوں کو اس سانحہ سے کیونکر مطلع کریں۔ آخر یہ تجویز قرار پائی کہ علی الصباح اس کی عام منادی کر دی جائے۔ جب صبح ہوئی تو اسود کے مارے جانے کی باقاعدہ منادی کی گئی۔ اس خبر کی اشاعت پر صنعا کے مسلمان اور کافر دونوں متوحش ہوئے۔ اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب حشنس دیلمی نے اذان کہنی شروع کی جس میں اشھد ان محمداً رسول اللہ کے بعد یہ الفاظ بھی تھے۔

اَشْھَدُ اَنَّ عَیْھَلَۃَ کَذَّاب اس ندا کے بعد مسلمانوں نے اسود کا سر کفار کی طرف پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اَسْوَدْ کے پیروؤں اور محافظوں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا اور مسلمان بچوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں ستّر اَسْوَدِی کافروں کو پکڑ کر بند کر دیا۔ آخر اعداء مرعوب ہو گئے۔ انطفائے فتنہ کے بعد کفار نے اپنے آدمیوں کا جائزہ لیا تو ستّر آدمی مفقود پائے چنانچہ مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان کے آدمی رہا کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ تم ہمارا لوٹا ہوا مال واپس کرو اور ہمارے بچوں کو لاؤ تو ہم تمہارے آدمی چھوڑ دیں گے چنانچہ باہم مبادلہ کر لیا گیا۔

فضائے یمن پر اسلامی پرچم اس کے بعد جب وہاں مسلمانوں کا قرار واقعی تسلط ہو گیا۔ تو اسودی لوگ صنعا اور نجران کے درمیان صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کی نذر ہوئے۔ اس طرح صنعا و نجران اہل ارتداد کے خار وجود سے پاک ہو گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّال اپنے اپنے علاقوں میں بحال کئے گئے صنعاء کی امارت کے متعلق تھوڑی دیر تک کچھ مناقشہ جاری رہا۔ لیکن آخر کار سب نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی حکومت پر اتفاق کر لیا۔ اور ان کے پیچھے اس قضیہ سے فارغ ہو کر ایک قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس وقت تک آفتاب رسالت سمائے ہدایت پر برابر لمعہ افگن تھا۔ اور حضور کو یہ تمام واقعہ بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا۔ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الصباح صحابہؓ سے فرمایا کہ آج رات اَسْوَدْ مارا گیا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے صحابہ نے عرض کیا اس کا نام کیا ہے؟ فرمایا فیروزؓ۔ چند روز کے بعد جب قاصد اسود کے مارے جانے کی خبر لے کر مدینۃ الرسول میں پہنچا تو سرور کون ومکان علیہ التحیۃ والسلام اس وقت رحمت الٰہی کے آغوش میں استراحت فرما چکے تھے اور امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے عہد حکومت میں سب سے پہلی جو بشارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مژدۂ جانفزا تھا۔ امیر المؤمنین نے اس نامہ کے جواب میں اہل یمن کو ایک مکتوب لکھا جس میں اسود کی ہلاکت پر بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔

فیروز کہتے ہیں کہ جب ہم اسود کو تہ عدم میں پہنچا چکے تو اسلامی عملداری حسب سابق عود کر آئی۔ صنعا میں مسلمانوں کے امیر حضرت معاذ بن جبلؓ تھے۔ ان ایام میں تمام مسلمان بڑی خوشیاں منا رہے تھے۔ اور دنیا جہاں میں کوئی چیز ایسی دکھائی نہ دیتی تھی جو ہمارے آئینہ دل کو ٹھیس لگا سکتی۔ البتہ مضافات میں اسود کے تھوڑے سے سوار شر انگیزی کرتے دکھائی دیتے تھے مگر ہمیں اطمینان تھا کہ ہماری ادنیٰ سی توجہ انہیں ٹھکانے لگا دے گی۔ لیکن چشم فلک کو ہماری یہ خوشی ایک آنکھ نہ بھائی اور اچانک یہ خبر آئی کہ حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرائے فانی کو الوداع کہدیا۔ اس خبر کے پہنچتے ہی سارا معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ اور قبائل مرتدین نے تمام عرب کے اندر ہلچل مچا دی

فرقان حمید کی نقالی اَسْوَدْ مدعی نبوت تھا اس لئے ضرور تھا کہ وہ کوئی آسمانی کلام بھی اپنے دام افتادوں کے سامنے پیش کرتا۔ اس نے قرآن پاک کی نقل کرتے ہوئے کچھ عبارتیں لکھ رکھی تھیں جنہیں اس کے پیرو بمنزلہ مقدس

کی مماثل خیال کرتے تھے مثلاً لکھا تھا:۔ "وَالمَائِسَاتِ مَیسًا وَالدَّارِسَاتِ دَرسًا یُحِبُّونَ جَمعًا وَ فُرَادَیٰ عَلیٰ قَلَائِصَ بِیضٍ وَّ صُفرٍ"[علیہ]

یاد رہے کہ اسود کا فتنہ تین چار مہینے سے زیادہ عرصہ ممتد نہیں ہُوا[علیہ]

باب ۳ - طُلیحہ اَسدی

طُلیحہ بن خُویلد اسدی قبیلۂ بنو اسد کی طرف منسوب ہے جو نواحِ خیبر میں آباد تھا۔ اس شخص نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد سعادت میں مرتد ہو کر سمیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعوائے نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہُوا۔ تھوڑے ہی دن میں ہزار ہا لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

طلیحہ کی شریعت طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر ان کو مسجع کیا۔ اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔ رکوع و سجود کو حذف کر دیا۔ رکوع و سجود کے متعلق کہا کرتا تھا کہ خدائے بے نیاز مونہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے۔ اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ معبود برحق کو کھڑے ہو کر یاد کر لینا کافی ہے دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت سی باتیں اختراع کی تھیں۔ کہا کرتا تھا کہ جبریل امین ہر وقت میری مصاحبت میں رہتے ہیں۔ اور وزیر کی حیثیت سے تمام امور مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

حضرت سید المرسلین کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوّت پر ایمان لانے کی دعوت اب طُلیحہ نے اپنے عم زاد بھائی یا برادر زادہ کو جس کا نام حبال یا حبال تھا دنیا کے ہادئ اعظم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس اپنی نبوّت کی دعوت کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حبال بارگاہ نبوی میں پہنچا اور صورتِ حال بیان کر کے حضرت سید الاوّلین والآخرین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوّت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ حبال نے اپنے اثباتِ دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین) آتا ہے۔ آپ نے فرمایا "تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سُن لیا ہے۔" حبال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگا "واہ صاحب! آپ کیا کہتے ہیں کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور نجات دہندہ یقین کرتی ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا "خدا تمہیں ہلاک کرے اور تمہارا خاتمہ بخیر نہ ہو۔" چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ حبال حالت ارتداد ہی میں قتل ہو کر واصلِ جہنم ہُوا۔ اور دنیا سے نامراد گیا۔

طلیحہ کی پہلی جنگ اور اس کی ہزیمت و فرار حبال کی مراجعت کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضرار بن اَزور کو اپنے اُن عمّال اور قبائل کے پاس تحریک جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا جو طلیحہ سے قریب واقع تھے۔ ضرار نے علی ابن اسد، سنان بن ابو سنان اور قبیلۂ قضاعہ اور قبیلۂ بنو ورقا، وغیرہ کے پاس پہنچ کر ان

علیہ الدعلۃ ناقلاً عن یاقوت الحموی وعیون التواریخ ۱۲ علیہ ابن اثیر ۱۲

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ اُنہوں نے اس ارشاد کو لبیک کہا۔ اور حضرت ضرارؓ کے ماتحت مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا۔ لشکرِ اسلام وَارِدات کے مقام پر خیمہ زن ہُوا اُدھر کفار نے بھی لاؤ لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی۔ دل دادگانِ توحید و جاں نثارانِ رسالت شیرِ غرّاں کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے اور جو سامنے آیا اُسکو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر گرادیا۔ پیروانِ طلیحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے نرغہ کو روکنے کی بہتیری کوشش کی لیکن شجاعانِ اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برآنہ ہوسکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکرِ اسلام مظفر و منصور واپس آیا۔ لیکن ضرارؓ ہنوز مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ حضرت مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی سرائے فانی سے رخصت ہو کر عالمِ عقبیٰ کے دار الخلد کو تشریف لے گئے۔

حضرت اُسامہؓ کے لشکر کی روانگی میں التوا، معلوم ہو گا کہ حضرت زید بن حارثہؓ نے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام اور متبنّیٰ تھے۔ ملک شام میں مُوتہ کے مقام پر نصاریٰ کے ہاتھ سے شربتِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس بنا پر محرم ۱۱ھ میں حضرتِ خیر الورٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر بھیجنے کا عزم فرمایا تھا۔ آپ نے اس مہم کی قیادت حضرت زید شہیدؓ کے فرزندِ گرامی حضرت اُسامہؓ کو تفویض فرماتے ہوئے حکم دیا تھا کہ وہ شام جاکر بلقا اور داروم کی سرحد تک تُرکتاز کریں۔ اور اعدائے اسلام کو اپنے شہید باپ کے قتل کی قرار واقعی سزا دیں۔ لیکن منافقوں نے اربابِ ایمان کو بددل کرنے کے لئے یہ بحث کھڑی کر دی تھی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار پر ایک غلام کو امیر و سردار بنا دیا ہے۔ اہلِ نفاق کی شر انگیزی کا حال حضورؐ کے سمعِ مبارک تک پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سے پیشتر اُسامہؓ کے باپ زید بن حارثہؓ کی امارت پر بھی طعن کیا تھا۔ حالانکہ زیدؓ کی طرح اُسامہؓ میں بھی امارت کی صلاحیت موجود ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا منشا یہ تھا کہ اسلام اپنے تمام پیرؤوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ غلام ہو یا آقا ذاتی قابلیت و صلاحیت شرط ہے۔ اکثر اکابر صحابہ جن میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر مہاجر بھی داخل تھے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے ہمراہ رکاب ہوئے۔ یہ لشکر ابھی چلنے ہی کو تھا کہ حضور سید الاکرمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس مرض سے دوچار ہونا پڑا جس میں آپ نے اس سرائے فانی کو الوداع کہا تھا۔ اور چونکہ حضور کا مرض روز بروز اشتداد پکڑتا گیا اور اس قسم کی متوحش خبریں پیہم آنے لگیں کہ یمن میں اَسوَد عنسی نے، یمامہ میں مسیلمہ نے اور بنی اسد کے اندر طلیحہ نے خروج کیا ہے جیشِ اسامہؓ کی روانگی میں مزید التوا ہو گیا۔

قبائلِ عرب کا ارتداد امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قبائل کے ارتداد سے پہلے علّام الغیوب کے علمِ محیط میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمنِ سعادت میں اور نیز خلفائے راشدین کے عہدِ بابرکت میں کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد سعادتِ ایمانی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے پیشین گوئی کے طور پر اس آیت میں پہلے سے ان کے ارتداد کی اطلاع دے دی:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ (۵: ۵۵)

مسلمانو! یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا خدائے قادر و توانا ان مرتدوں کی جگہ عنقریب ایسے لوگوں کو پیدا کر دیگا جو خدائے برتر کے محبوب ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ وہ اہل ایمان کے حق میں متواضع اور مہربان اور منکروں کے مقابلہ میں تیز اور درشت طبع ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے۔ اور امور خیر کے اجرا اور حسنات و مبرات پر عمل کرنے میں کسی کی ملامت (اور طعنہ زنی) کی پروا نہیں کرینگے۔

چنانچہ اس آیۃ کی تنزیل کے کچھ عرصہ بعد اس پیشنگوئی کا اس طرح ظہور ہوا کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہو گئے تین فرقے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام سعادت میں بدیں تفصیل مرتد ہوئے کہ قبیلہ مذحج اسود عنسی کے ساتھ ایمان سے دست بردار ہوا۔ دوسرا مرتد فرقہ بنی حنیفہ تھا جسے مسیلمہ کذاب کی رفاقت نے اسلام سے منحرف کیا۔ تیسرا قبیلہ بنی اسد تھا جو طلیحہ کی پیروی کر کے سعادت ایمان سے محروم ہوا اور انجام کار حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے شکست کھا کر از سر نو مشرف باسلام ہوا۔ ان قبائل کے علاوہ سات اور فرقے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں زکوٰۃ کے منکر ہو کر فاقد الایمان ہوئے۔ اسی طرح قبیلہ غسان نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین حق سے مفارقت اختیار کی۔

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اور اس کے دردناک نتائج و عواقب

جب آفتاب رسالت رحمت الٰہی کے شفق میں غروب ہوا تو اسلامیوں پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کوئی مومن قانت ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس واقعہ ہائلہ کے ماتم میں خونابہ فشانی نہ کر رہی ہوں۔ اس وقت نہ صرف عالم ارضی نیر ہدایت کی ضیا بخشیوں سے محروم رہ گیا بلکہ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا قومی نظام اور سیاسی اقتدار بھی زیر و زبر ہونے لگا۔ یہ وقت صحابہ کرامؓ کے لئے ابتلاء و آزمائش کا ایک نیا دور تھا۔ جونہی وصال نبویؐ کی خبر اکناف ملک میں پھیلی اکثر قبائل عرب کا زورق ایمان متلاطم ہوا اور منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنیکی جرأت ہوئی گویا حضور کا وصال لوگوں کے لئے ایک مقیاس الایمان تھا جو ان کے کفر و ایمان کی صحیح کیفیت بتا رہا تھا اس وقت نہ صرف منافقوں کو اپنا کفر برملا ظاہر کرنے کا حوصلہ ہو گیا بلکہ عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہود و نصاریٰ بھی ہر طرح فساد و سرکشی پر آمادہ نظر آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل عاطفت کا فقدان، مسلمانوں کی قلت تعداد اور اعداء کی کثرت وغیرہ وہ اسباب تھے جنہوں نے بقول ابن اثیر مسلمانوں کا وہی حال کر دیا جو بارش کی شب ظلام میں بکریوں کا ہو جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کی کشتی خاطر اس عام شورش اور ہمہ گیر بغاوت کو دیکھ کر گرداب تفکر میں ڈگمگا رہی تھی اور ہر مومن قانت کا دل اس حادثہ فاجعہ سے داغ داغ ہو رہا تھا ایسے نازک وقت میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا دل گردہ تھا جس نے سفینۂ ملی کو گرداب فنا سے بچا لیا ورنہ ناموس ملت بیضا پر ایک ناقابل تلافی چرکا لگنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو جیش اسامہؓ کی روانگی پر اصرار

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ امیر المومنین ابوبکرؓ ایسے نازک اور پر آشوب دور میں بھی بدستور جیش اسامہؓ کی روانگی پر مصر ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! اس وقت یہی لوگ یعنی اسامہؓ کا لشکر ہی اسلامی جمعیت کی کل کائنات ہے اور عرب کی جو حالت ہو رہی ہے اس نے دلوں میں تلاطم غم کی طغیانی برپا کر رکھی ہے اس لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ موجودہ حالت میں مسلمانوں کی جمعیت

کو منتشر کر کے مدینہ منورہ کو اعداء کے حملوں کا آماجگاہ بنایا جائے۔ امیر المومنین نے فرمایا "واللہ اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہؓ کی روانگی کے باعث مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نگل جائے گی تو بھی میں اسے ضرور روانہ کرونگا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا اسے بہر حال پورا کر کے رہونگا"۔ امیر المومنین نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو شریک غزاء ہونے کی تحریص فرمائی اور کہا کہ اسامہؓ کے لشکر والے اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے جائیں"۔ سب لوگ حسب فرمان لشکر میں شامل ہو گئے اور اس طرح مسلمان مدینہ منورہ میں خال خال رہ گئے۔

اب حضرت اسامہؓ نے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جوان کی فوج میں داخل تھے امیر المومنین ابو بکرؓ کی خدمت میں اس پیغام کیساتھ بھیجا کہ اگر حکم ہو تو میں لشکر کو آپ کے پاس واپس لے آؤں کیونکہ اسلام کی ساری جمعیت اور قوم کے تمام اکابر میرے لشکر میں شریک ہیں۔ اس لئے مجھے خلیفۂ رسالت، حرم رسول اللہ اور مسلمانان مدینہ کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے کہ مبادا دشمن حملہ آور ہو کر انہیں تباہ و برباد کر جائیں۔ اس کے علاوہ بعض انصار نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی کہا کہ آپ جا کر خلیفۂ رسول اللہ کی خدمت میں ہماری طرف سے عرض کر دیجئے کہ گو اسامہؓ غلام اور غلام زادہ ہیں فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے کسی دینی یا دنیاوی فضیلت میں برابری نہیں کر سکتے۔ اور عمر میں بھی چھوٹے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر ہے تاہم اتنی مہربانی فرمائی جائے کہ کسی ایسے شخص کو سر عسکر مقرر فرمایا جائے جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو"۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ عمرؓ کی کیا مجال ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا سردار تجویز فرمایا ہو اس کے حکم اور طاعت سے ذرا بھی سرتابی کرے۔ اور اسکی جگہ کسی اور شخص کا امیر بنایا جانا بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب اسامہؓ کے حکم سے امیر المومنین کے پاس گئے اور ان کا پیغام پہنچا دیا۔ خلیفۂ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کا بھی خوف ہو کہ جیش اسامہؓ کی روانگی کے باعث مجھے بھیڑیئے اور شیر پھاڑ کر کھا جائیں گے تب بھی میں اسامہؓ کو ضرور روانہ کروں گا۔ اور گو میرے پاس یہاں ایک آدمی بھی نہ رہ جائے مگر سردار دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلہ کو کبھی مسترد نہ کروں گا"۔ پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انصار کی یہ خواہش ہے کہ آپ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر فرمائیں جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو"۔ یہ سنکر امیر المومنین ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ حبیب کردگار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اسامہؓ کو لشکر کا سردار بنایا تھا مگر افسوس تم لوگ چاہتے ہو کہ میں انہیں معزول کر دوں۔ بخدا یہ کبھی نہیں ہو سکتا"۔ یہ تھا امیر المومنین صدیق اکبرؓ کا بے نظیر استقلال اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شیفتگی کا جذبہ کہ سارا عرب دشمن ہے اور ہر وقت دار الخلافہ پر حملوں اور یورشوں کا کھٹکا ہے مگر آپکی جبین استقلال پر شکن تک نہیں پڑی اور آپکو اس بات پر برابر اصرار رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کا بہر حال احترام کیا جائے۔ یہی وہ صفات تھے جن کی بدولت آپ صدیق اکبرؓ اور افضل البشر بعد الانبیاء کہلائے۔

جیش اسامہؓ کی روانگی اب امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ مدینہ سے نکل کر لشکر گاہ تشریف لے گئے اور اسامہؓ کی مشایعت فرمائی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدل جا رہے تھے اور اسامہؓ سوار تھے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا اے خلیفۂ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ گھوڑے سے اتر پڑوں"۔ فرمایا اس کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں تو میرا سراسر نفع ہے کہ ایک ساعت کے لئے اپنے قدموں کو فی سبیل اللہ گرد آلود کر لوں"۔ جب امیر المومنین لوٹنے لگے تو اسامہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک

نامناسب نہ ہو تو عمرؓ کو میری رفاقت و اعانت کے لئے میرے پاس چھوڑ جاؤ"۔ اسامہؓ نے انہیں بخوشی اجازت دی۔ امیر المؤمنینؓ نے رخصت کے وقت حضرت اسامہؓ کو وصیت کی کہ کسی معاملہ میں کسی شخص سے خیانت نہ کرنا۔ کسی سے غدر و فریب سے پیش نہ آنا۔ افراط و تفریط سے بچنا۔ کسی کے ناک کان نہ کاٹنا۔ بچوں بوڑھوں مریضوں اور عورتوں پر رحم کرنا۔ کسی درخت کو نہ کاٹنا۔ بکری، گائے اور اونٹوں کو بلا ضرورتِ اکل ذبح نہ کرنا۔ اور فرمایا عنقریب تمہارا گذر ایسے لوگوں پر ہوگا جو صوامع و معابد میں عزلت گزیں ہیں ان سے اور ان کے مال و اسباب سے تعرض نہ کرنا اور ان سب باتوں کے علاوہ ان جملہ ہدایات کو اپنے لئے چراغ راہ بنانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تلقین فرمائی تھیں۔

حبال کا قاصد مدینہ منورہ میں

قبیلہ بنی اسد کی آبادی جنہوں نے طلیحہ کا نیا دین قبول کیا تھا اتنی بڑھ گئی تھی کہ سمیرا میں ان کی گنجائش نہ رہی اس لئے ان لوگوں کو دو فریق میں منقسم ہونا پڑا۔ ایک فریق ابرق میں اقامت گزیں ہوا اور دوسرا ترک وطن کر کے ذی القصہ کو چلا آیا۔ مؤخر الذکر فریق کی طلیحہ نے امداد کی اور اپنے بھائی حبال کو ان لوگوں پر امیر بنا کر بھیجدیا۔ حبال ان لوگوں کا بھی حاکم تجویز ہوا جو قبائل دئل، لیث اور مدلج سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کی روانگی کے بعد جب اشرار مرتدین کو معلوم ہوا کہ مدینہ میں خلیفہ کے پاس کوئی جمعیت حفظ و دفاع کے لئے باقی نہیں رہی تو ان کی رگ شر و فساد جنبش میں آئی۔ اور غطفان کا ایک وفد اور حبال کا قاصد دار الخلافہ مدینہ کو آئے۔ اس سفارت سے حقیقی مقصد دو تھے ایک تو امیر المؤمنین کا آئندہ طرزِ عمل معلوم کرنا۔ دوسرا برأی العین یہ دیکھنا کہ دار الخلافہ میں مسلمانوں کی جمعیت کس قدر ہے:

زکوٰۃ دینے سے انکار

ان لوگوں نے آتے ہی معافی زکوٰۃ کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہمارے قبائل حسب سابق نماز تو پڑھیں گے مگر آئندہ بیت المال میں زکوٰۃ بھیجنے سے انہیں معاف رکھا جائے"۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اس درخواست کو مسترد فرما دیا اور سمجھایا کہ احکام الٰہی میں کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ ناممکن ہے"۔ امیر المؤمنینؓ نے پند و موعظت کی بہتیری تبریدیں پلائیں مگر انہوں نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ آخر امیر المؤمنین نے فرمایا۔ "واللہ اگر وہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹ کی ادنیٰ رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد و قتال کروں گا کیونکہ زکوٰۃ بھی اسلام کے فرائض پنجگانہ میں داخل ہے"۔

یاد رہے کہ اسلام کے دورِ حکومت میں اس کفرزار ہندوستان کے موجودہ انگریزی عہد کی طرح نہ تو مزارعین کے سے مفلوک الحال طبقہ کو مالگذاری کی اتنی گراں بار رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں اور نہ لوگوں سے آج کل کے نام نہاد مہذب زمانہ کی طرح اس قدر گراں ٹیکس اور بہاٹیکس (ڈسٹرکٹ ٹیکس) وصول کئے جاتے تھے۔ موجودہ زر لگان کے بجائے بارانی زمینوں کی پیداوار کا عُشر یعنی دسواں حصہ مقرر تھا۔ اور جن اراضی کی آب رسانی کاشتکاروں کی ذاتی محنت و مشقت پر موقوف تھی ان کا لگان پیدائش کا بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ اربابِ زر اور اہل نصاب ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھے۔ البتہ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت، مذہبی و تمدنی ضروریات، مصالح ملکی اور مہام سلطنت

کے انصرام کے لئے ان سے ہر سال مال کا چالیسواں حصہ یعنی ایک سال گزر جانے کے بعد ڈھائی روپے سیکڑہ زرِ زکوٰۃ وصول کرکے خزانۂ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے عہد حاضر کی طرح کوئی شخص از خود بجا یا بیجا زرِ زکوٰۃ خرچ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ بلکہ عُشر کی طرح زکوٰۃ کا مال بھی سرکاری خزانہ میں جس کو بیت المال کہتے تھے جمع کیا جاتا تھا۔ اور جس طرح غیر مسلم حکومتوں میں ٹیکس اور مالگذاری کے محکمے روپیہ وصول کرتے ہیں اسی طرح اسلامی عملداری میں سرکاری عُمّال زکوٰۃ و عُشر وصول کرتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ کا بے نظیر استقلال جب قبائل کا وفد ناخوش ہو کر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو ایک جلیل القدر صحابیؓ نے امیر المؤمنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ قبائل عرب بے سرو پا وحشی ہیں۔ عرب کے مختلف حصّوں میں طوفان معاندت اُٹھ رہے ہیں خانہ ساز نبی اپنی اپنی جگہ پرشورش برپا کر رہے ہیں۔ یہود و نصاریٰ فتنہ انگیزی کے لئے الگ گھات میں بیٹھے ہیں۔ مصلحتِ وقت یہ ہے کہ بالفعل لوگوں کی تالیف قلوب کی جائے۔ اور جب تک اساسِ خلافت مستحکم نہ ہو جائے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔" حضرت صدیق اکبرؓ یہ سُن کر برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ نبوت منقطع ہوگئی۔ وحی الٰہی کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ سارا عرب دشمنی پر آمادہ ہے۔ اور میں اپنی حربی کمزوری کا بھی بخوبی احساس رکھتا ہوں۔ لیکن بایں ہمہ خدا کی قسم! جس قدر زرِ زکوٰۃ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھیجتے تھے اگر اس میں سے ایک حبّہ بھی کم کریں گے تو میں ان کے خلاف رزم خواہ ہوں گا۔ اور اگر بالفرض تم لوگوں میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں ان سے تن تنہا مقابلہ کرکے جاں سپاری کا فرض ادا کروں گا۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں کہ اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے۔ شعائر الٰہیہ کی توہین ہو۔ ملت مصطفویؐ کے چراغ ہدایت کو کفر کی آندھیاں گل کرنے میں ساعی ہوں۔ اور میں اسے گوارا کر لوں۔ کیا حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد اسلام یتیم ہو کر کس مپرسی کی حالت میں مبتلا ہو جائے گا؟ کیا فریضۂ الٰہی کی بیکسی دیکھ کر ہم غاشیہ بردارانِ ملت کی رگِ حمیت میں جنبش نہ پیدا ہوگی؟" صحابی مذکور نے عرض کیا۔ "امیر المؤمنین! آپ بجا فرماتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کفار سے اسی وقت تک مقاتلہ کرو جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں۔ مگر موجودہ صورت میں جب کہ وہ اقرار توحید و رسالت میں ہمارے شریک حال ہیں آپ ان کے خلاف کیونکر ہتھیار اُٹھا سکتے ہیں؟" امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں پر جو کلمۂ شہادت اور نماز و زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں ضرور لشکر کشی کروں گا۔" صحابی یہ سُن کر لاجواب ہو گئے اور سمعنا و اطعنا کہہ کر سر جُھکا دیا۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدائے قدوس نے امیر المؤمنین ابو بکرؓ کا انشراح صدر فرما دیا تھا اور آپ کے دل میں نورِ صداقت کا ایک روزن کھُل گیا تھا۔" اور حقیقت یہ ہے کہ رب العزۃ قیام حق کے لئے جن نفوس قدسیہ کا شرح صدر فرما دیتا ہے دنیا کی کوئی غیر اللہ طاقت ان کے قلعۂ استقامت کی مضبوط دیواروں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ امیر المؤمنین کا عزم و ثبات دیکھ کر دوسرے صحابہؓ کے بھی حوصلے بڑھ گئے بجھی ہوئی طبیعتوں میں ولولہ پیدا ہوا۔ اور ہمت و جرأت نے گویا سنبھالا لیا۔

اب ایلچی بے نیل مرام مدینہ طیبہ سے رخصت ہوئے اور امیر المؤمنین کا جواب قبائل کو جا سنایا اور بیان کیا کہ اس وقت مدینہ میں بہت تھوڑے مسلمان موجود ہیں۔ امیر المؤمنین نے ان کی مراجعت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، اور جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو انصار مدینہ کا افسر مقرر فرمایا، اور چونکہ آپ کو یقین تھا کہ اعدائے اسلام بہت جلد مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں گے، مسلمانانِ مدینہ کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت مسجد نبوی میں حاضر رہا کریں۔

مرکز خلافت پر حبال کا حملہ

وفد کو واپس گئے ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ حبال سر شام مدینہ منورہ پر آ چڑھا غنیم کے سپاہی رات کے وقت انقابِ مدینہ پر چڑھ آئے۔ وہاں مسلمان مجاہد موجود تھے انہوں نے مزاحمت کی۔ جب امیر المؤمنین کو اس حملہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اہل مسجد کو آب کش اونٹوں پر سوار کر کے غنیم کے مقابلہ پر آئے۔ اور منہزم کر کے ذی حسیٰ کے مقام تک ان کا تعاقب کیا۔ حبال اپنی کچھ فوج ذی حسیٰ میں اس غرض سے چھوڑ آیا تھا کہ بوقت ضرورت اس سے مدد لے گا۔ ذی حسیٰ میں حبال کی وہ محفوظ فوج امیر المؤمنین کے مقابلہ میں نکل پڑی۔ ان لوگوں نے برآمد ہوتے ہی مسلمانوں کے سامنے خالی مشکیں کہ جن میں ہوا بھر کر ان کے منہ رسیوں سے مضبوط باندھ رکھے تھے۔ زمین پر لڑھکا دیں۔ اس سے وہ اونٹ جن پر مسلمان مجاہد سوار تھے بھڑک گئے اور وہ اپنے اپنے سواروں کو لئے ایسے بے اوسان ہو کر بھاگے کہ مدینہ ہی میں آدم لیا۔ اس واقعہ سے کسی مسلمان کو توچشم زخم نہ پہنچا مگر اعداء کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی ہوا بگڑ چکی ہے۔

امیر المؤمنین ابوبکرؓ کی پہلی فتح

اب امیر المؤمنین وقت سحر تک مسلمانوں کو لڑائی کے لئے آراستہ کرتے رہے۔ اور صبح صادق سے پہلے پیادہ پا دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ حریف کو مجاہدین اسلام کے پہنچنے کی اس وقت خبر ہوئی جب مسلمان اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں مرتدین نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر کفار کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اس اچانک تاخت سے اعداء بدحواس ہو گئے۔ مجاہدین ملت نے کفار کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختۂ مشق بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بقیۃ السیف دشمن طلوع سے قبل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹ کر دشمن کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ ذی القصہ سے بھی آگے تک بھگا کر ایک مقام پر قیام کیا۔ اب امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نعمان بن مقرن کو کچھ آدمی دے کر خود وہاں سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہ کامیابی حضرت خلافت مآبؓ کی سب سے پہلی فتح تھی۔ اور اصل یہ ہے کہ امیر المؤمنین کی شجاعت، پاک نفسی اور قوت ربانی کے جذبہ نے آشوب ایام کو فتح سے بدل دیا۔ ورنہ مسلمانوں کی جمعیت اتنی قلیل تھی کہ وہ اعداء کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے۔ اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ قدوسیوں کی ایک ایسی جاں سپار جماعت تھی جس نے وطن کی ذوالفنون اور خون کے رشتوں کو ایمان اور اخوت اسلامی کے پاک رشتہ پر قربان کر دیا تھا۔ اس لئے ان سے پیش پانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ کی فاتحانہ یلغار

اس وقت پیروان طلیحہ اپنی ہزیمت پر مار دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ مگر کوئی بس نہ چلتا تھا۔ آخر اپنے جوش انتقام کو تسکین دینے کے لئے بنی

عبس اور ذبیان نے اپنے اپنے قبائل کے مسلمانوں کو پکڑ کر شہید کر ڈالا۔ جب اس سانحہ جانگزا کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچی تو امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضؓ نے قسم کھائی کہ جتنے مشرکوں نے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ہے میں بھی اتنے بلکہ اُن سے بھی زیادہ کافروں کو خاک و خون میں تڑپائے بغیر چین نہ لوں گا۔" دو مہینے اور تین روز کے بعد حضرت اُسامہ بن زیدؓ بھی مظفر و منصور شام سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ امیر المؤمنین نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب و خلیفہ مقرر کیا۔ اور جو لشکر حضرت اسامہؓ کے ہمرکاب گیا تھا اسے بھی دار الخلافہ میں چھوڑا تاکہ مجاہدین خود اور اُن کی سواریاں چند روز تک سستا لیں۔ اور خود اپنی قلیل سی جمعیت کو لے کر کوچ کیا۔ اس وقت مسلمانوں نے بہتیری منتیں کیں اور قسمیں دیں کہ آپ خود مشقتِ جہاد گوارا نہ فرمائیں۔ مگر آپ نے ایک نہ سُنی اور فرمایا کہ میں اس مہم کو بہ نفسِ نفیس اس لئے انجام دینا چاہتا ہوں کہ مجھے دیکھ کر تمہارے اندر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن ہو۔

امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضؓ اب اعداء کی سرکوبی کے لئے ذی حسی اور ذی القصہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے منزل بہ منزل جا کر مقام ابرق میں ڈیرے ڈالے اور حرب و قتال کی طیاریوں میں مصروف ہوئے۔ محمدیوں کو دیکھ کر اعداء پر عالم مدہوشی طاری ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے میدان کارزار میں اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور جیش موحدین نے دھاوے کر کر کے سرزمین ارتداد میں بھونچال ڈال دیئے۔ اس رزم و پیکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المؤمنین نے گروہ مرتدین کے ایک مشہور سردار حُطیہ کو قید کر کے بنی ذبیان کے سارے علاقے پر تسلط جما لیا۔ بنی عبس اور بنی بکر نے میدان جان ستاں سے بھاگ کر اور نہایت عجلت کے ساتھ اہل و عیال کو ساتھ لے طلیحہ کے پاس جا پناہ لی اور ان کی چراگاہوں میں مسلمانوں کے جانور چرنے لگے۔ اس شاندار فتح کے بعد بعض صحابہ نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین اب آپ جلد مستقر خلافت کی طرف رجوع فرمائیں کیونکہ خوف ہے کہ مبادا منافق لوگ دار الخلافہ میں کوئی تازہ فتنہ کھڑا کر دیں۔ اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کو عود فرمایا۔

جیش اسلامی کی تقسیم گیارہ دستوں میں

جب حضرت اُسامہؓ کے مراجعت فرما لشکر نے تھوڑے دن تک آرام کر لیا۔ تو اتنے میں زر زکوٰۃ کے پہنچنے سے بیت المال میں مال و زر کی اتنی فراوانی ہو گئی کہ تمام مایحتاج و ضروریات پوری ہونے کے بعد بہت سا زر نقد فاضل بچ رہا۔ اب امیر المؤمنین نے تمام فوج کو گیارہ دستوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک دستہ کے لئے الگ الگ لوا طیار کرائے۔ پہلا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کو دیا اور انہیں طلیحہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ طلیحہ کی مہم سے فارغ ہو کر مالک بن نویرہ کے طرز عمل کا مطالعہ کرو۔ اگر وہ سرکشی پر آمادہ نظر آئے تو بطاح جا کر اس کو گوشمال کرو۔ دوسرا لوا حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل کو دے کر مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا۔ جب قبیلہ غطفان اور بنو اسد نے طلیحہ کی پیروی اختیار کی تھی تو ان کی دیکھا دیکھی حاتم طائی کے خاندان بنی طے نے بھی اپنی قسمت طلیحہ سے وابستہ کر دی تھی۔ چونکہ قبیلہ طے کی گوشمالی بھی لابدی تھی اس لئے امیر المؤمنین نے حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کو جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمایا۔ غرض ہر ایک دستہ فوج پر ایک ایک والی مقرر کیا۔ جب سب لشکر مرتب ہو گیا تو سب گیارہ امیر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر المومنین نے ہر ایک امیر کو پند و نصائح کر کے ہر ایک سے ان پر عمل درآمد کرنے کا عہد لیا۔ اور تمام مرتدین کے نام خواہ وہ کسی قبیلہ اور ملک سے تعلق رکھتے تھے ایک ہی فرمان تحریر فرمایا جس میں اس بات کی تحریک تھی کہ وہ توبہ کر کے پھر اسلام کی طرف رجوع کریں۔ ورنہ انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

طلیحہ سے بنو طے کی علیحدگی اور قبول اسلام

امیر المومنین ابو بکر صدیق رضہ نے حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کو حضرت خالد بن ولیدؓ کی روانگی سے پیشتر ہی ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرما دیا تھا۔ اور حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو طلیحہ کے مقابلہ میں عدی بن حاتم رضہ کے پیچھے بھیج کر حکم دیا تھا کہ وہ جنگی کارروائی بنی طے ہی سے شروع کریں۔ ان سے فراغت حاصل کر کے بزاخہ کی جانب جو طلیحہ کا لشکر گاہ تھا ترکتاز کریں۔ اس مقام پر یہ جتلا دینا بھی ضرور ہے کہ جب عبس و ذبیان نے تاب مقاومت نہ لا کر امیر المومنین کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کی تھی تو اس وقت وہ بزاخہ کے مقام پر طلیحہ کے پاس چلے گئے تھے جو سمیرا سے نکل کر بزاخہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس وقت طلیحہ نے بنی طے کے بطون جدیلہ اور غوث کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ آکر اس سے ملحق ہو جائیں چنانچہ وہ لوگ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ جب حضرت عدی بن حاتم طائیؓ اپنے قبیلہ طے میں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی اور انحراف ورزی و سرکشی کے عواقب سے متنبہ کیا اتنے میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا لشکر بھی بنی طے کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ طے نے سر انقیاد جھکا دیا اور حضرت عدیؓ سے استدعا کی کہ آپ خالد بن ولید کے پاس جا کر انہیں یہاں سے پیچھے ہٹنے کو کہیں تاکہ ہم طلیحہ کے لشکر سے منقطع ہو کر علیحدگی اختیار کر سکیں۔ کیونکہ اگر خالد کا لشکر ہمارے سر پر پڑا ہوگا۔ اور ہم ایسی حالت میں طلیحہ کی فوج سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیں گے۔ تو طلیحہ ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔" عدیؓ حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے قبیلہ طے کی خواہش کا اظہار کیا حضرت خالدؓ نے اپنا لشکر کچھ دور پیچھے ہٹا لیا۔ اب بنو طے نے اپنے ان بھائی بندوں کے پاس آدمی بھیجے جو طلیحہ کی فوج میں شامل تھے۔ اور انہیں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ پھر بنی طے مسلمان ہو کر حضرت خالدؓ کے پاس چلے آئے۔

بنی طے کے قبول اسلام کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جدیلہ پر لشکر کشی کا عزم فرمایا۔ حضرت عدیؓ نے کہا ذرا ٹھہریئے۔ ایک دفعہ جا کر افہام و تفہیم کا فرض دوبارہ ادا کر لوں۔ عدیؓ ان کے پاس پہنچے اور اسلام کے محاسن اور کفر کے معائب بیان کر کے انہیں دعوت اسلام دی۔ انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ عدیؓ نے وہاں سے آکر حضرت خالدؓ کو یہ مژدہ سنایا۔ جدیلہ والوں کے قبول حق کی استعداد کی داد دینی چاہیئے کہ وہ نہ صرف اسلام لا کر سعادت دارین کے سرمایہ دار بنے۔ بلکہ ان کے ایک ہزار سوار بھی جہاد کی نیت سے لشکر اسلام میں آداخل ہوئے۔

طلیحہ سے معرکہ اور حبال کی ہلاکت

اب حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضہ نے عکاشہ بن محصن اور ثابت بن ارقم کو کچھ فوج دے کر طلیعہ کے طور پر طلیحہ کی طرف روانہ فرمایا۔ طلیحہ نے ان کے مقابلہ میں اپنے بھائی حبال کو بھیجا ایک جھڑپ ہوئی جس میں عکاشہ نے حبال کے نقش وجود کو صفحۂ ہستی سے محو کر دیا۔ جب حبال کے مارے جانے کی خبر طلیحہ کو پہنچی تو وہ خود فوج کو حرکت دے کر عکاشہ کے مقابلہ کو نکلا اور اپنے بھائی سلمہ کو بھی ساتھ لیا۔ اس معرکہ میں طلیحہ نے عکاشہ کو اور سلمہ نے ثابت کو شہید کر دیا اور پھر دونوں اپنے اپنے مستقر کو لوٹ گئے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ

اپنی فوج کو لئے آگے بڑھے تو یہ متوحش خبر ملی کہ عکاشہ اور ثابت دونوں میدان جان ستان کی نذر ہوئے۔ مسلمانوں کو ان دونوں حضرات کے قتل کا بڑا قلق ہوا۔

قبیلہ بنی طے کی فوجی امداد

چونکہ اس حادثہ سے لشکر اسلام میں کسی حد تک بددلی پھیل گئی تھی حضرت خالدؓ نے فوراً نبرد آزما ہونا خلاف مصلحت سمجھا بلکہ وہیں ٹھہر کر اپنے لشکر کی تجہیز و ترتیب میں مصروف رہے۔

اسی سلسلہ میں قبیلہ بنی طے سے جو مسلمان ہو چکے تھے کمک بھی طلب کی۔ بنی طے نے جو عدیؓ بن حاتم طائی کے ہم قوم تھے جواب دیا کہ بنی قیس کے مقابلہ کے لئے تو ہم کافی ہیں اور ان سے ضرور معرکہ آرا ہوں گے مگر بنی اسد جو طلیحہ کے ساتھ ہیں وہ ہمارے حلیف ہیں ہم ان سے کسی طرح جنگ آزما نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالدؓ نے کہا بہتر ہے تم جس فریق سے چاہو مقابلہ کرو۔ میں تمہیں تمہاری مرضی و اختیار پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن حضرت عدیؓ نے اپنی قوم کا یہ عذر قبول نہ کیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ لشکر ان لوگوں کے مقابلہ پر جائے جو قریب کے رشتہ دار ہیں تو میں اپنے قریب ہی کے رشتہ داروں پر جہاد کروں گا۔ اور میں تمہارے حلف و معاہدہ کی بنا پر بنی اسد کے جہاد سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا لیکن حضرت خالدؓ نے جو ہر بات کی تہ کو پہنچتے تھے اور سپہ سالار ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کے مدبر اور عالی حوصلہ بھی تھے حضرت عدیؓ سے فرمایا کہ کسی فریق سے بھی لڑو۔ جہاد دونوں قبیلوں پر ہو گا۔ اس لئے یہ بات کسی طرح قرین صواب نہیں کہ اپنی قوم سے اختلاف رائے کر کے انہیں پریشانی اور آزمائش میں ڈالو۔ وہ جس فریق سے بھی مبارزہ خواہ ہوں اسی سے مقابلہ کرو۔" اب خالدؓ نے طلیحہ کے خلاف جنگ آزما ہونے کی طیاریاں کر کے اس کے لشکر گاہ کا رخ کیا۔ بزاخہ کے مقام پر فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی اس وقت بنی عامر وہیں قریب بیٹھے اس بات کے منتظر تھے کہ کس فریق کی فتح ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے یہ قرار دیا تھا کہ جس فریق کا پلڑا بھاری ہو گا اپنی قسمت اسی کے دامن دولت سے وابستہ کر دیں گے۔ اس وقت بنی فزارہ کا سردار عیینہ بن حصن اپنی قوم کے سات سو آدمی لئے طلیحہ کا حق رفاقت ادا کر رہا تھا۔

آتشکدۂ حرب کی شعلہ زنی اور طلیحہ کا انتظار وحی

جب طلیحہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی قیامت خیز آتش حرب پوری طرح شعلہ زن ہوئی تو طلیحہ اپنے شیطانی القاء کے انتظار میں میدان کارزار کی ایک طرف چادر اوڑھ کر بیٹھ گیا اور بولا اب مجھ پر وحی نازل ہو گی۔ حضرت خالدؓ نے اس شدت سے حملے کئے کہ غنیم کے منہ پھیر دیئے۔ جب عُیینہ کو اپنی شکست کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ طلیحہ کے پاس گیا۔ اور دریافت کرنے لگا کہ جبرئیل نے کوئی مژدۂ فتح سنایا یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا جبرئیل ہنوز تشریف نہیں لائے۔ عیینہ کہنے لگا جبرئیل کب آئیں گے؟ اور بولا واللہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہماری طاقت جواب دے رہی ہے۔ اور بُری طرح کچومر نکل رہا ہے۔ عیینہ لوٹ گیا۔ اور میدان جنگ میں کمال شجاعت اور جان بازی سے لڑنے لگا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ طلیحہ سے جا کر دریافت کرنے لگا کہ کہیئے جبرئیل تشریف لائے یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا ہاں جبرئیل آئے تھے۔ عیینہ نے دریافت کیا۔" پھر وہ کیا کہ گئے؟" طلیحہ نے کہا جبرئیل رب جلیل کا یہ پیغام پہنچا گئے

ان لک رحیً کرحاہٗ و حدیثا لا تنساہٗ

تیرے لئے بھی شدت جنگ ویسی ہی ہو گی جیسی کہ خالدؓ کے لئے ہے۔ اور ایک معاملہ ایسا گزرے گا کہ تو اسے کبھی فراموش نہ کرے گا

لشکر اعداء کی ہزیمت و پسپائی عُیینہ کو یہ سُن کر اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ یہ شخص کاذب اور خانہ ساز نبی ہے آخر میدان جنگ میں آ کر اپنے آدمیوں سے کہنے لگا کہ طلیحہ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ طلیحہ اور اس کے پیروؤں پر ایک ایسا حادثہ گزرے گا جو کبھی فراموش نہ ہو گا یعنی ہم لوگ ذلت آفرین شکست کھائیں گے۔ اس لئے اے بنی فزارہ مفت میں اپنی جانیں برباد نہ کرو۔ اور اپنے گھروں کو لوٹ چلو کیونکہ طلیحہ بڑا دجال کذاب ہے۔ وہ لوگ سُنتے ہی میدان جان ستان سے مُنہ موڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ طلیحہ کے دوسرے پیروؤں نے بھی فرار کو رزم و پیکار پر ترجیح دی۔ غرض طلیحہ کو فیصلہ کن ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کے ساتھ طلیحہ کی تمام تر اُمیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ اور اس کی بساط نبوت ہمیشہ کے لئے الٹ گئی۔ طلیحہ نے ایک گھوڑا اپنے لئے اور ایک اونٹنی اپنی بیوی نوار کے واسطے پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ جب مسلمان سوار طلیحہ کو گرفتار کرنے کے قصد سے بڑھے تو وہ جھٹ گھوڑے پر سوار ہوا اور بیوی کو ساتھ لے بڑی تیزی سے بھاگا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ بھاگتے وقت بنی فزارہ سے کہ گیا کہ جس کسی سے ممکن ہو وہ بھی اسی طرح اپنی جلبیس کو لے کر اڑ جائے۔ یہاں سے وہ شام کی طرف گیا۔ اور قبیلہ کلب میں جا کر رہنے لگا۔

طلیحہ کی ہزیمت و فرار کے بعد عُیینہ بن حصن گرفتار ہو گیا۔ وہ امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ کے پاس پکڑا آیا۔ جب مدینہ کے بچوں نے اسے دیکھا کہ مشکیں بندھی ہوئی ہیں اور مرتد ہونے سے قبل وہ اس کی بڑی عزت و اکرام دیکھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اے دشمن خدا! تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ یہ کیا غضب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہی کب ہُوا تھا۔ جو بعد کو مرتد ہُوا؟ امیر المؤمنین نے اس کی جان بخشی فرما دی۔ مرتد کی سزا قتل ہے لیکن چونکہ اس نے یقین دلایا کہ وہ شروع ہی سے مسلمان نہیں تھا اس لئے بچ گیا۔

طلیحہ کا کلام وحی طلیحہ کا ایک اور رفیق کار بھی گرفتار ہُوا تھا۔ جو طلیحہ کا محرم راز تھا حضرت خالدؓ نے اس سے پوچھا کہ طلیحہ اپنی نبوت کی کیا کیا باتیں بتایا کرتا تھا؟ اس نے کہا اس کے کلام وحی میں سے یہ بھی تھا:۔

والحمام والیمام والصرد والصوام قد صمن قبلکم باعوام لیبلغن ملکنا العراق والشام	قسم ہے اہلی پرندوں، جنگلی پرندوں، اور ترمتی کی جو خشک زمین میں رہتی ہے کہ زمانہ ماضی میں سالہا سال سے یہ قرار پا چکا ہے کہ ہمارا ملک عراق اور شام تک وسعت پذیر ہو گا۔

اس جنگ میں غنیم کا کوئی آدمی قید نہ ہُوا۔ کیونکہ اُنہوں نے پہلے ہی اپنے حریم کی حفاظت کر لی تھی۔ چونکہ یہ لوگ سب کے سب مسلمان ہو گئے اس لئے ہر قسم کے آفات سے مصئون رہے۔ گو مسلمانوں کو اس معرکہ میں دشمن کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے کوئی مال غنیمت نہ ملا لیکن ان کے قبول اسلام کی کامیابی ہزار غنیمتوں سے بہتر تھی۔

طلیحہ کا قبول اسلام اس کے بعد بنی اسد اور غطفان خلعت اسلام سے مشرف ہوئے تو طلیحہ بھی مسلمان ہو کر امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں شام سے حج کو آیا۔ اور مدینہ پہنچ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ تم نے ان من گھڑت الفاظ کو وحی الٰہی سے تعبیر کر کے خدا پر افترا کیا کہ "خدائے برتر تمہارے مونہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ سادہ رکھا کر دودھ کے اوپر ہی رہتا ہے"

طلیحہ نے کہا "امیرالمؤمنین یہ بھی کفر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ تھا جسے اسلام نے بالکلیہ معدوم کر دیا۔ پس اب مجھ پر ان باتوں کا کوئی الزام نہیں" یہ سن کر امیرالمؤمنین عمرؓ خاموش ہو گئے۔

باب ۴۔ مُسَیلمہ کذّاب[1]

فصل ۱۔ مُسَیلمہ کی خانہ ساز نبوّت

اسلام کے قرنِ اوّل میں جن گم کردگانِ راہ نے خانہ ساز نبوّت کا لباس فریب پہن کر خلقِ خدا کو خسرانِ ابدی کی لعنت میں گرفتار کیا اُن میں مُسَیلمہ بن کبیر بن حبیب سب سے زیادہ کامیاب اور سر برآوردہ متنبّی تھا۔ یہ شخص کذاب یمامہ کے لقب سے بھی مشہور رہے۔ ابو ثمامہ اور ابو ہارون اس کی کنیتیں تھیں۔ مسیلمہ نے حضور سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رحمت میں ایسے وقت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا جبکہ اُس کا سن سو سال سے بھی متجاوز تھا۔ وہ عمر میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ محترم حضرت عبداللہ سے بھی بڑا تھا۔ جناب عبداللہ کی ولادت سے پہلے یہ شخص عام طور پر رحمانِ یمامہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر قرآن نازل ہُوا اور قریش نے حضور کی زبان سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سُنی تو قریش کا ایک آدمی بیساختہ بول اُٹھا کہ اس میں رحمانِ یمامہ کا ذکر ہے۔

مسیلمہ دربارِ نبوی میں جب فخرِ بنی آدم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا غلغلہ اقصائے عالم میں بلند ہُوا۔ اور اہلِ آفاق سرچشمۂ نبوّت سے سیراب ہونے کے لئے اکنافِ ملک سے اُمنڈ آئے تو مسیلمہ نے بھی وفدِ بنی حنیفہ کی معیت میں آستانۂ نبوی میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مگر ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کر دی کہ حضور اسے اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ یہ عرضداشت لغویت میں کچھ ایسی خفیف نہ تھی کہ مزاجِ اقدس پر گراں نہ گزرتی اور آپ اس کو نظرانداز فرما دیتے۔ اس وقت آپ کے سامنے کھجور کی ایک ٹہنی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اے مسیلمہ! اگر تم امرِ خلافت میں مجھ سے یہ شاخِ خرما بھی طلب کرو تو میں دینے کو طیار نہیں" مگر بعض صحیح تر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے حضور سے بیعت نہ کی تھی۔ بلکہ بیعت کو مشروط ٹھہرایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے اپنا جانشین متعین فرمائیں یا اپنی نبوّت میں شریک کریں۔ تو میں بھی حضور سے بیعت کرتا ہوں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ منصب نبوّت کو عطائے الٰہی کے بجائے ایک دنیاوی اعزاز سمجھتا تھا اور شاید اسی زعمِ فاسد کی بنا پر وہ متمنی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے نبوت میں شریک وسہیم بنالیں لیکن حضور کے اس حق پژوہانہ جواب نے اس کے نخلِ آرزو کو بالکل خشک کر دیا۔

دعوائے نبوّت کا محرک اور اس کا آغاز جب مسیلمہ ادھر سے مایوس ہُوا تو اس کے دل و دماغ میں از خود نبوت کی دکان کھول دینے کے خیالات موجزن ہوئے۔ وہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے ابنائے وطن میں ممتاز اور طلاقتِ لسانی اور فصاحت و انشا پردازی میں اقران و اماثل میں ضرب المثل تھا۔ اور یہی وہ چیز تھی جو اسے ہر آن انجاح

[1] اس باب کے مندرجات ابن اثیر، ابن خلدون، بلاذری اور رسالۃ الدعاۃ سے ماخوذ ہیں ۱۲

مقصد کا یقین دلا رہی تھی۔ مدینہ منورہ سے وہ انہی خیالات کی گُتھت و پز کرتے ہوئے یمامہ گیا۔ وہاں پہنچ کر دعوائے نبوت
کی ٹھان لی۔ اور اہل یمامہ کو یقین دلایا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے اپنی نبوّت میں شریک کر لیا ہے۔ اب اس نے
اپنی من گھڑت وحی والہام کے افسانے سُنا سُنا کر اپنی قوم (بنو حنیفہ) کو راہِ حق سے منحرف کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ
بعض "خوش اعتقاد" لوگ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ساتھ اس کی نبوّت کے بھی قائل ہو گئے۔
جب مسیلمی اغوا کوشیوں کی اطلاع آستانۂ نبوّت میں پہنچی تو حضور خواجۂ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک
ممتاز رکن رحّال بن عنفوہ نامی کو جو نہار کے نام سے بھی مشہور تھا اور چند روز پیشتر یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تھا
اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ مسیلمہ کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لائے۔ مگر یہ شخص بنی حنیفہ کے لئے خمیر مایۂ فساد ثابت ہُوا
اس نے یمامہ پہنچ کر اُلٹا مسیلمہ کا اثر قبول کر لیا۔ اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسیلمہ کی نبوّت کا بھی اقرار کیا
اور اپنی قوم سے بیان کیا کہ خود جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے تھے کہ "مسیلمہ نبوت میں میرا شریک ہے"
بنو حنیفہ نے اس کی شہادت پر وثوق کر کے مسیلمہ کی نبوت مان لی۔ اور ساری قوم اس کے دامِ ارادت میں پھنس کر مرتد ہو
گئی۔ اب مسیلمہ نے اپنی دکانِ خدع کو پوری سرگرمی سے چلانا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ دجّالی ارواح ہر طرف سے ہجوم
کر کے مسیلمہ کے دل و دماغ پر متسلط ہونے لگے۔ اور اس کے باطن میں القائے شیطانی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگا۔ مسیلمیت
کی ترقی و اشاعت میں نہار (رحّال بن عنفوہ) کا ہاتھ بہت کام کر رہا تھا۔ اور اس جدید مسلک کے نشر و توزیع میں اسکی وہی
حیثیت تھی جو حکیم نورالدین صاحب بھیروی کو مرزائیت کی ترقی میں حاصل تھی۔ نہار نے مسیلمہ کی بساطِ نبوّت "کو انجام کار
ایسے اوجِ رفعت پر جا بچھایا کہ کسی دوسرے متنبّی کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسیلمہ اس کی حد سے زیادہ
خاطر مدارات کرتا تھا۔

بعض لوگ مسیلمہ کو کذّاب یقین کرنے کے باوجود محض قومی عصبیّت کی بنا پر اس کے پیرو ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ
طلیحہ نمری یمامہ گیا اور لوگوں سے پُوچھنے لگا کہ مسیلمہ کہاں رہتا ہے؟ وہ لوگ بگڑ کر کہنے لگے "خبردار! آئندہ سرکارِ عالم
کا نام کبھی زبان پر نہ لانا بلکہ رسول اللہ کہہ کر پکارنا" طلیحہ نے کہا "میں اسے دیکھے اور اس سے کلام کئے بغیر رسول اللہ
نہیں مان سکتا۔ آخر مسیلمہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کیا تم ہی مسیلمہ ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ پُوچھا تمہارے پاس کون
آتا ہے؟ کہنے لگا رحمان۔ طلیحہ نے پُوچھا روشنی کے وقت آتا ہے یا تاریکی میں؟ کہا تاریکی میں۔ طلیحہ بولا میں اس
بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو کذّاب ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس
انبیاء سلف کی طرح دن کی روشنی میں وحی نازل ہوتی ہے۔ تاہم میرے لئے ربیعہ کا جھوٹا نبی قبیلہ مضر کے سچّے نبی سے
بہرحال عزیز و محبوب ہے۔ یہ طلیحہ مسیلمہ کے ساتھ جنگِ عقربا میں بحالتِ کفر ہلاک ہُوا۔

تیس میں سے ایک دجّال

اس کے تھوڑے دن بعد بنو حنیفہ کا ایک اور وفد مدینہ منوّرہ آیا۔ ان لوگوں کو مسیلمہ کی تعریف
و تقدیس میں بڑا غلو تھا۔ یہ لوگ اس کے اقوال کو لوگوں کے سامنے وحی آسمانی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔
جب حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا حال معلوم ہُوا اور آپ نے یہ بھی سُنا کہ

بنو حنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضور نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ اُن تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے۔ جو دجّال اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں۔ اس دن سے مسلمان مسیلمہ کو مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد کرنے لگے۔

مسیلمہ کا مکتوب حضرت سید المرسلین کے نام اور اس کا جواب

کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد" اور علم النفس کا یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ جو شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا رہے وہ آخرکار اپنے تئیں سچا سمجھنے لگتا ہے اور یہ بات اس کے ذہن سے اتر جاتی ہے کہ یہ محض اس کا دماغی اختراع تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی اصول کے ماتحت مسیلمہ بھی اپنے آپ کو رسول برحق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شریک سمجھنے لگا تھا چنانچہ ایک دفعہ اس نے کمال جسارت و بے باکی کے ساتھ فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

من مسیلمہ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ اما بعد فانی قد اشرکت معك فی الامر وان لنا نصف الارض ولقریش نصفہا ولکن قریشا قوم یعتدون	مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ معلوم ہو کہ میں امر نبوت میں آپ کا شریک کار ہوں (عرب کی) سرزمین نصف ہماری اور نصف قریش کی ہے۔ لیکن قریش کی قوم زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے۔

اور یہ خط اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان سے فرمایا "مسیلمہ کے بارہ میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟" انہوں نے جواب دیا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر قاصد کا قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا"۔ اس دن سے دنیا میں یہ اُصول مسلّم اور زبان زد خاص و عام ہو گیا کہ قاصد کا قتل جائز نہیں۔ مسیلمہ کے خط کے جواب میں حضرت صادق مصدوق علیہ التحیۃ والسلام نے لکھوا بھیجا

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین	بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ منجانب محمد رسول اللہ۔ بنام مسیلمہ کذاب۔ سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اسکا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کیلئے ہے

مسیلمہ کے اخلاق و عادات

مسیلمہ نہایت متواضع اور متحمل مزاج تھا۔ لوگوں کی زشت خوئی اور بدسگالی پر صبر کرتا اپنے مخالفوں سے بھی درگذر کرتا۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف ستیزہ جوئی سے کام لیتا تو انتقام لینے کے بجائے اسے نرمی سے سمجھاتا اور یہ وہ صفات ہیں جو کسی مدعی کاذب کو اس کے ہام مقصد تک پہنچانے میں بہت کچھ معین ثابت ہوتے ہیں۔ مسیلمہ کے موذن کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا اور جو شخص اس کی اقامت کرتا تھا۔ اس کو حُجیر بن عمیر کہتے تھے۔ حجیر کہا کرتا تھا۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُسَيْلِمَةَ يَزْعُمُ اَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (میں اسبات کی شہادت دیتا ہوں کہ مسیلمہ رسول اللہ ہونے کا مدعی ہے) ایک دن مسیلمہ اس سے کہنے لگا اَفْصِحْ حُجَيْرُ فَلَيْسَ فِي الْمَجْمَجَةِ خَيْرٌ (حجیر بات صاف صاف کہو کیونکہ بات کے اول بدل کرنے میں کوئی خوبی نہیں)

مسیلمی عقاید

مرزا غلام احمد کے اصول و عقاید کی طرح متنبی یمامہ کے بھی بہت سے عقاید و احکام اسلام سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں نے اسلام ہی کے بہت سے اصول لے کر ان میں الحاد و زندقہ کی آمیزش

کر لی اور اپنے اپنے پنتھ بنا لئے۔ جن مسائل میں مسیلمی یا بقول ان کے "صادقی" اسلام سے مختلف ہیں ان میں سے بعض ہدیۂ قارئین کرام ہیں: کہتے ہیں کہ عامۃ المسلمین کا خیال ہے کہ رب کردگار نے ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا۔ مگر اس نے انکار کیا اور وہ راندۂ درگاہ ہو گیا۔" یہ مقولہ کفر ہے کیونکہ حق تعالیٰ سجدۂ غیر کا حکم نہیں فرماتا۔ چنانچہ "فاروق ثانی" میں لکھا ہے کہ ابلیس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ رب قدیر نے آدم علیہ السلام کو عمل نیک و بد کا پورا اختیار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک و بد اعمال کا محاسبہ فرمائے گا۔" اس کا جواب یہ ہے کہ مسجود تو فی الحقیقت رب کردگار تھا لیکن آدم علیہ السلام محض جہت قبلہ کا حکم رکھتے تھے یعنی جس طرح کعبہ معلیٰ کی طرف منہ کر کے رب جلیل کو سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی طرف رخ کر کے معبود برحق کو سجدہ کیا تھا۔" مسیلمی کہتے ہیں کہ یوں نہ کہو کہ خدا کا جسم نہیں۔ ممکن ہے کہ جسم ہو اور اجسام مخلوق سے مماثلت نہ رکھتا ہو۔ اور کہتے ہیں کہ ید، بصر اور سمع کے الفاظ جو محمد علیہ السلام پر قرآن میں نازل ہوئے اور جو کچھ کہ مسیلمہ رسول کی کتاب "فاروق اول" میں وارد ہوا ہے سب حق ہے لیکن رب قدیر کا ہاتھ کان آنکھ مخلوق کے ہاتھ پاؤں چشم و گوش کی مانند نہیں کسی اور وضع و ہیئت کے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ لقاء و رویت باری تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ ہر چیز جو موجود ہے سر کی آنکھوں سے دنیا میں دیکھی جا سکتی ہے اور رویت بصر یا رویت بلا بصر کی قید لگانا فضول ہے۔ کہتے ہیں کہ عالم کے قدم و حدوث اور اس کی ابدیت و عدم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدائے واہب کی نوازش اور موہبت کبریٰ ہے کہ مسیلمہ رسول کو ہم نشین (سجاح مدعیۂ نبوت) بھی مرسلہ ہی عطا ہوئی۔ حالانکہ کسی دوسرے نبی کی بیوی نبیہ نہیں ہوئی اور کہتے ہیں کہ چونکہ مسیلمہ نبی کو ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے حکم سے شہید کیا گیا۔ اور عمر، عثمان، علی (رضی اللہ عنہم) بھی ان کے اس فعل کے محرک و مؤید تھے اس لئے خدائے شدید العقاب نے غضب ناک ہو کر خلفائے اربعہ کو لعن خلائق میں اسی طرح مبتلا کر دیا جس طرح یہود کو قتل مسیح علیہ السلام کی وجہ سے ذلت و خواری میں مبتلا کیا۔ دیکھو کہ شیعہ لوگ کس طرح ابوبکر، عمر، عثمان (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دے رہے ہیں اور خارجیوں اور ناصبیوں نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے خلاف دشنام گوئی کا طوفان برپا کر رکھا ہے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرات خلفائے اربعہ (رضی اللہ عنہم) کے خلاف روافض یا خوارج نے اس بنا پر دشنام گوئی اور سب و شتم کا ناپاک شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ مسیلمہ کے قتل کے ذمہ دار یا مؤید تھے تو پھر جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ) کون سا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں یہود انہیں دو ہزار سال سے گالیاں دیتے چلے آ رہے ہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو مسیلمی بیان بھی سخت لغو اور ناقابل التفات ہے۔ اور کہتے ہیں کہ محمد علیہ السلام کے وقت میں جہت قبلہ معین نہ تھی کبھی آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے کبھی استقبال کعبہ کرتے تھے اور کبھی کسی تیسری جانب توجہ فرماتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جہت معین یعنی ہمیشہ کعبہ کی طرف منہ کرنا (معاذ اللہ) اصحاب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ بدعت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیلمہ رسول کو حکم ہوا کہ محراب کی طرف منہ کرنا اور جہت معین کی طرف متوجہ ہونا کفر اور شرک کی علامت ہے کیونکہ ایسی حالت میں کہ پیکر انسانی اور جانور وغیرہ قبلہ بنائے جانے کے قابل نہیں ہیں کسی گھر کو قبلہ بنانا کہاں تک روا ہے؟ پس نماز کے وقت جدھر چاہیں منہ کر لیا کریں اور نیت کریں کہ میں بے جہت نماز ادا

کرتا ہوں۔ اور متعدد آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیلمہ کو مخبر صادق اور خدا کا برگزیدہ پیغمبر یقین کرے۔ ورنہ اس کا اسلام مسلّم نہ ہو گا۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیلمہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں اسی طرح شریک تھے جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں ان کے ساجھی تھے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک ہی پیغمبر ہادی و رہنما ہے لیکن ہمارے دو پیغمبر ہیں۔ ایک محمد رسول اللہؐ اور دوسرے مسیلمہ رسول اللہ۔ اور ہر اُمّت کے کم از کم دو پیغمبر چاہئیں۔ کیونکہ پیغمبر قیامت کے دن شاہد ہوں گے۔ اور دو شاہدوں سے کم کی شہادت معتبر نہیں۔ بلکہ دو سے جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر بہتر ہو گا۔ پیروان مسیلمہ اپنے تئیں رحمانیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مسیلمہ کو رحمان کے لقب سے یاد کرتے ہیں ان کا گمان ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بسم اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مسیلمہ رحیم ہے اور کہتے ہیں کہ فرقان محمدی حضرت مسیلمہ ہی کا معجزہ ہے۔ قرآن نے فصحائے عرب کی زبان بند کر دی تھی اسی طرح حق تعالیٰ نے مسیلمہ پر ایک صحیفہ نازل فرمایا۔ جو "فاروق اوّل" کے نام سے موسوم ہے اس نے بھی فصحاء کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور ان دونوں صحیفوں یعنی قرآن اور فاروق اول کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسیلمہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان دونوں آسمانی کتابوں کی قراءۃ دنیا اور آخرت میں سودمند ہے لیکن ان کی تفسیر کرنا ذنب عظیم ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایزد متعال نے حضرت مسیلمہ کو ایک اور واجب التعظیم کتاب بھی عطا فرمائی تھی جس کا نام "فاروق ثانی" ہے اور کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسیلمہ کی تعلیمات میں کوئی خلاف و تضاد نہیں۔ اور اگر کہیں مسیلمہ کا کلام اور ان کی آسمانی کتاب اقوالِ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیلمہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد تک زندہ رہے اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحلت کے بعد بعض احکام قرآن فرمان ایزدی سے اسی طرح منسوخ ہو گئے جس طرح خود حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عین حیات میں بعض آیتیں دوسری آیات کی ناسخ ہوئیں۔

مسیلمی شریعت کے احکام

مسیلمہ جیسے کار آگاہ فرزانۂ روزگار مدعی سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ استمالت قلوب کے لئے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا التحیہ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا یسیر العمل آئین پیش کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندیٔ احکام کی "تلخ کامیوں" سے آزاد ہوتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ایسے عامیانہ اور رندانہ مذہب و مسلک کی بنیاد ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے حبس و احتراز سے اصلاً بے نیاز تھا۔ سب سے پہلے اُس نے حرمتِ خمر سے انکار کر کے عہد جاہلیت کی رسم کہن کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ چارپاؤں کی طرح انسان بھی توالد و تناسل میں فطرۃً آزاد ہے۔ ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کے لئے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مرد و زن عقد مناکحت کے دائرہ میں محصور و مجبور رہیں۔ چنانچہ اس کی کتاب "فاروق ثانی" میں زنا کو مباح لکھا ہے کیونکہ مسیلمہ کے نزدیک وہ بھی ایک لذت ہے۔ اس مطلق العنانی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے شرارے بلند ہوئے اور فساق اور ہوا و ہوس کے پرستار جوق در جوق اس کے حلقۂ ارادت و نیاز مندی میں داخل ہونے لگے۔ مسیلمی شریعت کے ماتحت اباحت پسند طبائع کو ہوس رانیوں اور نشاط فرمائیوں کا اچھا خاصہ حیلہ مل گیا۔ شراب خواری تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال کر دی گئی تھی۔ ان فواحش نے ملک کو فسق و فجور کا گہوارہ بنا دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ باوجود ان فاسقانہ تعلیمات کے "خوش عقیدہ" لوگ اسے نبی اور

رسول برحق ہی یقین کرتے تھے۔ اوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کوئی قیود عائد نہ کئے۔ لیکن اس کے بعد زنا کو تو علیٰ حالہ جائز رکھا البتہ شادی پر بہت سے قیود عاید کر دیئے۔ لیکن ان قیود کا منشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مطلق العنانی کے پہلے دَور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے وہ بیوی سے اس وقت تک قربت نہ کرے جب تک یہ لڑکا زندہ ہو۔ ہاں اگر مر جائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک اس سے مباشرت کرے۔ اُمت مسیلمہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے روبرو ایجاب و قبول کی حاجت نہیں۔ بلکہ زن و مرد کا خلوت میں ایجاب و قبول کر لینا کافی ہے۔ ہنود کی طرح مسیلمیوں کے نزدیک بھی اقربا میں شادی کرنا مذموم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک میں چچا پھوپھی ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن آپ کی رحلت کے بعد حرام ہو گیا۔ اس حرمت کی مثال وہی ہے جس طرح کہ ایام سلف میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا جناب محمد علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ چنانچہ حضرت مسیلمہ کے پاس فرمان ایزدی پہنچا کہ عقد ہمیشہ اس شخص کی دختر سے کیا جائے جس کے ساتھ پہلے کوئی قرابت نہ ہو۔ مسیلمی لوگ نصاریٰ کی طرح تعدّد ازواج کو جائز نہیں سمجھتے۔ اگر تعدّد کی خواہش ہو تو شیعوں کی طرح ان کے نزدیک متعہ کے طریق پر تعدّد ازواج جائز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ختنہ کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے مگر عقل کے اندھوں نے یہ نہ خیال کیا کہ اگر ختنہ کرنے میں یہود کی مشابہت ہے تو ترک ختنہ میں نصاریٰ اور مشرکین

مسیلمی صوم و صلوٰۃ مسیلمی لوگ ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے بلکہ اس کی ممانعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کی جگہ شبہ رکھنا چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے کہ غروب سے لے کر طلوع آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کریں۔ مسیلمہ نے تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب مقرر کی تھیں اور حکم دیا تھا کہ تینوں نمازیں مختلف جہات میں ادا کی جائیں۔ مثلاً نماز ظہر مشرق کی طرف مُنہ کر کے ادا کی ہے تو عصر کے وقت مغرب کا رُخ کرے۔ وہ چکڑالویوں اور شیعوں کی طرح نماز سنت ادا نہیں کرتے کیونکہ ان کے زعم میں نماز تو وہی ہو سکتی ہے جس کے لئے معبود برحق نے حکم دیا ہو۔ نہ یہ کہ پیغمبر خود ہی اپنی مرضی سے ادا کرنے لگے ہاں اگر فرض نماز کے بعد چاہیں تو کلام الٰہی قرآن یا فاروق اول پڑھیں اور اذکار و اوراد میں مصروف رہیں۔ چکڑالویوں کی طرح ان کے نزدیک نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بلکہ آپ کا نام ہی نہ لینا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے زعم باطل میں اس طرح عبادت الٰہی کے اندر مخلوق کی عبادت شامل ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح حضرت مسیلمہ پر بھی نمازیں تو شروع میں پانچ ہی فرض ہوئی تھیں لیکن اوقات پنجگانہ میں سے صبح اور عشاء کی دو نمازیں حضرت مسیلمہ نے بحکم الٰہی اپنی منکوحہ سجاح کے مہر میں جو وہ بھی ایک مرسلہ تھیں بخش دی[1]

مسیلمی لوگ نماز میں قرآن نہیں پڑھتے بلکہ اس کی جگہ کتاب "فاروق اول" کے کچھ اناپ شناپ فقرے یا اشعار پڑھ لیتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اعرابی کے پاس قیام کیا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا۔ پہلی رکعت میں اس نے پڑھا وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ هَنْيَمَ فِیْ صَلَاتِہٖ + واطعم المسکین من مخلاتہ + وحاطمن بعیدہ دمشاتہ۔ (اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنی نماز پست آواز میں پڑھی اور اپنے تھیلے میں سے مسکین کو کھانا کھلایا

[1] دبستان مذاہب ص ۲۹۷ – ۲۹۹

اور اپنے اونٹوں اور بکریوں کو منزل گاہ پر لے آیا) پھر رکوع اور سجدہ کرکے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اس میں قرأۃ کی جگہ پڑھا بنونا بنوا بائنا وبناتنا۔ بنوھن ابناء الرجال الاباعد (ہمارے بیٹے، ہمارے پوتے، ہماری بیٹیاں، ہمارے نواسے اور ہمارے دُور کے قرابت دار مردوں کی اولاد) پھر رکوع وسجود کرکے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اس میں یہ شعر پڑھا۔ دیوسف اذ ولا ابناء علۃ۔ فاصبح فی قعر الرکیۃ ثاویا۔ (جب سوکن کے بیٹے یوسف کے قریب ہوئے تو یوسف پانی والے کوئیں کی تہ میں پہنچ گئے) جب وہ تینوں رکعتیں پڑھ کر فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ تم نے قرأۃ کی جگہ یہ سب کیا پڑھا ہے؟ اس کو تو قرآن پاک سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں کہنے لگا "اصمعی! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آج سے چالیس سال پیشتر میری پھوپھی نے اس کو مسیلمہ رسول اللہ سے سیکھا تھا"[1]

مسیلمہ کا کلام وحی تقدس کے دکاندار اور خانہ ساز نبی اپنے سلسلۂ تزویر میں کلام الٰہی کو بھی نفس وشیطان کا بازیچۂ لہو ولعب بنانا چاہتے ہیں اور کلام خداوندی جو دنیا میں قیام صداقت کے لئے نازل ہوا تھا اس کے نام سے مکر وفریب کا کاروبار جاری کرتے ہوئے ذرا بھی خدا سے نہیں شرماتے مسیلمہ نے قرآن پاک کے مقابلہ میں بعض مسجع عبارتیں لکھکر ان کو کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ مگر اہل علم اور اصحاب بصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوا اُن کی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام خرافات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الٰہی کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ مسیلمہ کا "کلام وحی" ایسا مضحکہ خیز ہے کہ ارباب ذوق سلیم کی محفلیں مارے ہنسی کے لوٹ جاتی ہیں اس نے سورۂ والعادیات کے مقابلہ میں لکھا تھا۔

والزارعات زرعًا والحاصدات حصدًا والذاریات قمحًا والطاحنات طحنًا والخابزات خبزًا والثاردات ثردًا واللاقمات لقمًا اھالۃً وسمنًا لقد فضلتم علٰی اھل الوبر وما سبقکم اھل المدر ریفکم فامنعوہ والمعتر فاٰووہ والباغی فناوؤہ	قسم ہے کھیتی کرنے والوں کی اور قسم ہے کھیتی کاٹنے والوں کی اور قسم ہے بھوسہ صاف کرنے کے لئے گیہوں کو ہوا میں اُڑانے والوں کی اور قسم ہے آٹا پیسنے والوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والوں کی اور قسم ہے سالن پکانے والوں کی اور قسم ہے تیل اور گھی کے لقمے کھانے والوں کی کہ تم کو صوف والے (بادیہ نشین) عربوں پر فضیلت دی گئی ہے اور مٹی (سے مکان بنانے) والے (شہری عرب بھی) تم سے بڑھ کر نہیں ہیں تم اپنی زرخیز سوکھی زمین کی حفاظت کرو۔ عاجز ودرماندہ کو پناہ دو۔ اور طالب امداد مانگنے والے کو اپنے پاس ٹھہراؤ۔

سورۂ فیل کے جواب میں لکھا تھا:۔

الفیل وما الفیل لہ ذنب وبیل وخرطوم طویل ان ذلک من خلق ربنا الجلیل	ہاتھی۔ اور وہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی بدنما دُم اور لمبی سُونڈ ہے۔ یہ ہمارے ربّ جلیل کی مخلوق ہے

ان الفاظ کو بھی وحی الٰہی کی طرف منسوب کیا تھا۔

یاضفدع بنت ضفدعین نقی ما تنقین اعلاک فی الماء واسفلک فی الطین لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین	اے مینڈکی۔ مینڈکی کی بچی! اسے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے۔ نہ تو تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔

[1] الدعاۃ ص ۹۳

رسالہ "الدعاۃ" میں جو جھوٹے مدعیوں کے حالات میں مصر سے شائع ہوا ہے مسیلمہ کذاب کا یہ "کلامِ وحی" بھی درج ہے۔

"سبح اسم ربك الاعلى الذى يسّر على الحبلىٰ فاخرج منها نسمة تسعىٰ من بين اضلاع وحشى فمنهم من يموت ويدس فى الثرىٰ ومنهم من يعيش ويبقىٰ الى اجل ومنتهىٰ والله يعلم السر واخفىٰ ولا تخفى عليه الاخرة والاولىٰ۔ اذكروا نعمة الله عليكم واشكروها اذ جعل الشمس سراجًا والغيث ثجاجًا وجعل لكم كباشًا ونعاجًا وفضة وزجاجًا وذهبًا وديباجًا من نعمته عليكم ان اخرج لكم من الارض رمانًا وعنبًا وريحانًا وحنطة وزوانًا۔ والليل الدامس والذئب الهامس ما قطعت اسيد من رطب ولا يابس۔ والليل الاسحم والذئب الادلم والجذع الازلم ما انتهكت اسيد من محرم۔ وكان يقصد بذلك نصرة اسيد على خصومتهم۔ والشاء والوانها واعجبها السود والبانها والشاة السوداء واللبن الابيض انه لعجب محض۔ انا اعطيناك الجواهر فصل لربك وهاجر ان مبغضك لفاجر۔ والمبذرات زرعًا والحاصدات حصدًا والذاريات قمحًا والطاحنات طحنًا والخابزات خبزًا والثاردات ثردًا واللاقمات لقمًا لحمًا وسمنًا لقد فضلتكم على اهل الوبر وما سبقكم اهل المدر ريفكم فامنعوه والمعتر فآووه والباغى فناوئوه۔ والشمس وضحاها فى ضوئها وجلاها والليل اذا عداها يطلبها ليغشاها فادركها حتى اتاها واطفأ نورها فمحاها۔ وقد حرم المذق فما لكم لا تجمعون"۔

علامہ خیر الدین آفندی الوسی سابق وزیر طونس نے کتاب "الجواب الفسیح" میں عبد المسیح نصرانی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے مسیلمہ کا پورا مصحف پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک ضخیم کتاب ہی طیار کر ڈالی تھی اور دعوٰی یہ تھا کہ وہ "الہامی کتاب" ہے۔

مسیلمہ کے "معجزاتِ باہرہ" مسیلمی خصائص نبوت میں سے ایک نہایت دلچسپ اور مہتم بالشان یہ امر تھا کہ اعجاز نمائی کے طور پر وہ جو کچھ کہتا اور جس بات کا بھی ارادہ کرتا اس کے برعکس اور خلافِ مدعٰی ظاہر ہوتا تھا۔ اور یہ بات اس زمانہ کے عجائباتِ قدرت میں شمار کی جاتی تھی اور سنت اللہ اس طرح جاری ہے کہ جھوٹے مدعیوں کو دنیاوی حیثیت سے جس درجہ وقار بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے وہ دینی عزت اور عظمت کے لحاظ سے کبھی سرفراز و کامگار نہیں ہو سکتے۔ ان کی غرض مندانہ تعلّی اور دروغ بافی ان کی دعاؤں کو شرف استجابت و قبول سے محروم رکھتی ہے اور غیرت خداوندی ان کی خود غرضانہ پیش گوئیوں کے پورا ہونے میں ہمیشہ مزاحم رہتی ہے خصوصًا مسیلمہ کے بارہ میں تو یہ کلیہ کچھ ایسی غیر متعارف قوت و سرعت کے ساتھ نمایاں ہوتا تھا کہ ان واقعات کو جناب سالارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجازی ...... کار فرمائی کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ایک عورت مسیلمہ کے پاس آئی اور کہنے لگی ہمارا نخلستان سرسبزی سے محروم ہے اور کوئیں بھی خشک ہو گئے ہیں۔ آپ حضرت مجیب الدعوات سے ہمارے لئے پانی اور نخلستان کی شادابی کی اسی طرح دعا کیجئے جس طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساکنانِ ہزمان کے لئے دعا فرمائی تھی۔ مسیلمہ نے نہار سے پوچھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل ہزمان کے واسطے کس طرح دعا کی تھی؟ نہار نے کہا جناب خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کوؤں کا پانی لیا اور اس سے غرغرہ کر کے انہی کوؤں میں ڈال دیا۔ اس سے کوئیں کا پانی متلاطم ہو کر چشمہ کی طرح اُبل پڑا تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی دعا سے خرما کے درختوں میں شاخیں پھوٹ آئیں۔ اور تمام چھوٹے چھوٹے پودوں میں کلیاں نکل پڑیں"۔ مسیلمہ نے بھی اسوۂ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی پیروی کر کے اپنا آب دہن کوؤں میں ڈلوایا۔ لیکن قدرت الٰہی نے اس

کا الٹا اثر یہ دکھایا کہ کوؤں کا پانی اور بھی نیچے اُتر گیا۔ خرما کے درخت پہلے سے بھی زیادہ سُوکھ گئے۔ اور دعا کرانے والے مدّت العمر مسیلمہ کی جان کو روتے رہے۔

ایک دفعہ نہار نے مسیلمہ سے ذکر کیا کہ حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے سر پر برکت کے ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ مسیلمہ نے بھی معجزہ نمائی کے طور پر بنی حنیفہ کے چند اطفال کے سروں اور اُن کی ٹھوڑیوں پر ہاتھ پھیرا مگر اس کا یہ معکوس اثر ظاہر ہُوا کہ تمام لڑکے گنجے ہو گئے اور تتلانے لگے۔

ایک مرتبہ مسیلمہ نے سُنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لعاب دہن سے آشوب چشم اچھا ہو گیا۔ مسیلمہ نے بھی کسی مریض کی آنکھ پر آب دہن لگا دیا مگر وہ بیچارہ ہمیشہ کے لئے بصارت سے ہی محروم ہو گیا۔ ایک دفعہ کسی شیر دار بکری کے تھن پر افزونی شیر کی غرض سے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی تو معًا اس کا سارا دُودھ خشک ہو گیا۔ ایک مسیلمی بیوہ نے درخواست کی کہ میرے بہت سے فرزندان عزیز وحشت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر خلد آباد عاقبت کو چلے گئے۔ اب صرف دو باقی ہیں حق تعالٰے سے ان کی بقا اور درازیٔ عمر کے لئے دعا فرمائیے۔ اس نے دعا کی اور فرزند کلاں کی کبر سنی کا مژدہ سُنا کر پسر خورد کی مدتِ عمر چالیس سال بتائی۔ جب وہ غم نصیب شاداں و فرحاں مکان پر پہنچی تو معلوم ہُوا کہ بڑا لڑکا کوئیں میں گر کر مر گیا ہے اور چھوٹا فرزند جس کے سنین عمر چالیس بتائے تھے حالت نزع میں دم توڑ رہا ہے۔ غرض تھوڑی دیر میں وہ بھی اپنی دُکھیا ماں کو داغ مفارقت دے کر راہگرائے عالم آخرت ہُوا۔

مسیلمہ کذّاب کا ایک عقلی معجزہ

چونکہ مسیلمہ خوارق عادات دکھانے سے قاصر تھا اور لوگوں کو معجزات کی قسم سے نبوت کی کوئی نہ کوئی علامت ضرور چاہیئے اسلئے اس نے اپنی جودت طبع سے بعض "عقلی معجزے" تجویز کر لئے تھے۔ اور بوقت ضرورت انہی سے اعجاز نمائی کا کام لیتا تھا۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اس نے تنگ مُنہ والی بوتل میں بیضۂ مرغ ڈال رکھا تھا۔ اور جب کبھی کسی طرف سے اعجاز نمائی کا مطالبہ ہوتا تو اسی انڈے کو پیش کر دیتا اور کہتا تھا کہ تنگ مُنہ کی بوتل میں انڈے کو داخل کرنا قوت بشری کے حیطۂ امکان سے خارج ہے۔ اور اگر کسی کو دعویٰ ہو تو ایسا کر دکھائے حالانکہ اس نے انڈے کو چند روز تک سرکے میں رکھ کر نرم کر لیا تھا۔ اس طرح انڈا بوتل میں بآسانی داخل ہو گیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہی شخص ہے جس نے بیضہ کو بوتل میں داخل کیا۔[1]

گمان غالب یہ ہے کہ دَورِ حاضر میں بسیطِ ارض پر کوئی متنفس مسیلمہ کذاب کا نام لیوا نہ پایا جائے گا لیکن صاحب دبستانِ مذاہب کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے تین سو سال پہلے کم از کم ایک مسیلمی سرزمین ایران میں موجود تھا چنانچہ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ ۱۰۵۳ھ میں محمد قلی نام ایک شخص سے مشہد میں میری ملاقات ہوئی وہ مسیلمہ کذاب کا پیرو تھا۔ اس نے مسیلمہ کے بہت سے فضائل و معجزات بیان کئے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بتایا کہ اس کے اشارے سے چاند نیچے اُتر آیا۔ اور اس کے اصحاب کی موجودگی میں اس کی گود میں آبیٹھا۔ اس کا گذر خشک درختوں پر ہُوا اس نے دعا کی تو سب سرسبز ہو گئے۔ اسی طرح طفلِ نوزائیدہ نے اس کی نبوت کی شہادت دی۔ یہ دیکھ کر سعادت مندوں کی ایک جماعت ایمان

[1] الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ البیرونی الخوارزمی مطبوعہ لیپزگ (جرمنی) ۱۸۷۸ء ص ۱۰۹

پر ایمان لے آئی۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی مسیلمی اپنے متقدا کے کسی معجزہ کے کسی راست باز عینی شاہد کا نام نہیں بتا سکتا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسیلمی معجزات کا ڈھکوسلہ محض مسیلمیوں کا دماغی اختراع ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ "پیران نمی پرند مریدان می پرانند"[عہ]

فصل ۲- محاربات مسیلمہ کذاب

جس وقت امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ نے مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا اسی وقت ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر مسیلمہ کذاب سے لڑنے کو یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بعد شرحبیل بن حسنہ کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمایا۔ لیکن عکرمہؓ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرحبیل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ عکرمہؓ کو ہزیمت ہوئی۔ مسیلمہ اور اس کے پیرو فتح کے شادیانے بجاتے میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ جب شرحبیل کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ وہیں ٹھہر گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنی ہزیمت کا حال امیر المؤمنین کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ شرحبیل کو تمہارے پیچھے روانہ کرتا ہوں جب وہ پہنچ جائیں تو اس وقت لڑائی شروع کرنا لیکن افسوس ہے کہ تم خود تو اُستادی جانتے نہیں اور شاگردی کو عیب سمجھتے ہو۔ تمہیں شرحبیل کے پہنچے بغیر ہرگز حملہ میں اقدام نہ کرنا چاہیئے تھا۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہؤا۔ اب مدینہ کی طرف رُخ نہ کرنا کیونکہ یہاں آ کر لوگوں کو پست ہمت اور شکستہ دل کرو گے۔ البتہ آگے جا کر حذیفہ اور عرفجہ سے مل جاؤ اور ان کے ماتحت رہ کر عمان اور مہرہ والوں کا مقابلہ کرو۔ جب اس جنگ سے فراغت حاصل ہو تو اپنا لشکر لے کر مہاجر بن ابی اُمیہ کے پاس یمن اور حضر موت کو چلے جاؤ" اور شرحبیل کو لکھا کہ تم خالد بن ولیدؓ کے صوبوں کی طرف چلے جاؤ۔ اور جب مسیلمہ کی لڑائی میں کامیاب ہو جاؤ تو قضاعہ کا رُخ کرو۔ اور عمرو بن عاصؓ کے ساتھ مل کر مرتدین قضاعہ سے جہاد کرو"

اس اثنا میں حضرت خالد بن ولیدؓ بطاح سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور امیر المؤمنین کو تمام واقعات زبانی کہہ سنائے آپ نے حضرت خالدؓ کو مسیلمہ کے خلاف معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا۔ مہاجرین پر حضرت ابو حذیفہؓ اور حضرت زید بن خطابؓ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کو انصار کی قیادت عطا فرمائی۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے نکل کر برق و باد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے۔ گو اس وقت مسیلمہ اور بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگ آزما سپاہی یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے تاہم باوجود قلت تعداد مسلمانوں کا جوش جہاد اور ولولۂ شہادت اُبل رہا تھا۔ اور وہ مسیلمی مرتدین سے جنگ آزما ہونے کے لئے بپھر رہے تھے

بنی حنیفہ کی دوسری کامیابی

حضرت عکرمہؓ کی طرح شرحبیل نے بھی عجلت کر کے جناب خالد بن ولیدؓ کی آمد سے پہلے مسیلمہ کی حربی قوت کا اندازہ کئے بغیر جنگ کی طرح ڈال دی جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسلمانوں کی مکرر ہزیمت کا علم ہؤا تو شرحبیل کو سخت ملامت کی اور کہا کہ ہماری آمد کا انتظار

عہ دبستان مذاہب ص ۲۹۷

کئے بغیر کیوں پیش دستی کی۔ تمہاری شتاب زدگی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے سے بھی فزوں تر ہو گئی ہے۔ اور اعداء کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔" ایک تو خود مسیلمہ کے پاس پہلے ہی سے جمعیت کثیر تھی۔ جس میں یوماً فیوماً ترقی ہو رہی تھی دوسرے سجاح کی باقی ماندہ فوج بھی مسیلمہ سے مل گئی تھی (جس کا تذکرہ سجاح کے حالات میں قلمبند ہوگا) اس لئے مسیلمہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔

اصحاب بدرؓ کی شرکت جہاد

اس اثناء میں خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی کمک کے لئے ایک دستۂ فوج بھی روانہ فرما دیا جس کے سرعسکر سلیط تھے۔ امیر المؤمنین نے سلیط کو حکم دیا تھا کہ وہ خالد کی امداد کے لئے ان کے عقب میں رہیں تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے۔ اس موقع پر حضرات شیخینؓ یعنی امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما میں اس بارہ میں اختلاف رائے تھا کہ غازیانِ بدر کو بھی لڑائی میں بھیجنا چاہیئے یا نہیں۔ حضرت صدیقؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے کیونکہ ان پاک بازوں کی برکت سے رب ذی المنن اکثر آفات و بلیّات کو رفع فرما دیتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرات کو کم از کم فوجوں کی امارت پر ضرور مقرر کیا جائے۔ آخر امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوئے۔

مُجاعہ کی گرفتاری

جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی کے لئے آپہنچے تو اس نے بھی اپنے لشکر کو یمامہ سے حرکت دی اور عقرباء کے مقام پر لا جمع کیا۔ مسیلمہ کی طرف سے مُجاعہ بن مُرارہ ایک جداگانہ سریہ لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا۔ لیکن مسیلمہ تک پہنچنے میں صرف ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے شرجبیل بن حسنہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے رات کے وقت مجاعہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ شرجبیل نے نہایت بے جگری کے ساتھ مجاعہ پر حملہ بول دیا۔ اور مجاعہ کے آدمیوں کو مارتے مارتے ان کا کھلیان کر دیا۔ مجاعہ تن تنہا موت کا شکار ہونے سے بچا۔ مگر گرفتار کر لیا گیا۔

اسلام اور کفر کی آویزش

اس واقعہ کے بعد حضرت خالدرضؓ بھی پہنچ گئے اور عقرباء کے میدان میں ڈیرے ڈال کر حرب و قتال کی طیاریوں میں مصروف ہوئے۔ دوسرے دن آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ لشکر اسلام میں مہاجرین کا رایت سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضؓ کے ہاتھ میں تھا۔ انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیسؓ اٹھائے تھے۔ دوسرے قبائل عرب کے علم اپنے اپنے سرداران قبیلہ کے ہاتھ میں تھے۔ مسیلمہ اپنا خیمہ وخرگاہ اپنی پُشت پر چھوڑ آیا تھا۔ نہار الرجال بن عنفوہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے مسیلمہ کا مشیر خاص اور سرعسکر تھا۔ اس معرکہ میں مسیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا۔ مسیلمہ کا بیٹا شرجبیل رجز خوانی کر کے بنو حنیفہ کو جوش دلانے لگا۔ اس نے کہا "اے بنی حنیفہ"! آج تم اپنی شرم وغیرت کے لئے لڑو۔ کیونکہ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی۔ اس لئے چاہیئے کہ تم اپنے ننگ و ناموس پر اپنی جانیں قربان کرو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے اتمام حجت کے لئے مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کو دین حق کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے گوش قبول سے نہ سُنا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی پند و موعظ کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن

ان کے والہانہ یقین و اعتقاد کی گرمجوشی میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مرتدین کی طرف سے سب سے پہلے نہار مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہؤا۔ اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ سے جو امیر المومنین عمر فاروقؓ کے بھائی تھے مارا گیا۔ اس وقت گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کے دلاور داد شجاعت دے رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ اسلام اور کفر کی یہ ایسی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی سابقہ نہ پڑا ہو گا۔

لشکرِ اعداء نے سپہ سالار کی اہلیہ محترمہ سے تعرض نہ کیا

لشکرِ اسلام نے لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ کا حکم پا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بنی حنیفہ کو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ جہاں مُجاعہ قید تھا۔ مسیلمی فوج حضرت خالد کے خیمہ میں آ داخل ہوئی۔ اس وقت خیمہ میں حضرت خالدؓ کی اہلیہ محترمہ موجود تھیں۔ خیمہ میں ایک طرف مجاعہ زنجیروں سے جکڑا تھا جسے حضرت خالدؓ پیچھے ہٹتے وقت اپنی بیگم صاحبہ کی نگرانی میں دے آئے تھے۔ بنی حنیفہ نے حضرت خالدؓ کی حرم محترم کو قتل کرنا چاہا مگر مُجاعہ اس میں مزاحم ہؤا اور کہا کہ عورت ذات سے تعرض کرنا شیوۂ مردانگی نہیں ہے اس کے علاوہ یہ اس وقت میری ہمسایہ اور نگران حال ہیں اس لئے بہتر ہے کہ عورت کا خیال چھوڑ کر مردوں کی جا خبر لو۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ اسلامی سپہ سالار کی حرم ہیں ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فتح ہو۔ اس صورت میں معلوم نہیں کہ مسلمان اس کا کس شدت سے انتقام لیں۔ آپ کی حرم محترم سے کوئی تعرض نہ کیا۔ البتہ خیمہ کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

حضرات ثابت، زید اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہم کی رجز خوانی

اب بنو حنیفہ آگے بڑھ کر مسلمانوں سے از سر نو مبارزت خواہ ہوئے۔ اس وقت مسلمان نشۂ شہادت و جان بازی میں سرشار تھے۔ جناب ثابت بن قیسؓ نے لشکر اسلام کو مخاطب کر کے کہا "اے ملتِ موحدین کے بہادرو! اپنی جانوں پر کھیل جاؤ۔ اور دشمن کی کثرت تعداد سے مرعوب ہو کر پست ہمتی سے کام نہ لو۔ الٰہی میں اہل یمامہ کے ارتداد سے بیزار اور اہل ایمان کی کم ہمتی سے عذر خواہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نہایت بے جگری سے غنیم کے قلب لشکر میں جا گھسے اور داد شجاعت دے کر جام شہادت پی لیا۔ اس کے بعد امیر المومنین عمر بن خطابؓ کے برادر معظم حضرت زید بن خطابؓ نے مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے ارباب ایمان! میں نے نہار کی زندگی کا چراغ گل کیا۔ لیکن اب میں اُس وقت تک کسی سے ہم کلام نہ ہوں گا جب تک کہ اعداء کو منہزم نہ کر لوں۔ یا خود ہی جرعۂ شہادت نہ پی لوں۔ اے توحید کے علمبردارو! توحید کی امانت تمہارے سینوں میں ودیعت ہے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تمہیں کوئی غیر اللہ طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔ اعداء کی کثرت اور اپنی قلتِ تعداد سے خالی الذہن ہو کر دشمن کا صفایا کر دو"۔ حضرت ابو حذیفہ نے کہا "اے شمع جمالِ احمدی کے پروانو! آج رسول اللہ کے دین پر کٹ مرو۔ اے توحید کے جان نثارو! تم اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دنیا میں بھیجے گئے ہو۔ آج توحید کی لاج رکھ لینا۔ اے حاملانِ قرآن! قرآن اور اس کے آسمانی احکام دنیا سے مٹنے نہ پائیں"۔

حضرت خالدؓ نے ہلہ بول دیا

اب حضرت خالدؓ نے یک بیک ہلہ بول دیا اور لشکر اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے بنی حنیفہ پر اس طرح ٹوٹ پڑا جس طرح گرسنہ شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ اہل ارتداد اس حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے

ہٹنے پر مجبور ہوئے آتش حرب جوش و خروش کے ساتھ شعلہ زن ہوئی۔ اس وقت کبھی تو مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی مرتدوں کا۔ انہی معرکوں میں سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ اور زید بن خطابؓ وغیرہ بڑے بڑے اکابر ملت شربت شہادت سے سیراب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ کوئی ایسا نشان قائم کرو جس سے فوراً معلوم ہو سکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس حصہ فوج کو کتنا نقصان پہنچا ہے تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جا سکے۔ آخر نشان قائم کئے گئے۔ لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصانِ جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہُوا تھا۔ مہاجرین، انصار اور اہل قریٰ کی بہت بڑی تعداد میدان جانستان کی نذر ہو گئی۔

مسیلمہ کی ہمتِ مردانہ مسلمانوں کی مسلسل جد و جہد اور ولولہ انگیز یورشوں کے باوجود مسیلمہ میدان کارزار میں اس طرح جم کر اڑ رہا تھا کہ گویا کوئی آہنی برج قائم ہے۔ باوجود ضعف پیری کے اس نے ذرہ بھر بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بنی حنیفہ اس کے ارد گرد خوب داد شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت خالد سیف اللہؓ نے یہ محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ کو موت کے گھاٹ نہ اُتارا جائے دشمن پر غلبہ پانا محال ہے اس لئے آپ اس کوشش میں سرگرم عمل ہوئے کہ کوئی موقع ملے تو خود مسیلمہ پر چرکا لگایا جائے۔ بنی حنیفہ کے مقتولوں کی تعداد گو شہدائے مسلمین سے بہت زیادہ تھی مگر انہیں اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے اتنے مقتولین کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جوش میں کسی طرح کمی نہ آئی تھی اور ان کے اندر اسلامی حملوں سے کسی خاص ضعف کے آثار نمایاں نہ ہوئے تھے۔

خالدی کارنامے اب حضرت خالدؓ تن تنہا میدان کارزار میں نکلے۔ اس وقت ع کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے تھا حضرت خالدؓ نے اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کیا۔ اب وہ دوسورما حریفوں کا سامنا ہونے لگا۔ حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر جو مسیلمی آیا آپ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ غرض حضرت خالدؓ نے تن تنہا مسیلمی لشکر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی سورماؤں کو قعر عدم میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ لشکر اعداء میں ہل چل مچ گئی اور نسیم فتح مسلمانوں کے رایتِ اقبال پر چلنے لگی۔ اب حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کو پکارا اور چند دوسرے مطالبات کے علاوہ از سر نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے۔ جناب خالد گھوڑا دوڑا کر اس کی طرف لپکے اور اسے لڑائی پر مجبور کرنا چاہا۔ مگر وہ طرح دیکر دور نکل گیا اور اس کا لشکر بھی تاب مقاومت نہ لا کر منتشر ہو گیا اب بنی حنیفہ نے مسیلمہ سے کہا کہ عون و نصرت الٰہی کے جو وعدے تم کیا کرتے تھے وہ عونِ خداوندی کیا ہوئی؟ کہنے لگا ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے اہل و عیال اور ننگ و ناموس کے لئے لڑے یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔

براء بن مالک کی شجاعت و جانبازی محکّم بن طفیل نے جو مسیلمی لشکر کے میمنہ پر تھا اب مسیلمی لشکر کو ایک نہایت وسیع و عریض باغ میں جو وہاں سے قریب واقع تھا گھس جانے کو کہا۔ بنی حنیفہ جھٹ باغ میں پناہ گزین ہوئے اور محکم بن طفیل ایک ساعت تک مصروف پیکار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) نے اسے قتل کیا۔ جناب عبدالرحمن نے ایسے وقت میں اس کی گردن میں نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا جبکہ وہ اپنی قوم کو خطبہ دیتا اور بنی حنیفہ کو لڑائی کے لئے برانگیختہ کر رہا تھا۔ بنی حنیفہ نے باغ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں براء بن مالک ایک نہایت سورما بہادر

سپاہی تھے۔ اُنہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے درخواست کی کہ مجھے خدا کے لئے اس باغ میں ڈال دو۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم تمہیں دشمن کے ہاتھوں میں کیونکر دے دیں؟ براءؓ نے قسم دلائی کہ مجھے ضرور اندر ڈال دو۔ ان کے اصرار و الحاح پر انہیں حدیقہ کی دیوار پر چڑھا دیا گیا۔ وہ اندر کو کود ے۔ اور حدیقہ کے دروازہ پر جا کر کمال شجاعت کے ساتھ سیکڑوں ہزاروں دشمنوں سے لڑنے لگے۔ اور نہایت بہادری کے ساتھ دروازہ پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔ اسلامی لشکر فوراً اندر داخل ہونے لگا۔ باغ میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جس میں جانبین کا سخت نقصان ہُوا۔ بنی حنیفہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور اس وقت تک کمزوری کا اظہار نہ کیا جب تک کہ مسیلمہ کا نقش وجود صفحۂ ہستی سے محو نہ ہو گیا یہ باغ جس میں مسیلمہ اور اس کے ہزار ہا پیرو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے گئے اُباض کے نام سے موسوم تھا۔ لیکن بعد کو کثرت موت کے باعث حدیقۃ الموت کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آخر جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا تو اسحاق بن ابی قبیصہ نے اس جگہ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی +

مسیلمہ کا قتل جب مسیلمہ کو فلاح و رستگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو زرہ اور خود پہن کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور ایک دستۂ فوج کو ساتھ لیکر لڑتا بھڑتا باغ سے باہر نکلا جُوں ہی باغ سے باہر آیا سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے جو اس سے پیشتر مسلمان ہو چکا تھا اور لشکر اسلام میں شامل تھا اسے البیانیزہ مار کر اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا معاً وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ اور حضرت زید بن خطابؓ نے رحّال بن عُنفُوَہ کو جرعۂ مرگ چکھا کر واصل جہنم کیا۔ مسیلمہ کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں نے حصّہ لیا تھا۔ ایک وحشی نے اور دوسرا ایک انصاری نے۔ پہلے وحشی نے ایک نیزہ رسید کیا۔ جونہی اس پر نیزہ پڑا انصاری نے اسے اپنی تلوار پر لے لیا۔ وحشی نے مسیلمہ کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا۔ اور ایک عیّار و فتنہ گر متنبّی جس نے زمانے میں ہلچل ڈال رکھی تھی اس حسرت آباد دنیا سے بصد حسرت و اندوہ کوچ کر گیا۔ وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالت کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقۂ اسفل کا مستحق ہو چکا تھا لیکن اس منعم لایزال کا شکر و احسان ہے جس نے دین اسلام کا ربقۂ سعادت میری گردن میں ڈالا اور تائید الٰہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کرا کے کسی حد تک میرے جُرم کی تلافی کرادی +

لشکر اسلام کی فتح جب مسیلمہ مارا گیا تو بنی حنیفہ سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے جن پر چاروں طرف سے تلوار پڑنے لگی۔ گو بنی حنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی مگر قدوسیوں نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پرخچے اُڑا دیئے۔ آخر قصرِ ارتداد کو پیوند خاک ہونا پڑا اور مسیلمی اقبال آناً فاناً دامن ادبار میں روپوش ہو گیا۔ ان معرکوں میں بنی حنیفہ کے اکیس ہزار اور اہل اسلام کے چھ سو ساٹھ آدمی کام آئے تھے[ع۱] ایک مسیلمی نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی۔ لیکن ان کی شجاعت دیکھئے کہ اُنہوں نے اس کو وہی ٹانگ اس زور سے ماری کہ معاً طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ مگر اس صدمہ کی وجہ سے اُنہوں نے خود بھی عنانِ حیات دار آخرت کو پھیر دی +

حضرت سیف اللہ کفار مقتولین کی لاشوں پر اختتام جنگ پر حضرت خالد بن ولیدؓ مجّاعہ کو اپنے ساتھ لئے ہوئے

ع۱ یہ تعداد ابن اثیر نے لکھی ہے لیکن حسب بیان ابن خلدون شہدائے اسلام کی تعداد ایک ہزار اسّی تھی ۱۲

مقتولین اعداء کی طرف گذرے۔ اور حکم دیا کہ مسیلمہ کی لاش تلاش کی جائے۔ چنانچہ مقتولوں کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ خالد رضی اللہ عنہ رفتہ رفتہ محکم الیمامہ کی لاش پر پہنچے جو ایک وجیہ آدمی تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا یہی مسیلمہ ہے؟ مُجاعہ نے کہا یہ وجیہ و خوبرو آدمی تو محکمؓ بن طفیل ہے۔ پھر ایک کم رو زرد فام چپٹی ناک والے آدمی کی لاش پر سے گزرے۔ مُجاعہ کہنے لگا جس لاش کی آپ کو تلاش ہے وہ یہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فرمایا اچھا یہی شخص ہے جس نے تم لوگوں کو گمراہ کر کے دنیا اور عقبیٰ میں رُوسیاہ کیا؟ اس کے بعد رویحل، دہیم اور اخنس کی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ کیا یہی تمہارے سردار تھے اور یہی تم پر حکومت کرتے تھے؟

مُجاعہ کی حیرت انگیز فریب کاری

مجاعہ انتہائی عیاری اور فریب کاری سے کام لے کر کہنے لگا کہ یہی لوگ میرے سردار تھے لیکن آپ ان لوگوں کے قتل پر نازاں نہ ہوں کیونکہ جن لوگوں سے آپ کو اب تک سابقہ پڑا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ لڑائی کے لئے بپھر رہے تھے اور دوسروں پر سبقت کر کے طرح جنگ ڈال دی تھی۔ حالانکہ بنی حنیفہ کی فوجوں کی فوجیں اور ان سے زیادہ جنگ آزما بہادر نبرد آزما ہونے کے لئے ہنوز پیچھے ہیں۔ جن سے قلعے اور حصون بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کے پاس جلد سے جلد صلح کا پیغام بھیجئے اور اپنے تحفظ و بقا کے لئے مصالحت و آشتی کا شیوہ اختیار کیجئے اور اگر آپ مصالحت پر آمادہ ہوں تو مجھے رہا کر دیجئے تاکہ اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی طرف سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی کروں۔ چونکہ لشکر اسلام کو بہت بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور حضرت خالد لشکریوں کو کمر کھول دینے کا حکم دے چکے تھے اس وجہ سے مُجاعہ سے کہنے لگے کہ میں تجھے قید سے رہا کئے دیتا ہوں۔ تو اپنی قوم میں جا اور ان کو اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ کر۔ میں ان سے صرف ان کی جانوں کے متعلق صلح کر لوں گا۔

عورتوں اور بچوں کو مسلح کر کے فصیلوں پر کھڑا کر دیا

مجاعہ یہاں سے اہل یمامہ کے پاس گیا۔ اس وقت قلعوں میں عورتوں، بچوں، بیماروں اور شیوخ فانیہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مُجاعہ نے انہی کو ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ عورتوں سے کہا کہ وہ اپنے سر کے بال کھول کر چھاتی پر ڈال دیں۔ اور اسلحہ لے کر شہر پناہ کی فصیل پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ حضرت خالدؓ کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا کہ قلعہ والے تو آپ کے شرائط صلح کو ہرگز منظور نہیں کرتے۔ خالدؓ نے یمامہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی فصیلیں ہتھیاروں سے چمکتی نظر آئیں۔ حضرت خالد کو یہ دیکھ کر یقین آ گیا کہ غنیم کے قلعے فوجوں سے معمور ہیں اور مسلمان لڑتے لڑتے بہت تھک گئے تھے اور لڑائی شروع ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا اس لئے جناب خالدؓ نے مُجاعہ سے ان کا نصف مال و اسباب اور زمین مزروعہ و غیر مزروعہ اور باغات اور قیدی لے کر صلح کر لینے پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ مجاعہ نے اس سے انکار کیا۔ آخر حضرت خالدؓ نے چوتھائی مال و اسباب وغیرہ منظور کر کے صلح کر لی۔

مُجاعہ نے حیلہ گری کو قومی خدمت سے تعبیر کیا

جب معاہدہ صلح لکھا جا چکا اور حضرت خالدؓ قلعے کھول کر ان میں داخل ہوئے تو یہ معلوم کر کے ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے سوا اور کوئی

نہیں ہے۔ خالدؓ نے مُجاعہ سے کہا کمبخت! تو نے میرے ساتھ دغا کی اور فریب سے صلح نامہ لکھوایا۔ مُجاعہ نے عرض کی اے امیر المسلمین! اگر میں یہ حیلہ نہ کرتا تو میری قوم میں کسی قسم کی استطاعت باقی نہ رہتی۔ میرا قصور معاف فرمائیے۔ میں نے ان کی رسوائی کے خوف سے حیلہ سازی کی اور اپنی قوم کی جس قدر خدمت مجھ سے ہو سکی میں نے کی؛ افسوس ہے کہ اس وقت قوم مسلم میں ہزاروں ننگ اسلام افراد ایسے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد اور حصول عزّ و جاہ کے لئے اسلام کو زخمی کرتے اور اغیار کا دست جور و استبداد مضبوط کر رہے ہیں۔ ایسے بدبختوں کو مُجاعہ کے طریق عمل سے سبق آموز ہونا چاہیئے۔

حضرت خالدؓ مُجاعہ کا جواب سُن کر خاموش ہو گئے۔ اور باوجودیکہ یہ معاہدہ دھوکے اور فریب کاری کی بنا پر لکھا گیا تھا لیکن چونکہ عہد کی پابندی مسلمان کا لازمی شعار ہے۔ حضرت خالدؓ نے اس معاہدہ کو علیٰ حالہا قائم رکھا۔ مُجاعہ کی تحریک سے بنی حنیفہ کے سات ممتاز افراد منتخب ہوئے جنہوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسیلمی عقاید سے توبہ کر کے از سر نو حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یاد رہے کہ یمامہ کی جنگ اور فتح سنہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

امیر المؤمنین کا فرمان کہ تمام بالغ مسیلمی بجرم ارتداد قتل کئے جائیں

اس اثنا میں امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضؓ نے مسلمہ بن وقش کے ہاتھ حضرت خالدؓ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیز و برتر مرتدین پر فتحیاب کرے تو بنی حنیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہوں وہ سب بجرم ارتداد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور کم سن لڑکے حراست میں لے لئے جائیں لیکن امیر المؤمنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالدؓ معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس مجبوری سے اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔ چند سال پیشتر مرزائیوں نے افغانستان میں نعمت اللہ مرتد کے سنگسار پر یہ کہتے ہوئے بڑا ادھم مچایا تھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں لیکن اگر مرزائی لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ آپ کے اس حکم کو دلیل راہ بنائیں، اگر امیر المؤمنین کا حکم منشائے شریعت کے مطابق تھا اور عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ اور اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ کے موجب یقیناً منہاج شریعت کے عین مطابق اور واجب الاتباع ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جن لوگوں نے اسلام کے طریق قویم کو چھوڑ کر کسی متنبی کا مسلک ضلال اختیار کیا وہ وقت کے مسلمان حاکم کے حکم سے واجب القتل نہ قرار پائیں۔

مفتوح نومسلموں کا وفد مدینہ منوّرہ کو

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی حنیفہ کے ایک گروہ کو وفد کی حیثیت سے امیر المؤمنین کے حضور میں اپنے عریضہ کے ساتھ مدینہ منوّرہ روانہ کیا جس میں مسیلمہ کے مارے جانے اہل یمامہ پر فتح پانے، معاہدہ صلح مرتب ہونے اور بنی حنیفہ کے از سر نو اسلام لانے کا مفصل حال درج تھا۔ امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضؓ نے اہل وفد کو بکمال عزت باریاب فرمایا اور ان لوگوں سے مسیلمہ کی من گھڑت وحی کا کلام سُنا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا واللہ یہ خالق ارض و سماء کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ ذات بے ہمتا ہر قسم کے عیوب سے پاک و منزّہ ہے اس کے بعد امیر المؤمنین نے اہل وفد سے فرمایا جاؤ اپنی قوم میں رہو اور اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دو۔ جس سے اللہ اور اس کا رسول برحق خوش ہوں۔

سنہ ۱ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ حالات مسیلمہ کذاب ۱۲

حضرت فاروق اعظمؓ کا عتاب فرزند گرامی پر

اس معرکہ میں جس طرح خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے فرزند گرامی حضرت عبدالرحمن رضؓ شریک ہوئے اسی طرح خلیفۂ ثانی امیر المومنین عمر فاروق رضؓ کے صاحبزادہ جناب عبداللہ بن عمر رضؓ بھی شریک غزا تھے۔ جب لشکر اسلام مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبداللہ رضؓ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ان سے فرمایا "یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا (حضرت زید بن خطابؓ) تو شہید ہوا اور تم زندہ رہو؟ تم [illegible] پہلے کیوں نہ مارے گئے؟ کیا تمہیں شہادت کا شوق نہ تھا؟" جناب عبداللہ رضؓ نے عرض کیا "اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی اُن کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی تمنائے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا"

صحابہ کرام رضؓ جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے

جنگ یمامہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے ابن اثیرؒ نے ان میں سے مندرجۂ ذیل اُنتالیس حضرات کے اسمائے گرامی قلمبند کئے ہیں (۱) حضرت عباد ابن بشر انصاری اشہلی جو غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے۔ (۲) عباد ابن حارث انصاری جو جنگ اُحد میں شریک تھے (۳) عُمیر ابن اوس شریک اُحد (۴) عامر ابن ثابت بن سلمہ انصاری (۵) عمارہ ابن حزم انصاری جو غزوۂ بدر میں شریک تھے (۶) علی بن عبیداللہ ابن حارث (۷) عائذ ابن ماعص انصاری (۸) فروہ بن نعمان جو جنگ احد میں شریک تھے (۹) قیس ابن حارث بن عدی انصاری شریک جنگ احد (۱۰) سعد بن جماز انصاری شریک غزوہ احد (۱۱) ابو دُجانہ انصاری بدری (۱۲) سلمہ ابن مسعود ابن سنان انصاری (۱۳) سائب بن عثمان ابن مظعون جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے (۱۴) سائب ابن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ (۱۵) طفیل ابن عمرو الدوسی شریک غزوۂ خیبر (۱۶) زرارہ ابن قیس انصاری (۱۷) مالک ابن عمرو سلمی بدری (۱۸) مالک ابن اُمیہ سلمی بدری (۱۹) مالک ابن عوس ابن عتیک انصاری جو احد میں شریک تھے (۲۰) معن ابن عدی جو عقبہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے (۲۱) مسعود ابن سنان اسود شریک غزوہ اُحد (۲۲) نعمان ابن عصر بدری (۲۳) صفوان (۲۴) اور مالک عمرو السلمی کے بیٹے جو بدری تھے۔ (۲۵) ضرار ابن ازور اسدی جنہوں نے خالدؓ کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ (۲۶) عبداللہ بن حارث سہمی (۲۷) عبداللہ ابن مخرمہ بن عبدالعزیٰ جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے (۲۸) عبداللہ ابن عبداللہ بن ابی ابن سلول (مشہور منافق کے بیٹے) جو بدری تھے (۲۹) عبداللہ ابن عتیک انصاری بدری (۳۰) شجاع بن ابی وہب اسدی بدری (۳۱) ہرم بن عبداللہ مطلبی قرشی اور (۳۲) ان کے بھائی جنادہ (۳۳) ولید ابن عبد شمس بن مغیرہ مخزومی جو خالدؓ کے عم زاد بھائی تھے (۳۴) ورقہ ابن ایاس بن عمرو انصاری بدری (۳۵) یزید ابن اوس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے (۳۶) ابو حبہ ابن غزیہ انصاری جو اُحد میں موجود تھے (۳۷) ابو عقیل بلوی بدری (۳۸) ابو قیس ابن حارث سہمی جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ احد میں شریک تھے (۳۹) یزید بن ثابت جو زید ابن ثابت انصاری کے بھائی تھے رضی اللہ عنہم۔

علامہ بلاذری نے جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابو حذیفہ بن عُتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہؓ کے ماموں اور بدری صحابی ہیں اور ان کے غلام ابو عبداللہ سالم اور بعض دوسرے حضرات کے نام بھی پائے جاتے ہیں اسی طرح بعض مؤرخین نے چند اور نام

بھی بتلاتے ہیں[1]۔

باب ۵ - سجاح بنت حارث تمیمیہ

جس طرح موسم برسات کے آغاز میں بسیطِ ارض پر طرح طرح کی نئی مخلوق ظاہر ہونے لگتی ہے سیکڑوں قسم کے کیڑے مکوڑے اِدھر اُدھر رینگتے دکھائی دیتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں پتنگے فضائے محیط پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم جب قصرِ نبوت کی تکمیل فرما کر اس خراب آبادِ عالم صوری سے اوجھل ہوئے، بیسیوں ہوا پرست مدعی اُٹھ کھڑے ہوئے اور بہتوں نے خود ساختہ نبوّت کی دکانیں کھول کر اپنے تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کر دی۔ سجاح بھی انہی برساتی نبیوں میں سے ایک نبیہ تھی جسے مسیلمہ کذاب کی دیکھا دیکھی نبوت کی دُکان آرائی کا حوصلہ ہُوا۔ بعض مؤرخوں نے اسے سجاح بنت حارث بن سوید بن عقفان لکھا ہے دوسروں نے اسے سوید بن یربوع کی دختر قرار دیا ہے۔ ہوازن کے قبیلہ بنی تمیم سے پیدا ہوئی اور اس کا نشوونما عرب کے شمال مشرق میں اس سرزمین میں ہُوا جو آج کل عراق عرب کہلاتا ہے اور شاید اسی کو دو دریاؤں دجلہ و فرات کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے الجزیرہ بھی کہتے ہیں۔ سجاح مذہبًا عیسائی اور نہایت فصیحہ و بلیغہ اور بلند حوصلہ عورت تھی۔ اسے تقریر و گویائی میں یدطولیٰ حاصل تھا اور جدّتِ فہم، جودتِ طبع اور اصابتِ رائے میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے زمانہ کی مشہور کاہنہ تھی اور کہا کرتی تھی کہ میری اور سطیح کی ایک ہی رائے ہے۔ اور ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ ابھی شباب کا عالم اور دل ربائی کا زمانہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ صفات ایسے نہ تھے جو کسی کی صید افگنی میں ناکام و بے مراد رہتے۔

دعوائے نبوّت جب سجاح نے اپنی ہونہار فطرت پر نظر کی اور دیکھا کہ مسیلمہ نے بستر پیری پر دعوائے نبوّت کر کے اتنا عروج و اقتدار حاصل کر لیا اسے بھی اپنے جوہرِ خداداد سے فائدہ اُٹھا کر کچھ کرنا چاہیئے تو مسیلمہ کی طرح نبوت کا کاروبار جاری کرنے کے قضیہ پر غور کرنے لگی۔ آخر جونہی سید العرب والعجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبرِ وفات سُنی نبوت اور وحی الٰہی کی مدعیہ بن بیٹھی۔ سب سے پہلے بنی تغلب نے اس کی نبوت کو تسلیم کیا جن کی وجہ سے اس میں ایک گونہ قوت آ گئی۔ ہذیل بن عمران جو بنو تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا۔ دینِ مسیحی چھوڑ کے سجاح پر ایمان لے آیا۔ سجاح کو جب اتنی قوت حاصل ہو گئی تو اس نے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ مسجّع و مقفا عبارتوں میں خطوط لکھ لکھ کر تمام قبائلِ عرب کو اپنے کیش جدید کی دعوت دی۔ جن کی وجہ سے صدہا عرب نعمتِ اسلام سے محروم ہو کر ہاویۂ جہالت و بادیۂ ضلالت میں سرگرداں ہونے لگے۔ مالک بن ہبیرہ رئیس بنی تمیم کے نام بھی ایک خط لکھا تھا۔ وہ اس مکتوب کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر اس کا گرویدہ ہو گیا۔ سر آنکھوں پر چل کر جبہہ سا ہُوا اور ترکِ اسلام کر کے مرتد ہو گیا۔ بہت سے دوسرے قبائل بھی ترکِ اسلام کر کے سجاح کے حلقہ بگوش ہو گئے جن میں احنف بن قیس اور حارث بن بدر جیسے معزز شرفاء اس کی حمایت میں نمایاں سرگرمی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد زیاد ابن ہلال بنی ایاد کے لوگوں کے ساتھ، عقہ ابن ہلال بنی نمر کے ساتھ سلیل

[1] باستثناء ان حالات وواقعات کے جن کے حوالے صفحات کے اخیر میں خطوط کے نیچے درج کئے گئے ہیں، اس باب کے مضامین ابن اثیر، ابن خلدون اور بلاذری کی فتوح البلدان سے ماخوذ ہیں ۱۲

بن قیس بن شیبان کی معیت میں اس کے لشکر میں آشامل ہوئے اور سجاح کے جھنڈے تلے ایک لشکر جرار جمع ہو گیا۔ اس لئے اب وہ اپنے سب سے بڑے دشمن یعنی اسلام کے (معاذ اللہ) قلع قمع کی تدبیریں سوچنے لگی۔ حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت قبیلۂ بنی تمیم کے اندر اسلامی عمّال اس تفصیل سے تھے۔ قبائل رباب، عوف اور انباء میں زبرقان بن بدر قبائل مقاعس اور بطون میں قیس بن عاصم بنو عمرو بن صفوان بن صفوان بنو مالک میں وکیع بن مالک اور حنظلہ میں مالک بن نویرہ۔ جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو صفوان صدقات بنی عمرو اور زبرقان رباب، انباء اور عوف کے صدقات لے کر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے لیکن قیس ابن عاصم مقاعس و بطون کے صدقات وصول کر کے مستقبل کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ باقی رہے وہ لوگ جو اسلام پر ثابت قدم تھے وہ ان لوگوں کے فتنہ و فساد میں الجھ گئے جو عواقب امور کا انتظار کر رہے تھے یا علانیہ مرتد ہو گئے تھے۔ اس اثنا میں سجاح بنت حارث نے بھی دعوائے نبوت کے ساتھ خروج کیا اور اپنے پیرؤوں کو لئے ہوئے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کو چلی۔

عروج واقبال کا دور بنی تمیم میں اختلاف تو پہلے ہی تھا سجاح کے خروج نے آگ پر تیل کا کام دیا۔ مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کر لی اور اسے مدینہ پر فوج کشی کرنے سے روکا اور کہا کہ آپ سر دست مسلمانوں سے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے سجاح نے اسلامیوں سے الجھنے سے پیشتر عربوں کو باہم لڑانے اور غیر مسلم اعداء سے نبٹنے کی صلاح ٹھہرائی۔ مالک بن نویرہ نے اسے بنی تمیم پر حملہ کرنے کی تحریک کی۔ سجاح کا لشکر سیل کی طرح بنی تمیم پر جا پڑا۔ بنی تمیم سجاح کے حملہ کی تاب نہ لا کر بے اوسان بھاگے اور وکیع بن مالک سجاح سے مل گیا۔ البتہ قبائل بنی رباب اور ضبہ نے متفق ہو کر سجاح کا خوب جم کر مقابلہ کیا۔ ایک گھمسان کا رن پڑا جس میں سجاح کو ہزیمت ہوئی اور اس کے کئی زبردست اور کار آزمودہ افسر گرفتار ہو گئے لیکن اس کے بعد دونوں قبیلوں نے سجاح سے مصالحت کر لی۔ اب سجاح اپنی سابق قرارداد کے بموجب اپنا لاؤ لشکر لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ جب نباج کے مقام پر پہنچی تو اوس بن خزیمہ نے بنی عمرو کو لے کر راستہ ہی میں اس پر حملہ کر دیا۔ فریقین میں بڑا بھاری رن پڑا۔ سجاح کے پیرؤوں میں سے ہذیل اور عقبہ گرفتار ہو گئے لیکن پُرفن سجاح کی حکمت عملی کامیاب ہوئی اور فریقین نے ان شرائط پر کہ اوس بن خزیمہ سجاح کے قیدیوں کو چھوڑ دے اور سجاح بلاد اوس میں کسی قسم کی دست درازی نہ کرے مصالحت کر لی۔ اس واقعہ کے بعد مالک بن نویرہ اور وکیع بن مالک اس سے علیحدہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے۔ سجاح نے انہیں باز رکھنے کی بہتیری کوششیں کیں لیکن بالآخر ان کی اعانت سے دست بردار ہونا پڑا۔

سجاح کی فوج کشی یمامہ پر سجاح نے اسی رات ایک مسجع عبارت طیار کی اور صبح کے وقت فوج کے سرداروں کو جمع کر کے کہنے لگی کہ اب میں وحی الٰہی کی ہدایت کے بموجب یمامہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں۔ یمامہ وہ جگہ تھی جہاں مسیلمہ کذاب مشہور مدعی نبوت کوس انا ولا غیری بجا رہا تھا۔ سجاح فوج کثیر کے ساتھ ارض یمامہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ سجاح کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ شرجیل بن حسنہ اور حضرت عکرمہ

بن ابی جہل بھی ساتھ تھے خالدؓ آگے بڑھے تو خبر ملی کہ اسلام کے دو مشترک دشمن باہم برسر آزما ہونے کو ہیں تو وہاں سے پیچھے ہٹ آئے

جب مسیلمہ کو سجاح کے دعوائے نبوت اور اس کے لشکر کے سر پر آ پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس کی کشتی خاطر دریائے اضطراب میں ہچکولے کھانے لگی۔ مسیلمہ نے یہ خیال کر کے کہ اگر سجاح سے تعرض کیا جائے گا اور اس سے مڈبھیڑ کی نوبت آئے گی تو اِدھر ثمامہ بن اثال یمامہ میں اس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرے گا اور دوسری طرف شرجیل بن حسنہ بھی عساکر اسلام کو لیکر شبخون اور غارتگری پر آمادہ ہو جائیں گے اس لئے اس نے آج کل کی یورپین قوموں کی طرح حرب و پیکار کے بجائے عیاری و کیّادی سے کام لینا چاہا چنانچہ سجاح کے پاس ہدایا و نفائس بھیج کر اس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا اور کہلا بھیجا کہ پہلے عرب کے کل بلاد نصف ہمارے تھے اور نصف قریش کے لیکن چونکہ قریش نے بدعہدی کی اس لئے وہ نصف تمہیں دیتا ہوں اور یہ بھی پیغام دیا کہ مجھے آپ کی ملاقات کا کمال اشتیاق ہے اگر حاضری کی اجازت ہو تو بڑی ذرہ نوازی ہوگی۔ سجاح نے ملاقات کی اجازت دی۔

عشق و محبت کی کمند میں پھانسنے کی تدبیر

مسیلمہ بنی حنیفہ کے چالیس ہوشیار پیروؤں کو ساتھ لے کر سجاح کے پاس پہنچا اور بڑے تپاک اور الفت سے ملا۔ اس کی صورت و سیرت اور صباحت و ملاحت کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اور حالات گرد و پیش کا اندازہ کر کے یقین ہو گیا کہ اس سے جنگ و جدل کے ذریعہ سے پیش پانا دشوار ہے۔ عورت ذات عشق و محبت کے کمند میں پھنسا کر ہی رام کی جا سکے گی۔ مسیلمہ نے سجاح سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں اور میرے خیمہ تک تشریف لے جا کر مجھے سرفراز فرمائیں۔ وہیں پہنچ کر میں آپ کی رنگین بیانی سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اور اسی مقام پر ہم دونوں اپنی اپنی نبوت کا تذکرہ درمیان میں لائیں گے۔ سجاح جو پیرایۂ حزم و دور اندیشی سے بالکل عاری تھی فوراً رضامند ہو گئی اور یہ بھی وعدہ کر لیا کہ دونوں کے آدمی خیمہ سے دور رہیں گے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کامیابی پر اس پیر فرتوت کی باچھیں کھل گئیں اور چشم دل حصول مقصد کے نور سے روشن ہو گئی۔ مسیلمہ ملاقات کر کے واپس آیا اور جوش مسرت اور فرط انبساط سے پھولا جامے میں نہ سماتا تھا۔ حکم دیا کہ ایک نہایت خوشنما اور پر تکلف خیمہ فوراً نصب کیا جائے۔ اس حکم کی آناً فاناً تعمیل ہوئی۔ مسیلمہ نے اس محبوب دلنواز کا کشور دل فتح کرنے کے لئے اسے اعلیٰ قسم کے اسباب عشرت اور سامان زینت سے آراستہ کیا۔ انواع و اقسام کے عطریات مہیا کئے اور خیمہ کو ہر طرح سے بنا چنا کے حجلۂ عروسی بنا دیا۔ جب تمام طیاریاں مکمل ہو گئیں تو حور طلعت سجاح بن سنور کے اور جوبن نکھار کے حسن و لطافت کے پھول برساتی معشوقانہ انداز کے ساتھ خراماں خراماں آ پہنچی۔ مسیلمہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگدے ریشمین گدیلے پر بٹھایا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں شروع کیں۔ خوشبو کی لپٹوں نے سجاح کو مست و مسرور کر دیا تھا۔ مسیلمہ جانتا تھا کہ جب عورت خوشبو سے مست ہوتی ہے تو وہ مرد کی طرف جلد مائل ہوتی ہے اور گو مسیلمہ اس وقت نہایت سن رسیدہ تھا لیکن اس کے قویٰ کچھ زیادہ مضمحل نہ ہوئے تھے۔ مسیلمہ نے کہا اگر جناب پر حال ہی میں کوئی وحی نازل ہوئی ہو تو سنائیے۔ سجاح بولی نہیں پہلے آپ اپنی وحی کے الفاظ سنائیں کیونکہ میں پھر بھی عورت ذات ہوں۔ اس جواب سے مسیلمہ بھانپ گیا کہ سجاح میں نبوت کا حوصلہ اس کی نسبت بہت پست ہے اور سجاح کی پیغمبری بھی اس کے دعوائے نبوت کی طرح محض بناوٹی اور خانہ ساز ہے۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ

اب مسیلمہ اپنی نبوت سے محبت و عشق بازی کا کام لینے لگا اور بولا مجھ پر یہ وحی اُتری ہے۔ الم تر الی ربك کیف فعل بالحبلیٰ اخرج منہا نسمۃ تسعیٰ بین صفاق و حشیٰ (کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ ان سے چلتے پھرتے جاندار نکالتا ہے جو نکلنے وقت پردوں اور جھلیوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں) چونکہ یہ وحی بمقتضائے جوانی سجاح کی نفسانی خواہشوں سے مطابقت رکھتی تھی شباب کی اُمنگوں نے گدگدانا شروع کیا۔ اور بولی اچھا کوئی اور وحی بھی سنائیے۔ جب مسیلمہ نے دیکھا کہ اس نازنین نے اتنی نوک جھونک کو گوارا کر لیا اور بُرا ماننے کے بجائے خوش ہوئی تو اس کا حوصلہ اور بڑھا۔ تکلف، شرم اور جھجک کا پردہ درمیان سے اُٹھ گیا اور کہنے لگا حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھی نازل فرمائی ہیں۔ ان اللہ خلق للنساء افراجًا وجعل الرجال لھن ازواجًا فتولج فیھن ایلاجًا ثم نخرجنا اذا نشاء اخراجًا فینتجن لنا سخالاً انتاجًا[1]۔ اس شرمناک اور شہوت انگیز ابلیسی وحی نے سجاح پر پورا پورا اثر کیا۔ اب کیا تھا مسیلمہ کی مُنہ مانگی مراد پوری ہوئی۔ کہنے لگا سنو خدائے برتر نے نصف زمین مجھے دی تھی اور نصف قریش کو۔ مگر قریش نے ناانصافی کی جس کی وجہ سے رب العزت نے قریش سے ان کا نصف حصہ چھین کر تمہیں عطا کر دیا لیکن کمال صدق و اخلاص سے کہتا ہوں کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم مجھے اپنی ہم نشینی کے لئے قبول کرو اور ہم تم دونوں باہم عقد کر لیں کیونکہ اگر ہماری یہ دونوں قومیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے۔ اب اس کمزور دل عورت پر مسیلمہ کا جادو پوری طرح چل چکا تھا۔ بولی مجھے منظور ہے۔ یہ حوصلہ افزا جواب سن کر مسیلمہ کے دل کا کنول کھل گیا اور وفور مسرت سے کہنے لگا پھر دیر کاہے کی ہے؟ آؤ ذرا گلے لگ جاؤ"۔ اب گستاخی و بیحیائی کا حوصلہ اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ مسیلمہ مندرجہ ذیل نشاط انگیز، ہیجان اور نہایت ہی فحش اشعار زبان پر لایا۔ الا قومی الی المخدع ٭ فقد ھیئ لك المضجع ٭ فان شئت فرشناك وان شئت علی اربع ٭ وان شئت بثلثیہ ٭ وان شئت بہ اجمع

اس کے بعد چندان سے بھی زیادہ فحش اشعار زبان پر لایا۔ سجاح خوشبوؤں سے پہلے ہی برانگیختہ ہو چکی تھی۔ فواحشات نے اسے اور بھی دو آتشہ کر دیا۔ چنانچہ نظام حواس درہم برہم ہو گیا اور شرم کی آنکھیں بند ہو گئیں ع ہوائے دل ہوس راشد عناں گیر شکیب از سینہ بیروں جست چوں تیر۔ آخر بے حیائی کا مُنہ کھول کر بے خود وار کہنے لگی اچھا اپنی خواہش جس طرح چاہو پوری کر لو۔ یہ سُن کر مسیلمہ کا نخل امید بارور ہوا اور نہایت مسرت کے لہجہ میں مُسکرا کر کہنے لگا ہاں مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم ملا ہے الغرض ہر دو شیفتگانِ محبت نے "میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی" کے مشہور مقولہ پر عمل کر کے باہمی رضامندی سے چٹ منگنی پٹ بیاہ کی مثل پوری کر دکھائی اور بغیر کسی کو اطلاع کئے اندر ہی اندر باہم عقد کر لیا ٭

دُلہا دلہن بساطِ عیش پر

باہر دونوں مدعیانِ نبوت کے پیرو انجام ملاقات معلوم کرنے کے لئے چشم براہ اور گوش بر آواز بنے ہوئے تھے اور خوش اعتقاد اُمتی یہ گمان کر رہے تھے کہ ہر مسئلہ پر بہت کچھ رد و قدح ہو رہی ہوگی اور بحث و اختلاف کے تصفیہ کے لئے وحی خداوندی کا انتظار کیا جاتا ہوگا مگر یہاں دونوں پُرشوق دُلہا دلہن بساط نشاط اور سریر طرب پر بیٹھے بہار کامرانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ شوق وصال اس قدر بڑھا ہُوا تھا کہ تین دن تک باہر نہ نکلے خصوصاً مسیلمہ کی بلند طالعی کا کیا کہنا ہے کہ جیسے آفتاب حیات کے لب بام آنے پر بھی سجاح جیسی ہمپایہ محبوبۂ گلعذار کی دولت وصل میسر ہوئی اور جس نے اس پیر فرتوت کے مُردہ دل کو حیات تازہ بخشدی۔ اور اس نیرنگ ساز کی قدرت کے کرشمے دیکھو کہ جس نے دشمن خونخوار کو محبوب دلنواز کی حیثیت سے پہلو نشین بنا دیا

[1] ابن اثیر وغیرہ چونکہ مضمون سخت فحش ہے اس لئے ترجمہ قلم انداز کر دیا گیا ۱۲

سجاح کا مہر جب تین روز کے بعد ارمان بھرے دلوں کی آرزوئیں پوری ہوگئیں تو سجاح اپنی نبوت کو خاک میں ملا کر اور مسیلمہ کو شکست کھا کر عرق انفعال میں ڈوبی اپنے لشکر میں واپس آئی۔ اس کے سرداروں اور فوجیوں نے جن کے صبر و انتظار کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا صورت دیکھتے ہی پُوچھا کہ مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بھی نبی برحق ہے۔ میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ تمہاری مرسلہ کو ایک مرسل کی اشد ضرورت تھی۔ انہوں نے حیرت زدہ ہو کر پُوچھا کہ مہر کیا قرار پایا؟ سجاح نے شرمگین آنکھیں نیچی کر لیں۔ نادم چہرہ زمین کی طرف جُھک گیا اور نہایت سادگی کے عالم میں کہنے لگی کہ میں مسیلمہ سے یہ بات پُوچھنا تو بُھول ہی گئی۔ معتقدوں نے بصد نیاز عرض کیا حضور بہتر ہے کہ آپ اسی وقت تشریف لے جا کر اپنے مہر کا تصفیہ کر لیجئے۔ کیونکہ کوئی عورت مہر کے بغیر اپنے آپ کو کسی کی زوجیت میں نہیں دیتی۔ سجاح جو اپنا جوہر عصمت بے داموں بیچ چکی تھی ان کے مجبور کرنے سے اسی وقت خجلت زدہ پلٹی لیکن اس اثنا میں مسیلمہ نہایت شتاب زدگی کے ساتھ رخصت ہو کر اپنے قلعہ میں متحصن ہو چکا تھا اور دروازے بند کر لئے تھے۔ وہ دل میں اس بات پر سہما ہُوا تھا کہ مبادا سجاح کے پیرو اس عقد کو اپنی توہین خیال کر کے اس پر یورش کر دیں۔ سجاح قلعہ پر پہنچی۔ جب دروازے پر پہنچ کر اطلاع کرائی تو مسیلمہ کو اس قدر خوف دامنگیر ہو رہا تھا کہ اسے باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چھت پر آ کر سامنے کھڑا ہُوا اور پُوچھا اب کس لئے آنا ہُوا؟ سجاح کہنے لگی مجھ سے نکاح تو ہُوا مگر میرا مہر تو بتاؤ۔ مسیلمہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ تمہارا منادی بھی آیا ہے؟ سجاح نے جواب دیا ہاں شبیث بن ربیع میرا مؤذن موجود ہے۔ مسیلمہ نے اس سے کہا تم جا کر منادی کر دو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پاس سے پانچ نمازیں لائے تھے ربّ العزت نے ان میں سے عشا اور صبح کی دو نمازیں مومنوں کو سجاح کے مہر میں معاف کر دیں۔

سجاح یہ مہر پا کر واپس چلی تو اس کے اصحاب کبار میں سے عطا ابن حاجب، عمرو ابن اہیم، غیلان ابن خرشہ اور اس کا مؤذن شبیث بن ربیع نہایت خاموش اور شرمسار اس کے ہمراہ رکاب جا رہے تھے۔ عطا ابن حاجب نے اپنی حالت پر غور کیا تو اُسے استعجاب سا معلوم ہُوا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔

امست نبیتنا انثیٰ نطوف بہا | ہماری پیغمبر عورت ہے جسے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں
واصبحت انبیاء الناس ذکرانا | حالانکہ اور لوگوں کے پیغمبر مرد ہوتے ہیں۔

شرائط صلح مسیلمہ سے صلح تو ہو گئی تھی۔ دوسرے دن شرائط صلح کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ مسیلمہ نے کہا میں تمہیں علاقہ یمامہ کے ایک سال کے محاصل دیتا ہوں۔ نصف تو اب لے لو اور باقی نصف کے لئے اپنا کوئی مختار چھوڑ جاؤ۔ سجاح نے یہ شرط قبول کر لی۔ اور اپنے معتمدین میں سے ہذیل، عقبہ اور زیاد کو یمامہ میں چھوڑ کر خود اپنا لاؤ لشکر لئے جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ اتفاق سے حضرت خالد بن ولید ؓ اسلامی لشکر لئے ہوئے اس سے سرراہ ملاقی ہوئے۔ سجاح کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی بدحواس ہو کر بھاگی اور خود سجاح جزیرہ میں جا کر مقیم ہو گئی۔ حضرت خالد بن ولید ؓ علم اسلامی لئے ہوئے یمامہ پہنچے۔ مسیلمہ قتل ہُوا اور جن لوگوں کو سجاح ملک کی نصف آمدنی وصول کرنے کے لئے یمامہ میں چھوڑ گئی تھی وہ پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

سجاح کا قبول اسلام سجاح کے بہت سے سمجھ دار اُمتی نکاح کے واقعہ سے بداعتقاد ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے اور اس دن سے اس کی جمعیت میں بجائے ترقی کے انحطاط شروع ہو چلا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے دار الخلافہ مدینہ پر حملہ کرنیکا

خیال ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دیا۔ آخر کار وہ قبیلہ بنی تغلب میں جس سے وہ ننہالی قرابت رکھتی تھی رہ کر امن و امان اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگی یہاں تک کہ جب حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا جس میں انہوں نے بنی تغلب کو بصرہ میں آباد کرایا۔ سجاح بھی ان کے ہمراہ بصرہ میں آگئی اور اس نے اور اس کی ساری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ سجاح سے مسلمان ہونے کے بعد پوری دینداری اور پرہیزگاری ظاہر ہوئی اور اس نے اسی حالتِ ایمان میں تو سن حیات کی باگ ملک آخرت کو پھیر دی۔ حضرت سمرہ ابن جندبؓ نے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم تھے اس کی نماز جنازہ پڑھائی[1]۔

باب ۶۔ مختار ابن ابوعبید ثقفی

فصل ۱۔ خارجی سے شیعہ بننے کے اسباب

مختار کے والد حضرت ابوعبید ابن مسعود ثقفیؓ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے مگر یہ خود فیض یابِ خدمت نہ تھا۔ اور گو ذی علم آدمی تھا لیکن اس کا ظاہر باطن سے متغائر اور افعال و اعمال تقویٰ سے عاری تھے۔ اوائل میں خارجی المذہب تھا اور اسے اہل بیت نبوت سے جو بغض و عناد تھا اس کا اندازہ اس تحریک و تجویز سے ہو سکتا ہے جو اس نے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنے چچا کے سامنے پیش کی تھی۔

امام حسن مجتبیٰؓ پر قاتلانہ حملہ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ صفین سے مراجعت فرمائے کوفہ ہونے کے بعد از سر نو تجہیز لشکر میں مصروف ہو گئے تھے۔ اور چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عہد کیا تھا کہ مدت العمر حضرت خلافت مآبؓ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ بعد میں یہ لوگ شیعانِ علی کے نام سے مشہور ہوئے حضرت امیر المؤمنین علیؓ شام کی طیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ کو کوفہ میں جرعۂ شہادت پلا کر روضۂ رضوان میں پہنچا دیا گیا۔ جناب علی مرتضیٰؓ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس وقت جناب حسن مجتبیٰؓ نے بیعت کرنے والوں سے یہ شرط کی کہ وہ لوگ ہر حالت میں اطاعت پذیر رہیں گے جس سے صلح کروں اس سے صلح کریں گے اور جس سے جنگ کروں اس سے جنگ آزما ہوں گے اس شرط پر شیعانِ علیؓ آپ کی طرف سے بدگمان ہو گئے اور کہنے لگے یہ ہمارے مفید مطلب نہیں ہیں کیونکہ ان کا ارادہ جنگ آزما ہونے کا ہی معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک شیعہ صاحب نے آپ پر برچھی کا وار کر دیا جو اوچھا پڑا[2]۔ آپ زخمی ہوئے مگر بچ گئے حضرت امام حسنؓ شیعانِ علیؓ کی اس شقاوت پسندی پر سخت ملول ہوئے لیکن ضبط و تحمل سے کام لے کر فاموش ہو گئے۔

حضرت حسن مجتبیٰؓ کا مال و اسباب لوٹ لیا اس اثناء میں آپ کو اطلاع ملی کہ امیر معاویہؓ فوج گراں کے ساتھ دار الخلافہ کوفہ پر حملہ آور ہونے کے لئے شام سے چل پڑے ہیں یہ سنتے ہی امام حسن مجتبیٰؓ بھی اس لشکر کی معیت میں جس نے حضرت علی

[1] ابن اثیر۔ ابن خلدون الدعاۃ ۱۲ [2] تاریخ طبری جلد ۶ ص ۹۳

کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب امیر معاویہؓ کی فوج مسکن کے مقام پر پہنچی تو امام حسنؓ نے اس وقت مدائن میں نزولِ اجلال فرمایا جناب حسنؓ نے حضرت سعد ابن عبادہ انصاریؓ کے صاحبزادہ قیسؓ کو بارہ ہزار فوج کے مقدمۃ الجیش کا سردار بنا کر لشکر شام کے مقابلہ میں روانہ فرمایا۔ خود امام حسنؓ ابھی مدائن ہی میں اقامت گزیں تھے کہ کسی نے باآواز بلند پکار دیا کہ قیسؓ ابن سعدؓ شہید ہو گئے یہاں سے بھاگ چلو" یہ سنتے ہی شیعانِ علیؓ جناب حسن مجتبیٰؓ کے خیمہ میں گھس گئے اور آپ کا مال واسباب لوٹنا شروع کیا یہاں تک کہ جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اسے بھی آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔ حضرت حسن مجتبیٰؓ بے یار و مددگار مدائن کے مقصورہ بیضا میں جا پناہ گزین ہوئے[1]۔

امام حسنؓ کو گرفتار کر کے امیر معاویہؓ کے حوالہ کرنیکی ترغیب

ان دنوں حضرت ابوعبید ابن مسعود ثقفی کے بھائی سعد ابن مسعود ثقفی مدائن کے حاکم تھے اور مختار ابن ابوعبید ثقفی بھی جس کا نام زیب عنوان ہے مدائن میں تھا۔ حضرت حسنؓ کو عالم بیکسی میں دیکھ کر اپنے چچا سعد ابن مسعود ثقفی سے کہنے لگا کہ چچا صاحب! اگر آپ کو ترقی جاہ و اقتدار کی خواہش ہو تو میں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ جناب سعد نے کہا وہ کیا ہے؟ بولا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) تن تنہا ہیں ان کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دیجئے! اچچا نے کہا۔ "خدا تجھ پر لعنت کرے کیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند پر حملہ کروں اور ان کو گرفتار کرا دوں؟ تو تو بہت ہی برا آدمی ہے"[2] جب جگر گوشۂ بتولؓ نے حضرات شیعہ کی یہ "شفقتیں" دیکھیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پایا تو مجبوراً امیر معاویہؓ سے مصالحت کر کے ان کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے[3]

مختار کی تبدیلئ مذہب

جن ایام میں مختار نے اپنے چچا کو حضرت حسن مجتبیٰؓ کی گرفتاری کا شرمناک مشورہ دے کر اپنی مارقانہ ذہنیت کا ثبوت دیا تھا ان دنوں وہ خارجی مذہب کا پیرو تھا اور اہل بیت نبوت سے سخت عناد رکھتا تھا۔ لیکن امام حسینؓ کی شہادت کے واقعۂ ہائلہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مسلمان کربلا کے قیامت خیز واقعات سے سخت سینہ ریش ہو رہے ہیں۔ اور استمالتِ قلوب کا یہ بہترین موقع ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ اہل بیتؓ کا بغض و عناد اس کے بام ترقی پر پہنچنے میں سخت حائل ہے تو اس نے خارجی منہج سے دست بردار ہو کر حب اہل بیتؓ کا دم بھرنا شروع کر دیا۔ ان ایام میں وہ لقفا نام ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھا۔ جب سنا کہ امام حسینؓ کے عم زاد بھائی مسلم ابن عقیل کوفہ آئے ہیں تو وہ اپنے ہوا خواہوں کو لے کر کوفہ پہنچا۔ عبیداللہ ابن زیاد نے جو یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا عمرو ابن حریث نام ایک شخص کو جھنڈا دے کر کوفہ کی جامع مسجد میں بٹھا رکھا تھا۔ مسجد میں پہنچ کر مختار پر کچھ بدحواسی سی طاری ہو گئی اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے یہ دیکھ کر عمرو ابن حریث نے اس کو اپنے پاس بلایا اور امان دی۔ جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی تھی کہ مختار مسلم ابن عقیل کی مدد کے لئے آیا ہے۔ ابن زیاد نے مختار کو بلا بھیجا جب وہ حاضر ہوا تو کہنے لگا کیا تم وہی شخص ہو جو ابن عقیل کے لئے جماعتیں لے کر آئے ہو؟ مختار نے کہا ہرگز نہیں میں تو یہاں آ کر عمرو کے جھنڈے تلے مقیم ہوں۔ گو عمرو ابن حریث نے اس کی تصدیق کی مگر ابن زیاد نے اس کے منہ پر اس زور سے تھپیڑ رسید کیا کہ اس کی آنکھ زخمی ہو گئی اور کہنے لگا اگر عمرو کی شہادت نہ ہوتی تو میں تم کو خنجر خونخوار کی نذر کر دیتا اس کے بعد مختار کو قید کر دیا۔ اس سے پیشتر حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ نے مختار کی بہن صفیہ بنت ابوعبید سے نکاح کر لیا

---

[1] تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۹۲ [2] ایضاً [3] ایضاً

تھا۔ مختار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی طرح میری رہائی کی کوشش فرمائیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کے پاس اس کی سفارش کی۔ یزید نے عبیداللہ کے نام فرمان بھیجا کہ مختار کو چھوڑ دیا جائے۔ عبیداللہ ابن زیاد نے اسے چھوڑ دیا۔ مگر یہ حکم دیا کہ تین دن کے اندر کوفہ سے چل دو۔ مختار کوفہ سے بری ہو کر حجاز کی طرف چلا گیا۔

ابن زیاد سے انتقام لینے کا عہد

جب مختار واقصہ سے آگے بڑھا تو ابن عرق سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے آنکھ کا حال دریافت کیا۔ مختار نے کہا کہ ایک زانیہ کے بچے نے اسکو مجروح کر دیا ہے پھر قسم کھائی کہ خدا مجھے ہلاک کرے اگر میں ابن زیاد کے جسم کے تمام جوڑ الگ الگ نہ کر دوں۔ اس کے بعد کہنے لگا تم عنقریب سُن لوگے کہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں۔ اور شہید مظلوم سید المسلمین، ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حسینؓ ابن علیؓ کے خون کا انتقام طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد کہنے لگا "خدا کی قسم! میں حسینؓ مظلوم کے بدلے میں اتنے ہی آدمیوں کی جانیں لوں گا جس قدر کہ یحییٰ ابن زکریا (علیہما السلام) کے خون کے بدلے قتل ہوئے تھے" یہ کہہ کر مختار وہاں سے چل دیا اور ابن عرق محو حیرت رہ گیا یہاں سے مختار نے مکہ معظمہ جا کر کچھ عرصہ تک اقامت کی۔ اور یزید کی موت کے بعد جب اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تو ابن زبیرؓ کے پاس مزید پانچ مہینہ تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا۔ اور جب دیکھا کہ ابن زبیرؓ اس کو کسی کام میں اعانت نہیں چاہتے تو اس نے یہ کارروائی شروع کی کہ اہل کوفہ میں سے جو کوئی ابن زبیرؓ کے پاس آتا اس سے اہل کوفہ کے خیالات و امیال کا حال دریافت کرنے لگتا۔ چنانچہ ایک دن وہاں کے ایک سربرآوردہ شخص نے بتایا کہ گو اہل کوفہ حضرت ابن زبیرؓ کی اطاعت میں راسخ قدم ہیں لیکن ان میں ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے اگر کوئی شخص اُن کی رائے کے مطابق ان کو مجتمع کرے تو تھوڑے ہی عرصہ میں روئے زمین کو فتح کر سکتا ہے۔ مختار نے کہا خدا کی قسم! میں اس کام کے لئے موزوں ترین شخص ہوں میں ان کے ذریعہ سے شہسواران باطل کو مغلوب کروں گا اور ہر گردن فراز سرکش کی گردن توڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کوفہ کی راہ لی۔ اثنائے سفر میں جن جن لوگوں میں سے گذرتا ان کو سلام کر کے کہتا "تم کو نصرت و کشایش کار مبارک ہو۔ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تمہیں مل گیا ہے" بنو کندہ، بنو ہند، بنو ہمدان وغیرہ قبائل میں جا کر بیان کیا کہ مجھے وصی کے بیٹے مہدی نسل نبی حضرت محمد بن حنفیہ رضہ نے (جو امیر المؤمنین علیؓ کے صاحبزادہ ہیں) تم لوگوں کے پاس اپنا وزیر، شیخ اور امیر بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ ملحدین کو قتل کروں اہل بیت اطہار کے خون کا انتقام لوں اور ضعفاء کو جابروں کے پنجہ ظلم سے نجات دلاؤں۔ لہٰذا تم لوگوں کا فرض ہے کہ قبول دعوت کا شرف اولیت حاصل کرو" ان قبائل نے اس دعوت کو لبیک کہا اور اُسکے ہاتھ پر بیعت کی

فصل ۲۔ ولایت کوفہ کو زیر نگیں کرنے کے جوڑ توڑ

کربلا کے خونین حوادث کے بعد عمرو ابن حریث کوفہ میں ابن زیاد کا قائم مقام تھا اور خود ابن زیاد بصرہ میں رہتا تھا۔ جب ۶۴ھ میں یزید مرا اور اُموی حکومت کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تو اہل کوفہ نے عمرو ابن حریث کو کوفہ کی حکومت سے برطرف کر کے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کر لی جنہوں نے یزید کے بعد حجاز و عراق کی عنان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ جب یزید کو طعمۂ اجل ہوئے چھ مہینے کا عرصہ گذر گیا تو وسط رمضان میں مختار کوفہ پہنچا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد حضرت عبداللہ ابن یزید

کی طرف سے عبد اللہ ابن یزید انصاری کوفہ کے امیر اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ خراج کوفہ کے والی مقرر ہو کر کوفہ پہنچے۔ مختار نے اہل کوفہ کو قاتلین امام حسین رضہ سے جنگ آزما ہونے کی دعوت دینی شروع کی۔ اور کہا کہ میں محمد بن حنفیہ رضہ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ مختار کوفہ کے محلوں اور مسجدوں میں جاتا اور امام حسینؑ اور دوسرے اہل بیت اطہار کے مصائب کا ذکر کر کے آنسو بہانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک جڑ پکڑنے لگی اور رجوع خلائق شروع ہوا۔ عبد اللہ ابن یزید انصاری حاکم کوفہ کو بتایا گیا کہ مختار ایک بڑی جمعیت بہم پہنچا کر کوفہ پر قبضہ کیا چاہتا ہے۔ عبد اللہ نے کہا کہ یہ خیال محض سوء ظن پر مبنی ہے مختار امام حسین رضہ کے خون کا مطالبہ کرتا ہے۔ خدا اس پر رحم کرے اس کو چاہیئے کہ علانیہ اپنی جمعیت کے ساتھ نکلے اور ابن زیاد اور دوسرے قاتلین حسینؑ کا قلع قمع کرے۔ اور اگر ابن زیاد مختار سے برسر مقابلہ ہوا تو میں مختار کی ہر طرح سے امداد کرونگا۔

مختار کی اسیری و رہائی

چند روز کے بعد بعض اشراف کوفہ نے عبد اللہ ابن یزید انصاری اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ کو بتایا کہ مختار خود تم لوگوں پر شہر ہی کے اندر حملہ کرنا چاہتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دو۔ اور ساتھ ہی محبوس نہ کرنے کے انجام بد سے متنبہ کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے مختار کو محبس میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد مختار نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضہ کے پاس جن کے گھر میں اس کی ہمشیر تھی پیغام بھیجا کہ میں مظلوم اور مقید ہوں۔ عبد اللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن طلحہ سے سفارش کر کے مجھے محبس سے نکلوا دیجئے۔" حضرت ابن عمر رضہ نے ان دونوں کو اس کے لئے لکھ دیا اور انہوں نے ان کی سفارش قبول کر کے مختار کو قید سے مخلصی بخشی لیکن رہا کرتے وقت اس سے حلف لے لیا کہ پھر کبھی حیلہ جوئی اور بغاوت نہ کروں گا۔ اور اگر ایسا کروں تو مجھ پر لازم ہو گا کہ کعبۂ معلیٰ کے پاس جا کر ایک ہزار اونٹوں کی قربانی کروں اور اپنے تمام غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دوں۔

حلف کی خلاف ورزی کا عزم صمیم

قید سے رہا ہونے کے بعد مختار اپنے ایک دوست سے کہنے لگا۔ "ان کو خدا کی مار! یہ لوگ کیسے احمق ہیں وہ اپنی حماقت سے سمجھ رہے ہیں کہ میں ان سے وفا کروں گا۔ انہوں نے مجھ سے حلف اٹھوایا ہے لیکن اس حلف کو میں کبھی پورا نہ کروں گا۔ چنانچہ جب میں نے قسم کھائی تھی تو اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے پورا کرنے کی نسبت اس کا توڑنا صد ہزار درجہ بہتر ہے اور ان لوگوں سے تعرض نہ کرنے کے بجائے ان پر حملہ کرنا اشد ضروری ہے۔ رہا اونٹوں کی قربانی اور غلاموں کی آزادی کا مسئلہ، سو یہ میرے لئے تھوکنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ میری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ کسی طرح یہ کار عظیم و خطیر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ پھر خواہ میرے پاس ایک غلام بھی نہ رہے مجھے اس کی پروا نہیں۔ مختار کے پیروؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ جناب عبد اللہ ابن زبیر رضہ نے عبد اللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد کو معزول کر کے ان کی جگہ عبد اللہ ابن مطیع کو عامل کوفہ مقرر کر دیا۔ جیسے ہی عبد اللہ ابن مطیع نے کوفہ میں قدم رکھا اسے کہا گیا کہ مختار کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ کوفہ پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ مختار کو قید کر کے اس کے فتنہ کا سد باب کر دیجئے۔"

ابن مطیع نے مختار کو بلا بھیجا مگر وہ بیماری کا حیلہ کر کے اس کی گرفت سے بچ گیا لیکن بیچارے ابن مطیع کو کیا معلوم تھا کہ یہ شخص تھوڑے ہی روز میں اس کے پرچم اقبال کو پامال کر دے گا۔ بہر حال جب حملہ کی تمام طیاریاں مکمل ہو چکیں تو مختار نے

امام محمد ابن حنفیہؒ کے جعلی خط سے مطلب براری

ایک شخص نے مختار سے کہا کہ شرفائے کوفہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ ابن مطیع کیساتھ ہو کر تم سے لڑیں۔ البتہ اگر ابراہیم ابن اشتر ہماری دعوت قبول کر لے تو اس کی وجہ سے ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ ایک بہادر سردار اور ایک شریف النفس باپ کا فرزند ہے اور اس کا قبیلہ بھی کثیر التعداد ہے۔ یہ سُن کر مختار نے چند آدمی بھیج کر اس سے شریک کار ہونے کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے جا کر اس تعلق اور اُنس کو بھی کھول کر بیان کیا جو ابراہیم کے والد کو حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ میں امام حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے خون کا انتقام لینے میں اس شرط پر تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں کہ مجھے ہی والیٔ امر بنایا جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ آپ اس منصب کے اہل ہیں لیکن اس لحاظ سے کہ مختار مہدی (حضرت محمد بن حنفیہ) کی طرف سے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے اور وہی اس رزم و پیکار پر مامور ہُوا ہے اور ہمیں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، تمہارے والیٔ امر بنائے جانے کی کوئی سبیل نہیں۔ ابراہیم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔ اب مختار نے ابراہیم کے نام ایک جعلی خط لکھا اور تین دن کے توقف کے بعد خود دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر ابراہیم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ دیکھئے! یہ امیر المؤمنین محمد بن علی (امام محمد بن حنفیہؒ) کا خط ہے۔ وہی مہدی جو خدا کے انبیاء اور رسل کے بعد آج روئے زمین پر افضل ترین خلق ہیں اور اس جلیل القدر انسان کے صاحبزادہ ہیں جو کچھ عرصہ پیشتر معمورۂ ہستی کا بہترین آدمی تھا۔ وہ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس کام میں ہماری اعانت کریں۔ ابراہیم نے وہ جعلی خط لے کر پڑھا اس میں لکھا تھا۔ منجانب محمد المہدی بنام ابراہیم بن مالک اشتر۔ سلامٌ علیک۔ میں نے تم لوگوں کے پاس اپنا وزیر اور امین بھیج کر اس کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمن سے جنگ کرے اور میرے اہلِ بیت کے خون کا بدلہ لے۔ تم خود بھی اس کے ساتھ ہو جاؤ اور اپنے قبیلہ اور دوسرے اطاعت کیش لوگوں کو بھی لے جاؤ۔ اگر تم نے میری مدد کی اور میری دعوت کو قبول کیا تو تم کو بڑی فضیلت حاصل ہوگی"۔ ابراہیم نے اس خط کو پڑھ کر کہا کہ محمد ابن حنفیہ نے بارہا میرے پاس خط بھیجے ہیں اور میں نے بھی ان کو خطوط لکھے ہیں۔ ان خطوط میں وہ ہمیشہ اپنا اور اپنے والد ہی کا نام (محمد بن علی) لکھتے رہے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس خط میں اپنی عادت مستمرہ کے خلاف اپنے والد محترم کے اسم گرامی کی جگہ اپنا لقب مہدی کیوں زیبِ رقم فرمایا؟ مختار کہنے لگا وہ زمانہ اور تھا اور یہ اور ہے"۔ ابراہیم نے کہا پھر یہ کیوں کر معلوم ہو کہ یہ خط اُنہوں نے بھجوایا ہے؟ مختار کے تمام ساتھیوں نے اس کی شہادت دی کہ واقعی یہ خط حضرت محمد مہدی ہی نے بھیجا ہے۔ گو ان گواہوں کی وہی حیثیت تھی جو قادیانی "معجزات" کے شاہدانِ "عدل" کی ہوا کرتی تھی۔ تاہم ابراہیم کو انکار و استرداد کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ صدرِ فرش سے ہٹ کر مؤدب ہو بیٹھا اور مختار کو صدر نشین کر کے اس سے بیعت کر لی۔ اب ابراہیم نے اپنے قبیلہ کے لوگوں اور دوسرے متعلقین کو بلایا۔ جب سب جمع ہو چکے تو لائحہ عمل پر بحث ہوئی آخر قرار پایا کہ بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ پنجشنبہ کی رات کو خروج کریں۔

فصل ۳- کوفہ کی تسخیر اور ولایتوں میں عُمّال کا تقرر

عبداللہ ابن مطیع کو معلوم ہو چکا تھا کہ مختار عنقریب حملہ آور ہُوا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے شرفائے شہر کی قیادت

میں فوج اور پولیس کے آدمی بھیج کر شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اس انتظام کا یہ مقصد تھا کہ مختار اور اس کے پیرو خوف زدہ ہو کر خروج سے باز رہیں۔ لیکن جو لوگ مکمل طیاریوں کے بعد رزم و پیکار کے لئے بھپر رہے تھے وہ بھلا اس انتظام سے کیونکر مرعوب ہو سکتے تھے؟ اس اثناء میں مختار نے نواح کوفہ کے ایک مقام پر تمام حربی طیاریاں مکمل کر لیں۔ یوم معہود کو مختار طلوع فجر تک فوج کی ترتیب و آراستگی سے فارغ ہو گیا اور تڑکے ہی دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ دن بھر تلوار چلا کی۔ آخر سرکاری فوج کو ہزیمت ہوئی۔ اور مختار نے قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین دن تک جاری رہا۔ جب ابن مطیع کی قوت مدافعت بالکل جواب دے بیٹھی تو اس کے ایک فوجی افسر شبث ابن ربعی نے اس سے کہا کہ اب اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خیر منائیے۔ اس وقت نہ آپ اوروں کو بچا سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے تئیں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ابن مطیع نے کہا اچھا بتاؤ کیا کیا جائے؟ شبث نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اور ہمارے لئے امان طلب کیجئے۔ ابن مطیع نے جواب دیا کہ مجھے اس شخص (مختار) سے امان مانگتے ہوئے نفرت ہوتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ حجاز اور بصرہ ہنوز امیر المؤمنین (عبداللہ ابن زبیرؓ) کے زیر نگیں ہیں۔ شبث نے کہا اگر یہی خیال ہے تو پھر آپ نہایت راز داری کے ساتھ کہیں نکل جائیے۔ بالفعل آپ کوفہ ہی میں کسی قابل اعتماد آدمی کے ہاں ٹھہر سکتے ہیں اس کے بعد موقع پا کر اپنے آقا کے پاس مکہ معظمہ چلے جائیے گا۔" دوسرے اشراف کوفہ نے بھی عبداللہ بن مطیع کو یہی رائے دی ابن مطیع قصر امارت سے نکل کر ابو موسیٰ کے مکان میں جا چھپا۔ اس کی روانگی کے بعد ابن مطیع کے آدمیوں نے دروازہ کھول دیا اور ابراہیم بن اشتر سے کہا کہ ہم امان چاہتے ہیں۔ اس نے کہا تمہیں امان ہے۔ یہ لوگ قصر سے نکلے اور مختار سے بیعت کر لی۔ مختار قصر میں داخل ہوا اور وہیں رات بسر کی۔ صبح کو شرفائے کوفہ اس سے مسجد اور قصر کے دروازہ پر ملاقی ہوئے اور کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اہل بیت کے خون کی انتقام جوئی پر بیعت کی۔ اس کے بعد مختار اشراف کوفہ سے حسن سلوک کرتا رہا۔

ہزیمت خوردہ دشمن سے حسن سلوک

اس اثناء میں اسے بتایا گیا کہ ابن مطیع ابو موسیٰ کے مکان میں ہے۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا مگر اس کی بلند ہمتی دیکھو کہ شام کے وقت ایک لاکھ درہم ابن مطیع کے پاس بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ اس کو اپنی ضروریات پر خرچ کرو۔ مجھے معلوم ہے جہاں تم اقامت گزیں ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ بے زری اور تہی دستی نے تمہیں شہر چھوڑنے سے روک رکھا ہے" لیکن اس حسن سلوک کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی زمانہ میں ان دونوں میں بڑی دوستی رہ چکی تھی۔ مختار نے کوفہ کے بیت المال میں نوے لاکھ کی رقم پائی جس میں سے اس نے ان پانچ سو تین بہادروں میں جو ابن مطیع کے محاصرۂ قصر کے دوران میں لڑے پانچ پانچ سو درہم اور ان چھ ہزار متحاربین کو جو محاصرہ کے بعد ایک رات اور تین دن تک اس کے ساتھ رہے تھے دو دو سو درہم فی کس تقسیم کر دیئے۔

کون کون سے ملک مختار کے حیطۂ اقتدار میں آئے

اس فتح سے مختار حجاز مقدس اور بصرہ کی ولایت کو چھوڑ کر باقی ان تمام ممالک پر قابض ہو گیا جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زیر نگین تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اس نے اپنے اعلیٰ ترین اوج و عروج کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور نظر آیا کہ اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے علم اقبال کے آگے سر نیاز جھکائے ہے۔ اب اس نے ابراہیم بن اشتر کے چچا عبداللہ ابن حارث کو آرمینیا کی حکومت تفویض کی۔ عبدالرحمٰن بن سعید کو موصل کا گورنر بنایا۔ اسحاق ابن مسعود کو مدائن کی سرزمین دی۔ اسی طرح دوسرے علاقے بھی ممتاز سرداروں کے زیر فرمان کر کے سب کو اپنی

اپنی حکومتوں پر روانہ کر دیا۔

یاد رہے کہ یہ عبداللہ بن مطیع جسے مختار نے مغلوب کیا وہی عبداللہ بن مطیع ہے جس سے امام حسینؓ کی کوفہ جاتے ہوئے ایک چشمہ پر ملاقات ہوئی تھی اور اُس نے کہا تھا "اے ابن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے ان اطراف میں کس طرح قدم رنجہ فرمایا؟ یہ کہہ کر آپ کو اپنے مکان پر لے گیا اور نہایت خاطر مدارات سے پیش آیا تھا اور جب امام حسینؓ نے اس کو اپنے وجوہ قدوم سے مطلع کیا تو کہنے لگا اے فرزند رسول اللہ! میں آپ کو حرمتِ اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس خیال سے باز آ جائیے میں آپ کو حرمتِ قریش اور حرمتِ عرب کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس عزم سے درگذر فرمائیے۔ خدا کی قسم! اگر آپ وہ چیز طلب فرمائیں گے جو بنو اُمیّہ کے دستِ اقتدار میں ہے تو وہ آپ کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے۔ آپ کو خدائے یگانہ کا واسطہ کوفہ جا کر اپنے آپ کو بنو اُمیّہ کے دستِ بیداد میں نہ دیجئے" غرض بہت منت سماجت کی تھی۔ مگر امام حسینؓ نے بعض مجبوریوں کی بنا پر اس مخلصانہ درخواست کو مسترد فرما دیا تھا"

فصل ۴ ۔ شہدائے کربلا کے قتل و استہلاک کا انتقام

کوفہ اور اس کے صوبجات پر عمل و دخل کرنے کے بعد مختار نے ان لوگوں کے خلاف دار و گیر کا سلسلہ شروع کیا جو امام حسینؓ اور خاندانِ نبوّت کے دوسرے ارکان کے قتل و استہلاک میں شریک تھے یا اس کے ذمہ دار تھے۔ اب ہر ایک کے وقائع ہلاک درج کئے جاتے ہیں۔

عبیداللہ ابن زیاد کی ہلاکت

عبیداللہ ابن زیاد وہی شقی ازلی ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کا اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ اس کی خُون آشامی نے انہیں ریاضِ فردوس میں نہ بھیج دیا۔ اس نے اہل بیت اطہار پر جن کی محبت جزء ایمان ہے وہ ظلم توڑے کہ جن کو سُن کر دل پاش پاش ہو جاتا ہے یزیدی عہدِ بے دولت کے آغاز میں یہ شخص بصرہ کا حاکم تھا اور چونکہ یزید اس سے ناخوش تھا اس کو بصرہ کی حکومت سے برطرف کر دینا چاہتا تھا لیکن جب امام حسینؓ نے اپنے عم زاد بھائی مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ روانہ فرمایا اور ہزار ہا آدمیوں نے مسلمؒ کے ہاتھ پر امام حسینؓ کی بیعت کی تو یزید نے جناب مسلمؒ کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی ابن زیاد کو تفویض کر دی اور لکھا کہ میں تم سے خوش ہوں۔ تم کوفہ جا کر وہاں کے حالات کی اصلاح کرو اس شخص نے کوفہ جا کر حضرت مسلم بن عقیل کا نقش وجود جس بے دردی اور شقاوت کے ساتھ صفحہ ہستی سے محو کیا اور جس سفاکی کے ساتھ حضرت مسلم کے میزبان ہانی بن عُروہ کی جان لی اس کے بیان سے تاریخ کی رُوح لرز جاتی ہے اسی شخص نے اپنے سپہ سالار عُمر بن سعد کو لکھا تھا کہ حسینؓ اور اُن کے اہلِ بیت کے پاس دریائے فرات کا پانی نہ پہنچنے دو۔ چنانچہ اس نے اس حکم کے بموجب پانسو سواروں کی ایک جمعیت دریا اور امام حسینؓ کے قیام گاہ کے درمیان حائل کر کے پانی پینے میں مزاحمت کی یہی وہ شخص تھا جس نے عمرؔ بن سعد کو حضرت امام حسینؓ اور ان کے اہل بیت کی جان ستانی کا حکم دیا تھا۔

بلندی سے گرا کر قاصدوں کی جان ستانی

یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کے قاصدوں کی نہایت سنگ دلی کے ساتھ جان لی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملنے سے پہلے امام حسینؓ نے کوفہ جاتے ہوئے قیس ابن سہر صیدادی کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام ایک خط روانہ فرمایا تھا۔ قیس قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے جو راستہ میں امام حسینؓ کی مزاحمت کے لئے یزیدی فوجیں لئے پڑا تھا ان کو گرفتار کرکے کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد کی ناپاکیٔ سیرت اور خبث ضمیر سے بھلا کسی عفو و درگذر کی کہاں اُمید ہو سکتی تھی اس نے قیسؒ کو حکم دیا کہ قصر امارت کی بلند چھت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ پر سبّ و شتم کرو۔ قیس اوپر چڑھ گئے اور خالق کردگار کی حمد و ثنا کے بعد کہا خدا کی قسم! حسین ابن علی رضی اللہ عنہما روئے زمین کی تمام مخلوق میں بہترین اور افضل ترین انسان ہیں۔ آپ مخدومۂ جہاں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کی دعوت حق کو لبیک کہو۔ میں ان سے حاجر کے مقام پر جدا ہوا تھا" اس کے بعد اُنہوں نے حضرت حسینؓ کی جگہ ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس شخص کو قصر کے نیچے پھینک دو۔ قصر امارت نہایت بلند تھا۔ ان کو نیچے دھکیل دیا گیا۔ زمین پر پہنچکر جسم پاش پاش ہو گیا۔ اور آنکھیں بند کرتے ہی حوران جنت کی گود میں پہنچ گئے۔ حضرت امام حسینؓ کو ہنوز اس سانحہ کا علم نہیں تھا کہ قیس کی روانگی کے بعد اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ بن یقطر کو حضرت مسلم ابن عقیل کے پاس روانہ فرما دیا۔ امام ہمام کو اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مسلمؒ شہید ہو کر جنت الفردوس میں پہنچ چکے ہیں حصین ابن نمیر نے عبد اللہ کو بھی گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے قیس کی طرح ان کو بھی حکم دیا کہ قصر امارت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب پر لعنت کرو۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ وہ اوپر چڑھ گئے اور حضرت حسینؓ کے قدوم کا اعلان کرکے ابن زیاد پر لعنت کرنے لگے۔ وہ بھی ابن زیاد کے حکم سے قصر سے گرا دیئے گئے۔ ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ ایک یزیدی آگے بڑھا اور ان کو ذبح کرکے واصل بحق کر دیا۔

ابن زیاد کی سیاہ دلی کا اندازہ ان جاں گسل واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد رونما ہوئے

حضرت زینبؓ کا دردانگیز نوحہ وفغاں

جب شہدائے کربلا کی جاں ستانی کے بعد عمر بن سعد حضرت امام حسینؓ کے اہلبیتؓ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے چلا تو ان کو امام حسینؓ اور دوسرے شہدا کی پامال لاشوں کے پاس سے لے گذرا۔ خواتین اہل بیت اس دردناک منظر کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ حضرت امام حسینؓ کی خواہر محترمہ جناب زینبؓ نے رو کر کہا۔ "اے محمدؐ! آپ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! دیکھیئے بیچارے حسینؓ اس چٹیل میدان میں خون میں لتھڑے ہوئے اعضا بریدہ پڑے ہیں۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ کی اولاد مقتول بے کفن پڑی ہے۔ تیز ہوائیں ان پر خاک اڑا رہی ہیں" راوی کہتا ہے کہ دوست دشمن کوئی نہ تھا جو ان کے دردانگیز نوحہ سے اشکبار نہ ہو گیا ہو۔

حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے

اس کے بعد تمام شہدا کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتر ۷۲ سر تھے۔ شمر ابن ذی الجوشن عمرو ابن حجاج اور قیس ابن اشعث یہ تمام سر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ حمید بن مسلم روایت

کرتا ہے کہ حسینؓ کا سر ابن زیاد کے رُوبرو رکھا گیا مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی چھڑی آپ کے لب مبارک پر مارنے لگا جب اُس نے بار بار یہی حرکت کی تو حضرت زیدؓ ابن ارقم صحابی چلا اُٹھے! "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے قسم خدا کی میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لب مبارک ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہکر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد بگڑ کر کہنے لگا "خدا تیری آنکھوں کو رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا" حضرت زید ابن ارقمؓ یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو۔ تم نے ابن فاطمہؓ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور تمہارے شریروں کو مقرب بناتا ہے تم نے ذلت پسند کرلی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں"

بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے مگر صحیح یہی ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی لگائی تھی۔

اہلبیت نبوت کی شان میں شرمناک دریدہ دہنی

جب اہل بیت کا تباہ حال قافلہ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا تو اس وقت حضرت زینبؓ نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ ابن زیاد نے پُوچھا یہ کون بیٹھی ہے؟ حضرت زینبؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا کہ یہ جناب زینبؓ بنت فاطمہؓ ہیں۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ اُس خدائے ودود کا شکر ہے جس نے تمہیں رُسوا اور غارت کرکے تمہارے خاندان کو بٹہ لگایا" حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ "تمام تر حمد و ستائش اُس ذات برتر کے لئے ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں عزت بخشی اور ہمیں پاک و صاف کیا۔ نہ کہ جیسا تو کہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ فاسق رُسوا ہوتے ہیں اور فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے" ابن زیاد نے کہا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ "علم خداوندی میں ان کی شہادت مقدر تھی اس لئے وہ اپنے مقتل میں پہنچے لیکن عنقریب رب جلیل تجھے اور انہیں ایک جگہ مجتمع کرکے انصاف کرے گا" یہ سُن کر ابن زیاد برافروختہ ہوا اور عالم غیظ میں کہنے لگا کہ "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا کلیجہ ٹھنڈا کردیا" یہ سُن کر حضرت زینبؓ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں بے اختیار رو پڑیں۔ اور کہا تو نے میرے بھائی اور دوسرے قرابت داروں کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا میری شاخیں کاٹیں۔ اور میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر انہی باتوں سے تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو واقعی تو نے اپنی مراد پائی۔ ابن زیاد نے مسکرا کر کہا۔ "یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ حضرت زینبؓ نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ رنج و غم کی آگ ہے جو میرے مجروح دل میں سُلگ رہی ہے۔ حضرت زین العابدین علیؓ بن حسینؓ علیل ہونے کی وجہ سے قتل سے بچ گئے تھے۔ جب ابن زیاد نے ان کو دیکھا تو پُوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا علی بن حسینؓ۔ کہنے لگا کیا اللہ نے علی بن حسینؓ کو ہلاک نہیں کیا؟ جناب زین العابدینؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے کہا تم بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرا ایک بڑا بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علی تھا (علی اکبر) لوگوں نے اسے شہید کر ڈالا۔ ابن زیاد بولا نہیں یوں کہو کہ خدا نے اسے ہلاک کیا۔ علی خاموش ہوگئے ابن زیاد نے کہا تم کیوں نہیں بولتے؟ اس پر زین العابدینؓ نے یہ آیت پڑھی۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا۔ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ

الا باذن اللہ" (خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کے اذن کے مر نہیں سکتا) اس پر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے تو بھی انہی میں سے ہے" پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا انہیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینبؑ بیقرار ہو کر چیخ اٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال" امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے! واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے"

ابن عفیف کا واقعۂ شہادت اس کے بعد اجتماع کے لئے منادی کرائی گئی۔ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے اور ابن زیاد نے منبر پر چڑھ کر یوں "گوہر افشانی" کی۔ "ہر قسم کی حمد و ثنا کا مستحق وہ پروردگار عالم ہے جس نے حق اور اہل حق کو غالب کیا۔ اور امیر المومنین یزید اور اس کی جماعت کی عون و نصرت فرمائی۔ اور کذاب ابن کذاب حسینؑ ابن علیؑ (معاذ اللہ) اور اس کی جماعت کو غارت کیا" یہ سن کر ایک نیک نہاد مسلمان عبداللہ ابن عفیف ازدی نام اُٹھے اور اس بدنہاد کو مخاطب کر کے کہنے لگے "اے ابن مرجانہ (مرجانہ ابن زیاد کی ماں کا نام تھا) کذاب ابن کذاب تو تو ہے اور تیرا باپ۔ اور وہ جس نے تجھے والی بنایا۔ اے ابن مرجانہ کیا تو انبیاء کی اولاد کو قتل کرتا ہے اور ساتھ ہی صدیقوں کا سا کلام کرتا ہے؟" ابن زیاد نے کہا اسے میرے پاس پکڑ لاؤ۔ ابن زیاد نے اس جرم نا آشنا کو جرم حق گوئی میں نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی نعش کو لٹکا دیا جائے چنانچہ نعش اطہر کو وہیں صحن مسجد میں لٹکا دیا گیا پھر امام حسینؑ کے سر مبارک کی تمام شہر میں تشہیر کی گئی اور کوفہ کی کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں اس کو پھرایا نہ گیا ہو۔

ابن زیاد کو بھائی اور ماں کی لعنت ملامت جب عمر ابن سعد نے حضرت امام حسینؑ کے حادثۂ شہادت کے بعد کوفہ کو مراجعت کی تو ابن زیاد نے اس سے کہا کہ عمر! مجھے وہ خط دے دو جو میں نے تم کو حسینؑ کے قتل و ہلاک کے متعلق لکھا تھا۔ اس نے کہا "میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ اس نے کہا وہ چٹھی واپس دے دو۔ عمر نے کہا وہ ضائع ہو چکی ہے۔ ابن زیاد نے کہا نہیں ضرور دے دو۔ کہا وہ تلف ہو گئی تھی۔ ابن زیاد نے کہا وہ تمہیں ضرور دینی پڑے گی۔ عمر نے کہا وہ کربلا ہی میں چھوٹ گئی تھی۔ اور اگر وہ چٹھی مدینے پہنچ گئی تو کم از کم میں تو معذور سمجھا جاؤں گا" اس کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد سے کہا "خدا کی قسم میں نے تم کو حسینؓ کے بارہ میں بہت سمجھایا تھا۔ اور نصیحت کی تھی لیکن تم نے میری ایک نہ سنی" اس گفتگو کے وقت عبیداللہ بن زیاد کا بھائی عثمان بن زیاد بھی موجود تھا۔ وہ کہنے لگا کہ قتل حسینؓ سے تو کہیں یہ بہتر تھا کہ زیاد کی نسل کے ہر مرد کی ناک میں قیامت تک غلامی کی نکیل پڑی رہتی" اور مغیرہ کی روایت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے اپنے بیٹے عبیداللہ سے کہا "او خبیث! تو نے ابن رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے تجھے جہنم سے نکل کر کبھی جنت کی شکل تک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگی"

شہداء کے سرہائے مبارک اور پسماندگان اہلبیت کی دمشق کو روانگی اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر بانس پر نصب

کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے کہ جس وقت زحر بن قیس پہونچا میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اُس سے سوال کیا "کیا خبر ہے"؟ قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں۔ حسینؓ بن علیؓ اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے اُنہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ اُنھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی اُن پر ہلّہ بول دیا جب تلواریں اُن کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن سب کا قلع قمع کر دیا۔ اِس وقت اُن کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ اُن کے کپڑے خون میں تر ہیں۔ اُن کے رُخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ اُن کے جسم دُھوپ کی شدت اور ہَوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گِدھ ول کی خوراک بن گئے ہیں"۔

یزید کے تاثرات راوی کہتا ہے یزید نے یہ سُنا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ سے ضرور درگذر کر جاتا۔ خدا حسینؓ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے"۔ قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔

یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؓ اور اُن کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُس نے یہ شعر پڑھا ۔ یفلقن ھاما من رجال اعزۃ + علینا وھم کانوا اعق واظلما (تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے) پھر کہا "واللہ اے حسینؓ! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

حضرت حسینؓ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر ابن ذی الجوشن اور محفّر بن ثعلبہ اس قافلہ کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محفّر بن ثعلبہ چلّایا "میں امیرالمؤمنین کے پاس (معاذ اللہ) فاجر کمینوں کو لایا ہوں"۔ یزید یہ سُن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا "محفر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے نہیں جنا۔"

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بُلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہُوا "اے علی! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"۔ امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللہِ یَسِیْرٌ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ وَاللہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ "(تمہاری کوئی مُصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے) یہ جواب یزید کو ناگوار ہُوا۔ اُس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں۔ مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ" (جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے)

حضرت زینبؓ کی بیباکانہ گفتگو حضرت فاطمہ بنت علیؓ سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھلائے گئے تو اُس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سُرخ رنگ کا سیاہ دل شامی کھڑا ہُوا اور کہنے لگا "امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجیے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اُس وقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں۔ اُنھوں نے پکار کر کہا "تو کمینہ ہے نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اِسے (یزید کو) اس کا حق ہے۔" اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہے واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے اگر چاہوں۔" زینبؓ نے کہا "ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔" یزید اور بھی زیادہ برافروختہ ہُوا۔ کہنے لگا "دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے!" زینبؓ نے جواب دیا "اُس اللہ کے دین سے میرے نانا کے دین سے، میرے باپ کے دین سے تُو نے، تیرے باپ نے تیرے دادا نے ہدایت نہیں پائی؟" یزید چلّایا "اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے!" حضرت زینبؓ بولیں "تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے ظلم سے گالیاں دیتا ہے اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔" حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ کہتی ہیں یہ گفتگو سُنکر شاید یزید شرمندہ ہو گیا کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ خدا ناترس شامی پھر کھڑا ہُوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اُسے ڈانٹ بتائی "دور ہو کمبخت! خدا تجھے ہلاک کرے۔" اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤسا و اُمرا کی طرف متوجہ ہُوا اور کہنے لگا "ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا۔ مگر نعمان بن بشیرؓ نے کہا "ان کے ساتھ وہی کیجیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔" حضرت فاطمہؓ بنت حسینؓ نے یہ سُنکر کہا "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متأثر ہو گئی۔ اور اس کے درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

مَلِکہ کی غمگساری اس اثنا میں اس حادثہ فاجعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ ہند بنت عبداللہ یزید کی بیوی نے مُنہ پر نقاب ڈالا اور باہر آ کر یزید سے کہا "امیر المؤمنین! کیا حسینؓ ابن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہے؟" یزید نے کہا "ہاں! تم خوب رو رو بین کرو رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی قتل کر ڈالا۔ خدا اُسے بھی قتل کرے!" اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسینؓ کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہے اُنھوں نے سوچا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں" حالانکہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں علیؓ اور معاویہؓ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہُوا؟ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں اسی طرح اُن کا یہ کہنا کہ اُن کے نانا میرے نانا سے افضل تھے تو قسم خدا کی کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسینؓ کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے اَللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

پھر اہل بیت کی خاتونیں یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندان معاویہ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی زُود پشیمانی اور سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہؓ بنت حسینؓ نے جو جناب سکینہؓ سے بڑی تھیں اس سے کہا "اے یزید کیا رسول اللہؐ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟" یزید نے کہا "اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہؓ نے کہا "بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی"! یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دوں گا۔ چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دوگنا تگنا دے دیا گیا۔ یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں زین العابدین علی بن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسنؓ کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا "تو اس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسنؓ نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا "یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو اور ایک چھری اسے دو پھر ہماری لڑائی دیکھو"! یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسنؓ کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا "سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے"۔ یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی لیکن اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر جس نے حسینؓ کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسینؓ نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور قتل کر ڈالا۔ اُن کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کی مدینہ منورہ کو مراجعت

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسینؓ کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا جو ضرورت بھی پیش آئے مجھے خبر دینا"۔ بعد میں حضرت سکینہؓ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا"۔ یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینبؓ بنت علیؓ اور حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا "یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دیں"۔ اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلا بھیجا "واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے تھا"۔ اہل بیت کی آمد سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔ ؎ ماذا تقولون ان قال النبی لکم + ماذا فعلتم وانتم اخر الامم (کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کرینگے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو) بعترتی وباھلی بعد مفتقدی + منہم اساری ومنہم ضرجوا بدم (تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں)۔

ابن زیاد کا بصرہ سے شام کو فرار جب یزید کا پیمانۂ عمر لبریز ہُوا اور اس نے توسنِ حیات کی باگ ملک آخرت کیطرف پھیری تو ابن زیاد کا کوکبِ اقتدار بھی آناً فاناً غروب ہوگیا وہ بصرہ اور کوفہ دونوں مملکتوں کا والی تھا لیکن یزید کی آنکھیں بند ہوتے ہی یہ دونوں حکومتیں اس کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ اہل کوفہ نے ابن زیاد کے نائب عمرو ابن حریث کو کوفہ سے نکال دیا اور بصرہ میں جہاں ابن زیاد خود رہتا تھا لوگ اس کے خلاف عدم تعاون کا حربہ استعمال کرنے لگے چنانچہ جس کام کا وہ حکم دیتا اس کی تعمیل نہ ہوتی اور جو رائے پیش کرتا اس کی تردید کردی جاتی۔ اگر ابن زیاد کسی مجرم کے لئے حبس کا حکم دیتا تو لوگ اس کے اہلکاروں اور ملزم کے درمیان حائل ہوجاتے اور ابن زیاد منہ تکتا رہ جاتا۔ اس اثناء میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعتِ خلافت ہوچکی تھی۔ ان کی طرف سے سلمہ ابن ذویب حنظلی واردِ بصرہ ہُوا۔ وہ ایک جھنڈا لے کر بازار میں کھڑا ہوگیا۔ اور کہنے لگا اے لوگو! میرے پاس آؤ میں تم کو حرم کے پناہ گزین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف بلاتا ہوں۔ لوگ اس کے ہاتھ پر جناب ابن زبیرؓ کی بیعت کرنے لگے جب ابن زیاد کو اس کا علم ہُوا تو بہت گھبرایا۔ چونکہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرنے والوں کی جماعت آناً فاناً بڑھ گئی اور انہوں نے ابن زیاد کے خلاف علمِ انحراف بلند کردیا اس لئے ابن زیاد نے اپنے فوجی افسروں کو حکم دیا کہ وہ اس کے ہم رکاب ہوکر پیروان ابن زبیرؓ سے جنگ کریں لیکن روسائے فوج نے اس کو باتوں ہی میں ٹرخا دیا۔ ابن زیاد نے اس کام میں بھائیوں، رشتہ داروں اور دوسرے متعلقین کا تعاون حاصل کرنا چاہا۔ وہ کہنے لگے کہ اس وقت ہمارا کوئی خلیفہ نہیں جس کے لئے ہم مخالفوں سے برسر جنگ ہوں۔ اگر موجودہ حالات میں لڑائی کا نتیجہ تمہارے خلاف ہو تو کوئی ایسی مرکزی حکومت نہیں جس کے پاس تم چلے جاؤ اور وہ تمہاری مدد کرے۔ پھر کہنے لگے "ہم نے بصرہ میں جائدادیں خرید رکھی ہیں لڑائی میں ہم مغلوب ہوگئے تو لوگ ہمیں ہلاک کرکے ہماری جائدادوں پر قبضہ جمالیں گے"۔ غرض خویشوں نے بھی جواب دے دیا اور وہ بے بسی اور حرمان و یاس کی مجسم تصویر بن کر رہ گیا۔ وہ ابھی انہی اضطراب آفرین نامرادیوں کے حصار میں گھرا تھا کہ اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے کیونکہ اہل بصرہ نے اس کے قتل پر اتفاق کرلیا تھا۔ اب ابن زیاد کے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ کہیں بھاگ کر جان بچائے۔ اس غرض کے لئے اس نے حارث ابن قیس نام ایک ازدی رئیس کو بلایا اور کہنے لگا "میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ اگر کبھی امداد کی حاجت ہو تو قبیلہ ازد کو اختیار کرنا"۔ اس لئے یہاں سے بھاگنے میں میری مدد کرو۔ اس نے کہا میں دن کے وقت تو تم کو امان دے کر نہیں لے جاسکتا کیونکہ خوف ہے کہ اس کوشش میں تمہارے ساتھ کہیں میں بھی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ رات کے وقت تمہیں اپنے پیچھے سوار کرکے لے چلوں تاکہ ظلمتِ شب میں تمہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ ابن زیاد نے کہا یہ رائے نہایت صائب ہے۔ چنانچہ حسب قرارداد حارث رات کی تاریکی میں اس کو اپنے پیچھے سوار کرکے لے اُڑا۔ اس وقت بیت المال میں ایک کروڑ نوے لاکھ کی رقم جمع تھی۔ ابن زیاد نے اس کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لیا اور باقی نہایت رازداری کے ساتھ اپنے خاندان کے لوگوں اور دوسرے متعلقین میں تقسیم کردیا جب حارث ابن زیاد کو لے جارہا تھا تو یہ جہاں سے گزرتے ابن زیاد حارث سے بار بار پوچھتا کہ اب ہم کہاں ہیں؟ کیونکہ راستے میں جو اسلامی قبائل بھی آباد تھے وہ ابن زیاد کے دشمنِ جان تھے۔ جب قبیلہ بنو سلیم میں پہنچے تو ابن زیاد کے دریافت کرنے پر حارث نے کہا کہ اب ہم بنو سلیم میں سے گزر رہے ہیں۔ یہ سُن کر ابن زیاد بولا "اب انشاءاللہ ہمارے لئے سلامتی ہے"! پھر جب بنو ناجیہ میں سے گذرتے وقت،

ابن زیاد نے یہی سوال کیا اور حارث نے بنو ناجیہ کا نام بتایا تو ابن زیاد نے کہا "انشاء اللہ اب ہم ضرور نجات پا جائیں گے" بنو ناجیہ نے پوچھا تم کون ہو؟ حارث نے کہا میں حارث بن قیس ہوں۔ بنو ناجیہ کا ایک شخص ابن زیاد کو پہچانتا تھا اس نے دیکھتے ہی کہا "ابن مرجانہ" اور جھٹ ایک تیر مارا جو ابن زیاد کے عمامہ میں لگا۔ حارث نے سواری کو زیادہ تیز کر دیا اور دونوں بچ کر نکل گئے الغرض ابن زیاد اسی طرح بہزار خرابی و رسوائی شام پہنچا جہاں ابھی تک بنو امیہ کی حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔

ابن زیاد کی ہلاکت جب ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت ہوئی تو انہوں نے بعض بنو امیہ کو ارض حجاز سے شام کی طرف جلا وطن کر دیا تھا انہی مخرجین میں عبدالملک کا باپ مروان ابن الحکم بھی تھا۔ مروان کی یہ خواہش تھی کہ وہ جا کر عبداللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرے۔ ابن زیاد کو مروان کے عزم بیعت کی اطلاع ہوئی تو مروان سے کہنے لگا "میں تمہارے اس ارادے پر سخت شرم محسوس کر رہا ہوں" مروان نے کہا کہ ابھی تک تو کچھ نہیں بگڑا ہے۔ غرض ۶۴ھ میں مروان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ اس کے بعد مروان نے ابن زیاد کو ایک لشکر دے کر موصل کی طرف روانہ کیا۔ موصل میں اس وقت مختار کا عامل عبدالرحمٰن ابن سعید تھا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر تکریت کو چلا گیا اور مختار کو اپنی ہزیمت و پسپائی کی اطلاع دے دی مختار نے یزید ابن انس اسدی کو تین ہزار منتخب و جنگ آزمودہ فوج کے ساتھ ابن زیاد کے مقابلہ پر بھیجا اس نے توسن ہمت کی باگ اٹھائی اور باد و برق کی طرح موصل جا پہنچا۔ جب ابن زیاد کو اس کی آمد کا علم ہوا تو اس نے تین ہزار کے مقابلہ میں چھ ہزار فوج بھیج دی۔ لیکن یزید بن انس یہاں پہنچتے ہی ناگہاں مرض موت میں گرفتار ہوا اور اس کا مرض دم بدم ترقی کرنے لگا۔ جب نقارۂ جنگ پر چوب پڑی تو یزید شدت مرض کے باوجود ایسی حالت میں گدھے پر سوار ہو کر نکلا کہ اسے آدمی تھامے ہوئے تھے۔ یزید نے اپنی فوج کو آراستہ کیا اور ساتھ ہی وصیت کر دی کہ اگر میں مر جاؤں تو ورقا ابن عازب تمہارا امیر ہو گا۔ لڑائی کے دوران میں کبھی تو وہ شدت مرض کی وجہ سے غش کھا جاتا تھا اور کبھی ہوش میں آ جاتا تھا۔ بایں ہمہ اہل شام کو ہزیمت ہوئی اور مختار کی فوج نے اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ یزید ابن انس اسی روز بوقت مغرب اس سرائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اس ہزیمت کے بعد ابن زیاد اسی ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ یہ دیکھ کر مختار کی فتحمند فوج نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ کوفہ کو واپس چلی جائے۔ جب مختار کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو سات ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ موصل روانہ کیا۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر یزید ابن انس کی فوج کو دیکھو تو اسے اپنی قیادت میں واپس لے جانا۔ ابراہیم اپنی فوج کو یہ واقعات ذہن نشین کرتے ہوئے روانہ ہوا کہ ابن زیاد نے حضرت امام حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ کیا برتاؤ برتا؟ ان کو کس طرح قتل کیا اور ان کا پانی بند کیا؟ یہ دردانگیز حالات سنا سنا کر اپنے آدمیوں کو ابن زیاد کے خلاف جوش دلاتا رہا۔ جب وہاں پہنچے اور مقابلہ ہوا تو ابن زیاد کو باوجود چند در چند فوج رکھنے کے ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عمیر بن حُباب نام ابن زیاد کا ایک فوجی سردار جو در پردہ ابن زیاد کا دشمن تھا اپنی سپاہ کو بددل کرنے کے لئے لڑتے لڑتے بھاگ کھڑا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شامی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ مختار کی فوج نے شامیوں کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ بھاگتے وقت عالم بدحواسی میں اس کثرت سے نہر میں غرق ہو گئے کہ مغرقین کی تعداد مقتولین سے بڑھ گئی۔ فاتحین نے مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے۔ اور اپنے مستقر کو واپس آئے ابراہیم ابن اشتر اپنے فوجی افسروں سے کہنے لگا کہ میں نے بھی ایک شخص کو ایک جھنڈے کے نیچے نہر خازر کے کنارے اپنے ہاتھ سے قتل

کیا ہے اس کا پتہ لگاؤ۔ اس کے کپڑے بہت معطّر پاؤ گے۔ دونوں ہاتھ مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی جانب ہوں گے۔ اسے تلاش کیا گیا تو معلوم ہُوا کہ وہ ابن زیاد بد نہاد تھا جس نے ابراہیم کی ضرب سے ہلاک ہو کر زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔ اس کا سر کاٹ کر باقی جسم کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اب ابراہیم نے نامۂ فتح کے ساتھ ابن زیاد اور اس کے رؤسا کے سر مختار کے پاس بھیج دیئے جب یہ سر کوفہ کے قصر امارت میں پڑے تھے تو ایک پتلا سا سانپ وہاں آیا اس نے گھوم گھوم کر سروں کو دیکھا۔ آخر ابن زیاد کے منہ میں گھس کر ناک میں آ نکلا۔ پھر ناک سے داخل ہو کر منہ میں جا سر نکالا۔ اس نے کئی مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ کو محدث ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع

عُمر ابن سعد کا قتل

یہ عُمر حضرت سعد ابن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ کا ناخلف بیٹا تھا جو حضرت سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشّرہ میں داخل تھے۔ حضرت سعد ابن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ وہی بزرگ ہیں جنہیں فخرِ کونین سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ماموں کے معزز لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مادر محترمہ قبیلۂ بنو زہرہ سے تھیں اور حضرت سعد بن ابو وقاصؓ بھی اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب سعد ابن ابی وقّاص رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوّت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد میرے ماموں ہیں " اور پھر حضرت سعدؓ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت اور مایۂ الفخر چیز ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر کسی دوسرے شخص کا ماموں بھی ایسا (بلند پایہ) ہو جیسا کہ میرا ہے تو وہ اسے پیش کرے۔ (ترمذی) اور حضرت سعد ابن ابو وقّاص رضی اللہ عنہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ سابقینِ اسلام میں سے تیسرے تھے۔ (صحیح بخاری) یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو چھوڑ کر ان سے پہلے صرف ایک ہی صحابی شرف ایمان سے مشرف ہوئے تھے لیکن خدائے برتر کی شان بے نیازی ملاحظہ ہو کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی عاشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کربلا کے معرکہ میں حضور سرورِ عالم کے فرزند کے قاتلوں کا قائد و رہنما تھا۔ فَسُبْحَانَ الَّذِی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ کہاں جنت الماویٰ کہاں دوزخ کا انگارہ x جناب سعدؓ

قتل حسینؓ سے اعراض یا رَے کی حکومت

عُمر ابن سعد کربلا کی یزیدی افواج کا قائدِ اعظم تھا۔ اس تقرّر کا باعث یہ ہُوا کہ ابن زیاد نے اسے چار ہزار فوج کی کمان دے کر کوہستبی کی طرف روانہ کیا تھا جس پر دیلم نے حملہ کر کے عمل دخل کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے سعد کو قیادت لشکر کے ساتھ رَے کی حکومت کا فرمان بھی لکھ دیا تھا۔ چنانچہ عُمر نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے حمام اعین کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے تھے لیکن حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ جب امام حسینؓ کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو بلا کر کہا کہ "بالفعل تم حسینؓ کا قضیہ نبٹا لو۔ اس کو سرانجام دینے کے بعد خدمت مفوضہ کے لئے چلے جانا" عمر نے امام حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کی معافی چاہی۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ معافی اسی صورت میں ممکن ہے کہ رَے کی حکومت کا فرمان واپس کر دو" عمر نے کہا اچھا مجھے غور کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت دو۔ چنانچہ اس نے اپنے اعزّہ و اقارب اور بہی خواہوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ گرامی کی تباہی و استیصال کی طرف قدم اٹھانا ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ ابن سعد کا بھانجا حمزہ کہنے لگا "ماموں! میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ امام حسینؓ کے مقابلہ پر جانا

خدا کی قسم! اگر بالفرض تمہیں ساری کائنات کے اموال وخزائن اور رُبع مسکون کی بادشاہت سے بھی دست بردار ہونا پڑے
تو بھی ابن رسول اللہ کے خون کا دھبّہ اپنے دامن عمل پر نہ لگانا۔ اس سے قطع نظر حضرت حسینؓ تمہارے ہم جد قرشی ہیں۔ اور صلہ رحمی کا تقاضا
یہ ہے کہ حقوقِ قرابت پر چند روزہ دنیاوی اقتدار کو قربان کردو"۔ عمر نے کہا "اچھا میں ایسا ہی کروں گا"۔ اب وہ رات بھر اسی اُدھیڑ
بُن میں مصروف رہا کہ دو باتوں میں سے کس کو اختیار کروں؟ اس وقت اس مضمون کے اشعار اس کی زبان پر تھے۔ "کیا میں رے
کی رغبت دل سے نکال دُوں یا حسینؓ کے قتل میں شرکت کروں؟ حسینؓ کے قتل کی سزا تو ایسی آگ ہے جس سے بچنے کیلئے
کوئی حجاب نہیں ہے اور رے کی حکومت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔ آخر صبح کو ابن زیاد کے پاس جا کر کہا کہ "لوگوں نے
سُن لیا ہے کہ تم نے مجھے ولایت رے کا عامل مقرر کیا ہے۔ اگر اس کا نفاذ کردو تو بہتر ہے۔ اور حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کے
لئے اشرافِ کوفہ میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب مناسب ہے جو فنِ محاربہ میں مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو"۔ یہ کہہ کر چند
آدمیوں کے نام لئے۔ ابن زیاد بولا "میں نے اس بارہ میں تم سے کوئی مشورہ نہیں طلب کیا تھا۔ اگر لشکر لے کر جاتے ہو تو جاؤ
ورنہ رے کی حکومت کا فرمان واپس کردو"۔ عمر کہنے لگا "اچھا میں جاتا ہوں۔ غرض عمر فوج لے کر حضرت حسینؓ کے مقابلہ
میں روانہ ہُوا۔ اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی ایک مشہور پیشین گوئی پوری کردی۔ چنانچہ ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ ایک
مرتبہ حضرت علیؓ نے عمر ابن سعد سے کہا تھا کہ اگر تم کبھی ایسے مقام میں ہو کہ تمہیں جنت اور دوزخ میں سے کسی ایک
کو اختیار وانتخاب کرنے کی نوبت آئے تو تم ضرور دوزخ ہی کو ترجیح دو گے"۔

ابن سعد کا افتخار کہ سب سے پہلے میں نے امام حسینؓ پر تیر چلایا

جب عمر ابن سعد نے یزیدی افواج کی عنانِ قیادت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے بعد اس نے اپنی باطل پرستی اور حق فراموشی کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا چنانچہ
معرکۂ کربلا کے آغاز میں سب سے پہلے اسی نے چلّے میں تیر جوڑ کر چلایا اور کہا "سب لوگ گواہ رہنا کہ سب سے پہلے میں نے
ہی تیر چلایا ہے"۔ مقامِ عبرت ہے کہ عمر کے باپ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ تو حسب روایت قیس ابن ابو حازم
تابعی ہمیشہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلایا۔ (بخاری ومسلم)
لیکن ان کے نابکار بیٹے کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے فرزند رسولؐ پر تیر چلانے میں سب پر سبقت کی۔ عمر نے باطل
نوازی پر اکتفا نہیں کیا کہ تیر چلا کر لڑائی کا آغاز کردیا ہو۔ بلکہ اس کی قساوتِ قلبی کے اُس وقت اور بھی زیادہ جوہر کھلے تھے
جب اُس نے حضرت امام مظلوم کی جان ستانی کے بعد ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں اپنے لشکر کو خطاب کرکے باآواز بلند کہا
"کون اس بات پر آمادہ ہے کہ حسینؓ کی طرف جائے اور اپنے گھوڑے سے اس کی لاش کو روند ڈالے"۔ چنانچہ دس سوار گئے
اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کے پاؤں سے آپ کی نعش اطہر کو بہت بُری طرح روندنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کے جسد
مبارک کی ہڈیاں اور پسلیاں، اور اعضاء بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کاش ظالموں کے بہیمانہ جذبات
کی تسکین محض امام ہمام کی جان لینے سے ہی ہوجاتی اور انہیں درندگی اور خباثت نفس کے اس مظاہرۂ عظیم کی ضرورت نہ پڑتی
تعجب ہے کہ ان نابکاروں کو اسلامی گھرانوں میں پیدا ہونے کے باوجود کس قانون کس اخلاق، اور کون سی تہذیب نے اس کی
اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سید الشہداءؓ کے جسد اطہر کو اپنی بہیمیت کا تختۂ مشق بناتے؟

حضرت زینبؓ کا عبرتناک استفسار اور عمر کی اشکباری

اس میں شبہ نہیں کہ جاہ طلبی کی شدت انہماک نے عمر کے دل و دماغ پر جمود و بے حمیتی کی موٹی تہیں چڑھا رکھی تھیں تاہم اس لحاظ سے کہ اس نے ایک جلیل القدر صحابی کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی اس کا دل اہل بیت اطہار کی مصیبت پر کسی نہ کسی وقت ضرور پسیجتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت حسینؓ میدان وغا میں تنہا رہ گئے اور اعدائے نابکار ہجوم آپ پر چاروں طرف سے حملے کر رہے تھے تو حضرت زینبؓ خیمہ سے باہر نکلیں اور کہنے لگیں "اے کاش! آسمان ٹوٹ پڑتا اور زمین کو ڈھانپ لیتا"۔ اتنے میں عمر ابن سعد ان کے قریب آیا۔ حضرت زینبؓ نے اس سے کہا کہ "اے عمر! کیا ابو عبداللہ (یعنی امام حسینؓ) شہید ہو جائیں گے اور تم دیکھتے رہو گے؟" یہ سن کر عمر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس کے رخساروں اور ڈاڑھی پر گرنے لگے اور اس نے جناب زینبؓ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ یہ اشکباری زبان حال سے اس حقیقت کا اظہار کر رہی تھی کہ گو حب جاہ و ریاست نے مجھے گروہ اشرار میں داخل کر رکھا ہے لیکن میرا دل آپ حضرات کی ہمدردی سے بیگانہ نہیں ہے"۔ عمر نے اس ہمدردی اور انصاف پسندی کا اس وقت بھی ثبوت دیا تھا جبکہ شمر امام زین العابدین علی ابن حسینؓ کو بحالت رنجوری و علالت جرعۂ شہادت پلانا چاہتا تھا اور عمر ابن سعد نے وہاں آ کر حکم دیا تھا کہ عورتوں کے خیمہ میں کوئی نہ جائے۔ اور نہ کوئی شخص اس مریض لڑکے سے کسی قسم کا تعرض کرے۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی نے ان کے مال و متاع میں سے کچھ لیا ہو تو وہ واپس کردے۔

عمر بن سعد اور اس کے بیٹے کا قتل

ابن زیاد کی ہلاکت کے بعد ایک دن مختار نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو ہلاک کروں گا جس کے بڑے پاؤں اگڑی ہوئی آنکھیں اور گھنی بھویں ہیں اور جس کے قتل سے اہل ایمان اور ملائکہ مقربین خوش ہوں گے۔ حاضرین مجلس میں سے ہیثم بن اسود نخعی نام ایک کوفی تاڑ گیا کہ مختار کی مراد عمر بن سعد سے ہے۔ ہیثم نے گھر جا کر اپنے بیٹے کو یہ اطلاع دینے کے لئے ابن سعد کے پاس بھیجا کہ "مختار نے تمہارے استہلاک کا تہیہ کر لیا ہے"۔ یہ دیکھ کر عمر نے عبداللہ بن جعدہ بن ہبیرہ کے پاس جا کر منت سماجت کی کہ مختار سے مجھے امان دلا دو۔ مختار عبداللہ بن جعدہ کا اس بنا پر بہت احترام کرتا تھا کہ انہیں امیر المومنین علیؓ سے قرابت تھی یعنی یہ حضرت علیؓ کی خواہر محترمہ حضرت ام ہانیؓ کے پوتے تھے۔ عبداللہ نے مختار کے پاس سفارش لکھ بھیجی۔ مختار کی عادت تھی کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح ایسی لچکدار اور گول مول بات لکھا کرتا تھا کہ جس میں بوقت ضرورت انکار کرنے یا دوسرا مفہوم مراد لینے کی بہت گنجائش رہتی تھی۔ مختار نے بدیں الفاظ وعدۂ امان لکھ دیا "یہ وعدۂ امان مختار ابن ابو عبید کی جانب سے عمر بن سعد کے لئے لکھا جاتا ہے۔ تمہاری جان، تمہارے مال، اعزہ، اقرباء اور اولاد کو امان دی جاتی ہے تم سے تمہارے سابقہ اعمال کا اس وقت تک کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا جب تک تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو گے۔ مختار ابن ابو عبید نے اللہ کے سامنے یہ عہد واثق کیا ہے کہ وہ اس عہد امان کا ایفا کرے گا۔ بجز اس صورت کے کہ کوئی حدث (نیا واقعہ) رونما نہ ہو"۔ استثناء کے عربی الفاظ یہ تھے اِنْ حَدَثَ حَدَثاً ان الفاظ کے معنی بظاہر یہ تھے کہ میں اس امان بخشی کے عہد کو نہیں توڑوں گا"۔ لیکن چونکہ "حدث" عربی زبان میں ذو وجوہ ہے اور بے وضو ہونے کو بھی کہتے ہیں۔ مختار نے متذکرہ صدر تحریر میں "حدث" سے بے وضو ہونا مراد لیا تھا یعنی اس نے دل میں امان نامہ کو اس شرط

کے ساتھ مشروط کیا تھا کہ وہ بے وضو نہ ہو۔ لیکن چونکہ وہ اس کے بعد بار ہا بے وضو ہوتا رہا۔ اس لئے وعدۂ امان غتر بود ہو گیا دوسری صبح کو مختار نے عمر کو ابو عمرہ نام ایک شخص کے ہاتھ بلا بھیجا۔ مختار نے جاتے وقت ابو عمرہ کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی موقع ملے تو اس کو ٹھکانے لگا دینا۔ عمر اُٹھا۔ مگر چلتے ہوئے اپنے جُبّے میں اٹک کر گر پڑا۔ ابو عمرہ نے اسی وقت تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر دار الامارت کوفہ میں مختار کے پاس بھیج دیا۔ جب عمر کا سر مختار کے سامنے رکھا گیا تو اس وقت عمر بن سعد کا بیٹا حفص بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مختار نے حفص سے پوچھا پہچانتے ہو کہ یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا ہاں مگر باپ کا سایہ اُٹھ جانے کے بعد اب زندگی بے لطف ہے۔" یہ سن کر مختار نے اس کی بھی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس کے مقطوع سر کو بھی عمر کے سر کے ساتھ رکھوا دیا۔ مختار عمر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا "یہ حسین رض کے بدلے میں" اور پھر حفص کے سر کی طرف اشارہ کر کے بولا "یہ علی اکبر بن حسین رض کے بدلے میں۔ گو ان دونوں کو ان دونوں سے کوئی نسبت نہیں۔" اس کے بعد مختار قسم کھا کر کہنے لگا کہ اگر میں بنو قریش کے ثلث آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دوں تو وہ سب مل کر امام حسین رض کی ایک پور کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔" اب مختار نے عمر اور اس کے بیٹے کا سر حضرت محمد بن حنفیہ رض کے پاس مکہ معظمہ بھجوا دیا جو امام حسین رض کے سوتیلے بھائی تھے۔ اور لکھا کہ میں امام حسین رض کے قاتلوں کی فکر میں ہوں۔ بعض کو قتل کر چکا ہوں اور دوسروں کی تلاش میں ہوں۔"

شمر ابن ذی الجوشن کی جاں ستانی

امام حسین رض کی مخالفت میں شمر کی وہی حیثیت تھی جو فخر بنی آدم سیدنا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و ایذا رسانی میں ابو جہل کی تھی۔ ان دونوں کے حالات پڑھ جاؤ۔ قساوت و تیرہ دلی میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکو گے۔ اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق نظر آئے گا تو صرف کفر اور دعوائے اسلام کا فرق ہوگا۔ باطن کا حال بجز علام الغیوب عز اسمہ کے کوئی نہیں جان سکتا لیکن شمر کا ظاہر قطعاً اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اسکو ایمان و اسلام سے کچھ بھی حصہ ملا تھا۔ ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے بسہولت اندازہ ہو سکے گا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کہاں تک تعلق تھا؟

امام حسین رض کے شرائط صلح کو مسترد کر دیا

آغاز جنگ کربلا سے پہلے حضرت امام حسین رض نے عمر ابن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو اپنے اور میرے لشکر کے درمیان مجھ سے ملو۔ عمر حسب الارشاد وہاں آیا اور دونوں میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ابن سعد اور امام حسین رض میں تین چار اور طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ انجام کار امام حسین رض نے تین شرطیں پیش کیں۔ یا تو مجھے حجاز واپس جانے دو۔ یا مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دو جس کو تم پسند کرو۔ یا یزید کے پاس دمشق روانہ کر دو تاکہ میں اور وہ ہر بات کا خود ہی تصفیہ کر لیں۔ یہ وہ آخری شرائط تھے جو چار پانچ دن کی بحث و تمحیص کے بعد امام حسین رض نے منظور کئے تھے۔ عمر کو اس بات کا یقین تھا کہ ابن زیاد ان میں سے کسی نہ کسی شرط کو ضرور منظور کر لے گا۔ چنانچہ عمر نے ابن زیاد کو لکھا کہ "خدا نے آگ بجھا دی ہے اور اتفاق کی صورت پیدا کر دی ہے حسین رض نے انجام کار یہ تین شرطیں پیش کی ہیں۔ اب ان شرائط میں تمہارے لئے وجہ رضا مندی اور اُمت کے لئے وجوہ صلاح و فلاح موجود ہیں۔" ابن زیاد یہ خط پڑھ کر خوش ہوا اور عمر کی نسبت کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا بہی خواہ اور اپنی

قوم کا شفیق ہے۔ میں ان شرائط کو قبول کرتا ہوں''۔ بدقسمتی سے شمر ابن ذی الجوشن ایسا تیرہ دل شخص بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ وہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور ابن زیاد سے کہنے لگا جب حسینؓ تمہاری سرزمین میں اور بالکل تمہارے پہلو میں اترا ہوا ہے تو آپ یہ شرطیں کیوں منظور کرتے ہیں؟ اس کے بعد شمر کہنے لگا خدا کی قسم! اگر وہ تمہارے بلاد سے واپس چلا گیا اور اس نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دیا تو وہ جا کر بڑی قوت حاصل کرلے گا اور تم لوگ کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے''۔ اس کے بعد بولا خدا کی قسم! حسینؓ اور عمر ساری ساری رات اپنے لشکروں کے مابین باہم دوستانہ گفتگو کرتے رہتے ہیں''۔ یہ سن کر ابن زیاد کا خیال بدل گیا اور شمر سے کہنے لگا اچھا تم میرا خط لے کر عمر کے پاس جاؤ۔ اگر عمر میرے حکم کی تعمیل کرے تو اس کی اطاعت کرو اور اگر اعراض کرے تو تم ہی اس فوج کے امیر بن جاؤ اور عمر کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو''۔ اس کے بعد عمر ابن سعد کے نام یہ خط لکھ کر شمر کو دیا کہ ''میں نے تم کو حسینؓ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو امیدیں دلاؤ۔ یا اس پر مہربانی کرو یا مجھ سے اس کی سفارش کرو۔ دیکھو اگر حسینؓ اور اس کے ساتھی میرے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو میرے پاس بھیجدو لیکن اگر اس سے انکار کریں تو ان پر حملہ کرکے قتل کردو جب حسینؓ قتل ہو جائے تو گھوڑوں سے اس کے سینے اور پشت کو روند ڈالو۔ کیونکہ وہ عاق، شاق، قاطع اور ظالم ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہیں اطاعت شعاروں کی سی جزا دیں گے اور اگر سرتابی کرو تو ہماری فوج سے علیحدہ ہو کر اس کو شمر کے حوالے کردو''۔ جب شمر عبیداللہ ابن زیاد کا خط لے کر عمر کے پاس پہنچا تو عمر کہنے لگا خدا تجھے غارت کرے یہ میرے پاس کیا لے آیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ تو نے ہی ابن زیاد کو شرائط صلح کے قبول کرنے سے باز رکھا ہے۔ افسوس! تو نے سارا معاملہ جس کے سدھر جانے کی پوری امید تھی درہم برہم کردیا۔ واللہ حسینؓ کبھی اطاعت نہ کریں گے کیونکہ ان کے پہلو میں ان کے باپ کا سا دل ہے۔ شمر نے کہا اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟ عمر نے جس پر جاہ طلبی کا بھوت سوار تھا جواب دیا کہ میں حکم کی تعمیل کروں گا''۔

حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں کو امان

جس وقت ابن زیاد نے عمر کے نام خط لکھ کر شمر کو دیا تھا اس وقت کوفہ کا ایک رئیس عبداللہ ابن ابو محل نام ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا جن ایام میں امیر المومنین علیؓ نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا تھا آپ عبداللہ ابن ابو محل کی پھوپھی ام البنین بنت حزام کو اپنے حبالۂ نکاح میں لائے تھے جن کے بطن سے امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ ابن ابو محل نے ابن زیاد سے کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو ہماری پھوپھی کے بیٹوں کو امان دے دو۔ ابن زیاد نے امان کا حکم لکھ کر شمر کو دیدیا جب شمر کوفہ سے کربلا آیا تو امام حسینؓ کے قیام گاہ کے پاس جا کر عباس ابن علیؓ اور ان کے بھائیوں کو بلایا وہ آئے تو شمر کہنے لگا اے میری بہن کے بچو! تم چاروں کو امان ہے''۔ انہوں نے جواب دیا۔ ''خدا تم پر اور تمہاری امان پر لعنت کرے۔ اگر تم ہمارے ماموں ہو تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو تو امان دیتے ہو لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کے لئے امان نہیں ہے''۔ شمر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور واپس چلا گیا۔ چونکہ امام حسینؓ نے ابن زیاد کے پاس جانے سے انکار کردیا تھا اس لئے شمر فوج لئے ہوئے مقابلہ کے لئے نکلا۔ امام حسینؓ کے لشکر میں سے زہیر ابن قین گھوڑے پر سوار ہو کر شمشیر بکف آگے بڑھے اور کہا اے اہل کوفہ! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اس وقت تک ہم بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی

دین پر ہیں۔ یاد رکھو کہ حضرت فاطمہؓ کا فرزند سمیّہ کے بچے کی نسبت دوستی اور معاونت کا زیادہ حق دار ہے۔" سمیّہ جو عام طور پر سمیّہ زانیہ کے نام سے مشہور ہے ابن زیاد کی دادی تھی۔ یزید کے دادا ابو سفیان بن حرب نے اس سے عہد جاہلیت میں زنا کیا تھا اور اس ناجائز تعلق سے عبید اللہ کا باپ زیاد پیدا ہوا تھا۔ جناب زہیر نے کہا "اگر تم اپنے نبی کے نواسے کی امداد نہیں کرتے نہ سہی لیکن تم خدا سے پناہ مانگو کہ تم ان کے قتل کے مجرم بنو۔ میری رائے میں سب سے بہتر یہ ہوگا کہ تم لوگ امام حسینؓ اور ان کے عم زاد بھائی یزید بن معاویہ کو خود ہی آپس میں تصفیہ کر لینے دو۔ یقین ہے کہ یزید تم سے امام حسینؓ کے قتل کئے بغیر بھی خوش ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں شمر نے ان پر ایک تیر چلا دیا۔ اور کہنے لگا "بس چپ رہ خدا تجھے غارت کرے۔ تو تو بک بک کر کے ہمارا دماغ چاٹ گیا۔" زہیر نے یزید کو امام حسینؓ کا عم زاد بھائی اس لئے بتایا کہ دونوں قریشی تھے۔

شمر کی دریدہ دہنی

عاشورہ کے دن امام حسینؓ نے اپنے اصحاب کو لڑائی کے لئے طیار کر کے نماز صبح ادا کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ عمر بن سعد بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ امام حسینؓ نے زہیر بن قین کو میمنہ پر اور حبیب ابن مظہر کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور جھنڈا اپنے بھائی عباس بن علیؓ کو دیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ اہل بیت کے خیمے ان کے عقب میں تھے حضرت امامؓ نے رات ہی کو خیموں کے پیچھے کی زمین کھدوا کر ایک طویل خندق بھی بنوا دی تھی۔ جو طیاری کے بعد ایک چھوٹی سی خشک نہر بن گئی تھی یہ تدبیر اس لئے کی گئی کہ عقب سے حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے حکم دیا کہ لکڑیاں اور شاخیں جمع کر کے اس گہرائی میں بھر دیں اور ان کو آگ لگا دیں۔ جب لشکر اعدا نے لکڑیوں کو سلگتے اور شعلے بلند ہوتے دیکھا تو شمر لعین نے پکار کر امام حسینؓ سے کہا کہ تم نے تو قیامت سے پہلے ہی دوزخ میں پڑنے کا سامان کر لیا۔" آپ نے فرمایا کہ اس میں جلنے کا تو تو سب سے زیادہ مستحق ہے۔"

اہلبیت کے بچوں اور مخدرات عالیہ کو آگ میں جلا دینے کا اقدام

اہل حق کی طرف سے کلبی نام ایک بزرگ نے نہایت شجاعت کے ساتھ لڑ کر ایک کاری زخم کھایا۔ جب وہ دم توڑ رہے تھے تو ان کی بیوی باہر نکل کر اپنے شوہر کے پاس آئیں اور ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کر کے کہنے لگیں "آپ کو جنت مبارک ہو۔" یہ دیکھ کر شمر نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ جا کر اس عورت کو بھی اس کے شوہر کے پاس پہنچا دو۔ اس نابکار نے آتے ہی کلبی شہید کی بیوی کے سر پر اس زور سے ڈنڈا رسید کیا کہ وہ بیچاری آناً فاناً اپنی مظلومیت کی چادر اوڑھے عالم بالا کو چلی گئیں۔ پھر شمر حملہ کرتے کرتے اس غرض سے حضرت امام حسینؓ کے خیموں تک پہنچ گیا کہ ان کو مکینوں سمیت جلا دے۔ مخدرات اہل بیت چیخنے اور نکل نکل کر بھاگنے لگیں امام حسینؓ نے باواز بلند کہا کہ اے شمر! تو میرے اہل بیت کو جلاتا ہے خدا تجھے آگ میں جلائے۔ حمید ابن مسلم جو کوفی فوج کا ایک رکن رکین تھا شمر سے کہنے لگا کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ تم انہیں خدا کا عذاب دو۔ (یعنی آتش سوزاں میں جلاؤ)۔ عورتوں کی جان لو اور ریاض ملت کے نودمیدہ غنچوں کو قطع کرو حالانکہ تم مردوں ہی کے قتل سے اپنے امیر کو خوش کر سکتے ہو۔" لیکن وہ سنگ دل ناہنجار نہ مانا۔ آخر شبث ابن ربعی رئیس کوفہ نے اسے اس حرکت سے منع کیا تو بمشکل باز آیا۔

امام زین العابدینؓ کی جاں ستانی کا نامبارک عزم

جب امام حسینؓ کے تمام اقربا اور جاں نثار اموی ستم آرائی کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت ممدوح یکہ و تنہا میدان کارزار میں رہ گئے تو اعدائے نافرجام نے ان پر

چپ و راست سے حملے شروع کر دیئے۔ حضرت حسینؓ نے اپنے تحفظ و دفاع کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک مرتبہ تو داہنی طرف کے اشقیا پر حملہ کر کے ان کو بھگا دیتے اور پھر بائیں طرف کے دشمنوں کو جا کر پامال کرنے کی کوشش فرماتے۔ خود یزیدی لشکر کے متقدر لوگوں کو اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ کسی فرد واحد کو جو بالکل بے یار و مددگار ہو ان سے زیادہ مربوط، پرجوش، قوی دل اور جری نہیں دیکھا گیا۔ کیونکہ ان کے حملہ آور چپ و راست سے اس طرح چھنٹ چھنٹ کر الگ ہو جاتے تھے جس طرح کوئی شیر چوپایوں کے ریوڑ پر جا پڑے اور وہ بدحواس ہو کر چاروں طرف بھاگیں۔ حضرت حسینؓ اس وقت بہادر شہسوار کی طرح یا پیادہ ہی لڑ رہے تھے۔ آپ تیروں کے واروں کو روکتے جاتے تھے اور اعدا کی صفوں میں جہاں کہیں تخلل پیدا ہوتا تھا اسی جگہ حملہ آور ہو کر کہتے جاتے تھے "خدا کی قسم! تم میرے بعد خدا کے کسی ایسے بندے کو نہ قتل کرو گے جس کا قتل میری جاں ستانی سے زیادہ تم پر قہر الٰہی نازل کرے۔ منتقم حقیقی تم سے میرا ایسا انتقام لے گا کہ جس کا تم لوگوں کو سان گمان نہ ہوگا"۔ امام حسینؓ اسی طرح بہت دیر تک تابڑ توڑ حملے کرتے اور حفظ و دفاع کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ آخر نہایت تھک کر ستانے کے لئے وہیں بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ کے جسد اطہر پر تلواروں نیزوں اور تیروں کے ۷۰ زخم تھے۔ اس حالت میں اعدا چاہتے تو قاطبۃً حملہ کر کے آپ کو رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچا سکتے تھے۔ مگر ان کی یہ حالت تھی کہ ہر کوئی ایک دوسرے کی پناہ لیتا پھرتا تھا اور چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ اس کام کو انجام دیں اور وہ خود نہ کرے۔ یہ کیفیت دیکھ کر شمر نے لوگوں کو للکار کر کہا "تمہارا برا ہو تم لوگ کس انتظار میں ہو۔ اس شخص کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتے"؟ یہ سن کر چاروں طرف سے حملے ہوئے اور آپ کو آناً فاناً ریاض فردوس میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد شمر اپنے تیرہ دل ساتھیوں کو لے حضرت امام زین العابدین علی بن حسینؓ کی طرف چلا جو علیل تھے۔ اور علالت ہی کی وجہ سے شریک کارزار نہ ہو سکے تھے۔ شمر نے ان کو شربت شہادت پلا کر خاندان نبوت کی آخری زندہ یادگار کو بھی دنیا سے معدوم کر دینا چاہا لیکن ایک کوفی رئیس حمید بن مسلم نے کہا کیا تم بچوں کو بھی قتل کرو گے؟ وہ رک گیا۔ اتنے میں عمر ابن سعد نے آ کر سب کو وہاں سے ہٹا دیا۔

شمر کی ہلاکت

مختار نے اپنے غلام زربی کو شمر ابن ذی الجوشن کی تلاش میں روانہ کیا۔ شمر کے ایک رفیق کا مسلم بن عبداللہ ضبابی کا بیان ہے کہ مختار کے غلام زربی نے ہمارا تعاقب کیا اور ہمیں آ لیا۔ ہم اپنے دبلے پتلے تیز رو گھوڑوں پر کوفہ سے نکل چکے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ اپنا گھوڑا اڑاتا ہوا چلا آ رہا ہے جب وہ قریب آیا تو شمر ہم سے کہنے لگا کہ "تم اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاؤ اور مجھ سے دور چلے جاؤ۔ غالباً یہ غلام میری تاک میں آیا ہے"۔ ہم نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ دی۔ اتنے میں غلام نے آ کر شمر پر حملہ کیا۔ پہلے تو شمر نے مدافعت پر اکتفا کیا۔ اس کے بعد ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ زربی کو قتل کر کے شمر کلتانیہ نام ایک گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ اور گاؤں سے باہر ایک ٹیلے کے پاس فروکش ہوا۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ اس کے بعد شمر نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر پہلے تو اسے مرعوب کرنے کے لئے پیٹا۔ پھر کہا کہ میرا یہ خط مصعب ابن زبیرؓ کے پاس بصرہ لے جاؤ۔ مصعب ابن زبیرؓ حضرت امام حسینؓ کے داماد یعنی جناب سکینہؓ کے شوہر اور اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ شمر نے اس خط میں درخواست کی تھی کہ مجھے اپنی حفاظت میں لے لو۔ کسان یہ خط لے کر بصرہ روانہ ہوا۔ راستہ میں وہ ایک ایسے گاؤں میں پہنچا جہاں ابو عمرہ نام مختار کا ایک اہلکار رہتا تھا۔ کسان کو

اس گاؤں کا ایک اور کسان ملا جس سے اس کی پرانی ملاقات تھی۔ وہ اس سے شمر کی بدسلوکی اور ایذا رسانی کا شکوہ کرنے لگا۔ یہ دونوں کھڑے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ ابو عمرہ کا ایک سپاہی ان کے پاس سے گذرا جس کا نام عبد الرحمن ابن ابو کنود تھا۔ اس نے کسان کی باتیں سن کر خط لے لیا اور پڑھ کر پوچھنے لگا۔ شمر کہاں ہے؟ اس نے اس کا پتہ بتایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس جگہ سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ اب یہ لوگ شمر کی طرف چلے۔ میں اس رات شمر ہی کے ہمراہ تھا۔ ہم لوگوں نے شمر سے کہا "کاش تم ہمیں اس گاؤں سے لے چلتے۔ ہم یہاں سخت خوف زدہ ہیں"۔ شمر نے کہا "یہ خوف اسی کذاب (مختار) کی چیرہ دستیوں کا نتیجہ ہے" اس مقام پر ریچھوں کی بڑی کثرت تھی۔ میں نیم بیدار تھا۔ اتنے میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ریچھ ہوں گے۔ مگر جب آواز زیادہ شدید ہوئی تو میں جاگ اٹھا اور یقین ہوا کہ یہ ریچھوں کی آواز نہیں ہے۔ اتنے میں گھوڑوں کے سوار ٹیلے سے اتر کر ہمارے پاس پہنچ گئے۔ اور آتے ہی صدائے تکبیر بلند کی ہم اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ سب شمر پر ٹوٹ پڑے۔ شمر نے بڑی پھرتی سے نیزہ اٹھایا۔ اور ہر طرف وار کرنے لگا۔ وہ اس وقت یہ رجزیہ اشعار پڑھ پڑھ کر مقابلہ کر رہا تھا (ترجمہ) "تم نے کچھار کے ایک دلیر اور خون آشام شیر کو برانگیختہ کیا ہے جو مضبوط اور توانا ہے اور کندھے توڑتا ہے۔ وہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں عاجز و کمزور ہو کر نہیں سوتا۔ بلکہ لڑتا اور لڑاتا رہتا ہے۔ ان کو تلوار کی ضرب سے جدا کرتا اور اپنے نیزے کو سیراب کرتا ہے"۔ اب شمر نے نیزہ چھوڑ کر تلوار اٹھائی اور اس سے لڑتا رہا۔ آخر عبد الرحمن ابن ابو کنود نے اس کے ایک ایسی تلوار ماری کہ لڑکھڑا کر گرا اور جان دے دی۔ جب وہ ہلاک ہو گیا تو یہ لوگ اس کی نجس لاش کو کتوں کی غذا بننے کے لئے ایک گڑھے میں پھینک کر اپنے گاؤں کو واپس چلے آئے۔

دوسرے اشقیاء کی ہلاکت

خولی ابن یزید کا قتل اور سنان ابن انس کا فرار

جب ارباب تیغ کی برق جور و ستم حضرت حسینؑ کے اقرباء اور اعوان و انصار پر گر کر ان کو بے جان کر چکی اور حضرت امام حسینؑ بے یار و مددگار رہ گئے تو اعداء نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زخموں سے تو پہلے ہی نڈھال ہو رہے تھے زرعہ ابن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ اور دوش مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ اس کے بعد سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت جناب ممدوح کی یہ حالت تھی کہ کبھی تو کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی منہ کے بل گر پڑتے تھے ایسی حالت میں سنان ابن انس نخعی نے آپ پر نیزے کا وار کیا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اب سنان نے اپنے رفیق کار خولی ابن یزید سے کہا کہ اسے تم وار کر کے سر کو تن سے جدا کر دو۔ اس نے چاہا کہ ایسا کرے مگر ضعف اور کپکپی کی وجہ سے اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر سنان نے خود گھوڑے سے اتر کر آپ کو شربت شہادت پلایا اور آپ کا سر مبارک کاٹ کر خولی کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت امام حسینؑ کی جان لینے میں جن اشقیاء نے سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی وہ سب کے سب شمر لعین کے کوفی چیلے چانٹے تھے۔ اس قیامت خیز حادثہ کے بعد یزیدی سپاہیوں نے سنان سے کہا "تم نے حسینؑ کی جان لے کر سب سے بڑے "خطرناک" عرب کو قتل کیا ہے اب تم اپنے امیر کے پاس جا کر انعام طلب کرو"۔ وہ جا کر عمر ابن سعد کے خیمہ کے دروازے پر بلند آواز سے یہ شعر پڑھنے لگا۔ (ترجمہ) "میری رکاب کو سونے

اور چاندی سے بھر دو کیونکہ میں نے ایک نامور سردار کو قتل کیا ہے۔ میں نے ایسے شخص کی جان لی ہے جو بلحاظ مادر و پدر اور باعتبار حسب و نسب بہترین شخص تھا۔" عمر ابن سعد نے پہرہ داروں سے کہا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ عمر کے سامنے گیا تو عمر نے اسے ایک لکڑی مار کر بٹھلا دیا۔ اور کہا کہ تو دیوانہ ہے جو ایسی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔" آخر جب مختار نے مقاتلین امام حسینؓ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا تو یہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا۔ پھر معلوم نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا؟ مختار نے اسکے مکان کو منہدم کرا دیا۔

خولی ابن یزید حضرت امام حسینؓ پر قاتلانہ حملے کرنے سے پہلے آپ کے تین بھائیوں جعفر ابن علی، عبداللہ ابن علی اور عثمان ابن علی (رضی اللہ عنہم) کو جرعۂ شہادت پلا چکا تھا۔ ان تینوں کی والدہ ام البنین کوفہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ یہی خولی امام حسینؓ کا سر مبارک کربلا سے اپنے ہمراہ کوفہ لایا تھا۔ خولی سر مبارک کو لئے ہوئے قصر امارت میں پہنچا تو قصر کو بند پا کر اپنے گھر چلا آیا۔ اور سر کو ایک بلند مقام پر رکھ کر اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا۔ اور اپنی بیوی عیوف بنت مالک سے جو حضر موت کی رہنے والی تھی کہنے لگا "میں تیرے لئے ہمیشہ کی دولت مندی لایا ہوں۔ یہ دیکھ حسینؓ کا سر تیرے گھر میں رکھا ہوا ہے۔" اس نے کہا "بدبخت ڈوب مر! لوگ تو سونا چاندی لائے ہیں اور تو ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب میرا اور تیرا سر دونوں ایک مکان میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس نیک سرشت خاتون کا بیان ہے کہ اس وقت ایک نور آسمان کی طرف سے امام حسینؓ کے سر مبارک کی طرف آرہا تھا اور ایک سفید پرند اس کے ارد گرد منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا۔" جب مختار نے اپنے سلسلۂ دار و گیر میں اپنے آدمی خولی ابن یزید کے پکڑنے کو بھیجے تو وہ روپوش ہو گیا۔ مختار کے آدمی اس کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچے۔ اس کی بیوی جو اسی وقت سے اس کی دشمن ہو گئی تھی جب کہ وہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک اپنے گھر میں لایا تھا ان سے پوچھنے لگی تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے زبان سے تو لاعلمی ظاہر کی مگر ہاتھ کے اشارے سے اس کے چھپنے کی جگہ بتا دی۔ یہ اس جگہ پہنچے اور دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ایک ٹوکرا رکھے بیٹھا ہے۔ یہ اسے باہر کھینچ لائے۔ مختار اس وقت کوفہ میں ایک جگہ چہل قدمی کر رہا تھا اس وقت ابن کامل بھی اس کے ساتھ تھا۔ اتنے میں ایک قاصد نے آکر اطلاع دی کہ خولی گرفتار ہو گیا ہے۔ مختار وہاں پہنچا اور حکم دیا کہ اس کو اس کے گھر والوں کے سامنے لا کر قتل کرو۔ اور پھر آگ میں جلا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور جب تک اس کی لاش جل کر خاکستر نہ ہو گئی مختار وہیں ٹھہرا رہا۔

حصین ابن نمیر کا قتل

حصین ابن نمیر کوفہ کے محکمہ پولیس کا افسر اعلیٰ تھا۔ جب حضرت امام حسینؓ کی آمد آمد تھی تو ابن زیاد نے اسے کربلا کی یزیدی فوج کے زرہ پوش سواروں کا بھی افسر بنا دیا۔ اس کی شقاوت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت قریب آیا تو ابو ثمامہ صائدی امام حسینؓ کی خدمت میں عرض پیرا ہوئے "میری جان آپ پر قربان ہو۔ اے ابن رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملوں کہ میں نے اس وقت کی نماز ادا کر لی ہو۔" امام حسینؓ نے فرمایا "تم نے نماز کو یاد کیا ہے خدا تم کو مصلیوں اور ذاکروں کے زمرہ میں داخل کرے۔ ہاں اب نماز کا وقت شروع ہے مگر ذرا جا کر فریق مقابل سے کہہ دو کہ تھوڑی دیر کے لئے حملہ آوری سے رک جائیں تاکہ ہم نماز ادا کر لیں۔" حصین ابن نمیر نے پکار کر کہا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی حبیب ابن مظاہر نے جو امام حسینؓ کے جاں نثاروں میں تھے جواب دیا "او گدھے! تو سمجھتا ہے کہ آل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری قبول ہو جائے گی؟" یہ سن کر حصین نے ان پر حملہ کیا۔ حبیب نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے چہرے

پر تلوار ماری حصین لڑکھڑا کر گرا مگر اس کے ساتھیوں نے اسے بچا لیا۔ اور شاید اسی روز کا واقعہ ہے کہ امام حسینؓ پر تشنگی نے غلبہ کیا۔ آپ پانی پینے کے لئے دریائے فرات پر گئے۔ حصین ابن نمیر نے آپ پر ایک تیر پھینکا جو رخ انور پر لگا۔ امام حسینؓ نے اپنے خون کو اپنے ہاتھ میں جمع کر کے آسمان کی طرف پھینکا۔ اور خدائے قدوس کی حمد و ثنا کے بعد کہا "الٰہی! میں تیرے پاس اس سلوک کی شکایت کرتا ہوں جو تیرے نبی کے نواسے سے روا رکھا جا رہا ہے۔ الٰہی! ان ظالموں کو چن چن کر ہلاک کر"۔ لیکن ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے آپ کے چہرۂ منور پر تیر مارا تھا وہ حصین ابن نمیر نہ تھا۔ بلکہ قبیلہ بنو ابان کا ایک شخص تھا۔ خدائے شدید العقاب نے اسے پیاس کے مرض میں مبتلا کر دیا کہ کبھی پانی سے سیر ہی نہ ہوتا تھا۔ ہر چند اس کے لئے پنکھے جھلے جاتے تھے اور سرد پانی اور شربت دیا جاتا تھا مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ ہر وقت یہی کہتا تھا کہ مجھے پانی دو۔ پانی دو۔ پیاس نے مجھے مار ڈالا"۔ کچھ عرصہ تک اسی عذاب میں مبتلا رہا۔ آخر اس کا پیٹ اونٹ کے شکم کی طرح پھول کر پھٹ گیا۔ اور وہ ہلاک ہو گیا۔

حصین ابن نمیر بھی ابن زیاد کے ساتھ جنگ موصل میں قتل ہوا تھا۔ اس کا حملہ آور شریک ابن جدیر تغلبی تھا۔ وہ اس کو ابن زیاد سمجھ کر چمٹ گیا اور آواز دی کہ جلد آؤ اور ابن زانیہ (ابن زیاد) کو ہلاک کر دو"۔ چنانچہ مختار کی فوج کے آدمی پہنچے۔ اور ابن نمیر پر حملہ کر کے اسے خاکِ ہلاک پر لٹا دیا۔

مُرّہ ابن منقذ پر حملہ اور اس کا فرار

مُرّہ ابن منقذ عبدی نے امام حسینؓ کے صاحبزادہ علی اکبرؓ کو جام شہادت پلایا تھا۔ علی اکبرؓ کی والدہ لیلٰی ابنت ابو مُرّہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ جناب علی اکبرؓ نے میدان جانستان میں آ کر ابھی رجزیہ اشعار ہی شروع کئے تھے کہ مُرّہ نے ان پر نیزے کا وار کیا۔ وہ گر گئے اور اعداء نے بڑھ کر ان کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ امام حسینؓ ان کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے "اے میرے بچے! جن لوگوں نے تجھے قتل کیا ہے خدا ان کو قتل کرے۔ اُف! یہ لوگ خدائے عزیز و جبار کا مقابلہ کرنے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آبروریزی میں کس قدر بیباک ہیں۔ بیٹا! تیرے بعد دنیا ایک چٹیل میدان ہے"۔ پھر امام حسینؑ اپنے چند جاں نثاروں کو ساتھ لے کر ان کی طرف گئے۔ اور فرمایا کہ اپنے بھائی کو اٹھا لے چلو"۔ حکیم ابن طفیل کی جاں ستانی کے بعد مختار نے حضرت علی اکبرؓ کے قاتل مُرّہ ابن منقذ کی طلب میں آدمی بھیجے۔ یہ بڑا جنگجو آدمی تھا۔ مختار کے آدمیوں نے جا کر اس کا مکان گھیر لیا۔ وہ اپنے تیز رَو گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے برآمد ہوا۔ اور حملہ آوروں پر نیزہ زنی کرتا رہا۔ مگر اس کے نیزہ سے کسی کو گزند نہ پہنچا۔ ابن کامل نے تلوار سے اس پر وار کئے۔ وہ ان کو اپنے بائیں ہاتھ سے روکتا گیا۔ اس طرح تلوار اس کے ہاتھ میں اتر گئی۔ یہ دیکھ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا اسے اس تیزی سے لے اڑا کہ یہ لوگ اسے کسی طرح نہ پا سکے۔ یہاں سے وہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا۔ مگر اس کے بعد اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے شل اور

زید بن رقاد جبانی کی ہلاکت

حضرت مسلم ابن عقیل کو جو جناب امام حسینؓ کے عم زاد بھائی تھے کربلا کے قیامت خیز خونین حوادث سے تھوڑے ہی دن پہلے ابن زیاد نے کوفہ کے قصر امارت کی چھت پر قتل کرایا تھا۔ ان کے دو خورد سال فرزند تو انہی کے ساتھ کوفہ میں ابن زیاد کے تیر جفا کا نشانہ بن کر دنیا سے گذر گئے تھے۔ تیسرے صاحبزادہ عبداللہ جو ان دونوں سے بڑے تھے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آئے ہوئے تھے۔ زید ابن رقاد جبانی نے ان کی جان لے کر دنیا اور عقبیٰ کی رسوائی خرید لی۔ یہ نابکار خود از راہ فخر اس بات کا مدعی تھا کہ میں نے عبداللہ بن مسلم کو جرعۂ مرگ پلایا تھا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ جب میں نے عبداللہ کے تیر مارا تو

اس نوجوان نے اپنی پیشانی کو پیکان سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا مگر میرے تیر نے اس ہاتھ کو پیشانی کیساتھ ایسا پیوست کر دیا کہ وہ اسے پیشانی سے ہٹا نہ سکا۔ جب اس کا ہاتھ پیشانی سے کسی طرح علیحدہ نہ ہو سکا تو اس نے دعا مانگی الٰہی! جس طرح ہمارے دشمنوں نے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسا ہی ذلیل کر۔ اور جس طرح اُنہوں نے ہمیں قتل کیا ہے اسی طرح تو بھی انہیں ہلاک کر"۔ اس کے بعد میں نے ایک اور تیر چلایا جس نے اس لڑکے کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنے مقتول کے پاس آیا جس تیر سے اس کی ہلاکت واقع ہوئی تھی وہ تو میں نے آسانی سے اس کے شکم میں سے نکال لیا۔ مگر دوسرے تیر کو جو پیشانی پر لگا تھا نکالنے کی بہت جدوجہد کی۔ اس کی لکڑی تو میرے ہاتھ میں آ گئی مگر پیکان پیشانی ہی میں پیوست رہا اور اسے میں نہ نکال سکا۔ مختار نے اس کی تلاش کے لئے پولیس روانہ کی۔ جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو وہ تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا۔ ابن کامل نے جو پولیس افسر تھا اپنے آدمیوں سے کہا کہ کوئی شخص اس پر تلوار یا نیزہ نہ چلائے۔ بلکہ تیروں اور پتھروں سے ہی اس کا کام تمام کر دو چنانچہ اس پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسنے لگا سو وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ ابن کامل نے کہا کہ اگر کچھ رمق باقی ہو تو اسے باہر لے آؤ وہ باہر لائے تو ابھی زندہ تھا۔ ابن کامل نے آگ منگوا کر اسے زندہ ہی آگ میں جھونک دیا۔

عمرو ابن حجاج زبیدی کی ہلاکت

جس طرح بہت سے ٹوڈی لوگ اپنی سرکار پرستی پر فخر کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح عمرو ابن حجاج کو بھی اپنے امیر المومنین (یزید) کی وفادار رعایا ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا۔ کربلا کے ایک معرکہ میں اعداء دست بدست لڑائی کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔ لیکن ان کا جو آدمی بھی مقابلہ پر آیا وہ وہیں کھیت رہا۔ یہ دیکھ کر عمرو ابن حجاج نے جو میمنہ کا افسر تھا چلا کر یزیدی فوج سے کہا کہ "اے شہسوارو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ کس سے لڑ رہے ہو؟ تم ایسے لوگوں سے برسرپیکار ہو جو موت کے خواہاں ہیں۔ خبردار آئندہ کوئی شخص ان سے دست بدست مبارزہ کرنے کے لئے نہ نکلے کیونکہ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں۔ ان میں سے بچ کر کوئی مشکل ہی سے جا سکے گا۔ تم تو ان پر سنگباری ہی کرتے۔ تو بھی ان کو مستاصل و معدوم کر سکتے تھے۔ اے اہل کوفہ! اپنی طاعت اور جماعت کا التزام رکھو۔ اور اس شخص (امام حسینؑ) کے قتل میں مطلق تردد نہ کرو جس نے دین میں رخنہ اندازی کی ہے اور امام (یزید) سے برسر خلاف ہوا ہے"۔ امام حسینؑ نے اس کا بیان سن کر فرمایا "اے عمرو ابن حجاج! کیا تم لوگوں کو میرے خلاف مشتعل و برانگیختہ کرتے ہو؟ کیا ہم نے دین میں رخنہ اندازی کی ہے۔ یا تم نے؟ واللہ! جب تمہاری روحیں قبض کی جائیں گی اور تم دنیا سے بصد حسرت و یاس کوچ کرو گے تب تم پر حقیقت حال کھلے گی"۔ جو اشقیاء پانی کی بندش پر متعین تھے عمرو ابن حجاج ان کا افسر تھا۔ جب امام حسینؑ اور آپ کے انصار پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی عباسؑ کو بلایا۔ تیس سوار بیس پیادے اور بیس مشکیں ان کے ساتھ کر دیں۔ اور پانی کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ رات کے وقت دریا پر پہنچے۔ جناب نافع ابن ہلال علم لئے ہوئے سب سے آگے بڑھ گئے۔ عمرو ابن حجاج پکارا کون ہے؟ کیوں آئے ہو؟ نافع نے کہا پانی پینے آئے ہیں"۔ ابن حجاج نے کہا "تم لوگوں کو پانی پینے کی اجازت نہیں۔ ہم یہاں اسی لئے متعین ہیں کہ پانی نہ لینے دیں"۔ نافع نے پیادوں سے کہا کہ تم جا کر پانی بھرو۔ پیادے دوڑ پڑے اور سب نے اپنی اپنی مشکیں بھر لیں۔ عمرو ابن حجاج نے اپنی جمعیت کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا جناب عباس ابن علیؑ اور ان کے ہمراہ سواروں نے جوابی حملہ کر کے سب کا منہ پھیر دیا۔ اب عباس نے پیادوں سے کہا کہ تم لوگ جلدی سے نکل جاؤ۔ اور خود دشمنوں کو روکنے کے لئے ٹھہرے رہے۔ اتنے میں عمرو پھر پلٹ پڑا۔ اور مقابلہ شروع کر دیا۔ نافع

کی نماز قبول نہ ہوئی اور میری بیوی ہو

بن ہلال نے ایک یزیدی پر نیزہ کا وار کرکے اس کو ہلاک کر دیا۔ اور انصار حسینؑ بھری ہوئی مشکیں لے کر صحیح وسلامت اپنے خیموں میں پہنچ گئے۔" مختار نے عمرو کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے۔ اس کے کان میں بھنک پڑ گئی۔ جھٹ اسپ باد پیما پر سوار ہو کر واقصہ کی راہ لی۔ اور قیامت تک کے لئے مفقود ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مختار کے آدمیوں نے اسے ایسے حال میں جا پکڑا جبکہ وہ شدت تشنگی سے جاں بلب تھا۔ انہوں نے ہلاک کرکے اس کا سر اتار لیا۔

عبدالرحمٰن بجلی کا قتل

عبدالرحمٰن بجلی جناب مسلم بن عوسجہ کا قاتل ہے جو کوفہ میں جناب مسلم ابن عقیلؑ کے سب سے بڑے معاون تھے۔ جناب مسلم ابن عقیلؑ کی شہادت کے بعد مسلم ابن عوسجہ نے جیسے ہی سنا کہ امام حسینؑ تشریف لا رہے ہیں تو یہ آکر ان کے شریک حال ہو گئے۔ امام حسینؑ کے اعوان وانصار میں مسلم ابن عوسجہ اسدی سب سے پہلے زخمی ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ عمرو ابن حجاج نے حضرت امام حسینؑ پر فرات کی طرف سے حملہ کیا۔ تھوڑی دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ جب عمرو ابن حجاج حملہ کرکے پلٹا تو معلوم ہوا کہ مسلم ابن عوسجہ زخم خوردہ زمین پر پڑے ہیں۔ ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ حضرت امام حسینؑ ان کے پاس آئے اور کہا "مسلم! خدا تم پر رحم کرے"۔ پھر حبیب ابن مظاہر نے ان کے قریب آکر کہا "اے ابن عوسجہ! مجھے تمہارے قتل کا بڑا قلق ہے لیکن تمہیں بہشت مبارک ہو"۔ ابن عوسجہؓ نے نہایت آہستگی سے جواب دیا "خدا تم کو بھی خیر و خوبی مبارک کرے"۔ حبیب نے کہا "میں بھی ابھی تمہارے ہی پاس آنے کو ہوں ورنہ تم سے کہتا کہ کچھ وصیت کر جاؤ"۔ مسلم ابن عوسجہ نے امام حسین کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا "بس ان پر اپنی جان فدا کرنا"۔ حبیب نے کہا "واللہ! میں ایسا ہی کروں گا"۔ جب مسلم ابن عوسجہؓ کی روح نے تن سے مفارقت اختیار کی تو ان کی کنیز ان کا نام لے کر بین کرنے لگی۔ عمرو ابن حجاج کے لشکر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے کہ ہم نے مسلم ابن عوسجہ کو قتل کر دیا۔ شیث ابن ربعی کوفی جو یزیدی لشکر میں ایک سربرآوردہ رئیس تھا۔ اپنے آدمیوں سے کہنے لگا "خدا تمہیں غارت کرے اپنے عزیزوں کو اپنے ہی ہاتھ سے قتل کرتے ہو۔ اور پھر خوشیاں مناتے ہو اور عزیز بھی مسلم ابن عوسجہ ایسا شخص جو کوفہ کا مایۂ ناز تھا۔ اس کے بعد کہنے لگا واللہ! میں نے آذربیجان کے معرکہ میں بچشم خود دیکھا تھا کہ ابھی مسلمانوں کے سوار کافروں کے مقابلہ میں آنے بھی نہیں پائے تھے کہ مسلم ابن عوسجہ چھ کافروں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ افسوس تم ایسے مجاہد فی سبیل اللہ کی جان لے کر خوش ہو رہے ہو"۔ مسلم ابن عوسجہ کو عبدالرحمٰن بجلی اور مسلم ابن عبداللہ ضبابی نے قتل کیا تھا۔ مختار نے حکم دیا کہ عبدالرحمٰن ابن ابو خشارہ بجلی اور کوفہ کے فلاں فلاں یزیدی اشقیاء حاضر کئے جائیں۔ پولیس عبدالرحمٰن بجلی کے ساتھ زیاد ابن مالک ضبعی، عمران ابن خالد قشیری اور عبداللہ ابن قیس خولانی کو بھی پکڑ لائی۔ مختار نے ان سے کہا "اے صالحین امت کے قتل کرنے والو! اور اے سید شباب اہل الجنۃ کی جان لینے والے بھیڑیو! آج خدا نے تم سے خوب انتقام لیا ہے۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ سب کی گردنیں ماری جائیں۔ چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور وہ اپنے سینہ پر رنج و عنا کے صد ہزار داغ لے کر اس عبرت کدۂ ہستی سے چلے گئے۔

مالک ابن نسیر بدی کی جانستانی

مالک ابن نسیر بدی وہی شقی ہے جس کے پاس حضرت امام حسینؑ کی ٹوپی تھی۔ غالباً شہادت ہی کے روز کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ تن تنہا میدان کارزار میں کھڑے رہے کسی نے تعرض نہ کیا اور صبح کا بہت سا وقت اسی حالت میں گذر گیا جب کبھی کوئی کوفی آپ کی طرف آتا تو جھجک کر واپس چلا جاتا۔ اور آپ کو نہ پہنچا اور اپنے سر پر گناہ عظیم لینے کی جسارت نہ کرتا۔ آخر قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مالک ابن نسیر بدی آپ کی طرف بڑھا اور تلوار

سے آپ کے سرِ مبارک پر وار کیا جس سے آپ کی ٹوپی کٹ گئی، سر خون آلود ہو گیا۔ اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امام حسینؓ نے اس سے کہا "خدا ظالموں کے ساتھ تیرا حشر کرے" پھر امام حسینؓ نے اس خون سے لتھڑی ہوئی ٹوپی کو سر سے اُتار کر پھینک دیا اور دوسری ٹوپی پہن لی۔ بدّی نے پہلی ٹوپی اُٹھالی۔ اور اپنے اہل وعیال میں لاکر اسے دھونے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے کہا "کیا ابن رسول اللہ کا چھینا ہوا لباس تو میرے گھر میں لاتا ہے؟ میرے پاس سے چلا جا" یہ شخص اس کے بعد سخت قلّاش ہو گیا۔ اور ساری عمر فقر وفاقہ میں گزاری۔ انجام کار جب مختار نے پکڑ دھکڑ شروع کی تو بدّی اور چند دوسرے اشقیاء کوفہ سے قادسیہ کو بھاگ گئے۔ مختار نے مالک ابن عمرو نہدی نام ایک افسر کو ان کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ اس نے انہیں جا پکڑا اور عشاء کے وقت مختار کے پاس لے آیا۔ مختار نے ان سے کہا "اے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب اور آلِ رسولؐ کے دشمنو! حسین ابن علیؓ کہاں ہیں؟ میرے پاس حسینؑ کو لاؤ۔ تم نے اس بزرگ ہستی کو قتل کیا جس پر نماز میں درود وسلام بھیجنے کا تم کو حکم دیا گیا تھا" انہوں نے کہا "اللہ امیر پر رحم کرے۔ ہمیں جبراً ان کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا۔ آپ ہم پر احسان کریں اور چھوڑ دیں" مختار نے کہا "تم نے اپنے نبی کے نواسے پر کیوں احسان نہ کیا؟ اُس پر تم کو کیوں رحم نہ آیا؟ انہیں کیوں پانی نہ پینے دیا؟ اس کے بعد بدّی سے خطاب کر کے کہا "کیوں بے بدّی کے بچے! تو نے جناب امام حسینؓ کی ٹوپی اُتاری تھی؟ عبداللہ ابن کامل نے کہا "ہاں جناب! یہی وہ شخص ہے" مختار نے حکم دیا کہ بدّی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قطع کر کے چھوڑ دو تاکہ یہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور وہ اسی طرح خون نکلتے نکلتے ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دونوں ساتھی بھی نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔

حکیم ابن طفیل طائی کا قتل

مختار نے اپنے افسر پولیس عبداللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ حکیم ابن طفیل طائی کو بھی گرفتار کیا جائے اس نے مقتلِ کربلا میں حضرت عباسؓ علم بردار کے لباس واسلحہ پر قبضہ کیا تھا۔ اور حضرت امام حسینؓ کے تیر مارا تھا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ میرا تیر حسینؓ کے پاجامے میں اٹک کر رہ گیا تھا اور اس سے ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا" ابن کامل نے اس کو گرفتار کیا اور مختار کے پاس لے چلا۔ ان دنوں حضرت عدی ابن حاتم طائیؓ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ تھے کوفہ میں تشریف فرما تھے۔ چونکہ یہ شخص حضرت عدیؓ کا ہم قوم تھا حکیم ابن طفیل کے اقربا روتے پیٹتے ان کے پاس فریاد رسی کے لئے پہنچے اور جناب عدیؓ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ حکیم بالکل بے گناہ ہے۔ اس نے اہل بیت نبوت کے خلاف کسی کام میں حصہ نہیں لیا" حضرت عدیؓ سفارش کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت عدیؓ نے پہلے عبداللہ ابن کامل سے مل کر سفارش کی۔ اس نے کہا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا۔ امیر مختار حاکم مجاز ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا میں مختار کے پاس بھی جاتا ہوں۔ اس سے پیشتر مختار نے بہت سے ملزموں کو حضرت عدی کی سفارش پر چھوڑ دیا تھا مگر ان لوگوں میں سے کسی پر آلِ رسولؐ کے قتل کا الزام نہیں تھا جب حضرت عدیؓ قصر امارت کی طرف روانہ ہوئے تو شیعوں نے ابن کامل سے کہا ہمیں خوف ہے کہ امیر مختار اس خبیث کے متعلق حضرت عدیؓ کی سفارش قبول کر لیں گے۔ حالانکہ اس کا جرم ثابت ہے اس لئے اگر اجازت دو تو ہم حکم رہائی سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیں" ابن کامل نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے حکیم کو جس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں ایک جگہ نشانہ بنا کر کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباسؓ کے کپڑے اُتارے تھے ہم بھی

تیرے کپڑے اُتارتے ہیں۔ چنانچہ اس کو برہنہ کر دیا۔ پھر اس سے کہا کہ تو نے امام حسینؓ کو صرف ایک تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ ہم بھی تجھے ایک ہی تیر کا نشانہ بناتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ایک ایسا تیر مارا جو پیامِ مرگ ثابت ہوا۔ کہتے ہیں کہ گو تیر ایک ہی تھا لیکن اس کی ساخت اس قسم کی تھی کہ اس میں سے بہت سے پیکان نکل کر آ لگے۔ جب حضرت عدیؓ مختار کے پاس پہنچے تو اُس نے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنے پاس بٹھایا۔ عدیؓ نے اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ مختار نے کہا کیا آپ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہو کر اس امر کو روا رکھتے ہیں کہ امام حسینؓ کے قاتلوں کو مجھ سے طلب فرمائیں؟ حضرت عدیؓ نے کہا کہ "آپ کو اس کے متعلق غلط اطلاعیں پہنچی ہیں۔ مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ وہ بالکل بے گناہ ہے"۔ مختار نے کہا "اچھا میں آپ کی خاطر اسے چھوڑے دیتا ہوں۔ اتنے میں ابن کامل بھی وہاں پہنچ گیا۔ مختار نے پوچھا حکیم کیا ہُوا؟ ابن کامل نے کہا شیعوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ مختار نے کہا میرے پاس لائے بغیر اس کے قتل میں کیوں اتنی جلدی کی؟ دیکھو جناب عدیؓ اس کی سفارش کو تشریف لائے ہوئے ہیں اور یہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی سفارش قبول کی جائے"۔ ابن کامل نے کہا میں مجبور تھا شیعوں نے کسی طرح نہ مانا"۔ یاد رہے کہ اس باب میں جہاں کہیں شیعہ کا لفظ آیا ہے اُس سے آج کل کے رافضی مراد نہیں ہیں جو حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کبار کو گالیاں دیتے ہیں بلکہ شیعانِ علیؓ سے مراد صرف حامیانِ علیؓ ہیں یعنی وہ لوگ جو علی رغم اہلِ شام حضرت امیر المومنین علیؓ کے معاون و ناصر تھے۔

عثمان ابن خالد جہنی کا قتل

ایک دن مختار نے عبداللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ عثمان ابن خالد جہنی اور بشر ابن سوط قابضی کو گرفتار کر لاؤ۔ یہ دونوں اشخاص حضرت امام حسینؓ کے مقابلہ میں برسرِ پیکار تھے۔ اور جناب عبدالرحمٰن ابن عقیل ابن ابی طالبؓ کو شہید کر کے ان کے لباس اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ عبداللہ ابن کامل عصر کے وقت ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بنی دہمان کی مسجد میں پہنچا اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر عثمان ابن خالد میرے پاس نہ لایا گیا تو میں تم سب کی گردن مار دوں گا"۔ بنو دہمان نے کہا "ہمیں مہلت دیجئے۔ ہم اسے تلاش کرتے ہیں"۔ چنانچہ اس کی تلاش شروع ہوئی۔ چونکہ مختار کی طرف سے قاتلانِ اہلِ بیت کے خلاف دار و گیر کا سلسلہ زور شور سے جاری تھا یہ دونوں کوفہ سے اس کوشش میں نکلے تھے۔ کہ جزیرہ کو بھاگ جائیں۔ بنی دہمان نے ان دونوں کو ایک احاطہ میں پایا۔ اور انہیں اپنے ساتھ عبداللہ بن کامل کے پاس لے آئے۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے تم پر قابو ملا"۔ ابن کامل انہیں لے کر روانہ ہُوا۔ جب بنو جعد کے کوئیں پر آیا تو دونوں کی گردن مار دی۔ اور دار الامارت پہنچ کر مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ مختار نے حکم دیا کہ واپس جاؤ اور ان کی لاشوں کو نذرِ آتش کر دو۔ اور جب تک لاشیں جل نہ جائیں ان کے دفن کرنے کی ممانعت کر دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

عمرو ابن صبیح صیداوی کی ہلاکت

عمرو ابن صبیح صیداوی نے حضرت عبداللہ ابن عقیل ابن ابی طالبؓ کو شہید کیا تھا۔ جب رات کا زیادہ حصہ گذر چکا اور سب لوگ سو گئے تو پولیس گرفتاری کے لئے اس کے مکان پر پہنچی۔ یہ اس وقت مکان کی چھت پر بے خبر سو رہا تھا۔ تلوار اس کے سرہانے رکھی تھی۔ پولیس نے اچانک سر پر پہنچ کر پہلے تلوار پر قبضہ کیا۔ پھر اس کو گرفتار کر لیا۔ جب اس نے اپنے تئیں پولیس کی گرفت میں دیکھا تو کہنے لگا" اللہ اس تلوار کا بُرا کرے یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی لیکن اب کتنی دُور ہو گئی"۔ یہ لا کر مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت مختار نے اسے اپنے قصر ہی میں قید کرا دیا۔ اور صبح کو دربارِ عام

کیا۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہُوا اس کے سامنے حاضر کیا گیا۔ تو مختار کو خطاب کر کے نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا "اے کافر و فاجر! اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں کمزور اور پست ہمت نہیں ہوں۔ میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں تمہارے بجائے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے مارا جاتا کیونکہ میں تمہیں بدترین خلائق سمجھتا ہوں۔ کاش! اس وقت تلوار میرے ہاتھ میں ہوتی تو تجھے مزا چکھا دیتا۔ اس کے بعد اس نے پولیس افسر عبداللہ ابن کامل کی آنکھ پر زور سے طمانچہ رسید کیا۔ ابن کامل ہنسا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مختار سے کہنے لگا "یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے آلِ محمد کو زخمی کیا اور ان پر نیزہ بازی کی۔ اب آپ اس کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں؟" مختار نے کہا نیزے مار مار کر اس کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔[1]

اسی طرح مختار نے بہت سے دوسرے دشمنانِ آلِ رسول کا بھی قلع قمع کیا لیکن بخوفِ طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حضرات اخذ و بطش کے مزید مختاری کارنامے معلوم کرنا چاہیں وہ تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل ۵۔ دعوائے نبوّت و وحی

شیعہ بننے کی غرض و غایت

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مختار کو ابتدا میں اہل بیتِ نبوّت سے کوئی محبت و ہمدردی نہ تھی بلکہ خارجی المذہب ہونے کے باعث آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض و عناد رکھتا تھا لیکن اس کے بعد مصلحتاً اپنے تئیں شیعہ اور محبِ اہل بیت ظاہر کر کے قاتلینِ امام حسینؓ کے درپئے انتقام ہُوا۔ پس یزیدیوں کا قلع قمع جو اس سے صورت پذیر ہُوا اس کی تہ میں دراصل استمالتِ قلوب اور حُبِّ جاہ و ریاست کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے اس سے کہا "اے ابا اسحاق! تم کس طرح اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے لگے تمہیں تو ان حضرات سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کہنے لگا کہ جب میں نے دیکھا کہ مروان نے شام پر تسلط جما لیا ہے۔ عبداللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں حکومت قائم کر لی ہے۔ نجدہ یمامہ پر قابض ہو گیا ہے اور ابن حازم نے خراسان دبا لیا ہے تو میں کسی عرب سے ہیٹا نہیں تھا کہ چپ چاپ بیٹھا رہتا اور حصولِ مملکت کے لئے ہاتھ پاؤں نہ مارتا۔ میں نے جد و جہد کی اور ان بلاد پر عمل و دخل کر کے ان کا ہم پایہ ہو گیا۔"[2]

مختار محبانِ اہل بیت اور شیعانِ علیؓ کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے نہ صرف خود فائز المرام ہُوا بلکہ دشمنانِ اہل بیت سے مظلومینِ کربلا کا انتقام لے کر اہل بیت کی مقتدر ہستیوں کو بھی اپنا ممنونِ احسان بنا لیا۔ چنانچہ جب مختار کوفہ میں قتل ہُوا ہے تو جناب عبداللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے کہا "کیا آپ نے اُس کذاب کا حال سنا ہے؟" حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا "کذاب کون؟" ابن زبیرؓ نے کہا مختار۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "ہاں میں مختار کے قتل کا حال سن چکا ہوں"۔ ابن زبیرؓ کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُس کو کذاب کہنا پسند نہیں کرتے اور آپ کو اس کی ہلاکت کا صدمہ ہے"۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں۔ مختار وہ شخص تھا جس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا۔ ہمارے خونوں کا انتقام لیا اور ہمارے سینوں کی آگ بجھائی۔ اُس کی خدمات کا صلہ یہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اسے گالیاں دیں یا اس کی موت پر اظہارِ مسرت کریں۔[3]

---

[1] الدعاۃ مطبوعہ مصر ص ۶۳۔ و ابن جریر جلد ۷ ص ۱۵۵۔ [2] [3] تاریخ کامل ابن اثیر ۱۲

دعوائے نبوت کی بنا جب مختار نے قاتلین امام حسینؓ کے تہس نہس کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور اس قسم کی بہجت افزا خبریں فضائے عالم میں گونج رہی تھیں کہ دشمنانِ اہل بیت کے گلے پر چھری رکھ کر محبانِ آلِ عبا کے زخم ہائے دل پر ہمدردی و تسکین کا مرہم رکھا ہے تو پیروانِ ابن سبا اور غلاۃ شیعہ نے اطراف و اکنافِ ملک سے سمٹ کر کوفہ کا رخ کیا۔ اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے تملق و چاپلوسی کے انبار باندھنے شروع کر دیئے۔ بات بات میں مدح و ستائش کے پھول برسائے جاتے اور مختار کو آسمان تعلّی پر چڑھایا جاتا۔ بعض خوشامد پسندوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا کارِ عظیم و خطیر جو اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات سے ظہور میں آیا ہے۔ نبی یا وصی کے بغیر کسی بشر سے ممکن الوقوع نہیں۔ اس تملق شعاری کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا۔ مختار کے دل و دماغ میں انانیت و پندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو دن بدن بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے بساطِ جرأت پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا[1]۔ اس دن سے اس نے مکاتبات و مراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کر دیا۔ دعوائے نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اور جبرئیل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں۔ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب ابن زبیرؓ عامل بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کو قتل کیا ہے اس سے پہلے مختار نے بصرہ پر تسلط جمانے کے لئے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور وہاں کی مقتدر ہستیوں کو گانٹھنے میں کوشاں تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے بصرہ کے روسا، مالک بن مسمع اور زیاد بن عمرو کو ایک خط لکھا جس میں مرقوم تھا کہ "تم میری دعوت کو قبول کرو اور میرے حلقۂ اطاعت میں آجاؤ۔ دنیا میں جو کچھ تم چاہو گے تم کو دیا جائے گا۔ اور آخرت میں جنت کا تمہارے لئے میں ضامن ہوتا ہوں۔" یہ خط پڑھ کر مالک ازراہِ مذاق زیاد سے کہنے لگا کہ مختار دنیا و عقبیٰ کی نعمتیں تم کو بخش رہا ہے بس اب کس چیز کی کمی ہے، زیاد ہنس پڑا اور ازراہِ مذاق کہنے لگا بھائی میں تو وعدوں پر کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جو کوئی ہمارے سامنے سونے چاندی کا ڈھیر لگائے گا اسی کی رفاقت اختیار کریں گے۔" مختار نے احنف ابن قیس نام ایک رئیس کو یہ خط لکھا تھا: "السلام علیکم۔ بنی مضر اور بنی ربیعہ کا برا ہو۔ احنف اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہا ہے کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو۔ مجھ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔ میں ان میں سے اکثر سے فائق و برتر نہیں ہوں۔ اس لئے اگر مجھے کاذب سمجھا گیا تو کیا ہوا[2]۔" ایک مرتبہ کسی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ مختار نزولِ وحی کا مدعی ہے۔ انہوں نے فرمایا مختار سچ کہتا ہے خود خدائے برتر نے اس وحی کی اطلاع اس آیۃ میں دی ہے: وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ (شیاطین اپنے دوستوں پر وحی نازل کیا کرتے ہیں)۔

مختار کے دعاوی و اکاذیب کے متعلق مخبر صادق صلعم کی پیشین گوئی مختار کی کذب آفرینیوں کے متعلق خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی کتب حدیث میں مروی ہے چنانچہ ترمذی نے عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی سقیف کذاب و مبیر (قوم بنی ثقیف میں ایک کذاب پیدا ہو گا اور ایک مفسد و ہلاکو) علماء نے کذاب کو مختار پر اور مبیر کو حجاج بن یوسف پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ

---

[1] الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر ص ۴۳۔ [2] تاریخ طبری جلد ۷ ص ۱۳۱

حضرت اسماء (ذات النطاقین) بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حجاج بن یوسف سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب ظاہر ہوگا اور ایک مبیر۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار ثقفی اور مبیر تو ہے" اسی طرح عدی بن خالد سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں تین دجالوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو ہمیں دجال اعور اور اکذب الکذابین (مسیلمہ) کے متعلق اطلاع دی تھی۔ اب یہ تیسرا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک فتنہ گر ہوگا جسے لوگ عارف باللہ سمجھیں گے۔ حالانکہ وہ ایک ایسا دجال ہوگا جو سیاہ بھیڑیے سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ آل محمدؐ کی محبت ظاہر کرکے بندگان خدا کو کھا جائے گا۔ حالانکہ اسے میری سنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔ رواہ ابن خزیمہ والحاکم والطبرانی۔

دوسرے کا گھر جلا کر پیشین گوئی پوری کر لی

جھوٹے مدعی تائید ربانی اور نصرت الٰہی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اس لئے نقل کو اصل ظاہر کرنے کے لئے انہیں حیلہ جوئیوں اور ناجائز تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ مختار بھی اسی اصول کے ماتحت اپنی من گھڑت وحی، معجزات اور پیشین گوئیوں کے پورا کرنے کے لئے عجیب وغریب چالاکیاں کیا کرتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ لمبا چوڑا عربی الہام تالیف کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے "وربّ السماء لینزلنّ نارٌ من السماء فلیحرقنّ دار اسماء" (آسمان کے رب کی قسم! ضرور آگ آسمان سے نازل ہوگی اور اسماء کا گھر جلا دے گی) جب اسماء بن خارجہ کو اس مختاری الہام کی اطلاع ہوئی تو اپنے گھر کا تمام مال واسباب نکال کر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا۔ لوگوں نے نقل مکانی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ مختار نے میرا گھر جلنے کی پیشین گوئی کی ہے۔ اس لئے اب وہ اپنا الہام پورا کرنے کے لئے ضرور میرا مکان نذر آتش کر دے گا" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کی تاریکی میں ایک شخص کو بھیج کر آگ لگوا دی۔ اور اپنے حلقۂ مریدین میں ڈینگیں مارنے لگا کہ میری پیشین گوئی پوری ہوئی۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح آگ آسمان سے اتر کر مکان کو بھسم کر گئی۔[1]

خیالی فرشتوں کی طرف سے مختاری فوج کی امداد

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ غزوات بدر وحنین میں خدائے قادر وتوانا نے قلیل التعداد و بے سروسامان مسلمانوں کی اعانت کے لئے ملائکہ مقربین روانہ فرمائے۔ یہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ ایک مرتبہ مختار نے بھی عجیب ہنرمندی کے ساتھ یہ معجزہ اپنے پیروؤں کو دکھایا۔ چنانچہ جب اس نے ابراہیم بن اشتر کو ابن زیاد کے محاربہ کے لئے موصل روانہ کیا تو اس کی مشایعت کے لئے پیدل چلنے لگا۔ ابراہیم نے کہا اے ابو اسحاق! سوار ہو جاؤ" کہنے لگا "نہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے قدم آل محمدؐ کی عون ونصرت میں غبار آلود ہوں" اسی طرح دو فرسنگ تک ساتھ چلا گیا۔ وداع کے وقت لشکر کو مخاطب کرکے کہنے لگا "خدائے قدوس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں کبوتروں کی شکل میں فرشتے بھیج کر تمہاری امداد کروں گا" اب اس نے اپنے بعض خاص مقرب ورازدار غلاموں کو چند کبوتر دے کر حکم دیا کہ تم لوگ لشکر کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ۔ جب لڑائی شروع ہو جائے تو کبوتروں کو پیچھے سے لشکر کے اوپر کی طرف اڑا دینا" چنانچہ غلاموں نے ایسا ہی کیا۔ فوج میں شور مچ گیا کہ فرشتے آگئے۔ اس "آسمانی امداد" کے بعد مختاری لشکر کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے اپنی فتح کا یقین کرتے ہوئے دشمن پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ اس کے چھکے چھڑا دیئے یہاں تک کہ لشکر شام منہزم ہو کر بھاگ نکلا۔[2]

---

[1] الفرق بین الفرق ص ۳۵ [2] الدعاۃ ص ۶۶

جس طرح مختار نے کبوتر بھیج کر اپنی فوج کو ٹِل دیا اسی طرح ایک خارجی قیدی بھی اس قسم کی حیلہ گری سے مختار کو چکمہ دے کر رہا ہُوا تھا ایک دفعہ خارجیوں سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مختار کو فتح ہوئی۔ بہت سے خارجی قتل ہوئے اور بہت سے قید کر لئے گئے۔ انہی قیدیوں میں ایک شخص کو سُراقہ بن مرداس بارقی کہتے تھے۔ اس شخص کو یقین تھا کہ مختار اس کے دیکھتے ہی قتل کا حکم دے گا۔ اب یہ سوچنے لگا کہ قتل سے بچنے کے لئے کسی حیلہ گری سے کام لینا چاہیئے۔ چنانچہ جب پہرہ دار اس کو مختار کے سامنے پیش کرنے لگے تو ان سے کہنے لگا کہ نہ تم لوگوں نے ہمیں ہزیمت دی اور نہ قید کیا بلکہ منہزم اور اسیر کرنے والے دراصل وہ ملائکہ آسمانی تھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر تمہاری سپاہ کے اوپر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے۔" یہ سُن کر مختار کی باچھیں کھل گئیں۔ عالم مسرت میں مست ہو کر جھومنے لگا اور بارقی کو رہائی کا حکم دے کر کہا کہ تم منبر پر چڑھ کر تمام لوگوں کے سامنے اپنا مشاہدہ بیان کر دو۔ اس نے منبر پر چڑھ کر وہی مقولہ دُہرا دیا۔ مختار کہنے لگا "واقعی ملائکہ میری نصرت کے لئے بھیجے گئے تھے۔" کوفہ سے نکل کر بارقی بصرہ گیا۔ اور مصعب بن زبیر کی فوج میں جا شامل ہُوا اس کے بعد مختار کو یہ تین بیت لکھ بھیجے ۔۔

الا ابلغ ابا اسحٰق انی	رأیتُ البلق دُھمًا مصمتات	ہاں ذرا ابو اسحٰق (مختار) کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں نے یکرنگ سفید اور سیاہ گھوڑے دیکھے تھے
اری عینیّ مالم تنظراہ	کلانا عالم بالتُّرھات	میں اپنی آنکھوں کو ایسی چیز دکھاتا ہوں جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ ان خرافات کو ہم دونوں خوب سمجھتے ہیں میں نے
کفرت بوحیکم وجعلت نذرًا	علیّ قتالکم حتی للمات	تمہاری وحی سے انکار کیا اور منت مان لی کہ جب تک دم میں دم ہے تم سے عربدہ خواہ ۱؎

جھوٹی پیشین گوئی پر تأویل کاری کا ملمع

جس طرح مرزائی لوگ اپنے مقتدا کی جھوٹی پیشین گوئیوں پر سخن سازی کا ملمع کر کے اس کو سچا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح مختاری گروہ کے بھی اپنے پیر و مرشد کے الہاموں پر تاویل سازی کا ملمع چڑھایا کرتے تھے۔ جب مختار ابن زیاد کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کی قیادت میں لشکر بھیج کر واپس آیا تو اب اس نے الہامات اور پیشین گوئیوں کا منہ چڑانا شروع کیا۔ چنانچہ اپنے سحر زدگان باطل سے کہنے لگا۔ "حزب اللہ نے نصیبین میں یا اس کے قریب ہی دشمن سے اس کے قیام گاہ کے پاس سارا دن شمشیر زنی کی ہے اور دشمن کی بڑی تعداد اس وقت نصیبین میں محصور ہے۔" اس کے بعد جب قاصد ابن زیاد کے قتل اور لشکر شام کی ہزیمت کی بشارت لے کر آئے تو مختار کہنے لگا "اللہ والو! کیا میں نے قبل از وقوع اس فتح کی بشارت نہیں دی تھی۔ سب نے کہا واقعی آپ نے پہلے سے کہہ رکھا تھا۔" راوی کہتا ہے کہ مژدۂ فتح کی آمد پر مجھ سے میرے ایک ہمدانی ہمسایہ نے کہا کہ اے شعبی! کیا تم اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے؟ میں نے کہا کس بات پر ایمان لاؤں؟ کیا میں اس بات پر ایمان لاؤں کہ مختار عالم الغیب ہے اس پر تو میں ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا۔" ہمدانی کہنے لگا۔ کیا ہمارے نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے دشمنوں کو شکست نصیب ہو گی؟ میں نے جواب دیا کہ اس نے تو کہا تھا کہ دشمن کو نصیبین کے مقام پر شکست ہوئی ہے۔" حالانکہ یہ واقعہ دریائے خازر علاقہ موصل میں پیش آیا۔ ہمدانی بولا اے شعبی! خدا کی قسم! جب تک تم دردناک عذاب کا مشاہدہ نہ کر لو گے ایمان نہ لاؤ گے۔" اس ہمدانی کا نام سلمان بن عُمیر تھا یہ بھی جنگ حرورا میں مختار کے ساتھ کام آیا۲؎۔ جس طرح شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کے ایک شعر میں لفظی تحریف کر کے ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مُنہ کی کھائی تھی۔ اسی طرح مختار کو بھی ایک بزرگ کی پیشین گوئی سے

۱؎ الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر ص ۵۴ ۲؎ تاریخ طبری جلد ۷ ص ۱۵۴

ناجائز فائدہ اٹھانے کی پاداش میں ذلت سے ہمکنار ہونا پڑا تھا۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ ہستی نے پیشین گوئی کے رنگ میں کہا تھا کہ مذار کے مقام پر بنی ثقیف کے ایک شخص کو عظیم الشان فتح نصیب ہوگی۔" یہ پیشین گوئی ہر وقت مختار کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ چونکہ مختار خاندان بنی ثقیف میں سے تھا اس کو رہ رہ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ پیشین گوئی میری ہی نسبت کی گئی ہے حالانکہ اس کا اشارہ حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف تھا جس نے عبدالرحمٰن بن اشعث کو مختار کے قتل کے کچھ عرصہ بعد مذار کے مقام پر ہزیمت دی۔ بہرحال اس پیشین گوئی کے بل بوتے پر مختار نے اپنی فتح کی پیشین گوئی کر دی اور اپنے سپہ سالار احمر بن شمیط کو مصعب کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے مذار بھیج دیا۔ وہاں لڑائی ہوئی۔ ابن شمیط مارا گیا اور مختار کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا[1]

مختار کا تابوت سکینہ بنو اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا جسے تابوت سکینہ کہتے تھے۔ یہ صندوق بعض انبیائے سلف کے تبرکات کا حامل تھا۔ جب کبھی بنی اسرائیل کو کسی دشمن کا مقابلہ درپیش ہوتا تو اس صندوق کو اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں لے جاتے۔ حق تعالےٰ اس کی برکت سے فتح دیتا۔ مختار نے بھی تابوت سکینہ کی حیثیت سے ایک کرسی اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی جسے وہ لڑائی کے موقع پر لشکر کے ساتھ بھیجا کرتا تھا۔ اور اس کے پیروؤں کو یقین تھا کہ یہ حضرت علیؓ کی کرسی ہے اور اس کی برکت سے دشمن مغلوب ہو جاتا ہے۔" اب اس کرسی کا اصل ماجرٰی سُنیئے۔ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن کا نام حضرت ام ہانیؓ تھا جو صحابیات میں داخل ہیں۔ حضرت ام ہانیؓ کے پوتے طفیل بن جعدہ بن ہبیرہ مخزومی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آشوبِ روزگار نے مجھے ایسی بُری طرح قعر مذلت و ادبار میں ڈالا کہ اُبھرنے کی کوئی تدبیر بر روئے کار نہ آئی۔ ہزار جتن کئے مگر شومئ قسمت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر صبر کی باگ ہاتھ سے نکل گئی اور میں عالم اضطراب میں اس بات پر غور کرنے لگا کہ کوئی حیلہ بنا کر کسی بڑے سرمایہ دار سے کوئی رقم اینٹھنی چاہیئے۔ نیرنگئ فلک کے کرشمے دیکھیئے کہ اسی دماغی کد و کاوش کے اثنا میں مجھے اپنے تیلی ہمسایہ کے پاس ایک بہت پُرانی کرسی پڑی دکھائی دی جس پر اس قدر روغن جم گیا تھا کہ لکڑی بالکل نظر نہ آتی تھی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ چلو اسی کرسی سے کچھ مطلب براری کریں۔ چنانچہ میں نے وہ کرسی تیلی کے ہاں سے منگوا لی اور مختار کے پاس جا کر کہا کہ ایک بات دُرِ مکنون کی طرح میرے صدفِ دل میں پنہاں تھی اور میں آپ سے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر پھر یہی مناسب سمجھا کہ بیان کر دوں۔" مختار نے کہا ہاں ضرور بیان کرو۔" میں نے کہا حضرت علی مرتضیٰ رضہ کی کرسی ہمارے گھرانے میں چلی آتی ہے۔ اور اس کرسی میں ایک خاص اثر و تصرف ہے۔" مختار نے کہا سبحان اللہ! آجتک تم نے اس کا تذکرہ کیوں نہ کیا؟ اچھا ابھی جا کر میرے پاس لاؤ۔" میں نے گھر جا کر اس کا جما ہُوا تیل کھُرچا۔ اور گرم پانی سے دھو کر خوب صاف کیا تو بہت خوبصورت نکل آئی۔ اس نے خوب روغن زیتون پیا تھا۔ اس لئے اب بہت چمکدار ہو گئی تھی۔ اب یہ کپڑے سے ڈھانپ کر مختار کے پاس لائی گئی۔ مختار نے مجھے بارہ ہزار درہم (قریباً تین ہزار روپے) انعام دیئے اس فتوح نے میرے مصائب کی زنجیر کاٹ دی اور شاہد کامرانی و مقصدوری نے اپنا جمال جہاں آرا دکھا کر خوش حال کر دیا۔

طفیل بن جعدہ کہتے ہیں کہ مختار اس "نعمتِ غیر مترقبہ" پر جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ اس نے منادی کرائی کہ سب آدمی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں۔ لوگ جوق در جوق جامع کوفہ میں آنے لگے مختار نے سب لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں بیان کیا کہ ملل سابقہ

[1] تاریخ طبری جلد ۷ ص ۱۶۰

میں کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جس کا نمونہ اور تمثیل اس امت مرحومہ میں موجود نہ ہو۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت تھا جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ موجود تھا۔ اسی طرح ہمارے پاس بھی ایک تحفہ موجود ہے" یہ کہہ کر مختار نے کرسی بردوں کو حکم دیا کہ اسے کھول دو اور کرسی منظر عام پر لائی گئی سبائی فرقہ کے لوگ جوش مسرت میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر نہایت گرم جوشی سے تین تکبیریں کہیں۔ یہ دیکھ کر شبث بن ربعی رئیس کوفہ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے مضر کے گروہ! ورطۂ زیغ و کفر میں مت پڑو" ان الفاظ سے شبث کا یہ مقصد تھا کہ اگر بالفرض یہ کرسی حضرت علیؓ ہی کی یادگار ہے تاہم اس میں اتنا تقدس سرایت نہیں کر گیا۔ کہ اس کی عظمت تمہارے حق میں بنی اسرائیل کے بچھڑے کی حیثیت اختیار کرلے" یہ سن کر خوش عقیدہ سبائی جوش غضب میں بھر گئے۔ مسجد میں غلغشار مچ گیا۔ اور شبث کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا گیا۔

کرسی کی عظمت کا غلو حد کفر تک پہنچ گیا جب خبر آئی کہ عبید اللہ بن زیاد شامیوں کی فوج کے ساتھ موصل کی طرف بڑھا ہے۔ اور مختار نے اس کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کو روانہ کیا تو شیعان کوفہ نے اس کرسی پر حریر و دیباج لپیٹ کر اس کا جلوس نکالا۔ سات آدمی داہنی طرف سے اور سات بائیں جانب سے اس کو تھامے ہوئے تھے۔ تابوت سکینہ کی طرح یہ کرسی لشکر کے ساتھ بھیجی گئی۔ قضائے کردگار سے اس لڑائی میں شامیوں کی ایسی درگت ہوئی کہ اس سے پیشتر انہیں کبھی ایسا روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ اس بنا پر شیعہ حضرات اس "تابوت سکینہ" کے حصول پر حد سے گزری ہوئی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتوں کا اظہار کرنے لگے۔ اور ان کی نظر میں کرسی کا تقدس کائنات کی ہر چیز سے بڑھ گیا۔ کوئی شیعہ ایسا نہ تھا جو آپے سے باہر اور طفلانہ مزاجی کی خوشیوں میں غرق نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق ان کا افراط کفر بواح کی حد تک پہنچ گیا۔ طفیل کہتے ہیں کہ یہ افسوسناک حالت دیکھ کر میں اپنی حرکت پر سخت نادم ہوا کہ میں نے یہ کیا فتنہ کھڑا کر دیا۔ اس کرسی کے سب سے پہلے محافظ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بیٹے موسیٰ تھے جو مختار کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چونکہ ان کی والدہ ام کلثوم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی حضرت فضل بن عباس (رضی اللہ عنہما) کی صاحبزادی تھیں اس لئے مختار موسیٰ سے بہت کچھ حسن سلوک کرتا تھا۔ آخر جب کرسی کی تولیت کے متعلق موسیٰ پر طعن و تشنیع کی گرم بازاری ہوئی تو انہوں نے یہ کرسی حوشب برسمی کی تحویل میں دے دی اور پھر مختار کی وفات تک وہی اس کا متولی رہا اس کرسی کے متعلق اعشیٰ ہمدانی نے چند اشعار کہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے "میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم سب عبداللہ بن سبا کی امت ہو۔ اے شرک کے پاسبانو! میں تم سے خوب واقف ہوں میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوت سکینہ نہیں ہے گو اس پر کئی کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور شبام نہد اور خارف اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں تاہم یہ تابوت سکینہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ میں تو وہ شخص ہوں جسے آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت و شغف ہے اور اس وحی الٰہی کا پیرو ہوں جو مصاحف میں درج ہے"[۱] مورخین نے لکھا ہے کہ مختار ہی نے شیعوں میں رسم تعزیہ داری جاری کی تھی جس سے یقین ہوتا ہے کہ یہی کرسی تعزیہ داری اور کاغذی تابوت سازی کی اصل بنا تھی۔

جناب محمد بن حنفیہ کا خط شیعان کوفہ کے نام شیعہ عربی میں گروہ و جماعت کو کہتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ اور شامیوں کے مقابلہ میں جو لوگ امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے حامی و ناصر تھے وہ شیعان علیؓ کے نام سے مشہور تھے۔ مگر اس کے بعد جب

---

[۱] تاریخ ابن جریر طبری جلد ۷، ص ۱۴۰ - ۱۴۱

عبداللہ بن سبا یہودی نے ایک ایسے عفونت آمیز مسلک کی بنیاد ڈالی جس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صلحائے اُمت کی دُشنام دہی کو جزءِ عبادت ٹھہرایا تھا تو سبائی پنتھ کے خلاف مسلمانوں میں ایک عام ہیجان اور جذبۂ نفرت پیدا ہوگیا۔ یہ دیکھ کر پیروان ابن سبا نے شیعانِ علیؓ کا رُوپ دھارن کر لیا اور تشیّع کے لباس میں مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے لگے۔ اب سبائی مذہب کے اختلاط سے شیعانِ علیؓ دو گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ شیعہ اور غالی شیعہ۔ گو تھوڑے عرصہ میں تمام شیعانِ علیؓ غالی شیعہ بن کر شیعانِ ابن سبا بن گئے لیکن مختار کے عہد حکومت تک کوفہ میں غالی اور غیر غالی دونوں گروہ پائے جاتے تھے اور غلو آمیز شیعیت مختار کی سرپرستی میں ترقی کر رہی تھی۔ اس وقت حسب بیان علامہ ابن جریر طبری کوفہ میں ہند بنت متکلفہ نام ایک عورت تھی جس کے مکان میں تمام غالی شیعہ جمع ہو کر باہم صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک اور عورت لیلیٰ بنت قُمامہ کے مکان میں بھی غالی شیعہ جمع ہوتے تھے۔ لیلیٰ کا بھائی رفاعہ بن قمامہ گو شیعانِ علیؓ میں میں سے تھا لیکن غالی نہ تھا اسی وجہ سے لیلیٰ کو اس سے نفرت تھی۔ اسی طرح کوفہ میں ابو احراس اور ابو حارث کندی دو مرد بھی ایسے تھے جو غالی شیعوں کا ملجا و ماویٰ بنے ہوئے تھے۔ ابو عبداللہ جدلی اور یزید بن شراحیل نے ان دو عورتوں اور دو مردوں کے غلو کی حالت دیکھی تو ان کے متعلق حضرت محمد بن حنفیہؓ کو مکہ معظمہ لکھ بھیجا جو امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادہ تھے۔ اور جنہیں مختار اور شیعانِ کوفہ نے "مہدی موعود" قرار دے رکھا تھا۔ جناب محمد بن علیؓ محمد بن حنفیہ کے نام سے اس لئے مشہور ہوگئے تھے کہ ان کی والدہ قبیلہ بنو حنیفہ میں سے تھیں۔ حضرت محمد بن حنفیہؓ نے یزید بن شراحیل کے ہاتھ ایک خط شیعانِ علیؓ کے نام لکھا جس میں اُنھوں نے ان کو اہل غلو کے شر سے بچنے کی ہدایت کی۔ خط کا مضمون یہ تھا: "یہ خط محمد بن علیؓ کی طرف سے ہمارے ان شیعوں کے نام ہے جو کوفہ میں ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ مجالس اور مساجد میں جمع ہو کر خفیہ اور علانیہ اللہ کو یاد کرو۔ اہل ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا ہمراز نہ بناؤ۔ اور جھوٹے مدعیوں سے اپنا دامن بچاؤ۔ صوم و صلوٰۃ کی مداومت کرو۔ اور یقین جانو کہ مخلوقات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو سوا حکم ربانی کے کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکے"[1]۔ حضرت ابن حنفیہ نے اس خط میں رفض سے پہلو تہی کرنے کے علاوہ اشارۃً مختار کے جھوٹے دعووں سے بچنے کی بھی ہدایت فرما دی۔

ابن حنفیہؓ کو مختار کی طرف سے جان ستانی کا خطرہ

جب مکہ معظمہ میں حضرت محمد بن حنفیہؓ کے پاس متواتر اس قسم کی افسوسناک خبریں پہنچنے لگیں کہ مختار دین حنیف میں روز افزوں رخنہ اندازیاں کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے فتنۂ رفض ترقی پذیر ہے تو اُنھوں نے بذاتِ خود عراق تشریف لیجانے کا عزم فرمایا۔ جب مختار نے یہ خبر سُنی تو اسے خوف ہُوا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کے قدوم پر شیعہ لوگ جو اس کے دام تزویر میں پھنسے ہیں اس سے الگ ہو جائیں گے اور اس کی ریاست و سیادت معرضِ زوال میں آجائے گی۔ یہ سوچ کر وہ حضرت ابن حنفیہؓ کے قدوم میں مزاحمت پیدا کرنے کے لئے ایک عجیب و غریب چال چلا۔ اپنی مجالس میں علانیہ کہنا شروع کیا۔ کہ ہم مہدی کی بیعت میں داخل ہیں لیکن سچے مہدی کی ایک علامت ہے جس کسی میں وہ علامت پائی جائے گی وہی پیغمبر علیہ السلام کی پیشین گوئی کا مصداق ہوگا"۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ علامت کیا ہے؟ کہنے لگا کہ اس پر تلوار کا ایک وار کیا جائے۔ اگر تلوار کاٹ نہ کرے تو وہ مہدی ہے"۔ مختار کا یہ مقولہ حضرت ابن حنفیہؓ کے سمع

[1] تاریخ طبری جلد ۷ ص ۵۴۔

مبارک تک پہنچا تو انہوں نے عراق آنے کا ارادہ فسخ کر دیا کیونکہ انہیں یقین ہو گیا کہ مختار انہیں کوفہ میں قتل کرا دے گا۔[عہ۱]

ابن زبیرؓ کو چکمہ دے کر حجاز مقدس پر قبضہ جمانے کی نامراد کوشش

جب ابن زیاد نے مختار کی آنکھ زخمی کر کے اسے کوفہ سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا تو مختار نے مکہ معظمہ جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ان کی طرف سے اس شامی فوج کا مقابلہ کیا تھا جو یزید (بن معاویہؓ) نے حصین بن نمیر سکونی کے زیر قیادت دمشق سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف مکہ معظمہ روانہ کی تھی۔ اور یزید کی موت کے بعد محاصرہ اٹھا کر دمشق واپس چلی گئی تھی۔ لیکن اس بیعت و اطاعت پذیری کے باوجود مختار نے اپنے مطاع کے خلاف یہ غداری کی کہ کوفہ آ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عامل عبداللہ بن مطیع کو کوفہ سے نکال دیا اور ولایت کوفہ کی حکومت اپنے عنان اختیار میں لے لی۔ مختار جس طرح غدار اور بے وفا تھا اسی طرح پرلے درجہ کا فریب کار اور حیلہ ساز بھی تھا۔ اور دعوائے نبوت کے باوجود ایسی ایسی شطرنجی چالیں چلتا تھا کہ مغرب کے شیاطین سیاست کو بھی شاید ایسی روباہ بازیاں نہ سوجھتی ہوں گی۔ اس کی حیلہ سازیوں کی ایک آدھ مثال مشتے نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہے۔ جب مختار کوفہ پر اچھی طرح دخیل ہو چکا تو حضرت ابن زبیرؓ کو لکھا کہ "اگر آپ مجھے دس لاکھ درہم عطا فرمائیں تو میں عبدالملک بن مروان پر حملہ کر کے آپ کو شامیوں کی مصیبت جنگ سے بچا دوں"۔ حضرت ابن زبیرؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ثقیف کا یہ مکار مجھ سے کب تک مکر و فریب کرتا رہے گا"۔ جب یہ حیلہ کارگر نہ ہوا تو مختار نے حضرت ابن زبیرؓ کو ایک اور چکمہ دے کر حجاز مقدس پر قبضہ جمانا چاہا۔ واقعہ یہ تھا کہ یزید (بن معاویہؓ) کے مرنے کے بعد شام میں مروان بن حکم کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مروان کی ہلاکت کے بعد جب اس کا بیٹا عبدالملک سریر سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ارادہ کیا کہ تسخیر مکہ معظمہ کا جو کام یزید کی موت کے باعث تعویق میں پڑ گیا تھا۔ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے ایک لشکر جرار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا جو بہت دن تک وادی القریٰ میں ڈیرے ڈالے پڑا رہا۔ یہ دیکھ کر مختار نے بہت کچھ اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے آپ کے خلاف عربدہ جوئی کی خواہش کی ہے اور اس غرض کے لئے ایک فوج بھیجی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی امداد کے لئے کمک بھیجوں"۔ جناب عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ "اگر تمہیں میری اطاعت منظور ہے تو کوفہ میں لوگوں سے میری بیعت لو اور میری امداد میں اپنی فوج بھیج کر اس کو حکم دو کہ وادی القریٰ میں عبدالملک کی فرستادہ فوج کے مقابلہ میں جا کر لڑے"۔ یہ خط پا کر مختار نے شرجیل بن ورس ہمدانی کو تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ مدینہ پہنچتے ہی اپنی رسید سے مطلع کرنا۔ اور مزید ہدایات کا انتظار کرنا"۔ مختار کا اصل مدعا یہ تھا کہ جب یہ فوج جا کر مدینہ منورہ پر قابض ہو جائے تو مدینہ کی حکومت کے لئے کسی کو کوفہ سے عامل بنا کر بھیج دے اور پھر شرجیل اپنی فوج لئے ہوئے ابن زبیرؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو محصور کر لے"۔ شرجیل تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ اب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا مختار نے کوئی فریب کیا ہو۔ اس لئے انہوں نے مکہ معظمہ سے عباس بن سہل بن سعدؓ کو دو ہزار فوج کی قیادت میں مدینہ طیبہ روانہ فرمایا۔ جب عباس مدینہ پہنچا تو اتنے میں عراقی لشکر بھی آ نمودار ہوا۔ شرجیل نے آتے ہی اپنی فوج

عہ۱ کتاب الفرق بین الفرق ص ۳۳

کی جنگی ترتیب قائم کر دی۔ میمنہ میسرہ مضبوط کر لئے اور پانی پر قبضہ کر لیا۔ عباس ایسی حالت میں ان کے پاس پہنچا کہ اس کی سپاہ میں کوئی جنگی نظام قائم نہ تھا۔ تمام سپاہی علیحدہ علیحدہ چل رہے تھے۔ عباس نے رقیم میں شرجیل سے ملاقات کی اور دیکھا کہ شرجیل پانی پر پوری جنگی ترتیب کے ساتھ فروکش ہے۔ عباس نے شرجیل کو سلام کیا اور کہا کہ میں تم سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں شرجیل تنہائی میں اس سے ملا۔ عباس نے پوچھا کیا تم عبداللہ بن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو؟ اس نے کہا ہاں میں ان کی اطاعت میں ہوں۔" عباس نے کہا کہ وادی القریٰ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا دشمن فروکش ہے۔ تم ہماری رفاقت میں اس کے مقابلہ پر چلو۔" شرجیل نے کہا مجھے تمہارے احکام بجالانے کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ مدینہ پہنچ کر ٹھہروں اور پھر جو مناسب سمجھوں کروں۔" عباس نے کہا اگر تم ابن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو تو انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمکو اور تمہاری فوج کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں وادی القریٰ لے جاؤں۔" شرجیل نے مکرر یہی جواب دیا کہ مجھے تمہاری اطاعت کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔" اس مدوّر منطق پر عباس کو یقین ہو گیا کہ شرجیل یہاں کسی فاسد ارادہ سے آیا ہے مگر عباس نے اس گفتگو کو اس خوبی سے نباہا کہ شرجیل کو اس بات کا مطلق احساس نہ ہوا کہ عباس اس کے مخالفانہ رویّہ کو بھانپ گیا ہے۔ خاتمۂ سخن پر عباس نے شرجیل سے کہا اچھا جو قرین مصلحت ہو کرو میں تو عنقریب اپنی فوج لئے وادی القریٰ کو چلا جاؤں گا۔" اس ملاقات کے بعد عباس بھی پانی کے ایک مقام پر آکر اقامت گزیں ہوا۔ اور پھر چند قیمتی اشیاء جو مکہ معظمہ سے ساتھ لے گیا تھا۔ تحفۃً شرجیل کو بھیجیں۔ اس کے علاوہ آٹے کی بوریاں اور چرم کشیدہ بھیڑیں بطور ضیافت روانہ کیں۔ اس وقت شرجیل کی فوج کے پاس سامان رسد نُفر گیا تھا۔ انہوں نے اس ضیافت کو غنیمت سمجھا۔ آٹا اور گوشت کے پہنچتے ہی اہل لشکر پانی لانے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی جنگی ترتیب باقی نہ رہی۔ جب عباس مختار کے لشکر کو غافل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تو اب اُس نے اپنی فوج میں سے ایک ہزار جوانمرد جو نہایت بہادر و جنگ آزمودہ تھے منتخب کئے اور انہیں لے کر شرجیل کے خیمہ کی طرف بڑھا۔ شرجیل نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر خطرہ کا احساس کیا اور جھٹ اپنی فوج کو للکارا۔ لیکن ابھی کوئی سو جوان بھی اس کے پاس جمع نہ ہوئے تھے کہ عباس اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس وقت شرجیل باآواز بلند چیخنے لگا کہ "اے حزب اللہ! میرے پاس آؤ۔ اور ان ظالموں سے جو شیطان ملعون کے پیرو ہیں لڑو۔" عباس رجز خوانی کرتا ہوا عراقیوں پر ٹوٹ پڑا۔ شرجیل اپنے ستر جوانوں کے ساتھ طعمۂ اجل ہو گیا۔ اب عباس کی فوج نے مار مار کر عراقیوں کے پرخچے اڑا دیئے اور تین ہزار آدمیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر آناً فاناً نذر اجل کر دیا۔ البتہ دو سو جوان اس طرح بچ گئے کہ جن لوگوں کو ان کے قتل کا کام سپرد ہوا تھا ان میں سے بعض آدمیوں نے رحم کھا کر ان کو چھوڑ دیا۔ یہ دو سو آدمی عراق کی طرف مُنہ کر کے بھاگے لیکن ان کی بھی اکثریت راستہ میں ہلاک ہو گئی۔ جب مختار کو اس لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ نابکار فاجروں نے خدا کے برگزیدہ بندوں کو قتل کر دیا ہے۔ مگر یہ مقدر ہو چکا تھا اور وہ پورا ہوا۔[1]

مختار کا فرقہ کیسانیہ مختار کے مرنے کے بعد مختار کا مستقل گروہ کیسانیہ کے نام سے دنیا کے سامنے آیا۔ کیسانیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ خود مختار کا اصل نام کیسان تھا اور بعض کا خیال ہے کہ کیسان حضرت علیؓ کے غلام کا نام

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری جلد ۷ ص ۱۴۴ - ۱۴۵

تھا۔ چونکہ اسی کے زیر ہدایت مختار نے قاتلین حسین علیہ السلام کو کیفر کردار تک پہنچایا اس لئے اس کے فرقہ کو کیسانیہ کہنے لگے پھر کیسانیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں لیکن یہ تمام فرقے دو مسئلوں میں باہم متفق ہیں ایک تو سب کے سب ابن حنفیہؒ کو امام مانتے ہیں چنانچہ مختار بھی انہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ دوسرا ان کے زعم میں خدا ئے بیچوں ازلی نہیں بلکہ اس کے لئے بھی بدء و آغاز ہے چنانچہ یہ لوگ ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو خدائے عزوجل کے لئے ابتدا تسلیم نہ کرے۔ کیسانیہ میں محمد بن حنفیہؒ کے متعلق ایک اور اختلاف بھی پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہی امام تھے۔ چنانچہ جنگ جمل میں امیر المومنین علیؓ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسن مجتبیٰؓ امام تھے۔ ان کے بعد منصب امامت حضرت حسینؓ کو تفویض ہوا۔ لیکن جب امام حسینؓ یزید کی طلب بیعت کے وقت مدینہ سے مکہ گئے تو امامت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو سپرد کر گئے۔ کیسانیہ کی ایک شاخ کربیبیہ ہے جو ابوکرب ضریر کے پیرو ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ امام محمد بن حنفیہ زندہ ہیں۔ ان پر آج تک مرگ طاری نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت جبل رضوی میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے آگے دو چشمے بہ رہے ہیں ایک پانی کا ہے دوسرا شہد کا۔ وہ انہی چشموں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ ان کی داہنی جانب ایک شیر بیٹھا ہے اور بائیں طرف چیتا۔ یہ دونوں جانور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اور اس وقت تک برابر محافظت کرتے رہیں گے جب تک کہ آپ کو خروج وظہور کا حکم نہ ہو۔ ان کے خیال میں حضرت محمد بن حنفیہ ہی مہدی موعود ہیں۔ دوسرے کیسانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ انتقال فرما گئے۔ پھر اس بارہ میں بھی اختلاف ہے کہ ان کے بعد کون امام ہوا۔ بعض کے خیال میں ان کے بعد علیؓ بن حسینؓ زین العابدینؒ امام ہوئے اور بعض کے نزدیک ان کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کو منصب امامت ملا تھا۔ ان میں سے راوندی گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابو ہاشم کے بعد ان کی وصیت کے بموجب امامت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی طرف منتقل ہو گئی ہے[1]۔

چونکہ مختار کے حالات و واقعات نے غیر معمولی طوالت اختیار کر لی ہے اس لئے بغرض اختصار اس کا وہ "الہامی کلام" قلم انداز کیا جاتا ہے جو اس نے بمنزلہ قرآن کے پیش کیا۔ جو حضرات اس مقفّٰی و مسجّع خطابت کے مطالعہ کا اشتیاق رکھتے ہوں وہ علامہ عبدالقاہر کی کتاب "الفرق بین الفِرق" (ص ۴۴-۳۵) اور کتاب الدعاۃ (ص ۴۶-۶۵) کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل ۱۶ مُصعب بن زبیر کا کوفہ پر حملہ اور مختار کا قتل

ابراہیم بن اشتر کوفی مختار کا دستِ راست تھا۔ مختار کو جس قدر ترقی و عروج نصیب ہوا وہ سب ابراہیم بن اشتر کی شجاعت، اولوالعزمی اور حسنِ تدبیر ہی کا رہین منت تھا۔ ابراہیم جدھر گیا شجاعت و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا گیا اور جس میدان کا رخ کیا، فتح و ظفر ہاتھ باندھے سامنے آموجود ہوئی۔ ابراہیم ہر میدان میں مختار کے دشمنوں سے لڑا۔ اور اس کے علمِ اقبال کو ثریا تک بلند کر دیا۔ البتہ ایک موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم نے اسے تنہا چھوڑ دیا ہے اور یہی وہ وقت ہے جبکہ مختار کا کوکب اقبال زوال و فنا کی شفق میں غروب ہو گیا ہے جس محاربہ میں مُصعب بن زبیر والی بصرہ نے

[1] الفرق بین الفِرق ص ۲۷ - ۲۸

کوفہ پر حملہ کرکے مختار کے شجرۂ حیات کو مستاصل کیا ہے اس میں ابراہیم نے مختار کا ساتھ نہ دیا بلکہ موصل میں الگ بیٹھا مختار کی ذلت و بربادی کا تماشہ دیکھتا رہا۔

ابن جریر طبری، ابن اثیر وغیرہ موٴرخوں نے اس عقدہ کا کوئی حل پیش نہیں کیا کہ ابراہیم نے اس موقع پر اس سے کیوں بے اعتنائی برتی۔ البتہ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے حقیقت حال کے چہرہ کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ مختار نے علی الاعلان نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے تو وہ نہ صرف اس کی اعانت سے دست کش ہو گیا بلکہ اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے بلاد جزیرہ پر بھی قبضہ جما لیا[1]۔ مصعب ابن زبیر کو ان حالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ اس سے پیشتر روسائے کوفہ اور مختار کے تعلقات سخت کشیدہ ہو چکے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں خدا اور اس کے برگزیدہ رسول ؐ کی محبت کا نور ضیاء افگن ہے مختار کی ان سرگرمیوں کو نظر استحسان سے دیکھے گا جو اس نے دشمنان آل رسول کی تخریب و استیصال کے لئے شروع کر رکھی تھیں۔ اور روسائے کوفہ بھی اس کام میں اس کے قدرشناس اور موٴید تھے۔ لیکن اہل کوفہ کو انہی ایام سے جبکہ ابراہیم بن اشتر ہنوز مختار کا رفیق کار تھا۔ مختار کے خلاف کچھ شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے انہوں نے اس کے خلاف علم مبارزت بلند کر دیا تھا۔ اور مختار نے ابراہیم کی مدد سے ان کو سرکوب کر دیا تھا۔ اس وقت تو یہ لوگ زک پاکر خاموش ہو گئے اور نفرت و عناد کی چنگاری دب گئی۔ لیکن جب ابراہیم نے مختار کا ساتھ چھوڑ دیا تو روسائے کوفہ کی رگ انتقام جنبش میں آئی اور انہوں نے چاہا کہ جس طرح بن پڑے مختار کو کچل کر خاک فنا میں ملا دیا جائے۔

روسائے کوفہ کا ورود بصرہ اور حملہ آور ہونے کی اشتعال انگیزی

اس قرارداد کے بموجب شبث بن ربعی، محمد بن اشعث اور بعض دوسرے ہزیمت خوردہ روساء نے بصرہ جا کر مصعب ابن زبیر کو برانگیختہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے شبث بصرہ پہنچا۔ اس وقت وہ ایک خچر پر سوار تھا جس کی دم اور کان کے کنارے قطع کر دیئے تھے۔ اس نے اپنی قبا کو بھی چاک کر دیا تھا اور باآواز بلند پکار رہا تھا یاغوثاہ یاغوثاہ (دادرسی کیجئے۔ فریاد کو پہنچئے) حاضرین مجلس نے مصعب کو بتایا کہ ایک شخص دروازے پر فریادرسی کے لئے کھڑا ہے اور اس کی یہ حالت ہے کہ قبا پھٹی ہوئی ہے اور خچر کی دم اور کان کٹے ہیں مصعب سمجھ گیا کہ شبث ہوگا۔ اور حکم دیا کہ اندر بلالو۔ شبث نے دربار میں پہنچکر صورت حال عرض کی۔ دوسرے سربرآوردہ کوفی بھی مصعب کے پاس پہنچے اور مختاری چیرہ دستیوں کی داستانیں سنا کر کہا کہ ہم انتہا درجہ کے مظلوم ہیں یہاں تک کہ ہمارے ہی غلام اور آزاد غلام ہم پر چڑھ آئے ہیں آپ ہماری اعانت کیجئے اور ہمارے ساتھ مل کر مختار پر فوج کشی فرمائیے۔"

مصعب کی یلغار کوفہ پر

مختار نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے عمال سے کوفہ اور اس کے ملحقات کی حکومت چھین کر خود سری اختیار کر لی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف بہت سی دوسری کینہ جوئیوں اور خون آشامیوں کا بھی مرتکب ہوا تھا اس بنا پر ان کے بھائی مصعب بن زبیر انتقام کے لئے بہت دن سے دانت پیس رہے تھے۔ جب روسائے کوفہ نے آکر حملہ آور ہونے کی تحریک کی تو مصعب ایک لشکر جرار لے کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ ادھر مختار کو معلوم ہوا تو اس نے بھی احمر بن شمیط اور عبداللہ بن کامل کے زیر قیادت اپنی سپاہ کو حرکت دی۔ جب لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی تو احمر بن شمیط اور عبداللہ بن کامل دونوں میدان جانستان

[1] الفرق بین الفرق ص ۳۵-۳۶۔

کی نذر ہو گئے اور بصریوں نے مختار کی فوج کو مار مار کر اس کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ اب مصعب نے عباد بن حصین کو رسالے دے کر
مختار کی ہزیمت خوردہ فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو قیدی بھی تمہارے ہاتھ لگے اس کی گردن مار دو۔ اسی طرح
مصعب نے محمد بن اشعث کوفی کو بھی اہل کوفہ کے رسالہ کے ساتھ ابن شمیط کی منہزم فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور کہا اب موقع ہے
کہ تم دل کھول کر اپنا بدلہ لے لو۔ ہزیمت خوردہ کوفی فوج کے لئے کوفی لوگ بصریوں سے بھی زیادہ سخت تھے جس شخص کو پکڑتے
بلا دریغ موت کے گھاٹ اتار دیتے اور کوئی قیدی ایسا نہ تھا جسے انہوں نے معاف کیا ہو۔ جب مختار کو اپنے سپہ سالاروں کی ہلاکت
اور اپنے لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ موت کا آنا لازمی امر ہے اور جس موت میں مرنا چاہتا ہوں وہ وہی موت ہے جس
پر ابن شمیط کا خاتمہ ہوا۔

جب مختار کو معلوم ہوا کہ مصعب کی فوج خشکی اور تری کے دونوں راستے عبور کر کے اس کے قریب پہنچ گئی ہے تو اس نے
بھی کوفہ سے جنبش کی اور مقام سلحین پر آ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ سلحین مختلف دریاؤں کا سنگم ہے۔ اس مقام پر دریائے حیرہ
دریائے سلحین، دریائے قادسیہ اور دریائے بُرسف فرات سے ملتے ہیں۔ مختار نے اس سنگم پر ایک بند بنوا کر دریائے فرات کا پانی
روک دیا۔ اس طرح فرات کا تمام پانی معاون دریاؤں میں چڑھ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصری فوج جو کشتیوں میں بیٹھی چلی آ رہی
تھی ان کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس گئیں یہ حالت دیکھ کر بصریوں نے کشتیاں چھوڑ دیں اور پاپیادہ کوچ کرنا شروع کیا۔ ان کا رسالہ
ان کے آگے دریائے فرات کے بند تک پہنچ گیا اور اس کو منہدم کر کے کوفہ کی طرف باگیں اٹھائیں۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ہوئی
تو وہ بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور مقام حروراء میں پہنچ کر مورچے طیار کرائے۔ قصر اور مسجد کو مستحکم کیا اور قصر میں بڑی عجلت کیساتھ
وہ تمام سامان فراہم کیا جس کی حالت محاصرہ میں ضرورت پیش آتی ہے۔ اتنے میں مصعب بھی حروراء پہنچ گئے جو ولایات بصرہ و کوفہ
کی حد فاصل ہے۔ آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مصعب کی فوج میں سے محمد ابن اشعث رئیس کوفہ جس نے دوسرے کوفی روساء
کے ساتھ بصرہ جا کر مصعب کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی اپنے تمام دستۂ فوج کے ساتھ کام آیا تاہم مختار کی فوج کو بہت
زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر سخت بدحالی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جتنی دیر تک فوج برسر مقابلہ رہی مختار
نہایت بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کی ہزیمت نے اس کو بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ اب وہ پسپا ہو کر کوفہ پہنچا اور قصر امارت میں
متحصن ہو گیا۔ دوسرے دن مختار کی ہزیمت خوردہ سپاہ بھی کوفہ پہنچ گئی۔ ہزیمت و پسپائی کے وقت مختار کا ایک افسر اس سے
کہنے لگا کہ کیا آپ نے وحی آسمانی سے اطلاع پا کر ہم سے فتح و ظفر کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ اور یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دشمن کو مار بھگائیں
گے؟ مختار نے کہا کیا تم نے کتاب اللہ میں یہ آیۃ نہیں پڑھی۔ یَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتَابِ (حق تعالیٰ جس
حکم کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بحال رکھتا ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں لوح محفوظ ہے)

قصر کا محاصرہ اور محصورین کی بدحالی

مختار قریباً بیس ہزار فوج حروراء لے گیا تھا۔ ان میں سے کچھ آدمی تو مارے گئے۔ کچھ کوفہ پہنچ کر اپنے اپنے گھروں
میں روپوش ہو گئے اور آٹھ ہزار آدمی مختار کے پاس قصر میں جا داخل ہوئے۔ اب مصعب کی فوج کوفہ پہنچی
اور قصر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ چار مہینہ تک جاری رہا۔ مختار ہر روز اپنے رسالہ کے ساتھ قصر میں سے برآمد ہو کر کوفہ کے بازاروں
میں دشمن سے دو دو ہاتھ کرتا اور کچھ زیادہ نقصان پہنچائے بغیر واپس جاتا۔ محصورین کی حالت دن بدن نازک ہونے لگی۔ یہ دیکھ

کر وہ اہل شہر بھی جو مختار کے مخالف تھے دلیر ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جب کبھی مختار کا رسالہ حملہ کرنے کے لئے قصر سے نکلتا تو مکانات کی چھتوں پر سے ان پر اینٹیں پتھر کیچڑ اور غلیظ پانی ڈالا جاتا۔ محاصرین نے سامان رسد کی آمد بالکل مسدود کر رکھی تھی اس وقت محصورین کی بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ بہت سی عورتیں اپنے اپنے مکانات سے اشیاء خور و نوش کسی چیز سے ڈھانک کر لے چلتیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا کہ وہ نماز کے لئے جامع مسجد میں جا رہی ہیں یا کسی عزیز و یگانہ سے ملنے جاتی ہیں اور جب قصر امارت کے پاس پہنچتیں تو مختار کے آدمی ان کے لئے دروازہ کھول دیتے اور اس طرح کھانا پانی ان کوفیوں کے پاس پہنچ جاتا جو مختار کی فوج میں تھے۔ جب مصعب کو اس کی اطلاع ہوئی تو شہر کے تمام چورستوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ اور کوشش کی کہ کوئی شخص محل تک نہ پہنچ سکے تاکہ محصورین بھوک پیاس سے ہی ہلاک ہو جائیں۔ اس وقت ان کی یہ حالت تھی کہ میٹھا پانی باہر سے نہیں آ سکتا تھا۔ قصر کے اندر جو کنواں تھا اس کا پانی سخت نمکین تھا۔ مگر محصورین شدت تشنگی کی حالت میں یہی پانی پینے لگے بیت المال میں شہد بکثرت موجود تھا۔ پانی کی تکلیف دیکھ کر مختار نے حکم دیا کہ کنوئیں میں شہد ڈال دیا جائے تاکہ پانی کا مزہ بدل کر پینے کے قابل ہو جائے اس طرح اکثر لوگ سیراب ہو جاتے تھے۔ اب مصعب نے محاصرین کو قصر امارت سے اور زیادہ قریب رہنے کا حکم دیا۔ بعض اوقات مصعب کے فوجی دستے محل کے اس قدر قریب پہنچ جاتے تھے کہ مختار کے ان آدمیوں پر جو قصر میں دکھائی دیتے بسہولت تیر اندازی کی جاتی۔ اب یہاں تک دیکھ بھال کی جانے لگی کہ محل کے اردگرد جو عورت بھی کسی طرف سے آتی دکھائی دیتی اس کا نام و نسب منزل مقصود اور آمد و رفت کی غرض و غایت دریافت کی جاتی۔ ایک دن تین عورتیں گرفتار کی گئیں یہ اپنے خاوندوں کے پاس جو قصر میں محصور تھے کھانا لے جا رہی تھیں۔ جب مصعب کے سامنے پیش کی گئیں تو انہیں بلا عقوبت واپس بھیج دیا۔ ایک مرتبہ مصعب کی فوج کے کچھ بصری اور کوفی نوجوان جو جنگ کی افتادوں سے بے خبر تھے بغیر کسی سردار کے بڑے بازار میں نکل پڑے اور مختار کو "ابن دومۃ" کے خطاب سے پکارنے لگے۔ مختار قصر کی چھت پر برآمد ہُوا اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوفہ یا بصرہ کا کوئی معتبر سردار نہیں ہے ورنہ یہ کبھی مجھے اس نام سے نہ پکارتے۔ مختار نے ان کو غیر منتظم حالت میں دیکھ کر چاہا کہ تہس نہس کر دے چنانچہ قصر سے باہر نکل کر ان پر تاخت کرنے کا ارادہ کیا۔ اور دو سو آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا تقریباً سو تو وہیں کھیت رہے اور باقی اس طرح بے اوسان بھاگے کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ مگر تھوڑے فاصلہ پر پہنچتے پہنچتے مختار کے دستہ نے انہیں بھی جا لیا اور مار مار کر ان کا کھلیان کر دیا ✦

فوج کی دُوں ہمتی اور بے وفائی اور مختار کا قتل

جب محاصرہ کی سختی روز افزوں ناقابل برداشت ہونے لگی تو ایک دن مختار اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا "یاد رکھو کہ جس قدر محاصرہ طویل ہو گا تمہاری طاقت جواب دیتی جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ باہر نکل کر کھلے میدان میں داد شجاعت دیں اور لڑتے لڑتے عزت سے جانیں دے دیں۔ اگر تم بہادری سے لڑے تو میں اب بھی فتح کی طرف سے مایوس نہیں ہوں" مگر انہیں اس کی ہمت نہ پڑی اور جنگ کے لئے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ البتہ صرف انیس آدمیوں نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی۔ مختار مخلفین سے کہنے لگا "خدا کی قسم! میں کسی کو اپنا ہاتھ نہ پکڑنے دوں گا۔ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا اور میں نے باہر نکل کر جنگ شروع کی اور مارا گیا تو تم اور بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اپنے تئیں دشمن کے حوالے کر دیا اور اعداء نے قابو پا کر تم کو قتل کرنا شروع کیا تو یاد رکھو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے منہ تکنے

لڑ گئے اور کھو گئے اے کاش! ہم نے مختار کا کہا مانا ہوتا۔ اگر اس وقت میرا ساتھ دو اور بالفرض تم کو فتح نہ ہو تو بھی شرافت اور عزت کے ساتھ تو مرو گے"! لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ آخر مختار خوشبو اور عطر لگا کر انیس آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے برآمد ہوا۔ باہر نکل کر ایک شخص سائب ابن مالک نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اب اس نے باقی ماندہ اٹھارہ آدمیوں کی رفاقت میں مقابلہ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام ساتھی نذر اجل ہو گئے۔ آخر مختار خود بھی ان مقتولوں کے ڈھیر پہ ڈھیر ہو رہا۔ یہ حادثہ ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو رونما ہوا۔ اس وقت مختار کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ مختار کے قتل کے دوسرے دن اس کے ایک افسر بجیر بن عبداللہ مکی نے مختار کی قلعہ گیر فوج سے کہا کہ سب آدمی باہر نکلو۔ اور لڑ کر عزت کی موت مر جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے دوُن ہمتی کا ثبوت دے کر اپنے تئیں دشمن کے حوالے کیا تو بھی اعدا تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے"! لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور اپنے تئیں بصری فوج کے سپرد کر دیا۔ بصریوں نے ان کو پابجولاں باہر نکالا۔ آخر مصعب نے روسائے لشکر کی خواہش اور رائے عامہ کے بموجب مختار کی فوج کے تمام آدمیوں کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ اب بجیر بن عبداللہ مکی کو مصعب کے سامنے پیش کیا گیا۔ بجیر کہنے لگا۔ تمام حمد و ثنا کا مستحق وہی خالق کردگار ہے جو اس وقت تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ ہمیں معاف کرتے ہو یا نہیں؟ اے امیر! اس وقت دو امور آپ کے سامنے ہیں۔ رضائے الٰہی اور اس کی ناراضی۔ جو شخص معاف کرتا ہے خدا اسے معاف کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس کو عزت بخشتا ہے لیکن جو شخص سزا دیتا ہے وہ قصاص سے مامون و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اے ابن زبیر! ہم تمہارے اہل قبیلہ اور مسلمان ہیں۔ ترک یا دیلمی نہیں ہیں مناسب یہ ہے کہ تم صاحب قدرت ہو کر معاف کر دو"۔ یہ باتیں سنکر مصعب اور تمام حاضرین کو اس پر رحم آ گیا۔ اور مصعب نے اسے رہا کر دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن عبدالرحمٰن بن محمد جس کا باپ محمد بن اشعث اسی لڑائی کی بھینٹ چڑھ چکا تھا اور دوسرے کوفی رؤسا جو اس لڑائی کے اصل محرک و بانی تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ آپ لوگ یا تو ان لوگوں پر رحم کیجئے یا ہم پر"! یہ دیکھ کر مصعب نے ان سب کے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ مقتولین کی تعداد چھ ہزار تھی۔

مختار کی ایک بیوی کا قتل بجرم ارتداد

مصعب کے حکم سے مختار کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے اور مسجد کے پاس کیلوں سے ٹھونک کر نصب کر دئے گئے۔ اب مختار کی بیویاں مصعب کے سامنے پیش کی گئیں۔ ایک کو ام ثابت بنت سمرہ کہتے تھے اور دوسری کا نام عمرہ بنت نعمان تھا۔ مصعب نے ان سے پوچھا کہ مختار کے دعوائے نبوت و وحی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ ام ثابت نے جواب دیا کہ جس معاملہ میں ہماری رائے دریافت کی جاتی ہے اس کے متعلق ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ ہم آپ کی رائے کی تائید کریں"۔ یہ سن کر مصعب نے اسے رہائی دے دی۔ مگر عمرہ نے کہا "مختار خدا کے نیک بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنا مخصوص رحم و کرم ان کے شامل حال کرے"۔ اس جواب پر مصعب نے اسے محبس میں بھیج دیا اور اس کے متعلق اپنے بھائی جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہ عورت اس بات کی مدعی ہے کہ مختار نبی تھا۔ اس سے کیا سلوک کیا جائے؟ جناب عبداللہ بن زبیر حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے فرزند اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ تھے۔ انہوں نے لکھ بھیجا کہ اگر اس کا یہی عقیدہ ہے تو (وہ ختم نبوت کی منکر اور مرتد ہے) اسے دربوجہ ارتداد قتل کیا جائے"۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں اسے محبس سے نکال کر حیرہ اور کوفہ کے درمیان لائے۔ پولیس کے ایک آدمی نے جس کا نام مطر تھا تلوار کے تین ہاتھ رسید کئے۔ عمرہ نے عرب کے دستور کے بموجب

اپنے اعزہ واقارب کو مدد کے لئے پکارا۔ عمرہ کے بھائی ابان بن نعمان نے یہ فریاد سنی۔ فوراً مطر کی طرف جھپٹا۔ اور زور سے ایک تھپیڑا اس کے رسید کر کے کہنے لگا۔ "حرامزادے! تو نے اسے قتل کیا ہے خدا تیرے ہاتھ کو قطع کرے۔" مطر نے ابان کو پکڑ لیا اور اسے مصعب کے پاس لے آیا مصعب نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ اپنی ہمشیر کے قتل کا دہشت انگیز اور جانکاہ منظر دیکھ کر کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا تھا۔[1]

باب ۷۔ حارث کذّاب دمشقی

حارث بن عبدالرحمٰن بن سعید متنبی دمشقی پہلے ابو جلاس عبدی قریشی کا مملوک تھا حصول آزادی کے بعد اس کے دل میں یادِ الٰہی کا شوق سرسرایا۔ چنانچہ بعض اہل اللہ کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ سدِ رمق سے زیادہ غذا نہ کھاتا کم سوتا کم بولتا اور اس قدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر عورت کے لئے ضروری تھی۔ یہاں تک کہ تقشف اور تبتّل و انقطاع کو غایتِ قصوی تک پہنچا دیا۔ اگر یہ زہد و ورع، ریاضتیں اور مجاہدے کسی مرشدِ کامل کے ارشاد و افادہ کے ماتحت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہنچا دیتے اور معرفت الٰہی کا نور مبین اس کے کشورِ دل کو جگمگا دیتا۔ لیکن اس غریب کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ کسی رہبر کامل کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کرنے کے بجائے از خود ریاضت وانزوا کا طریقہ اختیار کرتے ہیں شیطان ان کا رہنما بن جاتا ہے اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ انہیں ضلالت و ہلاکت ابدی کے تحت الثریٰ تک

شیطان کے طرق اغوا و تضلیل

شیطان کا معمول ہے کہ وہ طرح طرح کی نورانی شکلیں اختیار کر کے بے مرشد ریاضت کشوں کے پاس آتا ہے۔ انہیں انواع واقسام کے سبز باغ دکھاتا ہے کسی سے کہتا ہے کہ تو ہی مہدی موعود ہے کسی کے کان میں یہ پھونک دیتا ہے کہ آنیوالا مسیح تو ہی ہے کسی کو حلال و حرام کی پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے کسی کو اپنی طرف سے نبوت و رسالت کا منصب بخش جاتا ہے۔ لیکن حرمان نصیبی اور حق فراموشی کا کمال دیکھو کہ عابد اس نورانی شکل کو شیطان نہیں سمجھتا۔ بلکہ اپنی حماقت سے یہ یقین کرتا ہے کہ خود خداوند عالم نے اپنا جمال مبارک دکھایا ہے اسی نے ہم کلامی کا شرف بخشا ہے اسی نے اسے مہدویت یا مسیحیت یا نبوت کے منصب جلیل پر سرفراز فرمایا ہے۔ ذیل میں صلحائے امت کے چند ذاتی تجربے اور مشاہدے سپردِ قلم کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ جنود ابلیس عُباد و زہاد کو راہِ حق سے منحرف کرنے کے لئے خدع و حیل کے کیسے کیسے سنہری روپہلی جال بچھاتا ہے؟

حضرت غوث الاعظمؒ اور شیطان کی آواز

امام عبدالوہاب شعرانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ناقل ہیں۔ سید ضیاءالدین ابو نصر موسیٰ کہتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ میرا گذر ایک ایسے دشت میں ہوا جہاں پانی ناپید تھا۔ میں چند روز وہاں رہا مگر پانی پر دسترس نہ پا سکا۔ جب تشنگی نے حد سے زیادہ غلبہ کیا تو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ابر کا ایک ٹکڑا متعین فرما دیا جس سے وقتاً فوقتاً پانی کے

[1] اس باب میں جو واقعات قلمبند کئے گئے ہیں ان میں سے بعض کے ماخذ تو ساتھ ہی ساتھ بتا دیئے ہیں۔ لیکن جن واقعات و حوادث کے تحت میں کوئی حوالہ درج نہیں وہ سب تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر سے ماخوذ ہیں ۱۲

قطرے گرتے، اور میں تسکین پاتا۔ انہی ایام میں ایک رات ایسا نور بلند ہُوا کہ جس نے شب دیجور میں آفاقِ عالم کو منور کر دیا۔ نور میں سے ایک عجیب وغریب صورت نمودار ہوئی۔ اس نے آواز دی اے عبد القادر! میں تیرا پروردگار ہوں۔ میں نے تجھ پر وہ سب کچھ حلال کیا جو دوسروں کے لئے حرام دناجائز قرار دے رکھا ہے جو کچھ تو چاہے اختیار کر اور وہ ہر فعل کر لے جس کی طرف تیری طبیعت کا میلان ہو۔" میں سوچنے لگا کہ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے۔ مجھ سے پیشتر نبوت وولایت کے لاکھوں شہباز فضائے قرب میں پرواز کرتے رہے ان میں سے کسی کو اننے بلند نشین آزادی میں جگہ نہ دی گئی۔ اور کسی سے حلال وحرام کا تفقید دُور نہ ہُوا۔ آخر میں کون ہوں کہ مجھے ایسا نادر وعدیم المثال حکم سنایا جاتا ہے؟ میں نے معاً نور فراست سے محسوس کیا کہ یہ صدا اغوائے شیطان ہے میں نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر کہا اے ملعون! دُور ہو کیا بکتا ہے؟ ناگاہ وہ نور ظلمت سے بدل گیا اور اس نورانی صورت کا بھی نام ونشان باقی نہ رہا۔ پھر آواز آئی اے عبد القادر! آج تو اپنے علم کی بدولت مجھ سے بچ گیا۔ ورنہ میں نے اسی طرح ستر سالکان طریقت کو راہ حق سے ایسا پھیر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے مقام قرب پر قائم نہ رہ سکا۔ یہ کیسا علم ہے جو تجھے حاصل ہے اور کیسی ہدایت ہے جس سے تو ممتاز ہے؟ میں نے کہا للّٰہ الفضل والمنۃ ومنہ الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ (اللہ ہی کا فضل واحسان ہے وہی سرچشمۂ رشد وسعادت ہے اور ابتداء وانتہا میں اسی سے توفیق ہدایت ملتی ہے)

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جس نورانی پیکر نے حضرت غوث الثقلینؒ سے حلال وحرام کی قید اٹھائی تھی اسی ذاتِ شریف" نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بھی آزادی اور مطلق العنانی کا تمغہ عطا کیا تھا۔ چونکہ حضرت محبوب سبحانی اپنے علم وعمل میں کامل ویکتا تھے ابلیس کا آپ پر کوئی بس نہ چلا۔ لیکن بیچارے مرزا غلام احمد جیسے شخص سے اس بات کی کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ شیطان کے پنجۂ اغوا سے بچ رہتا۔ بہر حال معلم الملکوت نے مرزا صاحب سے قریب ہو کر کسی قدر پردہ "اپنے پاک" اور روشن چہرہ پر سے جو نور محض ہے اُتار کر مرزا صاحب کو الہام کیا:-

اعمل ماشئت فانی قد غفرت لک[۱] اے مرزا تو جو چاہے سو کر لیا کر کیونکہ میں نے تیرے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

سید الطائفہؒ کا شاگرد شیطان کی کمند خدع میں

سید الطائفہ حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ کا ایک ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے صحبت شیخ کی احتیاج نہیں"۔ اسی خیال خام کو دل میں پختہ کر کے اس نے حضرت جنیدؒ کی صحبت ترک کر دی اور عزلت نشینی اختیار کر کے ذکر وفکر میں مصروف ہُوا۔ تھوڑے ہی روز کے بعد وہ ہر شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اسے اونٹ پر سوار کر کے عالم بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاض فردوس کی سیر کراتے ہیں۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بعض مخلص احباب سے ذکر کیا کہ میں بارگاہ رب العزت میں اس درجۂ رفیعہ پر پہنچا ہوں کہ ملائکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے مجھے گلستانِ بہشت کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنیدؒ کے سمع مبارک تک پہنچی۔ آپ اس پر خود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی زبان سے عروج وصعود کی کیفیت سن کر فرمایا کہ آج رات کو جب جنت میں پہنچو تو فوراً لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھ دینا"۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ تمام شیاطین بھاگ رہے ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور مُردوں کی ہڈیاں سامنے پڑی ہیں"۔ یہ شخص چونکہ اپنی کوتاہی وگمراہی سے

[۱] براہین احمدیہ مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۵۷۰

توبہ کرکے حضرت جنیدؒ کے کاشانۂ زہد پر حاضر ہُوا۔ اور تجدید بیعت کرکے پیر کے برکت انفاس سے درجۂ کمال کو پہنچا۔ اب معلوم ہُوا کہ جب تک مرید درجۂ کمال تک نہ پہنچ جائے اس کا شیاطین کی مغویانہ دست بُرد سے محفوظ رہنا محال ہے۔ یہ ایک حقیقتِ مسلّمہ ہے کہ کوئی شخص دار دنیا میں خالقِ بیچوں عزاسمہٗ کو ظاہری آنکھوں سے جو سر میں ہیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام طالب دیدار ہوئے تو انہیں بھی "لن ترانی" ہی جواب ملا تھا۔ البتہ عالم آخرت میں اہل جنت کو ایسی آنکھیں عطا کی جائیں گی جو بے کیف وغیر مرئی خدا کو دیکھ سکیں گی۔

شیطان کا تخت مولٰنا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس میں ابو محمد خفاف کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک جگہ مشائخ شیراز کا مجمع تھا جس میں ابو محمد خفاف بھی موجود تھے۔ گفتگو مشاہدہ کے بارہ میں شروع ہوئی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے معلومات پیش کئے۔ ابو محمد خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے لیکن خود کچھ بیان نہ کیا۔ جصاص نے کہا کہ "آپ بھی کچھ فرمائیے"۔ انہوں نے کہا یہی تحقیقات کافی ہیں۔ جصاص نے اصرار کیا تو ابو محمد خفاف کہنے لگے کہ "یہ جسقدر گفتگو تھی حد علم میں تھی لیکن مشاہدہ کی حقیقت کچھ اور ہی ہے۔" حاضرین نے کہا "ذرا اس کی وضاحت فرما دیجئے"۔ بولے مشاہدہ یہ ہے کہ حجاب اُٹھ کر معائنہ ہو جائے" علماء نے پُوچھا یہ آپ کو کیوں کر معلوم ہُوا؟ کہا کہ ایک مرتبہ میں تبوک میں فقر و فاقہ اختیار کئے ہوئے مناجات میں مشغول تھا کہ یک بیک حجاب اُٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ عرش پر حق تعالےٰ جلوہ افروز ہے میں دیکھتے ہی سجدے میں جا پڑا اور عرض کیا یا مولائی مَاهٰذَا مَكَانِيْ وَمَوْضِعِيْ مِنْكَ (الٰہی تو نے مجھے اپنی رحمت سے کیسے ہی بلند درجہ پر پہنچا یا ہے؟) یہ سُن کر سب لوگ گرداب حیرت میں غوطے کھانے لگے۔ جصاص ابو محمد سے کہنے لگے چلئے ایک بزرگ کی ملاقات کرائیں اور انہیں ابن سعدان محدث کے پاس لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو شیخ ابن سعدان تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ جصاص نے ان سے کہا کہ حضرت جو حدیث آپ نے بیان فرمائی تھی قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان للشیطان عرشا بین السّمآء والارض اذا اراد العبد فتنۃً کشف لہ عنہ وہ ذرا سنا دیجیے۔ شیخ نے بسند متصل وہ روایت سُنائی۔

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان للشیطان عرشا بین السماء والارض اذا اراد العبد فتنۃ کشف لہ عنہ	حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کے درمیان شیطان کا ایک تخت ہے جب کسی انسان کو فتنہ میں ڈالنا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ تخت دکھا کر اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

ابو محمد کہنے لگے کہ ذرا ایک دفعہ پھر پڑھیئے۔ انہوں نے حدیث کا اعادہ کیا۔ ابو محمد یہ سُن کر زار زار رونے لگے۔ دیوانہ وار اُٹھ کر بھاگے اور کئی روز تک غائب رہے۔ جصاص کہتے ہیں کہ جب تھوڑے روز کے بعد ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ آپ اتنے روز تک کہاں تھے؟ کہا اس کشف و مشاہدہ کے وقت سے جتنی نمازیں پڑھی تھیں ان سب کی قضا کی کیونکہ وہ سب ابلیس کی پرستش کی تھی اور کہا اب اس کی ضرورت ہے کہ جہاں شیطان کو سجدہ کیا تھا وہیں جا کر اس پر لعنت کروں۔" پھر وہ چلے گئے اور دوبارہ ملاقات نہ ہوئی۔

یہاں موقع کی مناسبت سے یہ بیان کر دینا بھی ضرور ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی ایک شیطان کے "شرف زیارت" سے مشرف ہُوا کرتے تھے بلکہ اس سے اس درجہ اُنس اور بے تکلفی ہو گئی تھی کہ مذاق اور دل لگی تک نوبت

پہونچتی تھی۔ آخر شیطان بھی تو اپنا معبودنما جلوہ ہر کس وناکس کو نہیں دکھاتا۔ اس "چشمۂ سعادت" سے سیراب ہونے کے لئے بھی کچھ صلاحیت درکار ہے۔ صید ایسا ہو جس کے ساتھ لاکھوں دوسرے شکار بھی خود بخود کھنچے چلے آئیں۔ وہ شکار ہی کیا جو اکیلا دام میں پھنس کر رہ جائے۔ اور دوسروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہو۔ بہرحال مرزا صاحب "ضرورۃ الامام" میں امام الزمان کی چھٹی علامت میں رقم فرما ہیں۔ "امام الزمان کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے کلوخ انداز در پردہ ایک کلوخ پھینک جائے اور بھاگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا۔ اور کہاں گیا؟ بلکہ خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے پر سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے اور وہ اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں کہ گویا ان سے کوئی ٹھٹھا کر رہا ہے اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔ پس میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے وہ امام الزمان میں ہوں"

شیخ ابن عربی کے پیر طریقت اور تلبیس ابلیس

ابلیس اہل خلوت کو راہ راست سے منحرف کرنے میں ایسے ایسے کمال رکھتا ہے کہ انسانی علم و عمل کے بڑے بڑے قلعے اس کی ادنیٰ فسوں طرازیوں سے آناً فاناً زیروزبر ہو جاتے ہیں۔ اگر توفیق الٰہی اور ہدایت ازلی رفیق حال ہو تو انسان اس کی مغویانہ دست برد سے ہر وقت محفوظ ہے ورنہ جو بخت خفتہ اور طالع گم گشتہ اپنی قسمت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں وہ ان کو ایسی بری طرح پٹکتا ہے کہ جس کا جھٹکا مشرق و مغرب تک محسوس ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا لیکن آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس منصب کے اور بھی دعویدار گزر چکے ہیں۔ "جس طرح شیطان مع اپنی ذریات کے بدء آفرینش سے ایک حالت پر چلا آتا ہے۔ اس کے طرق اضلال میں بھی یک رنگی اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات مکیہ باب ۱۰ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پیر طریقت سے بھی اوائل میں کہا گیا تھا کہ تم مسیح موعود ہو لیکن چونکہ وہ ہر چیز کو کتاب و سنت کی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے حق تعالیٰ نے انہیں شیطان کے دام تزویر سے محفوظ رکھا۔"

حارث پر جنود ابلیس کی نگاہ التفات

جب جنود ابلیس نے حارث کو اپنی نگاہ التفات سے مخصوص کرکے اس پر القاء والہام کے دروازے کھولے تو اس کو عجیب قسم کی چیزیں دکھائی دینے لگیں جو پہلے کبھی مشاہدہ سے نہیں گذری تھیں۔ اس کے سر پر کسی عیسیٰ نفس شیخ طریقت کا ظل سعادت لمعہ افگن نہیں تھا جس کی طرف یہ رجوع کرتا اور وہ اسے شیطانی اغوا کو "شیوۂ پرستنیہ" کرکے صرصر ضلالت سے بچاتا۔ اس کا باپ موضع حولہ میں رہتا تھا۔ اس کو لکھ بھیجا کہ "جلدی سے میری خبر لو۔ مجھے بعض ایسی چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جن کے متعلق خوف ہے کہ مبادا شیطان کی طرف سے ہوں"۔ یہ پڑھ کر گم کردہ راہ باپ نے اس کو ورطۂ ہلاک سے نکالنے کے بجائے الٹا گمراہی کے جال میں پھنسا دیا اور لکھ بھیجا "بیٹا! تو اس کام کو بے خطر کر گزر جس کے لئے تجھے حکم ہوا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (۲۶ : ۲۲۱)	کیا میں تم کو بتلاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟ وہ ایسے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو دروغ گو بدکردار ہیں۔

اور تو نہ دروغ گو ہے اور نہ بدکردار۔ اس لئے تو اس قسم کے اوہام کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دے۔ اور بلا تامل اس کی تعمیل کر جس کے لئے تجھے ارشاد ہوتا ہے"۔ لیکن حارث کے باپ کا یہ استدلال بالکل باطل تھا۔ کیونکہ اس سے اگلی آیت کے الفاظ يُلْقُونَ

السَّمْعَ (شیاطین کی اطلاعیں سننے کے لئے کان لگائے رہتے ہیں) سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت اُن کاہنوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے غیب دانی کے دعویٰ کے ساتھ تقدس مآبی کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ وہی لوگ شیاطین سے روابط پیدا کرتے اور ان سے غیب کی باتیں سننے کے لئے کان لگائے رکھتے تھے بفرض آیت کے مفہوم میں قطعاً یہ چیز داخل نہیں کہ شیاطین کاہنوں کے سوا کسی دوسرے شخص سے تعرض نہیں کرتے ابلیسی لشکر کا تو فرض منصبی ہی یہ ہے کہ بنی آدم کو ورطۂ ہلاک میں ڈالے۔ وہ کفار فجار اور عوام کو تو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ان کے مساعی تزویر کے بغیر ہی ان کی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ البتہ خواص پر اپنا پنجۂ اغوا مارنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ خواص میں سے جن نفوس پر کسی مسیحا نفس ہادی کا روحانی فیض پرتو افگن ہو وہ ان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں لیکن بے مرشد لوگ کٹ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کرنے لگتے ہیں۔

حارث کے استدراجی تصرفات

وہ شخص جو سدِ رمق غذا پر اکتفا کرے، کم سوئے، کم بولے، ہر وقت عبادت الٰہی یا پوجا پاٹ میں مصروف رہے اور نفس کشی کا شیوہ اختیار کر کے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے اُس سے عادت مستمرہ کے خلاف ایسے محیر العقول افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسروں سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ اگر اہل اللہ میں سے ہوں تو ان کے خرق عادت کو کرامت کہتے ہیں اور اگر اہل کفر اور اصحاب زیغ ہوں تو ایسا فعل استدراج کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تصرفات محض ریاضت اور نفس کشی کا ثمرہ ہیں۔ ان کو تعلق باللہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی بزرگ شریعت اور طریقت کا جامع ہو۔ اتباع سنت اور اقتدائے سلف صالح کے ساتھ ریاضت اور نفس کشی کا مسلک اختیار کرے تو یہ چیز البتہ قرب خداوندی میں نہایت درجہ مؤثر ہے۔ چونکہ حارث نے سخت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی اختیار کر رکھی تھی اور دائم العبادات معمور الاوقات تھا۔ اس سے بھی ماورائے عقل افعال صادر ہوتے تھے۔ چنانچہ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا موسم گرما میں لوگوں کو سرما کے فواکہ اور پھل کھلاتا۔ جاڑوں میں ان کے سامنے گرما کے میوے پیش کرتا اور کہا کرتا کہ آؤ میں تمہیں موضع دیر مراں (مضافات دمشق) سے فرشتے نکلتے دکھاؤں۔ چنانچہ حاضرین محسوس کرتے کہ نہایت حسین وجمیل فرشتے بصورت انسان گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مرزا غلام احمد جیسے شخص کو پیروؤں کی ایک بڑی جماعت مل گئی جس کی ذات میں نہ کوئی علمی اور عملی خوبی ودیعت تھی اور نہ کوئی دوسرا امتیازی وصف ہی پایا جاتا تھا تو پھر عوام کالانعام حارث جیسے شخص کی عقیدت اور پیروی سے کیونکر تخلف کر سکتے تھے جس کے خوارق وکرامات کی جلوہ نمائیاں عوام کو خیرہ چشم کر رہی تھیں۔ ہزارہا سرگشتگان بادیۂ ضلالت آئے اور اس کے آستانہ زہد کی جبہ سائی کرنے لگے۔

بیت المقدس کو فرار

جب حارث کے استدراجی کمالات نے دور دور تک شہرت اختیار کی تو ایک دمشقی رئیس قاسم بن بخیرہ نام اس کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ تم کس بات کے مدعی ہو؟ کہنے لگا "میں نبی اللہ ہوں"۔ قاسم کہنے لگا اے عدو اللہ! تو جھوٹا ہے۔ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ قطعاً بند ہو چکا ہے۔ ان دنوں عبد الملک بن مروان خلافت اسلامیہ کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ قاسم نے جا کر خلیفہ عبد الملک سے ملاقات کی اور حارث کی فتنہ انگیزیوں کا حال بشرح بیان کیا۔ عبد الملک نے حکم دیا کہ حارث کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ جب پولیس گرفتاری کے لئے مکان پر پہنچی تو اس کا وہاں کوئی کھوج نہ مل سکا۔ حارث دمشق سے بھاگ کر بیت المقدس پہنچا۔ اور نہایت رازداری کے ساتھ اپنی فتنہ انگیزیوں میں مصروف ہوا

یہاں اس کے مرید ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو باخدا لوگوں کی ملاقات کے شائق ہوں۔ انہیں جہاں کہیں اس قسم کی ذہنیت کا آدمی نظر آتا اس کو ساتھ لے جاتے۔ اور حارث سے ملاقات کرا کے اپنی جماعت میں داخل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ ایک بصری کو اپنے ساتھ لے گئے جو بیت المقدس میں نووارد تھا۔ جب اس نے توحید الٰہی کے متعلق حارث کی نکتہ آفرینیاں سُنیں تو اس کے حقائق و معارف پر عش عش کر گیا لیکن جب حارث نے بتایا کہ میں نبی مبعوث ہُوا ہوں تو کہنے لگا کہ آپ کی ہر بات پسندیدہ اور خوشگوار ہے لیکن آپ کے دعوائے نبوت کے ماننے میں مجھے تأمل ہے۔" حارث نے کہا "نہیں نہیں تم سوچو اور غور کرو۔" اس وقت تو بصری بلاتسلیم دعوئے مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا لیکن دوسرے دن پھر آیا اور کہنے لگا کہ آپ کا کلام نہایت مرغوب ہے۔ آپ کی باتیں خوب دل نشین ہوئی ہیں۔ میں آپ پر اور آپ کے دین مستقیم پر ایمان لاتا ہوں۔ غرض بادی النظر میں وہ حارث کی جماعت میں داخل ہو گیا اور شب و روز وہیں رہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حارث کے مخصوص مریدوں میں شمار کیا جانے لگا۔

جب بصری نے حارث کے تمام جزئی و کُلی حالات معلوم کر لئے تو ایک دن کہنے لگا یا نبی اللہ! میں بصرہ کا رہنے والا ہوں اتفاق سے بیت المقدس آیا اور سعادت ایمان نصیب ہوئی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ بصرہ واپس جا کر لوگوں کو آپ کی نبوت کی دعوت دوں۔ حارث نے کہا "ہاں تم ضرور اپنے وطن میں رہ کر اس خدمت کو انجام دو۔" اب اس نے پتہ لگایا کہ خلیفہ عبدالملک کہاں ہے؟ معلوم ہُوا کہ اس وقت وہ صنبرہ میں فروکش ہے۔ وہاں جا کر خلیفہ سے ملاقات کی اور حارث کی شرانگیزیوں کا تذکرہ کیا۔ عبدالملک نے کہا وہ کہاں ہے؟ بصری نے کہا کہ وہ بیت المقدس میں فلاں جگہ چھپا ہُوا ہے۔ اور کہا کہ اگر کچھ آدمی میرے ساتھ کر دیئے جائیں تو میں اسے گرفتار کر کے بارگاہ خسروی میں پیش کر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے چالیس فرغانی سپاہی اس کی تحویل میں دے دیئے۔ اور ان کو حکم دیا کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔" اس کے بعد اپنے عامل بیت المقدس کے نام بھی ایک فرمان لکھوایا جس میں بصری کو حسب ضرورت ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کی تاکید کی۔

سلاسل کا از خود کٹ کر گرنا حارث کی گرفتاری اور ہلاکت

بصری ان پیادوں کو لیکر بیت المقدس آیا اور رات کے وقت حارث کے قیام گاہ پر پہنچا۔ یہ شخص سپاہیوں کو ایک آڑ میں کھڑا کر کے پہلے خود گیا لیکن دربان نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور بولا کہ گو تم حضرت کے خدام میں داخل ہو تاہم اتنی رات گئے کسی کے لئے داخلہ کی اجازت نہیں۔ لیکن بصری نے سخن طرازی و فسوں و فسانہ سے رام کر کے اسے دروازہ کھولنے پر رضامند کر لیا۔ جب دروازہ کھُلا تو بصری نے معاً سپاہیوں کو بھی بلا لیا۔ یہ دیکھ کر دربان اور دوسرے پیروان حارث کے ہوش اُڑ گئے اور عالم سراسیمگی میں چیخنے چلّانے لگے اور بولے افسوس تم لوگ ایک نبی اللہ کو قتل کرنا چاہتے ہو جسے خدا نے آسمان پر اُٹھا لیا ہے۔" جب بصری اور اس کے رفقائے کار اندر گئے تو حارث مفقود تھا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ حارث اس وقت خطرے کا احساس کر کے ایک طاق میں چھپ گیا تھا جو مریدوں نے اس کے اختفا کے لئے بنا رکھا تھا بصری سے تو کوئی بات مخفی نہیں تھی۔ اس نے طاق میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنا شروع کیا تو ہاتھ حارث کے کپڑے سے چھو گیا۔ اس نے حارث کو پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ اور فرغانیوں کو حکم دیا کہ اس کو جکڑ لو۔ اُنہوں نے زنجیر گردن میں ڈال کر دونوں ہاتھ گردن سے باندھے اور لے چلے۔ جب درۂ بیت المقدس میں پہنچے تو حارث نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ (۳۴: ۵۰) (اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (بفرض محال) راہ راست

کو چھوڑ دوں تو یہ حق فراموشی مجھ پر وبال ہوگی اور اگر راہ ہدایت پر مستقیم رہوں تو یہ اس کلام پاک کی بدولت ہے جسکو میرا رب مجھ پر نازل فرما رہا ہے۔ اس آیت کا پڑھنا تھا کہ گلے اور ہاتھ کی زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ یہ دیکھ کر پیادوں نے زنجیر اٹھا کر پھر ہاتھ گلے سے باندھے اور اپنے ساتھ لے چلے۔ جب دوسرے درّہ پر پہونچے تو حارث نے مکرّر یہ آیت پڑھی اور زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا رہی۔ پیادوں نے پھر سلاسل کو اٹھایا۔ اور سہ بارہ جکڑ کر لے چلے۔ آخر دمشق پہنچ کر خلیفہ عبد الملک کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ کیا واقعی تم مدعیٔ نبوت ہو؟ حارث نے کہا ہاں لیکن یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہوں وحی الٰہی کے بموجب کہتا ہوں۔" خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا کہ اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دو۔" نیزہ مارا گیا لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حارث کے مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ انبیاء اللہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔" خلیفہ نے محافظ سے کہا "شاید تم نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا۔" اب کی مرتبہ اس نے بسم اللہ پڑھ کر وار کیا تو وہ بُری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دیدی۔ یہ ۶۹ھ کا واقعہ ہے[1]۔

شیخ ابن تیمیہؒ نے کتاب "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان" میں لکھا ہے کہ حارث کی ہنکڑیاں اُتارنے والا اُس کا کوئی شیطان دوست تھا اور اس نے گھوڑوں کے جو سوار دکھلائے تھے وہ ملائکہ نہیں بلکہ جنّات تھے۔

باب ۸۔ مغیرہ بن سعید عجلی

مغیرہ بن سعید عجلی فرقہ مغیریہ کا بانی ہے جو غلاۃ روافض کا ایک گروہ تھا۔ یہ شخص خالد بن عبد اللہ قسری والیٔ کوفہ کا آزاد غلام اور بڑا غالی رافضی تھا۔ مغیرہ حضرت امام محمد باقرؒ کی رحلت کے بعد پہلے امامت کا اور پھر نبوّت کا مدعی ہُوا۔

احیاء موتیٰ اور غیب دانی کا دعویٰ مغیرہ کا دعوےٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں۔ اور اس کی مدد سے مُردوں کو زندہ اور لشکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ کہا کرتا تھا کہ اگر میں قوم عاد، ثمود اور ان کے درمیانی عہد کے آدمیوں کو زندہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ یہ شخص مقابر میں جا کر بعض ساحرانہ کلمات پڑھتا تھا تو ٹڈیوں کی وضع کے چھوٹے چھوٹے جانور قبروں پر اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابو لیلیٰ کا بیان ہے کہ بصرہ کے ایک صاحب طالب علم کے لئے آ کر ہمارے ہاں ٹھہرے ایک دن میں نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ دو درہم لے جا اور ان کی مچھلی خرید لا۔" یہ حکم دے کر میں اور بصری طالب العلم مغیرہ بن سعید کے پاس گئے مغیرہ مجھ سے کہنے لگا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے اپنی خادمہ کو کس کام کے لئے بھیجا ہے"؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگا اگر چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے والدین نے تمہارا نام محمد کیوں رکھا تھا" میں نے کہا نہیں" پھر خود ہی کہنے لگا کہ تم نے اپنی خادمہ کو دو درہموں کی مچھلی خریدنے کے لئے بھیجا ہے" یہ سنتے ہی ہم دونوں اس کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے۔ غرض مغیرہ کو سحر میں کامل دستگاہ حاصل تھی اور اس نے نیر نجات و طلسمات دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ

عقاید و تعلیمات مغیرہ کہتا تھا کہ معبود حقیقی نور کا ایک پیکر انسانی صورت پر ہے۔ اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اس کے اعضا حروف تہجی کی صورت پر ہیں۔ الف اس کے دونوں قدموں کی مانند ہے۔ عین اس کی دونوں آنکھوں کے مشابہ ہے۔ کہتا تھا کہ اللہ کے سر پر نور کا تاج رکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی آفرینش کا قصد کیا تو اپنے اسم اعظم سے متکلم ہوا۔

[1] دائرۃ المعارف جلد ۶ ص ۴۴۶۔ الدعاۃ ص ۷۳۔۷۶ ناقلاً عن تفلیس ابلیس و ابن عساکر[2] تاریخ طبری جلد ۸ ص ۱۴۲

معاً اس اسم نے پرواز کی اور تاج کی شکل اختیار کر کے اس کے فرق مبارک پر آ گیا۔ چنانچہ کہتا تھا کہ آیہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَىٰ میں اسم اعلیٰ سے یہی تاج مراد ہے اور کہتا تھا کہ جب رب العزت نے کائنات عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اعمال عباد کو اپنی انگلیوں سے لکھا جب رب الارباب اپنے بندوں کے ذنوب و معاصی پر غضبناک ہوا تو اس کا جسم عرق آلود ہو گیا جس سے دو دریا بہ نکلے۔ ایک شیریں دوسرا تلخ۔ پھر خدائے قدوس نے دریائے شیریں کی طرف نظر کی تو اس کی شکل و صورت دریا میں منعکس ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اپنے پرتو جمال کا کچھ حصہ لے کر اس سے سورج اور چاند بنائے اور باقی ماندہ عکس کو فنا کر دیا تاکہ اس کا کوئی شریک باقی نہ رہے۔ پھر دریائے شیریں سے شیعہ پیدا کئے اور دریائے تلخ سے کفار (یعنی غیر شیعہ) کی تخلیق فرمائی۔ پھر اس نے اپنی امانت آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی لیکن انہوں نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا۔ یہ امانت کیا تھی؟ اس بات کا عہد تھا کہ وہ سب علیؑ کی خلافت میں مزاحم نہ ہوں گے۔ لیکن انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ چنانچہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ وہ اس بار امانت کو اٹھا کر علیؓ (رضی اللہ عنہ) کو اس سے روک دیں۔ اور عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس شرط پر معاونت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے بعد انہیں خلیفہ بنائیں گے۔ ابوبکرؓ نے اس امانت کو اٹھا لیا اور ان دونوں نے غلبہ پا کر علیؓ کو اس سے روک دیا یہ شخص تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باستثناء ان حضرات کے جنہوں نے حضرت علیؓ کی رفاقت اختیار کی (معاذ اللہ) تکفیر کرتا تھا۔[1]

مغیرہ کی جھوٹی پیشنگوئی اور مریدوں کا نذرانۂ لعنت

مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم) کے بعد امامت جناب محمد بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰؑ بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منتقل ہو گئی جو نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اس شخص کا استدلال اس حدیث نبوی سے تھا جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کا اور ان کے والد کا نام میرے اور میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ یہ وہی محمد بن عبد اللہ حسنی ہیں جنہوں نے خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے عہد خلافت میں خروج کر کے حجاز مقدس پر قبضہ کر لیا تھا اور خلیفہ منصور نے ان کے مقابلہ میں عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر قیادت مدینہ منورہ فوج بھیجی تھی اور جناب نفس زکیہؒ اس معرکہ میں جرعۂ مرگ پی کر دار الخلد کو چلے گئے تھے۔ یہ ۱۴۵ھ کا واقعہ ہے لیکن مغیرہ اس سے چھبیس سال پہلے خلیفہ ہشام بن عبد الملک اُموی کے عہد خلافت میں علف تیغ بن چکا تھا۔ جناب نفس زکیہؒ کے سانحۂ قتل کے بعد مغیرہ کے پیرووں کی ایک بڑی جماعت اس پر لعنت کرنے لگی کہ اس نے محمد بن عبد اللہ معروف بہ نفس زکیہ کو مہدی آخر الزمان قرار دے کر اور یہ کہہ کر جھوٹ بولا تھا کہ یہی روئے زمین کے مالک ہوں گے۔ حالانکہ نفس زکیہ سپاہ منصوری کے ہاتھ سے قتل ہو گئے اور نہ صرف روئے زمین کے بلکہ اس کے بیسویں تیسویں حصہ کے بھی مالک نہ ہو سکے۔ البتہ ایک گروہ بدستور اپنی خوش اعتقادی پر ثابت قدم رہا۔ مؤخر الذکر جماعت نے مرزائیوں کی طرح سخن سازی سے کام لے کر اپنے دل کو بہلا لیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ کوہ حاجر میں جا کر مستور ہو گئے ہیں اور جب انہیں حکم ہوگا تو ظاہر ہو کر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے اور مخالف احزاب و جیوش کو منہزم کر کے روئے زمین پر عمل و دخل کر لیں گے۔[2] جب ان لوگوں سے سوال کیا جاتا کہ پھر وہ شخص کون تھا جسے خلیفہ ابوجعفر منصور کے لشکر نے نذر اجل کیا تو اس کا وہ یہ مضحکہ خیز جواب دیتے کہ وہ ایک شیطان تھا کہ جس نے محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی شکل و صورت اختیار کر لی تھی۔[3]

---

[1] کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ ص ۱۷۶ [2] الفرق بین الفرق ص ۲۲۹ — ۲۳۱

روافض کی مؤخرالذکر جماعت اس بنا پر محمدیہ کے نام سے موسوم ہے کہ یہ لوگ محمد بن عبداللہ نفس زکیہؒ کی آمد کے منتظر ہیں۔[1]

مغیرہ کے زندہ نذر آتش کئے جانے کا ہولناک منظر

جب خالد بن عبداللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا امیر تھا معلوم ہوا کہ مغیرہ مدعی نبوت ہے۔ اور اس نے طرح طرح کی شناعتیں جاری کر رکھی ہیں تو اس نے ۱۱۹ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ اس کے چھ مرید بھی پکڑے آئے۔ خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں نبوت کا دعویٰ ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم اس کو نبی یقین کرتے ہو؟ انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ خالد نے مغیرہ کو ارتداد کی وہ بڑی سے بڑی سزا دینی چاہی جو اس کے خیال میں سما سکی۔ اس نے سرکنڈوں کے گٹھے اور نفط منگوایا۔ خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو اٹھا لے۔ مغیرہ اس سے رکا اور ہچکچایا۔ خالد نے حکم دیا کہ مارو۔ معاً اس کے سر پر کوڑے پڑنے لگے۔ مغیرہ نے گھبرا کر گٹھا اپنی آغوش میں اٹھا لیا۔ اسے اس گٹھے سے باندھ دیا گیا۔ اب اس پر اور گٹھے اور روغن نفط ڈال کر آگ لگا دی گئی اور مغیرہ تھوڑی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔[2] اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے انقطاع نبوت کے بعد کسی کا ادعائے نبوت کوئی ایسا معمولی سا جرم نہیں جس کی سزا قتل سے کم تجویز کی جا سکے لیکن جان ستانی کا جو طریقہ خالد نے اختیار کیا وہ کسی طرح مستحسن نہ تھا۔ قتل کے موزون طریقے بھی تھے جو اختیار کئے جا سکتے تھے۔ کسی کو آگ میں زندہ جلا دینا ایک وحشیانہ فعل ہے جو جاہلیت کے عہد مظلم کی یادگار ہے۔ چنانچہ خود جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ارشاد سے اس کی ممانعت فرمادی ہے کہ "کسی کو عذاب اللہ کے ساتھ معذب نہ کرو"۔ عذاب اللہ سے یہی احراق فی النار کا عذاب مراد ہے۔ خداوند عالم کے سوا کسی کو اس کا استحقاق نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ میں جلائے۔

باب ۹ - بیان بن سمعان تمیمی

بیان بن سمعان تمیمی مغیرہ بن سعید عجلی کا معاصر تھا۔ فرقہ بیانیہ جو غلاۃ روافض کی ایک شاخ ہے اسی بیان کا پیرو ہے۔ بیان نبوت کا مدعی تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم کے ذریعہ سے زہرہ کو بلا لیتا ہوں۔ ہزارہا لوگ حسن ظن کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ بیان حضرت امام زین العابدینؓ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقرؒ جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دی تھی۔ اور اپنے خط میں جو عمر بن عفیف کے ہاتھ امام ممدوح کے پاس بھیجا لکھا تھا اسلم تسلم وترتق من سلم فانک لا تدری حیث یجعل اللہ النبوۃ (تم میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گے اور ترقی کرو گے۔ تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبی بناتا ہے) کہتے ہیں کہ امام محمد باقرؒ یہ خط پڑھ کر بہت خشمناک ہوئے اور قاصد سے فرمایا کہ اس خط کو نگل جاؤ۔ وہ بے تامل نگل گیا اور معاً تڑپ کر جان دے دی۔ اس کے بعد امام نے بیان کے حق میں بھی بددعا کی چنانچہ چند ہی روز میں خالد قسری کے ہاتھوں قتل ہو کر لقمۂ اجل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ نے بھی بیان پر لعنت کی ہے۔[3]

عقیدۂ تناسخ و حلول میں ہنود کا اتباع

بیان ہنود کی طرح تناسخ و رجعت اور حلول کا قائل تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میرے جسم میں خدا نے کردگار کی روح حلول کر گئی ہے اور اس کے متبعین اس کو اسی طرح خدا کا اوتار یقین کرتے تھے جس

[1] الفرق بین الفرق ص ۲۴۲ - [2] ابن جریر طبری جلد ۸ ص ۲۴۱ - [3] منہاج السنہ شیخ ابن تیمیہ ۱۲

طرح ہنود رام چندر جی اور کرشن جی کو خدائے برتر کا اوتار گمان کرتے ہیں۔ بیان اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں کہ ذات خداوندی ہر چیز میں حلول کرتی ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیتیں پیش کرتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ آیات قرآنی سے اس قسم کا استدلال ایسا ہی انوکھا اور عجیب و غریب ہوگا جس طرح کہ آج کل کے گم کردگان راہ مرزائی بعض آیات قرآنی سے اپنا عقیدہ جریان نبوت ثابت کرنے کی مضحکہ خیز کوشش کیا کرتے ہیں۔ بیان کا دعوےٰ تھا کہ مجھے قرآن کا صحیح بیان سمجھایا گیا ہے۔ اور آیات قرآنی کا وہ مطلب و مفہوم نہیں جو عوام سمجھتے ہیں اسی واسطے اس کو بیان کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ عوام سے اس کی مراد علمائے امت کی جماعت تھی۔ ورنہ عامۃ الناس تو قرآن پاک کا مطلب و مفہوم اور اس کے حقائق و معارف سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں اور یہ کچھ بیان پر موقوف نہیں بلکہ ہر جھوٹا مدعی ازراہ خود غرضی ہمیشہ حاملین شریعت ہی کو خطا کار بنایا کرتا ہے۔ اور خود باوجود مجسمۂ جہل ہونے کے مقیب بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس فریب کاری کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انتہا درجہ کا جاہل کندۂ ناتراش یہ کہنے لگے کہ دنیا بھر کے نامی گرامی ڈاکٹر اور حکیم خواص ادویہ اور تشخیص امراض سے نابلد ہیں۔ البتہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کو علم طب میں کامل بصیرت حاصل ہے۔[1] دور نہ جاؤ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی کو دیکھ لو۔ علماء تو درکنار اس شخص نے تو خود حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کو (معاذ اللہ) خطا کار بنایا۔ اور یہاں تک لکھ مارا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیح بن مریم علیہ السلام اور دجال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کی حقیقت منکشف نہ ہوئی[1]۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس چیز تک (معاذ اللہ) حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فہم کی رسائی نہ ہوئی تھی وہ قادیانی پر منکشف ہو گئی۔

فرقہ بیانیہ کا خیال ہے کہ امامت محمد بن حنفیہ سے ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ بن محمد کو تفویض ہوئی۔ پھر ابو ہاشم سے ایک وصیت کی بنا پر بیان بن سمعان کی طرف منتقل ہوگئی۔ بیانیہ اپنے زعیم و مقتدا کے حقیقی منصب و مقام کے متعلق مختلف البیان ہیں۔ بعض تو اس کو نبی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بیان نے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کا ایک حصہ منسوخ کر دیا۔ اور بعض اسے معبود برحق خیال کرتے ہیں۔ بیان نے ان سے کہا تھا کہ خدا کی روح انبیاء اور آئمہ کے اجساد میں منتقل ہوتی ہوتی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ میں پہنچی۔ وہاں سے میری طرف منتقل ہوئی یعنی حلولی مذہب کے بموجب خود ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (آل عمران ۱۳۹) (یہ لوگوں کے لئے بیان اور متقین کے لئے ہدایت و موعظت ہے) چنانچہ خود بیان نے بھی کہا ہے انا البیان وانا الھدیٰ والموعظۃ (میں ہی بیان ہوں اور میں ہی ہدایت و موعظہ ہوں)

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدائی کا عقیدہ

بیان کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اسم اعظم کے ذریعہ سے لشکر کو ہزیمت دے سکتا ہوں اور زہرہ کو بلاتا ہوں اور وہ میرے پکارنے پر جواب دیتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ معبود ازلی ایک نوری شخص ہے کہ چہرہ کے سوا جس کا تمام بدن فنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی ان دو آیتوں کو اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتا تھا كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (قصص ۸۹) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمٰن ۲۶-۲۷) مگر ان کا یہ زعم باطل ہے کیونکہ وجہ اللہ کے معنے ذات خداوندی ہے اور اگر بالفرض محال خدائے برتر کے دوسرے اعضائے جسم کو

[1] ازالۂ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۲۹۲

فنا پذیر مان لیا جائے تو پھر چہرہ کے فانی اور زوال پذیر ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔[1] بیان حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی خدائی کا اعتقاد رکھتا تھا۔ اور اتحاد کا قائل تھا یعنی کہتا تھا کہ خالقِ ارض و سما کا ایک جزو علی علیہ السلام کے جسد مبارک میں حلول کر کے ان سے متحد ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے اندر وہی قوت الٰہی تھی جس کی بدولت انہوں نے درِ خیبر اکھاڑا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہ جزو الٰہی جناب محمد بن حنفیہ کی ذات میں پیوست ہوا۔ ان کے بعد ابو ہاشم عبداللہ بن محمد کے جسم میں جلوہ گر ہوا۔ جب وہ بھی دار الخلد کو رخصت ہو گئے تو وہ بیان بن سمعان یعنی خود اس کی ذات کے ساتھ متحد ہو گیا۔ بیان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ آسمان اور زمین کے معبود الگ الگ ہیں۔ ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادق رح سے عرض کیا کہ بیان آیۂ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ کی یہ تاویل کرتا ہے کہ آسمان کا الٰہ اور ہے اور زمین کا اور۔ اور آسمان کا الٰہ زمین کے معبود سے افضل ہے۔" امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کا معبود ایک ہی خدائے واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور بیان دجال کذاب ہے۔" اور کتاب منہج المقال میں ہے کہ امام ابو عبداللہ جعفر صادقؓ فرماتے تھے کہ ارشاد خداوندی هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (کیا میں تبلاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ ہر دروغ گو بدکردگار پر) میں شیاطین سے مراد سات اشخاص ہیں مغیرہ بن سعید عجلی اور بیان بن سمعان تمیمی اور اسی قماش کے پانچ اور اشخاص۔" علامہ عبدالقاہر بغدادی کتاب الفرق بین الفرق میں لکھتے ہیں کہ فرقہ بیانیہ ملت اسلام سے خارج ہے کیونکہ یہ لوگ بیان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد بیان کو نبی سمجھتے ہیں وہ بھی اسی شخص کی مانند ہیں جو مسیلمہ کذاب کو نبی گمان کرتا ہے اور یہ دونوں فریق اسلامی فرقوں سے خارج ہیں۔[2] اسی پر مرزائیوں کو قیاس کر لینا چاہیئے جو مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں

ہلاکت کا بھیانک نظارہ باب سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری عامل کوفہ نے مغیرہ بن سعید عجلی کو زندہ جلا دیا تھا۔ بیان بھی اسی وقت گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب مغیرہ جل کر خاک سیاہ ہو چکا تو خالد نے بیان کو حکم دیا کہ سرکنڈوں کا ایک گٹھا تھام لے۔ اس نے فوراً لپک کر ایک گٹھا بغل میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر خالد نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم ہر کام میں حماقت اور تعجیل سے کام لیتے ہو۔ کیا تم نے مغیرہ کا حشر نہیں دیکھا؟ اس کے بعد خالد کہنے لگا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو۔" اب یہ کام کرو کہ مجھے اور میرے عملہ کو جو تیرے درپئے جانستانی ہیں۔ ہزیمت دے کر اپنے آپ کو بچا لو۔" مگر وہ جھوٹا تھا لب کشائی نہ کر سکا۔ آخر مغیرہ کی طرح اس کو بھی زندہ جلا کر بے نشان کر دیا گیا۔[3]

باب ۱۰۔ ابو منصور عجلی

یہ شخص ابتدا میں حضرت امام جعفر صادق رح کا معتقد اور رافضی غالی تھا۔ جب امام ہمامؒ نے اسے عقاید رفضیہ کے باعث اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے کبیدہ خاطر ہو کر خود دعوائے امامت کی ٹھان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند ہی روز بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں امام محمد باقرؒ کا خلیفہ و جانشین ہوں۔ اور ان کا درجۂ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے۔" یہ شخص اپنے تئیں خالق کردگار کا ہم

[1] الفرق بین الفرق ص ۲۲۷ – ۲۲۸ [2] الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر ص ۲۲۸ [3] تاریخ طبری جلد ۸ ص ۱۴۴ وکتاب الفرق بین الفرق ص ۲۲۸

نکل بنا تا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام محمد باقرؒ کی رحلت کے بعد میں آسمان پہ بلایا گیا اور معبود برحق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ "اے بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے" دعوائے امامت سے پہلے تو کہا کرتا تھا کہ قرآن کی آیۃ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (طور ۴۴) میں جو کسف کا لفظ ہے اس سے امیر المومنین علیؑ مراد ہیں لیکن اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ اس لفظ سے میری ذات مقصود ہے۔ مرزائیوں کی طرح نصوص صریحہ کی عجیب و غریب تاویلیں کیا کرتا تھا مثلاً قیامت اور جنت و دوزخ کا منکر تھا اور اس کی تاویل میں کبھی تو یہ کہتا کہ جنت سے نعیم دنیا اور دوزخ سے مصائب دنیا مراد ہیں اور کبھی یوں گوہر افشانی کرتا کہ جنت سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہیں جن کی محبت و دوستی واجب ہے اور وہ ائمہ اہل بیت ہیں اور دوزخ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عداوت فرض و واجب ہے۔ مثلاً ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ، معاویہ (رضی اللہ عنہم) اسی طرح کہتا تھا کہ قرآن حکیم میں فرائض سے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد مراد ہے اور محرمات سے (حضرت) ابو بکر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مقصود ہیں۔ ابو منصور اس بات کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ اور عجب نہیں کہ مرزائیوں کے مقتداء نے نبوت کے جاری رہنے کا عقیدہ اسی شخص سے حاصل کیا ہو۔ ابو منصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے اس سے تمام تکلیفات شرعیہ اُٹھ جاتے ہیں اور اس کے لئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی۔ اس کی تعلیمات شنیعہ میں یہ چیز بھی داخل تھی کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کرے جو عقاید میں ابو منصور سے مختلف الخیال ہوں تو اسے قرب خداوندی میں جگہ مل جاتی ہے۔ ابو منصور کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جبرئیلؑ امین نے پیغام رسانی میں خطا کی انہیں حضرت علیؑ کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن وہ غلطی سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام الٰہی پہنچا گئے (غنیۃ الطالبین) ان کے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

جبرئیل کہ آمد زبر خالق بیچوں   در پیش محمد شد و مقصود علیؓ بود

علامہ عبد القاہر نے لکھا ہے کہ ابو منصور اور اس کا گروہ قیامت اور جنت و دوزخ کا انکار کرنے کے باعث دائرۂ اسلام سے خارج ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبد القاہر کو منصور عجلی کے اس عقیدہ کا علم نہیں ہوا کہ اس کے نزدیک نبوت جاری ہے ورنہ وہ اس کے اس عقیدہ کو بھی ان عقاید کفریہ میں شامل کرتے جن کی وجہ سے ابو منصور اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی طرف سے عراق کا والی تھا ابو منصور عجلی کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا تو اس نے اسے گرفتار کر کے کوفہ میں دار پر چڑھا دیا[1]

باب ۱۱۔ صالح بن طریف برغواطی

کہتے ہیں کہ صالح بن طریف یہودی الاصل تھا۔ اس کا نشو و نما سرزمین اندلس کے ایک قلعہ برباط میں ہوا۔ وہاں سے مشرق کا رخ کیا اور عبید اللہ معتزلی سے تحصیل علم کرتا رہا۔ پھر سحر میں دستگاہ حاصل کی۔ وہاں سے سخت عسرت اور شکستہ حالی کے عالم میں تامستا کے مقام پر پہنچا جو مغرب اقصیٰ میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ وہاں بربری قبائل کو دیکھا جو بالکل جاہل اور سراپا وحشی تھے۔ اس نے انہی

[1] الفرق بین الفرق ص ۲۴۳، ۲۴۴ — ۲۳۵، الملل والنحل شہرستانی جلد ۲ ص ۱۵ — ۱۶

لوگوں میں بودوباش اختیار کرلی۔ ان کی زبان سیکھی اور سحر اور نیرنجات سے گرویدہ بنا کر ان پر حکومت کرنے لگا۔ سنہ ۱۲۵ھ یا ۱۲۷ھ میں دعوائے نبوت کیا۔ اس وقت خلیفہ ہشام بن عبد الملک اسلامی ممالک کا فرمانروا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں صالح کی حکومت کو وہ اوج و عروج نصیب ہوا کہ شمالی افریقہ میں اس کے کسی ہمعصر تاجدار کو وہ عظمت و شوکت حاصل نہ تھی۔ ادعائے نبوت کے علاوہ صالح کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہی وہ مہدی اکبر ہے جو قرب قیامت کو ظاہر ہو کر جناب مسیح بن مریم علیہ السلام کی مصاحبت اختیار کریں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام جن کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔" اس شخص کے کئی نام تھے۔ عربی میں صالح کے نام سے مشہور تھا۔ سُریانی میں اسے مالک کہتے تھے۔ فارسی میں اس کا نام عالم تھا۔ اور عبرانی میں روبیل اور بربری میں وارا یا کے ناموں سے موسوم تھا۔ وارا یا بربری زبان میں خاتم النبیین کو کہتے ہیں۔

صالح کا قرآن اور اس کی مضحکہ خیز شریعت

صالح کہتا تھا کہ جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح مجھ پر بھی قرآن نازل ہوتا ہے چنانچہ اس نے اپنی قوم کے سامنے جو قرآن پیش کیا اس کی اسّی سورتیں تھیں ان میں سے بعض کے یہ نام تھے۔ سورۃ الدیک۔ سورۃ الجمل، سورہ فیل، سورہ حجر، سورہ آدم، سورۂ نوح، سورۂ فرعون، سورۂ موسیٰ، سورہ ہارون، سورہ ہاروت و ماروت، سورۂ ابلیس، سورۃ الاسباط، سورۃ الجراد، سورۂ غرائب الدنیا۔ خوش اعتقادوں کے نزدیک موخر الذکر سورہ میں بے شمار اسرار و حقائق درج تھے۔ احکام حلال و حرام بھی اس میں مذکور تھے۔ اور یہی وہ صورت تھی جسے اس کے مرید نماز میں پڑھنے کے مامور تھے اس نے اپنا لقب صالح المومنین رکھا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہی "صالح المومنین" ہوں جس کا ذکر جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرآن میں آیا ہے۔ اب اس کی شریعت کی اعجوبہ نمائیاں ملاحظہ ہوں۔ کتاب القرطاس میں لکھا ہے کہ صالح کے پیرو رمضان کے بجائے رجب کے روزے رکھیں۔ اس نے اپنے پیروؤں پر دس نمازیں فرض کی تھیں۔ پانچ دن میں اور پانچ رات میں۔ ۱۱ محرم کے دن ہر شخص پر قربانی واجب کی۔ وضو میں ناف اور کمر کا دھونا بھی مشروع کیا۔ حکم دیا کہ کوئی شخص غسل جنابت نہ کرے۔ البتہ جو کوئی زنا کا مرتکب ہو وہ زنا کے بعد ضرور غسل کرے۔ اس کے پیرو صرف اشاروں سے نماز پڑھتے ہیں۔ البتہ آخری رکعت کے اخیر میں پانچ سجدے کر لیتے ہیں۔ کھانے پینے کے وقت "یاسمک یاکسائی" کہتے ہیں۔ ان کے زعم میں اس کی تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ صالح نے حکم دیا کہ جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کریں۔ البتہ چچا کی بیٹی سے عقد ازدواج نہ کریں۔" کاش اس کا فلسفہ ہمیں بھی معلوم ہو جاتا۔ ان کے ہاں طلاق کی کوئی حد نہیں۔ یہ لوگ دن میں ہزار مرتبہ طلاق دے کر بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ بیوی ان باتوں سے ان پر حرام نہیں ہوتی۔ صالح نے حکم دیا تھا کہ چور کو جہاں دیکھو قتل کر دو کیونکہ اس کے خیال میں چور تلوار کی دھار کے سوا گناہ سے کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا۔ اس کی شریعت میں ہر حلال جانور کا سر کھانا حرام اور مرغی کا گوشت مکروہ تھا۔ مرغ کا ذبح کرنا اور کھانا حرام قرار دیا اور حکم دیا کہ جو کوئی مرغ ذبح کرے یا کھائے وہ ایک غلام آزاد کرے اور حکم دیا کہ اس کے پیرو اپنے حکام کا لعاب دہن (تھوک) برسبیل تبرک چاٹ لیا کریں۔ چنانچہ صالح لوگوں کے ہاتھوں پر تھوکا کرتا تھا اور وہ اسے خود چاٹ لیتے یا مریضوں کے پاس حصول شفا کی غرض سے لے جاتے۔

صالح سینتالیس سال تک دعوائے نبوت کے ساتھ اپنی قوم کے دینی اور دنیاوی امور کا کفیل و نگران حال رہا۔ آخری عمر میں تبتّل و انقطاع کا اشتیاق پیدا ہوا اور اپنے کفریات کے باوجود بزعم خود کاملہ ذہاب الی اللہ کا سودا سر میں سمایا۔ چنانچہ

سنہ ۱۷۴ھ میں تاج وتخت سے دست بردار ہوکر پایۂ تخت سے کہیں مشرق کی طرف جاکر عزلت گزین ہوگیا۔ جاتے وقت اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی کہ میرے دین پر قائم رہنا۔ چنانچہ نہ صرف الیاس بلکہ صالح کے تمام جانشین پانچویں صدی ہجری کے اواسط تک ارث تاج وتخت کے علاوہ اس کی ضلالت اور خانہ ساز نبوت کے بھی وارث رہے [۱]

الیاس بن صالح وصیت کے بموجب اس کے تمام کفریات پر عامل ومصر رہا یہاں تک کہ پنجاہ سالہ حکومت ولغو کوشی کے بعد سنہ ۲۲۴ھ میں طعمۂ اجل ہوگیا۔ اس کے بعد الیاس کا بیٹا یونس مسند حکومت پر بیٹھا۔ یہ شخص نہ صرف اپنے باپ دادا کے کفریات پر عمل پیرا رہا۔ بلکہ دوسروں کو بھی جبراً وقہراً ان کا پابند بنانے کی کوشش کی۔ یونس کا ظلم وعدوان یہاں تک بڑھا کہ اس نے تین سو اسی قصبات ودیہات کو نذر آتش کرکے خاک سیاہ کردیا۔ اور اس کے جرم ناآشنا باشندوں کو محض اس "قصور" پر موت کے گھاٹ اتار دیا کہ وہ اس کا اور اس کے آباء کا مسلک اختیار نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اس کی تیغ جفا نے تقریباً آٹھ ہزار کلمہ گوؤں کو نہنگ اجل کے حوالے کرکے دار الخلد میں پہنچا دیا۔ ان ظلم آرائیوں کے بعد یونس نے حج کا قصد کیا۔ اور اس پر یہ مثل صادق آئی۔ "نوسو چوہے کھاکے بلی حج کو چلی" اس سے پیشتر اس کے خاندان کے کسی شخص نے حج نہیں کیا تھا۔ آخر چوالیس سال کی ظالمانہ حکومت کرکے سنہ ۲۶۸ھ میں ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد ابوغفیر محمد بن معاذ ملک برغواطہ کا بادشاہ ہوا۔ اس نے بھی اپنے آبا کی رسم کہن کے بموجب دعوائے نبوت کیا۔ سعید بن ہشام مصمودی نے اس کے متعلق ایک نظم لکھی تھی جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں لکھتے ہیں:۔

فاخزی اللہ ام الکاذبینا ۔ یقولون النبی ابوغفیر ۔ وعاروا الاسقوا مار معینا ۔ وھذی امۃ ھلکوا وضلوا

یفودون البرابر حائرینا ۔ ھنالک یونس وبنوابیہ ۔ اتوا یوم القیامۃ مقطعینا ۔ سیعلم اھل تامسنا اذا ما

ابوغفیر کی چوالیس بیویاں تھیں اور شاید اتنی ہی یا اس سے کسی قدر زیادہ اولاد تھی۔ یہ شخص تیسری صدی کے اواخر میں انتیس سال حکومت کرکے ہلاک ہوگیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ابوالانصار عبداللہ تخت نشین ہوا اور اپنے آباء واجداد کا طریقہ رائج کیا۔ آخر چوالیس سال حکومت کرکے راہیٔ ملک عدم ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابومنصور عیسیٰ بائیس سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوکر آسمان شہرت پر نمودار ہوا۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کی نبوت کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ ملک مغرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے اس کی عظمت وشوکت کے سامنے سر انقیاد خم نہ کیا ہو۔ اس کو ایک غنیم بلکین بن زیری بن مناد صنہاجی سے جنگ آزما ہونا پڑا جس میں اس کو ہزیمت ہوئی اور سنہ ۳۶۹ھ میں اٹھائیس سال تک دعوائے نبوت کے ساتھ کوس لمن الملک الیوم بجا کر میدان جان ستان کی نذر ہوگیا۔ اس کے بیشمار پیرو قید ہوکر قیروان لائے گئے۔ ابومنصور عیسیٰ کے بعد غالباً ابوحفص عبداللہ جو ابومنصور عیسیٰ کی اولاد میں سے تھا وارث تاج وتخت ہوا۔ شاید یہی وہ بادشاہ ہے کہ صالح نے جس کے عہد سلطنت میں عود کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر صالح نے نہ تو اس کے زمانۂ حکومت میں کبھی اپنا جلوہ دکھایا اور نہ اس کے بعد ہی کسی کو اس کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ مگر ظاہر ہے کہ صالح کی گمراہ امت نے بھی آج کل کے مرزائیوں کی طرح شرمسار ہونے کے بجائے سخن سازی

[۱] الاستقصاء لاخبار دول المغرب الاقصیٰ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۵۱

اور تاویل کاری کے ہتھیار تیز کر لئے ہوں گے۔ ابو منصور عیسیٰ کی ہلاکت کے بعد برغواطہ کے اقبال نے دامن ادبار میں منہ چھپایا چنانچہ ابو منصور عیسیٰ کے بعد نامستا لگاتار اسی سال تک شجاعان اسلام کی یورشوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ یہاں تک کہ مرابطون نے سنہ ۴۵۱ھ میں تسلط کر کے وہاں فرقہ حقہ اہل سنت وجماعت کی حکومت قائم کر دی۔[1]

برغواطی حکمران جو مرزا غلام احمد سے زیادہ عرصہ تک دعوائے نبوت پر قائم رہے

مرزائی لوگ یہ کہہ کر ناواقفوں کو مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا مفتری نہیں گزرا جو مرزا صاحب کی طرح تیئیس[۲۳] سال کی طویل مدت تک اپنے دعوے پر قائم رہا ہو اور جلد ہلاک نہ ہو گیا ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب سچے نبی تھے۔ اگرچہ مرزائی لوگ اپنے پیش کردہ معیار حق وباطل کو کلام الٰہی اور ارشادات نبویہ کی روشنی میں ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ اور صادق کے صدق اور کاذب کے کذب میں کسی مدتِ دعویٰ کو قطعاً کوئی دخل نہیں تاہم میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر مرزائیوں کی ضد پوری کر دوں۔ متذکرۂ صدر واقعات سے جو کتاب "الاستقصاء لاخبار دول المغرب الاقصیٰ" (جلد اول صفحات ۱۰۳، ۵۱) سے ماخوذ ہیں ناظرین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہونگے کہ کم از کم مندرجہ ذیل تین بادشاہ مرزا غلام احمد کی مدت دعاوی سے بھی زیادہ عرصہ تک دعوائے نبوت کے ساتھ اپنی قوم پر حکمران رہے ملاحظہ ہو:

نام مدعیٔ نبوت	آغاز وانتہائے دعوے		مدت دعوے
صالح بن طریف	سنہ ۱۲۷ھ سے	سنہ ۱۷۴ھ تک	۴۷ سال
ابو غفیر محمد بن معاذ	سنہ ۲۶۸ھ سے	سنہ ۲۹۷ھ تک	۲۹ سال
ابو منصور عیسیٰ	سنہ ۳۴۱ھ سے	سنہ ۳۶۹ھ تک	۲۸ سال

باب ۱۲ ۔ بہا آفرید زوزانی نیشاپوری

ابو مسلم خراسانی کے عہد دولت میں جو خلافت آل عباسؓ کا بانی تھا بہا آفرید بن ماہ فرودین نام ایک مجوسی جو زوزان کا رہنے والا تھا نواح ضلع نیشاپور کے قریب سیرآوند نام ایک قصبہ میں ظاہر ہوا۔ یہ بھی نبوت ووحی کا مدعی تھا۔

باریک قمیص سے اعجاز نمائی کا کام

بہا آفرید اوائل عہد میں زوزان سے چین کی طرف گیا۔ وہاں سات سال تک قیام کیا مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیص بھی ساتھ لایا۔ اس کا کپڑا اس قدر باریک تھا کہ قمیص آدمی کی مٹھی میں آجاتی تھی۔ چونکہ اس زمانہ تک لوگ زیادہ باریک کپڑوں سے روشناس نہ ہوئے تھے، بہا آفرید نے اس قمیص سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے واپس آکر رات کے وقت وطن پہنچا کسی کو ملاقات کئے بغیر رات کی تاریکی میں سید بھابت خانہ کا رخ کیا۔ اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جب صبح کے وقت پجاریوں کی آمد ورفت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کس طرح آرہا ہے؟ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا حیرت کی کوئی بات نہیں حقیقت یہ ہے

[1] ملاحظہ الاستقصاء جلد اول ص ۱۰۳

کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔ میں برابر سات سال تک آسمانوں کی سیر و سیاحت میں مصروف رہا۔ وہاں مجھے جنت
اور دوزخ کی سیر کرائی۔ آخر رب کردگار نے مجھے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ قمیص پہنا کر زمین پر اُترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ
میں ابھی ابھی آسمانوں سے نازل ہو رہا ہوں"۔ اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے خود اسے
آسمان سے نازل ہوتے دیکھا ہے۔ پجاریوں نے بھی اس کے اُترنے کی شہادت دی۔ بہافرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے
عنایت ہوا زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہیں دنیا میں بھی ایسا باریک اور نفیس کپڑا طیار ہو سکتا ہے؟ لوگ اس قمیص کو دیکھ
دیکھ کر محو حیرت تھے۔ غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزۂ خلعت پر یقین کر کے ہزارہا مجوس اس کے پیرو ہو گئے۔ اب اس
نے ادعائے نبوت کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے نئے دین کا خوان دعوت بچھایا اور لوگ دھڑا دھڑ دام تزویر میں پھنسنے لگے
جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ازراہ مآل اندیشی حضرت سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بھی تصدیق
کی اسی طرح بہافرید نے مجوس کے مقتدا زرتشت کو سچا پیغمبر تسلیم کیا۔ اور جس طرح مرزا غلام احمد صاحب نے دین اسلام میں
سیکڑوں قسم کی رخنہ اندازیاں کیں اسی طرح اس نے مجوس کے اکثر شرائع و احکام پر خط تنسیخ کھینچ ڈالا اور لوگوں سے بیان کیا
کہ زرتشت کے تمام پیرؤوں پر میری اطاعت فرض ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس نہایت رازداری کے ساتھ احکام الٰہی پہنچا

بہافریدی شریعت کی بوالعجبیاں

بہافرید نے بیسیوں خرافات جاری کئے تھے۔ اس نے اپنی امت پر سات نمازیں
فرض کیں۔ پہلی نماز خدائے برتر کی حمد و ستائش کو متضمن تھی۔ دوسری آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے متعلق تھی۔ تیسری حیوانات
اور ان کے رزق کی طرف منسوب تھی۔ چوتھی دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد و تذکیر پر مشتمل تھی۔ پانچویں کا تعلق بعث اور یوم
عدالت سے تھا۔ چھٹی میں ارباب جنت کی راحت اور اہل دوزخ کے مصائب کی یاد تازہ کی جاتی تھی۔ ساتویں نماز میں صرف اہل
جنت کی بختاوری اور اقبال مندی کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا تھا۔ بہافرید نے اپنے پیرؤوں کے لئے ایک فارسی کتاب بھی
مدوّن کی اور حکم دیا کہ تمام لوگ آفتاب کو سجدہ کریں۔ لیکن سجدہ کے وقت دونوں گھٹنے زمین پر نہ لگیں بلکہ ایک زانو سے سجدہ
کیا جائے۔ استقبال قبلہ کے بجائے حکم تھا کہ آفتاب کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کی جائیں۔ سورج جس رخ پر ہوتا تھا اسی طرف
منہ کیا جاتا تھا۔ بال کاٹنے یا مونڈنے کی ممانعت تھی بلکہ حکم تھا کہ سب لوگ اپنے گیسو اور کاکل چھوڑ دیں۔ اس کی شریعت کا
ایک یہ بھی حکم تھا کہ جب تک مویشی بڈھا اور لاغر نہ ہو جائے اس کی قربانی نہ دیں۔ شرب خمر کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ چار سو
درہم سے زیادہ کسی عورت کا مہر نہ باندھا جائے۔

بہافرید کا قتل

جب ابومسلم خراسانی نیشاپور آیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک وفد اس کے پاس پہنچا اور شکایت کی
کہ بہافرید نے دین اسلام اور کیش مجوس میں فساد و رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابومسلم نے عبداللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم
دیا۔ بہافرید کو معلوم ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا ہے۔ فوراً نیشاپور سے بھاگ نکلا۔ عبداللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے
اسے جبل بادغیس پر جا لیا۔ اور گرفتار کر کے ابومسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابومسلم نے دیکھتے ہی خنجر خاراشگاف کا وار کیا اور
سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے گم کردگان راہ پیرو بھی قعر ہلاک میں ڈالے جائیں۔ وہ بہافرید
کی گرفتاری سے پہلے ہی بھاگ چکے تھے اس لئے بہت تھوڑے آدمی ابومسلم کی فوج کے ہاتھ آئے۔ اس کے پیرو بہافریدیہ

کہلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ان کے نبی کے خاص خادم نے انہیں اطلاع دی تھی کہ بہا فرید ایک مشکیں گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ اور وہ کسی مستقبل زمانہ میں آسمان سے نازل ہو کر اپنے اعداء سے انتقام لے گا۔[1]

باب ۱۳۔ اسحاق اخرس مغربی

اسحاق اخرس ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ اہل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصہ کا نام ہے جس میں مراکش، تونس، الجزائر وغیرہ ممالک داخل ہیں۔ اسحاق ۱۳۵ھ میں اصفہان میں ظاہر ہوا۔ ان ایام میں ممالک اسلامیہ پر خلیفہ سفاح عباسی کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا۔ اہل سیر نے اس کی دکان آرائی کی کیفیت اس طرح لکھی ہے کہ پہلے اس نے صحف آسمانی قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جمیع علوم رسمیہ کی تکمیل کی۔ زمانہ دراز تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف قسم کی صناعیوں اور شعبدہ بازیوں میں مہارت پیدا کی۔ اور ہر طرح سے باکمال اور بالغ النظر ہو کر اصفہان آیا۔

کامل دس سال تک گونگا بنا رہا

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسہ میں قیام کیا اور وہیں کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں کامل دس سال تک کنج عزلت میں پڑا رہا۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس شخص نے اپنی نام نہاد جہالت و بے علمی اور تصنع آمیز عدم گویائی کو اس ثبات و استقلال کے ساتھ نباہا کہ دس سال کی طویل مدت میں کسی کو وہم و گمان تک نہ ہوا کہ اس کی زبان کو بھی قوت گویائی سے کچھ حصہ ملا ہے۔ یا یہ شخص ایک علامۂ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بنا پر یہ اخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ ہمیشہ اشاروں سے اظہار مدعا کرتا۔ ہر شخص سے اس کا رابطۂ مودت و شناسائی قائم تھا۔ کوئی بڑا چھوٹا ایسا نہ ہو گا جو اس کے ساتھ اشاروں کنایوں سے تھوڑا بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔ اتنی صبر آزما مدت گزار لینے کے بعد آخر وہ وقت آ گیا جب کہ مہر سکوت توڑ دے اور کشور قلوب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا سکہ بٹھائے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن طیار کیا۔ اس روغن میں یہ صنعت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلی پیدا ہو کہ کوئی شخص شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے۔ اسی طرح اس نے خاص قسم کی دو رنگدار شمعیں بھی طیار کر لیں۔ اس کے بعد ایک رات جب کہ تمام لوگ محو خواب و استراحت تھے اس نے وہ روغن اپنے چہرہ پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں۔ ان کی روشنی میں چہرہ میں ایسی رعنائی اور دلفریبی اور چمک دمک پیدا ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اس زور سے چیخنا شروع کیا کہ مدرسہ کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ جب لوگ اس کے پاس آئے تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گیا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ باواز بلند قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی عش عش کر گئے۔

صدر المدرسین اور قاضی شہر کی بدحواسی

جب مدرسہ کے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ مادر زاد گونگا باتیں کر رہا ہے اور قوت گویائی کے ساتھ اسے اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور فن قراۃ و تجوید کا کمال بھی بخشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے خصوصاً صدر مدرس صاحب تو بالکل تو ائے

---

[1] الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ للبیرونی ص ۲۱۰-۲۱۱

عقلیہ کھو بیٹھے۔ صدر مدرس صاحب جس درجہ علم و عمل اور صلاح و تقویٰ میں عدیم المثال تھے اسی قدر اہل زمانہ کی عیاریوں سے ناآشنا اور نہایت سادہ لوح واقع ہوئے تھے۔ وہ بڑی خوش اعتقادی سے فرمانے لگے "کیا اچھا ہوا گر عمائدِ شہر بھی خدائے قادر و توانا کے اس کرشمۂ قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔ اب اہل مدرسہ نے صدر مدرس صاحب کی قیادت میں اس غرض سے شہر کا رخ کیا کہ اعیانِ شہر کو بھی خداوند عالم کی قدرت قاہرہ کا یہ جلوہ دکھائیں۔ شہر پناہ کے دروازہ پر آئے تو اس کو مقفّل پایا۔ چابی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ان لوگوں پر خوش اعتقادی اور گرمجوشی کا بھوت اس درجہ سوار تھا کہ شہر کا مقفّل دروازہ اور اس کی سنگین دیواریں بھی ان کی راہ میں حایل نہ رہ سکیں کیسی نہ کسی تدبیر سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اب صدر مدرس صاحب تو آگے آگے جا رہے تھے اور دوسرے مولوی صاحبان اور ان کے تلامذہ پیچھے پیچھے۔ سب سے پہلے قاضیٔ شہر کے مکان پر پہنچے۔ قاضی صاحب رات کے وقت اس غیر معمولی ازدحام اور اس کی شور و پکار سن کر مضطربانہ گھر سے نکلے اور ماجرٰی دریافت فرمایا بدنصیبی سے قاضی صاحب بھی پیرایۂ حزم و دُور اندیشی سے عاری تھے۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سب مجمع کو ساتھ لے کر جھٹ وزیر اعظم کے درِ دولت پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ وزیر با تدبیر نے ان کی رام کہانی سن کر کہا کہ ابھی رات کا وقت ہے۔ آپ لوگ جا کر اپنی اپنی جگہ آرام کریں۔ دن کو دیکھا جائے گا کہ ایسی بزرگ ہستی کی عظمت شان کے مطابق کیا کارروائی مناسب ہوگی؟" غرض شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ باوجود ظلمتِ شب کے لوگ جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ اور خوش اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ قاضی صاحب چند رؤسائے شہر کو ساتھ لے کر اس "بزرگ ہستی" کا "جمالِ مبارک" دیکھنے کے لئے مدرسہ میں آئے مگر دروازہ کو مقفل پایا۔ اسحاق اندر ہی براجمان تھا۔ قاضی صاحب نے نیچے سے پکار کر کہا حضرتِ والا! آپ کو اسی خدائے ذوالجلال کی قسم! جس نے آپ کو اس کرامت اور منصبِ جلیل سے نوازا ذرا دروازہ کھولیئے اور مشتاقانِ جمال کو شرفِ دیدار سے مشرف فرمایئے۔" یہ سن کر اسحاق بول اٹھا۔ "اے قفل! کھل جا!" اور ساتھ ہی کسی حکمت عملی سے کنجی کے بغیر قفل کھول دیا۔ قفل کے گرنے کی آواز سن کر لوگوں کی خوش اعتقادی اور بھی دو آتشہ ہو گئی۔ لوگ "بزرگ" کے رعب سے ترساں و لرزاں تھے دروازہ کھلنے پر سب لوگ اسحاق کے روبرو نہایت مؤدب ہو کر جا بیٹھے۔ قاضی صاحب نے نیاز مندانہ لہجہ میں التماس کی کہ حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے اگر حقیقت حال کا چہرہ کسی قدر بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہوگی

اسحاق کی ظلّی بروزی نبوّت

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے منتظر تھا نہایت ریا کارانہ لہجہ میں بولا کہ چالیس روز پیشتر ہی فیضان کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ آخر دن بدن القائے ربانی کا سرچشمہ دل میں موجیں مارنے لگا حتی کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروانِ منزل اس کے خیال اور تصور سے بھی محروم رہے تھے۔ اور وہ وہ اسرار و حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہبِ طریقت میں ممنوع ہے۔ البتہ مختصراً اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوضِ کوثر کا پانی لے کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ کہنے لگے السلام علیک یا نبی اللہ! مجھے جواب میں تامل ہوا۔ اور گھبرایا کہ واللہ اعلم یہ کیا ابتلا ہے؟ ایک فرشتہ بزبانِ فصیح یوں گویا ہوا "یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِفْتَحْ فَاکَ بِاسْمِ اللّٰہِ الْاَزَلِیِّ (اے اللہ کے نبی! بسم اللہ کہہ کر ذرا منہ تو کھولیئے) میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بِسْمِ اللّٰہِ الْاَزَلِیِّ کا ورد کرتا رہا۔ فرشتہ نے ایک سفید سی چیز میرے

منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ چیز کیا تھی؟ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ شہد سے زیادہ شیریں، مشک سے زیادہ خوشبودار اور برف سے زیادہ سرد تھی۔ اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا۔ کہ میری زبان گویا ہو گئی اور میرے منہ سے یہ کلمہ نکلا۔ "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" یہ سن کر فرشتوں نے کہا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو" میں نے کہا میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے سخت حیرت ہے بلکہ میں تو عرق خجالت میں ڈوبا جاتا ہوں" فرشتے کہنے لگے "خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کے لئے نبی مبعوث فرمایا ہے" میں نے کہا کہ جناب باری نے تو سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیاء قرار دیا۔ اور آپ کی ذات اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب میری نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟ کہنے لگے درست ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری بالتبع اور ظلی و بروزی ہے" معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں نے انقطاع نبوت کے بعد ظلی بروزی نبوت کا ڈھکوسلہ اسی اسحاق سے اڑایا ہے ورنہ قرآن وحدیث اور اقوال سلف صالح میں اس چیز کا کہیں وجود نہیں بلکہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رض کو امر خلافت میں جناب ہارون علیہ السلام سے جو ایک غیر شرعی اور تابع نبی تھے تشبیہ دے کر آئندہ کے لئے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ اب ظلی بروزی نبوتوں کا افسانہ محض شیطانی اغوا ہے۔

اسحاق کے معجزات باہرہ اس کے بعد اسحاق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلی بروزی نبوت کا منصب تفویض فرمایا تو میں اپنی معذوری ظاہر کرنے لگا اور کہا دوستو! میرے لئے تو نبوت کا دعوٰی بہت سی مشکلات سے لبریز ہے کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق نہ کرے گا" فرشتوں نے کہا وہ قادر مطلق جس نے تمہیں گونگا پیدا کر کے متکلم اور فصیح و بلیغ بنا دیا وہ خود لوگوں کے دلوں میں تمہاری تصدیق کا جذبہ پیدا کرے گا۔ یہاں تک کہ زمین و آسمان تمہاری تصدیق کے لئے کھڑے ہو جائیں گے" لیکن میں نے ایسی خشک نبوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس بات پر مصر ہوا کہ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور چاہیئے۔ جب میرا اصرار حد سے گزر گیا تو فرشتے کہنے لگے "اچھا معجزات بھی لیجیئے جتنی آسمانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں تمہیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید براں کئی ایک زبانیں اور کئی قسم کے رسم الخط تمہیں عطا کئے۔ اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو۔ میں نے جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا تھا پڑھ کر سنا دیا۔ انجیل پڑھوائی وہ بھی سنا دی۔ پھر تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا۔ وہ بھی سب سنا دیئے مگر میرے قلب منور پر جو ان کتب مقدسہ کا القا ہوا تو اس میں کسی تحریف تصحیف اور اختلاف قراءۃ کا کوئی شائبہ نہ تھا بلکہ جس طرح ان کی تنزیل ہوئی تھی اسی طرح یہ بے کم و کاست میرے دل پر القا کی گئیں چنانچہ فرشتوں نے فوراً اس کی تصدیق کر دی۔ ملائکہ نے صحف سماویہ کی قراءۃ سن کر مجھ سے کہا قُمْ فَاَنْذِرِ النَّاسَ (اب کمر ہمت باندھ لو اور لوگوں کو غضب الٰہی سے ڈراؤ) یہ کہ کر فرشتے رخصت ہو گئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ آج رات سے جن انوار و تجلیات کا میرے دل پر ہجوم ہے زبان اس کی شرح سے قاصر ہے۔ غالباً ان انوار کے کچھ آثار میرے چہرے پر بھی نمایاں ہو گئے ہوں گے۔ یہ تو میری سرگذشت تھی۔ اب میں تم لوگوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص خدا پر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مجھ پر ایمان لایا اس نے فلاح و رستگاری پائی۔ اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا اس نے سیئہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بیکار کر دیا۔ ایسا منکر ابدالآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔"

عساکر خلافت سے معرکہ آرائیاں عوام کا معمول ہے کہ جونہی نفس امارہ کے کسی پوجاری نے اپنے دجالی تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کی اس پر پروانہ وار گرنے لگے۔ اسحاق کی تقریریں سن کر عوام کا پلپلا ایمان ڈگمگا گیا اور ہزارہا آدمی نقد ایمان اس کی نذر کر بیٹھے۔ اور جن لوگوں کا دل نور ایمان سے متجلی تھا وہ بیزار ہو کر چلے گئے۔ حاملین شریعت نے گم کردگان راہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اخرس دجال کذاب اور رہزن دین و ایمان ہے۔ لیکن عقیدت مندوں کی "خوش اعتقادی" میں ذرا فرق نہ آیا۔ بلکہ جوں جوں علمائے حق انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے ان کا جنون "خوش اعتقادی" اور زیادہ بڑھتا تھا۔ آخر اس شخص کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی۔ چنانچہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے عمال کو مقہور و مغلوب کر کے بصرہ عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے آخر عساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور اسحاق مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پیرو اب تک عمان میں پائے جاتے ہیں۔ [1]

باب ۱۴- استادسیس خراسانی

جن ایام میں اسلامی سیاسیات کی باگ ڈور خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے ہاتھ میں تھی، استادسیس نام ایک مدعی نبوت ہرات باذغیس سجستان وغیرہ اطراف خراسان میں ظاہر ہوا۔ دعوائے نبوت کے بعد عامۃ الناس اس کثرت سے اس کے دام تزویر میں پھنسے کہ چند ہی سال میں اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر اس کے دل میں استعمار اور ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور وہ خراسان کے اکثر علاقے دبا بیٹھا۔ یہ دیکھ کر اجثم عامل مرو روز نے ایک لشکر مرتب کیا اور استادسیس سے جا بھڑا۔ استادسیس کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے اجثم کے لشکر کا بیشتر حصہ بالکل غارت کر دیا اور خود اجثم بھی میدان جانستان کی نذر ہو گیا۔ اجثم کے مارے جانے کے بعد خلیفہ نے اور بھی سپہ سالار فوجیں دے کر روانہ کئے مگر یا تو وہ مارے گئے یا سرکوب ہو کر واپس آئے۔ جب استادسیس نے خلیفہ کے آخری سپہ سالار کو پسپا کیا ہے تو اس وقت خلیفہ منصور بردان کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عساکر خلافت کی پیہم ہزیمتوں اور پامالیوں پر خلیفہ سخت پریشان ہوا۔ آخر خازم بن خزیمہ نام ایک نہایت جنگ آزمودہ فوجی افسر کو اس غرض سے ولی عہد سلطنت مہدی کے پاس نیشاپور بھیجا کہ اس کی صوابدید کے بموجب استادسیس کے مقابلہ پر جائے۔ مہدی نے لئے تمام نشیب و فراز سمجھا کر چالیس ہزار کی جمعیت سے روانہ کیا۔ خازم کی اعانت کے لئے اور بھی آزمودہ کار افسر روانہ کئے گئے۔ بکار بن مسلم عقیلی نام ایک مشہور سپہ سالار بھی خازم کے ماتحت روانہ کیا گیا۔ اس وقت خازم کے میمنہ پر ہیثم بن شعبہ میسرہ پر نہار بن حصین سعدی اور مقدمہ پر بکار بن مسلم عقیلی متعین تھا۔ جھنڈا زبرقان کے ہاتھ میں تھا۔ خازم نے میدان کارزار میں جا کر اچھی طرح دیکھ بھال کی اور غنیم کو دھوکا دینے کی غرض سے بہت سی خندقیں بنوائیں اور مورچے قائم کئے۔ اور ہر ایک خندق کو دوسری سے بذریعہ سرنگ ملا دیا۔ ان سب کے علاوہ ایک خندق اتنی بڑی کھدوائی جس میں خازم کا سارا لشکر سما سکتا تھا۔ مؤخر الذکر

[1] کتاب الاذکیا للشیخ ابن الجوزی و کتاب المختار و کشف الاسرار العلامہ عبدالرحمن بن ابی بکر الدمشقی المعروف بالجوبری

خندق کے چار دروازے بنوائے۔ ہر دروازہ پر ایک ایک ہزار چیدہ سپاہی کارآزمودہ سرداروں کی قیادت میں متعین کئے
سیس کے پیرو بھی ساز و سامان سے لیس ہو کر مقابلہ کو آئے۔ ان کے ساتھ بھی پھاوڑے کدال اور ٹوکریاں تھیں۔ انہوں نے
پہلے اس دروازہ سے جنگ شروع کی جس طرف بکار بن مسلم تھا۔ بکار اور اس کی فوج اس بے جگری سے لڑی کہ سیس کے
دانت کھٹے کر دیئے۔ ادھر سے ہٹ کر وہ اس طرف کو جھکا جس دروازہ پر خود خازم مستعد جنگ کھڑا تھا۔ اسی طرح پیروان
سیس میں سے حریش نام ایک فوجی سردار بھی اہل سجستان کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے بقصد جنگ خازم کی طرف بڑھا۔ خازم
نے حریف کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ہیثم بن شعبہ کو بکار کی طرف سے نکل کر حریف پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود
خازم سینہ سپر ہو کر حریش کے مقابلہ پر آیا۔ اور نہایت پامردی سے نبرد حرب گرم کیا۔ اس اثنا میں حریش کے پیچھے سے لشکر
ہیثم کے پھریرے ہوا میں اڑتے دکھائی دیئے۔ خازم کے لشکریوں نے جوش جہاد میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اسی طرح
خازم نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اپنی اجتماعی قوت سے یکبارگی ہلہ بول دیا۔ جونہی سیس اور حریش کی ہمرکاب فوجیں
بقصد فرار پیچھے ہٹیں ہیثم کی سپاہ نے انہیں تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اتنے میں نہار بن حصین اپنی فوج کے ساتھ میمنہ
سے اور بکار بن مسلم اپنی جمعیت کے ساتھ اگلی جانب سے نکل کر غنیم پر حملہ آور ہوئے اور بہت دیر تک قتل اور خونریزی
کا بازار گرم رہا۔ عساکر خلافت نے دشمن پر اتنی تلوار چلائی کہ میدان جنگ میں ہر طرف مرتدین کی لاشوں کے انبار لگ گئے
اس معرکہ میں سیس کے قریباً ستر ہزار آدمی کام آئے۔ اور چودہ ہزار قید کر لئے گئے سیس بقیۃ السیف تیس ہزار فوج کو پہاڑ
کی طرف لے بھاگا۔ اور وہاں اس طرح جا چھپا جس طرح خرگوش شکاریوں کے خوف سے کھیتوں میں جا چھپتا ہے۔ اب
خازم فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا پہاڑ پر پہنچا اور محاصرہ ڈال دیا۔ اتنے میں شاہزادہ مہدی نے ابوعون کی قیادت میں
بہت سی کمک بھیجدی۔ ابوعون اپنی فوج لے کر اس وقت پہنچا جب استاد سیس محصور ہو چکا تھا۔ آخر سیس نے محاصرہ سے
تنگ آ کر اپنے تئیں خازم کے سپرد کر دیا۔ استاد سیس اپنے بیٹوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ خازم نے مہدی کے پاس فوراً فتح کا
مژدہ لکھ بھیجا۔ جونہی یہ بہجت افزا خبر مہدی کے پاس پہنچی اس نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے پاس فتح و نصرت کا تہنیت نامہ عہ
یاد رہے کہ یہی مہدی خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا۔ کہتے ہیں کہ استاد سیس خلیفہ مامون کا نانا یعنی مراجل مادر مامون
کا باپ تھا اور اس کا بیٹا غالب جس نے فضل بن سہل برمکی کو قتل کیا تھا خلیفہ مامون (بن ہارون رشید) کا ماموں تھا۔

باب ۱۵۔ ابو عیسیٰ اسحاق اصفہانی

ابو عیسیٰ اسحاق بن یعقوب اصفہان کا ایک یہودی تھا۔ جو الوہیم (عابد اللہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ یہود کا ایک مذہبی گروہ
جسے عیسویہ کہتے ہیں اسی کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص نبوت کا مدعی تھا۔ یہود حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی اللہ
نہیں مانتے بلکہ وہ آج تک اس مسیح کی آمد کے منتظر چلے آتے ہیں جس کے ظہور کی بشارت جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام نے دی
تھی۔ ابو عیسیٰ نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح منتظر کا رسول ہوں۔ اس کا بیان تھا کہ مسیح منتظر سے پہلے یکے بعد دیگرے پانچ رسول مبعوث

عہ تاریخ ابن خلدون و تاریخ ابن جریر طبری جلد ۹ ص ۲۷۶ - ۲۷۸ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۱۹

ہوں گے جن کی حیثیت جناب مسیح موعود کی سی ہوگی۔ یہ اس بات کا مدعی تھا کہ خالق کردگار مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور مجھے اس بات کا مکلّف بنایا ہے۔ کہ میں بنی اسرائیل کو غاصب قوموں اور ظالم حکمرانوں کے پنجۂ بیداد سے مخلصی بخشوں۔ اس کا دعوٰی تھا کہ مسیح بنی آدم میں سب سے افضل ہے۔ اسے تمام انبیائے ماضیین پر شرف و برتری حاصل ہے اور اس کی تصدیق ہر شخص پر واجب ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میں مسیح موعود کا داعی ہوں اور داعی بھی مسیح ہوتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیروؤں کے لئے ایک کتاب مدون کر کے اس کو مُنزّل من اللہ بتایا۔ اس میں اس نے تمام ذبائح کو حرام قرار دیا ہے اور طیور ہوں یا بہائم علی الاطلاق ہر ذی روح کے کھانے سے منع کیا ہے۔ اپنے پیروؤں پر دس نمازیں فرض کیں۔ ان کے اوقات معین کر دیئے اور ہر ایک کو قیام نماز کی سخت تاکید کی۔ اس نے یہود کے بہت سے احکام شریعت کی جو توراۃ میں مذکور ہیں مخالفت کی۔ بے شمار یہود نے اس کی متابعت اختیار کی اور حسب مصداق "پیران نمی پرند مریداں می پرانند" بے شمار آیات و معجزات کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ جب جمعیت بہت بڑھ چلی تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ رَے میں خلیفہ ابو جعفر منصور کے لشکر سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی۔ لڑائی سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے زمین پر ایک خط کھینچ کر اپنے پیروؤں سے کہا کہ تم لوگ اس خط پر قائم رہو اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ دشمن کی مجال نہیں کہ اس خط سے آگے بڑھ کر تم پر حملہ آور ہو سکے۔ آخر جب رزم و پیکار کے وقت لشکر منصوری پیش قدمی کرتا ہوا خط کے پاس پہنچا۔ اور اس نے دیکھا کہ اس کے جھوٹ کا پول کھلنے والا ہے تو جھٹ اپنے پیروؤں سے علیحدہ ہوا اور خط پر پہنچ کر لڑائی شروع کر دی اس کو دیکھ کر اس کے پیرو بھی خط پر آ گئے اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مسلمان بھی بکثرت شہید ہوئے لیکن انہوں نے مار نے مار نے دشمن کا بالکل صفایا کر دیا۔ ابو عیسیٰ مارا گیا اور اس کے اکثر پیرو بھی علف تیغ ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے۔

باب ۱۶ - حکیم مُقنّع خراسانی

حکیم مُقنّع خراسانی کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین نے عطا لکھا ہے اور بعض نے ہشام یا ہاشم بتایا ہے حکیم کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ مَرو کے پاس ایک گاؤں میں جس کو "کازہ کیمن دات" کہتے تھے ایک غریب دھوبی کے گھر پیدا ہوا اس کی پیدائش کے وقت کسی کو کیا خبر تھی کہ ایک دن یہی غریب دھوبی کا لڑکا تاریخ عالم کے صفحات پر شہرت دوام کا خلعت حاصل کرے گا۔ نہایت طبّاع و ذہین تھا۔ اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر علم و فضل کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود اس نے علوم نظریہ میں وہ درجہ حاصل کیا کہ نواح خراسان میں کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعوٰی نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً علم بلاغت، حکمت و فلسفہ، شعبدہ و حیل، طلسمات، سحر اور نیرنجات میں سرآمد روزگار تھا۔ اس نے اپنی جودت طبع سے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کیں اور صنائع و بدائع کے ذریعہ سے بہت جلد آسمان شہرت و ناموری پر چمکنے لگا۔ لیکن اس کی خلقت میں ایک ایسا عیب تھا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں گونہ فرق پڑتا تھا۔ وہ یہ کہ نہایت کریہ المنظر، پست قامت حقیر اور کم رو شخص تھا اور اس پر طرہ یہ کہ واحد العین تھا یعنی ایک آنکھ کانی تھی۔ جسے دیکھ کر دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا

ہوتی تھی۔ اس عیب کے چھپانے کے لئے وہ ہر وقت سونے کا ایک خوبصورت اور چمکدار چہرہ طیار کر کے منہ پر چڑھائے رکھتا اور بغیر اس نقاب کے کسی کو اپنی شکل نہ دکھاتا تھا۔ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے طلائی کی جگہ ریشمین چہرہ لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ زربفت کی قسم کا کوئی ریشمین نقاب ہو۔ بہرحال اس تدبیر سے اس نے لوگوں کی نفرت کو گرویدگی سے بدل دیا۔ اور اسی نقاب کی وجہ سے لوگوں میں مقنّع (نقاب پوش) مشہور ہو گیا۔ چہرہ چھپائے رکھنے کی اصل بنا تو یہ تھی لیکن جب کبھی کوئی شخص اس سے نقاب پوشی کی وجہ دریافت کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اپنی شکل و صورت اس لئے تبدیل کر رکھی ہے کہ لوگ میری رویتِ ضیا پاش کی تاب نہیں لا سکتے اور اگر میں اپنا چہرہ کھول دوں تو میرا نور دنیا و مافیہا کو جلا کر خاکستر کر دے۔

مقنّع کا چاند ابن خلدون، ابن جریر طبری اور دوسرے قابل اعتماد مؤرخین اسلام نے اپنی تاریخوں میں مقنّع کے چاند کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن "ماہ نخشب" کو دنیائے ادب میں جو غیر فانی شہرت حاصل ہے اور بعض اسلامی تاریخوں میں اس کا جس شد و مد سے تذکرہ موجود ہے اس کی بنا پر اس کے چاند کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ اس نے سمرقند کے قریب علاقہ نخشب میں کوہ سیام کے تہ پیچھے کوئیں کے اندر یہ چاند پارے اور دوسرے کیمیائی اجزاء سے طیار کیا تھا۔ یہ چاند غروب آفتاب کے بعد پہاڑ کے عقب سے طلوع کر کے آسمان پر روشن رہتا اور صبح صادق سے پہلے غروب ہو جاتا تھا۔ اس طرح چاندنی راتوں میں دو چاند ایک دوسرے کے مقابل آسمان پر پرتو افگن رہتے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کی روشنی پندرہ میل تک پہنچتی تھی۔ اور بقول بعض وہ ایک مہینہ کی مسافت سے نظر آتا تھا۔ یہ چاند اسی طرح دو مہینہ تک طلوع و غروب ہوتا رہا۔ لوگ اکناف و اطراف ملک سے اس کے دیکھنے کو آتے اور دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی خصوصاً خوش اعتقاد مرید تو اسے اپنے مقتدا کی ربانی قوت کا تصرف اور بہت بڑا معجزہ یقین کرتے تھے۔ حالانکہ اس نے یہ عمل ہندسہ اور انعکاس شعاع قمر کے طریق پر کیا تھا۔ چنانچہ مقنّع کی ہلاکت کے بعد لوگوں نے اس کوئیں کی تہ میں ایک بڑا طاس پارے سے بھرا ہوا پایا۔ گو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کونسا طریق عمل کام میں لاتا تھا اور اس ماہتاب میں اس نے کس طرح برقی روشنی پیدا کر دی تھی، لیکن عہد حاضر کے بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ ماہ نخشب کا یہ طلوع و غروب مبالغہ آمیز ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقنّع نے اس برقی چاند کو کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر قائم کیا ہو گا۔ جو کئی منزلوں سے نظر آتی ہو گی۔ وہ چاند اس چوٹی سے ذرا بلند ہو کر ٹھہر جاتا ہو گا۔ جس میں اس قدر برقی روشنی ہو گی جو چند منزلوں سے نظر آ سکے۔ یہ چاند رات بھر یا جب تک وہ چاہتا کلۂ کوہ پر طلوع کر کے قائم رہتا ہو گا۔ بہرحال عربی علم ادب میں "ماہ نخشب" یا "بدر مقنّع" کا بہت تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اور شعراء نے اس سے تشبیہات کا کام لیا ہے۔ حسب بیان ابن خلکان ابوالعلاء معری نے ماہ نخشب کے موضوع پر ایک طویل قصیدہ لکھا تھا جس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

افق انما البدر المقنع راسہ　　　ضلال وغی مثل بدر المقنع

اسی طرح ابوالقاسم ہبۃ اللہ کا بھی ایک قصیدہ زبان زد عام و خاص ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الیک فما بدر المقنع طالعًا　　　یا سحر من الحاظ بدر المعمم

اس شعر میں شاعر ناصح سے کہتا ہے کہ جا اور اپنا کام کر۔ کیونکہ مقنّع کا چاند بھی طلوع کے وقت میرے دستاربند محبوب کی نگاہِ ناز سے زیادہ سحر آفرینی نہیں کر سکتا۔

مقنّع کا دعوائے الوہیت اور اس کی مشرکانہ تعلیمات

دوسرے ملاحدۂ زماں کی طرح مقنّع کے ہفوات کی بنیاد بھی زرتشتی عقاید اور بُت پرست فلسفیوں کے خیالات پر قائم کی گئی تھیں۔ اس کا بدترین مذہبی اصول مسئلۂ تناسخ تھا۔ جس کی بنا پر اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ میرے پیکر میں ظاہر ہُوا ہے یا یوں کہئے کہ میں خدا کا اوتار ہوں چونکہ مدعیٔ الوہیت کے لئے تصرف فی الاکوان کی حاجت ہے۔ اس ضرورت کے لئے اس نے چاند کی کرشمہ سازی دکھائی تھی لیکن مقنّع نے خدائی کی مسند صرف اپنے لئے ہی خالی نہیں رکھی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مظہر خداوندی قرار دیا اور کہا کہ خدائے قدوس سب سے پہلے آدم (علیہ السلام) کی صورت میں جلوہ گر ہُوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کرنے کا حکم ہُوا ورنہ کیونکر روا اور ممکن تھا کہ ملائکہ غیر اللہ کے سجدے کے لئے مامور ہوتے اور ابلیس اس سے انکار کرنے کی وجہ سے مستوجب عذاب اور مردود ابدی ہو جاتا؟" لیکن یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ بنا برتحقیق آدم علیہ السلام فی الحقیقت مسجود نہیں تھے بلکہ محض جہت سجدہ تھے۔ مقنّع کہتا تھا کہ آدم علیہ السلام کے بعد حق تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کی صورت میں حلول کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ذات خداوندی تمام انبیاء کی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ انجام کار خدائے برتر صاحب الدولۃ ابومسلم خراسانی کی صورت میں نمایاں ہُوا۔ اور اب رب العزۃ اسی شان سے میرے پیکر میں جلوہ فرما ہے۔ میں اس زمانہ کا اوتار ہوں اس لئے ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ مجھے سجدہ کرے اور میری پرستش کرے تاکہ فلاح ابدی کا مستحق ہو۔" ہزارہا ضلالت پسند لوگ اس کے دعوائے الوہیت کو صحیح جان کر اس کے سامنے سربسجود ہونے لگے۔ یہ شخص ابومسلم خراسانی کو جسے خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے اس کی شوریدہ سری کی بنا پر قتل کرا دیا تھا حضرت سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے (معاذ اللہ) افضل بتاتا تھا۔ یہ تو اس کی زندقہ شعاری کا حال تھا۔ اب اس کی تعلیمات کا اخلاقی پہلو ملاحظہ ہو۔ اس نے تمام محرّمات کو مباح کر دیا۔ اس کے پیرو بے تکلف پرائی عورتوں سے متمتع ہوتے تھے۔ اس کے مذہب میں مُردار اور خنزیر حلال تھا۔ مقنّع نے صوم و صلوٰۃ اور تمام دوسری عبادتیں برطرف کر دیں۔ اس کے پیرو مسجدیں بنواتے اور ان میں مؤذن نوکر رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص وہاں نماز نہیں پڑھتا۔ البتہ اگر کوئی بھولا بھٹکا پردیسی مسلمان ان کی مسجد میں چلا جائے تو مؤذن اور مقنّع کے دوسرے پیرو موقع ملنے پر اس کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے اس کی نعش کو مستور کر دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسلامی حکمرانوں کی طرف سے ان پر بڑی سختیاں ہوئیں۔ اس لئے اب وہ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

مقنّع کا ہوس استعمار اور قلعوں کی تعمیر

جب مقنّع کا حلقۂ مریدین بہت وسیع ہو گیا تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کیں چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے دو زبردست قلعے طیار کرائے۔ ایک کو وثیق کہتے تھے اور دوسرے کا نام سیام تھا۔ جو پہاڑ میں واقع تھا۔ قلعۂ سیام مضبوطی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی فصیل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سو سے زیادہ بڑی اینٹیں جو اُس زمانہ میں قلعوں کی تعمیر کے لئے طیار کی جاتی تھیں دیوار کے عرض میں لگی تھیں۔ اس کے علاوہ قلعہ کے اردگرد ایک نہایت عریض خندق تھی اور قلعہ کی قوت مدافعت کا یہ عالم تھا کہ اس میں کئی سال کا سامان رسد اور اسلحۂ جنگ کا بہت بڑا ذخیرہ ہر وقت مہیا رہتا تھا۔ مقنّع نے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کرائے اور ان میں مضبوطی سے قدم جمائے اور نہایت بیباکی سے خراسان کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف دھماچوکڑی مچا دی۔ اس اثناء میں

بخارا اور صغد میں باغیوں اور دوسرے شوریدہ سروں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی جن کو مبیضہ کہتے تھے۔ گو ان لوگوں کو مقنع کی سن گھڑت خدائی سے تو کوئی سروکار نہ تھا لیکن اپنے سیاسی مصالح کا خیال کر کے مقنع کے ساتھ ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں ترکوں سے بھی مقنع کو بڑی تقویت پہنچی۔ جو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اکثر اوقات خلافت اسلامیہ کے سرحدی علاقوں میں تاخت و تاراج کر کے بھاگ جایا کرتے تھے۔ اب مقنع اور اس کی اتحادی جماعتوں کا یہ معمول ہو گیا کہ جہاں موقع پایا مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل و غارت کا میدان گرم کیا اور رفوچکر ہو گئے۔

پیروان مقنع سے عساکر خلافت کی مصاف آرائیاں

خلیفہ مہدی نے ابو نعمان جُنید اور لیث بن نصر کو فوج دے کر پیروان مقنع کے مقابلہ پر بھیجا لیکن اسلامی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ لیث کا بھائی محمد بن نصر اور اس کا برادر زادہ حسان بن تمیم اس معرکہ میں کام آئے۔ جب خلیفہ کو اس ناکامی کا علم ہوا تو اس نے ان کی کمک پر جبرئیل بن یحییٰ کو روانہ کیا اور باغیان بخارا و صغد کے مقابلہ میں اس کے بھائی یزید بن یحییٰ کو مامور فرمایا۔ چار مہینہ تک بخارا کے بعض قلعوں پر لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر عساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور بنوک شمشیر اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مقنع کے سات سو پیرو نہنگ شمشیر کا لقمہ بن گئے ہزیمت خوردہ لوگوں میں سے جو زندہ بچے وہ بھاگ کر قلعہ سیام میں چلے گئے جہاں خود مقنع موجود تھا۔ مگر جبریل نے بھی جان نہ چھوڑی۔ اعداء کا تعاقب کرتا اور بھگوڑوں کو مارتا کاٹتا قلعہ سیام پر بجلی کی طرح جا کڑکا اور اُس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک وہ قلعہ میں نہ جا چھپے۔ اب خلیفہ نے ابو عون نام ایک سپہ سالار کو مقنع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر جب اس نے کچھ زیادہ مستعدی اور اولوالعزمی کا ثبوت نہ دیا تو معاذ بن مسلم کو ستر ہزار فوج اور چند آزمودہ کار سپہ سالاروں کے ساتھ مقابلہ کو روانہ کیا۔ معاذ بن مسلم کے مقدمۃ الجیش کا افسر اعلیٰ سعید بن عمرو حریشی تھا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان سپہ سالار عقبہ بن مسلم بھی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ جیش موحدین میں آشامل ہوا۔ ان دونوں نے اتفاق رائے سے طواویس کے مقام پر مقنع کے لشکر پر حملہ کیا۔ مقنع کی جمعیت پہلے ہی حملہ میں ٹوٹ گئی۔ اور اس کے جنگ آور نہایت بے ترتیبی سے بھاگ نکلے اور سیکڑوں کھیت رہے۔ ہزیمت خوردہ فوج نے قلعہ سیام میں مقنع کے پاس جادم لیا۔ یہ دیکھ کر مقنع نے فوراً قلعہ بندی کی اور تمام مورچوں کو مضبوط کیا۔ معاذ بن مسلم نے پہنچتے ہی محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس کے بعد خود معاذ بن مسلم اور سعید بن عمرو حریشی میں باہم سخت کشیدگی ہو گئی۔ سعید نے خلیفہ کے پاس معاذ کی شکایت لکھ بھیجی اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر مجھے تنہا مقنع کے مقابلہ پر مامور فرمایا جائے تو میں اس کا فوراً قلع قمع کر سکتا ہوں۔ خلیفہ مہدی نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ سعید بن عمرو حریشی بلا مشارکت معاذ مقنع کے مقابلہ پر مستعد ہوا۔ لیکن معاذ نے پھر بھی بے نفسی سے کام لیا اور اسلامی عزت و ناموس کا لحاظ کر کے اپنے بیٹے کو سعید کی مدد پر بھیج دیا۔ کاش ہمارے مسلمان لیڈر معاذ کی مثال سے سبق آموز ہو کر اسلامی مفاد کو ذاتیات پر قربان کرنے کی عادت مذموم چھوڑ دیں۔

ملتان سے دس ہزار کھالوں کی روانگی

سعید حریشی زمانۂ دراز تک اس کوشش میں منہمک رہا کہ کسی طرح اسلامی لشکر خندق کو عبور کر کے فصیل قلعہ تک پہنچے لیکن کوئی تدبیر سازگار نہ ہوئی۔ مساعی تسخیر کو شروع ہوئے متعدد سال گزر گئے لیکن ہنوز روز اوّل تھا۔ اس اثنا میں اسلامی لشکر کو بہت سا جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ سوسی

خرابیوں کے علاوہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ مقنع کے پیرو اسلامی لشکر پر جو کھلے میدان میں محاصرہ کئے پڑا تھا ہر وقت قلعہ سے تیر چلاتے اور سنگ باری کرتے رہتے تھے۔ لیکن بایں ہجوم مشکلات سعید نے ہمت نہ ہاری اور اپنی جدّ و جہد کو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ جاری رکھا۔ اب اس نے لوہے اور لکڑی کی بہت لمبی لمبی سیڑھیاں بنوانے کا انتظام کیا تاکہ سیڑھیوں کو خندق کے دونوں سروں پر رکھ کر پار ہو جائیں لیکن کامیابی نہ ہوئی کیونکہ خندق کی چوڑائی مسلمان انجنیروں کے اندازہ سے زیادہ نکلی۔ اب سعید نے خلیفہ مہدی کو لکھا کہ ہزار جتن کئے لیکن قلعہ تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ کسی طرح خندق کو پاٹ دیا جائے۔ ان دنوں ہندوستان میں صوبہ سندھ اور پنجاب کا جنوبی حصہ خلافت بغداد کے زیر نگین تھا۔ خلیفہ نے اپنے عامل سندھ کو لکھا کہ گائے بیل اور بھینس کی جس قدر کھالیں فراہم ہو سکیں جلد ان کے بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔ شاید اُس زمانہ میں یا اسلامی قلمرو میں بوریاں نہ ملتی ہوں گی۔ ورنہ ریت بھرنے کے لئے بوریاں کھالوں سے زیادہ کار آمد تھیں۔ فرمان خلافت کے بموجب ملتان سے گائے بیل اور بھینس کی دس ہزار کھالیں بھیج دی گئیں سعید نے ان کھالوں میں ریت بھرواکر ان کو خندق میں ڈلوانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد خندق پٹ گئی اور مجاہدین قلعہ کے پاس پہنچ گئے۔ اب حصار شکن آلات سے کام لیا جانے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی قلعہ پر حملے شروع کر دیئے گئے۔ مقنع کے پیروؤں نے گھبرا کر مخفی طور پر امان طلب کی۔ سعید نے امان دے دی۔ چنانچہ تیس ہزار آدمی قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ اب مقنع کے پاس صرف دو ہزار جنگ آور باقی رہ گئے۔

مقنع کی "خدائی" کا خاتمہ جب سعید نے محاصرہ میں زیادہ سختی کی تو مقنع نے اپنی ہلاکت کا یقین کر کے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا اور بقول بعض مؤرخین جام زہر پلا پلا کر سب کو نذر اجل کر دیا اور انجام کار خود بھی زہر کا پیالہ پی لیا۔ مرتے وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ بعد از مرگ مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میری لاش دشمن کے ہاتھ میں نہ جائے۔ لشکر اسلام نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کا سر کاٹ لیا اور خلیفہ کے پاس حلب بھیج دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قلعہ میں جس قدر چوپائے اور مال و اسباب تھا۔ پہلے اس کو جلانے کا حکم دیا۔ پھر ساتھیوں سے کہا کہ جس شخص کو اس بات کی خواہش ہو کہ میرے ساتھ خلد بریں میں پہنچ جائے وہ اس آگ میں میرے ساتھ کود پڑے۔ سب خوش اعتقادوں نے حکم کی تعمیل کی اور آگ میں کود کے خاک سیاہ ہو گئے جب لشکر اسلام قلعہ میں داخل ہوا تو کسی انسان یا چارپایہ کا نام و نشان نہ پایا۔ یہ ۱۶۳ھ کا واقعہ ہے اس کے اکثر پیرو جو اکناف ملک میں زندہ رہ گئے۔ مقنع کی تباہی اور فقدان سے اور زیادہ فتنے میں پڑے اور یہ اعتقاد کر بیٹھے کہ مقنع آسمانوں پر چلا گیا ہے۔ ماوراء النہر میں مقنع کے پیروؤں کو مبیضہ کہتے تھے۔ امید نہیں کہ آج تک اُن کا کوئی اثر

کتاب "صواعق محرقہ" میں مقنع کے ہلاک ہونے کی ایک اور دلآویز حکایت لکھی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ جب مقنع محاصرے سے تنگ آگیا تو بہت سی آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں کو خوب شراب پلائی۔ جب وہ نشے میں مدہوش ہو گئے تو انہیں موت کے گھاٹ اتار کر آگ کے بلند شعلوں میں جھونکتا گیا۔ پھر خود ایک بڑی دیگ میں تیزاب بھر کر اس میں بیٹھ گیا۔ اور تیزاب کی تاثیر سے تحلیل ہو کر بے نام و نشان ہو گیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ گمان تھا کہ تمام محصورین قلعہ میں موجود ہیں سا ایک عورت بیماری کی وجہ سے قلعہ کے ایک کونے میں دبکی پڑی تھی۔ جب اسے افاقہ ہوا تو قلعہ میں تنہائی

سے گھبرائی اور دیوارِ قلعہ پر چڑھ کر محاصرین کو پکارا کہ قلعہ میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ سپاہی سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ لشکرِ اسلام قلعے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ واقعی قلعہ خالی ہے۔ مقنع کے بعض معتقد جو پہلی لڑائیوں میں اس سے علیحدہ ہو گئے تھے سن کر نہایت تاسف کرنے لگے کہ وہ فی الحقیقت خدا تھا افسوس کہ ہم نے آخر تک اس کا ساتھ نہ دیا۔ ورنہ ہم بھی اسی کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جاتے۔ مقنع کی آتشِ فتنہ چودہ سال تک شعلہ زن رہ کر ۱۶۳ھ میں منطفی ہوئی[1]

باب ۷ - عبداللہ بن میمون اہوازی

عبداللہ بن میمون اہواز کا رہنے والا تھا جو مضافات کوفہ میں ہے۔ فنون شعبدہ، سحر و طلسمات میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ نبوت و مہدویت کا مدعی تھا۔ اوائل میں حضرت امام جعفر صادقؒ اور ان کے صاحبزادہ اسماعیل کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اسمٰعیل کی رحلت کے بعد ان کے فرزند محمد کے پاس رہنے لگا۔ چنانچہ ان کے ساتھ مصر بھی گیا تھا۔ اس نے محمد کے انتقال کے بعد ان کے غلام مبارک نام کو اس غرض سے کوفہ بھیجا کہ لوگوں کو مذہب اسماعیلیہ کی دعوت دے۔ وہاں وہ مذہب اسماعیلی کے داعی کی حیثیت سے مدت تک کام کرتا رہا۔ اس اثناء میں عبداللہ بھی پہلے کوہستانِ عراق میں اور پھر شہر بصرہ میں جا کر اسماعیلی مذہب کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہا۔

اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف موقع کی رعایت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلافِ امامت بھی بیان کر دیا جائے۔ امام جعفر صادقؒ کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے اسمٰعیل تھے جنہوں نے پدر بزرگوار کی زندگی میں امانت حیات ملک الموت کے سپرد کی۔ دوسرے امام موسیٰ کاظمؒ جو اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادقؒ کے بعد امام ہوئے اور جن کی نسل سے شیعہ لوگ بارہ اماموں کا سلسلہ پورا کرتے ہیں لیکن اسمٰعیلیہ امام جعفر صادقؒ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کو امام برحق تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؒ تو اپنے والد امجد کے عین حیات رحمت الٰہی کے جوار میں چلے گئے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی جانشینی بالکل بے معنی ہے" تو انہوں نے جواب دیا کہ امامت پہلے امام کی زندگی میں بھی دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے" اسمٰعیلیہ اسمٰعیلؒ کے بعد محمد بن اسمٰعیل کو امام برحق مانتے ہیں اور امام موسیٰ کاظمؒ کی امامت کے منکر ہیں۔ عبداللہ اہوازی پہلے تو کچھ مدت تک لوگوں کو خالص اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا لیکن بعد کو اس نے اس مسلک میں کچھ ترمیمیں کر کے اس میں الحاد و بیدینی کے جراثیم داخل کر دیئے اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی نبوت و مہدویت کا بھی ڈھنڈورہ پیٹنے لگا۔

باطنی طریقہ کی بناء و تاسیس مشہور یہ ہے کہ عبداللہ بن میمون ہی باطنی فرقہ کا بانی ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں باطنی کفریات کا بانی و مؤسس دراصل عبداللہ کا باپ میمون بن دیصان معروف بہ قداح اہوازی مجوسی تھا جو امام جعفر صادقؒ کا آزاد غلام تھا۔ یہ شخص در پردہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ جب اسے والئ عراق نے کسی جرم میں قید کیا تو اس نے عزم

---

[1] ماخوذ از تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ ابن خلکان، کتاب الفرق بین الفرق، تاریخ کامل و بعض دیگر کتب ۱۲

صمیم کر لیا کہ جس طرح پولس نے مسیحیت میں کفر و شرک کی آمیزش کر کے اس کو بگاڑ دیا تھا اسی طرح اسلام میں بھی الحاد و زندقہ کے جراثیم داخل کر کے اسکو بگاڑ دیا جائے چنانچہ اس جذبہ کے ماتحت اس نے قید خانہ ہی میں باطنی مسلک کے اصول قائم کئے قید سے رہا ہونے کے بعد میمون نے اپنے بیٹے عبداللہ کو پہلے تو شعبدہ بازی اور ڈھٹ بندی کی اور پھر اپنے ملحدانہ مسلک کی تعلیم دی۔ اس سے پیشتر عبداللہ نے مسلمان ہو کر اسماعیلی مذہب اختیار کر رکھا تھا اور اسمٰعیلی مذہب کا نہایت سرگرم رکن تھا عبداللہ کو باپ کے وضع کئے ہوئے باطنی اصول پسند آئے اور اس نے اسمٰعیلی مذہب کو خیرباد کہہ کر باپ کا طریقہ اختیار کر لیا اور باطنی مسلک کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی۔ اب عبداللہ نے اپنے باطنی پیرؤں کو باپ کی نسبت سے میمونیہ کہنا شروع کیا لیکن وہ باطنیہ کے نام سے موسوم کئے جانے لگے۔ اور اسی نام سے دنیا میں مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد عراق میں ان کو قرامطہ اور مزدکیہ اور خراسان میں مزدکیہ اور ملحدہ بھی کہنے لگے۔ عبداللہ نے باطنی مذہب کی ترویج کے لئے خلف نام ایک زیرک ولسان شخص کو اپنے نائب کی حیثیت سے خراسان کاشان طبرستان اور قم کی طرف روانہ کیا۔ خلف نے وہاں کے لوگوں کو مذہب میمونیہ کی دعوت دی۔ اور کہا کہ "اہل بیت اطہار کا یہی مسلک ہے۔ نام نہاد مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب تراش لئے ہیں، تکلفات اور تشریعات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں اور لذائذ و نفائس سے محروم ہو رہے ہیں"۔ جب رؤسائے اہل سنت کو اس کی مفویانہ سرگرمیوں کا علم ہوا تو اسے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ رے کی طرف بھاگ نکلا۔ لیکن وہاں کچھ مدت تک بے تعرض اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہ کر موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ احمد اس کا جانشین مقرر ہوا۔ احمد بن خلف نے اس زمانہ کے ایک مشہور شاعر غیاث نام کو جو علوم عقلیہ اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ چالاکی اور غداری میں بھی سرآمد روزگار تھا ۲۰۲ھ میں باطنی مذہب کا داعی مقرر کر کے عراق کی طرف بھیجا۔ غیاث نے پہلے پہل اصول مذہب باطنیہ میں ایک کتاب تصنیف کر کے اس کا نام البیان رکھا۔ اس کتاب میں باطنی مذہب کے مطابق صوم، صلوٰۃ، وضو، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام کے معانی بیان کر کے ان پر بزعم خود شواہد لغت قائم کئے البیان میں لکھتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی مراد وہی ہے جو باطنی بیان کرتے ہیں۔ اور مولویوں نے جو کچھ سمجھا ہے غلط محض ہے۔ غیاث کی کوششوں سے باطنی مذہب کو بڑی رونق نصیب ہوئی۔ آزاد خیال لوگوں کو یہ نیا طریقہ جو کمال درجہ کی آزادی اور بیباکی سے ہم کنار تھا بہت پسند آیا۔ ہزارہا آدمی اس کے معتقد ہو گئے۔ اور اطراف و اکناف ملک میں اس کی دعوت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس وقت سے تشیّع میں الحاد و فلسفہ کی مزید آمیزش شروع ہوئی سینکڑوں "خوش اعتقاد" اس کے حلقۂ درس میں روزانہ شامل ہوتے تھے اس نے علمائے اہل سنت سے مناظرے کئے مگر ہر میدان میں شکست کھائی تاہم اس کی مفسدہ انگیزی روز افزوں ترقی پذیر رہی۔ اسی اثناء میں کسی نے اس سے کہہ دیا کہ "رؤسائے اہل سنّت تجھے گرفتار کرنے کی فکر میں ہیں"۔ یہ سن کر وہ مرو کی طرف بھاگ گیا۔ اور مخفی طور پر اشاعت مذہب میں سرگرم رہا۔ مدت کے بعد پھر رے کا قصد کیا لیکن راستے ہی میں مر گیا۔ عبداللہ بن میمون اس کے مرنے کی خبر سن کر ایسا مغموم ہوا کہ بیمار ہو گیا آخر جانبر نہ ہو سکا۔ اور توسن حیات کی باگ عالم آخرت کی طرف پھیر دی۔

باطنی فرقہ کے اصول و عقائد

اسماعیلی مذہب چھوڑنے کے بعد عبداللہ بن میمون نے جس باطنی طریقہ کی دعوت کی طرح ڈالی اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ نصوص کے ظاہر الفاظ پر عمل کرنا حرام اور ان کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے۔ چونکہ تمام نصوص میں تحریف کرتا تھا۔ اس لئے حشر و نشر اور جزاء و سزا کا بھی منکر ہو گیا۔ باطنیہ کے نزدیک شرائع اسلام کے جس قدر احکام وارد ہوئے ہیں

ان کے ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں بلکہ وہ ہر آیت قرآنی کی اپنی مرضی کے مطابق ایسی بے ہودہ اور لچر تاویل کرتے تھے جسے ظاہری الفاظ سے کوئی لگاؤ نہ ہوتا تھا۔ باطنیوں کی زندہ مثال آج کل کے مرزائی ہیں لیکن مرزائیوں اور باطنیوں میں یہ فرق ہے کہ مرزائی تو عموماً انہی آیتوں اور روایتوں میں تحریف و تبدیل کرتے ہیں جو مرزائی ہفوات کے خلاف ہیں بالخصوص مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی خانہ ساز مسیحیت پر پانی پھیرنے والی ہیں اور دوسرے مرویات کو انہوں نے عموماً بے تعرض علی حالہا چھوڑ دیا ہے اور اہل سنت وجماعت کی طرح ان کے ظاہری الفاظ سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں زیادہ تر انہی کو واجب العمل ٹھہرایا ہے لیکن باطنیہ کے نزدیک تمام احکام ماؤّل ہیں اور کسی آیت و روایت سے وہ مطلب مراد نہیں جو ظاہری الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ ان سے باطنی رموز واشارات مراد ہیں جو امام معصوم کی تعلیم ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ باطنیہ کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے تنزیل کہتے ہیں اور ایک باطن ہے جو تاویل کہلاتا ہے۔ ظاہر باطن کا مظہر اور باطن ظاہر کا مصدر ہے اور کوئی ظاہر ایسا نہیں جس کا باطن نہ ہو۔ ورنہ وہ فی الحقیقت لاشئے محض ہے اور کوئی باطن نہیں جس کا ظاہر نہیں ورنہ وہ محض خیالی ہے۔ چنانچہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ مگر ظاہر جو لغت سے مفہوم ہوتا ہے ہرگز قابل اعتقاد وعمل نہیں۔ بلکہ حقیقی مقصود اور قابل اعتقاد وعمل وہی ہے جو اس کا باطن ہے۔ مثلاً نماز کا باطن امام وقت کی اطاعت ہے۔ روزہ کا باطن یہ ہے کہ اپنے مذہب ومسلک کو اغیار سے مخفی رکھا جائے۔ اور حج کا باطن امام کے حضور میں پہنچنا ہے۔ باطنیہ نے احکام شرعی میں جو جو تحریفیں کیں وہ ان کی کتابوں میں بطور مصطلحات فقہ شرح وبسط سے مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے	الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے
ملائکہ	باطنی فرقہ کے داعی ومستاد	میقات	وقتِ اجابت
جبرئیل	محمدؐ کی عقل وفراست	صفا	محمدؐ
شیاطین	ظاہر پر عمل کرنے والے	مروہ	وصی
جن	گنوار لوگ	نار ابراہیمؑ	نمرود کے غصہ کی آگ
نبی	ناطقِ حق	ذبح اسماعیلؑ	اسمٰعیلؑ سے جدید عہد لیا گیا۔
وحی	اساس حق گوئی	یاجوج ماجوج	علمائے ظاہر
قیامت	کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف عود کرنا۔	طوفانِ نوحؑ	کثرتِ علم نوحؑ
جنت	جسمانی راحت	کشتیٔ نوحؑ	جزیرہ جس میں امت نوحؑ محصور ہوئی
دوزخ	جسمانی تکلیف	عصائے موسیٰؑ	موسیٰؑ کی دلیل وحجت
کعبہ	محمدؐ	اذان	لوگوں کو امام کی اطاعت پر آمادہ کرنا
باب	علیؓ	نماز	امام سے موالات کرنا
تلبیہ	اجابت دعوت	نماز باجماعت	متابعتِ امام معصوم
طواف	ائمۂ طاہرین کے گھر	حج	امام کی زیارت کے لئے جانا

تلبیہ	اجابتِ مدعو	تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے آئین مذہب حاصل کرنا
روزہ	امام کا راز افشاء نہ کرنا	زنا	بلا عہد و میثاق افشائے سرِ امام باطنیہ
زکوٰۃ	دل کی صفائی اور پاکیزگی	احتلام	نادانستہ اعتبار سے افشائے راز کرنا
غسل	توبہ کرکے امام سے دوبارہ عہد کرنا	جنابت	بھید ظاہر کرنا
وضو	امام سے آئین مذہب حاصل کرنا۔	مسیح کا مردے زندہ کرنا	دلوں کو علم و ہدایت سے زندہ کیا۔ؔ

باطنیہ نے اسی طرح سے صدہا مسائل میں ظاہر کی باطنی تاویل و تحریف کی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس تحریف کاری نے دینِ حنیف کو بالکل ایک موہوم چیز اور موم کی ناک اور بچوں کا کھیل بنادیا۔ ان تحریفات سے بالکل عیاں ہے کہ ان باطنی ملاعنہ سے تو یہود و نصاریٰ ہی ہزار درجہ اچھے ہیں جو ملائکہ، قیامت، جنت، دوزخ، شیاطین، وحی، نارِ ابراہیمؑ، طوفانِ نوحؑ، کشتیٔ نوحؑ، عصائے موسیٰؑ وغیر ذالک من الامور کو اسی رنگ میں تسلیم کرتے ہیں جس طرح اہل ایمان کا عقیدہ ہے۔ باطنیہ کہتے تھے کہ ظاہر بمنزلہ پوست کے اور باطن بمنزلہ مغز کے ہے۔ اس لئے ہم پوست کو چھوڑتے اور اس کے مغز کو لے لیتے ہیں۔ لیکن اس زندقہ پسندی نے تمام قرآن اور مجموعۂ احادیث نبویہ کو بالکل بیکار کردیا۔ اہل سُنت و جماعت کے نزدیک احکام و نصوص کے ظاہری الفاظ سے جو کچھ لغت کے رُو سے سمجھ میں آتا ہے۔ وہ بتمامہا واجب العمل ہے۔ اہل حق کے نزدیک دینِ الٰہی ظاہر ہے جس کا کوئی باطن نہیں۔ باوجود اس کے رموز و اشارات بھی ہیں جو ظاہری الفاظ کے منافی نہیں۔ مثلاً موسیٰؑ اور فرعون کا وجود اہل سنت و جماعت کے نزدیک ثابت ہے اور جو واقعات ان کے باہم رونما ہوئے وہ بھی مسلّم ہیں۔ باوجود اس کے اگر کوئی شخص ان وقائع سے مثلاً روح و نفس کا قضیہ مراد لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اور قرآن میں جہاں کہیں موسیٰؑ اور فرعون کی آویزش کا ذکر ہے وہاں رُوح اور نفس ہی کی کشمکش مُراد ہے بالکل لغو اور صریح کفر و بے دینی ہے۔

باطنیہ کے بعض دوسرے عقاید باطنیوں نے خالق کردگار کو صفات الوہیت سے عاری قرار دے کر رب العلمین کو بالکل بیکار اور معطل بنادیا۔ کہتے تھے کہ اگر ذات باری کو صفات سے متّصف مانا جائے تو تشبیہ لازم آئے گی۔ اور خالق مخلوق کے مشابہ ہوجائے گا۔ پس ان کے زعم میں خدا کو مثال کے طور پر صفت وجود کے ساتھ متصف نہ کرنا چاہیئے۔ یعنی اسے موجود نہ ماننا چاہیئے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معدوم نہیں ہے۔ اسی طرح اسے قادر، عالم، حیّ کے صفات سے بھی موصوف نہ ماننا چاہیئے بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ وہ عاجز نہیں، جاہل نہیں، میّت نہیں۔ اور اگر خدا کو اس لحاظ سے قادر کہا جائے کہ اس نے دوسروں کو قدرت عطا کی تو جائز ہے۔ لیکن اگر اسے اس اعتبار سے قادر کہیں کہ اس میں قدرت ہے تو ایسا کہنا شرک ہے اسی طرح خدا کی طرف صفات کی نسبت محض اس وجہ سے کی جاسکتی ہے کہ اس نے مخلوق کو وہ صفتیں عطا کیں اور اگر اس عقیدہ سے یہ صفتیں اس کی طرف منسوب کی جائیں کہ اس میں وہ صفتیں پائی جاتی ہیں تو ایسی نسبت ان کے نزدیک معصیت ہے۔ باطنیہ کو معجزات انبیاءؑ سے بھی انکار ہے وہ ہنود کی طرح قیامت کے منکر اور تناسخ کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ آدم (علیہ السلام) سے پہلے بھی بہت بشر گزر چکے ہیں۔ دنیا کو ہنود کی طرح حادث نہیں بلکہ قدیم مانتے ہیں۔ بہن بیٹی سے شادی کرتے ہیں۔ چنانچہ قیروانی باطنی نے سلیمان

ؔ ماخوذ از کتاب الفرق بین الفرق و تلبیس ابلیس للشیخ ابن جوزی رح و دبستانِ مذاہب ۱۲

بن حسن کو اپنے ایک رسالہ میں لکھا "مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو صاحب عقل و خرد ہونے کا مدعی ہو اور اس کے گھر میں حسینہ و جمیلہ بہن یا بیٹی ہو تو خود اس سے شادی نہ کرے اور اجنبی لوگوں کے حوالے کر دے۔ اگر یہ جاہل جانتا کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا خود سب سے زیادہ مستحق ہے تو کسی اجنبی کو کبھی تفویض نہ کرتا" قیروانی نے یہ بھی لکھا کہ اصحاب شریعت نے لوگوں کو خواہ مخواہ نماز روزہ حج وغیرہ قسم کے جھمیلوں میں پھنسا رکھا ہے۔ اور ناحق طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے خلق خدا کو لذات و تنعمات سے محروم کر رہے ہیں[1]" یہ لوگ ہر عورت کو بلا نکاح حلال سمجھتے ہیں جو کوئی حج کرے یا نماز پڑھے اس کا مذاق اڑاتے ہیں[2] ان عقاید و اعمال سے قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ باطنی لوگ دہریوں اور بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ بھی کسی اخلاق کے پابند ہوتے ہیں لیکن باطنی ملاحدہ ساری دنیا سے گئے گزرے ہیں۔

باطنیوں کے طریق ہائے دعوت

باطنیہ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے لئے کئی قسم کے حیلے اختیار کر رکھے تھے اور انہوں نے مرزائیوں کی طرح تمام ملک میں پروپیگنڈے کا زبردست جال بچھا رکھا تھا۔ داعی کے لئے یہ لازمی شرط تھی کہ وہ فن تلبیس کا پورا ماہر ہو۔ اس میں ظاہر کو مأوّل کر کے باطن کی طرف پھیرنے کی کامل استعداد ہو۔ دُعاۃ کو ہدایت تھی کہ وہ کسی ایسے گھر میں داخل نہ ہوں جہاں چراغ جل رہا ہو۔ یعنی کسی ایسی جگہ تبلیغ نہ کریں جہاں علم کلام کا کوئی عالم موجود ہو۔ کیونکہ کسی متکلم کی موجودگی میں باطنی دعوت کے پنپنے کی کوئی امید نہ تھی۔ (کلام اس علم کا نام ہے جس میں اسلامی اصول و عقائد کو عقلی دلائل و براہین سے ثابت کیا جاتا ہے) ان کو یہ بھی ہدایت تھی کہ بنجر زمین میں تخم ریزی نہ کریں یعنی کسی ایسے ذی علم راسخ الاعتقاد مسلمان کے سامنے اپنے ملحدانہ خیالات کا اظہار نہ کریں جس کے اثر پذیر ہونے کی امید نہ ہو۔ وہ اس کے بھی مامور تھے کہ آغاز دعوت سے پہلے اس امر کی خوب تحقیق کر لیا کریں کہ ان کا زیر تبلیغ آدمی کن خیالات و عقائد کا دلدادہ ہے۔ پھر یہ دعوت اصناف بھی ایک طرح پر نہ تھی۔ جو شخص جن جذبات و امیال کا پیرو ہوتا تھا اس سے انہی مسائل میں گفتگو کر کے اس کو باطنی الحاد کی ترغیب دی جاتی تھی پس جس شخص کو داعی دیکھتا تھا کہ عبادت کی طرف مائل ہے تو اس پر زہد و عبادت ہی کا جال پھینکتا۔ پھر اس سے عبادات کے معانی اور فرائض کے علل و وجوہ دریافت کرتا اور اسی بحث و تمحیص میں اس کو ورطۂ شبہات میں ڈال دیتا تھا۔ اور جس کو دیکھتا کہ شوخ طبع اور بیباک ہے اس سے کہتا کہ عبادت خواہ مخواہ کی زحمت بلکہ حماقت ہے۔ عقلمند آدمی کا فرض ہے کہ حصول لذات میں کوتاہی نہ کرے۔ اور جس کو دیکھتا کہ اسے دین کے متعلق کچھ شکوک ہیں یا معاد اور ثواب و عقاب میں کچھ خلجان ہے تو اس کے سامنے صراحتاً ان چیزوں کی نفی کرتا۔ اسے استباحت محرمات کی ترغیب دیتا اور اس کے سامنے اس قسم کے اشعار پڑھنے لگتا ع

أأترك لذة الصهباء صرفا | لما وعدوه من لحم وخمر | حياة ثم موت ثم نشر | حديث خرافة يا أم عمرو

جس کسی کو دیکھتا کہ غلاۃ رافضہ میں سے ہے۔ مثلاً اس کا تعلق سبابیہ، بیانیہ، مغیریہ، منصوریہ یا خطابیہ میں سے کسی جماعت سے ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا۔ اور اس کے سامنے آیات و احادیث کی باطنی تاویلیں پیش نہ کرتا کیونکہ وہ لوگ خود ہی اپنی ضلالت و کجروی کے بموجب تاویل و تحریف کے ورطہ میں پڑے ہیں۔ البتہ اگر دیکھتا کہ روافض میں سے زیدی یا امامی ہے اصحاب کرام پر طعن و تشنیع کرنے سے خوش ہوگا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف دشنام گوئی کی غلاظت اچھالنے لگتا اور

[1] الفرق بین الفرق ص ۲۸۱ — ۲۸۲ [2] ایضاً ص ۲۹۰

اس کو تاکید کرتا کہ بنی تیم اور بنی عدی کے بغض میں ثابت قدم رہے۔ (بنو تیم قریش کے ایک قبیلہ کا نام تھا جس میں امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور بنو عدی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کا نام تھا) اور اسے اسماعیل بن عباد رافضی کے یہ شعر پڑھ کر اپنی طرف مائل کرتا ؎

دخول النار فی حب الوصی   وفی تفضیل اولاد النبیؐ

احبّ الیّ من جنات عدن   اخلدھا بتیمٍ او عدیٍ

علامہ عبد القاہر بغدادی نے ان اشعار کا یہ جواب دیا ہے ؎

أتطمع فی دخول جنات عدنٍ   وأنت عدوّ تیمٍ او عدیٍ

وھم ترکوک اشقیٰ من ثمودٍ   وھم ترکوک افضح من دعی

وفی نار الجحیم غداً ستصلیٰ   اذا عاداک صدیق النبیؐ

اور باطنی داعی جس کسی کو حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کی طرف مائل دیکھتا تو اس پر حضرات شیخین رضہ کی مدح و ستائش کے پھول برسانے لگتا اور کہتا کہ تاویل شریعت میں بھی ایک خاص حظ ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ نے تاویل ہی کا علم حاصل کرنے کے لئے مکۂ معظمہ سے غار تک اور غار سے مدینہ منورہ تک حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی تھی۔ اور حب شیخین رضہ کا محب تاویل مذکور کے متعلق سوال کرتا تو وہ اس سے حلف اور عہد و میثاق لیتا کہ جو کچھ اسے بتایا جائے اسے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے گا۔ پھر اس پر علی التدریج بعض تاویلیں ظاہر کرتا۔ اگر وہ اس تاویل کو قبول کر لیتا۔ تو اسے باقی ماندہ تاویل بھی بتا دیتا ورنہ اسی میں اُلجھا کر ارکان شریعت میں شکوک اور وساوس پیدا کر دیتا۔ یہاں صرف چند طرق اضلال نمونتہً عرض کئے گئے ہیں۔ جو حضرات باطنیہ کی اغوا کوشیوں کے مزید نظائر پر مطلع ہونا چاہیں وہ کتاب الفرق بین الفرق (صفحات ۲۸۲-۲۹۹) کا مطالعہ فرمائیں۔

ہندوستان میں باطنیہ کی فتنہ پرور دعوت

اہل ایمان کو دین حنیف سے نافر در میدہ کرنے کا ایک باطنی ہتھکنڈا یہ تھا کہ وہ جس مقام پر دیکھتے کہ مسلمان کمزور اور قلیل التعداد ہیں اور کوئی اسلامی حکومت بھی ان کی زیادہ رسی کے لئے موجود نہیں۔ وہاں اسلام کے مذہبی شعائر کا مضحکہ اڑاتے۔ کسی کو نماز پڑھتا دیکھتے تو اس کی نقلیں اُتارنے لگتے۔ اگر کوئی مومن عازم بیت اللہ ہوتا تو ارکان حج کی نقالی کر کے اسے عزم حج سے باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ باطنیہ کی دعوت کا جال فارس عراق اور خراسان سے گزر کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ ہندوستان میں شہر ملتان ان کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں ان لوگوں کی بڑی اکثریت تھی اور مسلمان بہت اقلیت میں تھے۔ یہاں بھی باطنیہ نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ کسی مسلمان کی مجال نہ تھی کہ وہ اُن اعمال کو جو باطنی مشرب کے خلاف تھے انجام دے سکے یا مسلمانوں کو اتنی آزادی ہو کہ جمعہ، عیدین یا دوسرے اسلامی شعائر علانیہ ادا کر سکیں۔ آخر خداوند عالم نے سلطان محمود غزنوی کو ابر رحمت کی طرح ہندوستان بھیج دیا۔ جب سلطان نے ملتان فتح کیا اور یہاں کے باطنیوں کی چیرہ دستیاں اور ظلم آرائیاں اس کے گوش زد ہوئیں تو اس نے باطنی شیاطین دعوت کو جو خمیر مایۂ فساد تھے گرفتار کر کے عفریت شمشیر کے حوالے کر دیا اور دوسرے باطنیوں کا جو ان کے معاون و شریک کار تھے بایاں بایاں ہاتھ کٹوا

کو حکم دیا کہ خبردار! آئندہ کسی کے مذہب میں ایسی بے جا مداخلت نہ کرنا۔ سلطان محمود رحمہ اللہ ملتان کے فرمانروا ابوالفتح لودھی کو جو باطنی المشرب تھا گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ یہی وہ شخص تھا جس کی شہ پا کر شعائر اللہ کی توہین کی جاتی تھی اور ملت حنیفی باطنی ملاحدہ کے ہاتھوں یتیمی اور کس مپرسی کے حصار میں گھری ہوئی تھی۔

باب ۱۸۔ بابک بن عبداللہ خرمی

پیدائش اور طفولیت بابک کا باپ جسے عبداللہ کہتے تھے مدائن کا ایک تیلی تھا۔ اس نے آذربیجان کی سرحد پر ایک گاؤں میں جو بلال آباذ کے نام سے موسوم ہے سکونت اختیار کر لی تھی۔ بابک کا باپ عالم شباب میں اپنی پیٹھ پر تیل کا برتن رکھ کر رستاق کے دیہات میں تیل بیچا کرتا تھا۔ اس اثناء میں ایک عورت سے اس کی آشنائی ہو گئی۔ یہ ناجائز تعلق عرصہ دراز تک قائم رہا۔ ایک مرتبہ اس عورت کے گاؤں کی چند عورتیں اپنی بستی سے نکل کر کسی طرف جا رہی تھیں۔ راستہ میں انہیں پیاس لگی تو پانی پینے کے لئے ایک چشمہ پر گئیں۔ وہاں پہنچ کر کچھ ترنم کی سی آواز سنائی دی۔ یہ عورتیں اس آواز پر گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہی تیلی ان کے گاؤں کی عورت سے رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ اور پاس شراب رکھی ہے۔ یہ دفعتہً ان کے سر پر جا پہنچیں۔ تیلی بھاگ گیا۔ اس عورت کو انہوں نے بالوں سے پکڑ لیا کھینچتی ہوئی اپنے گاؤں کو لائیں اور اسے بستی والوں سے بری طرح ذلیل کرایا۔ اسکے بعد تیلی نے اس کے باپ سے عقد تزویج کی درخواست کی۔ چنانچہ اس عورت سے اس کا باقاعدہ نکاح ہو گیا اور اس کے بعد بابک متولد ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ جن مؤرخوں نے بابک کو ولدالزنا لکھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے کیونکہ بابک کا تولد نکاح سے پہلے تعلقات کا نتیجہ نہ تھا۔ بابک کی پیدائش کے تھوڑے ہی دن بعد اس کا باپ کوہ سبلان کو گیا۔ اور وہیں مارا گیا۔ اب بابک کی ماں دایہ گری کا کام کرنے لگی۔ بابک نے ہوش سنبھالا تو گائیں چرانے پر نوکر ہو گیا۔ جب دس سال کا تھا تو ایک مرتبہ اس کی ماں دوپہر کے وقت اس کے پاس چراگاہ میں گئی اور دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے سو یا ہے لیکن کپڑا کھل جانے سے برہنہ ہو رہا ہے۔ جب اس کی ماں قریب گئی تو اس کے سینہ اور سر کے ہر بُن مُو کو خون آلودہ پایا۔ اس نے بابک کو بیدار کیا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ماں نے جو خون دیکھا تھا اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن اب اسکے بالوں میں خون کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ اس کی ماں کا بیان ہے کہ میں نے اسی واقعہ سے جان لیا تھا کہ میرا بیٹا بہت کچھ عروج حاصل کرے گا۔ چند سال تک مویشی چرانے کے بعد بابک برستاق کے ایک رئیس شبل بن منقی ازدی کے پاس ملازم رہا۔ اس عرصہ میں اس نے شبل کے غلاموں سے طنبورہ بجانا بھی سیکھا۔ برستاق کو الوداع کہہ کر تبریز پہنچا۔ اور وہاں دو سال تک محمد بن رواد ازدی نام ایک رئیس کے پاس نوکری کرتا رہا۔ وہاں سے اپنی ماں کے پاس موضع بلال آباذ میں چلا آیا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

جنگی حکومت کی سایہ افگنی اور آفاقی بیوی سے شادی آذربیجان کے پہاڑوں میں ایک قصبہ بذ کے نام سے موسوم تھا۔ اس سلسلۂ کوہ میں دو رئیس برسر اقتدار تھے۔ جن میں باہم رقابت تھی۔ ایک کو ابوعمران کہتے تھے اور دوسرے

عله الفرق بین الفرق (ص ۲۶۷) وغیرہ

کا نام جاویدان بن سہرک تھا۔ کوہ بذ کی ملکیت کے متعلق ان میں ہمیشہ جھگڑے قضیئے برپا رہتے تھے۔ ہر ایک کی یہی تمنّا تھی کہ اس سرزمین کو اپنے حریف کے خار وجود سے پاک کر کے بلا شرکت غیرے ریاست کا مالک ہو جائے۔ ایام گرما میں دونوں ہر سال برسرِ پیکار رہتے۔ لیکن موسم سرما کے شروع میں جب برف پڑنے لگتی تو مجبوراً عربدہ جوئی سے دست بردار ہو جاتے۔ ایک سال جاویدان دو ہزار بکریوں کا ریوڑ لے کر بذ سے شہر زنجان کی طرف روانہ ہُوا جو قزوین کی سرحد پر ہے۔ وہاں بکریاں فروخت کر کے بذ کی طرف مراجعت کی۔ راستہ میں جب موضع بلال آباد پہنچا تو شدید برف باری شروع ہو گئی جس کے باعث انقطاع سفر ناگزیر تھا۔ موضع بلال آباد کے ایک آدمی سے کہا کہ کوئی ایسا مکان بتاؤ جہاں ہم چند روز قیام کر سکیں۔ وہ شخص اسے بابک کی ماں کے پاس لے گیا۔ بابک اور اس کی ماں نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ جاویدان جتنے دن وہاں رہا بابک نے اپنی خدمت گذاری سے اس کو بہت خوش کیا۔ جاتے وقت جاویدان بابک کی ماں سے کہنے لگا کہ اگر تم اپنا بیٹا میری ملازمت میں دے دو تو میں پچاس درہم ماہانہ تنخواہ دُوں گا۔ اور یہ رقم ہر مہینہ تمہارے پاس پہنچ جایا کرے گی۔ (درہم قریباً چار آنے کا ہوتا تھا) بابک کی ماں رضامند ہو گئی اور بابک جاویدان کے ساتھ کوہ بذ میں چلا گیا۔ تھوڑے روز میں جاویدان اور ابوعمران میں پھر سلسلۂ رزم وپیکار شروع ہُوا۔ ابوعمران مارا گیا۔ اور جاویدان نے اس کے تمام املاک پر قبضہ کر لیا۔

بابک ایک جوان رعنا تھا۔ جاویدان کی عورت اس پر فریفتہ ہو گئی۔ اور دونوں میں عاشقانہ تعلقات قائم ہو گئے تھوڑے عرصہ میں جاویدان مر گیا۔ اور قبل اس سے کہ کسی کو جاویدان کے مرنے کی اطلاع ہو اس کی بیوی رات کے وقت بابک سے کہنے لگی کہ جاویدان مر گیا ہے اور میری خواہش ہے کہ تمہیں برسرِ حکومت کر کے تم سے باقاعدہ شادی کر لوں۔" بابک کہنے لگا میں تمہارے شوہر کا ایک ادنیٰ خادم تھا۔ لوگ میری متابعت پر کس طرح رضامند ہوں گے؟ اور تمہاری قوم میرے ساتھ تمہارے عقدِ ازدواج کو کیونکر گوارا کرے گی؟ عورت نے کہا کہ میں نے ایک حیلہ تجویز کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں ان لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔" بابک نے کہا تم نے کیا حیلہ تراشا ہے؟ بولی میں کل تمام قوم کو جمع کر کے ان سے کہوں گی کہ جاویدان نے اپنی وفات سے پہلے کہا تھا کہ آج رات میں نے مرنے کا قصد کیا ہے۔ لیکن میری روح میرے بدن سے نکلتے ہی بابک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور اس کی روح سے متحد ہو جائے گی۔ میرے بعد بابک ہی میری قوم کا سردار ہو گا۔ وہ جبابرہ کو ہلاک کر کے مزدکیہ کو از سرِ نو عروج بخشے گا۔ اور قوم کے پسماندہ لوگوں کو آسمان عزت پر بٹھائے گا۔" یہ سُن کر بابک کا ساغرِ دل خوشی سے چھلک گیا۔ اور کہنے لگا ہاں ہاں کوئی ایسی ہی تدبیر کرو۔" دوسرے دن عورت نے جاویدان کے لشکر کو جمع کر کے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ عمایدِ سپاہ پوچھنے لگے کہ اس نے رحلت سے پہلے ہم کو بلا کر کیوں وصیّت نہ کی؟ عورت بولی کہ "تم لوگ دیہات میں متفرق ہو رہے تھے اگر تم کو طلب کر کے اجتماعِ عام کا انتظام کیا جاتا تو خوف تھا۔ کہ عربوں کی طرف سے کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ اب جو کچھ وہ وصیت کر گیا ہے اس کو سُن لو۔ میں دیکھوں گی کہ تم اس کی وصیت بجا لاتے ہو یا نہیں۔" سردارانِ لشکر کہنے لگے کہ جب ہم نے زندگی میں کبھی مخالفت نہ کی تو اب اس کے مرنے کے بعد کیا خلاف کریں گے؟ کہنے لگی کہ جاویدان کل بالکل صحیح وسالم تھا۔ اچانک کہنے لگا کہ میں نے دنیا کو

الوداع کہنے کا عزم کرلیا ہے۔ اس لئے آج ہی رات اس سرائے فانی سے کوچ کر جاؤں گا۔ لیکن میری روح نکل کر اس نوجوان خادم بابک کے بدن میں داخل ہوجائے گی، اور یہی نوجوان اس سرزمین کا مالک ہوگا" اور مجھے تاکید کی کہ جب میں مرجاؤں تو میری قوم کو اس کی اطلاع کر دینا۔ اور یہ بھی جتلا دینا کہ جو شخص میری وصیت سے اعراض کرے گا۔ اور میری عزیز و محبوب خواہش پر اپنی رائے اور مرضی کو ترجیح دے گا۔ وہ ہمارے دین سے خارج ہوجائے گا" یہ سنکر سب قائدین لشکر نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہ کر گردنیں جھکا دیں۔ اور بولے ہمیں حسب وصیت اس نوجوان کی متابعت منظور ہے" اب اس عورت نے ایک بیل منگوایا اور اس کو ذبح کرکے اس کی کھال کو پھیلانے کا حکم دیا۔ اس کھال پر ایک تشت رکھا گیا جو شراب سے لبریز تھا۔ اس کے بعد روٹیاں منگوائی گئیں اور ان کے ٹکڑے تشت کے گرد جمع کر دیئے گئے۔ اب عورت نے حکم دیا کہ ایک ایک آدمی آئے اور کھال پر پاؤں رکھ کر روٹی کا ٹکڑا اٹھائے اور شراب میں ڈبو کر کھالے۔ پھر کہے کہ اے بابک کی روح! میں تجھ پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح اس سے پیشتر جاویدان کی روح پر ایمان لایا تھا۔ اس کے بعد بابک کے سامنے حاضر ہو اور اس کا ہاتھ چوم کر اس سے بیعت کرے۔ تمام حاضرین نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پھر سب کو کھانا کھلایا گیا۔ فراغت کے بعد بادۂ گلگوں کا دور چلا۔ اب صرف بابک سے نکاح کئے جانے کی رسم باقی تھی۔ یہ اس طرح انجام دی گئی کہ عورت نے بابک کو اپنے فرش پر بٹھایا۔ اپنا بیش قیمت لباس منگوا کر زیب تن کیا اور دلہن بن کے خود ہی رسوم نکاح ادا کرنے لگی۔ اس کی شراب وصل نے بابک کو پہلے ہی بیخود اور سرمست بنا رکھا تھا۔ جوبن کے نکھار نے اس کی آتش عشق کو اور بھی بھڑکا دیا۔ عقد نکاح یوں انجام پایا کہ عورت نے ایک گلدستہ منگوایا اور اٹھا کر بابک کے ہاتھ میں دے دیا۔ بس یہی ترویج تھی"[1] معلوم ہوتا ہے کہ جاویدان اور اس کے پیرو دین مزدک (مجوس) کے پیرو تھے +

شرمناک اخلاقی تعلیمات اب وہ وقت تھا جبکہ بابک کا گلشن آرزو پوری بہار پر تھا۔ اور اقبال کی کامرانی دیکھو کہ کس طرح ایک ادنیٰ ساچاکر آسمان عزت پر نمودار ہوا۔ اور اس کا رایت عروج آناً فاناً سپہر بریں سے باتیں کرنے لگا۔ بابک پہلے اسماعیلی تھا۔ پھر مزدکی بنا۔ پھر خود ایک فرقہ کی بنا ڈالی جسے بابکیہ، خرمیہ، سبعیہ اور حرمیہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں پہلے تو یہی کہتا رہا کہ مجھ میں جاویدان کی روح ہے اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ خدا کی روح نے بھی میرے اندر حلول کیا ہے اس نے اپنے پیروؤں کو عقیدۂ تناسخ کی تعلیم دی اور ہنود کی طرح کہتا تھا کہ روحیں انسانوں اور حیوانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں چونکہ بابک نے ہر قسم کے مذہبی اور اخلاقی قیود اٹھا کر عیش و عشرت کا بازار گرم کیا۔ پیروؤں کو حرام کاری، شراب خوری اور دوسرے فواحشات کی اجازت دی یہاں تک کہ ماں، بہن، بیٹی اور دوسرے محرمات ابدیہ سے بھی عقد مناکحت جائز کر دیا۔ اس لئے اس کے پیروؤں کو خرمیہ بھی کہنے لگے۔ کیونکہ خرم عیش و فرح کو کہتے ہیں بابک کا معمول تھا کہ جب اسے معلوم ہوتا کہ فلاں شخص کی بیٹی یا بہن نہایت حسین ہے تو اس کے پاس طلبی کا پیغام بھیجتا۔ اگر اس نے بھیجدی تو خیر ورنہ اس کو گرفتار کرکے نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیتا۔ اور اس حسینہ پر جبراً قبضہ کرلیتا۔[2] ظاہر ہے کہ بابک کی اخلاقی تعلیم دنیا بھر کے فواحش کا مجموعہ اور سخت قابل نفرت تھی تاہم جاویدان کی قوم کے علاوہ دیلم اور اہل ہمدان و اصفہان نے بھی اپنی قسمت اس سے وابستہ کر دی +

عـلہ کتاب الفہرست لابن ندیم مطبوعہ لیپزگ (جرمنی) ص ۳۴۳-۳۴۴ عـلہ۲ تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزی رحمہ ص ۱۴۶

بابک کی پہلی مہم اور عامل موصل کی شہادت

جب بابک کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے ۲۰۱ھ میں خلافتِ اسلامیہ کے خلافِ علمِ بغاوت و خودسری بلند کر دیا۔ ان دنوں خلیفہ مامون عباسی بغداد کے تختِ خلافت پر جلوہ افروز تھا۔ تین سال تک تو بعض داخلی جھمیلوں نے بابک کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ اس کے بعد ۲۰۴ھ میں خلیفہ مامون نے عیسیٰ بن محمد عامل آرمینیا و آذربائیجان کو حکم دیا کہ بابک کے قلع قمع کا انتظام کرے لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر عیسیٰ بن محمد اس مہم کو سرانجام دینے سے قاصر رہا۔ ۲۰۹ھ میں خلیفہ نے علی بن صدقہ معروف بہ زریق کو آرمینیا اور آذربائیجان کی حکومت سپرد کی۔ اور ساتھ ہی جنگ بابک کی تاکید فرمائی۔ زریق نے ایک تجربہ کار سپہ سالار احمد بن جُنید کو بابکی جمعیت کے توڑنے اور بابک کو اسیر کر لانے پر متعین کیا۔ لیکن ابن جُنید بابک کو قید کرنے کے بجائے خود ہی شکست کھا کر قید ہو گیا۔

چونکہ زریق گورنری کے فرائض انجام دینے کا اہل ثابت نہ ہُوا۔ اس لئے مامون نے اس کی جگہ ابراہیم بن لیث کو آرمینیا اور آذربائیجان کے عمل پر بھیج دیا۔ زریق نے خلیفہ کے مقابلہ میں علمِ خودسری بلند کرکے موصل اور آذربائیجان کے درمیان تمام پہاڑی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ موصل پر بھی چڑھائی کر دی۔ اس معرکہ میں سید بن انس گورنر موصل مارا گیا۔ اور زریق نے موصل پر عمل و دخل کر لیا۔ خلیفہ مامون اس خبر وحشت اثر کے سننے سے سخت برہم ہُوا اور ۲۱۲ھ میں محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت پر فائز کرکے بابک خرمی اور زریق سے جنگ آزما ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ محمد طوسی نے موصل کی طرف نہضت کی اور زریق کو نیچا دکھا کر موصل واپس لے لیا۔ مہم موصل سے فارغ ہو کر محمد طوسی نے بابک خرمی پر چڑھائی کی اور نہایت مستعدی و ہوشیاری سے اس کو ہزیمت دیتا ہُوا اور مضافات مقبوضہ کا انتظام کرتا ہُوا دامن کوہ تک جا پہنچا۔ بابک تھوڑی دیر تک دامن کوہ میں لڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ محمد بن حمید طوسی نے جوش کامیابی میں اس کا تعاقب کیا۔ جب کوئی تین کوس تک چڑھ گیا تو بابکیوں نے کمینگاہ سے نکل کر محمد پر دفعۃً حملہ کیا اور بابک بھی لوٹ کر معاً محمد پر ٹوٹ پڑا۔ محمد بن حمید کا لشکر گھبرا کر بھاگ کھڑا ہُوا۔ مگر خود اس کے قدم ثبات کو ذرا جنبش نہ ہوئی۔ اور وہ نہایت ثابت قدمی و استقلال سے لڑتا ہُوا پیچھے کو ہٹا سوءِ اتفاق سے بابکیوں کے ایک گروہ نے محمد بن حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ محمد زخمی ہو کر گرا اور تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ جب یہ خبر بارگاہ خلافت میں پہنچی تو خلیفہ مامون کو سخت صدمہ ہُوا۔ خلیفہ مامون بابک کی سرکشی اور اس کی فتوحات سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔ اور انتقام کے لئے ہر وقت دانت پیستا تھا۔ لیکن اتفاقات ایسے پیش آئے کہ اس کے بعد کوئی اور مہم بابک کی گوشمالی کے لئے نہ بھیج سکا۔ اور فرشتہ موت نے پیام اجل آسنایا۔

بابک کی پہلی دو ہزیمتیں

بابک نے شہر بذ کو اپنا ملجا و مامن بنا رکھا تھا۔ اور اس نے اکثر شاہی قلعہ جات کو جو اردبیل اور آذربائیجان کے مابین واقع تھے ویران و مسمار کر دیا تھا۔ جب خلیفہ معتصم نے ۲۱۸ھ میں اپنے بھائی خلیفہ مامون کے انتقال پر تختِ خلافت کو زینت دی تو ابوسعید محمد بن یوسف کو اس مہم پر مامور کیا۔ چنانچہ ابوسعید نے ان قلعہ جات کو جنہیں بابک نے ویران و برباد کر دیا تھا از سر نو تعمیر کرایا۔ اور انہیں فوج، آلاتِ حرب اور غلّہ کی کافی مقدار سے مضبوط و مستحکم کیا۔ اس اثنا میں بابک کے کسی سریہ نے ان بلاد پر شبخون مارا۔ ابوسعید نے اس کا تعاقب کیا۔ اور نہایت اولوالعزمی سے لوٹ کا تمام مال واپس لیا۔ بے شمار بابکیوں کو قتل اور اکثر کو گرفتار کیا۔ اور مقتولوں کے سر اور کثیر التعداد قیدی ایک عرضداشت کے ساتھ خلیفہ معتصم

کے پاس بھیج دیئے۔ یہ پہلی ہزیمت تھی جو بابکیوں کو عساکر خلافت سے نصیب ہوئی۔ دوسری ہزیمت محمد بن بعیث کے ذریعہ سے ہوئی۔ جو بابک کا معین و مددگار تھا۔ یہ شخص آذربائیجان کے ایک قلعہ میں فروکش تھا اور بابک کے سرایا اور افواج کو رسد پہنچایا کرتا تھا۔ اتفاق سے واقعہ مذکورہ کے بعد بابک کا ایک سپہ سالار عصمت نام اس قلعہ کی طرف سے ہو گزرا۔ محمد بن بعیث نے اس کی دعوت کی اور اسے عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ لیکن رات کے وقت حالت غفلت میں اس کو گرفتار کر کے خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دیا۔ اور اس کے تمام رفقا کو قتل کر ڈالا۔ خلیفہ نے عصمت سے بابک کے بلاد اور قلعوں کے اسرار و خفایا دریافت کئے۔ عصمت نے تمام اسرار اور جنگی مواقع ظاہر کر دیئے۔ تاہم معتصم نے اسے رہا نہ کیا۔ اور افشین حیدر کو جبال کی عملداری مرحمت فرما کر بابک کے مقابلہ میں بھیجا۔ افشین نے میدان کارزار میں پہنچ کر پہلے رسد کا انتظام کیا اور راستوں کو خطرات سے پاک کرنے کے خیال سے تھوڑی تھوڑی مسافت پر چوکیاں بٹھائیں اور کار آزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کو گشت اور دیکھ بھال پر متعین کیا۔ یہ لوگ اردبیل سے اس کے لشکرگاہ تک شب و روز گشت کیا کرتے اور رسد اور کل مایحتاج کو بحفاظت تمام معسکر میں پہنچاتے۔ اور جب بابک کا کوئی جاسوس گرفتار ہوتا تو افشین اس سے بابک کے اخلاق برتاؤ اور احسانات کو دریافت کرتا۔ اور اس سے دو چند احسانات سے گرانبار کر کے اُسے رہا کر دیا۔

بابک کی پیہم کامیابیاں

اس کے بعد خلیفہ نے بغا کبیر کو کثیر فوج اور مال و اسباب کے ساتھ افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ بابک یہ سنکر بغا کبیر پر شبخون مارنے کے ارادہ سے چلا۔ جاسوسوں نے افشین تک یہ خبر پہنچا دی۔ افشین نے بغا کو لکھ بھیجا کہ تم قافلہ کے ساتھ قلعہ نہر تک آؤ۔ اور قافلہ کی روانگی کے بعد پھر اردبیل کو مراجعت کرو۔ بغا نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ بابک پھر یہ خبر پا کر کہ بغا کا قافلہ قلعہ نہر کی طرف روانہ ہو گیا ہے اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ جس دن بغا سے ملنے کا وعدہ تھا افشین اس روز چپکے سے نکل کر اردبیل کو چلا گیا اور بغا کو بحفاظت تمام ابو سعید کے مورچہ میں لے آیا۔ اس اثنا میں بابک قافلہ تک پہنچ گیا۔ والیٔ قلعہ نہر بھی قافلہ کے ہمراہ تھا۔ بغا سے تو مڈبھیڑ نہ ہوئی البتہ والیٔ قلعہ نہر سے مقابلہ ہوا۔ بابک نے ان لشکریوں کو جو قافلہ کے ساتھ تھے تہ تیغ کر کے تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اثناء راہ میں افشین کے سپہ سالاروں میں سے ہیثم نام ایک افسر دوچار ہو گیا اس کو بھی زک دی۔ ہیثم ایک قلعہ میں جا چھپا۔ بابک نے وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا لیکن اس اثنا میں افشین اپنا لشکر لئے ہوئے آپہنچا اور دفعۃً بابکیوں پر حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے بابکیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ نہایت بے سروسامانی سے بھاگ کھڑے ہوئے لشکر کا بیشتر حصہ اس معرکہ میں کام آیا۔ بابک بقیۃ السیف کے ہمراہ بھاگ کر موقان پہنچا لیکن بابک وہاں سے پلٹ کر ایسی چال چلا کہ افشین کے لشکر کا راستہ کاٹ لیا۔ رسد و غلہ کا آنا موقوف ہو گیا۔ اب افشین کا لشکر رسد کے نہ آنے سے بھوکوں مرنے لگا۔ افشین نے والیٔ مراغہ سے رسد طلب کی لیکن بدقسمتی سے اثناء راہ میں بابکیوں نے اس کو لوٹ لیا۔ یہ خبر پا کر بغا اپنا تمام مال و اسباب کسی طرح بابک کے ہاتھوں سے بچا کر افشین کے لشکرگاہ میں لایا اور لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

عساکر خلافت کی ہزیمتیں

اب افشین نے مطمئن ہو کر اپنے سپہ سالاروں کو بابک پر حصار ڈالنے کی غرض سے بڑھنے کا حکم دیا چنانچہ قلعہ بذ سے ۶ میل کے فاصلہ پر پہنچ کر مورچے قائم کئے اور بغا نے قریہ بذ میں داخل ہو کر لڑائی چھیڑ دی اور سخت کشت و خون کے بعد اپنے لشکر کا بڑا حصہ اس معرکہ کی نذر کر کے محمد بن حمید سپہ سالار کے مورچہ میں واپس آیا۔ افشین

نے اس کے امداد طلب کرنے پر اپنے بھائی فضل، ابو جوشن، احمد بن خلیل اور جناح الاعور کو بغا کی کمک پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ فلاں روز فلاں وقت بابک پر یکبارگی حملہ کرنا۔ میں بھی اسی دن وقت معہودہ پر اس سمت سے حملہ آور ہوں گا۔ سوء اتفاق سے بغا وغیرہ برسات اور شدت سرما کی وجہ سے یوم مقرر پر حملہ نہ کر سکے اور افشین نے تنہا حملہ کر دیا۔ تاہم بابک تاب مقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹا۔ افشین نے بڑھ کر اس کے مورچہ پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے دن بغا وغیرہ کثرت باران اور شدت سرما سے تنگ آ کر کسی قائد کی رہبری سے ایک پہاڑی پر جو افشین کے لشکر گاہ کے قریب تھی چڑھ گئے۔ یہاں بھی انہیں اسی سردی اور بارش سے سابقہ پڑا۔ مزید براں برف بھی پڑ گئی۔ ہاتھ پاؤں جواب دے بیٹھے۔ دو دن اسی حالت میں گزرے۔ ادھر بابک نے موقع پا کر افشین پر شبخون مارا۔ اور اسے لڑ کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ دوسری طرف بغا کی فوج نے غلہ و رسد کے تھڑ جانے کی وجہ سے شور و غل مچانا شروع کیا۔ بغا نے مجبور ہو کر قلعہ بذ کے عزم سے اور نیز بغرض دریافت حال افشین وہاں سے کوچ کیا دور نکل آنے پر افشین کا حال معلوم ہوا۔ اب بغا بابک کے خوف سے پھر اسی پہاڑی کی طرف لوٹا۔ اور کثرت فوج اور تنگی راہ کی وجہ سے دوسری راہ اختیار کی۔ بابک کے متجسس سپاہیوں نے تعاقب کیا۔ بغا نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا اور نہایت سرعت سے اس تنگ و دشوار گزار راستہ کو طے کیا۔ اس اثناء میں رات کی سیاہ چادر عالم کائنات پر محیط ہو گئی۔ بغا نے مال و اسباب کی حفاظت کے خیال سے دامن کوہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور چاروں طرف سپاہیوں کو پہرہ پر متقرر کیا۔ تھکے ماندے تو تھے ہی سب کے سب سو گئے۔ بابک نے موقع پا کر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بغا بحالت تباہ خندق اول میں چلا آیا جو سفح کوہ میں واقع تھی۔

دار الخلافہ سے مزید افواج کی روانگی

جب خلیفہ کو عساکر خلافت کی متواتر ہزیمتوں اور ناکامیوں کا علم ہوا تو اس نے جعفر خیاط کی سرکردگی میں ایک فوج گراں افشین کی کمک پر روانہ کی۔ اور ایتاخ کی وساطت سے تیس لاکھ درم مصارف جنگ کے لئے بھیجے۔ اس فوجی اور مالی امداد سے افشین قوی دل ہو گیا۔ اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ فصل ربیع کے اوائل میں بابک سے معرکہ آرا ہونے کی غرض سے آہستہ آہستہ قلعہ بذ کی طرف بڑھنے لگا۔ رات کے وقت سپاہیوں کو پہرہ پر متقرر کرتا اور رات ہی کے وقت گشت کرنے کیلئے فوج کو بھیجتا جس کے ساتھ خود بھی جاتا۔ رفتہ رفتہ قلعہ بذ کے بالمقابل ایسے مقام پر پہنچے جہاں تین پہاڑیاں ایک دوسری سے متصل واقع تھیں۔ ان تینوں پہاڑیوں کے مابین ایک وسیع میدان تھا۔ افشین نے یہیں مقام کیا اور ایک راستہ کو چھوڑ کر باقی تمام راہوں کو پتھروں سے چن دیا۔ انہی پہاڑیوں کے قریب بابک کا لشکر بھی پڑا تھا۔ افشین روزانہ نور کے تڑکے نماز صبح ادا کر کے نقارہ بجواتا۔ لشکری اس نقارہ کی آواز سن کے طیار ہو جاتے۔ پھر مقابلہ شروع ہوتا۔ جب تک جدال و قتال میں مصروف رہتا نقارہ بجتا رہتا اور جب جنگ کو روکنا مقصود ہوتا۔ نقارہ بند کر دیتے اور جب پیشقدمی کا ارادہ ہوتا تو درہ درہ پر ایک لشکر متعین کیا جاتا جو اس قدرتی قلعہ کی محافظت کرتا۔ ادھر بابک نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ جب افشین حملہ آور ہوتا تو چند آدمیوں کو اسی گھاٹی کے نیچے کمینگاہ میں بٹھا دیتا۔ اور بابک کی عادت تھی کہ ہمیشہ معدودہ چند آدمیوں کو ساتھ لاتا اور باقی فوج کمینگاہ میں رہتی۔ افشین نے ہر چند تجسس کیا مگر یہ راز نہ کھل سکا۔ افشین عموماً جعفر خیاط، احمد بن خلیل اور ابو سعید کو تین تین دستہ فوج کے ساتھ یکے بعد دیگرے میدان کارزار میں بھیجتا اور خود ایک بلند مقام پر بیٹھ کر لڑائی کا منظر دیکھتا۔ اس مقام سے بابک کا قلعہ اور محلسرائے بھی دکھائی دیتا تھا۔ افشین

نماز ظہر ادا کر کے مراجعت کرنا۔ اور اس کے واپس ہوتے ہی اس کی فوجیں بھی یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے ترتیب وار
بابک اس طولانی جنگ سے گھبرا گیا۔ ایک روز حسب معمول لشکر اسلام واپس ہوا۔ اتفاق سے جعفر خیاط پیچھے رہ گیا
بابک کا لشکر میدان خالی سمجھ کر قلعہ بذ سے نکل پڑا۔ جعفر خیاط نے بڑھ کر حملہ کیا اور بآواز بلند اپنے لشکریوں کو پکارا۔ جعفر کی فوج
غنیم پر لوٹ پڑی۔ اور لڑائی دوبارہ چھڑ گئی۔ جعفر کی فوج میں سے ابو دلف کے ساتھ ایک گروہ مطوعہ یعنی رضا کاروں کا تھا۔ ان
رضا کاروں نے افشین کی مرضی پائے بغیر اس شدت کا دھاوا کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ کمندیں ڈال کر قلعہ پر
چڑھ جائیں گے۔ جعفر نے افشین سے پانچ سو تیر اندازوں کی امداد طلب کی۔ افشین نے کہلا بھیجا کہ تم امدادی فوج کا انتظار نہ کرو۔ جہاں
تک ممکن ہو آہستہ آہستہ حکمت عملی سے واپس چلے آؤ۔ کیونکہ جنگ کا عنوان خطرناک ہو رہا ہے۔ اس عرصہ میں رضا کار مجاہد حملے کرتے
ہوئے قلعہ بذ تک پہنچ گئے۔ میدان جنگ فریقین کے شور و غل سے گونج رہا تھا۔ بابک کے وہ سپاہی جو کمینگاہ میں تھے یہ سمجھ کر
کہ دشمن قلعہ تک پہنچ گیا کمینگاہ سے نکل آئے۔ افشین پر اس قلعہ کا سارا راز اور کمینگاہ کا حال کھل گیا۔ چونکہ لڑائی میں طول ہو
گیا تھا۔ فریقین لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور آفتاب بھی گوشہ مغرب میں پہنچ گیا تھا جعفر نے آہستہ آہستہ لڑتے لڑتے
اپنے مورچہ کی طرف واپس آنا شروع کیا۔ مغرب تک لڑائی بالکل بند ہو گئی۔ دونوں حریف اپنے اپنے قیام گاہ پر آ گئے اور کمریں کھولیں

رضا کار مجاہدین کی شجاعت

جعفر نماز مغرب ادا کر کے افشین کے پاس آیا۔ افشین نے عدول حکمی اور خلاف مرضی جنگ میں اقدام
کرنے سے ناراضی کا اظہار کیا۔ جعفر اپنے قاید اعظم کے امداد نہ بھیجنے پر اظہار ملال کرنے لگا۔ غرض دونوں نے
معقول وجوہ پیش کئے۔ صفائی ہو گئی۔ اب رضا کاروں نے حاضر خدمت ہو کر قلت رسد و مصارف کی شکایت کی۔ افشین
نے جواب دیا کہ جو شخص قلت مصارف اور گرسنگی کی تکالیف پر صبر کر سکے وہ ہمارے ساتھ رہے ورنہ اپنا راستہ لے۔ امیرالمومنین
کے لشکر میں بفضلہ تعالیٰ جنگ آوروں کی کمی نہیں۔ رضا کار مجاہد یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ہم تو قلعہ بذ کو بات کی بات
میں فتح کر لیتے مگر امیر عسکر ناحق التوا ڈال کر ہم لوگوں کو ثواب جہاد سے محروم کرتا ہے اگر ہم کو اب بھی حملہ کا حکم دے تو ہم
دشمن کو اپنی تلوار کے جوہر دکھاویں۔ جاسوسوں نے یہ باتیں افشین کے کانوں تک پہونچائیں۔ اس نے مجاہدوں کو طلب کر کے
تسلی دی اور علی الصباح جنگ کا حکم دیا۔ جس وقت رضا کاروں نے دھاوا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا خود بھی اسی وقت حملہ کرنے کا
وعدہ کیا۔ افشین نے ان لوگوں کو مال و اسباب، پانی، خوراک اور آلات حرب خاطر خواہ دیا۔ زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھا
لانے کے لئے خچروں پر محملیں رکھوا دیں۔ اور جعفر کو اسی مورچہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا جہاں تک کل بڑھ گیا تھا +

دوسرے روز علی الصباح تیر اندازوں، نفاطوں اور نامی گرامی جنگ آزماؤں کو منتخب کر کے ایک لشکر مرتب کیا اور
رضا کار مجاہدوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے میدان جنگ میں آیا۔ بابک کے لشکر نے قلعہ سے تیر باری شروع کی۔ جعفر کی فوج اپنے
کو بابک کے حملوں سے بچاتی ہوئی قلعہ بذ کی فصیلوں تک پہنچ گئی۔ اب جعفر کمال مردانگی و استقلال سے دروازہ بذ پر پہنچ کر
لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ دوپہر ڈھل گئی۔ افشین نے حسب ضرورت ان لوگوں کے لئے کھانا اور پانی روانہ کیا۔ اور سفر مینا کو بھی قلعہ
بذ کی فصیلوں کے توڑنے کے لئے پھاوڑے اور کدالوں کے ساتھ بھیجا۔ بابک یہ دیکھ کر قلعہ کا دروازہ کھول کر نکل آیا۔ اور رضا کاروں
کو اپنے پرزور حملے سے قلعہ بذ کی فصیل سے پیچھے ہٹا دیا۔ حالت جنگ نہایت خطرناک تھی کبھی تو بابک کا لشکر رضا کاروں کو

قلعہ کی فصیل سے پسپا کر دیتا تھا۔ اور کبھی رضا کار بابکیوں کو مار مار کر قلعہ میں بھگا دیتے تھے۔ غرض اسی کش مکش میں شام ہو گئی۔ اور رات نے اپنے سیاہ دامان سے آفتاب عالمتاب کو چھپا لیا۔ افشین نے اپنے لشکر کو مراجعت کا حکم دیا۔ دونوں حریف اپنے اپنے قیام گاہ پر واپس آئے اور لطف یہ ہے کہ اس جنگ کے بعد ہر فریق کو اپنی کامیابی کی طرف سے نا اُمیدی سی ہو گئی اور بہت سے رضا کار اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے ◆

قلعہ بذّ پر لشکر اسلام کا قبضہ

دو ہفتہ کے بعد افشین نے پھر جنگ کی طیّاری کی۔ لشکر کو چار حصّوں پر منقسم کیا۔ ایک حصّہ کو جس میں ایک ہزار تیر انداز تھے۔ آدھی رات کے وقت اس پہاڑ کی طرف روانہ کیا جو قلعہ بذّ کے قریب تھا۔ اور جس کے دامن میں بابک کا نامی سپہ سالار آذین صف آرا تھا۔ اور ان کو یہ ہدایت کر دی کہ جونہی جعفر کو بذّ کی طرف بڑھتے ہوئے پاؤ۔ بابک کے لشکر پر حملہ کر دو۔ دوسرے حصّہ کو اس ٹیلہ کے نیچے کمینگاہ میں چھپا دیا جس کی چوٹی پر بابک کے سپاہی کمینگاہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ تیسرے دستۂ فوج کو محافظت کی غرض سے لشکر گاہ میں چھوڑا۔ اور چوتھے حصہ کو مسلح و مرتب کر کے علی الصبح اس مورچہ کی طرف آیا جہاں گزشتہ معرکوں میں ٹھیرتا تھا۔ جعفر خیاط چند نامی افسروں کے ساتھ اس پہاڑی کی طرف بڑھا جس کے دامن میں آذین سپہ سالار بابک نے صف آرائی کی تھی۔ آذین نے جعفر کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تیر چلانے شروع کئے۔ ادھر سے جعفر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ دوسری طرف سے ان تیر اندازوں نے بھی آذین پر تیر باری شروع کر دی جو نصف شب سے پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے تھے۔ آذین اس دو طرفہ مار سے بدحواس ہو گیا۔ وہاں سے وادی کی طرف بھاگا تو ٹیلہ کے نیچے سے دوسرے کمینگاہ والوں نے بھی اپنے خارا شگاف تیروں سے اس کا خوب استقبال کیا۔ بابک نے عنوان جنگ بگڑا ہوا دیکھ کر افشین سے درخواست کی کہ مجھے جنگ سے صرف اتنی مہلت دو کہ میں اپنے اہل و عیال کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر سکوں۔ بعد ازاں قلعہ بذّ کی کنجیاں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ افشین نے ہنوز نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ عساکر اسلام نے قلعہ بذّ پر قبضہ کر لیا ہے اور خدا کے فضل سے اس کے بلند میناروں پر خلیفۃ المسلمین کا جھنڈا نصب ہو گیا ہے۔ افشین سجدۂ شکر بجا لا کر قلعہ بذّ میں داخل ہُوا۔ اور بہت سا مال غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے ◆

بابک نے اپنے اہل و عیال کو دوسرے مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ بھاگتے وقت جس قدر مال و اسباب اُٹھا سکا اُٹھا لے گیا۔ افشین نے ملک آرمینیا کو بابک کے فرار کا حال لکھ کر اس کی گرفتاری کے نہایت تاکیدی احکام بھیجے۔ اس کے بعد جاسوس نے آکر یہ خبر دی کہ بابک اس وقت اُس وادی میں ہے جس کا ایک کنارہ آذربایجان سے ملتی ہے اور دوسرا سرا آرمینیا تک پھیلا ہُوا ہے۔ افشین نے اسی وقت چند آدمی اس کی گرفتاری پر متعین کئے۔ مگر گنجان درختوں اور پہاڑیوں نے بابک کو ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا۔ اس اثناء میں خلیفہ معتصم نے بابک کے امان دینے کا حکم بھیج دیا۔ افشین نے اس فرمان کو بابک کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جو اس کے امن کا خواستگار تھا۔ حوالہ کر کے بابک کے پاس بھیجا۔ بابک بجائے اس کے کہ پروانہ امان دیکھ کر خوش ہوتا الٹا جوش غضب میں آکر افشین کے دو سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور اس وادی سے اپنے بھائیوں عبداللہ اور معاویہ اور اپنی ماں کو ساتھ لے کر بعزم آرمینیا نکل کھڑا ہُوا۔ اتفاق سے ان محافظین میں سے اس پر کسی کی نظر پڑ گئی۔ جو گرفتاری کے لئے متعین کئے گئے تھے۔ محافظ نے اپنے سردار ابوالسفاح سے جا کے کہہ دیا کہ بابک بھاگا جا رہا ہے۔ ابوالسفاح

نے تعاقب کا حکم دیا۔ انہوں نے ایک چشمہ میں جاکے اسے گھیر لیا۔ بابک خود تو سوار ہو کر بھاگ گیا۔ مگر اس کی ماں اور اس کا بھائی معاویہ گرفتار ہو کر افشین کے پاس بھیج دیئے گئے ✦

بابک کی گرفتاری اور ہلاکت اب بابک جبال آرمینیا میں جاکر روپوش ہؤا۔ جاسوس اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ زاد راہ ختم ہو چکا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو کچھ زر نقد دیکر کھانا لانے کو بھیجا۔ اتفاق سے کسی پولیس افسر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ چال ڈھال سے تاڑ گیا۔ سہل بن ساباط پولیس کا افسر اعلیٰ اس شخص کو لئے ہوئے بابک کے پاس آیا۔ بابک کا چہرہ پولیس کو دیکھتے ہی فق ہو گیا۔ سہل بن سا باط بابک کو بہ تملق و چاپلوسی دم پٹی دے کر اپنے قلعہ میں لایا۔ اور چپکے سے افشین کو اس کی اطلاع کر دی۔ افشین نے دو فوجی افسروں کو بابک کی گرفتاری پر مامور کیا۔ جب یہ پہونچ گئے تو ابن ساباط نے ان لوگوں کو قلعہ کی ایک جانب چھپا دیا۔ اور بابک کو شکار کھیلنے کے حیلہ سے میدان کی طرف لے چلا۔ ان افسروں نے موقع پاکر حالت غفلت میں بابک کو گرفتار کر لیا۔ اور افشین کے پاس لائے۔ افشین نے اس حسن خدمت کے صلہ میں ابن ساباط کو ایک لاکھ درم اور ایک پیٹی جواہر نگار مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد افشین کی طلبی پر عیسیٰ بن یوسف بن اسطقانوس والی بلقان نے عبداللہ برادر بابک کو جو ایک مدت سے اس کے پاس پناہ گزین تھا افشین کے پاس بھیج دیا۔ افشین نے دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ قید کر دیا اور بابک کی گرفتاری کی ایک اطلاع بارگاہ خلافت میں بھیج دی۔ خلیفہ نے ماہ شوال ۲۲۲ھ میں افشین کے نام حکم بھیجا کہ اپنے دونوں قیدیوں کو لے کر سامرہ آؤ۔ مرزند سے سامرہ تک ہر منزل پر خلیفہ معتصم کے حکم سے افشین کا انتہائی عزت و احترام سے استقبال کیا جاتا تھا۔ اور خلیفہ کا خاص قاصد خلعت فاخرہ اور ایک راس عربی گھوڑا لئے ہوئے افشین سے ملتا تھا۔ جب افشین سامرہ کے قریب پہونچا خلیفہ معتصم کا بیٹا واثق باللہ ارکین سلطنت کو لئے ہوئے بغرض استقبال سامرہ سے باہر آیا۔ اور کمال توقیر سے قصر مطیرہ میں ٹھہرایا۔ افشین نے اسی قصر میں بابک کو بھی اپنے زیر حراست رکھا۔ خلیفہ کے حکم سے افشین کے سر پر تاج رکھا گیا۔ بیش قیمت خلعت پہنایا گیا۔ بیس لاکھ درم انعام دیئے اور دس لاکھ درم اس کی فوج میں تقسیم کئے گئے۔

یہ واقعہ صفر ۲۲۳ھ کا ہے۔ انہی ایام میں جب کہ بابک قصر مطیرہ میں مقید تھا خلیفہ معتصم محل میں آیا۔ اور بابک کو سر سے پاؤں تک بنظر غور دیکھتا رہا اور چلا گیا۔ دوسرے دن خلیفہ معتصم دربار عام میں رونق افروز ہؤا۔ لوگوں کو حسب مراتب دربار عام سے قصر مطیرہ تک بٹھایا اور بابک کو ہاتھی پر سوار کر کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کسی شخص نے بابک سے کہا کہ تم اپنی زندگی میں ایسی ایسی بدکرداریوں کے مرتکب ہوئے جو تم سے پہلے شاید کسی انسان سے سرزد نہ ہوئی ہوں گی۔ اب ان کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن اب تجھے صبر سے کام لینا چاہیئے۔ بابک نے کہا تو عنقریب میرے ثبات و استقلال کو دیکھے گا۔ خلیفہ معتصم نے اس کا ایک ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی لیکن بابک نے جھٹ خون سے اپنا چہرہ رنگ لیا۔ کسی نے پوچھا چہرہ پر خون لگانے کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگا ایسا نہ ہو کہ خون نکلنے سے چہرہ پیلا پڑ جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگیں کہ بابک موت سے ڈر گیا۔ اس کے بعد اس کے دوسرے اعضا قطع کئے گئے۔ اس اثناء میں اس کی طرف سے اضطراب و بے چینی کی کوئی ادنیٰ علامت بھی ظاہر نہ ہوئی ✦

محاربات بابک کے مالی و جانی نقصانات افشین آخری مہم میں بزمانہ حصار بابک غلہ اور مصارف سفر و قیام کے

علاوہ جس روز میدانِ جنگ میں جاتا تھا دس ہزار درہم یومیہ صرف میں لاتا تھا۔ اور جس دن اپنے مورچے میں رہتا تھا پانچ ہزار خرچ کرتا تھا۔ بابک کا فتنہ بیس سال تک ممتد رہا۔ ان معرکوں میں دو لاکھ پچپن ہزار پانسو اور دوسری روایت کے موجب ایک لاکھ پچپن ہزار مسلمان جرعۂ شہادت سے سیراب ہوئے۔ سات ہزار چھ سو مسلمان عورتیں اور بچے اس کے پنجۂ ظلم سے چھڑائے گئے۔ ان سب قیدیوں کو بغداد لا کر ایک وسیع احاطہ میں ٹھہرایا گیا۔ ان میں سے جس کسی کا والی و وارث آتا اس سے شہادت لی جاتی اور بعد ثبوتِ ولایت و وراثت اس کے حوالے کر دیا جاتا۔[1]

بابکیہ کی ایک جماعت علامہ ابن جوزیؒ کے زمانہ تک موجود تھی۔ کہتے ہیں کہ اس جماعت میں سال بھر میں خوشی کی ایک رات مقرر ہے۔ اس تقریب میں تمام مرد اور عورتیں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں پھر چراغ گل کر دیئے جاتے ہیں۔ اور مرد اندھیرے میں دوڑ کر جس عورت پر قابو ملے اس کو پکڑ لیتے ہیں اور ان سے ناجائز تمتع حاصل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شکار ہے اور شکار مباح ہے۔[2] شاید یہ رات عید غدیر خم کے نام سے موسوم ہے۔

باب ۱۹۔ احمد بن کیال بلخی

احمد بن کیال بلخی فارسی اور عربی کا بہت بڑا مصنف گزرا ہے۔ بڑا فصیح و بلیغ اور بلند پایہ مقرر تھا۔ ابتدا میں لوگوں کو اہلبیت نبوت کی طرف بلاتا تھا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی امام زماں ہوں۔ جونہی دعوائے مہدویت کیا ہزارہا ارباب علم و فضل نے جن پر اس کی سحر نگاری، جادو بیانی، اور منفج گوئی کا جادو چل چکا تھا، اس کے دعووں کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ایک مرتبہ اپنے مزعومہ مقامات مہدویت سے ترقی کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں قائم ہوں اور بیان کیا کہ جو شخص عالم آفاق (عالم علوی) اور عالم انفس (یعنی عالم سفلی) کے مناہج بیان کرنے پر قادر ہو۔ اور انفس پر آفاق کی تطبیق کر سکے وہ امام ہے۔ اور قائم وہ شخص ہے جو کل کو اپنی ذات میں ثابت کرے۔ اور ہر ایک کلی کو اپنے معین جزئی شخص میں بیان کر سکے۔ اور یاد رکھو کہ اس قسم کا مقرر سوائے احمد کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا۔ احمد اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل کہتا تھا اس کا بیان تھا کہ انبیاء و رسل اگرچہ پیشوا ہیں۔ لیکن وہ اہل تقلید کے مقتدا ہیں۔ جو اندھوں سے مماثلت رکھتے ہیں حالانکہ قائم (احمد) اہل بصیرت اور اصحاب دانش کا پیشوا ہے۔

کہتا تھا کہ عالم تین ہیں۔ اعلیٰ ادنیٰ انسانی۔ عالم اعلیٰ میں پانچ مکان ہیں۔ ایک مکان الاماکن جو بالکل خالی اور سب کو محیط ہے۔ نہ اس میں کوئی رہتا ہے اور نہ اس کی کوئی روحانی تدبیر کرتا ہے اور شرع میں عرش سے مراد یہی مکان الاماکن ہے۔ اس سے نیچے مکان نفس اعلیٰ اور اس کے نیچے مکان نفس ناطقہ اور اس کے نیچے مکان نفس حیوانیہ ہے۔ سب کے نیچے نفس انسانی کا مکان ہے۔ نفس انسانی نے چاہا کہ عالم نفس اعلیٰ تک صعود کرے چنانچہ حیوانیت اور ناطقیت کو اس نے قطع کیا۔ لیکن جب نفس انسانی نفس اعلیٰ کے قریب پہنچا تو وہاں تھک کر متحیر اور حسرت زدہ رہ گیا۔ اور اس کے اجزا متعفن ہو کر مستحیل ہو گئے۔ جس سے وہ عالم سفلی میں گر پڑا۔ پھر اسی حالت عفونت اور استحالہ میں ایک مدت تک پڑا رہا۔ اس کے بعد نفس اعلیٰ نے اپنے انوار کا ایک جزو اس پر ڈالا۔ جس سے اس عالم کی تراکیب حادث ہوئیں۔ اور آسمان و زمین، مرکبات، معادن، نبات، حیوان اور انسان پیدا ہوئے

[1] تاریخ ابن خلدون، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۱، ۱۵۴، ۱۶۱ الکتاب الفرق بین الفرق ص ۲۶۸، ۲۵۱ تلبیس ابلیس ص ۱۷۰، ۱۰۳، [2] تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۱۰۴!

اور ان تراکیب میں کبھی خوشی کبھی رنج کبھی سلامتی کبھی محنت واقع ہوئیں یہاں تک کہ قائم ظاہر ہوا جو اسے کمال تک پہنچائے اور تراکیب منحل ہو جائیں اور متضادات باطل اور روحانیات جسمانیات پر غالب آجائیں۔ جانتے ہو وہ قائم کون ہے؟ یہی عاجز احمد ہے احمد اپنے قائم ہونے پر اس طرح استدلال کرتا تھا کہ دیکھو اسم احمد اُن چاروں عالموں کے مطابق ہے الف نفس اعلیٰ کے مقابلے میں۔ حا نفس ناطقہ کے مقابل۔ میم نفس حیوانیہ کے مقابل اور دال نفس انسانیہ کے مقابل ہے۔ پھر غور کرو کہ احمد کے چار حرف جیسے عوالم علویہ روحانیہ کے مقابلے میں تھے اسی طرح وہ سفلی جسمانی عالم کے مقابلے میں بھی ہیں۔ کہتا تھا کہ میرے نام کے حرفوں میں سے الف انسان پر دلالت کرتا ہے حا حیوان پر میم طائر پر اور دال مچھلی پر۔ اور حق تعالیٰ نے انسان کو احمد کی شکل پر پیدا کیا۔ قد الف دونوں ہاتھ حا۔ پیٹ میم اور پاؤں دال کی شکل پر ہیں باطنی فرقہ کی طرح تاویل وتحریف کا بڑا دلدادہ تھا

باب ۲۰۔ یحییٰ بن فارس ساباطی

یحییٰ بن فارس ساباطی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح مسیح موعود ہونے کا مدعی تھا خلیفہ معتز کے ایام خلافت میں ملک مصر کے اندر تینس کے مقام میں ظاہر ہوا۔ جو شخص نصوص قطعیہ اور تصریحات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیں پُشت ڈال کر تاویل وتحریف مسیح بنا ہو۔ اگر وہ جناب عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی دوسری خصوصیتوں سے عاری ہو تو اس کے لئے کم از کم اتنی قدرت تو ناگزیر ہے۔ کہ لوگوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح کوئی مسیحائی دکھائے اور آنجناب کے جن معجزات باہرہ کو قرآن حکیم کی سند اعتبار حاصل ہے اُن کو منظر عام پر لاسکے۔ یحییٰ ساباطی کو زعم مسیحیت کیساتھ اس بات کا بھی دعویٰ تھا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزے دکھا سکتا ہے۔

فصل ا۔ معجزات مسیح کا تذکرہ قرآن مجید میں

قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا دو مقامات پر ذکر آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اردائے نبوت کے عطا کئے جانے پر اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس پیغام خداوندی لے کر آئے تو آپ نے جن معجزات کو اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش فرمایا تھا وہ سورۂ آل عمران میں مذکور ہیں اور جہاں خود خداوند عالم عز اسمہٗ نے مسیح علیہ السلام کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر معجزات عیسوی کا اظہار فرمایا اس کا تذکرہ سورۂ مائدہ میں ہے۔ ان دو سورتوں میں خدائے قدوس کی لسان وحی نے جو معجزات عیسوی بیان فرمائے ان میں سے چند یہ ہیں (۱) مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارنا اور اس کا پرواز کرنا (۲) مُردہ کو زندہ کر دکھانا (۳) مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کر دینا۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضرور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فروغ بابت وقت کے مطابق ایسے معجزات عطا کئے جاتے تھے کہ جن کے مقابلہ میں ان کے مخالفوں اور منکروں کی طاقت وصلاحیت جواب دے بیٹھتی تھی۔ اور وہ مغلوب ومقہور ہو جاتے تھے۔ جناب مسیح علیہ السلام کے عہد مبارک میں حکمائے یونان کا دور دورہ تھا جالینوس جیسے اطبائے حاذق اپنی حکمت پڑ داہی اور مہارت طب کا دمامہ عظمت بجا رہے تھے۔ مسیح علیہ السلام کو اُن کے طبی

عـــہ الملل والنحل علامہ شہرستانی (بر حاشیہ الفصل فی الملل والاہواء والنحل لابن حزم) جلد ۲ ص ۱۷ — ۲۱

کمالات سے بڑھ چڑھ کر احیائے اموات اور مادرزاد اندھے اور مجذوم و مبروص کو صحیح و سالم کرنے کا معجزہ عطا ہُوا۔ یہ ایسے لاعلاج مرض ہیں کہ جن پر آج تک کوئی طبیب قابو نہیں پا سکا۔ حکمائے یونان جناب مسیح علیہ السلام کے آیات بیّنات کے سامنے خائب و خاسر رہ گئے۔ معجزات سہ گانہ مذکورہ میں سے اعجاز اول کے متعلق التماس ہے کہ مسیح علیہ السلام نے چند مرتبہ جو مٹی کے پرند بنائے وہ آپ کے اعجازی تصرّف سے تھوڑی دُور تک اُڑے اور گر کر ہلاک ہو گئے۔ ان کو دوسرے پرندوں کی طرح پوری حیات و زیست نہیں بخشی گئی تھی۔ معجزۂ ثانی کے متعلق گزارش ہے کہ آپ نے صرف تین چار مرتبہ مُردوں کو ان کی قبروں میں سے زندہ برآمد کر دیا تھا۔ وہ ایک ایک دو دو دن یا چند گھنٹوں کے بعد طعمۂ اجل ہو کر از سرِ نو زمرۂ اموات میں جا شامل ہوئے تھے غرض خالقِ کردگار نے مسیح علیہ السلام کو تخلیق و آفرینش کی قدرت دے کر اپنی صفتِ خالقیّت میں شریک نہیں کر لیا تھا۔ بلکہ محض جزئی اور عارضی قدرت بخش کر اپنے برگزیدہ رسول کی عظمت و برتری کا اظہار مقصود تھا۔ پس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا یہ اعتراض سخت لغو اور مضحکہ خیز ہے کہ "اگر خدا تعالیٰ اپنے اذن اور ارادہ سے اپنی خدائی کی صفتیں بندوں کو دے سکتا ہے تو بلاشبہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک بندے کو دے کر پورا خدا بھی بنا سکتا ہے"[۱]

نصاریٰ کا زعم باطل کہ مسیحؑ کا احیائے اموات ان کی الوہیت کو مستلزم ہے

اسی طرح نصاریٰ کا مسیح علیہ السلام کے احیائے اموات اور دوسرے معجزات سے ان کی خدائی پر استدلال کرنا بھی باطل ہے۔ چنانچہ ربِ جلیل نے فرمایا ہے:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	ان لوگوں نے بلاشبہ کفر اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہیں۔ اے رسول ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر حق تعالیٰ مسیح اور ان کی والدہ اور تمام سکّانِ ارض کو ہلاک و برباد کر دینا چاہے تو کوئی نہیں جو اسے اس ارادہ سے باز رکھ سکے۔ آسمان و زمین میں سب کچھ اللہ ہی کا ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے الوہیت مسیحؑ کے عقیدۂ فاسدہ کا تین دلائل سے ردّ فرمایا ہے (۱) فمن یملک سے جمیعاً تک حضرت مسیحؑ کے واقعہ گرفتاری اور حبس کی طرف اشارہ کر کے ان کا محکوم و منقادِ الٰہی ہونا ظاہر کیا ہے جو سراسر خدائی کے خلاف ہے (۲) للہ ملک السمٰوٰت والارض میں ربّ العزّت اپنے غنائے ذاتی کو ظاہر فرما کر اولاد سے استغناء و استبراء کا اظہار فرماتا ہے (۳) یخلق ما یشاء میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے جن لوگوں کے دل میں ان کی الوہیت کا واہمہ پیدا ہوتا تھا اس کو دُور فرمایا ہے یعنی یہ کوئی مشکل بات نہیں ہم جس طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ احیاءِ موتیٰ سے جناب مسیح علیہ السلام کی خدائی پر استدلال کرنے کا اس آیۃ میں بھی ردّ فرمایا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ	معبودِ حقیقی تو وہ ذاتِ واحد ہے جو اپنی مشیّت و ارادہ کے موافق تمہیں تمہاری ماؤں کے رحم میں شکل و صورت بخشتا ہے۔

یعنی مسیح علیہ السلام چند مُردوں کو زندہ کر کے کسی طرح معبود نہیں قرار دئے جا سکتے۔ کیونکہ اس سے تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ حق تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی عزت افزائی کے لئے معجزہ کے طور پر انہیں چند مرتبہ یہ قدرت بخشدی۔ اور بہ حقیقت کہ ان کے

---

[۱] ازالۂ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۱۲۵ حاشیہ

احیاء اموات کو عالمگیر حیثیت حاصل نہ تھی اس بات پر صراحۃً دال ہے کہ وہ الٰہ نہ تھے۔ کیونکہ الٰہ معبود حقیقی کی تو یہ شان ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے قطرۂ منی کو رحم مادر میں نہایت عجیب و غریب طریقہ سے انسان کی شکل میں متشکل کر دیتا ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام کو موت و حیات پر پوری قدرت ہوتی تو وہ کم از کم اُن اعداء ہی کو موت کے گھاٹ اتارتے یا کم از کم ان کا شر دفع کر سکتے جنہوں نے حسب اعتقاد نصاریٰ جناب مسیح کو گرفتار کر کے صلیب پر چڑھایا تھا۔

ایک اور مقام پر خدائے حکیم نے اپنے لئے حیّ و قیّوم کے الفاظ سے بھی عیسائی عقیدہ کا ابطال فرمایا ہے یعنی سچا معبود وہی ہو سکتا ہے جو حیّ و قیّوم ہو اور ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام ان صفات سے عاری تھے کیونکہ وہ شکم مادر سے پیدا ہوئے اکل و شرب کے محتاج تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح بول و براز اور حدث میں مبتلا تھے۔ اور نصاریٰ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ بنی اسرائیل نے انہیں صلیب پر چڑھا کر قتل کیا۔ اور آپ اپنے تئیں ان کے شر سے نہ بچا سکے پس ثابت ہوا کہ وہ حیّ و قیّوم اور معبود برحق نہ تھے۔

فصل ۲۔ مرزا غلام احمد سے مطالبہ کہ مسیح ہو تو کوئی مسیحائی دکھاؤ

اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ایک فرضی اور خیالی حمل کے ذریعہ سے عیسیٰ بن مریم بن گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کتاب "کشتی نوح" (ص ۴۶-۴۸) میں اپنے ابن مریم بن جانے کو نہایت مضحکہ خیز پیرایہ میں بوضاحت بیان فرمایا ہے۔ غرض جب انہوں نے اپنے عیسیٰ بن مریم بن جانے کا اعلان کیا تو بعض اہل علم حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اگر تم عیسیٰ بن مریم ہو تو وہ اعجازی کمالات بھی دکھاؤ جو جناب عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی ذات اقدس میں ودیعت تھے۔ مرزا صاحب کے پاس بجز سخن سازی کے رکھا ہی کیا تھا؟ اس مطالبہ کے جواب میں بساط جرأت پر قدم رکھ کر سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا۔ اور جھٹ قرآن پاک کے ارشادات پر اپنی ملحدانہ تحریف کاری کا روغن قاز ملنے لگے۔ چنانچہ لکھا کہ "بعض لوگ بحوالہ آیت قرآنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح بن مریم انواع و اقسام کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر اس عاجز پر اعتراض کیا ہے کہ جس حالت میں مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر آپ بھی کوئی مٹی کا پرندہ بنا کر دکھلائیے[1]۔ سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دیدی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہوتی ہے۔ پس اس سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اُس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھایا ہو۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صناع ایسی ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ہلتی بھی ہیں اور دُم بھی ہلاتی ہیں بلکہ بعض چڑیاں کل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں[2]۔ عمل الترب میں

---

[1] ازالہ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۱۴۴ [2] ایضاً ص ۱۴۷

جس کو زمانۂ حال میں مسمریزم کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔[1] حضرت مسیح بن مریم باذن و حکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب میں کمال رکھتے تھے۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔[2] مسیح اپنی روح کے ذریعہ سے جس کو روح القدس کے فیضان سے برکت بخشی گئی تھی ایسے ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا اور قرآن شریف کی آیات بھی باآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے بے رونق اور بے قدر تھے جو مسیح کی ولادت سے بھی پہلے مظہر عجائبات تھا جس میں ہر قسم کے بیمار اور تمام مجذوم مفلوج مبروص وغیرہ ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہو جاتے تھے۔ لیکن بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خوارق دکھلائے اُس وقت تو کوئی تالاب بھی موجود نہیں تھا۔[3]

غرض اس لحاظ سے کہ اعجاز نمائی مرزا صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا۔ انہوں نے اس "بکھیڑے اور جنجال" سے بچنے کی یہ آسان ترکیب نکالی کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور آخر کار یہاں تک لکھ مارا کہ "عیسائیوں نے آپ (یسوع مسیح) کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ آپ نے معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کور وغیرہ کا علاج کیا ہو مگر بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا۔ اسی تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے اور اسی تالاب نے فیصلہ کر دیا کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا تو وہ معجزہ آپ کا نہیں بلکہ اسی تالاب کا معجزہ ہے۔ آپ کے ہاتھ میں (معاذ اللہ) سوائے مکر اور فریب کے کچھ نہیں تھا۔[4] لیکن بوالعجبی دیکھو کہ اس کے بعد مرزا صاحب نے کتاب "نصرۃ الحق" (ص ۳۱) میں معجزات مسیح علیہ السلام کی تصدیق کر کے اور یہ لکھ کر اپنے بیانات کی خود ہی تردید کر دی کہ "یہود نے مسیح علیہ السلام سے کئی معجزات دیکھے مگر ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا"۔[5]

فصل ۳۔ یحییٰ ساباطی کی "اعجاز نمائیاں"

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے تو معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کر کے معترضین سے پیچھا چھوڑایا لیکن یحییٰ ساباطی نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اور نہ مرزا صاحب کی طرح اس میں اتنی جرأت تھی کہ مصر میں رہ کر قرآن پاک کے نصوص صریحہ کا صاف انکار کرتا جہاں کے باشندوں نے مسٹر مارماڈیوک پکتھال کے انگریزی ترجمۂ قرآن کا داخلہ مصر یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ عربی ہماری مادری زبان ہے ہمیں کسی ترجمۂ قرآن کی ضرورت نہیں۔ یہ ملک جہاں معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کیا گیا خراب آباد ہندوستان ہے جہاں کے بعض حلقوں میں کبھی سنگریزہ کیا اس سے بھی کہیں ادنیٰ و ارذل چیز لعل و گہر کی قیمت پا جاتی ہے۔ یحییٰ بن فارس ایک حاذق طبیب اور فلاسفر تھا۔ اس نے سمندر کے کنارے ایک صومعہ بنا رکھا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ

---

[1] ازالہ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۱۲۸ [2] ایضاً ص ۱۲۸ [3] ایضاً ص ۱۳۴ [4] ضمیمہ انجام آتھم مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۶۔۷ [5] محمدیہ پاکٹ بک ص ۲۳۰

تم مسیح موعود ہو تو مسیح علیہ السلام کے سے معجزے بھی دکھاؤ"۔ تو اس نے علیٰ رغم قادیانی بیانگ دہل اس پر آمادگی ظاہر کی اور برملا دعوے کیا کہ میں حسب فرمائش مُردہ زندہ کر سکتا ہوں۔ برص اور جذام کھو سکتا ہوں۔ پانی پر چل سکتا ہوں چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر دمشقی معروف بہ جوبری کتاب المختار وکشف الاسرار میں لکھتے ہیں کہ اس نے شعبدہ بازی کے ذریعہ سے لوگوں کو مُردہ زندہ کرکے دکھا دیا۔

مُردہ قبر سے نکل کر باتیں کرنے لگا

چنانچہ ایک مرتبہ یحیٰی ایک شخص کے وارثوں سے جسے مرے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہنے لگا اگر چاہو تو میں تمہاری میت کو زندہ کر دے سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اگر ایسا کرو تو آپ کی نوازش ہوگی" اس نے کہا کفن کا ایک ٹکڑا کاٹ لاؤ۔ وہ قبر کھول کر ایک ٹکڑا قطع کر لائے۔ یحیٰی نے اس کو وزن کیا پھر اس کا ہم وزن ناریل اور ٹُنبہ بید ستر لیا۔ مؤخر الذکر اشیاء کو باریک کرکے تینوں کا ایک فتیلہ بنایا اور قبر پر جا کر اہل میت کے سامنے اس کو سلگایا اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ جب بتی سے دھواں اُٹھ کر چاروں طرف پھیلنے لگا۔ تو اہل میت کو ایسا محسوس ہُوا کہ گویا مُردہ کفن پھاڑ کر قبر میں سے اُٹھ کھڑا ہُوا ہے۔ اب انہوں نے اس سے چند باتیں دریافت کیں جن کا اس نے صاف لفظوں میں جواب دیا اس واقعہ کے بعد ہر جگہ یحیٰی کی مسیحائی کا چرچا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگوں نے ہر طرف سے اپنی اپنی میتوں کو اٹھائے اس کے صومعہ کا رخ کیا اور آ آ کر منتیں کرنے لگے کہ ہمارے مُردہ کو بھی زندہ کرکے ہم سے ہمکلام کرا دو"۔ مگر ایک مرتبہ کی کرشمہ سازی کے بعد اس نے دوبارہ احیائے میت سے انکار کر دیا" لیکن یاد رہے کہ مُردہ کا قبر سے اُٹھ کر باتیں کرنا محض تخیل تھا۔ کوئی واقعی چیز نہ تھی۔ اس کی نظیر ساحرین فرعون کی رسیاں اور لاٹھیاں ہیں جو حاضرین کو دوڑتی دکھائی دی تھیں چنانچہ قرآن پاک کی اس آیۃ میں اس کا تذکرہ ہے فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ (۲۰ : ۶۸) (اُن کی نظربندی سے ساحروں کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ (علیہ السلام) کو ایسی معلوم ہونے لگیں گویا چلتی اور دوڑتی ہیں)

مبروص کو شفایاب کرنے کا راز

یحیٰی برص کے مریض کو شفا بخشنے کا جو "معجزہ" کام میں لاتا تھا۔ اس کی نوعیت یہ تھی کہ وہ پودینہ، ہڑتال ورقی اور تخم کرفس کو ہموزن لے کر باریک کرتا تھا اور اس سفوف کو تر گوبر میں رکھ کر اتنے دن تک زمین میں گاڑ دیتا تھا کہ اس میں سفید کیڑے پیدا ہو جاتے تھے۔ ان کیڑوں کو کسی شیشی میں ڈال کر روغن بنا لیتا تھا۔ اس روغن کی طیاری کے بعد اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ شہر کے کسی سربرآوردہ آدمی کو مصنوعی طور پر برص میں مبتلا کر دے۔ اس غرض کیلئے اپنے ایک رازدار ملازم کو حمام میں بھیج دیتا۔ وہ بے خبری میں کسی رئیس کے جسم پر یہ روغن ذرا سا لگا دیتا۔ رئیس کے بدن پر اسی دن برص کے سے داغ ظاہر ہو جاتے۔ شہر میں یحیٰی ہی مرجع خلائق طبیب تھا۔ جب مریض اس کی طرف رجوع کرتا تو وہ شیطرج ہندی نام ایک دوا جسے بیتا بھی کہتے ہیں باریک پیس کر اور تیز سرکہ میں حل کرکے ان داغوں پر لگا دیتا۔ چونکہ یہ داغ بالکل تازہ اور محض عارضی حیثیت رکھتے تھے شیطرج کے لگانے سے تھوڑی ہی دیر میں دُور ہو جاتے۔

کوڑھیوں کو شفا بخشنے کی حیلہ گری

یحیٰی نے جذامیوں کو شفایاب کرنے کا یہ حیلہ بنا رکھا تھا کہ بادروج (جنگلی تلسی) کو آب چھیے

ہم نے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ حیدرآباد دکن میں دیکھا تھا۔ اس باب کے تمام اقتباسات اسی نسخہ سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب دمشق میں چھپ چکی ہے لیکن افسوس کہ باوجود سعی بسیار میں اس پر دسترس نہ پا سکا۔

برگ بیلاڈونا (لچھا بچھی) اور برگ عظلم (؟) کو ہم وزن لے کر پانی میں جوش دیتا جب ربع پانی جل جاتا تو اپنے چند رازدار آدمیوں کو اس سے وضو کرا دیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں جذامیوں کے اعضا کی طرح بدنما اور ماؤف سے نظر آنے لگتے۔ اب وہ دیار وامصار میں اپنے جذام کی خوب تشہیر کرتے۔ جب ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ یہ اہل بلا ہیں تو ایک بڑے مجمع میں یحییٰ کے پاس آکر درخواست کرتے کہ آپ مسیح زمان ہیں۔ ہمارا جذام دُور کر دیجئے"۔ یحییٰ پانی گرم کرا کر اس میں انگلیاں ڈالتا اور ان کو اس پانی سے غسل کرنے کا حکم دیتا۔ چونکہ وہ جذام محض نمائیشی ہوتا تھا غسل سے دوا دُھل کر ہاتھ پاؤں اور چہرہ صاف اور چمک دار نکل آتا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ حضرت مسیح موعود کی برکت و توجہ سے کوڑھی صحیح وسالم ہو گئے۔

پانی پر چلنے کا "معجزہ" حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانی پر چلنے کا معجزہ بھی عطا کیا گیا تھا۔ یحییٰ پانی پر چلنے کا معجزہ اس طرح دکھاتا تھا کہ اپنے کف ہائے پا پر ایک مصالحہ لگا کر سمندر کے کنارے پانی میں اُترتا۔ بڑی بڑی مچھلیاں اس بو پر آکر اس کے پاؤں چاٹنا چاہتیں یہ اپنے دونوں پاؤں کسی بڑی مچھلی کی پیٹھ پر رکھ دیتا۔ اب مچھلی جہاں جہاں پانی میں جاتی یہ بھی اس پر سوار رہ کر ساحل بحر کے چکر لگاتا ۔ قدم اُٹھتے دکھائی نہ دیتے تھے باہر کے لوگ یہی سمجھتے کہ اعجازی طاقت سے سطح آب پر چل رہا ہے۔ اس دوا کے تین اجزاء بیان کئے جاتے ہیں۔ بادروج (جنگلی تلسی) سرگین آدمی اور حب العنا (؟) تینوں کو ہم وزن لے کر باریک کرتا اور روغن چنبیلی میں ملا لیتا ہے۔ع

باب ۱۲۔ علی بن محمد خارجی

علی بن محمد بن عبدالرحیم نام قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص مدتوں ورزنین مضافات رے میں پیدا ہوا۔ خوارج کے فرقہ ازارقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتدا میں اس کی وجہ معاش یہ تھی کہ خلیفہ منتصر عباسی کے بعض حاشیہ نشینوں کی مدح و توصیف میں قصائد لکھ کر کچھ انعام حاصل کر لیا کرتا تھا۔ جب امراکی مجلسوں میں آمد و رفت کرنے سے کچھ رسوخ پیدا ہوا تو اس کے دل میں سرداری اور گروہ بندی کے خیالات موجزن ہوئے ۲۴۹ھ میں بغداد سے بحرین چلا گیا۔ اور دعوائے نبوت کر کے لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دینے لگا۔ اس کا بیان تھا کہ مجھ پر بھی کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اس نے اپنا ایک "صحیفہ آسمانی" بنا رکھا تھا جس کی بعض سورتوں کے نام سبحان، کہف اور ص تھے۔ کہتا تھا کہ خدائے برتر نے میری نبوت و امامت کی بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں بعض حضرات نے علی بن محمد خارجی کی جگہ بہبو دزنگی کو مدعی نبوت قرار دیا ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ زنگیوں کا گمراہ کرنے والا یہی علی بن محمد مدعی نبوت تھا۔ اور بہبو دزنگی اس کا امیر البحر تھا۔ بحرین کے اکثر قبائل نے علی بن محمد خارجی کی متابعت اختیار کر لی۔ وہاں اس نے ایک بڑی جمعیت بہم پہنچا لی۔ اور بحرین کے بعض عمائد اس کی فوج کے افسر مقرر ہوئے۔ تقریباً پانچ سال تک بحرین میں اقامت گزین رہنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے پیروؤں سے کہنے لگا کہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے بصرہ جاؤں اور وہاں کے لوگوں کو نجات اُخروی کا راستہ دکھاؤں چنانچہ ۲۵۴ھ میں چند پیروؤں کی رفاقت میں بصرہ چلا آیا۔ بصرہ میں بنو ضبیعہ کے ہاں فروکش ہوا۔ ان دنوں محمد بن رجا بصرہ کا

ع۔ کتاب المختار و کشف الاسرار للجوبری ۱۷

عامل تھا۔ اور بلالیہ وسعدیہ کے قبائل میں آتش فساد بھڑک رہی تھی۔ علی بن محمد خارجی نے فریقین میں سے ایک کے ملانے کی کوشش کی۔ راز افشا ہو گیا۔ محمد بن رجا عامل بصرہ نے چند سپاہیوں کو اس کی گرفتاری پر متعین کیا۔ علی خارجی یہ خبر پا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا بیٹا بیوی اور چند ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ علی بہزار خرابی بغداد پہونچا۔ ایک برس تک مقیم رہ کر پروپیگنڈا میں مصروف رہا۔ اس کے بعد روسا بلالیہ وسعدیہ نے متفق ہو کر محمد بن رجا عامل بصرہ کو نکال دیا۔ اور بصرہ کے قید خانہ کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ رفتہ رفتہ ان واقعات کی خبر بغداد میں علی خارجی تک پہنچی۔ اس نے میدان خالی پا کر رمضان ۲۵۵ھ میں بصرہ کی طرف مراجعت کی ؞

حبشی غلاموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنیکی عجیب و غریب چال

بصرہ پہنچ کر علی بن محمد نے قصر قرشی میں قیام کیا اور آتے ہی اعلان کر دیا کہ جو حبشی غلام میری پناہ میں آ جائیں گے میں ان کو آزاد کر دوں گا"۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ حبشی غلام اطراف واکناف ملک سے بھاگ بھاگ کر اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ اس نے ایک پُر جوش تقریر کر کے ان کو ملک و مال دینے کا وعدہ کیا۔ حسن سلوک اور احسان کرنے کی قسم کھائی۔ ایک ریشمیں ٹکڑے پر اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ آخر آیۃ تک لکھ کر رایت بنایا اور ایک بلند مقام پر نصب کرا دیا۔ زنگی غلاموں کے آقاؤں کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے علی کے پاس اپنے غلاموں کی نسبت کہنے سننے کو آئے۔ علی نے اشارہ کر دیا۔ زنگی غلاموں نے اپنے آقاؤں کو مارنا اور قید کرنا شروع کیا۔ شرفا بصرہ یہ رنگ دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ آخر علی نے تمام لوگوں کو جنہیں حبشی غلاموں نے قید کر رکھا تھا رہا کر دیا۔ الغرض علی خارجی کا رایت اقبال کامیابی کی ہواؤں میں لہرانے لگا۔ ملک کے ہر چہار طرف سے زنگی غلام جوق جوق اس کے جھنڈے تلے آ کر اپنے کو غلامی سے آزاد کراتے جا رہے تھے۔ یہ شخص ہر وقت ان لوگوں کو اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے اُبھارتا۔ اور ملک و مال پر قبضہ کرنے کی تحریص کر رہا تھا جب حبشی غلاموں کی ایک بڑی جمعیت اس کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو طیار ہو گئی تو ترکتاز کرتے ہوئے سواد دجلہ ابلہ اور قفا و سبیہ کو تاخت و تاراج کیا۔ جہاں کہیں حکام نے مقابلہ کیا ہزیمت اٹھائی۔ ان واقعات سے اس کی قوت اور بھی بڑھ گئی۔ اہل بصرہ آئندہ خطرات کا لحاظ کر کے چار دفعہ علی کے مقابلہ پر آئے۔ مگر ہر مرتبہ ہزیمت اُٹھائی۔ زنگیوں نے ہر دفعہ ان کے سامان جنگ اور آلات حرب چھینے۔ ان فتوحات سے زنگی غلاموں کی جرأت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طوفان بلا کے فرو کرنے کو دربار خلافت سے یکے بعد دیگرے دو [illegible] سالار بھیجے گئے۔ مگر دونوں ہزیمت کھا کے اور مال و اسباب چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ زنگی مال و دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اہل بصرہ نے پانچویں مرتبہ پھر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور ان کے ہزارہا آدمی کام آئے۔ اہل بصرہ نے ان واقعات سے خلیفہ کو مطلع کیا۔ دربار خلافت سے ایک ترک افسر جعلان نام ایک فوج گراں کے ساتھ اہل بصرہ کی کمک پر بھیجا گیا۔ چھ مہینے تک جنگ و پیکار برپا رہی۔ آخر جعلان جنگ سے دست بردار ہو کر بصرہ چلا آیا۔ زنگیوں نے کامیابی کے ساتھ اس کے لشکر گاہ کو لوٹا ؞

علی خارجی کے فتوحات

علی خارجی نے ۲۵۶ھ میں بزور تیغ ابلہ میں گھس کر وہاں کے گورنر عبید اللہ بن حمید اور اس کی مختصر سی فوج کو تہ تیغ کیا۔ اور شہر کو آگ لگا دی۔ ابلہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اب اہواز تک سارا علاقہ علی کے حیطۂ

اقتدار میں آگیا۔ زنگیوں نے اہواز کو خاطر خواہ لوٹا اور ابراہیم بن مدبر وہاں کے عامل کو گرفتار کر لیا۔ اہل بصرہ زنگیوں کے خوف سے شہر خالی کر کے اطراف و جوانب بلاد میں بھاگ گئے۔ ۲۵۷ھ میں خلیفہ معتمد نے سعید بن صالح ایک مشہور سپہ سالار کو زنگیوں کی گوشمالی پر متعین کیا۔ سعید نے میدان جنگ میں پہنچ کر زنگیوں پر حملہ کیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں انہیں میدان جنگ سے بھگا دیا۔ وہ دوبارہ اپنی قوت کو مجتمع کر کے لڑنے کو بڑھے۔ سعید کو اس معرکہ میں ناکامی ہوئی اور اس کے اکثر ساتھی کام آگئے۔ سعید خائب و خاسر دار الخلافہ سامرا (متصل بغداد) واپس چلا آیا۔

اب خلیفہ معتمد نے جعفر بن منصور خیاط کو جو بڑے بڑے معرکوں میں نام پا چکا تھا متعین فرمایا۔ جعفر نے پہلے کشتیوں کی آمد و رفت روک دی جس سے زنگیوں کی رسد بند ہو گئی۔ اس کے بعد زنگیوں سے جنگ کرنے کو روانہ ہوا مگر شکست کھا کر بحرین چلا آیا۔ جس وقت سے جعفر دریا میں زنگیوں سے شکست کھا کر واپس آیا تھا ان کے مقابلہ پر جانے سے جی چراتا اور کشتیوں کی اصلاح، خندقوں کی کھدائی اور مورچہ بندی پر اکتفا کر رہا تھا۔ اس اثنا میں علی بن ریان نے جو زنگیوں کا ایک سپہ سالار تھا اس پر محاصرہ ڈالنے کی غرض سے بصرہ پر چڑھائی کر دی۔ آخر نصف شوال ۲۵۷ھ میں بصرہ کو بزور تیغ فتح کیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو نہایت سفاکی سے قتل و غارت کر کے واپس آیا۔ اس پر بھی اس کے بے رحم دل کو تسکین نہ ہوئی۔ دوبارہ سہ بارہ قتل و غارت کرتا ہوا بصرہ گیا۔ اہل بصرہ نے امان طلب کی۔ علی بن ریان نے امان دے کر لوگوں کو دار الامارۃ میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام لوگ مجتمع ہو گئے تو سب کو جرعۂ شہادت پلا دیا اور مسجد جامع اور اکثر محلات بصرہ میں آگ لگا دی۔

جب بصرہ کی تباہی و بربادی کی خبریں بغداد (سامرہ) پہنچیں تو خلیفہ معتمد نے ایک سپہ سالار محمد معروف بہ مولد کو ایک لشکر جرار کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ مولد رخصت ہو کر بصرہ آیا۔ لوگوں نے رو رو کر زنگیوں کے ظلم و جور کی شکایت کی۔ مولد نے ان کو اور اپنے لشکر کو مرتب کر کے زنگیوں پر دھاوا کیا۔ علی خارجی نے اپنے جنگی افسر یحییٰ بن محمد کو مولد کے مقابلہ پر بھیجا۔ دس روز تک لڑائی ہوتی رہی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ علی خارجی نے ابو لیث اصفہانی کو یحییٰ بن محمد کی کمک پر بھیجا اور حالت غفلت میں شبخون مارنے کی ہدایت کی۔ غرض زنگیوں نے مولد کے لشکر پر شبخون مارا۔ رات بھر اور پھر صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ مغرب کے وقت مولد نے شکست کھائی۔ زنگیوں نے اس کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ زنگیوں نے جامدہ تک منہزم لشکر کا تعاقب کیا۔

شاہزادہ ابو العباس کی روانگی اور اسلامی فوجوں کی قاہرہ فتوحات

اس کے بعد مسلسل نو سال تک دار الخلافہ سے سپہ سالار فوجیں دے کر بھیجے جاتے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی زنگیوں کی تاب مقاومت نہ لا سکا۔ سب کے سب تمام مال و اسباب اعداء کی نذر کر کے بھاگ آتے رہے۔ آخر خلیفہ نے زنگیوں کی سالہا سال کی کامیابیوں اور عساکر سلطانی کی ہزیمتوں سے ملول ہو کر اپنے بھتیجے ابو العباس معتضد بن موفق کو زنگیوں کی مہم پر روانہ کیا۔ ابو العباس وہ شخص ہے جو آئندہ چل کر خلیفہ معتمد کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہوا اور معتضد باللہ کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ ابو العباس ربیع الثانی ۲۶۶ھ کو دس ہزار فوج پیادہ و سوار کی جمعیت سے زنگیوں کی طرف روانہ ہوا۔ علی خارجی نے اس مہم کے لئے بے شمار فوجیں فراہم کی تھیں۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ابو العباس ایک نوجوان شاہزادہ ہے جسے معرکہ آرائی میں مطلق دخل نہیں ہے۔ اس سے اس نے یہ خیال قائم کر رکھا تھا کہ اول تو ابو العباس ہماری کثرت فوج سے خائف ہو کر برسر مقابلہ نہ آئے گا۔ اور اگر مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کی تو پہلے

ہی حملہ میں اس کے دانت ایسے کھٹے کر دیئے جائیں گے کہ کبھی لڑائی کا نام نہ لے گا۔ ابو العباس نے ایک قصبہ میں جس کا نام صلح تھا پہونچ کر فریق مقابل کی خبریں لانے کے لئے جاسوس دوڑائے۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ زنگیوں کا لشکر بھی آن پہنچا ہے۔ چنانچہ ان کے لشکر کا پہلا حصہ قصبہ صلح کے اس کنارے پر ہے اور آخری حصہ لشکر نشیبی واسط تک پھیلا ہوا ہے ابو العباس متعارف راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اثنا راہ میں غنیم کے مقدمۃ الجیش سے مڈبھیڑ ہو ہوگئی۔ ابو العباس نے پہلے تو اپنے پرزور حملہ سے زنگیوں کو پیچھے ہٹا دیا مگر پھر مصلحتاً خود پیچھے کو ہٹا۔ زنگی اس کی پسپائی سے قوی دل ہوکر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ ابو العباس نے اس سے پیشتر دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا بھی روانہ کیا تھا جس کی قیادت ابو حمزہ نصیر کے سپرد تھی۔ چنانچہ نصیر بھی ابو العباس کے حسب ہدایت اپنی فوجوں کو ایک طرف لئے پڑا تھا۔ جب زنگی بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تو ابو العباس نے للکار کر کہا نصیر! کیا دیکھتے ہو؟ یہ کتے اب آگے نہ بڑھنے پائیں۔" نصیر یہ آواز سن کر ایک دوسری جانب سے جس طرف کہ زنگیوں کو کوئی وہم وگمان نہ تھا اپنا ٹڈی دل لئے ہوئے نکل پڑا۔ زنگی حواس باختہ ہوگئے کچھ سوجھائی نہ دیا کہ کیا کریں۔ عالم سراسیمگی میں دریا کی طرف بھاگے۔ ابو العباس نے رومال یا جھنڈی کے اشارہ سے جنگی کشتیوں کی فوج کو بھی معاً حملہ کا حکم دیا۔ غرض حبشی چاروں طرف سے حملہ کی زد میں آ گئے آخر گھبرا کر جدھر راستہ پایا بھاگ کھڑے ہوئے۔ عساکر خلافت نے چھ کوس تک تعاقب کیا اور جو کچھ غنیم کے لشکرگاہ میں تھا لوٹ لیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو شاہی فوج کو سالہا سال کی متواتر اور مسلسل ہزیمتوں کے بعد زنگیوں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔

ابو العباس نے واسط سے ایک کوس ہٹ کر پڑاؤ کیا۔ اب دونوں فریق از سر نو اپنی اپنی فوج کی اصلاح اور ضروریات حرب کی ترتیب میں مصروف ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد زنگیوں کا ایک سپہ سالار سلیمان بن جامع اپنے لشکر کو تین حصوں پر منقسم کر کے تین طرف سے حملہ کرنے کی غرض سے ابو العباس کی طرف بڑھا۔ اور چند دستہ فوج کو کشتیوں پر سوار کر کے براہ دریا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابو العباس اور نصیر نے اپنی ہمت دریائی حملہ کی روک تھام پر مبذول کی اور اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو خشکی پر دست بدست لڑنے کا اشارہ کیا۔ ہنگامۂ کارزار گرم ہوا۔ دوپہر تک آتش حرب شعلہ زن رہی۔ ظہر کے قریب زنگی ہمت ہار بیٹھے اور نہایت افراتفری اور بے ترتیبی کے ساتھ بخوف جان بھاگنے لگے۔ ظہر کے بعد زنگیوں کے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی۔ ابو العباس لشکر غنیم کو موت کے گھاٹ اتارنے اور قید کرنے میں مشغول ہوا اور زنگیوں کی جنگی کشتیاں گرفتار کر لی گئیں۔ ہزاروں زنگی موت کے گھاٹ اترے۔ ابو العباس مظفر ومنصور اپنے لشکرگاہ پر واپس آیا۔

زنگیوں نے لشکر خلافت کے راستہ میں گڑھے کھود دیئے

زنگیوں نے اپنی ہزیمت وفرار کے بعد خلیفۃ المسلمین کے لشکر کی ایذا رسانی کے لئے یہ شیطنت کی کہ آئندہ جس طرف سے لشکر خلافت کا گزر ہونے والا تھا اس راستہ میں بڑے بڑے کنوئیں اور گڑھے کھود کر انہیں گھاس پھوس اور مٹی سے پاٹ دیا۔ ابو العباس کی فوج اپنی فتح کے نشہ میں سرشار اعدا کی چالوں سے غافل تھی۔ بوقت مراجعت اسی راستہ سے ہو کر گزری۔ مگر غنیمت ہے کہ ابھی دو چار ہی سواران گڑھوں میں گرے تھے کہ متنبہ ہوگئی۔ شاہی لشکر نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لی۔ ابو العباس کو زنگیوں کی اس کمینہ حرکت پر سخت طیش آیا۔ اور نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام لینے لگا۔ پہلی فتح کے بعد عساکر خلافت کے لئے فتوحات کا دروازہ کھلا تو اس کے بعد زنگیوں کو بہت سی اور ہزیمتیں ہوئیں جن کی تفصیل کو بخوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔ جب علی خارجی کو اپنی ناکامیوں کا علم ہوا تو اپنے دونوں سپہ سالاروں علی بن ابان اور سلیمان بن جامع کو متفرق ومنتشر ہوکر لڑنے پر

ملامت کی اور دونوں کو مجموعی قوت سے ابوالعباس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ابوالعباس تنہا زنگیوں کے مقابلہ
پر لڑ رہا تھا۔ اور اس نے نصرت الٰہی کے بل پر باوجود نوعمری اور ناتجربہ کاری کے نہایت نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ جب
خلیفہ کے بھائی موفق کو عساکر خلافت کے فتوحات کا حال معلوم ہوا تو سجدۂ شکر بجا لایا۔ اور جب یہ سنا کہ علی ابن ابان اور سلیمان
یکجا ہو کر اس کے بیٹے ابوالعباس پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں تو خلیفہ کے استصواب رائے سے بنفس نفیس ۲۶۶ھ میں ایک بھاری
فوج کے ساتھ بغداد سے کوچ کر دیا۔ جب واسط پہنچا تو اپنے ہونہار فرزند ابوالعباس سے ملا۔ موفق نے ابوالعباس کے فوجی
افسروں کو خلعت گرانبہا اور فوج کو انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ابوالعباس باپ سے رخصت ہو کر اپنے لشکرگاہ میں واپس آیا۔
دوسرے دن موفق نے نہر شداد پر جا کر قیام کیا۔ تیسرے روز ابوالعباس نے محاصرہ کے قصد سے منیعہ کی طرف کوچ کیا۔ موفق
بھی دریا کی راہ سے منیعہ کی طرف بڑھا۔ اور ۸ ربیع الثانی ۲۶۷ھ کو دونوں باپ بیٹا نے دو طرف سے منیعہ پر دھاوا
کیا۔ زنگیوں کو موفق کی خبر نہ تھی۔ دریا کی طرف سے حالت غفلت میں جھرمٹ باندھ کر ابوالعباس کے مقابلہ پر جمع ہوئے۔ آتش
جنگ شعلہ زن ہوئی۔ اس اثنا میں موفق نے دریا کی طرف سے حملہ کر دیا۔ زنگی فوجیں اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے بدحواس
ہو کر جوں ہی حفاظت شہر کی طرف مائل ہوئیں ابوالعباس کے سپاہی بھی انہی کے ساتھ شہر میں گھس پڑے۔ زنگیوں کا خوب
قتل عام ہوا۔ ہزاروں زنگی قید ہوئے۔ موفق اس فتح کے بعد اپنے کیمپ میں واپس آیا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلم خواتین زنگیوں
کے پنجۂ ظلم سے رہا کی گئیں۔ بے حساب رسد و غلہ ہاتھ آیا۔ زنگیوں کا سپہ سالار شعرانی اپنی بچی کھچی ہزیمت خوردہ فوج کو لے
کر جنگل میں جا چھپا۔

منصورہ پر عساکر خلافت کا قبضہ

اس اثنا میں جاسوسوں نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر گوش گزار کیا کہ سلیمان ابن جامع اس
وقت حوانیت میں مقیم ہے۔ موفق یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ فوج کو فوراً طیاری کا حکم دیا۔ اپنے ہونہار فرزند
ابوالعباس کو دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کو لیکر بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اور خود خشکی کی راہ سے کوچ کر کے منیعہ پہنچا۔ زنگیوں
سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ شام تک ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ رات کے وقت ایک زنگی افسر نے ابوالعباس کے پاس آ کر امان کی درخواست
کی۔ ابوالعباس نے امان دے کر سلیمان بن جامع کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ابن جامع اس وقت اپنے شہر منصورہ
میں مقیم ہے۔ ابن جامع نے طہثا کو منصورہ کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ ابوالعباس یہ سنکر اپنے باپ موفق کی خدمت میں
واپس آیا اور اسے ان واقعات سے مطلع کیا۔ موفق نے فوراً منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم صادر کیا۔ اور خود بھی اس کے بعد ہی
کوچ کر دیا۔ طہثا (منصورہ) کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر مورچہ بندی کی۔ دوسرے دن زنگیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ دن بھر
لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مغرب کا وقت آ گیا۔ موفق اپنے کیمپ کو واپس آیا اور زنگیوں کا لشکر منصورہ واپس گیا۔

موفق نے آخر شب میں بیدار ہو کر اپنے لشکر کو مرتب کیا۔ اور جنگی کشتیوں کو دریا کی راہ سے منصورہ کی طرف بڑھنے
کا حکم دیا۔ اس اثنا میں سپیدۂ صبح نمودار ہوا۔ موفق نماز صبح باجماعت ادا کر کے دیر تک مالک الملک جل سلطانہ کی
جناب میں حضور قلب سے دعا کرتا رہا۔ جوں ہی افق پر سرخی نمایاں ہوئی دھاوا کا حکم دے دیا۔ عساکر خلافت کا ایک دستہ
شیر غراں کی طرح ڈکارتا ہوا شہر پناہ کے قریب پہنچ گیا۔ ابوالعباس اس دستہ کا قائد تھا۔ زنگیوں نے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا

دوپہر تک بڑے زور شور سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر زنگیوں کے پیر اُکھڑ گئے۔ عساکر خلافت نے تعاقب کیا۔ زنگیوں نے اپنی خندقوں کے پاس پہنچ کر پھر لڑائی شروع کر دی۔ اس اثنا میں جنگی کشتیاں دریا کی راہ سے شہر کے کنارے پر پہنچ گئیں۔ خلیفہ کی دریائی فوج نے خشکی پر اُتر کر شہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں ابوالعباس کا دستۂ فوج خندق پر لکڑی کا مختصر سا پل بنا کر عبور کر گیا۔ زنگیوں نے گھبرا کر شہر میں داخل ہونے کا قصد کیا مگر ناکام رہے۔ کیونکہ ایک حصہ پر اس سے قبل خلیفہ کی فوج قابض ہو چکی تھی اور لحظہ بہ لحظہ بقیہ حصۂ شہر بھی بلاد خلیفہ کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ غرض زنگی بُری طرح منہزم ہوئے ہزاروں قتل اور ہزارہا قید کئے گئے۔ ابن جامع بقیۃ السیف کو لیکر بھاگ گیا۔ فاتح فوج نے دشمن کا تعاقب کیا مگر ابن جامع نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ موفق نے کامیابی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ دس ہزار مسلمان عورتوں اور بچوں کو جن میں زیادہ تر سادات کے زن و فرزند تھے خارجیوں کی غلامی سے نجات دلائی گئی۔ سلیمان بن جامع کے اہل و عیال بھی گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد موفق اور زنگیوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں لشکر خلافت ہمیشہ مظفر و منصور رہا۔ موفق نے غنیم کے اکثر بلاد فتح کر لئے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۲۶۷ھ کو زنگیوں کے مقابلہ میں جو فتح ہوئی اس کے بعد زنگیوں کے بعض منہزمین نے امان اور جان بخشی کی درخواست کی جس کو موفق نے بطیب خاطر منظور فرمایا۔ زنگیوں کا نامور سپہ سالار ریحان بن صالح مغربی بھی امان کا طالب ہوا۔

شہر مختارہ کا محاصرہ اور بہبود زنگی کی ہلاکت

اب عساکر خلافت نے شہر مختارہ کا محاصرہ کیا۔ موفق اور اس کے فرزند نے مختارہ کے قریب پہونچ کر دو میل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ موفق نے رات کے وقت نقشۂ جنگ اور فصیلوں کی کیفیت کا معائنہ کرنے کے لئے شہر کے اردگرد چکر لگایا۔ فصیلیں نہایت مستحکم تھیں۔ چاروں طرف چوڑی چوڑی خندقیں شہر کو اپنے آغوش حفاظت میں لئے ہوئے تھیں۔ موفق نے شہر پناہ کی مضبوطی کو دیکھ کر امید و بیم کی کشمکش میں علی الصباح دریا کی راہ سے کشتیوں کے ساتھ ابوالعباس کو بڑھنے کا حکم دیا اور خود فوج مرتب کر کے خشکی کی راہ سے مختارہ پر دھاوا کیا۔ ابوالعباس نے نہایت چابک دستی سے اپنی جنگی کشتیوں کو شہر پناہ کی دیوار سے ملا دیا۔ قریب تھا کہ خشکی پر اُتر پڑتا۔ زنگیوں نے دیکھ لیا۔ شور و غل مچاتے ہوئے دوڑ پڑے اور منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر ابوالعباس کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ ابوالعباس کی کشتیوں کے ساتھ زنگیوں کی دو کشتیاں بھی ملاحوں اور سپاہیوں سمیت چلی آئیں۔ ان لوگوں نے امان کی درخواست کی۔ موفق نے نہ صرف انہیں امان دی بلکہ انعام و اکرام سے بھی نوازا اور مرہون منت کیا۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ طالبان امان کی آمد شروع ہو گئی۔ علی خارجی نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً دہانہ دریا پر چند آدمیوں کو مامور کیا تاکہ اس کی جنگی کشتیاں حریف کے سایۂ عاطفت میں جا کر طالب امان نہ ہو سکیں۔ اب علی خارجی نے اپنے امیر البحر بہبود زنگی کو دریا کی طرف سے حملہ کا حکم دیا۔ ابوالعباس مقابلہ پر آیا۔ نہایت خون ریز جنگ کے بعد بہبود کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد بہبود نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ ایک جنگی کشتی پر تھوڑی سی فوج لئے ہوئے دریا میں گشت کرتا رہتا تھا۔ چونکہ اس نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے اپنی کشتی پر عباسی پھریرا نصب کر رکھا تھا اسلامی جنگی کشتیوں کا بیڑا یہ خیال کر کے کہ یہ بھی کوئی اسلامی کشتی ہے متعرض نہ ہوتا۔ اور یہ موقع پا کر ان پر ہاتھ صاف کر جاتا تھا۔ ایک بار ابوالعباس کے کان میں بہبود

کے کرتوت کی بھنک پڑ گئی اور ابو العباس کے ہاتھ بھی لگ گیا مگر کسی طرح بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد حسب معمول ایک اسلامی کشتی پر حملہ آور ہوا۔ اہل کشتی نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ جس وقت دونوں کشتیاں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں موفق کے ایک غلام نے لپک کر اس کے پیٹ میں ایسا نیزہ مارا کہ جگر کے پار ہو گیا۔ بہبود تڑپ کر دریا میں گر پڑا۔ اور ہمیشہ کے لئے دریا کے جگر میں بسیرا کر لیا۔ موفق نے اہل کشتی اور اس غلام کو انعامات دیئے۔ جس طرح بہبود کا مارا جانا موفق کے فتوحات کبریٰ کا پیش خیمہ تھا اسی طرح زنگیوں کے ادبار کا بھی مقدمہ تھا۔ اس شخص کے مارے جانے سے عساکر اسلامی کو بہت بڑی راحت اور عافیت نصیب ہوئی۔

مختارہ کا محاصرہ اور پچاس ہزار زنگیوں کا حلف اطاعت

۱۵ شعبان ۲۶۷ھ کو موفق نے پھر اپنی فوج کو طیاری کا حکم دیا۔ پچاس ہزار عباسی فوج کا سیلاب دریا اور خشکی کی طرف سے مختارہ کی طرف بڑھا۔ اس شہر میں زنگیوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ مگر موفق نے باوجود قلت تعداد اس خوبی سے شہر کا محاصرہ کیا کہ حریف کے دانت کھٹے کر دیئے۔ موفق نے منادی کرا دی کہ جس شخص کو اپنی جان عزیز ہو وہ ہم سے امن کا خواستگار ہو۔ اور جس کو اپنی جان دوبھر ہو اپنے مال واسباب کو لاوارث بچوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ کرنا ہو وہ ہماری شمشیر ہائے خارا شگاف کے مقابلہ پر آئے۔ یہ رعایت خاص و عام باشندگان مختارہ اور زنگی فوج کے لئے ہے خواہ سردار ہوں یا سپاہی"۔ اس مضمون کے رقعے بھی لکھ لکھ کر اور تیروں سے باندھ کر شہر میں پھینکوائے۔ چنانچہ اکثر زنگی سپاہیوں اور مختارہ کے باشندوں نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی جنہیں موفق نے امان دینے کے ساتھ خلعت اور انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ان نوازشات کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلا جدال و قتال علی خارجی کا جتھا ٹوٹ گیا۔ اور اس کے اکثر ساتھی اس سے علیحدہ ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آئے۔ مختارہ محصور تھا۔ مگر موفق پھر بھی لوگوں کو اپنے احسان اور حسن سلوک سے گرانبار کر رہا تھا۔ اس حکمت عملی سے ہزارہا زنگی آئے دن گرویدۂ احسان ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آ رہے تھے۔ چنانچہ رمضان کے اخیر تک پچاس ہزار زنگیوں نے عباسی علم کے سایہ میں آ کر حلف اطاعت اٹھایا۔

موفق مختارہ کو حالت محاصرہ میں چھوڑ کر وہاں سے قریب ایک مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں موفقیہ نام ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ شہر کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا۔ فوجی چھاؤنی اور جنگی کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ تھوڑے دنوں میں فوجیوں، سرداروں اور عوام کے بے شمار مکان طیار ہو گئے۔ جامع مسجد بن گئی۔ اور دار الامارۃ کی تعمیر بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔ تمام ممالک محروسہ میں آبادی کے لئے تجار کے نام گشتی فرمان بھیج دیئے۔ بات کی بات میں ہر قسم کے سامان اور مایحتاج کی دکانیں کھل گئیں۔ کھانے پینے کی ضرورتیں بکثرت مہیا ہونے لگیں۔ موفق ایک مہینہ تک اسی انتظام میں مصروف رہا۔

لشکر اسلام پر حالت نماز میں حملہ کرنے کی سازش

ماہ شوال میں علی خارجی نے طول محاصرہ اور طوالت قیام بلا قتال سے مضطرب و پریشان ہو کر اپنے سپہ سالار علی بن ابان کو موفق پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کیا۔ اور ہدایت کر دی کہ رات کے وقت تاریکی میں بغیر روشنی کے دریا عبور کرو اور نہایت تیزی سے چار پانچ کوس کا چکر کاٹ کر صبح صادق کے نمودار ہونے پر ایسے وقت میں کہ موفق کی فوج ادائے نماز میں مصروف ہو پس پشت حملہ کر دو اور جونہی تم حملہ کرو گے میں بھی

مقابلہ پر آجاؤں گا" علی نے اس رائے کو نظر استحسان سے دیکھ کر طیاری کر دی۔ اور اس قرار داد کے بموجب آدھی رات سے پہلے دریا عبور کر گیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر موفق تک پہنچا دی۔ موفق نے اسی وقت ابوالعباس کو علی بن ابان کی مدافعت و معرکہ آرائی پر روانہ کیا۔ ابوالعباس نے بیس جنگی جہاز اور پندرہ جنگی کشتیاں دریا کی حفاظت پر مامور کیں تاکہ علی بن ابان بحالت ہزیمت دریا عبور نہ کر سکے اور خود ایک ہزار سواروں کی جمعیت سے اس راستہ پر جا کر کمینگاہ میں چھپ رہا جس طرف سے علی آنے والا تھا۔ جونہی علی ابن ابان اس راہ سے گذرا ابوالعباس نے حملہ کر دیا۔ زنگی اس اچانک و غیر متوقع حملہ سے بے اوسان ہو کر بھاگے۔ عباسی سواروں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں۔ اور زنگیوں کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختۂ مشق بنایا۔ زنگی مخبوط الحواس ہو کر دریا کی طرف بھاگے۔ بحری فوج عبور کی راہ میں حائل ہوئی اکثر زنگی کام آئے۔ بہتیرے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہوگئے اور بے شمار قید کر لئے گئے۔ صبح ہوتے ہوتے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

طلوع آفتاب کے قریب ابوالعباس نے میدان جنگ ہی میں نماز صبح ادا کی۔ پھر قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو لئے ہوئے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ موفق نے اسے فرط محبت سے گلے لگا لیا۔ دعائیں دیں۔ لڑائی کے حالات استفسار کئے۔ اور دوپہر کے قریب حکم دیا کہ قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو کشتیوں میں بار کر کے علی خارجی کے محلسرائے کے سامنے دکھلانے کی غرض سے لے جاؤ۔ علی خارجی اور اس کے پیروؤں کو اس واقعہ کی ہنوز کوئی اطلاع نہ تھی۔ تمسخر سے کہنے لگے موفق نے یہ رنگ اچھا جمایا ہے۔ زنگی دلاوروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں ان سیاہ بخت زنگیوں کو قیدی بنایا ہے جو شامت اعمال سے اس کے پاس جا کر امان کے خواہاں ہوئے۔ اور یہ سر تمام مصنوعی ہیں انسانوں کے سر نہیں مگر خوب نقل اتاری ہے۔" جاسوسوں نے خارجی کا یہ مقولہ موفق کے گوش گذار کیا۔ موفق نے حکم دیا کہ ان سروں کو منجنیقوں (جنگی گوپھنوں) میں رکھ کر محصوروں کے پاس پھینک دو۔ جب ایسا کیا گیا تو ایک ہنگامۂ قیامت برپا ہو گیا۔ جو دیکھتا چلانے لگتا۔ علی خارجی بھی سروں کے دیکھنے کو آیا۔ ضبط نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے بعد ابوالعباس اور زنگیوں میں متعدد دریائی لڑائیاں ہوئیں۔ سب میں ابوالعباس فتحمند رہا حتیٰ کہ زنگیوں کی رسد آنی بند ہو گئی۔ اتنے میں شہر کا غلہ بھی اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ زنگیوں کے بڑے بڑے سورما اور نامی سردار فاقہ کشی اور شدت محاصرہ سے تنگ آکر شہر سے نکلے اور امان کی درخواست کی۔ موفق نے انہیں امان دے کر صلے دیئے اور اپنے خاص مصاحبین کے زمرہ میں داخل کر لیا۔ علی خارجی نے اپنی روز افزوں ابتری کا احساس کر کے اپنے دو افسروں کو دس ہزار فوج کی جمعیت سے شہر کی غربی جانب سے نکل کر تین طرف سے عساکر خلافت پر حملہ آور ہونے اور رسد کی آمد بند کرنے کا حکم دیا۔ جاسوسوں نے جھٹ یہ خبر موفق کے کانوں تک پہنچا دی۔ جب زنگیوں نے دریا سے خشکی پر اترنے کا قصد کیا تو خلیفہ کے لشکر نے اچانک حملہ کر دیا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ سیکڑوں نے دامن دریا میں جا بسیرا کیا۔ اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئے۔ زنگیوں کی چار سو کشتیاں گرفتار کر لی گئیں۔ اس معرکہ سے زنگیوں کی رہی سہی قوت بھی ٹوٹ گئی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ چونکہ موفق کے پاس پناہ گزینوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جاتی تھی اس لئے محاصرین کی قوت ترقی پذیر اور محصورین کی جمعیت روبزوال تھی۔ علی خارجی نے دوبارہ ناکہ بندی کا انتظام کیا چیدہ چیدہ سرداروں کو راستہ کی محافظت پر مامور کیا اور دو افسروں کو حکم دیا کہ موفق کے لشکر میں امان حاصل کر کے جاؤ اور اس سے

کہو کہ طول حصار سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آؤ ہم تم کھلے میدان میں لڑ کر اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔

نہروں کا عبور اور فصیل شہر پر محاصرین کا قبضہ

موفق نے اس پیام پر ابو العباس کو غربی نہر کی جانب حملہ کرنے کو روانہ کیا۔ شہر کی یہ سمت زنگی سردار علی بن ابان کے سپرد تھی۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ شور و غل سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ دوپہر ہوتے ہوتے ابو العباس کی فتح اور علی بن ابان کی شکست کے آثار ہویدا ہوئے۔ ظہر کے قریب علی بن ابان اپنے مورچہ سے بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے کو ہٹا۔ اس اثنا میں خارجی نے سلیمان بن جامع کو ایک تازہ دم دستۂ فوج کے ساتھ ابن ابان کی کمک پر روانہ کیا۔ جس سے علی کے قدم پھر جم گئے۔ شام تک گھمسان لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر ابو العباس مظفر و منصور ہوا اور زنگی شہر کی طرف بھاگ نکلے۔

اب موفق نے نہر اتراک کی جانب سے عام حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ نہر کے عبور کرنے کا پورا سامان رات ہی کے وقت سے مہیا رکھا جائے۔ موفق نے افسروں سے فرمایا خدا پر توکل رکھو۔ اسلام کی عزت رب العزت کے ہاتھ میں ہے وہ ضرور ہم کو ہمارے ارادوں میں کامیاب فرمائیگا۔ سرداران فوج حملہ کی طیاری میں مصروف ہوئے۔ علی الصباح طیار ہو کر موفق کے خیمہ کے پاس آئے اور سلامی دی۔ موفق نے لشکر کو مرتب کر کے نہر اتراک کے عبور کرنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی ۲۶ ذی الحجہ ۲۶۷ھ کو بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا پڑھتا ہوا لشکر کے ساتھ چلا۔ شہر کا یہ حصہ جس طرف موفق کا لشکر سیلاب کی طرح بڑھا جاتا تھا نہایت مضبوط تھا۔ موقع موقع پر منجنیقیں نصب تھیں۔ آلات حرب بھی بکثرت موجود تھے۔ علی خارجی سلیمان بن جامع اور علی بن ابان بھی اسی طرف تھے اور بظاہر یہاں کی تسخیر بالکل محال نظر آتی تھی۔

علی خارجی نے موفق کے لشکر کو اس طرف بڑھتا دیکھ کر سنگباری کا حکم دیا۔ منجنیقیں نہایت تیزی سے چلنے لگیں۔ تڑاتڑ پتھر برسنے لگے۔ قدر اندازوں نے روح و تن کا فیصلہ کرنے کو تیر کمانیں اٹھا لیں۔ ایسی حالت میں نہر کا عبور کرنا اور پھر عبور کے بعد شہر پناہ کی دیواروں کے قریب پہونچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب موفق کا لشکر نہر کے قریب پہنچا تو اس جان ستان و زہرہ گداز منظر کو دیکھ کر آگے بڑھنے سے رک گیا۔ موفق نے للکار کے کہا میرے شیرو! کیا یہ منجنیقیں جنہیں یہ سیاہ بخت زنگی چلا رہے ہیں تمہارے عزم و ثبات اور مردانگی کی راہ میں حائل ہو جائیں گی؟ مجھے یقین ہے کہ تمہاری جوانمردی اور دلاوری کے مقابلہ میں ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔" یہ آواز نہ تھی بلکہ ایک برقی قوت تھی جو چشم زدن میں لشکر کی اس طرف سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ جاں نثاران ملت بے تامل بات کی بات میں نہر عبور کر گئے نہ تیروں کی برسات کا خوف کیا نہ سنگباری کی کچھ پروا کی۔ اب موفق کا لشکر شہر پناہ کی دیوار کے نیچے پہونچ کر اسے منہدم کرنے اور سیڑھیاں لگا کر اس پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خلیفہ کے بہادر سپاہی سیڑھیاں لگا کر فصیل شہر پر چڑھ گئے۔ اور لڑ بھڑ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ دولت عباسیہ کا علم نصب کر دیا گیا۔ منجنیقوں اور آلات حصار شکنی میں آگ لگا دی۔ زنگیوں کا ایک ہم غفیر مارا گیا۔

زنگیوں کی مزید ہزیمتیں

دوسری طرف ابو العباس مصروف پیکار تھا۔ اس کے مقابلہ میں زنگی سپہ سالار علی بن ابان گیا ہوا تھا۔ ابو العباس نے اس کو پہلے ہی حملہ میں شکست دی۔ اور ہزاروں زنگی تہ تیغ ہوئے۔ علی بن ابان نے بھاگ کر شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ ابو العباس کا فتحمند لشکر جوش کامیابی میں دیواروں تک پہنچ گیا۔ اور ان میں ایک روزن کر کے بزور

تیغ گھس پڑا۔ سلیمان بن جامع سینہ سپر ہو کر مقابلہ پر آ گیا۔ دیر تک گھمسان کا رن رہا۔ آخر ابو العباس اپنی فوج لیکر واپس آ گیا۔ اور زنگی مزدوروں نے فوراً اس روزن کو بند کر دیا۔ مگر دوسری طرف موفق کی فوج نے شہر پناہ کی دیوار میں متعدد روزن کر لئے۔ اور خندق پر ایک ہنگامی پل بھی بنا لیا جس سے با آسانی تمام لشکر شاہی عبور کر گیا۔ یہ دیکھ کر زنگیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ شاہی فوج بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کرتی دیر ابن شمعان تک چلی گئی اور اس پر قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ اس مقام پر زنگی خوب جان توڑ کر لڑے مگر آخر کار شکست کھا کر اپنے مقتدا کے پاس جا دم لیا۔ خارجی خود سوار ہو کر میدان کارزار میں آیا۔ اور اپنے لشکر کو جوش دلا دلا کر لڑانے لگا مگر کسی کے قدم نہ تھمتے تھے۔ ہر شخص لڑنے پر بھاگنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آخر علی خارجی کے خاص خاص افسر بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں رات کی تاریکی نے ممتد فوج کو حملہ سے روک دیا اور موفق اپنی فوجوں کو لے کر واپس آ گیا۔

محرم ۲۶۸ھ میں زنگیوں کے ایک بہت بڑے معتمد علیہ اور نامور سپہ سالار جعفر بن ابراہیم معروف بہ سجان نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت و انقیاد کی گردن جھکا دی اور امان کا خواستگار ہوا۔ موفق نے اسے امان دے کر خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ اور انعام و اکرام سے گرانبار کیا۔ دوسرے دن خارجی کو دکھانے کی غرض سے اس کو ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار کرا کر علی خارجی کے محلسرا کی طرف روانہ کیا۔ خارجی کے چند فوجی افسر محلسرا سے اس رنجیدہ منظر کو دیکھ رہے تھے جس وقت سجان کی کشتی محلسرا کے قریب پہونچی سجان نے ایک دلچسپ اور معنی خیز تقریر میں علی خارجی اور اس کے ساتھیوں کے معائب اور خلیفہ اور اس کے وابستگان دولت کے حسن اخلاق کو بالتفصیل بیان کیا۔ اور واپس چلا آیا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ زنگیوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بہت سے نامی رؤساء اور منتخب سردار مخفی طور پر موفق کے پاس طلب امان کے لئے کشاں کشاں چلے آ رہے تھے۔

اب موفق نے انہدام شہر پناہ کی طرف عنان توجہ پورے طور پر منعطف کی۔ اور راستہ کے فراخ کرنے میں سر توڑ کوشش کرنے لگا۔ اکثر خود بھی مزدوروں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار منہدم کرنے میں شریک ہو جاتا تھا۔ اور کبھی جوش میں آ کر شمشیر بکف میدان جنگ میں جا پہنچتا۔ آخر کئی روز کی جنگ اور شبانہ روز جانکاہیوں کے بعد نہر سلمی کی جانب شہر پناہ کا بہت بڑا حصہ منہدم ہو گیا۔ شہر کی شمالی جانب دو پل تھے جن پر اس وقت تک محاصرین کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ محصورین اکثر انہی پلوں سے عبور کر کے شاہی لشکر پر آ پڑتے تھے اور نقصان کثیر پہونچا کر واپس چلے جاتے تھے۔ موفق نے ان پلوں کی حالت سے مطلع ہو کر ایسے وقت میں جبکہ زنگیوں سے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ایک دستۂ فوج مزدوروں کی معیت میں ان کے توڑنے کو بھیج دیا۔ زنگیوں نے مزاحمت کی مگر ناکام رہے۔ شاہی لشکر نے اسے دوپہر تک توڑ ڈالا۔ اس کے بعد موفق کی ہمرکاب فوج ایک اور جانب سے شہر پناہ کی دیوار کو توڑ کر گھس پڑی۔ اور قتل و غارت کرتی ہوئی ابن سمعان کے مکان تک بڑھ گئی جہاں علی خارجی کے خزائن مدفون تھے۔ زنگیوں نے چند مزاحمت کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد شہر پناہ کی دیوار منہدم ہو گئی اور فتح کے آثار نمایاں ہو چلے۔

موفق کا شدید مجروح ہونا اور معرکۂ کارزار کا سلسلہ التواء

مگر سوء اتفاق سے ۲۵ جمادی الاول ۲۶۹ھ کو ایک قریہ میں

موفق کے سینہ پر ایک تیر آ لگا۔ چونکہ زخم بہت گہرا تھا صاحبِ فراش ہوگیا۔ لڑائی ملتوی ہوگئی آخر تین مہینہ کے بعد زخم مندمل ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے غسلِ صحت کیا اور عساکرِ اسلامیہ میں پھر چہل پہل نظر آنے لگی۔ لشکریوں کے دل خوش اور چہرے بشاش ہوگئے لیکن زنگیوں نے اس مدت میں شہر پناہ کی منہدم دیواروں کو پھر درست کرلیا۔ اور حفاظت کے لئے جابجا فوجیں متعین کردیں موفق نے حصولِ صحت کے بعد پھر دھاوا کیا اور شہر پناہ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح شہر پناہ کی دیواروں سے نہر سلمیٰ کے قریب جا کر ٹکر کھانے لگیں جنگ کا بازار گرم ہوگیا۔ زنگی لشکر غازیانِ اسلام کی مدافعت پر کمر بستہ تھا اور مسلمان تھے کہ بیابان پھیل کر پلے پڑتے تھے۔ ایک دن جبکہ اس طرف جنگِ جانستان نمونۂ قیامت پیش کر رہی تھی موفق نے جنگی بیڑے کو مشرقی نہر ابن خصیب کی جانب سے حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ امیر البحر نے حکم پاتے ہی اپنے بیڑہ کو اس تیزی سے وہاں پہنچا دیا کہ زنگیوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی وہ بے خبری میں اپنی پوری حربی طاقت سے نہر سلمیٰ کے قریب عساکرِ اسلامیہ سے مصروفِ پیکار رہے۔ ادھر بحری فوج نے زنگیوں کے ایک محلسرا کو جلا دیا۔ جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ اور سکانِ محل کو گرفتار کرلیا۔ غروب کے وقت عساکرِ خلافت ظفر و منصور میدانِ کارزار سے فرودگاہ پر واپس آئے۔ اگلے دن نمازِ صبح ادا کرکے دھاوا کیا اسلامی مقدمۃ الجیش انکلائی بن خبیث کے محل تک قتل و غارت کرتا ہوا پہنچ گیا۔ علی بن ابان زنگی سپہ سالار نے نہروں میں جو محلسرا کے چاروں طرف تھیں پانی جاری کرنے اور جلیفہ اسلامیین کے لشکر کے بالمقابل متعدد خندقیں کھودنے کا حکم دیا تاکہ وہ انکلائی کے محل تک نہ پہنچنے پائے۔

کشتیوں کی چھتوں پر مانعِ احراق ادویہ کا ضماد

موفق نے حریف کی اس کارروائی سے مطلع ہوکر فوراً اپنی ہمرکاب فوج کو چار دستوں میں تقسیم کرکے ایک کو خندق اور نہر کے پاٹنے پر متعین فرمایا اور دوسرے دستۂ فوج کو دجلہ کی جانب سے خارجی کے قصر پر حملہ کا اشارہ کیا۔ اسی تیسرے دستہ کو للکار للکار کر لڑا رہا تھا۔ جونہی جنگی کشتیاں شہر پناہ کے قریب پہنچیں اوپر سے سنگباری اور آتشباری ہونے لگتی۔ مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ ایک شبانہ روز اسی طرح تصادم رہا۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر کشتیوں کی چھتوں کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ کر انہیں ادویہ مانعِ احراق سے رنگنے کا حکم دیا۔ نفّاطین اور نامی جنگ آوروں کی ایک جماعت کو اس بات پر متعین فرمایا جو تمام رات اہتمامِ جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہ سوئی۔ موفق فوج کو بڑھاوے دیتا اور اس سے انعامات کے وعدے کرتا رہا۔ اسی رات کو علی خارجی کے سکرٹری محمد بن شمعان نے حاضر ہوکر امان کی درخواست کی۔ موفق نے اسے خلعت سے سرفراز فرمایا اور عزت واحترام سے ٹھہرایا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پراگندہ ومنتشر کرنے کے خیال سے ابو العباس کو زنگی سپہ سالاروں کے مکانات جلانے کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں تمام جنگی جہازوں کی چھتوں پر ایسی ایسی دواؤں کا ضماد کردیا گیا تھا جن پر آگ مطلقاً اثر نہ کرتی تھی چنانچہ یہ بیڑہ قصر کی جانب دجلہ کی طرف سے بڑھا زنگیوں نے آتشباری شروع کی مگر بے نتیجہ رہی جنگی بیڑہ نہایت تیزی سے آتشباری کرتا ہوا علی خارجی کے قصر کے نیچے جا لگا۔ نفّاطوں نے روغن نفت کی پچکاریاں بھر بھر کر محل پر پھینکنی شروع کیں۔ چنانچہ اسی ترکیب سے قصر کی بیرونی عمارت جلا کر خاک سیاہ کردی گئی۔ زنگی محلسرا کے اندر جا چھپے۔ دجلہ کے کنارے جس قدر مکانات تھے اسلامی لشکر نے سب کو آگ لگا دی۔ بڑے بڑے عالیشان ایوان وقصور آگ کا ایندھن بن رہے

تھے۔ کوئی نرد کرنے والا نہ تھا۔ تمام اسباب کو آگ نے چشم زدن میں نیست ونابود کر دیا۔ اور جو کچھ اس عام آتش زنی سے بچ رہا اسلامی فوج نے پہنچ کر لوٹ لیا۔ قریش اور سادات کی بے شمار خواتین زنگیوں کے قبضہ سے واگزار کرائی گئیں۔ زنگی سرداروں کے سربفلک محل جل کر تودۂ خاک ہو گئے۔

محصورین کی بدحالی۔ انسان انسانوں کو کھانے لگے

علی خارجی اپنے اور اپنے سرداروں کے مکان جل جانے کے بعد نہر ابی حصیب کی شرقی جانب چلا گیا۔ تاجر اور دکاندار بھی اُدھر کو اُٹھ گئے۔ رسد کی آمد بالکل مسدود ہو گئی۔ شہر کے ذخائر تمام ہو گئے اور ضعف واضمحلال کے آثار نمایاں ہوئے۔ محصورین نے پہلے تو گھوڑوں اور گدھوں کا صفایا کیا پھر انسانوں نے انسانوں کو کھانا شروع کر دیا۔ مگر بایں ہمہ علی خارجی کی جبینِ استقلال میں ذرا شکن نہ پڑی۔ موفق شرقی جانب کے منہدم کرنے میں اسی سرگرمی سے مصروف رہا جیسا کہ غربی جانب کے انہدام میں مشغول تھا۔ یہ سمت نہایت مستحکم بنی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے وسیع اور نہایت بلند اور چوڑی دیواریں چاروں طرف محافظت کر رہی تھیں۔ جابجا منجنیقیں نصب تھیں۔ آلات حصار شکن بھی بکثرت موجود تھے۔ اسلامی لشکر اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ موفق نے للکارا مگر بلندی کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ سیڑھیاں لگائیں پھر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کمند ڈال کر دشمن کے پہریوں کو کھینچا۔ ان کا گرنا تھا کہ زنگی بھاگ کھڑے ہوئے۔ نفاطوں نے روغن نفط کی ہزاروں پچکاریاں خالی کر دیں۔ سارا محل لمحہ بھر میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ فوج نے اس محل کو بھی خوب لوٹا۔ خارجی کے خاص خاص مصاحب امان کے خواستگار ہوئے۔ موفق نے نہایت سیر چشمی سے انہیں امان دی۔ انعام و صلے بخشے۔ ان لوگوں نے موفق کو ایک بہت بڑے بازار کا پتہ بتا دیا جو بہار کے نام سے آباد تھا۔ اس بازار میں بڑے بڑے تاجر اور ساہوکار رہتے تھے زنگیوں کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی تھی۔ موفق نے اس پر دھاوا کر دیا۔ اور اسے جلا دینے کے قصد سے نفاطوں کو لے کر بڑھا۔ زنگیوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ خلیفہ کے لشکر نے آگ لگا دی۔ سارا دن جنگ اور آتشزنی کا بازار گرم رہا۔ فریقین کے ہزارہا آدمی کھیت رہے۔ آخر موفق نے مختارہ کی شہر پناہ کو نہر غربی تک جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس سمت میں خارجی کے ممتاز فوجی افسر ایک چھوٹے سے قلعہ میں حفاظت کا سامان کئے پناہ گزین تھے۔ جب کبھی موفق کا لشکر مصروف جدال ہوتا تو یہ دائیں بائیں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور سخت نقصان پہنچاتے تھے۔ موفق نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے جم غفیر نے قید کی مصیبت سے نجات پائی۔

شہر پر قبضہ اور علی خارجی کا قتل

۲۷ محرم ۲۷۰ھ کو موفق نے شہر پر قبضہ کر لیا اور مسلم قیدیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ قلیل اور ابن ابان گرفتار ہو گئے۔ علی خارجی چند فوجی افسروں کو ساتھ لے کر نہر سفیانی کی طرف بھاگ گیا۔ اسلامی فوج تعاقب کرتی ہوئی نہایت تیزی سے اس کے سر جا پہنچی۔ گھمسان لڑائی شروع ہو گئی۔ بہت سے زنگی افسر مارے گئے۔ کچھ ایک بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ خارجی تاب مقاومت نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر منتہائے نہر ابی خصیب تک بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ عساکر اسلامی نے اس کا تعاقب کر کے اسے جا لیا۔ اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا۔ موفق نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور مظفر و منصور اپنے خرگاہ میں لوٹ آیا۔ انکلائی بھی پانچ ہزار زنگیوں سمیت گرفتار ہوئے۔ موفق نے اس مہم کو سر کر کے بلادِ اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور امن قائم کرنے کا گشتی فرمان نافذ کر دیا۔ اور چند روز تک امن و امان قائم کرنے کے خیال سے

موفقیہ میں مقیم رہا اور ابوالعباس کو بغداد بھیج دیا۔ ابوالعباس ۱۸ جمادی الثانی ۲۷۰ھ کو بغداد پہنچا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشیاں منائیں اور شہر میں چراغاں کیا گیا۔ زنگیوں کے خانہ ساز نبی نے آخر رمضان ۲۵۵ھ میں خروج کیا تھا۔ انجام کار اپنی حکومت کے چودہ برس چار مہینے بعد یکم صفر ۲۷۰ھ کو مارا گیا۔ اور اس کے تمام مقبوضات از سر نو عباسی علم اقبال کے سایہ میں آگئے۔ ابن اثیر اور ابن خلدون نے اکثر جگہ زنگیوں کے سردار کا نام خبیث لکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علی بن محمد ہی کا دوسرا نام یا لقب ہے علی بن محمد اہل بیت نبوت کا بدترین دشمن تھا۔ خصوصاً امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے سخت عناد رکھتا تھا۔ اس عاقبت نا اندیش نے ایک تخت بنوا رکھا تھا جسے جامع مسجد کے صحن میں بچھواتا۔ اور اس پر بیٹھ کر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا۔ اسکے پیرو بھی اس شیطنت میں اس کے ہم صفیر ہوتے۔ اس نابکار نے ایک مرتبہ اپنے لشکر میں سادات عظام کی خواتین محترمہ کو دو دو تین تین درم میں بذریعہ نیلام عام فروخت کیا تھا۔ اور ایک ایک زنگی نے دس دس سیدانیاں گھر میں ڈال رکھی تھیں[1]

باب ۲۲۔ حمدان بن اشعث قرمط

حمدان بن اشعث معروف بہ قرمط سواد کوفہ کے ایک چاہ کن کا بیٹا تھا۔ بیل پر سوار ہوا کرتا تھا۔ اس بنا پر اس کو کرمیطہ کہتے تھے۔ جس کا معرب قرمط ہے۔ شروع میں زہد و تقشف کی طرف مائل تھا۔ لیکن ایک باطنی کے ہتھے چڑھ کر سعادت ایمان سے محروم ہو گیا۔ ایک مرتبہ گاؤں کا ریوڑ دوسرے گاؤں کو لئے جا رہا تھا۔ راہ میں اس کو ایک باطنی فرقہ کا داعی ملا حمدان نے باطنی سے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟ داعی نے اسی گاؤں کا نام لیا جہاں حمدان کو جانا تھا۔ حمدان نے کہا آپ کسی بیل پر سوار ہو لیں۔ اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ حمدان نے پوچھا کیا آپ حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے؟ داعی نے جواب دیا "ہاں میرا ہر کام حکم کے ماتحت انجام پاتا ہے"۔ حمدان نے سوال کیا کہ آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں؟ کہنے لگا میں اپنے مالک اور تیرے اور دنیا و آخرت کے مالک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں"۔ حمدان نے کہا کہ وہ تو اللہ رب العلمین ہے۔ اس نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ حمدان پوچھنے لگا "آپ وہاں کس غرض سے جا رہے ہیں؟" بولا مجھے حکم ملا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو جہل سے علم، ضلالت سے ہدایت اور شقاوت سے سعادت کی طرف لاؤں۔ ان کو ذلت و ناداری کے گرداب سے نکالوں اور انہیں اتنا کچھ بخش دوں جس سے وہ تونگر ہو جائیں"۔ حمدان نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے مجھے بھی آپ جہالت اور ضلالت کے گرداب سے نکالیئے اور مجھ پر ایسے علم کا فیضان کیجیئے جس سے میں زندہ جاوید ہو جاؤں۔ اور جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کی مجھے اشد ضرورت ہے"۔ باطنی فریب کار کہنے لگا مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ اپنا سربستہ راز ہر شخص پر ظاہر کرتا پھروں۔ بجز اس شخص کے جس پر مجھے پورا اعتماد ہو اور پھر ایسے معتمد علیہ سے پوری طرح عہد نہ لے لوں"۔ حمدان نے کہا آپ اپنے عہد کی تو تشریح فرمایئے۔ میں دل و جان سے اس کی تعمیل اور پابندی کروں گا"۔ داعی نے کہا تو اس بات کا عہد کر کہ امام وقت کا بھید جو تجھ پر ظاہر کروں کسی سے نہ کہے گا"۔ حمدان نے اسی طرح قسمیں کھائیں اور عہد و میثاق کو استوار کیا جس طرح اس نے

---

[1] علی بن محمد خارجی اور اس کے زنگی پیروؤں کی چیرہ دستیوں کے واقعات تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ میں صفحہ ۲۰۰ سے ۲۳۲ تک سنین وار درج ہیں۔ اس باب میں تاریخ کامل کے علاوہ تاریخ ابن خلدون، کتاب الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ اور تاریخ الخلفاء سیوطی سے بھی مدد لی گئی ہے ۱۲

خواہش کی۔ اب داعی نے اس کو اپنے فنونِ اغوا کی تعلیم دینی شروع کی یہاں تک کہ اس کو راہ سے بے راہ کر دیا۔ اس دن سے حمدان الحاد کے سرغنہ اور باطنی فرقہ کے منّاد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ انجام کار اس کے باطنی پیرو اسی کی نسبت سے قرمطی یا قرامطہ کہلانے لگے۔[1]

قرمطی عقاید و احکام حمدان بن اشعث حسب بیان مقریزی [2] ۲۶۴ھ میں اور حسب تحریر ابن خلدون ۲۷۸ھ میں منصۂ شہود پر ظاہر ہوا۔ اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام باطنی فرقہ کے خلاف اس نے تاویل کاری کے باطنی اصول کے ساتھ بعض ظاہری احکام کو بھی اپنے مذہب میں داخل کر لیا تھا۔ یہ شخص امام محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے فرزند احمد کو رسول اللہ بتاتا تھا اور اس کا دعوٰی تھا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا زمانۂ دراز سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ چونکہ زہد و تقشف اور صلاح و تقوٰی کا اظہار کرتا تھا اہل دیہات اس کے دعوٰی کو بے چون و چرا تسلیم کر کے اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اور متابعت اختیار کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قرمط ہی وہ شخص ہے جس کی احمد بن محمد بن حنفیہ نے بشارت دی تھی۔ اس نے اپنے پیروؤں پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب انہوں نے شکوہ کیا کہ نمازوں کی کثرت نے انہیں دنیاوی اشتغال اور کسب معاش سے روک دیا ہے تو بولا "اچھا میں اس کے متعلق ذات باری کی طرف رجوع کروں گا"۔ چنانچہ چند روز کے بعد لوگوں کو ایک نوشتہ دکھانے لگا۔ جس میں حمدان کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ تم ہی مسیح ہو تم ہی عیسٰی ہو۔ تم ہی کلمہ ہو۔ تم ہی مہدی ہو۔ تم ہی محمد بن حنفیہ ہو اور تم ہی جبرئیل ہو۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ جناب مسیح بن مریم (علیہما السلام) میرے پاس انسانی صورت میں آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تم ہی داعی ہو۔ تم ہی حجّت ہو۔ تم ہی ناقہ ہو۔ تم ہی دابہ ہو تم ہی روح القدس ہو۔ اور تم ہی یحیٰی بن زکریا (علیہما السلام) ہو۔ اور بیان کیا کہ عیسٰی علیہ السلام نے مجھ سے یہ فرمایا ہے کہ نماز میں صرف چار رکعتیں ہیں دو رکعت قبل از فجر اور دو رکعت قبل از غروب اور اذان یوں ہے کہ پہلے چار دفعہ اللہ اکبر پھر دو مرتبہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور پھر ایک ایک مرتبہ یہ کلمات کہیں اشہد آدم رسول اللہ۔ اشہد ان نوحاً رسول اللہ۔ اشہد ان ابراہیم رسول اللہ۔ اشہد ان موسٰی رسول اللہ۔ اشہد ان عیسٰی رسول اللہ۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ۔ اشہد ان احمد بن محمد بن حنفیہ رسول اللہ۔ اس نے سال بھر میں صرف دو روزوں کا حکم دیا۔ ایک روزہ ماہ مہرجان کا اور دوسرا نوروز کا۔ شراب کو حلال اور غسل جنابت کو برطرف کر دیا۔ تمام درندوں اور پنجے سے شکار کرنے والے جانوروں کو حلال بتایا۔ کعبۂ معلّٰی کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ حکم دیا کہ مرد اور عورتیں مل کر نماز باجماعت ادا کریں۔ جمعہ کی جگہ دوشنبہ کو تعطیل منانے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اس دن لوگ کام کاج سے قطعاً دست بردار رہیں۔[3]

نماز پڑھنے کا طریقہ جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے قرآن کی آیات اور ان کے بعض حصوں کا سرقہ کر کے اپنا کلام وحی بنا لیا ہے (دیکھو کتاب حقیقۃ الوحی مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۷۰ - ۱۰۸) اسی طرح حمدان نے بھی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کے الفاظ میں قطع و برید کر کے ایک سورت طیار کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اس کے پیرو پہلے تو نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعاء استفتاح پڑھیں جو اس کے زعم میں احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد قراءۃ قرآن کی جگہ اسی سورہ کو پڑھا کریں۔ وہ خود ساختہ سورت یہ تھی۔ الحمد للہ بکلمتہ وتعالٰی باسمہ المتخذ لاولیائہ باولیائہ قل ان الاھلۃ مواقیت

---

[1] تلبیس ابلیس ابن جوزی مطبوعہ دہلی ص ۱۴۷ - ۱۴۹ [2] کتاب الخطط مقریزی جلد ۲ ص ۱۸۳ [3] کتاب الدعاۃ ص ۱۱۱ - ۱۱۲ نا فلاً عن العزل للوطواط ۱۲

للناس ظاهرھا لیعلم عدد السنین والحساب والشهور والایام و باطنها اولیائی الذی عرفوا عبادی سبیلی اتقونی یا اولی الالباب وانا الذی لا اُسئل عما افعل وانا العلیم الحکیم وانا الذی ابلو عبادی وامتحن خلقی فمن صبر علی بلائی ومحنتی واختباری القیتہ فی جنتی واخلدتہ فی نعمتی ومن زلّ عن امری وکذب رسلی اخذتہ مهانا فی عذابی واتممت اجلی واظهرت امری علی السنۃ رسلی وانا الذی لم یعل علیّ جبار الا وضعتہ ولا عزیز الا اذللتہ ولیس الذی اصر علی امرہ ودام علی جهالتہ وقالوا لن نبرح علیہ عاکفین وبہ موقنین اولئک هم الکافرون (ترجمہ) خدا کی حمد وثنا اس کے کلمہ کے ساتھ ادا کرتا ہوں اس کا نام بلند و برتر ہے۔ وہ جو اپنے دوستوں کو دستوں سے تقویت دیتا ہے۔ کہو کہ لوگوں کے لئے ہلال کے وقت مقرر کر دیئے گئے ہیں تاکہ انسے ظاہر میں برسوں کی تعداد اور حساب اور مہینے اور دن معلوم ہوں۔ اور ہلال کا باطن میرے ان دوستوں کے لئے ہے جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ دکھائی۔ اے صاحبان عقل وخرد! مجھ سے ڈرو۔ میں وہ ہوں جس سے میرے فعل پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ میں جاننے والا اور بُردبار ہوں۔ میں وہ ہوں جو اپنے بندوں کو مبتلا کرتا ہوں۔ اور اپنی مخلوق کا امتحان کرتا ہوں جو کوئی میری بلا، میری محنت اور میرے اختیار پر صبر کرے گا۔ اسے اپنی جنت میں داخل کروں گا۔ اور اپنی نعمت جاوداں عطا کروں گا۔ اور جس نے میرے حکم سے سرتابی کی اور میرے رسولوں کو جھٹلایا میں اس کو ذلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا رکھوں گا۔ میں نے اپنی اجل کا اتمام کیا ہے اور میں نے اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر فرما دیا ہے۔ میں وہ ہوں کہ جب کوئی سرکش تعلی کرتا ہے تو اسے پست کر دیتا ہوں۔ اور کوئی جابر اور گردن فراز ایسا شخص نہیں جسے میں ذلیل نہ کر دوں۔ وہ آدمی بُرا ہے جو اپنے فعل پر مصر رہے اور اپنی جہالت پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ ہم اس کام پر مصر رہیں گے۔ ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔ حمدان نے حکم دیا تھا کہ اس سورہ کے بعد رکوع کریں۔ اور رکوع میں دو تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ سُبْحَانَ رَبِّیْ رَبِّ الْعِزَّۃِ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُ الظَّالِمُوْنَ۔ پھر سجدہ میں جائیں اور کہیں۔ اَللّٰہُ اَعْلٰی اَللّٰہُ اَعْلٰی اَللّٰہُ اَعْظَمُ اَللّٰہُ اَعْظَمُ[ع]

حمدان کی گرفتاری اور حبس سے فرار

جب حمدان کی جمعیت بڑھنے لگی تو اس نے اپنے پیرؤوں میں سے بارہ آدمی بحیثیت نقیب مقرر کئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مختلف بلاد میں پھیل کر اس کے مذہب کی تبلیغ کریں اور ان سے کہا تم حواریانِ مسیح علیہ السلام کی مانند ہو۔ جب ہیصم عامل کوفہ کو معلوم ہُوا کہ حمدان نے دین اسلام کے مقابلہ میں ایک نیا آئین جاری کیا ہے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھ رہی ہے تو اسے گرفتار کر لیا اور اس خیال سے کہ مبادا کسی حیلہ سے بھاگ جائے قید خانہ کے بجائے اپنے پاس قصر امارت کی ایک کوٹھری میں بند کر کے مقفل کر دیا۔ اس کی کنجی اپنے تکیے کے نیچے رکھ دی اور قسم کھائی کہ اس کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ ہیصم کے گھر کی ایک لونڈی بڑی رحم دل تھی۔ جب اسے معلوم ہُوا کہ یہ شخص قتل کیا جانے والا ہے تو اس پر رقت طاری ہو گئی۔ جب ہیصم سو گیا تو کنجی لے کر کوٹھری کا دروازہ کھولا اور حمدان کو آزاد کر کے کنجی اسی جگہ رکھ دی۔ جب صبح کے وقت ہیصم نے اس غرض سے دروازہ کھولا کہ اسے موت کے گھاٹ اُتار دے تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت واستعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ غائب ہے۔ جب یہ خبر کوفہ میں مشہور ہوئی تو لوگ اس غیوبت کی وجہ سے فتنہ میں پڑے اور اس کے پیرؤوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ خدائے قدوس نے حمدان کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ لیکن اس کے بعد مضافات میں مریدوں در بعض

ع تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۸ ۔ ۱۴۹ ۔

دوسرے لوگوں سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ اُنہوں نے پُوچھا کہ حاکم کوفہ نے تو آپ کو مقفّل کر رکھا تھا۔ آپ کس طرح نکل آئے؟ بڑے ناز و غرور سے کہنے لگا کوئی شخص میری آزار رسانی میں کامیاب نہیں ہو سکتا!! یہ سُن کر ان کی عقیدت پہلے سے بھی دوچند ہوگئی۔ چونکہ اسے ہر دم یہ خطرہ رہتا تھا کہ دوبارہ گرفتار کر لیا جاؤں گا اس لئے نواح شام کی طرف بھاگ گیا۔
کہتے ہیں کہ قرمط نے علی بن محمد خارجی کے پاس جا کر کہا تھا کہ میں ایک مذہب کا بانی اور نہایت صائب الرائے ہوں۔ اور ایک لاکھ مبارز میرے پیرو ہیں آؤ ہم اور تم مذہبی مناظرہ کر کے ایک خیال و مذہب پر متفق ہو جائیں تاکہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ علی بن محمد خارجی نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی لیکن متفق الرائے نہ ہو سکے۔ اس لئے قرمط واپس آکر عزلت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے مذہب کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ جو شخص قرمطی مذہب کا مخالف ہو اس کا قتل کرنا واجب ہے اور جو شخص مخالف ہو اور برسرِ مقابل نہ ہو اس سے جزیہ لیا جائے عہ۔ ابو سعید جنابی، اور اس کا بیٹا ابو طاہر قرمطی، زکرویہ، یحییٰ بن زکرویہ، اور علی بن فضل یمنی جنہوں نے عرصۂ دراز تک عالم اسلام کے خلاف ہلچل مچائے رکھی اسی قرمط کے چیلے چانٹے یا ماننے والے تھے۔ اسلام پر چند اولیں صدیوں میں جو جو آفتیں نازل ہوئیں اور پیروانِ توحید کو جن مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا ان میں سے ایک فتنۂ قرامطہ بھی ہے۔ ان ملاعنہ کی قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلفائے بنی عباس تک ان بھیڑیوں کا نام سُن کر کانپ جاتے تھے۔ آخر میں تو یہ مصر کے سلاطین بنی عُبید کی گرفت سے بھی آزاد ہو گئے تھے اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دستِ ستم سے چیخ اٹھا تھا۔ یہ لوگ یہاں تک کور باطن اور معاندینِ اسلام تھے کہ بیت اللہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر عمان لے گئے جو ان کا مستقرِ دولت تھا۔ اس حادثۂ جانگداز کی تفصیل ابو طاہر قرمطی کے تذکرہ میں آئے گی۔

ہندوستان میں قرمطی مذہب کا حدوث

باب ۱۷ میں علامہ عبد القاہر کی کتاب "الفرق بین الفرق" کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ملتان آکر باطنیوں کو خوب گوشمال کیا تھا۔ لیکن تاریخ فرشتہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل باطنی نہیں تھے۔ بلکہ قرمطی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یوں تو قرمطی فرقہ بھی باطنیہ ہی کی ایک شاخ ہے لیکن ان میں ایک بیّن فرق یہ ہے کہ قرامطہ نے عام باطنی مسلک کے خلاف بعض ظاہری احکام کو بھی جزءِ مذہب بنا لیا تھا۔ اس کے علاوہ قرامطہ نے یہود اسماعیلیہ اور خوارج کے فرقہ ازارقہ کے بعض اصول بھی اپنے کیش و مذہب میں داخل کر لئے تھے حمدان قرمط ۲۶۴ھ یا ۲۷۸ھ میں ظاہر ہوا تھا۔ چونکہ باطنیہ کی طرح قرمطی منّاد بھی اپنے مذہب کی نہایت سرگرمی سے اشاعت کرتے رہتے تھے۔ اس لئے یہ مذہب دُور دُور تک پھیل گیا یہاں تک کہ قریباً سوا سو سال کے بعد ہندوستان میں سندھ اور ملتان نے بھی قرمطی اثر قبول کر لیا تھا۔ تواریخ ہند کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی ملتان پر لشکر کشی کرنے کے لئے غزنی سے ہندوستان آیا تھا۔ اس یورش کی وجہ یہ تھی کہ ابو الفتح داؤد بن نصیر قرمطی والیٔ ملتان نے اپنی قلمرو میں قرمطی الحاد و زندقہ پھیلا رکھا تھا۔ اس سے قطع نظر ابو الفتح سلطان کو بعض دوسری مہمات میں منہمک پا کر بعض ایسی حرکات ناشائستہ کا مرتکب ہوا تھا جو سلطان پر سخت شاق گزریں۔ حالانکہ ابو الفتح کا باپ نصیر اور اس کا دادا شیخ

عہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۸ — ۱۴۹

حمید امیر سبکتگین اور خود سلطان محمود سے ہمیشہ رابطۂ خلوص اور نیاز مندانہ طریق ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ ابو الفتح سلطان کی آمد کی خبر سُن کر سخت سراسیمہ اور بدحواس ہُوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سلطان ان حدود کو اسی کی بداعمالیوں کی سزا دینے کے لئے آ رہا ہے۔ اب اس نے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ راجہ انند پال والیٔ لاہور کو سلطان کی پیشقدمی سے مطلع کر کے اس سے مدد مانگے۔ چنانچہ راجہ نے ازراہ عاقبت نااندیشی اپنے جذبات تعصب سے مغلوب ہو کر فوراً ابو الفتح کا ساتھ دینے کی ٹھان لی جھٹ لاؤ لشکر لے کر عازم پشاور ہُوا اور راستہ ہی میں کسی جگہ سلطان کا سدِّ راہ ہُوا۔ سلطان انند پال کی یہ جسارت دیکھ کر سخت برہم ہُوا اور حکم دیا کہ زنادقۂ ملتان کی تو بعد میں خبر لی جائے گی پہلے انند پال کو اس جرأت کی قرار واقعی سزا دی جائے غرض عساکر محمودی نے راجہ کی فوج کو مار مار کر اس کے پرخچے اڑا دیئے اور میدان جنگ میں ہر طرف کشتوں کے پشتے دکھائی دینے لگے راجہ نے بُری طرح شکست کھائی اور بقیۃ السیف کو لے کر بھاگا۔ لشکر سلطانی نے دریائے چناب کے کنارے قصبہ سوہدرہ تک اس کا تعاقب کیا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ لشکر سلطانی کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا تو لاہور کی سمت چھوڑ سراسیمہ وار کشمیر کی طرف بھاگا۔ سلطان نے یہ حکم دے کر کہ اب راجہ جدھر جاتا ہے جانے دو" ملتان کا رُخ کیا۔ ابو الفتح کے اوسان خطا ہوئے۔ اور یہ دیکھ کر کہ آج تک جس کسی نے سلطان سے جنگ آزمائی کا حوصلہ کیا چاہ ذلّت میں گرا اور خاکِ نامرادی اپنے چہرۂ بخت پر ڈالی قلعہ بند ہو کر نہایت عجز و زاری کے ساتھ کہلا بھیجا کہ میں قرمطی مسلک سے توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ ہر سال بیس ہزار درم سرخ بطور خراج بارگاہ سلطانی میں بھیجتا رہوں گا اور الحاد و زندقہ سے احتراز و اجتناب کر کے اپنی قلمرو میں احکام شرع جاری کروں گا۔" سلطان نے اس درخواست کو منظور کیا۔ اور سات روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر غزنی کی طرف مراجعت کی۔ مگر ابو الفتح کی یہ پیشکش محض دفع الوقتی پر مبنی تھی۔ سلطان کی مراجعت کے بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس لئے سلطان سنہ ۴۰۱ھ میں فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ہُوا دوبارہ ملتان آیا اور قرمطی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا۔ بہت سے قرامطہ و ملاحدہ تہ تیغ ہوئے۔ سلطان ابو الفتح کو اس کی بدعہدی کی پاداش میں گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ اور غور کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ حالت قید ہی میں بار حیات سے سبکدوش ہو گیا۔ سلطان کے جانشین مدت مدید تک ملتان پر حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب دولت غزنویہ میں زوال و انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تو قرامطہ پھر ملتان پر چڑھ دوڑے اور وہاں از سر نو عمل و دخل کر لیا۔ آخر سلطان معز الدین محمد سام نے انہیں منہزم کر کے علاقہ ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جب سلطان محاصرۂ ملتان سے دست کش ہو کر غزنی کو واپس گیا تو راجہ انند پال پھر لاہور آ براجا۔ انند پال کو یقین تھا کہ اب کی مرتبہ سلطان کبھی جرم بخشی نہ کرے گا۔ اس لئے بجائے عفو جرم کی درخواست کے ابھی سے حرب و قتال کی طیاریوں میں مصروف ہُوا جب سلطان کو اس کی جنگی طیاریوں کی اطلاع ہوئی تو راجہ انند پال کی گوشمالی کے لئے پھر عنانِ توجہ ہندوستان کی طرف پھیری۔ یہ خبر سُن کر انند پال سخت بدحواس ہوا اور دھرم کا واسطہ دے کر ہندوستان بھر کے ہندو راجاؤں سے سلطان کے مقابلہ میں مدد مانگی۔ چنانچہ اوجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور بہت سی دوسری ریاستوں کے راجے اپنا اپنا لاؤ لشکر لے کر سلطان سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے پنجاب میں آموجود ہوئے لیکن تائید ایزدی سلطان کی پشت پناہ تھی اس نے ہندوستان بھر کی متحدہ افواج کو فیصلہ کن شکست دی۔ اب راجہ انند پال کے

جو اس درست ہوئے اور نہایت تضرع و ابتہال کے ساتھ طالب عفو و درگزر ہُوا۔ سلطان بڑا رحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے راجہ کے تمام سابقہ جرائم پر خط عفو کھینچ کر اس کو پنجاب کی حکومت پر بحال کر دیا لیکن اب انند پال ایسا سیدھا ہُوا کہ اس کے بعد اس سے کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی جو مزاج ہمایوں کے خلاف ہوتی چنانچہ جس سال سلطان نے تھانیسر کا عزم کر کے پنجاب میں سے گذرنے کا قصد کیا تو اس خیال سے کہ عبور راہ کے وقت راجہ کی مملکت کو کوئی نقصان نہ پہنچے انند پال کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تھانیسر کا عازم ہوں مناسب ہے کہ تمہارے چند امراء ہمارے موکب ہمایونی میں مشایعت کریں تاکہ تمہارا ملک ہماری فوج کی پامالی سے محفوظ رہے۔ مہاراجہ انند پال اطاعت پذیری کو نقد دولت کا ذریعہ یقین کر کے بعجلت تمام اسباب ضیافت مہیا کرنے میں مصروف ہُوا اور اپنی مملکت کے تاجروں اور بقالوں کو حکم دیا کہ ہر قسم کی ضروریات اور اجناس لشکر سلطانی میں لے جا کر ایسا انتظام کریں کہ کسی چیز کی تھوڑ نہ آنے پائے اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کے ہمراہ کر کے شہنشاہ کواکب سپاہ کے حضور میں بھیجے اور ہر طرح سے اظہار عجز و نیاز مندی کیا۔[ع۵] ہندوستان میں بمبئی گجرات اور دکن کے بوہرے انہی قرامطہ کی یادگار ہیں جو ایران اور عراق سے سندھ اور ملتان میں آئے اور ان میں بعض حکمران بھی رہے۔ اور گو ان کے اسلاف کے خیالات میں اور اسمٰعیلی عقاید میں بُعد المشرقین تھا تاہم مرور زمانہ کے ساتھ یہ لوگ آہستہ آہستہ اسماعیلی مذہب کی طرف مائل ہوتے گئے چنانچہ آج کل ان لوگوں نے راسخ الاعتقاد اسماعیلیوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

باب ۲۳ - ابو سعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی

سنہ ۲۸۱ھ میں ایک شخص یحییٰ بن مہدی نامی قطیف مضافات بحرین میں وارد ہو کر علی بن معلّی بن حمدان کے مکان میں فروکش ہُوا اور بیان کیا کہ مجھے حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام نے اپنا ایلچی مقرر کر کے روانہ فرمایا ہے۔ اور عنقریب وہ بھی خروج کیا چاہتے ہیں۔ مؤرخوں نے نہیں بتایا کہ یہ کس خانہ ساز مہدی کا داعی تھا لیکن اغلب یہ ہے کہ یہ عبیداللہ کا پیامبر ہوگا۔ کیونکہ ان ایام میں اسماعیلی دعاۃ نے عبیداللہ کے حق میں نہایت زبردست پروپیگنڈا شروع کر رکھا تھا۔

شیعان قطیف سے جعلی مہدی کے مطالبات

یحییٰ کا میزبان علی بن معلی نہایت غالی شیعہ تھا۔ اس نے شیعان قطیف کو جمع کر کے مہدی کا خط جس کو یحییٰ نے پیش کیا تھا پڑھ کر سنایا تاکہ مضافات بحرین میں اس خبر کی شہرت ہو جائے ہم اہل سنت و جماعت بھی حضرت محمد بن عبداللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے متوقع ہیں۔ لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ایسے دور آشوب میں ہوگا جب کہ قیامت کی علامات قریبہ کا ظہور شروع ہو چکا ہوگا۔ اس کے برخلاف شیعہ لوگ ہر زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے کوکبۂ جلال کے منتظر رہے ہیں چنانچہ آج کل بھی وہ رات دن حضرت مہدی علیہ السلام کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے ہیں۔ شیعان قطیف نے خانہ ساز مہدی کے خط کو نہایت خلوص اور اطاعت شعاری کے ساتھ سُنا اور سب نے حلف اٹھایا کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام ظہور فرما ہوں گے ہم ان کے ہمراہ رکاب اعداء سے لڑیں گے۔ ان شیعان قطیف کا سرگروہ ابو سعید جنابی تھا جو خروج کے لئے

ع۵ تاریخ فرشتہ ص ۲۴–۲۷

بپھر رہا تھا۔ یحییٰ اس واقعہ کے بعد تھوڑے دن کے لئے غائب ہوگیا۔ دوسری مرتبہ کہیں سے ایک اور خط لے آیا جس میں فرضی مہدی کی طرف سے اہل قطیف کی اطاعت پذیری اور اقرار رفاقت کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہر شیعہ چھتیس چھتیس دینار (قریباً ایک سو اسی اسی روپیہ) یحییٰ کی نذر کرے۔ ابو العجبی دیکھو کہ شیعان قطیف نے اس حکم کی بطیب خاطر تعمیل کی اور جس کسی کو اتنا زر نقد میسر نہ تھا اس نے قرض دام کرکے جس طرح بھی بن پڑا اس مطالبہ کو پورا کیا۔ یحییٰ ہزار ہا روپیہ وصول کرکے پھر غائب ہوگیا۔ چند روز کے بعد تیسرا خط لایا جس کا یہ مضمون تھا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے مال کا خمس (پانچواں حصہ) امام الزمان کے لئے یحییٰ کے حوالے کرے۔ شیعان قطیف کی خوش اعتقادی اور مذہبی حمیت دیکھو کہ انہوں نے اس خواہش کا بھی نہایت خندہ پیشانی اور کمال مستعدی سے خیر مقدم کیا۔ غرض یحییٰ بن مہدی آئے دن قبائل قیس میں ایک نہ ایک خط یہ ظاہر کرکے کہ یہ مہدی آخر الزمان کی جانب سے ہے برابر پیش کرتا رہا۔ انہی ایام میں حسب بیان ابراہیم صائغ ایک مرتبہ یحییٰ بن مہدی ابو سعید جنابی کے گھر آیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہوکر ابو سعید گھر سے نکلا اور اپنی بیوی سے کہتا گیا کہ وہ یحییٰ کے پاس جا کر اسے اپنی طرف مائل کرے اور اگر آمادہ ہو جائے تو انکار نہ کرے۔ جب اس شرمناک واقعہ کی اطلاع حاکم قطیف کو ہوئی تو اس نے یحییٰ کو گرفتار کرکے بری طرح پیٹا اور اس کا سر اور ڈاڑھی مونڈ دی۔ یہ دیکھ کر ابو سعید اپنے اصل وطن موضع جنابا کو بھاگ گیا۔ ادھر یحییٰ بہزار ذلت و رسوائی قبائل بنی کلاب عقیل و خریس کے پاس چلا گیا۔ یہ لوگ ابو سعید کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو سعید جنابی کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔

بصرہ اور ہجر کی تسخیر اور قیدیوں کا زندہ نذر آتش کیا جانا

ظاہر ہے کہ حصول جمعیت کے بعد ابو سعید کا عقدہ خروج جو بہت دن سے عمال خلافت کے خلاف عربدہ جوئی کے لئے بپھر رہا تھا کسی ہنگامہ خیزی کے بغیر کسی طرح تسکین نہیں پا سکتا تھا۔ اس لئے وہ خروج مہدی علیہ السلام کی طرف سے خالی الذہن ہوکر خود ہی ۲۸۶ھ میں دعوائے مہدویت کیا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے قرب وجوار کے قصبات و دیہات کو تاراج کیا۔ پھر بعزم تسخیر بصرہ کی طرف عنان عزیمت موڑ دی۔ احمد بن محمد بن یحییٰ واثقی والی بصرہ نے دربار خلافت میں اس فتنہ کی اطلاع کی۔ خلیفہ معتضد باللہ نے محافظت بصرہ کے خیال سے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا جس کی تعمیر پر چودہ ہزار دینار صرف ہوئے۔ جس وقت ابو سعید ۲۸۶ھ میں بصرہ کے قریب پہنچا بغداد سے بھی عباس بن عمر غنوی عامل فارس دو ہزار سوار لئے ہوئے بصرہ کی مدافعت کو آ پہنچا۔ سواروں کے علاوہ متطوعہ یعنی رضاکار پیادوں اور غلاموں کا بھی جم غفیر تھا۔ بصرہ سے تھوڑے فاصلہ پر ابو سعید سے تصادم ہوگیا۔ صبح سے شام تک بڑے زور شور سے آتش جنگ شعلہ زن رہی۔ دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی جس میں ابو سعید کو فتح ہوئی اور عباس غنوی گرفتار ہوگیا۔ ابو سعید کی فوج نے شاہی لشکرگاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر لوٹ لیا اور جس قدر مبارز ہاتھ آسکے قید کر لئے۔ اب ابو سعید نے سیکڑوں من لکڑی جمع کرائی اور اس کو آگ دکھا دی۔ جب شعلے بلند ہوئے تو اس کی فوج ایک ایک مسلمان قیدی کو اٹھا اٹھا کر زندہ آگ میں جھونکتی گئی۔ یہاں تک کہ تمام قیدی دنیاوی آگ میں جل کر باغ جنان کو چلے گئے۔ ابو سعید نے اس جنگ سے فراغت پا کر ہجر کا عزم کیا اور بلا مزاحمت وہاں قبضہ کر لیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶۲ — ۱۶۳ [2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶۴

ابو سعید بڑے بڑے دعووں کے باوجود بڑا زندیق تھا۔ گو قرمطی مشہور تھا لیکن قرامطہ کے مسلک کے خلاف باطنی طریقہ کا دلدادہ تھا۔ کہتا تھا کہ حشر و نشر اور معاد و حساب کے سارے قصے فضول اور من گھڑت ہیں اور جو شخص کسی کو صوم و صلوٰۃ وغیرہ ظاہری اعمال کی ترغیب دے اس کا قتل کرنا واجب ہے[1]۔ یہ شخص انتہا درجہ کا سفاک تھا۔ اس نے بے شمار مسلمانوں کو جرعۂ شہادت پلایا۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں۔ سیکڑوں مصاحف مقدس نذر آتش کیے۔ اور بیشمار عازمان حج کے قافلے لوٹے۔ ان تمام سفاکیوں کے باوجود وحی آسمانی کا مدعی تھا جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ مجھے ابھی ابھی فتح و ظفر کا وعدہ دیا گیا ہے[2]۔

ابو سعید کا قتل ۳۰۱ھ میں ابو سعید اپنے خادم صقلبی کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ اس کا کام تمام کر کے خادم ابو سعید کی قوم کے ایک رئیس کبیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ چلیئے میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ پھر ایک اور قرمطی رئیس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرے سردار نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اسی طرح دو اور سر آوردہ قرمطیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ان کی جان ستانی کے بعد پانچویں کے پاس جا کر اس کو بغرض قتل بلا لایا۔ لیکن وہ آتے ہی صورت حالات کو بھانپ گیا اور صقلبی کا ہاتھ پکڑ کر چیخنے چلانے لگا۔ لوگ آ جمع ہوئے اور عورتیں رونے لگیں۔ صقلبی اور اس پانچویں شخص میں تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر لوگوں نے آ کر صقلبی کی گردن مار دی۔ ابو سعید نے اپنے بڑے بیٹے سعید کو اپنا ولی عہد بنا رکھا تھا۔ لیکن اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب کر کے باپ کا جانشین ہو گیا۔ خلافت عباسیہ میں ان دنوں کوئی دم خم باقی نہ تھا۔ خلیفہ بغداد میں اتنی سکت نہ تھی کہ ان مفسدوں کو مقہور کر کے مسلمان قیدیوں کو چھڑا لے ناچار قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیجنے پر اکتفا کیا اور ان کو حکم دیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کی سلسلہ جنبانی کر کے اس سے مناظرہ کریں اور اس کے فساد مذہب کے دلائل پیش کریں۔ ابو سعید نے خلیفہ کی چٹھی کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ اور چٹھی قاصدوں کے ہاتھ واپس بھیج دی۔ جب قاصد ہجر سے لوٹ کر بصرہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ابو سعید مارا گیا ہے اور اس کا بیٹا ابو طاہر اس کا جانشین ہوا ہے۔ قاصدوں نے بغداد آ کر خلیفہ کو اپنی ناکامی سفارت کی اطلاع دی۔ خلیفہ نے کہا کہ اب تم ابو طاہر کے پاس خط لے جاؤ۔ چنانچہ قاصد دوبارہ ہجر گئے۔ ابو طاہر نے قاصدوں کا اعزاز و اکرام کیا۔ قیدیوں کو رہا کر کے بغداد بھیج دیا۔ اور خط کا بھی جواب

ابو سعید جنابی کے مرنے کے بعد اس کے پیرؤوں نے اس کی قبر پر بڑا قبہ تعمیر کر کے اس پر گچ کا ایک پرندہ بنایا اور مشہور کیا کہ جب یہ پرندہ پرواز کرے گا تو ابو سعید اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہو گا۔ ان گم کردگان راہ نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا اور خلعت کپڑے اور ہتھیار رکھے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص مر جائے اور اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا جائے تو وہ جب کبھی اٹھے گا سوار ہو گا اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا ہو گا تو پا پیادہ ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ابو سعید کے پیرؤوں کے دلوں میں اس کی اتنی وقعت تھی کہ جب ان کے سامنے اس کا نام لیا جاتا تو اس پر درود بھیجتے۔ لیکن حضرت سید الاولین والآخرین علیہ التحیۃ والسلام کا ذکر مبارک آتا تو درود نہ بھیجتے اور کہتے کہ جب ہم رزق ابو سعید کا کھاتے ہیں تو ابو القاسم (سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیوں درود بھیجیں[3]۔

باب ۴۲ - زکرویہ بن مہرویہ قرمطی

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۵۰۳ و کتاب المنتظم للجوزی [2] تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۹۴ [3] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۴۱ [4] تلبیس ابلیس مطبوعہ دہلی ص ۱۴۹

زکرویہ بن ماہر و قرمطہ کا ایک داعی تھا۔ حامل وحی اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ایلچی ہونے کا مدعی تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میری سواری کا ناقہ مامور ہے جو شخص اس کے ہمراہ ہوگا وہ ہمیشہ فتح یاب ہوگا۔ یہ شخص اس امر کا احساس کر کے کہ قرامطہ کے نیست و نابود کر دینے کی کوشش میں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے فوجوں پہ فوجیں سواد کوفہ کی طرف بھیجی جا رہی ہیں دفاع کے لئے کھڑا ہوا۔ پہلے بنو اسد اور طے کے بادیہ نشینوں کے پاس گیا اور قرمطی مذہب کے نشر و توزیع کی کوشش کی ان لوگوں نے اس تحریک کو نفرت و استکراہ کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب اس نے اپنے بیٹوں کو قبیلہ کلب بن وبرہ میں بھیجا۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ البتہ اس قبیلہ کی ایک شاخ جسے قلیص بن ضمضم بن عدی کہتے تھے اس مذہب کی طرف مائل ہو گئی اور زکرویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔ خلیفہ معتضد عباسی کا غلام شبل نام رصافہ کی جانب سے زکرویہ پر حملہ آور ہوا لیکن زکرویہ فتحیاب ہوا۔ اور شبل شہید ہو گیا۔ زکرویہ فتح کے شادیانے بجاتا ہوا واپس گیا۔ اب خلافت مآب کی طرف سے احمد بن محمد طائی کے غلام نے کہ اس کا نام بھی شبل تھا فوج کشی کی۔ زکرویہ نے اس کے مقابلہ میں اپنے ایک فوجی سردار ابوالفوارس خلف بن عثمان کو فوج دے کر روانہ کیا۔ شبل کو فتح نصیب ہوئی اور ابوالفوارس گرفتار ہو گیا۔ شبل نے اسے بغداد لا کر دربار خلافت میں پیش کیا۔

خلیفۃ المسلمین کو قیدی کا طعنہ کہ آل عباسؓ کو خلافت کا کوئی استحقاق نہیں

خلیفہ معتضد نے ابوالفوارس کو خطاب کر کے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا واقعی یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کی روحیں تمہارے جسموں میں حلول کر گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے تم لوگ اپنے تئیں گناہوں اور لغزشوں سے معصوم سمجھتے ہو؟ ابوالفوارس نے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا، اگر ہم میں روح اللہ نے حلول کیا ہے تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور اگر روح ابلیس حلول کر گئی ہے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ؟ اس کے بعد بولا اس لغو بیانی کو چھوڑو اور کوئی ایسی بات کرو جو فائدہ بخش اور نتیجہ خیز ہو۔ خلیفہ معتضد نے کہا کہ اچھا تم ہی ان باتوں کو چھیڑو جن سے فائدہ اور نفع کی امید ہو۔ کہنے لگا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو تمہارے مورث اعلیٰ عباس بن عبد المطلب (رضی اللہ عنہ) بقید حیات موجود تھے۔ مگر نہ تو خود خلافت کے مستدعی ہوئے اور نہ لوگوں نے ان سے بیعت کی۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے وفات پائی تو عمر (رضی اللہ عنہ) کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس وقت بھی عباس (رضی اللہ عنہ) زندہ تھے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کے پیش نظر تھے مگر عمر (رضی اللہ عنہ) نے نہ تو عباسؓ کو اپنا ولیعہد بنایا اور نہ انہیں ارباب حل و عقد کی جماعت میں جو چھ افراد پر مشتمل تھی داخل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مورث اعلیٰ امر خلافت کا مستحق نہ تھا یا کم از کم ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نے تمہارے مورث کو اس مہتم بالشان ذمہ داری کا اہل نہ سمجھا۔ پھر حیرت ہے کہ تم لوگ کس استحقاق سے مدعی خلافت ہو اور خلیفہ بنے بیٹھے ہو؟ خلیفہ معتضد سے اس اعتراض کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ جھلا اٹھا اور حکم دیا کہ اس کی کھال کھینچ کر جوڑ الگ الگ کر دو۔ اس فرمان کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس بدنصیب نے آناً فاناً زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔[ع]

مجلس شوریٰ پر انتخاب خلیفہ کا انحصار

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ معتضد کے علمی اور تاریخی معلومات بہت محدود تھے۔ ابوالفوارس کے اعتراض کا یہ جواب تھا کہ خلفائے بنو امیہ (باستثنائے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ) نہایت ظالم اور فاسق تھے۔ بنو فاطمہؓ میں سے پہلے حضرت امام حسینؓ نے پھر ان کے پوتے جناب زید بن امام زین العابدین (رضی اللہ عنہما) نے پھر

ع ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶۸ — ۱۶۹۔ ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۵۱

حضرت زیدؒ کے فرزند یحییٰ بن زیدؒ نے مختلف اوقات میں بنو اُمیہ سے انتزاعِ خلافت کی کوششیں فرمائیں لیکن نہ صرف ناکام رہے بلکہ اپنی عزیز جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس عہدِ آشوب میں ضروریاتِ ملّی زبانِ حال سے پکار رہی تھیں کہ خدا کا کوئی ایسا بندہ یا جماعت میدانِ عمل میں نکلے جو اہلِ ایمان کو بنو اُمیہ کے دستِ بیداد سے نجات دلائے۔" بنو عباس کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بنو اُمیہ سے حکومت چھین کر ان سے بہتر خلافت قائم کی اور مسلمانوں کے جراحتِ دل پر ہمدردی کا مرہم رکھا۔ گو آلِ عباس کی خلافت بھی علیٰ منہاج النبوۃ نہیں تھی تاہم اس میں شبہ نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد عباسی سلطنت ہی ایک ایسی حکومت تھی جو ہر اعتبار سے دینِ حنیف اور پیروانِ ملتِ حنیفی کی پُشت پناہ ثابت ہوئی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد جس قدر سلطنتیں بھی اسلامی حکومتوں کے نام سے عرصۂ شہود میں جلوہ گر ہوئیں اُن میں کوئی حکومت میں حیث المجموع عدل و انصاف، خدمتِ ملّی، اعلاءِ کلمۃ اللہ، نفاذِ شریعتِ مصطفوی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) خدمتِ حرمین شریفین، علم نوازی اور معارف پروری میں خلافتِ بنو عباس کا مقابلہ نہیں کر سکتی خصوصاً قرامطہ باطنیہ اور بنو عبید تو اپنے بدعات و کفریات کی وجہ سے قطعاً اس قابل نہ تھے کہ ان کی حکومتوں کو اسلامی حکومت قرار دیا جا سکے چہ جائیکہ ان کا کوئی فرمانروا خلیفۃ المسلمین ہو سکتا۔ اگر حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) نے جناب عباس (رضی اللہ عنہ) کو بعض دوسرے جلیل القدر صائب الرائے صحابہ رض کی موجودگی میں اربابِ شوریٰ میں داخل نہ کیا یا ان کے لئے خلافت کی وصیت نہ کی تو یہ ان کے نااہل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آیندہ چل کر ان کی اولاد بھی اس صلاحیت سے عاری ہو گئی بنو عباس کے اخذِ بیعت کے وقت مسلمانوں میں کوئی ایسی جماعت موجود نہ تھی جن میں آلِ عباس سے بڑھ کر یا کم از کم ان کے برابر ہی شرائطِ خلافت پائے جاتے ہوں اور وہ برسرِ اقتدار ہو کر مسلمانوں کے سیاہ و سپید کی مالک ہوئی ہو پس خلفائے بنو عباس ہی عالمِ اسلام کے جائز اور صحیح خلفاء تھے۔ اور یہ مسئلہ فرقۂ حقۂ اہل سنت و جماعت اور شیعوں میں مختلف فیہ ہے کہ خلافت منصوص چیز ہے یا اس کا مدار مجلسِ شوریٰ کے فیصلہ پر ہے؟ ہم لوگ مجلسِ شوریٰ کے فیصلہ یا مسلمانوں کے اتفاقِ رائے یا قوم کی اطاعت پذیری کو اس کا مدار علیہ ٹھہراتے ہیں۔ اور شیعہ اسے منصوص سمجھتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وصال میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اپنے والد (حضرت ابو بکر صدیق رض) اور بھائی (جناب عبد الرحمٰن بن ابو بکر رض) کو میرے پاس بلا لاؤ تاکہ میں تمہارے والد کے لئے ایک دستاویز لکھ دوں۔ مبادا کل کو کوئی اور شخص (خلافت کی) آرزو کرنے لگے یا اپنا استحقاق ظاہر کرے۔ حالانکہ ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے سوا کوئی دوسرا شخص مستحقِ خلافت نہ ہوگا۔ پھر حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر اس عزیمت کو فسخ فرما دیا کہ خداوندِ عالم (حضرت) ابو بکر (صدیق رض) کے سوا دوسروں کی خلافت سے انکار کرے گا اور مومن بھی اس کو مسترد کر دیں گے۔ع

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبر رض کو اپنے روبرو منصبِ خلافت تفویض فرمانا چاہتے تھے لیکن چونکہ آپ انتخابِ امامت و امارت کا ایک مستقل اصول و آئین قائم کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے وصیت یا دستاویز کو غیر ضروری خیال فرمایا۔ اور یہ بھی دیکھو کہ شیعہ لوگ خلافت و امامت کو منصوص خیال کرتے ہیں حالانکہ خود امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کی حقیقت پر یہ دلیل پیش فرمائی تھی کہ حضرات مہاجرین و انصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے

ع مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب ابی بکر رض

ان کو خلیفہ منتخب کیا۔ چنانچہ شیعوں کے مشہور مجتہد رضی نے کتاب "نہج البلاغۃ" میں امیر معاویہؓ کے نام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل چھٹی درج کی ہے۔

امابعد فان بیعتی یامعاویۃ لزمتك وانت بالشام فانہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی مابایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یردّ وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجلٍ وسمّوہ اماما کان للّٰہ رضیً وان خرج منھم خارج بطعنٍ اوبدعۃٍ ردّوہ الیٰ ما خرج منہ فان ابیٰ قاتلوہ علیٰ اتباعہ غیر سبیل المومنین وولّاہ اللّٰہ ما تولّی واصلیہ جھنم وسائت مصیرا۔

اے معاویہؓ! ملک شام میں میری بیعت تم پر لازم ہو گئی کیونکہ میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی امر پر بیعت کی جس پر ان سے کی تھی۔ پس نہ تو حاضر کو اپنی مرضی پر چلنے کا اختیار رہا اور نہ غائب کے لئے مسترد کرنے کی گنجائش رہی بلاشبہ شوریٰ مہاجرین و انصار کا معتبر ہے پس اگر یہ حضرات کسی شخص پر جمع ہو جائیں اور اس کو امام بنا لیں تو خدا کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ ہو گا اور اگر کوئی شخص ان سے بسبب کسی طعن یا بدعت کے علیحدگی اختیار کرے تو اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ قبول نہ کرے تو اس سے قتال کیا جائے کیونکہ اس نے مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور حق تعالیٰ نے اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا اور اس کو دوزخ میں ڈالے گا جو بری جگہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو بھی مسلمان اپنا امیر بنا لیں یا قوم اس کی اطاعت کر لے وہی عند اللہ جائز امام المسلمین ہوتا ہے شیعہ لوگ امیر المومنین علیؓ کے مندرجہ صدر مکتوب کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ یہ الزامی دلیل ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ فان اجتمعوا علیٰ رجلٍ وسمّوہ اماماً الخ کو الزام سے کوئی تعلق نہیں۔

یحییٰ بن زکرویہ کا قتل

زکرویہ کے قرمطی پیرو سواد کوفہ میں شبل سے شکست کھا کر ۲۸۹ھ میں شام کی طرف بھاگ گئے اور دمشق میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ان ایام میں دمشق کی عنان حکومت احمد بن طولون کے غلام طغج کے ہاتھ میں تھی قرامطہ سے اس کی کئی دفعہ معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن اسے ہر مرتبہ ہزیمت ہوئی۔ آخر طغج نے اپنے آقا احمد بن طولون والی مصر سے امداد طلب کی۔ چنانچہ مصری سپاہ اس کی امداد کو پہنچی۔ میدان مبارزت از سر نو گرم ہوا۔ زکرویہ کا بیٹا یحییٰ مارا گیا اور بقیۃ السیف نے اس کے بھائی حسین بن زکرویہ کے پاس جا پناہ لی۔ علی بن زکرویہ اپنے بھائی یحییٰ کے مارے جانے کے بعد فرات کی جانب بھاگ گیا تھا۔ قرامطہ کی منتشر جماعت اس کے پاس جمع ہونے لگی۔ جب قرامطہ کی جمعیت بڑھی تو علی نے طبریہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور پہنچتے ہی اسے لوٹ لیا۔ حسین بن حمدان سپہ سالار افواج بغداد نے یہ خبر پا کر علی کی گوشمالی پر کمر باندھی۔ علی یمن کو بھاگ گیا۔ اور وہاں اپنے دعاۃ اور ہوا خواہوں کو جمع کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یمن کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا آخر صنعاء کی جانب بڑھا جو یمن کا صدر مقام ہے۔ والیٔ صنعا شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ علی نے شہر کو خوب لوٹا۔ ان واقعات کے اثنا میں زکرویہ نے بنی قلیص کے پاس جنہوں نے سماوا میں مدت سے بود و باش اختیار کر لی تھی عبداللہ بن سعید موسوم بہ ابو غانم کو خط دے کر بھیجا جس میں لکھا تھا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ صاحب الشامہ حسین موسوم بہ احمد اور اس کا بھائی یحییٰ موسوم بہ شیخ بہت جلد پھر آنے والے ہیں بعد ازاں امام زمان ظاہر ہوں گے۔ اور تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے

ع‍ تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ شاہ عبدالعزیز مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۹۶

معمور کردیں گے۔ چنانچہ ابو غانم نے قبیلہ کلب میں پہونچ کر ان خیالات کی اشاعت کی اور ان لوگوں کو مذہبی سپاہی بنا کر شام کا رخ کیا۔ بلاد شام کو پامال کرتا ہُوا دمشق پر جا پڑا۔ مگر اہل دمشق نے اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد اردن پر جا چڑھا۔ والی اردن مارا گیا۔ اور یہ مظفر و منصور طبریہ کی طرف بڑھا اسے بھی خوب لوٹا۔ دربار خلافت میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مکتفی نے ایک لشکر جرار حسین بن حمدان کی سرکردگی میں بغداد سے روانہ کیا۔ ابو غانم یہ خبر پا کر سماوا کی طرف بھاگا۔ شاہی فوج نے تعاقب کیا۔ ہزارہا قرمطی شدت تشنگی سے ہلاک ہوئے۔ بغرض خلیفہ کے سپہ سالار نے ۲۹۳ھ میں اسے قتل کر ڈالا جس سے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی۔

حجاج پر جور و تغلب کے طوفان اور ان کی جانستانی

ان واقعات کے بعد قرمطی جمع ہو کر دریہ نام ایک موضع میں گئے جہاں زکرویہ کئی سال سے بخوف جان چھپا ہُوا تھا۔ قرامطہ نے یہاں اس کو ایک باؤلی میں مخفی کر رکھا تھا جس کے کواڑ آہنین اور نہایت مضبوط تھے۔ قرمطیوں نے باؤلی کے دروازے کے پاس ایک تنور بھی بنا رکھا تھا۔ جب کبھی زکرویہ کو گرفتاری کا خطرہ لاحق ہوتا تو جھٹ ایک عورت کھڑی ہو کر اس تنور میں ایندھن جلانے لگتی۔ اس تنور کو دیکھ کر لوگ اس خیال سے واپس چلے آتے کہ زکرویہ یہاں نہیں ہوگا۔ اس انتظام کے علاوہ اُنہوں نے ایک کمرہ بھی بنا رکھا تھا جس کے کواڑ کے پیچھے ایک بڑا سا طاق تھا جب کمرے کا کواڑ کھلتا تو وہ طاق کے منہ کو ڈھک لیتا۔ اگر کوئی شخص زکرویہ کی تلاش میں اس کمرے میں آتا تو وہاں کسی شخص کو نہ پاتا۔ حالانکہ زکرویہ بسا اوقات اس طاق میں چھپا ہوتا تھا۔ قرامطہ اس کے پاس پہنچے اور اس کو دیکھ کر سر بسجود ہو گئے اس کے بعد اسے ہاتھوں پر اٹھا کر باہر لائے اور اس کو ولی اللہ کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ اب اطراف و جوانب کے مقتداء بھی جو اس کے مذہب کی تعلیم و تلقین کرتے پھرتے تھے آ آ کر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ زکرویہ نے ان پر اپنی طرف سے قاسم بن احمد کو بحیثیت نائب مقرر کیا اور انہیں اپنے حقوق و فرائض جتلائے جو ان پر واجب تھے اور یہ بھی ہدایت کی کہ ان کی دینی و دُنیوی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنے امیر کے دائرۂ اطاعت سے ذرا بھی قدم باہر نہ نکالیں۔ ان دعاوی کے ثبوت میں زکرویہ نے آیات قرآنی پیش کیں جن کے معانی و مطالب میں آجکل کے مرزائیوں کی طرح من مانی تاویل و تحریف کی۔ خلیفہ مکتفی نے ان کی سرکوبی کے لئے فوجیں روانہ کیں لیکن قرامطہ نے انہیں سواد کوفہ میں پسپا کر دیا۔ اور ان کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد زکرویہ حاجیوں کا قافلہ لوٹنے کو بڑھا۔ حلوان کو تاخت و تاراج کرتا ہُوا واقصہ کو جا گھیرا۔ وہاں والوں نے قلعہ بندی کر لی۔ قرامطہ نے مضافات کے چشموں اور کنوؤں کا پانی خراب کر دیا۔ جب دربار خلافت میں یہ خبریں پہونچیں تو خلیفہ مکتفی نے محمد بن اسحاق کے زیر قیادت قرامطہ کے استیصال کے لئے فوج روانہ کی۔ مگر یہ فوج قرامطہ کو کہیں نہ پا سکی اس لئے بے نیل مرام واپس آئی۔ اب زکرویہ نے حاجیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ حجاج نے باوجودیکہ تین دن کے بھوکے، پیاسے تھے پامردی سے مقابلہ کیا۔ مگر قرامطہ کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکے امان کے خواستگار ہوئے۔ زکرویہ نے پہلے تو جان بخشی کا وعدہ کر کے ان کے مال و اسباب کو لوٹا۔ لیکن پھر بدعہدی کر کے ان کو تہ تیغ کر دیا۔ ان حاجیوں کے مال و اسباب کے ساتھ سوداگروں اور بنی طولون کے قیمتی اسباب بھی تھے۔ جن کو بنی طولون نے مصر سے مکہ معظمہ کو روانہ کیا تھا اور مکہ سے بغداد بھیج رہے تھے۔ اس کے بعد زکرویہ نے بقیۃ السیف حجاج کو حمص میں جا گھیرا۔ ہزارہا بے گناہ حجاج شہید ہوئے۔

زکرویہ کی ہلاکت خلیفہ مکتفی نے ایک فوج گراں وصیف بن صوار تکین کے زیر قیادت روانہ کی۔ اس فوج میں نامی گرامی سپہ سالار بھیجے گئے تھے۔ یہ فوج خفان کی راہ سے روانہ ہو کر قرامطہ تک پہنچی۔ دو روزہ جنگ کے بعد قرامطی شکست کھا گئے۔ زکرویہ کے سر پر زخم کاری لگا جس کی وجہ سے وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہوا اور گرفتار ہو کر لشکر گاہ میں لایا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا نائب قاسم بن احمد اس کا بیٹا اور اس کا معتمد سب گرفتار ہو گئے۔ زکرویہ زخموں سے جانبر نہ ہوا چھٹے روز مر گیا۔ وصیف نے اس کی نعش کو بشارت نامۂ فتح کے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ خلافت مآب کے حکم سے نعش تو صلیب پر چڑھائی گئی اور سر کاٹ کر خراسان کے ان حاجیوں کے پاس بھیج دیا گیا جنہیں اس نے لوٹا اور قتل کیا تھا۔ اس واقعہ سے قرامطہ کا بل زور ٹوٹ گیا۔ بقیۃ السیف شام کی طرف بھاگے۔ حسین بن حمدان کو اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ان جان باختوں پر یورش کی اور ان کو خوب تہ تیغ کیا۔ اب تمام شام و عراق میں ان کے قتل و استہلاک کا بازار گرم ہو گیا۔[1]

باب ۲۵ - یحییٰ بن زکرویہ قرمطی

ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آ کر مدت تک ریاضات شاقہ میں مشغول رہا۔ یہاں تک کہ کثرت عبادات کی وجہ سے تمام اقران و اماثل پر اس کی فوقیت مسلم ہو گئی۔ اس کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بوریا بن کر گزر اوقات کرتا اور کسی سے کوئی نذرانہ و ہدیہ قبول نہ کرتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بڑا منقح گو اور شیریں بیان واعظ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پند و نصائح سنگین دلوں کو پانی کر دیتے۔ جب کچھ عرصہ اسی حالت میں گزر گیا اور عقیدت مندوں کے دلوں کو اچھی طرح مٹھی میں لے لیا۔ اور ان کی خوش اعتقادی کا اندازہ کر کے دیکھ لیا کہ اب ہر بات چل جائے گی تو پہلے تمہیداً تقلید کا مسئلہ چھیڑ دیا کہ دین میں آئمہ مجتہدین اُمت کی پیروی ضروری نہیں۔ جب عقیدت شعاروں نے اسکو تسلیم کر لیا تو ایک دن کہنے لگا کہ اجماع بھی بے اصل ہے۔ پھر احادیث صحیحہ کی ایسی ہی تاویلیں کرنے لگا جیسی آجکل کے مرزائی کر رہے ہیں۔ جب لوگوں نے ان سب باتوں پر آمنا و صدقنا کہہ دیا تو بطور امتحان چند مسائل ایسے بیان کئے جو اجماع امت اور احادیث نبویہ کے بالکل خلاف تھے۔ عقیدت مندوں نے اسی پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اس امتحان کے بعد ایک دن یہ راز افشا کیا کہ حدیث من لم یعرف امام زمانہ کے رُو سے امام زمان کو معلوم کرنا نہایت ضروری امر ہے مگر یاد رکھو کہ امام زمان کا اہل بیت نبوت سے ہونا لازمی ہے اور وہ عنقریب ظاہر ہونیوالے ہیں۔ لوگوں کو امام زمان کا مشتاق بنا کر ملک شام کو گیا۔ وہاں بھی لوگوں کو اسی تدبیر سے امام زمان کا منتظر اور مشتاق جمال بنایا۔ جب اطراف و اکناف ملک میں ہزاروں لاکھوں آدمی اس عقیدہ پر قائم ہو گئے تو اس کے قرابت داروں میں سے ایک شخص نے جس کا نام یحییٰ بن زکرویہ قرمطی تھا اپنے آپ کو محمد بن عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؒ مشہور کر کے ۲۸۹ھ میں بعہد خلافت مکتفی باللہ مہدویت کبریٰ کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ محمد بن اسماعیل کے کسی بیٹے کا نام عبداللہ نہیں تھا۔ لوگ تو پہلے ہی سے چشم براہ تھے اور معلوم ہوا کہ نام بھی وہی ہے جو احادیث میں وارد ہے یعنی محمد بن عبداللہ تو ان کے لئے "مہدی موعود" کے جمال سے شرف اندوز ہونا ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ غرض خوش اعتقادوں کا ایک لشکر عظیم جمع ہو گیا۔ اور جناب مہدی

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۷۹ – ۱۸۱

بزرگوار" نے اپنے اندھے پیروؤں کو لوٹ کھسوٹ پر لگا دیا اور کفار کی جگہ مسلمانوں کی جانستانی کا بازار گرم کیا۔ رصافہ کی جامع مسجد کو جلا دیا اور جہاں کسی مسلمان کو پایا شمشیر خون آشام کے حوالے کر دیا۔ آخر ۲۸۹ھ میں عساکر خلافت سے جدال و قتال کی نوبت آئی اور یحییٰ عین میدان کارزار میں اسلامیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس لڑائی کے بعد ملک شام اور مصر پر خلیفہ مکتفی باللہ کا از سر نو عمل و دخل ہو گیا ؏

باب ۲۶۔ حسین بن زکرویہ معروف بہ صاحب الشامہ

زکرویہ کا بیٹا حسین اپنی باطنی الحاد پسندیوں کے باوجود مہدویت کا مدعی تھا۔ اس نے اپنے تئیں احمد کے نام سے موسوم کر کے اپنی کنیت ابوالعباس رکھی تھی۔ بادیہ نشینوں کے اکثر قبائل نے اس کو مہدی موعود یقین کرتے ہوئے اس کی پیروی اختیار کی۔ اس کے چہرہ پر ایک تل تھا جس کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہ حق تعالیٰ کی ایک نشانی ہے۔ اسی تل کی بنا پر صاحب الشامہ کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ شخص اپنے تئیں مہدی امیر المؤمنین کے لقب سے ملقب کرتا تھا۔ تھوڑے دنوں میں اس کا عم زاد بھائی عیسیٰ بن مہدی اس کے پاس آیا۔ اس نے اس کو مدثر کا لقب دیا اور بتایا کہ تم ہی وہ مدثر ہو جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ اس نے عیسیٰ کو اپنا ولیعہد بنایا۔ حسین نے اپنے خاندان کے ایک لڑکے کو مطوق کا لقب دیا تھا۔ غرض کچھ عرصہ تک خاموشی کے ساتھ اپنے پیروؤں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہا اس کے بعد ان کو مرتب و مسلح کر کے دمشق پر چڑھ دوڑا اور جاتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دمشق عرصہ تک محصور رہا۔ آخر اہل دمشق نے تنگ آ کر کچھ زر نقد پیش کیا اور مصالحت کر لی۔ یہاں سے فارغ ہو کر حمص کا رخ کیا اور اس کو تسخیر کر کے منبروں پر اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ پھر حماۃ اور معرۃ النعمان پر فوج کشی کی۔ ان مقامات پر قتل و نہب کا بازار گرم کیا اور اپنی شقاوت پسندی سے عورتوں اور بچوں تک سے درگذر نہ کیا۔ یہاں سے بعلبک کی طرف عنان توجہ موڑ دی۔ وہاں پہنچ کر قتل عام کا حکم دے دیا۔ بعلبک میں یہ قیامت برابر اُس وقت تک برپا رہی جب تک معدودے چند آدمیوں کے سوا شہر کی تمام آبادی بے نام و نشان نہ ہو گئی۔ یہاں سے سلمیہ کی طرف گیا۔ اہل شہر نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے۔ ان کو دم دلاسہ دے کر اور امان کا وعدہ کر کے اطاعت پر آمادہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ اس سیاہ دل نے شہر میں داخل ہوتے ہی عہد امان کو بالائے طاق رکھ دیا اور بعلبک کی طرح یہاں بھی قتل عام کا بازار گرم کر دیا یہاں تک کہ مکتبوں کے صغیر سن بچے اور جو پائے بھی اس کی تیغ جفا سے نہ بچ سکے۔ اس کے بعد سلمیہ کے دیہات کا رخ کیا۔ اور بادیہ نشینوں کو قتل کرتا اور قیدی بناتا پھرا۔ آخر ۲۹۱ھ میں خلیفہ مکتفی عباسی نے بنفس نفیس لشکر آراستہ کر کے اس کی گوشمالی پر کمر باندھی یہ اُس وقت حماۃ کے باہر ایک میدان میں پڑا تھا۔ خلیفہ نے اپنی فوج کے ہراول کو بڑھنے کا حکم دیا۔ حماۃ کے باہر طرفین کی فوج صف آرا ہوئی۔ سخت جدال و قتال کے بعد حسین کو ہزیمت ہوئی۔ سیکڑوں ہزاروں قرمطی مارے گئے اور بقیۃ السیف حلب کی طرف بھاگے۔ خلیفہ نے ابن طولون کے آزاد غلام بدر کو قرامطہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ بدر منزل بہ منزل ان کو شکست دیتا جاتا تھا۔ اور منہزمین کمال بے سروسامانی کے ساتھ گیدڑوں کی طرح بھاگے چلے جاتے تھے اس اثنا میں خلیفۃ المسلمین نے ایک اور فوج قرامطہ کے تعاقب اور سرکوبی کو روانہ کی۔ یحییٰ بن سلیمان اس فوج کا قائد تھا۔ یحییٰ نے کاٹتے چھانٹتے ان کا بُری طرح صفایا کیا۔ حسین

؏ ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶۸، ۱۷۲ و کتاب الدعاۃ وغیرہ

بخوفِ جان مضافات کوفہ میں روپوش ہو گیا۔ مدثر اور مطوق بھی اس کے ساتھ تھے۔ آخر حسین بہ تبدیل ہیئت رحبہ پہنچا۔ جاسوسوں نے جو سایہ کی طرح ساتھ لگے تھے والیٔ رحبہ کو اس کی آمد کی اطلاع کر دی۔ حاکم رحبہ نے ان کو گرفتار کر کے خلیفۃ المسلمین کے پاس برقہ بھیج دیا۔ خلیفہ نے حسین صاحب شامہ کو پہلے دو سو درّے لگوائے اس کے بعد صلیب پر چڑھا دیا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی عفریتِ شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔ خلیفہ نے اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر ظفر پیکر کے ساتھ بغداد کو مراجعت کی۔[ع]

واجب الاطاعت مادر مشفقہ سے قسی القلب تدبیٹے کا سفاکانہ برتاؤ

جب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی خانہ زاد مسیحیت کی ڈفلی بجانی شروع کی تو ظاہری مفارقت و انقطاع کے ساتھ ان کا دل بھی یگانوں کی مہر و محبت سے بیگانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنی بیاہتا بیوی محترمہ حرمت بی بی کی جو خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں اور اپنے فرزند مرزا فضل احمد کی نماز جنازہ تک نہ پڑھی اور اپنی جرم ناآشنا بہو کو جو حقیقی ماموں زاد بھائی کی بیٹی تھی محض اس قصور پر طلاق دلانے کی نامراد کوشش کی کہ اس کے والد مرزا علی شیر بیگ جو محترمہ محمدی بیگم کے پھوپھا تھے ان کی آسمانی منکوحہ (محمدی بیگم طال عمرہا) سے شادی کرا دینے کی کیوں کوشش نہیں کرتے؟ اور آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کے پیرو مرزائیت کا بپتسمہ لینے کے بعد کس طرح مسلمانوں کے دشمن اور خویش و اقارب سے نافر ورمیدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کچھ مرزائیوں ہی پر موقوف نہیں۔ اس قماش کے جتنے لوگ بھی اسلام سے علاقہ توڑ کر کوے ضلالت میں سرگشتہ و حیران ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں یہود و نصاریٰ سے بھی کہیں زیادہ اسلام و اہل اسلام کی عداوت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک سیاہ دل قرمطی کا روح فرسا واقعہ لکھا جاتا ہے جس نے مرتد ہونے کے بعد اپنی واجب الاطاعت ماں پہ محض اس بنا پر قاتلانہ حملہ کیا تھا کہ وہ دین حنیف کی پیرو تھی۔ ابو الحسین نام ایک بغدادی طبیب کا بیان ہے کہ حسین بن زکرویہ قرمطی کی ہلاکت کے ایام میں ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے شانے پر بہت گہرا زخم ہے میں اس لئے آئی ہوں کہ اس کا کچھ علاج کرو۔ میں نے کہا تھوڑی دیر بیٹھو۔ ابھی ایک عورت آئے گی جو عورتوں کا علاج معالجہ کرتی ہے۔" ابو الحسین کہتے ہیں کہ یہ عورت زار و قطار رو رہی تھی اور سخت محزون تھی۔ میں نے پوچھا تمہارا کیا ماجرا ہے اور یہ زخم کس طرح آیا ہے؟ کہنے لگی میرا بیٹا بہت مدت سے مفقود تھا۔ میں نے اس کی تلاش میں دنیا بھر کی خاک چھانی اور بہت سے شہروں اور قصبوں میں پھری لیکن کوئی کھوج نہ ملا۔ آخری مرتبہ شہر رقہ سے چلی تو راستہ میں قرمطی لشکر نظر آیا۔ میں لشکر میں جا کر دیکھ بھال کرنے لگی تو اتفاق سے وہیں مل گیا۔ میں نے اس کا حال دریافت کیا۔ اور خبر خیریت نہ بھیجنے کا شکوہ کرتے ہوئے اس کے خویش و اقارب کے حالات بیان کرنے لگی۔ وہ کہنے لگا "ان قصوں کو جانے دو مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس دین پر ہو؟" میں نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم دینِ اسلام کے پیرو ہیں؟ کہنے لگا جس دین پر ہم پہلے تھے وہ باطل ہے سچا دین وہی ہے جس کا میں آج کل پیرو ہوں یعنی قرمطی دین۔ یہ سن کر میرے ہوش اُڑ گئے اور وہ مجھے حالت استعجاب میں چھوڑ کر چل دیا۔ میں چند روز تک ایک ہاشمی خاتون کے پاس جو قرمطیوں کی قید میں تھی رہی۔ اس کے بعد میں چند آدمیوں کے ہمراہ بغداد واپس آنے لگی۔ جب تھوڑے فاصلہ پر پہنچی تو میرا ناخلف بیٹا پیچھے سے دوڑا آیا اور نہایت بے رحمی اور شقاوت قلبی سے مجھ پر تلوار کا وار کیا۔ مجھے شدید زخم آیا۔ اگر ساتھ والے دوڑ کر مجھے بچا نہ لیتے تو میری جان کی خیر نہ تھی۔ میں وہاں سے افتان و خیزاں بحال تباہ بغداد پہنچی۔ ابھی حال میں جو قرمطی قیدی بغداد آئے ہیں میں نے اُس

ع تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۷۲ — ۱۷۳

ناہنجار بیٹے کو بھی ان قیدیوں میں دیکھا۔ وہ لمبی ٹوپی پہنے اونٹ پر سوار تھا۔ میں نے اس سے خطاب کرکے کہا خدا تیرا برا کرے اور تجھے اس قیدِ محن سے کبھی مخلصی نہ دے"[1]

باب ۲۷۔ عبید اللہ مہدی

عُبَید اللہ کی جائے ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہی مصر کے عُبَیدی فرمانرواؤں کا مُورثِ اعلیٰ ہے۔ جنہیں مہدویۂ، علویہ، فاطمیہ اور اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔

فصل ا۔ نسب، دعوائے مہدویت، بدعات و کفریات

نسب عُبَید اللہ اپنے تئیں ہاشمی کہتا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد بتاتا تھا۔ لیکن اکثر مؤرخوں نے اس کے فاطمی ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کے نسب پر طعن کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن میمون قداح اہوازی کا بیٹا تھا۔ اور میمون اہوازی مجوسی تھا۔ عُبَید اللہ نے جب ملک مغرب میں جا کر اپنے علوی ہونے کا دعویٰ کیا تو علمائے نسب میں سے کسی نے اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا۔ البتہ جہلائے اس کے خاندان کو فاطمی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ قرشی مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنو عُبَید کا پانچواں حکمران عزیز باللہ منبر پر چڑھا تو اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھے دیکھے جن کا ترجمہ یہ ہے:"میں نے ایک مکروہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو بتلا کہ ساتویں پُشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بتلا۔ انساب بنی ہاشم تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے طامعین کا دستِ تصرف بھی اُن سے قاصر ہی رہا۔" اسی عزیز نے ایک مرتبہ ایک خط اندلس (اسپین) کے اُموی خلیفہ کے نام منظوم ہجو و دُشنام لکھا۔ شاہ اسپین نے اس کے جواب میں ارقام فرمایا: "بعد حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا تو تو نے ہماری توہین اور دُشنام دہی پر قدرت پائی۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری طرح ہم بھی طعن و تشنیع کر سکتے۔" اس میں یہ تلمیح تھی کہ تو ایک گمنام خاندان کا آدمی ہے۔ عزیز کو یہ جواب سخت شاق گذرا لیکن خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ ابن طباطبا علوی نے عبید اللہ سے اس کا حسب و نسب پوچھا تو اُس نے اپنی نصف تلوار میان سے کھینچ کر کہا کہ یہ میرا نسب ہے اور کچھ اشرفیاں امراء اور حاضرین دربار کی طرف پھینک کر کہا کہ یہ میرا حسب ہے۔ یہ روایتیں تاریخ الخلفاء[2] میں منقول ہیں۔ لیکن ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں عبید اللہ کے علوی النسب ہونے کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر عبید اللہ اور اُس کے جانشین ملحد اور شیعہ غالی تھے تو یہ تشنیع و الحاد ان کے صحیح النسب ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ حالت کفر و الحاد میں کسی کا ذریۂ رسولؐ ہونا اس کو کچھ نفع دے سکتا ہے۔

دعوائے مہدویت عبید اللہ نے ۲۷۰ھ میں مہدویت کا دعویٰ کرکے اپنے تابعین کا نام مہدویہ رکھا۔ ۲۸۰ھ میں اس نے حج کیا۔ قبیلہ بنو کنانہ کے لوگ اس کی مہدویت پر ایمان لا کر اس کے ساتھ ہوئے اور اس کے ساتھ ملک مغرب میں چلے گئے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۰۱۔ [2] تاریخ الخلفاء مطبوعہ دہلی ص ۷

اس کے پیرو عُبَیداللہ کے مہدی موعود ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علیٰ راس ثلثمائة تطلع الشمس من مغربھا (سنہ ۳۰۰ھ کے شروع میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا) اور کہتے تھے کہ اس حدیث میں آفتاب سے عبیداللہ مہدی کی ذات اور مغرب سے ملک مغرب مراد ہے[1] حالانکہ یہ روایت قطعاً موضوع اور خود ساختہ ہے اور یہ تاویل بھی سخت مہمل اور ملحدانہ ہے۔ اسمٰعیلیہ تو بنائے اسلام کے منہدم کرنے والے تھے۔ ان میں سے کسی کے حق میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام بھلا اس قسم کی پیشین گوئی کیوں فرمانے لگے تھے؟ عبیداللہ اپنے دعوائے مہدیت پر باون سال یعنی سنہ ۲۷۰ھ سے اپنی وفات یعنی سنہ ۳۲۲ھ تک قائم رہا اور اس نے ۲۴ سال ایک مہینہ بیس دن حکومت کی۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں اس کے دعوائے مہدویت کی مدت ۲۴ سال ایک مہینہ اور بیس روز لکھی ہے[2] لیکن فی الحقیقت یہ مدت اس کی حکمرانی کی ہے۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ عبیداللہ نے سنہ ۲۹۶ھ میں دعوائے مہدیت کیا۔ اس حساب سے اُسکی میعاد دعویٰ تقریباً باون سال ہوتی ہے۔

عُبَیداللہ اور اس کے جانشینوں کا رفض اور علمائے اہلسنت کا قتل

گو عبیداللہ اور اس کے جانشین باطنی المشرب تھے لیکن رعایا کی تالیف قلوب کے لئے بعض ظاہری ارکان کو بھی بجالاتے تھے۔ یہ لوگ درپردہ اپنے عقاید فاسدہ کے شیوع میں ہر وقت کوشاں تھے اور اپنے مخلص دوستوں کو مسلک باطنیہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ بظاہر اسمٰعیلی تھے ان کے عہد حکومت میں مصر کے اندر اسمٰعیلی مذہب عام طور پر پھیل گیا۔ قاضی مفتی سب اسماعیلی ہوتے تھے۔ جو کوئی اس مذہب کے خلاف عمل کرتا اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ عبیداللہ صحابہ کرام اور ازواج طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمیشہ ہجو کرتا دوسرے روافض کی طرح اس کا بھی مقولہ تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سوائے پانچ صحابیوں حضرت علی مرتضیٰ حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے! حالانکہ دشمنان اہلبیت اطہار یعنی نواصب وخوارج (معاذ اللہ) ارتداد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی غلاظت جناب امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں اُچھالتے ہیں۔ افسوس رافضی خارجی اور ناصبی حرمان نصیب اُن اخیار اُمت کے خلاف زبان طعن دراز کرکے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں جن کے لئے اُمتِ مابعد کو اِس ارشاد خداوندی میں دعاء استغفار کا حکم دیا گیا تھا۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۵۹ : ۱۰)

وہ لوگ جو سابقینِ اُمت کے بعد عرصۂ شہود میں آئے وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے اُن اخوان ملت کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے خلاف غبار کدورت اور جذبۂ عناد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! تو بڑا شفیق اور رحیم ہے۔

لیکن یہ اعدائے دین بجائے دعاء استغفار کی جگہ گالیوں کا تحفہ بھیجتے ہیں۔ اور بوالعجبی دیکھو کہ اس دشنام دہی کو اپنی حماقت سے عبادت وطاعت خیال کر رکھا ہے ؎

دُشنام بمذہبے کہ طاعت باشد مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

[1] دبستان مذاہب ص ۲۸۶ [2] تاریخ ابن اثیر جلد ۸ ص ۹۰

چونکہ علمائے اہلِ سُنت وجماعت عُبید اللہ اور اس کے اخلاف کے دجّالی دعووں کی تردید کرتے تھے اس لئے اہلین شریعت کی جانوں کے لالے پڑے رہتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ عبید اللہ اور اس کے جانشینوں نے بے شمار علماء و صلحاء کو محض اس جرم میں جرعۂ شہادت پلا دیا کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن آفرین ہے ان کی قوت ایمانی پر کہ کسی نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرا نہ کیا اور اپنی عزیز جانوں کو دوستداران حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر نثار کر دیا۔ اور عبید اللہ کی عادت تھی کہ فقہاء و محدثین کو بلا بھیجتا جب وہ آ جاتے تو اسی مجلس میں بھیڑ بکری کی طرح ذبح کرا دیتا۔ اس کے داعی عبید اللہ کی نسبت آپس میں کہا کرتے کہ مہدی ابن رسول اللہ اور حجۃ اللہ ہیں۔ اس کے جواب میں دوسرے کہتے کہ یہی اللہ ہی خالق اور یہی رازق ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان خاتون نے شاہ عزیز عبیدی کو لکھ بھیجا "تجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے یہود کو میشا کے طفیل رفعت دی، عیسائیوں کو ابن نطور کی ذات سے عزت بخشی اور اسلام کو تیری ذات سے ذلیل کیا۔ میری اس معاملہ کی طرف توجہ کر۔" میشا یہودی شام کا حاکم اور ابن ناطور مصر کا ایک عیسائی تھا۔ جو علماء اہلسنت بنو عبید کی سلطنت میں قیام پذیر ہوئے وہ شروع میں تو اس عزم سے ٹھہر گئے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے عقاید تشیع سے بچائیں گے لیکن بعد کو یا تو خود ہی ان کے خدع وفریب کا شکار ہو گئے اور ان سے بیعت کر لی یا قتل ہو گئے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کا خاندان اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک اور مضرت رساں ثابت ہوا۔ حسب بیان قاضی عیاض، ابو محمد قیروانی مالکی سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص شاہان مصر کے عقاید اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو کیا وہ ان کے عقاید اختیار کر لے یا قتل ہو جائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قتل کو ترجیح دے کیونکہ اس میں حیات ابدی ہے اور ان کے عقاید اختیار نہ کرے کیونکہ اس میں ہلاک و خسران سرمدی ہے۔ اور فرمایا کہ اگر شروع میں ان کے عقاید معلوم نہ ہوں تو انسان معذور ہے لیکن ان کا علم ہو جانے پر ان کے ملک سے بھاگ جانا لابد و ضرور ہے۔ اگر کوئی شخص وہیں رہ پڑا تو پھر خوف واکراہ کا عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔ کیونکہ جہاں شریعت غرّا کی توہین کی جائے وہاں قیام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔[عہ]

عُبیدیوں کی بعض دوسری ضلالت پسندیاں

بنو عُبید کے بعض دوسرے عقاید یہ تھے کہ ہر مرد کو اٹھارہ اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ وہ اس آیت سے تمسک کرتے تھے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں مرغوب ہوں۔ دو دو تین تین یا چار چار تک۔ ۴:۳) غرض انہوں نے جمہور اُمت کے خلاف سب اعداد کا مجموعہ یعنی اٹھارہ عورتوں سے نکاح جائز کر لیا تھا۔ عبیدیوں میں سے بعض کا قول تھا کہ امام حکومت وولایت کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے گو اس سے پیشتر معصوم نہ ہو اور بعض کے نزدیک اس سے پیشتر بھی معصوم ہوتا ہے۔ عُبیدیوں کا یہ بھی قول ہے کہ امام کا حکم مومن اور مومنہ پر واجب الاتباع ہے گو جانبین کی مرضی کے خلاف ہو پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتھ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے۔ اور ان کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح تمام معاملات بیع واجارہ میں بھی ان کے نزدیک امام کا حکم نافذ ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام کا خدائے برتر کے ساتھ ہمکلام ہونا ضروری۔ عبیدیوں کا عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کے جسم میں پھر نوح علیہ السلام کے جسد میں پھر دوسرے انبیاء کے اجساد میں اور پھر علی ابن ابی طالبؓ کے جسم میں حلول

عہ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷-۱

کیا اسی عقیدہ کے پیش نظر ایک شاعر نے کہا تھا۔

حل برقادۃ المسیح   حل بھا آدم ونوح
حل بھا اللہ ذوالمعالی   وکل شئ سواہ ریح[1]

اسماعیلیوں کے نزدیک امام ظاہر بھی ہوتے ہیں اور باطن بھی۔ شیعہ اثنا عشریہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ بارہ کی کوئی قید نہیں۔ امام بے شمار ہو سکتے ہیں۔ اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ، امام حسن مجتبیٰ، امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہم) کے بعد جناب اسماعیل ساتویں امام تھے۔ لیکن یہ سات امام ظاہر تھے۔ پھر ان کے بعد تین امام باطن گزرے جو عالم کائنات میں نمودار نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے نقیب جو تعداد میں بارہ بارہ ہوتے تھے علانیہ ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک یہ تین امام مخفی تھے پہلے منصور بن محمد مکتوم دوسرے جعفر مصدق تیسرے حبیب۔ ان کے بعد سے پھر آئمہ ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلا عبید اللہ مہدی دوسرا ابوالقاسم ملقب قائم بامر اللہ۔ اسی طرح بارہ دوسرے خلفاء کے نام گنوا کر چودہ عبیدی فرمانرواؤں کو آئمہ دین کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں عبید اللہ کے ایک جانشین معز عبیدی نے حکم دیا تھا کہ خطیب خطبوں میں یہ الفاظ کہا کریں۔ اللھم صل علی محمد المصطفیٰ وعلی علی المرتضیٰ وعلی فاطمۃ البتول وعلی الحسن والحسین سبط الرسول وصل علی الائمۃ آباء امیر المومنین المعز باللہ۔ اور اذان میں حی علی خیر العمل ایزاد کیا گیا۔ عبیدیوں کی حکومت کے باعث مصر اور شام میں خوب رفض پھیلا یہاں تک کہ منادی کی گئی کہ نماز تراویح کہیں نہ پڑھی جائے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کی خلافت صحیح نہ تھی۔ ان کی خلافت کے غیر صحیح ہونے کا سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ وہ زندیق وملحد تھے۔ انہی کے عہد حکومت میں انبیائے کرام کی شان میں دریدہ دہنی کی گئی۔ شراب مباح ہو گئی اور سجدے کرائے گئے۔ عبیدی خاندان میں جو تاجدار سب سے بہتر گزرا ہے وہ بھی ایسا رافضی تھا کہ جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دینے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ بیعت جائز تھی۔ اور نہ امامت صحیح تھی۔ اور اگر یہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوتے تو بھی ان کی خلافت صحیح نہیں تھی کیونکہ انہوں نے ایسے وقت میں لوگوں سے بیعت لی جبکہ ایک عباسی خلیفہ جس سے پہلے بیعت کی جا چکی تھی موجود تھا۔ ایک وقت میں دو اماموں کی بیعت جائز نہیں۔ جس سے پہلے بیعت ہو چکی ہو وہی جائز خلیفہ سمجھا جائے گا۔[2]

فصل ۲۔ عبیدی سلطنت کا قیام

تیسری صدی کے اواخر میں اسماعیلی جماعت کا سب سے ممتاز رکن عبید اللہ کا باپ محمد حبیب تھا۔ یہ ضلع حمص کے موضع سلمیہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کی عزیز ترین خواہش یہ تھی کہ کسی طرح سلطنت کی داغ بیل ڈال سکے۔ اس کا آفتاب حیات لب بام تھا اور چاہتا تھا کہ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے عبید اللہ کو آسمان عروج پر پہنچا جائے۔ چنانچہ اس نے اسی غرض سے اسمٰعیلیوں میں پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عبید اللہ مہدی موعود ہے۔ محمد حبیب دیکھ رہا تھا کہ عرب، عراق یا وسط ایشیا کے

[1] کتاب الدعاۃ بحوالہ عیون التواریخ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ دہلی ص ۸

دوسرے ممالک میں قیام سلطنت کا خواب کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کی نظریں بار بار افریقہ کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ اسلامی تاریخوں میں افریقہ سے ہمیشہ شمالی افریقہ مراد ہوتا ہے۔ جس کے تین حصے ہیں۔ مغرب ادنیٰ جس میں تونس، قیروان، اور طرابلس واقع ہیں۔ مغرب اوسط جس میں تلمسان وغیرہ امصار واقع الجزائر داخل ہیں۔ مغرب اقصیٰ جس میں فاس، مراکش، طوس وغیرہ کا علاقہ شامل ہے۔ محمد حبیب کو شمالی افریقہ میں قیام سلطنت کے کامیاب ہونے کی اس لئے زیادہ امید تھی کہ یہ خطہ ہمیشہ جھوٹے مدعیوں کا ملجأ و ماویٰ اور مذہبی اختلافات کا گہوارہ رہا ہے۔ بربریوں کی ضعیف الاعتقادی اور توہمات پسندی ہر قسم کے الحاد و زندقہ کے قبول کرنے کے لئے آمادہ پائی گئی ہے۔ تقدس و رہنمائی کے جس دکاندار کا اپنے وطن میں کوئی پُرسان حال نہ ہوتا تھا وہ شمالی افریقہ کے بربریوں میں جا کر قسمت آزمائی کرتا۔ وہاں لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس کی تحریک جدید کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا۔ اس کے علاوہ بربر کا علاقہ مرکز خلافت بغداد سے بہت دُور تھا، وریہاں کے باشندے جنگجوئی اور شورہ پشتی میں شہرۂ آفاق تھے۔ اس لئے خلفائے عباسیہ ان کی خودسری سے ہمیشہ اغماض فرماتے۔ کیونکہ شمالی افریقہ کو پوری طرح زیر اقتدار رکھنے کا خرچ اور اتلافِ نفوس وہاں کے مداخل سے بدرجہا زائد رہتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا کر لوگوں نے باہر سے جا کر وہاں بڑی بڑی خودمختار سلطنتیں قائم کرلیں۔ محمد حبیب کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو افریقہ جا کر اس کے بیٹے عبیداللہ مہدی کے حق میں پروپیگنڈ کرے چنانچہ ایک دفعہ ایک نہایت ذہین اور ہوشیار و چالاک مرید ابو عبداللہ حسن بن احمد اس سے ملنے آیا جو صنعا کا رہنے والا تھا۔ ابو عبداللہ تمام دوسرے صفات میں یکتا تھا البتہ مذہبی تعلیم کی اس میں کچھ کمی تھی۔ محمد حبیب کو یقین ہوا کہ اگر اس کی تربیت کی جائے تو اس سے مقصد براری ہو سکتی ہے چنانچہ اسے ایک اسماعیلی عالم ابو حوشب کے حوالے کیا۔ یہ شخص کچھ زمانہ اس کے زیر تربیت رہا۔ جب فارغ التحصیل ہو گیا تو محمد حبیب نے ابو حوشب کو حکم دیا کہ ابو عبداللہ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر افریقہ روانہ کرو تا کہ وہاں لوگوں کو عبیداللہ کی مہدویت کی دعوت دے۔

ابو عبداللہ کا عزم افریقہ ابو حوشب نے ابو عبداللہ کو یمنی حاجیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ کیا۔ اور عبداللہ بن ابو ملاحف کو بھی اس کے ساتھ کر دیا اور روانہ کرتے وقت بہت کچھ روپیہ پیسہ دیا۔ ابو عبداللہ اور عبداللہ نے موسم حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر کتامہ کے حجاج کا پتہ لگایا اور انہی میں جا کے ٹھہرے۔ یہ لوگ ابو عبداللہ کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کی صحبت میں آ آ کر بیٹھنے لگے۔ اور جو بیلے عال ہوئے۔ آخر اُنہوں نے پوچھا آپ کا ارادہ یہاں سے کہاں جانے کا ہے؟ ابو عبداللہ نے ان پر اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا اور اپنی منزل مقصود کو مخفی رکھ کر کہنے لگا۔ "مصر جاؤں گا"۔ یہ جواب سن کر وہ خوش ہوئے کہ خیر مصر تک تو ایسے نیک نفس اور زاہد شخص کا ساتھ رہے گا۔ اب ابو عبداللہ ان لوگوں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اپنے رفیقانِ سفر سے باتوں باتوں میں ان کے شہروں، ان کی سرزمین، اُن کے قبائل اور ان کی حکومت کے حالات پوچھتا رہا۔ ایک مرتبہ پوچھنے لگا تمہارا سلطان کون ہے؟ اور اس کی حکومت کیسی ہے؟ اُنہوں نے کہا ہمیں سلطان کی اطاعت نہیں کرنی پڑتی اس لئے کہ وہ ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتا ہے۔ پوچھا "اور تمہارے لوگ اسلحہ سے بھی کام لیتے ہیں؟" انہوں نے کہا "اور اس کے سوا ہمارا شغل ہی کیا ہے؟" الغرض ابو عبداللہ ان کے حالات پوچھتا ہوا مصر پہنچا۔ یہاں ان عقیدت کیش ہمراہیوں سے رخصت ہونے لگا۔ اُنہوں نے پوچھا "آپ کس غرض سے مصر آئے ہیں؟" کہا "طلب علم کے لئے"۔ اُنہوں نے کہا اس غرض کے لئے تو ہمارا

مصر سے زیادہ موزوں ہے۔ آپ وہیں چلیئے۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے۔" الغرض ابو عبد اللہ نے جب ان سے خوب سا تو ساتھ جانے پر راضی ہو گیا اور ان کے ہمراہ کتامہ کی راہ لی۔

ورود یہ قافلہ ۱۵ ربیع الاول ۲۸۸ھ کو کتامہ پہنچا۔ اہل کتامہ نے اس کے آنے کا حال سنا تو مصر ہوئے ی ہی بستی میں اقامت گزیں ہوں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی رفاقت کریں گے۔ اور جو آپ کا دشمن ہو گا اس سے ابو عبد اللہ نے کہا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مقام "فج الاخیار" کہاں ہے؟" یہ ایک غیر معروف بستی تھی جس کا کبھی کسی مغربی رنے اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اُس کی زبان سے اس بستی کا نام سن کر سب لوگ دنگ رہ گئے۔ اور اسے اس کے کشف باطنی پر محمول کیا اور بتایا کہ فج الاخیار قبیلہ بنی سلیمان کے علاقے میں ہے۔" ابو عبد اللہ نے کہا "تو میں وہیں جا کے رہوں گا۔ لیکن باری باری اور وقتاً فوقتاً تمہارے یہاں آ کے تم سے بھی مل جایا کروں گا۔" سب نے منظور کیا۔ اور وہ ان لوگوں سے رخصت ہو کر وہ انکجان پر پہنچا۔ جس کی ایک وادی میں "فج الاخیار" کی بستی واقع تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں سے کہا "اس مقام کا نام "فج الاخیار" ہے اور محض تمہاری خوبیوں کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے۔ اخبار و آثار میں آیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ اخیار لوگ اُن حضرت کے ناصر و مددگار ہوں گے۔ اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ "کتمان" سے نکلا ہو گا۔ اس لئے مجھے اُمید ہے کہ انہی اخیار لوگوں کی بستی "فج الاخیار" ہو گی۔ اور وہ علاقہ "کتامہ" والے ہوں گے۔ جن کے وطن کا نام لفظ "کتمان" سے ماخوذ ہے۔" اس کی زبان سے یہ رمز سنتے ہی سب لوگ اور زیادہ اس کے گرویدہ ہو گئے اور اس نے طرح طرح کے کرشمے اور شعبدے دکھا دکھا کر سب لوگوں کو اپنا فرمانبردار غلام بنا لیا۔ اور چند روز میں اس کی دینداری، زہد، نفسی اور اس کے مکاشفات و کرامات کی شہرت دور دور تک ہو گئی اور اطراف و جوانب سے اہل بربر آ آ کے اس کے ہاتھ چومنے لگے۔ اب ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے لوگوں کو یہ تلقین شروع کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنصوص جلیلہ و ارشادات واضحہ حضرت علیؓ کے حق میں خلافت و امارت کی وصیت فرمائی تھی جس سے صحابہؓ نے (عیاذاً باللہ) اعراض و عدول کر کے علیؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا لیا۔ اس بنا پر ان صحابہؓ سے تبرا کرنا واجب ہے جنہوں نے وصیت نبوی سے انحراف کیا۔" حالانکہ صریح بہتان ہے۔ اگر خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں وصیت فرمائی ہوتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کی خلاف ورزی کرتا۔ ابو عبد اللہ نے لوگوں کو بتایا کہ علیؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو پھر حسنؓ نے اپنے بھائی حسینؓ کو۔ حسینؓ نے اپنے فرزند علی معروف بہ زین العابدینؒ کو۔ زین العابدینؒ نے اپنے فرزند محمد باقرؒ کو۔ محمد باقرؒ نے اپنے بیٹے جعفر صادقؒ کو۔ جعفر صادقؒ نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو۔ اسمٰعیل نے اپنے بیٹے محمد مکتوم کو۔ محمد مکتوم نے اپنے بیٹے جعفر مصدق کو۔ جعفر مصدق نے اپنے بیٹے محمد حبیب کو۔ اور محمد حبیب نے اپنے فرزند گرامی عبید اللہ مہدی کو اپنا وصی اور سریر خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا۔" علماء [illegible] ابو عبد اللہ سے مناظرہ کرنے کو آئے اس نے مناظرہ سے انکار کیا۔ اس کے باوجود زعماء و عوام اس کے بھڑکے میں آ گئے اور آتش فساد مشتعل ہوئی مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب ابو عبد اللہ اور عبید اللہ نے وقت بے وقت لوگوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ہم کو اسی جگہ قیام کرنے کی تلقین کی تھی۔ اور وہ عنقریب خروج کیا چاہتے ہیں۔ ان کے معین و انصار وہ لوگ ہوں گے جو اپنے زمانہ کے اخیار ہوں گے۔ ان کے انصار کا نام لفظ کتمان سے مشتق ہے جو صاف طور سے ظاہر

نہیں فرمایا۔ مگر قرینہ یہ کہتا ہے کہ غالباً یہی اہل کتامہ ہوں گے"۔ اب ابوعبداللہ کا اثر دن بدن زیادہ بڑھنے لگا۔ جب اس کے اثر و اقتدار کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد بن اغلب کو ہوئی۔ تو اس نے شہر میلہ کے عامل کو لکھ کر اس کی کیفیت دریافت کی۔ عامل نے لکھ بھیجا کہ وہ بالکل معمولی سا شخص ہے۔ اس قابل نہیں کہ حضور اس کا کچھ خیال فرمائیں۔ وہ موٹا جھوٹا لباس پہنتا ہے اور لوگوں کو نیکوکاری اور زہد و تقویٰ اور عبادت الٰہی کی تاکید کیا کرتا ہے"۔ یہ جواب سن کر فرماں روائے افریقہ مطمئن ہو گیا۔ اب ابوعبداللہ کا اثر یہاں تک بڑھا کہ حاکم بربر کے احکام بے اثر ہونے لگے لیکن اس کے بعد ایسے اسباب پیش آئے کہ اہل کتامہ میں ابوعبداللہ کے خلاف سخت جذبۂ عناد پیدا ہوا اور اکثر لوگ اس کے قتل پر متفق ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر ابوعبداللہ روپوش ہو گیا مگر اس کے جانے کے بعد لوگوں میں باہم سر پھٹول ہونے لگا۔ اس شورش کی اطلاع حسن بن ہارون نام ایک شخص کو ہوئی جو اہل کتامہ کے اکابر و معززین میں سے تھا اور ایک دولتمند شخص تھا۔ اس نے فوراً ابوعبداللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ اور اس کی طرفداری میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب حسن بن ہارون اور ابوعبداللہ دونوں جا کر شہر ناصرون میں مقیم ہوئے۔ جہاں ہر طرف سے بربر کے قبائل اس کی زیارت کو آنے لگے۔ اور اس کی شان و شوکت دن بدن بڑھنے لگی۔ خصوصاً اس لئے کہ حسن بن ہارون کا سا رئیس اس کا انیس و رفیق تھا۔

ابوعبداللہ کا عروج و اقبال

ابوعبداللہ نے سب سے پہلے سواروں کا رسالہ بھرتی کرنا شروع کیا اور اُن کی سپہ سالاری حسن بن ہارون کو دی۔ اب ابوعبداللہ نے روپوشی کی نقاب الٹ دی۔ میدان میں سامنے آیا اور مخالفوں کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا۔ مختلف لڑائیاں ہوئیں جن میں ہمیشہ وہی فتح مند ہوتا رہا۔ اور ان لڑائیوں میں لوٹ کا مال جمع کرتے کرتے ناصرون میں بہت سی دولت جمع کر لی۔ اب اس نے مخالفوں کے آئندہ حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے ناصرون کے گرداگرد خندق کھدوا لی۔ اور پوری طرح جنگی تیاریاں کرلیں اور از روئے معاہدہ عام اہل کتامہ و بربر کا حاکم بن گیا۔ اب وہی ابوعبداللہ اسمٰعیلی جو ایک اجنبی قلاش و شکستہ حال مسافر کی شان سے اس سرزمین میں وارد ہوا تھا اپنی حکمت عملی سے ایک چھوٹا سا فرمانروا بن گیا۔ ا کامیابیوں سے اس کا ایسا حوصلہ بڑھا کہ شہر میلہ پر جو تاجدار افریقہ کے ایک نائب کا مستقر حکومت تھا حملہ کر کے اُس پر قبضہ کر لیا۔ جب اس واقعہ کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد کو ہوئی تو اپنے بہادر بیٹے احول کو قیروان سے دس ہزار فوج ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابوعبداللہ نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور میدان چھوڑ کر بھاگا۔ احول نے تعاقب کیا۔ ابوعبداللہ نے یہاں سے بھاگ کر کوہ انکجان کا راستہ لیا۔ شاہی لشکر اس کے تعاقب میں چلا جاتا تھا کہ یکایک شدید برف باری شروع ہو گئی جس کے باعث احول کو تعاقب سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس نے ابوعبداللہ کو تو پہاڑوں میں چھوڑا اور خود ابوعبداللہ کے مستقر شہر ناصرون پر چڑھ گیا۔ اس کو فتح کر کے لوٹا اور آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا اسی طرح اس کے شہر میلہ پر بھی دھاوا کر کے اس کو غارت کیا۔ اور جب دیکھا کہ ابوعبداللہ کا کوئی رفیق اور طرفدار نہیں ملتا تو قیروان واپس چلا گیا۔ اس معرکہ کے بعد ابوعبداللہ نے کوہ انکجان میں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام دارالہجرۃ رکھا۔ اس اثنا میں ابراہیم بن احمد والی افریقہ نے وفات پائی۔ اور اس کی جگہ پر ابوالعباس افریقہ کا فرمانروا ہوا۔ مگر تھوڑے ہی روز میں اس نے بھی ملک عدم کی راہ لی۔ اب زیادۃ اللہ کو افریقہ کی گورنری سرمست ہوئی۔ زیادۃ اللہ نہایت عیاش، ہوا پرست اور امور

سلطنت سے غافل تھا۔ اس بدبخت نے احول کو محض اس خیال پر کہ سیاد امخل عیش و راحت ہو قتل کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ جب احول ایک بھاری لشکر مرتب کر کے ابو عبداللہ کی گوشمالی کے لئے اس کے قریب پڑا ہوا تھا۔ تو زیادۃ اللہ نے اسے حیلہ و مکر سے طلب کر کے قتل کر ڈالا۔

ابو عبداللہ کی طرف سے عبیداللہ کے قدوم افریقیہ کی درخواست

محمد حبیب نے اپنی وفات کے وقت امارت و امامت کی اپنے بیٹے عبیداللہ کے حق میں وصیت کی اور اس سے کہا میرے نور عین! تم ہی مہدی موعود ہو۔ میرے بعد تم ہجرت بعیدہ کرو گے۔ طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن صبر و استقلال کو اپنا رفیق راہ بنانا۔ غرض محمد حبیب کے انتقال کے بعد عبیداللہ نے زمام امامت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے داعیوں کو دور دور بھیجا۔ انہی ایام میں ابو عبداللہ نے اہل کتامہ کا ایک وفد عبیداللہ کے پاس روانہ کیا اور اپنے فتوحات کی اطلاع دے کر یہ ظاہر کیا کہ ہم لوگ آپ کے قدوم میمنت لزوم کے لئے چشم براہ ہیں جلد تشریف لائیے۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بغداد پہنچیں خلیفہ مکتفی عباسی نے عبیداللہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عبیداللہ فرمان خلافت کی اطلاع پاتے ہی اپنے بیٹے نزار کو ساتھ لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ عبیداللہ نے سرزمین حمص سے نکل کر مغرب کا راستہ لیا۔ لڑکے کے علاوہ خدام و اصحاب کی بھی ایک جماعت ساتھ تھی۔ یہ لوگ طے منازل کر کے مصر پہنچے۔ عبیداللہ سوداگروں کا لباس پہنے سرزمین مصر میں داخل ہوا۔ ان دنوں عیسٰی نوشری خلیفہ بغداد کی طرف سے مصر کا گورنر تھا۔ اس اثنا میں خلیفہ مکتفی باللہ عباسی کی طرف سے عبیداللہ کی گرفتاری کا فرمان بھی عامل مصر کے نام پہنچ گیا۔ اس فرمان میں عبیداللہ کا حلیہ بھی درج تھا۔ عیسٰی نوشری نے جاسوسوں اور مخبروں کو ہر طرف عبیداللہ کی تلاش میں پھیلا دیا۔ نوشری کے کسی مصاحب نے عبیداللہ کو اس سے مطلع کر دیا۔ عبیداللہ اپنے رفقا و خدام کو لئے ہوئے وہاں سے نکلا۔ مگر اتفاق سے خود نوشری سے ملاقات ہو گئی۔ نوشری اس کی صورت شکل چال ڈھال سے تاڑ گیا کہ ہو نہ ہو عبیداللہ یہی ہے فوراً گرفتار کر لیا اتنے میں دوپہر ہو گئی۔ دسترخوان بچھا۔ نوشری نے عبیداللہ کو کھانے کے لئے کہا۔ اس نے روزہ کا عذر کیا۔ نوشری نے باتوں باتوں میں عبیداللہ سے حقیقت حال دریافت کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ عبیداللہ نے اسے ایسے فقرے دیئے کہ نوشری کو اس کے بے خطا ہونے کا یقین ہو گیا۔ نوشری نے ابھی عبیداللہ کو رہا نہ کیا تھا کہ اس کا بیٹا ابو القاسم نزار اپنے شکاری کتے کو ڈھونڈتا ہوا آ پہنچا۔ نوشری نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ بتلایا گیا کہ یہ عبیداللہ کا بیٹا ہے۔ نوشری نے اس سے یہ خیال قائم کیا کہ اگر یہ شخص خلافت کا مدعی ہوتا تو اس کا بیٹا شکاری کتے کی تلاش میں موت کے منہ میں نہ چلا آتا۔ عبیداللہ کو رہا کر دیا۔ عبیداللہ مصر سے بعجلت تمام طے مسافت کرنے لگا۔ راہ میں طاحونہ کے مقام پر قزاقوں سے سابقہ پڑ گیا۔ کل مال و اسباب لوٹ لے گئے جن میں چند کتابیں بھی ملاحم کے متعلق تھیں جو اس کو اباً عن جدٍ وراثت میں ملی تھیں۔ ان کتابوں کے تلف ہونے کا عبیداللہ کو سخت صدمہ ہوا۔

عبیداللہ کوچ کرتا ہوا طرابلس پہونچا۔ عبیداللہ نے یہاں سے ابو العباس برادر ابو عبداللہ کو کتامہ کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ وہ جاتے ہوئے قیروان پہونچا۔ زیادۃ اللہ گورنر افریقیہ کو ابو العباس کے پہنچنے سے قبل ہی ان واقعات کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اس نے سراغ رسانوں کی وساطت سے اسے گرفتار کر لیا۔ اور بہت عبیداللہ کے حالات دریافت کئے۔ ابو العباس نے بتلانے سے انکار کیا۔ زیادۃ اللہ نے اسے جیل میں ڈال دیا۔ اور عامل طرابلس کو عبیداللہ کی گرفتاری کا حکم بھیجا۔ یہ خبر کسی طرح عبیداللہ تک پہنچ گئی

طرابلس کو خیرباد کہہ کر سلجماسہ کا قصد کیا۔ یہاں ابن مدرار کے گروہ والے تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کی بڑی آؤبھگت کی اور عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ اس اثنا میں حاکم سلجماسہ کے نام زیادۃ اللہ کی وساطت سے خلیفہ مکتفی کا فرمان آپہنچا جس میں لکھا تھا کہ یہی شخص مہدویت کا مدعی ہے۔ اسی کی طلبی کے خطوط اکتامہ سے آرہے ہیں۔ اسے گرفتار کرکے فوراً قید خانہ میں ڈال دو۔" والی سلجماسہ نے عبید اللہ کو گرفتار کرکے قید کر دیا۔

ابوعبداللہ کا سلسلۂ فتوحات زیادۃ اللہ گورنر افریقہ نے پہلے تو کچھ خیال نہ کیا لیکن ابوعبداللہ کی بڑھتی ہوئی جمعیت اور بلاد افریقیہ کو اپنے حوزۂ تصرف سے نکلتے دیکھ کر ذرا چوکنا ہوا۔ اور اپنے ایک عزیز ابراہیم بن حنیش کو امیر لشکر مقرر کرکے چالیس ہزار فوج کے ساتھ کتامہ کی طرف روانہ کیا۔ اس مہم میں چیدہ چیدہ سپہ سالار اور نامور جنگجو سپاہی شامل تھے۔ یہ لشکر قسطیلہ پہنچ کر ٹھہر گیا۔ ابوعبداللہ یہ خبر پاکر پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر چڑھ گیا اور اچھی طرح مورچہ بند ہو گیا۔ ابراہیم کامل چھ مہینے تک اپنا لشکر لئے ہوئے ابوعبداللہ کے اترنے کے انتظار میں دامن کوہ میں پڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر ساتویں مہینہ شہر کرمتہ پر حملہ کر دیا کیونکہ یہاں بھی ابوعبداللہ کی تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ پرچہ نویسوں نے ابوعبداللہ کو اس کی خبر کر دی۔ اس نے اپنے رسالہ کو ابراہیم کے لشکر پر شبخون مارنے کو بھیج دیا۔ ابراہیم ابھی کرمتہ تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ ابوعبداللہ کے سواروں نے پہنچ کر چھاپہ مارا۔ ابراہیم کے ہوش و حواس جاتے رہے اور کمال بے سروسامانی سے ہزیمت اٹھا کر قیروان کی طرف بھاگا۔ ابوعبداللہ نے مژدۂ فتح عبید اللہ کی خدمت میں روانہ کیا جو اس وقت سلجماسہ کے قید خانہ میں تھا۔ ابوعبداللہ نے اس خط کو اپنے ایک معتبر دوست کے ذریعہ سے سلجماسہ روانہ کیا تھا۔ اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ جس طرح ممکن ہو یہ خط عبید اللہ مہدی تک پہنچاؤ۔ چنانچہ قاصد نے سلجماسہ پہنچ کر قصابوں کا بھیس بدلا اور گوشت بیچنے کے حیلہ سے قید خانہ میں داخل ہو کر عبید اللہ کو ابوعبداللہ کا خط دیا۔ ابوعبداللہ اس مہم سے فارغ ہو کر شہر طبنہ کی طرف بڑھا۔ اور ایک مدت تک اس کا محاصرہ رکھنے کے بعد اس کو فتح کر کے شہر بلزمہ کا رخ کیا۔ اہل بلزمہ نے مقابلہ کیا۔ ابوعبداللہ نے اس کو بھی مسخر کر لیا۔ زیادۃ اللہ والی افریقہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک جرار لشکر ہارون طبنی کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ طبنی نے شہر دار ملوک پر فوج کشی کی۔ دار ملوک کے باشندوں نے اس سے پیشتر ابوعبداللہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ طبنی نے دار ملوک کی شہر پناہ کو منہدم کرکے بزور شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بعد ابوعبداللہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں ابوعبداللہ کی گشتی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ابوعبداللہ کی گشتی فوج مرعوب ہو کر بے ترتیبی اور ابتری کے ساتھ بھاگنے لگی۔ جب ابوعبداللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بذات خاص پیام اجل کی طرح طبنی کے سر پر آپڑا۔ طبنی کی فوج بے لڑے بھڑے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسی دار و گیر میں طبنی نے غنیم کے ہاتھ سے جام اجل پی لیا۔ ابوعبداللہ نے کامیابی کے ساتھ شہر عبیسی پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ سے زیادۃ اللہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔ اور ایک بہت بڑا لشکر مرتب کرکے ۲۹۵ھ میں ابوعبداللہ پر حملہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوا۔ جب اربس پہنچا تو بعض مصاحبوں نے یہ رائے دی کہ آپ بذات خاص ابوعبداللہ کے مقابلہ پر نہ جایئے کیونکہ اگر خدانخواستہ نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوا تو ہم لوگوں کا کوئی ملجا و ماویٰ نہ رہ جائے گا۔ زیادۃ اللہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور لشکر کو اپنے ایک عزیز ابراہیم بن ابو اغلب کے ماتحت ابوعبداللہ کے مقابلہ میں بھیج کر خود دارالحکومت قیروان کو مراجعت کی۔

سلطنت بنی اغلب کا زوال ابوعبداللہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ فوراً باغایہ پر دھاوا کر دیا۔ عامل باغایہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا

گیا۔ ابوعبداللہ نے شہر پر قبضہ کر کے اپنی کامیابی کا پرچم گاڑ دیا۔ اس کے بعد عنانِ توجہ شہر مرماجنہ کی طرف پھیر دی۔ اہل مرماجنہ نے قبضہ دینے سے اعراض کیا۔ آخر لڑائی تک نوبت پہنچی اور والیٔ مرماجنہ مارا گیا۔ ابوعبداللہ نے شہر پر عمل و دخل کر کے نیقاش کی طرف قدم بڑھایا۔ اہل نیقاش نے اطاعت کر کے شہر سپرد کر دیا۔ نیقاش کے مفتوح ہونے پر ہر طرف سے امان کی درخواستیں آنے لگیں۔ بہت سے قبائل نے بخوف جان حاضر ہو کر گردنِ اطاعت جھکا دی۔ ابوعبداللہ نے سب کو امان دی۔ اور چند افسروں کو وہاں بلاد کا انتظام سپرد کر کے خود ایک دستۂ فوج کے ساتھ مسکیانہ کا رخ کیا۔ یہاں سے تبسہ، مجانہ، قصرین اور رقادہ کا رخ کیا۔ یہ مقامات یکے بعد دیگرے بلا جنگ و قتال مفتوح ہوتے گئے۔ ابراہیم بن ابی اغلب نے ان واقعات کی خبر اربس میں سنی۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ رقادہ میں زیادۃ اللہ والیٔ افریقہ اقامت گزین ہے۔ لیکن اس کے پاس کوئی بڑا لشکر نہیں ہے۔ اربس سے رقادہ کی طرف رخ کر دیا۔ ابوعبداللہ رقادہ سے رخ پھیر کر قسطیلہ کی طرف بڑھا۔ اور وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ اہل قسطیلہ نے امان حاصل کر کے شہر حوالے کر دیا۔ ابوعبداللہ نے قسطیلہ پر عمل و دخل کر کے باغایہ کی طرف مراجعت کی۔ اور لشکر کے بیشتر حصہ کو باغایہ میں چھوڑ کر کوہ انکجان کی جانب مراجعت کی۔ ابراہیم بن اغلب جو والیٔ افریقہ کی افواج کا افسرِ اعلیٰ تھا میدان خالی پا کر باغایہ پہنچا اور ابوعبداللہ کی فوج کو محاصرہ میں لے لیا۔ ابوعبداللہ نے یہ خبر پا کر بارہ ہزار کی جمعیت سے پھر باغایہ کی طرف کوچ کیا۔ ابراہیم اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر اربس کی طرف لوٹ آیا۔ سنہ ۲۹۶ھ میں ابوعبداللہ نے ایک لاکھ فوج کی جمعیت سے ابراہیم پر لشکر کشی کی۔ اور چند دستہ ہائے فوج کو ابراہیم پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اربس کے قریب ایک میدان میں نہایت گھمسان لڑائی ہوئی۔ گو ابراہیم نے خوب دادِ شجاعت دی مگر اپنے افسروں کی دُوں ہمتی اور بزدلی سے ہزیمت اٹھائی آخر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ ابوعبداللہ نے نہایت بے رحمی سے ابراہیم کے لشکر کو پامال کیا۔ اور مال و اسباب جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر شہر اربس میں داخل ہوا۔ اہل سنت و جماعت کی جان و مال اور ناموس کو لشکریوں پر مباح کر دیا اور وہاں ایک شبانہ روز قتل عام کا بازار گرم رہا +

جب ان زہرہ گداز حوادث کی اطلاع زیادۃ اللہ والیٔ افریقہ کو ہوئی تو وہ حواس باختہ رقادہ سے مصر کو بھاگا۔ اہل رقادہ نے اپنے حکمران کو بھاگتے ہوئے پایا تو انہوں نے بھی سراسیمہ وار قیروان اور سوسہ کا رخ کیا۔ بدمعاش اور آوردہ مزاج عوام نے بنی اغلب کے محلسرائے کو لوٹ لیا۔ ابراہیم بن ابو اغلب نے قیروان پہنچ کر دار الامارۃ میں قیام کیا۔ روساء شہر اور امراء مملکت کو جمع کر کے انہیں ابوعبداللہ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی اور ان سے مال و زر کی مدد مانگی۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ ہم عوام تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اس قدر مال و زر کہاں ہے کہ آپ کی اعانت کر سکیں؟ اس کے علاوہ ہم جنگ و جدل سے بھی مطلق بے بہرہ ہیں کہ دشمن سے لڑ کر ہی آپ کی مدد کر سکیں۔ ابراہیم یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ یہ لوگ دار الامارۃ سے اٹھ کر واپس آئے۔ جب اوباشوں بازاریوں کو اس گفتگو کا علم ہوا تو وہ دار الامارۃ پر ٹوٹ پڑے اور ابراہیم کو بات کی بات میں وہاں سے نکال دیا۔ ابراہیم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے۔ مگر بنی اغلب کا ستارۂ اقبال غروب ہو رہا تھا اس لئے تمام نقشِ آرزو بن بن کر بگڑ گئے اور بجائے کامیابی کے ہر جگہ ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔ جونہی ابوعبداللہ نے زیادۃ اللہ کے فرار کی خبر سنی۔ رقادہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اہل قیروان ملنے کو آئے۔ ابوعبداللہ نے سب کو امان دی اور عزت و احترام سے پیش آیا۔ ابوعبداللہ نے رقادہ کے محل اور امراء دولت کے مکان اہل شہر پر تقسیم کر دیئے۔ لوگوں نے آتش جنگ کے فرو ہونے پر اپنے اپنے شہروں کو مراجعت کی۔ ابوعبداللہ نے تمام شہروں میں عمال

مقرر کیے۔ جدید سکے مسکوک کرائے جن کی ایک طرف بَلَغَتْ حُجَّۃُ اللّٰہ اور دوسری طرف تَفَرَّقَ اَعْدَاءُ اللّٰہ لکھوایا۔ آلات حربیہ عدۃ فی سبیل اللہ کندہ کرایا۔ اور گھوڑوں کی رانوں پر اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ۔

عبید اللہ بحیثیت مہدی امیر المؤمنین

جب ابو عبد اللہ نے افریقیہ پر کہیں تو بزور شمشیر اور کہیں حکمت عملی سے عمل و دخل کر لیا۔ تو اس کا بڑا بھائی ابو العباس محمد اس کے پاس رقادہ آ گیا۔ ابو عبد اللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ابو عبد اللہ نے اپنے بھائی ابو العباس اور ابازاکی کو افریقیہ میں نائب مقرر کیا۔ اور خود فوج کو حرکت دے کر بلاد مغرب کا رخ کیا۔ ابو عبد اللہ کے خروج کرتے ہی ملک مغرب میں تہلکہ مچ گیا۔ بڑے بڑے قبائل جن کا دنیا لوہا مانتی تھی ان کے دل میں ابو عبد اللہ کا ایسا ہول سمایا کہ اس کے راستہ سے ادھر اُدھر سرک گئے اور اکثر نے طوعاً یا کرہاً اطاعت کی گردن جھکا دی۔ ابو عبد اللہ رفتہ رفتہ سلجماسہ کے قریب پہنچا جہاں عبید اللہ قید تھا۔ الیسع بن مدرار والی سلجماسہ کو ابو عبد اللہ کے قریب آ پہنچنے کی خبر لگی تو قید خانہ میں جا کر عبید اللہ سے اس کے حالات دریافت کئے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ کیا ابو عبد اللہ تمہاری اعانت کے لئے آ رہا ہے؟ عبید اللہ نے قسم کھائی کہ میں ابو عبد اللہ کو نہیں جانتا میں تو ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں۔ اس کے لڑکے ابو القاسم نزار سے استفسار کیا۔ اس نے بھی اپنے حالات مخفی رکھے۔ ان کے ساتھیوں سے کشف حال کی کوشش کی۔ انہوں نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھے۔ والی سلجماسہ نے جھلا کے سب کو پٹوایا۔

اس واقعہ کی خبر ابو عبد اللہ تک پہونچی اسے نہایت شاق گزرا۔ مگر چارہ کار ہی کیا تھا۔ ایک تلطف آمیز خط مشتمل اظہار محبت و عقیدت والی سلجماسہ کے نام روانہ کیا۔ الیسع تاڑ گیا کہ اس میں ضرور کوئی چال پنہاں ہے۔ خط کو چاک کر کے پھینک دیا اور مغلوب الغضب ہو کر قاصد کو قتل کر ڈالا۔ اس سے ابو عبد اللہ کو زیادہ اشتعال پیدا ہوا اور اس نے نہایت تیزی اور شتاب زدگی سے قطع منازل کرتے ہوئے سلجماسہ پہونچ کر شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ والی سلجماسہ ایک خفیف سی جھڑپ کے بعد ہی نا امید ہو گیا۔ اور اپنے اہل و عیال اور بنی اعمام کو لے کر رات کے وقت شہر سے بھاگ گیا۔ صبح کو اہل سلجماسہ نے ابو عبد اللہ کے پاس حاضر ہو کر اطاعت کی۔ ابو عبد اللہ ان کے ساتھ قید خانہ میں آیا۔ دروازہ کھول کر عبید اللہ اور اس کے بیٹے ابو القاسم کو رہا کر کے انہیں گھوڑوں پر سوار کرایا۔ آگے آگے ابو عبد اللہ تھا۔ اور پیچھے پیچھے قبائل سلجماسہ کے امراء و رؤسا تھے۔ ابو عبد اللہ بلند آواز سے پکارتا جاتا تھا۔ هٰذَا مَوْلٰکُمْ هٰذَا مَوْلٰکُمْ یعنی عبید اللہ تمہارا مولیٰ و سردار ہے۔ یہی تمہارا آقا ہے۔ اور فرط مسرت سے روتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لشکر گاہ میں پہنچا۔ عبید اللہ کو خیمہ میں اتارا اور والی سلجماسہ کے تعاقب میں چند سواروں کو روانہ کیا۔ اگلے دن الیسع والی سلجماسہ گرفتار ہو کر آ گیا۔ ابو عبد اللہ نے پہلے تو اسے کوڑوں سے پٹوایا۔ اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو عبد اللہ اور عبید اللہ اس مقصد براری کے بعد چالیس روز تک سلجماسہ میں خیمہ زن رہے۔ اکتالیسویں روز افریقیہ کی طرف مراجعت کی۔ ابو عبد اللہ ماہ ربیع الثانی ۲۹۷ھ میں رقادہ پہونچا۔ اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی۔

انکجان میں اموال غنیمت اور مغلوب حکومتوں کے خزانے پیش کئے گئے۔ عبید اللہ نے سب اپنی تحویل میں لے لئے اور ان میں سے کسی کو پھوٹی کوڑی تک نہ دی۔ ابو عبد اللہ عبید اللہ کو لئے ہوئے ماہ ربیع الآخر ۲۹۷ھ میں رقادہ پہنچا۔ اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی تجدید کر کے اسے مہدی امیر المؤمنین کے لقب سے ملقب کیا۔ اس تاریخ سے بنی اغلب کی حکومت افریقیہ سے دولت بنی مدرار کی سلجماسہ سے اور بنی رستم کی تاہرت سے اٹھ گئی۔ اور عبید اللہ ان تمام ممالک کا فرمان روا بن گیا۔ عبید اللہ

رقادہ کے ایک محل میں ٹھہرایا گیا اور ابوعبداللہ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن تمام بلاد و امصار میں عبیداللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

ابوعبداللہ کا عبرتناک انجام

جب تمام لوگ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کا نظام حکومت روبراہ ہو چکا تو اس نے سلطنت کے تمام کلی و جزئی امور کی باگ اپنے دست اختیار میں لے کر ابوعبداللہ اور اس کے بھائی ابوالعباس کو مسلوب الاختیار کر دیا۔ یہ دونوں بھائی جو تھوڑے ہی روز پیشتر سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک اور خود اختیار فرمانروا تھے اب ایسے بے دست و پا ہوئے کہ کسی ادنیٰ چپراسی کے عزل و نصب کا بھی انہیں اختیار نہ رہا۔ یہ دیکھ کر ابوالعباس کو بڑا قلق ہوا اور اپنے بھائی ابوعبداللہ سے کہنے لگا کہ تم نے بلاد و امصار فتح کئے اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی لیکن اس کے بعد عنان فرمانروائی ایسے ناقدرشناس ہاتھوں میں دے دی جس نے تمہیں اور مجھے بالکل عضو معطل بنا دیا ہے حالانکہ عبیداللہ کا فرض تھا کہ تمہارا حق پہچانتا اور تمہارے پیر دھو دھو کر پیتا۔ ابوعبداللہ پہلے تو بھائی کو ٹالتا اور ایسی افتراق انگیز باتوں سے منع کرتا رہا لیکن انجام کار وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اب وہ دست حسرت و تاسف ملنے لگا کہ میں نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ شاید عبیداللہ ڈھب پر آ جائے اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں کتامہ کا بڑا مزاج شناس ہوں اس لئے اگر آپ قصر شاہی میں تشریف فرما رہیں اور کتامہ کے سیاہ و سپید کا اختیار بدستور میرے ہاتھ میں رہنے دیں تو اس میں آپ کا وقار بہت زیادہ ہوگا۔" مگر عبیداللہ کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا کہ اس کے بھرے میں آ جاتا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسے دونوں بھائیوں کی مخالفانہ گفتگو کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے ابوعبداللہ کی ایک نہ سنی اور اسے بلطائف الحیل ٹال دیا۔ لیکن یہ ابوعبداللہ کی مآل نااندیشی تھی کہ اتنی بڑی سلطنت عبیداللہ کے حوالے کر دی۔ اور جب اس حماقت کا ارتکاب کر بیٹھا تھا تو اسے چاہئے تھا کہ یا تو تفویض حکومت کے بعد چپ چاپ اپنے وطن صنعاء کو واپس چلا آتا۔ یا اگر وہیں رہنا منظور تھا تو اپنے دل و دماغ کو جاہ و اقتدار کے جذبات سے یکسر خالی کر کے تادم واپسین کنج عزلت میں بیٹھ رہتا۔ اب اس کے لئے صاحب اختیار رہ کر رقادہ میں عافیت کے ساتھ بود و باش رکھنے کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔

عبیداللہ سے مطالبہ کہ اپنی مہدویت کا کوئی ثبوت دو

اب ابوالعباس نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ وہ مہدی نہیں جسے ہم واجب الاطاعت سمجھتے اور لوگوں کو اس کی متابعت کی دعوت دیتے رہے ہیں کیونکہ مہدی موعود علیہ السلام کی آمد پر تو حجت الٰہی ختم ہو جائے گی اور ان کے ہاتھ پر معجزات باہرہ اور آیات بینات کا بکثرت ظہور ہوگا۔" اکثر لوگ ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ کتامہ کا ایک شخص جو شیخ المشائخ کے لقب سے مشہور تھا عبیداللہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر آپ واقعی مہدی آخر الزمان ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں تمہاری نسبت اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ عبیداللہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ کسی بھیانک منظر کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس لئے ابوعبداللہ کو اپنی ہستی بھی خطرے میں نظر آئی۔ اب ابوعبداللہ نے اس صورت حالات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے ابو زاکی کے مکان پر ایک اجتماع عظیم کی دعوت دی۔ چند افراد کو چھوڑ کر کتامہ کے تمام قبائل اس میں شریک ہوئے۔ ابوالعباس نے بہت سی دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ عبیداللہ وہ سب خزائن جو انکجان میں اس کے روبرو پیش کئے گئے تھے بے ڈکار ہضم کر گیا ہے۔ اس نے سپاہ اور فوجی عہدہ داروں کو ان میں سے ایک حبہ تک نہ دیا۔ غرض فیصلہ ہوا کہ عبیداللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ عبیداللہ کے جاسوس بھی اس اجتماع

میں شریک تھے انہوں نے عبید اللہ کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ اب عمائدِ سلطنت نے عبید اللہ کے دربار میں آنا جانا ترک کر دیا۔ عبید اللہ نے سب سے پہلے ابوزاکی کا قلع قمع ضروری خیال کیا۔ چنانچہ اس کو طرابلس کا گورنر بنا کے بھیج دیا اور ساتھ عامل طرابلس کے نام حکم بھیجا کہ جونہی ابوزاکی تمہارے پاس پہنچے اسے خواب گاہِ عدم میں سُلا دو۔ عامل طرابلس نے اس کا سر عبید اللہ کے پاس بھیج دیا۔ اس اثنا میں عبید اللہ نے ابو عبد اللہ اور ابوالعباس کو بھی ہلاک کرا کے شہر خموشاں میں بھجوا دیا۔ کتامہ میں عبید اللہ کے خلاف متعدد فتنے اُٹھے لیکن اس نے نہایت پامردی سے ان کا مقابلہ کر کے سب کو دبا دیا۔ ان معرکوں میں بہت سے اہل کتامہ اور اہل قیروان مارے گئے۔ اب کتامہ نے ایک خورد سال لڑکے کو اپنا حکمران بنایا اور یہ کہنا شروع کیا کہ یہی مہدی آخرالزمان ہے۔ پھر یہ کہنے لگے کہ یہ لڑکا نبی ہے اور اس کی طرف وحی ہوتی ہے۔ اور ابو عبد اللہ کے متعلق یہ اعتقاد کر لیا کہ وہ مرا نہیں۔ اب عبید اللہ کے مقابلہ کے لئے انہوں نے زبردست حربی طیاریاں شروع کر دیں۔ جب عبید اللہ کو ان واقعات کا علم ہوا تو اپنے لڑکے ابوالقاسم نزار کو اس نئے مہدی کے پیروؤں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابوالقاسم نے جا کر ان پر یورش کی اور ان کو ہزیمت دے کر سمندر کی طرف بھگا دیا اور وہ لڑکا بھی مارا گیا جسے مہدی بنایا گیا تھا۔

اسماعیلی مذہب کی جبری اشاعت اور علمائے اہلسنت کی جان ستانی

عبید اللہ نے اخذ بیعت کے بعد ہی اپنے منادوں اور مبلغوں کا جال سارے افریقہ میں پھیلا دیا۔ یہ لوگ ہر طرف مذہب اسماعیلی کی تعلیم دے رہے تھے جسے برائے نام چند نفوس کے سوا کسی نے قبول نہ کیا۔ عبید اللہ نے جبر و تعدی کا حکم دیا۔ اس پر بھی جب یہ مذہب ترقی پذیر نہ ہُوا تو علمائے اہل سنت و جماعت کے قتل کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ بے شمار حاملانِ شریعت و علمبردارانِ رشد و ہدایت تیغِ جفا کی نذر ہو گئے۔ ان کے مال و اسباب اور اہل و عیال کتامہ پر تقسیم کر دیئے گئے۔ اور جن لوگوں نے اسماعیلی تحریک قبول کی انہیں بڑی بڑی جاگیریں دیں اور زر و مال سے نہال کر دیا۔ ان واقعات کے بعد عبید اللہ نے شہر مہدیہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا جو تونس کے قریب ہے۔

مصر پر فوج کشی

سنہ ۳۰۲ھ میں عبید اللہ نے ایک لشکر جرار اپنے نامور سپہ سالار خفاشہ کتامی کی قیادت میں اسکندریہ کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ خفاشہ نے اسکندریہ پر قبضہ حاصل کر کے مصر کی طرف قدم بڑھایا۔ دربار خلافت میں اس کی خبر پہنچی۔ خلیفہ مقتدر نے مصر کی حفاظت کے لئے اپنے خادم مونس کو ایک فوج گراں کے ساتھ بغداد سے روانہ کیا۔ مونس مصر کے قریب پہنچ کر خفاشہ سے معرکہ آرا ہُوا۔ متعدد جنگوں اور خونریزیوں کے بعد عبیدی لشکر کو شکست فاش ہوئی اور خفاشہ بقیۃ السیف کو لے کر مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ خلیفہ کے لشکر نے اسکندریہ پر از سرِ نو قبضہ کر لیا۔ اس معرکہ میں سات ہزار عبیدی مقتول و مجروح ہوئے۔

عبید اللہ نے اس کے بعد ۳۰۷ھ میں پھر مصر فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے بیٹے ابوالقاسم کو ایک لشکر گراں کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کیا۔ ابوالقاسم ربیع الثانی ۳۰۷ھ میں اسکندریہ پہنچا۔ اور اس پر تسلط کر کے مصر کی طرف بڑھا جیزہ میں داخل ہو کر صعید پر بھی قابض ہو گیا۔ اور اہل مکہ معظمہ کو اسماعیلی مذہب قبول کرنے کو لکھا۔ اہل مکہ نے اس تحریک کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ جب بغداد میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مقتدر نے مونس خادم کو ابوالقاسم کی مدافعت

پر روانہ کیا۔ فریقین میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مونس کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد مونس کو دربار خلافت سے مظفر کا لقب دیا گیا۔ اثنائے جنگ میں اسی جنگی جہاز ابوالقاسم کی کمک کو پہنچ کر اسکندریہ کے قریب لنگر انداز ہوئے۔ خلیفہ مقتدر نے بھی طرطوس سے پچیس جہازوں کا ایک بیڑا ابو الیمن کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اسکندریہ کے قریب دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا خلیفۃ المسلمین کے بیڑے کو باوجود قلت تعداد و قلت سپاہ فتح نصیب ہوئی۔ بنو عبید کے اکثر جہاز دوران جنگ میں جلا دئے گئے۔ یعقوب کتابی اور سلیمان خادم جو عبیدی لشکر کے افسر تھے گرفتار کر لئے گئے۔ سلیمان تو مصر کے قید خانہ میں ڈالا گیا یعقوب پابجولان بغداد بھیجا گیا۔ اس شکست سے عبیدیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور کمک کا آنا منقطع ہو گیا۔ اور جو لشکر یہاں موجود تھا اس میں وبا پھوٹ پڑی۔ سیکڑوں انسان اور گھوڑے طعمۂ اجل بن گئے۔ باقی ماندہ عبیدی لشکر نے افریقہ کو مراجعت کی۔ لشکر شاہی نے تعاقب کرکے اسے اپنے حدود سے نکال دیا۔ لیکن اس واقعہ کے تقریباً پچاس سال بعد یعنی ۳۵۸ھ میں عبیدی سپہ سالار جوہر نے پھر مصر پر حملہ کیا اور وہاں کے کمسن اخشیدی فرمانروا احمد بن علی کو مغلوب کرکے مصر پر قبضہ کر لیا اور شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شام بھی عبیدی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ عبید اللہ ۳۲۲ھ میں مرا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں سے نیرہ فرمانروا ۵۶۷ھ تک برسر حکومت رہے۔

باب ۲۸ — علی بن فضل یمنی

۲۹۳ھ میں علی بن فضل نام ایک شخص جو ابتدا میں اسماعیلی فرقہ کا پیرو تھا۔ مضافات سے صنعا میں اس دعویٰ کے ساتھ آیا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ ان ایام میں یمن کا حاکم خلیفہ مکتفی عباسی کی طرف سے اسعد بن ابو جعفر تھا۔ علی بن فضل بہت دن تک اہل صنعا کو اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دیتا رہا۔ لیکن کوئی شخص تصدیق پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں تو اس نے کسی عملی تدبیر سے لوگوں کو رام کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک دوا جس کو بصرہ میں داخن اور مصر میں لسان الدرفیل؟ کہتے ہیں حاصل کرکے اس کا گودا لیا۔ اسی طرح چھ اور اجزاء چھپکلی کی چربی اور شحم جرذون (جس کے خالص ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اسے آگ پر ڈالا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے) اور کانچ کا چونہ، شنگرف، پارہ اور زنگار فراہم کئے اور ان سب سے نصف وزن یعنی ساڑھے تین جزء) گائے کا گوبر اور ان اجزاء کا ربع (پونے دو جزء) گھوڑے کی پیشانی کے بال لے کر کوٹنی دواؤں کو باریک کیا اور چربیوں کو ملا کر سب کے سب معجون طیار کی۔ پھر گولیاں بنا کر ان کو سایہ میں خشک کیا اس کے بعد ایک مرتبہ رات کے وقت ایک بلند مکان پر چڑھ کر یہ گولیاں دہکتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیں۔ ان سے سرخ رنگ کا دھواں اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام فضائے بسیط پر محیط ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کرۂ ہوا کرۂ نار بن گیا ہے۔ پھر اس نے کوئی ایسا افسوں کیا کہ دھوئیں میں بے شمار ناری مخلوق دکھائی دینے لگی۔ یہ ناری آدمی آگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان سواروں کے ہاتھ میں نیزے تھے اور آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔" یہ وحشتناک منظر دیکھ کر لوگ گھبرا اٹھے اور ان پر یہ واہمہ سوار ہوا کہ انہوں نے ایک نبی اللہ کی دعوت حق کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس لئے خدائے شدید العقاب کی طرف سے نزول عذاب کا منظر دکھایا گیا ہے

۱؎ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۰ — ۱۸، ۲۷، ۳۶

یہ دیکھ کر ہزارہا حماقت شعار تہی دستان قسمت نے اپنی متاع ایمان اس کے سپرد کر دی۔ ان سرگشتگان کوئے ضلالت میں سیکڑوں لکھے پڑھے لوگ بھی تھے جنہیں علمی جہلا کہنا زیبا ہے۔ علمائے اُمت نے ہتیرا سمجھایا کہ اس شعبدہ گر کے پھندوں میں آکر سعادت ایمان سے محروم نہ ہوں۔ مگر کون سنتا تھا ان پر اس عیار کا پوری طرح جادو چل چکا تھا۔ بجز قلیل التعداد لوگوں کے کوئی شخص راہ راست پر نہ آیا۔ لیکن عوام کالانعام اور علمی جہلا کی یہ خوش اعتقادی کس قدر ماتم انگیز ہے کہ جونہی کسی مسیلمۂ زمان یا سامری وقت نے زخارف دنیا کی تحصیل، ملت حنیفی کی خانہ براندازی اور وحدت قومی کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے اپنے الحاد و زندقہ کے طبل تہی پر چوب لگائی، زبون طالع عقیدت کیش اپنے تمام قوائے عقلیہ کھو کر پروانہ وار اس کی طرف دوڑتے اور اس شعر کا مصداق بنتے ہیں

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

اور دام تزویر میں پھنسنے سے پہلے اتنی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ وارثان علوم نبوت کے استصواب رائے سے کسی مدعی کے دعووں کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں۔ بلکہ یہ بندگان سحر اپنی نادانی سے خود ہی یک طرفہ رائے قائم کر کے خسران ابدی کے غاشیہ بردار بن جاتے ہیں اور حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ اگر کوئی انہیں تصویر کا دوسرا رخ دکھانا چاہے تو کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ میں نے ایک مرتبہ بڑی کوشش کی کہ ایک مرزائی ملاقاتی کو مقدمہ بہاولپور کا فیصلہ پڑھنے پر آمادہ کر سکوں لیکن اس نے ایک نہ سنی اور یہ کہتا ہوا میرے پاس سے بھاگ گیا کہ "میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا" اس فیصلہ میں ڈسٹرکٹ جج بہاولپور نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و ارتداد کے بہت سے وجوہ بیان کئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ مرزائی فرقہ کو اسلام سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

علی بن فضل کی مجلس میں ایک شخص پکار پکار کر کہا کرتا تھا اَشہَدُ اَنَّ عَلِیَّ بنَ الفَضلِ رَسُولُ اللّٰہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دعوائے رسالت کے ساتھ اسے کسی حد تک خدائی کا دعویٰ بھی تھا۔ چنانچہ جب کسی اندھے پیرو کے نام کوئی تحریر بھیجتا تو عنوان تحریر یوں ہوتا۔ من باسط الارض وداحیہا ومزلزل الجبال ومرسیہا علی بن الفضل الی عبدہ فلان بن فلان (یہ تحریر زمین کے بچھانے اور ہلانے والے اور پہاڑوں کے ہلانے اور ٹھہرانے والے علی بن فضل کی جانب سے اس کے بندہ فلاں بن فلاں کے نام ہے۔) اس نے بھی اپنے مذہب میں تمام محرمات کو حلال کر دیا تھا یہاں تک کہ آب حرام (شراب) اور بیٹیوں سے عقد نکاح بھی جائز کر دیا تھا۔ انجام کار بعض شرفائے بغداد غیرت ملی اور ناموس اسلامی سے مجبور ہو کر اس کی ہلاکت کے درپے ہوئے اور [illegible] میں اس کو جام زہر پلوا کر قعر عدم میں پہنچا دیا۔ علی بن فضل کا فتنہ انیس سال تک ممتد رہا۔ لیکن تعجب ہے کہ خلفائے [illegible] نے انیس سال تک اس سے کیوں تعرض نہ کیا؟ اور لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے اسے اتنا طویل عرصہ کیوں کھلا دیا؟ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تو نصاریٰ کی عملداری میں تھے اس لئے ان کے لئے دار دنیا میں اپنے دعووں اور زندقہ شعاری کا کوئی عاجل خمیازہ بھگتنے کا کوئی موقع نہ تھا لیکن جائے تعجب ہے کہ کوئی شخص اسلامی قلمرو میں رہ کر دس پندرہ روز سے زیادہ مدت تک ملت حنیفی میں رخنہ اندازیاں کرتا رہے اور خدا کی عاجز مخلوق پر رحم کر کے اس کو اس کے شر سے نہ بچایا جائے؟ جونہی ابن فضل نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا حکام کا فرض تھا کہ اس کی رگ جان کاٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیتے۔

ع مذاہب اسلام بحوالہ نزہت المجالس ومنیۃ الانیس جلد اول صفحہ ۳۰۰ و کتاب المختار و کشف الاسرار للجوبری ص ۱۲۲

باب ۲۹ - ابو طاہر قرمطی

جب ابو سعید جنابی سنہ ۳۰۱ھ میں اپنے خادم کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان قرمطی اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب و مقہور کر کے باپ کا جانشین ہو گیا اور مقامات ہجر، احسا، قطیف، طائف، بحرین کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ابو طاہر خدا کا اوتار ہونے کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ رب العلمین عز اسمہ کی روح میرے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ ابو طاہر نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے دس سال بعد تسخیر بصرہ کا قصد کیا۔ ان دنوں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے سبک مفلحی بصرہ کا امیر تھا۔ ابو طاہر نے ایک ہزار سات سو آدمیوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں بصرہ پر دھاوا کیا۔ سیڑھیاں لگا کر شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھ گیا اور محافظوں کو تہ تیغ کر کے شہر میں گھس پڑا۔ قرمطیوں نے ابو طاہر کے حکم سے شہر کے دروازے کھول کر قتل عام شروع کر دیا۔ بیچارہ سبک نہایت افراتفری اور بے سرو سامانی کے عالم میں مقابلہ پر آیا لیکن عہدہ برآ نہ ہو سکا اور داد مردانگی دے کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب قرمطیوں نے رعایا پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اہل شہر جان کے خوف سے بھاگے۔ سیکڑوں نے بوقت فرار ہمیشہ کے لئے قعر دریا میں بسیرا کر لیا اور ہزار ہا کلمہ گو قرمطی تیغ جفا کی نذر ہو کر دار آخرت میں چلے گئے۔ ابو طاہر بصرہ میں سترہ دن تک ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد جس قدر مال و اسباب اور عورتیں اور بچے قید کر کے لے جا سکا۔ ساتھ لے کر اپنے مستقر دولت ہجر کی طرف عود کیا۔ خلیفہ مقتدر نے سبک شہید کی جگہ محمد بن عبداللہ فاروقی کو بصرہ کی امارت تفویض فرمائی۔

بیگناہ حاجیوں پر دست تطاول ہزار ہا حجاج کا مظلومانہ قتل

ابو طاہر اپنے قرمطی اور باطنی پیش روؤں سے کہیں بڑھ کر اسلام کے درپے استیصال تھا۔ چونکہ خلافت بغداد ضعف و انحطاط کے منحطہ میں مبتلا تھی اس لئے اس کو رباطن کو حسید اسلام پر چرکے لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ بصرہ کی غارت گری کے بعد اس نے مسلمانوں کی مقدس ترین جماعت یعنی حجاج کو قتل و غارت کر کے اسلام کے جگر میں ہاتھ ڈالا۔ چنانچہ سنہ ۳۱۲ھ میں حاجیوں کو ان کی واپسی کے وقت لوٹنے اور قتل کرنے کی غرض سے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ ہبیر کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر حاجیوں کے ایک قافلہ سے جو سب سے آگے تھا مقابل ہوا۔ اہل قافلہ کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ حالت غفلت میں چلے آ رہے تھے کہ دفعتاً ابو طاہر نے حملہ کر دیا۔ اہل قافلہ مدافعت نہ کر سکے۔ انہیں بری طرح لوٹا۔ جب پچھلے حاجیوں کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قتل و غارت کے خوف سے فید میں قیام کر دیا۔ لیکن زاد راہ ختم ہو گیا۔ ابو الہیجا بن حمدان جو والی طریق کوفہ بھی اسی قافلہ میں تھا۔ اس نے اہل قافلہ کو وادی القری کی طرف مراجعت کرنے کی رائے دی۔ مگر اہل قافلہ نے بہت دور نکل آنے کی وجہ سے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ آخر کوفہ کی راہ سے روانہ ہوئے۔ ابو طاہر نے بے خبر پا کر ان پر بھی حملہ کر دیا۔ ابو الہیجا اور خلیفہ مقتدر کے ماموں احمد بن بدر کو گرفتار کر لیا۔ حاجیوں کا تمام مال و اسباب لوٹ کر ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور ہجر کی جانب مراجعت کی۔ حجاج کو اسی کف دست میدان میں عالم بیکسی میں چھوڑ دیا جن میں سے اکثر نے شدت تشنگی و گرسنگی اور تمازت آفتاب کی تاب نہ لا کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی اور باقی ماندہ حاجیوں کا اکثر حصہ بہزار خرابی و دشواری حجاز سے بغداد واپس آیا۔ بعد چندے ابو طاہر کوفہ پہنچا اور احمد کو

مع ان قیدیوں کے جو اس کے پاس تھے رہا کر دیا۔ اور خلیفہ مقتدر کو لکھا کہ بصرہ اور اہواز مجھے دے دئے جائیں۔ خلافت مآب نے منظور نہ فرمایا۔ اس بنا پر ابو طاہر نے ہجر سے پھر بقصد تعرض حجاج کوچ کیا۔ جعفر بن ورقاء شیبانی والی کوفہ و طریق مکہ اس خطرہ کو پیش نظر رکھ کر ایک ہزار فوج سے جو اسی کی قوم سے مرتب کی گئی تھی۔ قافلۂ حجاج سے پیشتر روانہ ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح ثمال والی بحر، جنا صفوانی، اور طریف لشکری بھی چھ ہزار کی جمعیت سے حفاظت کے لئے قافلہ حجاج کے ساتھ تھے۔ ابو طاہر سے جعفر بن ورقاء کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ بدنصیبی سے جعفر کو ہزیمت ہوئی۔ شاہی فوج بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور ابو طاہر کوفہ تک حجاج اور شاہی فوج کا تعاقب کرتا چلا آیا۔ دروازہ کوفہ پر نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ ہزار ہا حاجی شہید ہوئے۔ شاہی لشکر کے چھکے چھوٹ گئے۔ اکثر لڑائی میں کام آئے۔ باقی ماندہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور جنا صفوانی گرفتار ہو گیا۔ ابو طاہر کوفہ پر قبضہ کر کے چھ روز تک شہر کے باہر پڑا رہا۔ تمام دن جامع مسجد میں رہتا اور رات کو اپنے لشکر گاہ میں جا کر قیام کرتا۔ غرض مال و اسباب فراواں لے کر ہجر کی جانب لوٹ گیا۔ ہزیمت یافتہ گروہ بغداد پہنچا تو لوگوں میں سنسنی پھیل گئی۔ چنانچہ اگلے سال کسی نے ابو طاہر کے خوف سے حج کا قصد نہ کیا ❖

عساکر خلافت کے مقابلہ میں ابو طاہر کی مزید کامیابیاں

۳۱۴ھ میں خلیفہ مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو آذربائیجان سے دار الخلافہ بغداد میں طلب فرما کر بلاد شرقیہ کی حکومت تفویض کی اور ابو طاہر سے جنگ کرنے کی غرض سے واسط کی جانب روانہ کیا۔ جب یوسف واسط کے قریب پہنچا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ ابو طاہر اپنا لشکر مرتب کر کے کوفہ گیا ہے۔ چنانچہ یوسف واسط سے کوفہ بچانے کے لئے روانہ ہوا۔ سوء اتفاق سے ابو طاہر یوسف سے ایک روز پیشتر کوفہ پہنچ گیا۔ شاہی عمال بخوف جان کوفہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ابو طاہر نے پہنچتے ہی شہر کوفہ کے ساتھ ان تمام علوفات اور ذخائر پر بھی قبضہ کر لیا جو حکام نے یوسف کے لئے پیشتر سے فراہم کر رکھے تھے۔ دوسرے دن یوسف پہنچا تو شہر کی حالت نہایت ابتر پائی تاہم نامہ و پیام شروع کیا۔ یوسف نے ابو طاہر کو عباسی علم کی اطاعت کا پیام دیا۔ ابو طاہر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم پر حق تعالیٰ کے سوا کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے۔" یوسف نے اعلان جنگ کر دیا۔ اگلے دن صبح سے رات تک فریقین میں گھمسان لڑائی ہوتی رہی۔ آخر یوسف کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور یوسف مع اپنے چند فوجی افسروں کے گرفتار ہو گیا۔ یوسف لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا تھا۔ قرمطی اسے اپنے لشکر گاہ میں اٹھا لائے۔ ابو طاہر نے یوسف کے معالجہ پر ایک طبیب کو مقرر کیا ❖

شاہی فوج نے کوفہ سے بھاگ کر بغداد میں جا دم لیا۔ اب ایک سپہ سالار مونس مظفر نام علم خلافت کی حمایت اور قرامطہ کی سرکوبی کے لئے کوفہ کو روانہ ہوا۔ اتنے میں یہ خبر آئی کہ قرامطہ کوفہ سے عین التمر کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ اس اثنا میں مونس کی خواہش کے بموجب بغداد سے پانسو جنگی کشتیاں روانہ کی گئیں۔ جن میں نامور اور کار آزمودہ سپاہی تھے تاکہ قرامطہ کو دریائے فرات عبور کرنے سے مانع ہوں۔ اور انبار کی حفاظت کے لئے ایک فوج خشکی کی طرف سے بھی روانہ کی گئی۔ قرامطہ نے کوفہ سے روانہ ہو کر انبار کا رخ کیا۔ اہل انبار نے یہ خبر پا کر پل توڑ دیا اور کشتیاں ہٹا دیں۔ ابو طاہر نے فرات کے غربی ساحل پر پہونچکر قیام کیا۔ حدیثہ سے کشتیاں منگوائیں اور تین سو قرمطیوں کو انہی کشتیوں کے ذریعہ سے خشکی پر اتار دیا۔ شاہی فوج مقابلہ پر آئی مگر پہلے ہی حملہ میں شکست کھا کر بھاگی۔ قرامطہ نے انبار پر قبضہ کر لیا۔ اس اندوہناک حادثہ کی خبر بغداد پہنچی۔ خلیفہ نے نصر

حاجب کو ایک فوج گراں کے ساتھ قرامطہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ نصر منزلیں طے کرتا ہوا مونس مظفر سے آملا۔ دونوں نے چالیس ہزار فوج سے قرامطہ پر دھاوا کرکے یوسف کی مخلصی کے لئے سخت جد و جہد کی۔ قرامطہ بھی خم ٹھونک کر مقابلہ میں آئے گھمسان لڑائی ہوئی۔ بالآخر شاہی لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ جب قرمطی اسی دار و گیر میں معروف تھے۔ تو یوسف محافظوں کی نظر بچا کر نکل بھاگنے کی فکر میں لگا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اشارہ و کنایہ سے بھاگ جانے کو کہا۔ مگر سوء اتفاق سے ابوطاہر اس کو بھانپ گیا۔ اس لئے یوسف کو بلا کر قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے تمام دوسرے قیدیوں کو بھی قید حیات سے سبکدوش کر دیا۔

ابوطاہر کی دوسری چیرہ دستیاں اور ظلم آرائیاں

۳۱۶ھ میں ابوطاہر انبار سے کوچ کرکے رحبہ پہنچا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ یہاں بھی شیانہ روز قتل عام کیا۔ آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی جسے ابوطاہر نے منظور کر لیا۔ ابوطاہر نے ایک دستۂ فوج غربوں پر شبخون مارنے کو جزیرہ کی طرف روانہ کیا۔ اہل جزیرہ جان کے خوف سے بھاگ گئے اور جو بھاگ نہ سکے وہ قرامطہ کی لوٹ مار کی نذر ہوئے۔ اس قتل و نہب کے بعد انہوں نے سالانہ خراج دینا منظور کیا جو ہر سال ہجر روانہ کیا جاتا تھا۔ تھوڑے دن کے بعد اہل رقہ نے انحراف کیا۔ ابوطاہر نے یہ خبر پا کر لشکر کشی کر دی مسلسل تین روز تک لڑائی ہوتی رہی آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی۔ ابوطاہر نے منظور کر لی۔ مونس مظفر نے خلیفہ کے حکم سے از سر نو لشکر مرتب کرکے بغداد سے رقہ کی طرف کوچ کیا۔ ابوطاہر رقہ چھوڑ کر رحبہ چلا آیا۔ اور جب مونس رقہ پہنچا تو قرمطی رحبہ سے ہیت کو چلے آئے چونکہ اہل ہیت نے قلعہ بندی کر لی تھی اور حفاظت کا انتظام مکمل ہو چکا تھا اس لئے قرامطہ کا دست تعدی اہل ہیت تک نہ پہنچ سکا اپنا سا منہ لے کر کوفہ کی طرف لوٹ آئے۔ جب ان واقعات کی دربار خلافت میں خبر پہنچی تو خلیفہ نے نصر حاجب، ہارون بن غریب اور ابن قیس کو بڑی فوج کے ساتھ قرامطہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ اس اثناء میں قرمطی لشکر قصر بن ہبیرہ پہنچ گیا۔ نصر سپہ سالار لشکر علیل ہو گیا اس لئے احمد بن کیغلغ کو اپنا نائب مقرر کرکے واپس ہوا۔ اور اثناء راہ میں رہگرائے عالم آخرت ہو گیا۔ خلیفہ نے فوج کی قیادت، ہارون بن غریب کے سپرد کی۔ لیکن اس اثناء میں ابوطاہر اپنے شہر کو واپس چلا گیا۔ اور ہارون غریب نے ۳۱۶ھ کو بغداد کی جانب معاودت کی۔ کچھ دن کے بعد قرامطہ۔ واسط، عین التمر اور سواد کوفہ میں جمع ہوئے اور ہر جماعت نے اپنے میں سے ایک ایک شخص کو سردار مقرر کیا۔ واسط کی جماعت پر حریث بن مسعود متعین ہوا عین التمر کے گروہ پر عیسیٰ بن موسیٰ مامور ہوا۔ عیسیٰ نے کوفہ کی جانب کوچ کیا۔ اور سواد پہنچ عمال خلافت کو نکال دیا۔ اور خراج و مالگزاری خود وصول کرنے لگا۔ اور حریث موفق کے علاقہ کی طرف بڑھا اور اس پر قابض و متصرف ہو کر وہاں ایک مکان بنوایا جس کا نام دار الہجرۃ رکھا۔ اب قرمطی آئے دن لوٹ مار سے کام لیتے اور بلاد اسلامیہ کو تہ و بالا کرتے جاتے تھے۔

قرامطہ کی پہلی ہزیمت

خلیفۃ المسلمین کی طرف سے واسط کی سپہ سالاری کا منصب ابن قیس کو مفوض تھا۔ وہ لشکر آراستہ کرکے قرامطہ سے معرکہ آرا ہوا۔ مگر ان کی ترقی پذیر قوت سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ شکست کھا کر بھاگا۔ خلیفہ مقتدر نے ہارون بن غریب کو ایک لشکر جرار کے ساتھ ابن قیس کی کمک پر بھیجا۔ اور ان قرامطہ کی سرکوبی کو جنہوں نے کوفہ کی طرف رخ کیا تھا صافی بصری کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ ان سپہ سالاروں نے قرامطہ کو ہر طرف سے گھیر کر آتش حرب مشتعل کی۔ قرمطی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ لشکر شاہی نے تھوڑی دور تک ان کا تعاقب کیا۔ یہ پہلی شکست تھی۔ جو ابوطاہر کے پیرووں کو تخت بغداد کے

مقابلہ میں ہوئی۔ عساکر خلافت نے ان کے پھریرے چھین لئے۔ یہ پھریرے سفید رنگ کے تھے اور اُن پر یہ آیۃ لکھی تھی:۔

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ	اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو سرزمین (مصر) میں ضعیف کیا جا رہا تھا ہم ان پر یہ احسان کریں کہ انہیں (دین کا) پیشوا اور (ملک کا) مالک بنا دیں۔

جس وقت یہ لشکر ظفر پیکر مظفر و منصور ان پھریروں کو سرنگوں کئے ہوئے بغداد میں داخل ہُوا تو وہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ خواص و عوام جوش مسرّت سے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اس شکست کے بعد قرامطہ کا وہ پہلا سا زور بل نہ رہا اور سواد کوفہ سے ان کا عمل و دخل بالکل اُٹھ گیا۔

مکہ معظّمہ میں قتلِ عام

ابوطاہر نے شہر ہجر کو دار الحکومت بنانے کے بعد وہاں ایک نہایت عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اس مسجد کو اس نے دار الہجرت کے نام سے موسوم کیا۔ اب اس پر یہ خبط سوار ہُوا کہ لوگ کعبہ کا حج اور طواف چھوڑ کر اس کے "دار الہجرۃ" کا حج کیا کریں۔ لیکن اس مقصد کے حصول کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے اس کے طاغوت آشیاں دماغ نے اسے یہ نادر المثال ترکیب سوجھائی کہ حجرِ اسود کو مکہ معظمہ سے منتقل کر کے دار الہجرت میں نصب کر دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے سنہ ۳۱۹ھ میں مکہ معظّمہ کی طرف کوچ کیا۔ اس سال منصور دیلمی بغداد سے لوگوں کو حج کرانے کے لئے آیا تھا۔ حجاج کا قافلہ صحیح و سلامت مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ لیکن یوم ترویہ کو ابوطاہر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ آ پہنچا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیغ برہنہ مسجد حرام میں داخل ہُوا۔ یہاں آ کر شراب منگوا کر پی اور اپنے گھوڑے کے سامنے سیٹی بجائی تو اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اس وقت بعض حُجاج بیت اللہ کے طواف میں اور بعض نماز میں مصروف تھے اور جامۂ احرام کے سوا ان کے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ قرمطیوں نے ابوطاہر کے حکم سے زائرین کعبہ پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ جس کسی کا مال و اسباب پایا لوٹ لیا۔ جس کو دیکھا موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ شہر کے علاوہ مسجد حرام اور خانہ کعبہ میں بھی قتلِ عام ہوتا رہا۔ ہزارہا حرم نا آشنا زائرین حرم قرمطی تیغ جفا کا نشانہ بن گئے۔ شہر میں ہر طرف دجلۂ خوں رواں تھا۔ خاص بیت اطہر میں ایک ہزار سات سو طائف اور مُحرِم جامِ شہادت سے سیراب ہوئے۔ علی بن بابویہ بھی اس دار و گیر میں موجود تھا۔ اس نے ہمہ گیر قتل و غارت کے باوجود طواف بیت اللہ قطع نہ کیا اور یہ شعر پڑھا ؎

ترى المحبين صرعى فى ديارهم   كفتية الكهف لا يدرون كم لبثوا

علی بن بابویہ پر چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں۔ اور اس کا طائرِ روح آناً فاناً قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ چاہ زمزم اور مکہ معظّمہ کے متعدّد دوسرے کوئیں اور ندی نالے اور گڑھے شہداء کی لاشوں سے پٹ گئے۔ شہداء کی کوئی تجہیز و تکفین عمل میں نہ آئی۔ اس کے بعد ابوطاہر نے کعبہ معلّی کے دروازہ کو اکھڑوا دیا اور نہایت متکبرانہ لہجہ میں جس سے اس کا دعوائے خدائی بھی ثابت ہوتا تھا۔ بولا ؎

انا بالله و بالله انا   يخلق الخلق و يفنيهم انا

اور حجاج کو پکار کر کہنے لگا "اے گدھو! تم کہتے ہو مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا (جو کوئی بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے) اب وہ امن کہاں ہے؟ ہم نے جو چاہا کیا۔ جس کو چاہا زندہ رکھا جس کو چاہا ہست سے نیست کر دیا۔ ایک شخص نے اس کے گھوڑے

کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا اس آیۃ شریفہ کا یہ مفہوم نہیں جو تم سمجھے۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اُسے امن دو"۔ ابو طاہر نے اس کی طرف التفات نہ کیا۔ اور وہ اس کے فتنہ سے مامون رہا۔ ابو محلب امیر مکہ نے دیکھا کہ قرمطی جور و تعدّی کا طوفان کسی طرح نہیں تھمتا تو وہ شرفائے مکہ کا ایک وفد لے کر حجاج اور اہل مکہ معظمہ کی سفارش کے لئے ابو طاہر کے پاس گیا۔ اس سیاہ دل نے قبول شفاعت کے بجائے اپنی فوج کو ان پر اشارہ کر دیا۔ وہ ان ناکردہ گناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر ابو محلب بھی مقابل ہوا مگر چند آدمیوں سے کیا ہو سکتا تھا۔ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ابو طاہر نے میزاب کو جو سونے سے مرصع تھا اکھڑوانا چاہا۔ اس غرض کے لئے اس نے ایک آدمی کو کعبہ معلّی پر چڑھایا۔ محمد بن ربیع بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں اس وقت تھوڑی دور کھڑا دیکھ رہا تھا میرے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ میں نے کہا یا رب ما احلمک (الٰہی تیری بردباری کی کوئی حد نہیں) میرا یہ کہنا تھا کہ قرمطی سرنگوں گر کر ہلاک ہو گیا۔ ابو طاہر نے اس کی جگہ دوسرے آدمی کو چڑھنے کا حکم دیا۔ وہ بھی گر کر لقمہ اجل ہو گیا۔ اب تیسرے کو چڑھنے کے لئے کہا لیکن وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ اسے اوپر چڑھنے کی کسی طرح جرأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر ابو طاہر وہاں سے علیحدہ ہو گیا۔ قرمطیوں نے غضب آلود ہو کر بیت اللہ کا دروازہ توڑ ڈالا۔ ابو طاہر نے غلاف کعبہ کو اتروا کر ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔ اور اس کے پارچے لشکر میں تقسیم کر دیئے اور بیت اللہ کے خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس سال باستثنائے قدر قلیل حجاج عرفات میں نہ ٹھہرے اور بغیر امام کے ہی حج ادا کر لیا۔

حجر اسود کو مکہ مکرمہ سے منتقل کرنے کا خوفناک اقدام

ابو طاہر اس پتھر کو مکہ معظمہ سے ہجر لے جانا چاہتا تھا جس پر جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نقش پا تھا لیکن خادمان کعبہ نے اسے مکہ معظمہ کی گھاٹیوں میں چھپا دیا۔ اس وجہ سے اس پر دسترس نہ پا سکا۔ لیکن حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال لے گیا۔ یہ ہولناک واقعہ بروز دوشنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو رونما ہوا۔ چونکہ قرمطی ملاحدہ اصنام پرستوں سے بھی زیادہ بے دین تھے اور انہوں نے کعبۃ اللہ سے منحرف ہو کر بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ابو طاہر کے دل میں بیت اللہ کی کوئی وقعت نہ ہو سکتی تھی۔ بلکہ وہ اپنی شقاوت سے کعبہ معلّٰی کو بیت اللہ ہی نہ سمجھتا تھا اسی بنا پر اس نے کہا تھا ؎

فلو کان ھذا البیت للہ ربنا — لصبّ علینا النار من فوقنا صبًّا

لانا حججنا حجۃً جاھلیۃً — محللۃً لم تبق شرقًا ولا غربًا

وانا ترکنا بین زمزم والصفا — جنائز لا تبغی سوی ربھا ربا

لیکن وہ اس حقیقت حال سے بے خبر تھا کہ خدائے شدید العقاب ابو طاہر جیسے گردن فراز جبابرہ کو عموماً مہلت دیتا اور ان کے کفر، طغیان اور حق فراموشی کی رسّی کو دراز کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث سنستدرجھم من حیث لا یعلمون ۝ واملی لھم ان کیدی متین ۝ (۶۹: ۴۴-۴۶)

(اے رسول) نزول عذاب کی تاخیر سے ملول نہ ہو (مجھے) اور اس کلام کی تکذیب کرنے والوں کو ہمارے ذمہ رہنے دیجئے ہم انکو آہستہ آہستہ جہنم کی طرف اس طرح لئے جا رہے ہیں کہ ان کو اس کا کچھ احساس نہیں ہم ایسے لوگوں کو مہلت دیتے ہیں اور ہماری یہ تدبیر بڑی زبردست ہے

ابو طاہر نے قبۂ زمزم کو بھی مسمار کرا دیا۔ اور چھ یا گیارہ روز تک مکہ معظمہ میں اقامت کر کے ہجر کو لوٹ گیا۔ ابو طاہر لے حجر اسود کو ہجر کی

جامع مسجد کی غربی جانب آویزاں کر دیا۔ اور مکہ معظمہ میں حجر اسود کی جگہ خالی رہ گئی۔

عبیداللہ کا خط ابوطاہر کو مکہ معظمہ سے مراجعت کرنے کے بعد ابوطاہر نے اپنی قلمرو میں حکم دیا کہ عبیداللہ المہدی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور عبیداللہ کو اطلاع دی کہ ہم نے اپنی مملکت میں آپ کے نام کا خطبہ جاری کر دیا ہے۔ اور بہت کچھ اظہار عقیدت و اخلاص کے بعد لکھا کہ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ میں نے مکہ میں (معاذ اللہ) "پیروان ضلالت اور اہل فساد" کا خوب قلع قمع کیا۔ یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین ان کے خون سے لالہ زار بن گئی"۔ عبیداللہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہماری طرف خط بھیج کر اپنی بداعمالیوں کی داد چاہنا سخت حیرت انگیز ہے۔ بلد اللہ الامین میں تو نے کیا کچھ حرکتیں نہ کیں؟ تو نے بیت اللہ کی جو ازل سے جاہلیت و اسلام میں ہمیشہ محترم رہا ہے حرمتی کی۔ اس بقعہ مقدسہ میں مسلمانوں کے خون بہائے حجاج اور معتمرین کو ہلاک کیا اور خانۂ خدا میں اس قدر جسارت کا اظہار کیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ لے گیا۔ حالانکہ حجر اسود بسیط ارض پر یمین الٰہی ہے۔ اور لکھا کہ تمہاری اس حرکت کی وجہ سے ہماری جماعت اور ہماری سلطنت کے دعاۃ پر کفر و الحاد کا اطلاق متحقق ہو گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ان تمام شناعتوں اور بدکرداریوں کے باوجود تجھے اس بات کی توقع ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں پر تمہیں خوشنودی خاطر کا تمغہ عطا کریں گے؟ فلعنك الله ثم لعنك الله والسلام علی من سلم المسلمون من لسانه و یده"۔ جب ابوطاہر کو یہ خط ملا تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور عبیداللہ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔

دہ سالہ انقطاع کے بعد حج کا اجرا معلوم ہوتا ہے کہ حج کعبہ ۳۱۷ھ سے ۳۲۷ھ تک یعنی دس سال تک موقوف و ملتوی رہا۔ چونکہ امن طریق بھی فرضیت حج کی لازمی شرط ہے اور ابوطاہر کی وجہ سے امن طریق مفقود ہو چکا تھا اس لئے عازمین حج بحالی امن کے منتظر رہے۔ انہیں ہر سال مایوس ہونا پڑتا تھا۔ دس سال کی طویل مدت اسی انتظار میں گزر گئی۔ آخر ۳۲۷ھ میں ابوعلی عمر بن یحییٰ علوی نے جو ابوطاہر کا دوست تھا اس کو لکھا کہ ہر حاجی سے پانچ دینار فی شتر محصول لے کر حج کی اجازت دے دو۔ چنانچہ اس نے اس کو منظور کر لیا اور لوگوں کو امن و اطمینان کے ساتھ حج کرنا نصیب ہوا۔ اور یہ پہلا ہی موقع تھا جب کہ حاجیوں کو حج کا محصول ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد خلیفہ کے حاجب محمد بن یاقوت نے ابوطاہر کو ایک خط لکھا کہ اگر تم حجاج سے تعرض کرنا چھوڑ دو اور حجر اسود واپس کر دو تو خلیفۃ المسلمین وہ تمام بلاد جو تمہارے زیر نگیں ہیں تمہارے پاس برقرار رہنے دیں گے۔ ابوطاہر نے جواب دیا کہ آئندہ حجاج سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا"۔ لیکن حجر اسود کی واپسی کے متعلق اس نے نفیاً یا اثباتاً کوئی جواب نہ دیا۔ اس دن سے قرامطہ نے حجاج سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

حجر اسود کی واپسی ابوطاہر نے بہتیری کوششیں کیں کہ لوگ حجر کی بدولت ہجر کی طرف حج کو آئیں لیکن خدائے برتر نے اس کی کوششوں کو بارآور نہ ہونے دیا۔ کوئی شخص ہجر کی طرف مائل نہ ہوا تو تحویل حج سے مایوس ہو گیا۔ خلیفہ وقت مقتدر باللہ نے پچاس ہزار درم اس کے عوض میں پیش کئے تھے لیکن ابوطاہر نے دینے سے انکار کیا تھا۔ آخر جب دیکھا کہ اس سے کوئی مطلب برآری نہ ہوئی۔ تو خلیفہ مطیع للہ کے عہد خلافت میں تیس ہزار دینار لے کر واپس کر دیا۔ اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ انہوں نے کچھ نہ لیا بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اسے خدا ہی کے لئے لیا اور خدا ہی کے نام پر واپس کرتے ہیں۔ شنبیر بن حسن قرمطی سہ شنبہ ۱۰ محرم ۳۳۹ھ کو حجر اسود لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور کعبہ معلیٰ میں پھر اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔ اب اس

گرد چاندی کا حلقہ جس کا وزن تین ہزار سات سو ستّر اور نصف درم (تقریباً چودہ سیر) تھا چڑھا دیا گیا۔ حجرِ اسود قرامطہ کے قبضہ میں چار روز کم بائیس سال رہا کہتے ہیں کہ جب قرامطہ حجرِ اسود لے گئے تو ہجر تک پہنچتے پہنچتے چالیس اونٹ اس کے نیچے دب کر مر گئے اور جب واپس لائے تو ایک ہی اونٹ نے مکہ معظمہ تک پہنچا دیا۔ ابو طاہر اس واقعہ کے بعد مرضِ چیچک میں مبتلا ہوا۔ اس مرض نے اس کا ایسا بُرا حال کر دیا کہ جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔ آخر گھٹ گھٹ کر بصد حسرت راندہ درگاہ اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔

تحفظِ مذہب کے لئے تلوار کی اہمیت

ابو طاہر اور اس کے پیش رو اور پس رو باطنی و قرمطی دشمنانِ دین نے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جس شقاوت و سیاہ دلی کا ثبوت دیا، اس کی یاد ایک مومنِ قانت کا کلیجہ پاش پاش کر دیتی ہے یہ دردناک واقعات ان حقیقت ناآشنا افراد کی آنکھیں کھول دیں گے جو مذہب کے تحفظ و بقا کے لئے سیاسی قوت کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ چونکہ خلافتِ اسلامیہ کے بازو کمزور ہو رہے تھے اور اس وقت تک کوئی اور پُرشکوہ اسلامی سلطنت بھی عالمِ وجود میں نہ آئی تھی جو ابو طاہر اور اس قماش کے دوسرے اعدائے ملت کو کیفرِ کردار تک پہنچا سکتی اس لئے اسلام کا مرکز و محور بھی اعداء کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا اور دین کی بنیادیں ہل گئیں شریعت اور سلطنت کا تعلق دراصل روح اور قالب کا تعلق ہے۔ ان کے انفکاک کی صورت میں دونوں کا وہی حال ہوتا ہے جو وجودِ انسانی کا روح و قالب کے انفکاک کے بعد ہوتا ہے۔ مذہب نام ہے مجموعۂ قوانین کا۔ اور یہ مجموعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک انسانی ضروریات کے سب پہلو اس میں شامل نہ ہوں۔ ان کا اجتماع ہوتا ہے تو حکومت اور سلطنت کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ سلطنت کے بازو تلوار سے قوت پکڑتے ہیں اور تلوار قانونِ مذہب کی حفاظت اور اس کے اجراء کا حق ادا کرتی ہے۔ کامل اور مکمل مذہب کے ہمیشہ دو رنگ ہوتے ہیں ظاہر اس کا سلطنت ہے اور باطن اس کا روحانیت۔ اس کا ایک پہلو دنیا ہے اور دوسرا دین۔ ابنائے تعلیم جدید کا گمان ہے کہ مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لیکن ایسا خیال سخت جہالت ہے۔ باوجودیکہ آج یورپ اس امر کا مدعی ہے کہ اس نے سلطنت کو مذہب کی بندش سے نکال لیا۔ لیکن کیا دولِ یورپ عیسائیت کے علو کی متمنی نہیں ہیں؟ کیا تہذیب و تمدن کو مسیحیت کا مترادف قرار نہیں دیا گیا؟ کیا پادری لوگ مسیحی شریعت کی ترویج کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں جاتے ہیں، تو اُن کے پیچھے "مسیحی تعلیم" کی تشریح کیلئے توپوں اور بم بار طیاروں کا خوفناک سلسلہ نہیں بندھ جاتا؟ کیا مسیحیت کے پیام صلح کی تفسیر آگ کی روشنائی اور تڑپتے ہوئے لوگوں کے قلم سے ہلاکت و بربادی کے حروف میں صفحۂ عالم پر نہیں لکھی جاتی؟ کیا آج دنیا کو تعلیمِ مسیح کا پیام [illegible] رائج زمانہ کی توپوں کی زبان سے نہیں مل رہا ہے جو ۳۰۔ ۳۱ من کے گولے پھینکتی ہیں؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے تو اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ شعائر اللہ کا تحفظ بدون کسی زبردست سلطنت کی عون و نصرت کے محال ہے۔ یورپ کا مفتون امن کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے لیکن اتنا نہیں جانتا کہ امن کہتے کسے ہیں؟ اس کی تو عمارت ہی کشت و خون کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے جس کے مصالحہ کی طیاری میں لاکھوں گردنیں کٹ جاتی ہیں۔ ہزارہا خاندان تہس نہس ہو جاتے ہیں۔ دشمن ہر وقت موقع کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ موقع ہاتھ آنے سے پہلے اس کا سر نہ کچل دیا جائے تو اپنی جان و مال عزت و ناموس کی خیر نہیں۔ فتنہ کو زور پکڑنے سے پہلے ہی دبا دینا عقل مندی ہے۔ جاہل اس کو تعدی سمجھتا ہے۔ لیکن یہ تحفظ کی لازمی شرط ہے۔ اگر قرمطی اور باطنی

؎ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۲۷، ۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۳، ۵۸، ۶۵، ۹۹، ۱۶۱؛ تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۷۷، ۳۷۹ و حج اکبر امہ (بحوالہ تاریخ قبطی) ص ۲۰۶۔

اشقیاء کو بڑھنے اور پنپنے کا موقع نہ دیا جاتا اور اس فتنہ کو نشو و نمو سے پہلے ہی پامال کر دیا جاتا تو مسلمانوں کو عموماً اور سلاطین اسلام کو خصوصاً ان زہرہ گداز حوادث سے سابقہ نہ پڑتا جن میں سے ان کو ناچار گذرنا پڑا۔

باب ۳۰ - حامیم بن منّ اللہ مکسی

۳۱۳ھ میں ابو محمد حامیم بن منّ اللہ مکسی نے سرزمین ریف واقع ملک مغرب میں دعوائے نبوت کیا۔ اور اپنی فریبکاریوں کا جال پھیلا کر ہزار ہا زود اعتقاد بربری عوام کو اپنا پیرو بنا لیا۔ اس نے اپنے پیرووں کے لئے ایک نیا آئین جاری کیا جو اسلامی شریعت سے بہت کچھ بُعد رکھتا تھا۔ صرف دو نمازوں کا حکم دیا پہلی طلوع آفتاب کے وقت اور دوسری غروب کی ساعت میں پڑھی جاتی تھی۔ اس نے ماہ رمضان کے روزے اڑا دیئے۔ ان کی جگہ رمضان کے آخری عشرہ کے تین شوال کے دو اور ہر بُدھ اور جمعرات کو دوپہر تک کا روزہ متعین کیا۔ جو شخص اس آئین کی خلاف ورزی کرتا اس سے چہار راس مویشی کفارہ یا تاوان وصول کر کے بیت المال میں داخل کیا جاتا۔ اس نے اپنی اُمت سے حج، زکوٰۃ اور وضو ساقط کر دیا۔ خنزیر کو حلال بتایا۔ مچھلی حلال کی لیکن بدیں شرط کہ اس کے خانہ ساز شرعی طریقہ سے ذبح کی گئی ہو۔ تمام حلال جانوروں کے سر اور انڈے کھانے کی ممانعت کی چنانچہ اس علاقہ کے بربر قبائل آج تک انڈوں کو حرام سمجھ کر ان سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی پھوپھی جس کا نام تنجیت یا تابعیت تھا۔ کاہنہ اور ساحرہ تھی۔ یہ بھی نبیّہ متصور ہوتی تھی اور اس کا نام بھی نمازوں میں لیا جاتا تھا۔ اسی طرح اس کی بہن دجوع نام کی بھی کاہنہ اور ساحرہ تھی خانہ ساز نبوت کے درجہ پر فائز تھی۔ اس نے اپنے پیرووں کی رہنمائی کے لئے بربری زبان میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جسے کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا کرتا تھا۔ اس کتاب کے جو الفاظ نماز میں پڑھے جاتے تھے ان کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ "اے وہ جو آنکھوں سے پنہاں ہے مجھے گناہوں سے پاک کر دے۔ اے وہ جس نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دریا سے صحیح و سلامت پار کر دیا میں حامیم پر اور اس کے باپ ابو خلف منّ اللہ پر ایمان لایا ہوں میرا سر اور میری عقل میرا سینہ اور میرا خون اور میرا گوشت و پوست سب ایمان لائے ہیں۔ میں حامیم کی پھوپھی تابعیت پر بھی جو ابو خلف منّ اللہ کی بہن ہے ایمان لایا ہوں۔" حامیم کے پیرو امساک باراں کے وقت اور ایام قحط میں حامیم کی پھوپھی اور اس کی بہن کے توسّل سے دعا مانگتے تھے۔ حامیم ایک لڑائی میں مارا گیا جو ۳۱۹ھ یا ۳۲۹ھ میں تنجیر کے پاس احواز میں قبیلہ مصمودہ سے ہوئی۔ لیکن جو مذہب وہ قائم کر گیا وہ ایک زمانہ دراز تک عبرت کدہ عالم میں موجود رہا۔ حامیم ہی کے خاندان میں عاصم بن جمیل بھی ایک جھوٹا نبی گذرا ہے۔ اس کے حالات غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کر دیئے گئے ہیں۔

باب ۳۱ - محمد بن علی شلغمانی

ابو جعفر محمد بن علی معروف بہ ابن ابی العزاقر شلمغان کا رہنے والا تھا جو واسط کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ خدائی کا مدعی تھا۔ ابتدا میں شیعہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں شمار کیا جاتا تھا اور اس مذہب کے اصول پر کتابیں لکھی تھیں لیکن جب

؎ الدول الاسلامیہ بالمغرب دائرۃ المعارف جلد ۶ ص ۲۶۱، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۳ ص ۲۵۱

ابوالقاسم حسین بن روح سے جس کو شیعہ لوگ اس خیال سے باب کہتے تھے کہ وہ امام محمد بن حسن عسکریؒ کی طرف سے ان کی غیبوبتِ صغریٰ کے زمانہ میں وکیل تھا اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تو اس نے خود امام مختفی کے "باب" ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعوں میں ایک ایسا مذہب و مسلک پیدا کیا جس کی بنیا دیں انتہائی غلو اور تناسخ و حلول ذات باری کی سطح پر قائم تھیں۔ شیعیت سے ترقی کرنے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ عزوجل کی روح آدم علیہ السلام کے جسد میں حلول کر گئی ان کے بعد شیث علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انبیاء و اوصیاء اور آئمہ کے جسموں میں حلول کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے حسن بن علی عسکری کے جسم میں حلول کیا۔ ان کے بعد خود اس میں حلول کر گئی۔ سنہ ۳۲۰ھ میں شلمغانی بغداد آیا۔ اس وقت خلیفہ قاہر باللہ آل عباس کے تختِ خلافت پر متمکن تھا۔ شلمغانی کہتا تھا کہ میں ہی ظاہر باطن اوّل و آخر اور قدیم ہوں۔ رازق اور تام ہوں اور تام سے مراد وہ ذات ہے جو ہر صفت سے موصوف ہو سکے۔

سابق وزیر اعظم کو شلمغانی ربوبیت کا اعتراف

بغداد کے ہزار ہا آدمی اس کے گرویدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ کئی ایک ذی اقتدار اور صاحب اثر افراد نے بھی اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیا۔ جن میں حسن بن قاسم جیسا زیرک و فرزانۂ روزگار مدبر بھی جو اس سے بیشتر خلیفہ معتضد باللہ کا وزیر اعظم رہ چکا تھا داخل تھا۔ اسی طرح بسطام کے دونوں بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امرائے بغداد میں سے تھے وہ بھی (معاذ اللہ) اس کی خدائی پر ایمان لے آئے۔ اگر کسی دور دست مقام پر یا کسی نصرانی حکومت کے زیر حکومت رہ کر خدائی کا یہ جال پھیلاتا تو اس سے کچھ تعرض نہ کیا جاتا اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح اسے یہ کہنے کا موقع ملتا کہ چونکہ تیئیس سال کی طویل مدت سے بلا مزاحمت اپنے دعوائے خدائی پر قائم ہوں اس لئے سچا خدا ہوں۔ مگر اسلامی سلطنت بالخصوص اسلامی دار الخلافہ میں اس کی "خدائی" دیر پا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب شلمغانی کا فتنہ حد سے بڑھ چلا اور لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے تو حکومت کو اس کی طرف سے تردد لاحق ہوا۔ خاقانی وزیر اعظم نے اس کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا مگر شلمغانی کو اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ بغداد میں روپوش ہو کر خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ حکومت نے دیکھا کہ یہ فتنہ اب دب دبا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری کا کچھ اہتمام نہ کیا۔ لیکن ڈیڑھ دو سال کے بعد اس نے پھر بغداد میں آکر سر اٹھایا۔ خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا اس کی گرفتاری کا مؤکد حکم جاری کر دیا۔ اس وقت ابن مقلہ وزیر اعظم تھا۔ اس نے بیدار مغزی اور حکمت عملی سے کام لے کر اس نئے "پروردگارِ عالم" کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو اس کے مؤمنین و معتقدین کے بہت سے خطوط اور رقعات برآمد ہوئے۔ جن میں شلمغانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا۔ جن کا اطلاق و استعمال بجز ذات رب العالمین کے بشر خاکی کی نسبت ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ابن مقلہ نے علماء کو جمع کیا اور شلمغانی کے سامنے وہ خطوط پیش کئے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ تمام خطوط میرے ہی نام پر بھیجے گئے تھے لیکن "تقیہ" کر کے کہنے لگا کہ میں بالکل بے قصور ہوں میرے عقیدے وہی ہیں جو دوسرے شیعوں کے ہیں۔ میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب العلمین ہوں۔ اور ان لوگوں نے جو میری نسبت ایسے تعریفی الفاظ استعمال کئے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دوسروں کی غلطی کا الزام مجھ کو نہیں دیا جا سکتا۔ انہی خطوط کی بنا پر اس کے دو معتقد بھی گرفتار کئے گئے جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون اور دوسرا ابن عبدوس۔

شلغمانی اور اس کے غاشیہ بردار دربار خلافت میں

اب یہ دونوں غاشیہ بردار اور خود شلغمانی خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں پیش کئے گئے خلیفہ نے ان دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ اگر تم شلغمانی سے اپنی برات ظاہر کرتے ہو تو دونوں زور زور سے اس کے منہ پر تھپیڑ مارو۔ پہلے تو اس حکم کی تعمیل سے گریزاں رہے لیکن جب مجبور کئے گئے تو جبراً وقہراً آمادہ ہوئے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر تھپیڑ مار دیا مگر ابن ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ کانپ گیا اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جوش ہوا تو بڑھ کر شلغمانی کے سر اور ڈاڑھی کا بوسہ دیا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا الٰھی! وَسَیِّدِی وَرَازِقِی (اے میرے معبود! میرے سردار اور میرے رازق) اب کیا تھا خلیفہ کو ایک حجت و برہان ہاتھ آگئی۔ بولا "تم تو کہتے تھے کہ مجھے دعوائے الوہیت نہیں تو اس شخص نے تجھے ایسے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا"؟ اس نے جواب دیا کہ قرآن میں ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (حق تعالیٰ ایک کے گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا) میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب الارباب ہوں"۔ اس پر ابن عبدوس جس نے تھپیڑ مارا تھا۔ بولا "ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں۔ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ امام منتظر کے باب ہیں اور ابن روح کی جگہ پر ہیں"۔ لیکن اس امر کی متعدد قابل وثوق شہادتیں پیش ہوئیں کہ ماخوذین کا انکار محض دفع الوقتی اور خوف قتل پر مبنی ہے ورنہ شلغمانی بالقطع خدائی کا مدعی ہے اور یہ کہ جب کبھی اس کے پیرؤں نے اسے ذات خداوندی سے متصف و مخاطب کیا ہے اس سے اس نے انکار نہیں کیا۔ بایں ہمہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے خیالات وعقاید کی مزید تفتیش کی جائے۔ آخر معلوم ہوا کہ اس شخص نے ایک نیا دین اور نیا آئین بنا کر لوگوں کی متاع دین وایمان پر بری طرح ڈاکہ ڈال رکھا ہے۔

مشرکانہ وملحدانہ اصول وعقاید

اس کے دین کا پہلا اصول یہ تھا کہ شلغمانی ہی وہ الٰہ الٰہیت ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ وہی ہے جس کی جانب الفاظ اوّل قدیم ظاہر باطن سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف وتحمل کے بموجب حلول کرتا ہے۔ اور جب کسی پیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ آپ یہ تھا کہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک ضد اس بنا پر ظاہر کی کہ جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ پس ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے اور ضد حق خود حق سے افضل وبرتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق ومشابہ ہوتی ہیں مقابلۃً ان کے اس چیز کی ضد اس سے زیادہ قریب ہوتی ہے اسی کا مظہر یہ ہے کہ جب رب العالمین نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو جس طرح وہ خود آدم میں حلول کر کے نمایاں ہوا اسی طرح آدم کے ابلیس یعنی ان کی ضد میں حلول کر کے بھی خود ہی نمودار ہوا۔ اور گو یہ ظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے مگر دراصل دونوں پیکروں میں خود وہی تھا۔ پھر جب آدم (علیہ السلام) صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئے تو لاہوت (خدائے برتر) متفرق ومنتشر ہو کر پانچ ناسوتیوں میں جدا جدا ظاہر ہوا اور اسی طرح ابلیس بھی پانچ ابلیسوں میں سمٹ گیا۔ اب لاہوتیت ادریس علیہ السلام کے پیکر میں جمع ہو گئی یعنی مکمل خدا نے ادریس علیہ السلام میں حلول کیا۔ اسی طرح وہ ضد بھی پانچوں ابلیسوں میں سے سمٹ کر ادریس علیہ السلام کی ضد یعنی ان کے مخالف ومعاصر ابلیس میں مجتمع ہو گئی۔ ادریس علیہ السلام اور ان کے معاصر ابلیس کے بعد پھر الوہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتیوں اور ابلیسوں

میں منتشر ہوئی اور چند روز بعد نوح علیہ السلام اور ان کے معاصر اِبلیس میں جمع ہوئی پھر منتشر ہوئی۔ چند روز کے بعد ہود علیہ السلام اور ان کے ضد ابلیس میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد حسب معمول منتشر ہو کر صالح اور ان کے ابلیس یعنی عاقر ناقہ میں جمع ہوئی۔ بعد ازاں چند روز منتشر رہ کر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ابلیس (نمرود) میں جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہو کر ہارون اور ان کے معاصر ابلیس (فرعون) میں جمع ہوئی۔ اب لاہوتیت داؤد علیہ السلام اور ان کے ابلیس جالوت میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد جو منتشر ہوئی تو اس نے سلیمان علیہ السلام اور ان کے ابلیس کے پیکروں کو حلول ہونے کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد منتشر ہو کر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابلیس میں مجتمعاً ظاہر ہوئی عیسیٰؑ کے بعد وہ حواریوں میں تقسیم ہو گئی اور چند روز گزار کر حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے معاصر ابلیس میں نمودار ہوئی۔ اور اب وہی الوہیت خود شلمغانی اور اس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔ شلمغانی کی یہ بھی تعلیم تھی کہ خدا سے برتر اپنے آپ کو ہر چیز، ہر پیکر اور ہر معنی میں ظاہر کرتا ہے۔ اور ہر دل میں جو خیالات موجزن رہتے ہیں اور یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں، یہ وہی خدا ہے۔ خدا دراصل ایک معنی کا نام ہے اور لوگ جس کسی کے محتاج ہوں وہی اس کا الٰہ (خدا) ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہنچے وہ اس کا رب ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔ وہ میرا رب ہے۔ فلاں فلاں کا رب ہے اور فلاں میرے رب کا رب ہے۔ یہاں تک کہ ربوبیت کا سلسلہ شلمغانی تک پہنچ جاتا اور وہ دعویٰ کرتا کہ میں رب الارباب ہوں کیونکہ اس کے زمانہ میں (معاذ اللہ) اس سے بڑی اور کوئی ربوبیت نہ تھی +

بدترین رفض و الحاد شلمغانی کا بدترین رفض اور حضرت علیؓ کی محبت کا غلو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ جناب موسیٰ کلیم اور جناب محمد رسول اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) خائن بتاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ ہارون نے موسیٰؑ کو اور حضرت علیؓ نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو۔ مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی اور لوگوں کو غرض مفوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کی"۔ اس کے ساتھ ایک عجیب بات یہ تھی کہ شلمغانی کے نزدیک جناب امام حسنؓ اور جناب امام حسینؓ حضرت علیؓ کے فرزند نہ تھے کیونکہ اس کے اعتقاد کے رو سے حضرت علیؓ الٰہ العالمین تھے۔ اور اس کے زعم میں جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کر نمودار ہوتی ہے اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے اور خدا کی شان لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ شلمغانی کی تعلیم کے بموجب جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں بلکہ اس کے مذہب کو ماننے اور اس کی معرفت کا نام جنت تھا اور اس کے مذہب سے انکار کرنے اور اس کے اصول سے جاہل رہنے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اس کے زعم میں ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ شلمغانی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت کرے اور اس سے مقابلہ کرتا ہے وہ ماجور ہے کیونکہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی دشمن اس پر طعن کرے۔ چنانچہ جب ولی پر طعن اعتراضات کیا جاتا ہے اور لوگ ان اعتراضوں کو سنتے ہیں تو اس کے کمالات کی جستجو کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہی مخالفت ظہور فضائل و کمالات کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے مخالف دوست سے افضل ہے۔ اسی بنا پر وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام سے فرعون کو اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ ابوجہل کو اور حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کو افضل بتاتا تھا۔

شلمغانی شریعت کے شرمناک احکام

یہ تو شلمغانی کے عقائد تھے۔ اب ذرا اس کے آئینِ مذہب کی شان ملاحظہ ہو۔ اس کا اعتقاد تھا کہ علی نے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنا کر کبرائے قریش اور جبابرۂ عرب کے پاس بھیجا۔ ان کے دل ٹیڑھے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں، نماز پڑھیں۔ علیؑ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اصحابِ کہف کی مدتِ خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک مہلت دے دی۔ اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ اتنا زمانہ تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے لیکن اس مدت کے گزرتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی شریعت عرصۂ وجود میں آئے گی۔ مگر ساڑھے تین سو سال کی مدت کے پورے ہونے میں ابھی اٹھائیس سال باقی تھے کہ دربارِ خلافت نے الوہیت کا وہ سارا کھیل ہی بگاڑ دیا جو شلمغانی صاحب کے پیکرِ ناسوت میں سے عجیب و غریب قسم کی ابلیسی صدائیں بلند کر رہی تھی۔ شلمغانی کے مسائلِ شریعت یہ تھے کہ غسلِ جنابت اور نماز روزہ بالکل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تکلیف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربوں کو ان دنوں دی تھی لیکن عہدِ حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ موجودہ دور میں تو یہ تکلیف لوگوں کے مناسبِ حال ہے کہ اغیار کو اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتے دیکھیں اور غصہ نہ آئے۔ چنانچہ عورتیں مطلقاً ہر شخص کے لئے حلال طیب ہیں۔ بندے پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کے لئے دو لذتیں جمع کر دیں۔ پس ہر انسان اپنے ذوی الارحام اور محرّمات ابدیہ تک کے ساتھ مقاربت کر سکتا ہے۔ بلکہ اہلِ حق (شلمغانی کے پیروؤں) کو چاہیئے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والوں کی عورتوں سے حسبۃً للہ مقاربت کرے تاکہ ان میں اپنا نور پہنچائے اور جو کوئی اس سے انکار کرے گا وہ کسی آیندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا کیا جائے گا۔ شلمغانی نے اس شرمناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام کتاب الحاسۃ السادسہ رکھا تھا۔ غرض شلمغانی شہوت پرستی کے رواج دینے میں اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس آئین کے رائج کرنے میں اس نے مزدک کے بھی کان کاٹ لئے تھے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ناہنجار نے فعلِ خلافِ وضعِ فطرت یعنی عملِ قومِ لوطؑ کو بھی جائز کر رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہو گا کہ یہ شخص محض زندیق ہی نہیں تھا بلکہ اوّل درجہ کا شہوت پرست اور بدمعاش بھی تھا جس کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا شہوت پرستی، زناکاری اور اغلام کا گہوارہ بن جائے۔ گو حضرت علیؑ خود بھی ابن ابی طالب تھے لیکن اس لحاظ سے کہ آلِ ابوطالب میں سے اکثر نے امامت کے دعوے کئے تھے شلمغانی کے نزدیک تمام طالبیوں اور عباسیوں کا قتل کرنا موجبِ ثواب تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے دینِ اسلام اور خلافتِ آلِ عباس کے استیصال کے لئے بارود بچھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

شلمغانی کا قتل

شلمغانی اور اس کے اخص پیروؤں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں ہوا کرتی تھی۔ ان صحبتوں میں فقہاء و قضاۃ کے علاوہ بعض سپہ سالار بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہاء نے فتویٰ دے دیا کہ شلمغانی اور اس کا رفیق ابن ابی عون مباح الدم ہیں اور ان کی فردِ قرار دادِ جرم میں براءۃ کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ شلمغانی اور ابن ابی عون بروز سہ شنبہ ۲ ذی قعدہ ۳۲۲ھ کو مصلوب کئے گئے۔ جب صلیب پر دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو لاشیں اتار کر جلا دی گئیں۔ ان کے پیرو بجائے اس کے کہ اٹھائیس سال گزرنے کے بعد اس دن کا جلوہ دیکھیں جس دن (معاذ اللہ) شریعت

مصطفوی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کو مٹانے کا شلمغانی خواب پورا ہوتا اور اس کی جگہ شلمغانی شریعت جاری ہوتی بھاگ بھاگ کر منہ چھپانے لگے۔ لیکن باوجود اس کے ان کے یقین واذعان میں کوئی فرق نہ آیا۔ شلمغانی کے مصلوب ہوتے وقت اس کا معزز متبع حسن بن قاسم سابق وزیراعظم شہر رقہ میں تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم بھیج دیا اور اس کا سر عبرت روزگار بننے کے لئے بغداد میں لایا گیا۔ ابن ابی عون جس نے تھپڑ مارنے کی عوض شلمغانی کی ڈاڑھی چوم کر اس کو اپنا خالق ورازق بتایا تھا بہت بڑا ادیب اور بلند پایہ مصنف تھا۔ کتاب النواحی والبلدان، کتاب الجوابات المسکتۃ، کتاب التشبیہات، کتاب بیت مال السرور، کتاب الدواوین، کتاب الرسائل اس کی مشہور تصنیفیں ہیں[1]۔

باب ۲۳۔ عبدالعزیز باسندی

عبدالعزیز موضع باسند علاقہ صغانیان کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۳۲۲ھ میں دعوائے نبوت کر کے ایک پہاڑی مقام میں دام تزویر بچھایا۔ یہ شخص بڑا شعبدہ باز تھا۔ پانی کے حوض میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتا تو مٹھی سرخ دیناروں سے بھری ہوتی تھی۔ اس قسم کی شعبدہ بازیوں اور نظر بندیوں نے ہزار ہا تہی دستان قسمت کے زورق ایمان کو متلاطم کر دیا۔ لوگ پروانہ وار اس کی طرف دوڑے اور اس کی خاک پا کو سرمۂ چشم بنانے لگے۔ علمائے امت صدائے اِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ کے بموجب لبیک کو دوڑے اور گم کردگان راہ میں سے ان لوگوں کو جو صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت واقع ہوئے تھے گرداب ہلاک سے باہر نکال لائے۔ لیکن جو لوگ شقی القلب اور دلدادگان زیغ وضلال تھے وہ قبول ہدایت کے بجائے الٹا علمائے حق کو اسی طرح گالیاں دینے لگے جس طرح آج کل کے مرزائی حاملین شریعت اور دوسرے ارباب صدق وصفا کے خلاف زبان طعن وتشنیع دراز کیا کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفس پرست علمائے مکر وخدیعۃ کو شَرٌّ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ (زیر گردوں بدترین مخلوق) قرار دیا ہے جو مرزائی مولویوں کی طرح دنیا کی خاطر لوگوں کے دین وایمان پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ مرزائی علماء سوء نے ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کی عدالت میں بھی حسب معتاد ان علمائے حق کی شان میں دریدہ دہنی کی جنہوں نے ان کے مقتداء مرزا غلام احمد صاحب کے کفر وارتداد کی شہادت دی تھی اور الٹا ان وابستگان اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو شر تحت ادیم السماء بتایا۔ اس کے متعلق ڈسٹرکٹ جج نے اپنے فیصلۂ مقدمہ میں کیا خوب لکھا کہ گواہان مدعیہ (علمائے اہل سنت وجماعت) پر مدعا علیہ (مرزائی) کی طرف سے کنایۃً اور بھی کئی ذاتی حملے کئے گئے ہیں مثلاً انہیں علماء سوء کہا اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو ذریۃ البغایا میں مخاطب ہیں بندر اور سؤر کا لقب دیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ زیر آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے لیکن ناظرین مسل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ فریقین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہے[2]؟

باسندی کی صدائے دعوت اس نظام اور بلند آہنگی سے اٹھی کہ اہل شاش اور بہت سے دوسرے لوگوں نے متابعت

---

[1] معجم الادباء یاقوت حموی (مطبوعہ لندن) ... ابن خلکان جلد اول ص ۱۹۰، کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۴۹، تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۹۰۔
[2] ... ۹۳ ... ص ۱۴۲

اختیار کر کے اپنی قسمت اس کے ساتھ وابستہ کر دی۔ اب اس نے ان اہل حق کے خلاف ستیزہ کاری شروع کر دی جو اس کو نبی نہ تسلیم کرتے تھے۔ ہزارہا مسلمان اس کی ظلم رانی کے قتیل ہو کر روضۂ رضوان کو چلے گئے۔ جب حکومت کو اس کی عربدہ جوئیوں اور اس کی روز افزوں جمعیت کی طرف سے خطرہ پیدا ہو چلا تو وہاں کے حاکم ابو علی بن محمد بن مظفر نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک جیش روانہ کیا۔ باسندی بلند پہاڑ پر چڑھ کر متحصن ہو گیا۔ لشکر اسلام نے محاصرہ ڈال دیا۔ کچھ مدت کے بعد جب سامان رسد اختتام کو پہنچ گیا تو محصورین کی حالت دن بدن ابتر ہونے لگی اور طاقت جسمانی جواب دے بیٹھی۔ آخر لشکر اسلام پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ باسندی کے ہزارہا پیرو نذر اجل ہو گئے۔ خود باسندی بھی قعر ہلاکت میں پہنچ گیا۔ اسلامی سپہ سالار نے اس کا سر کاٹ کر ابو علی کے پاس بھیج دیا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ مرنے کے بعد میں لوٹ کر دنیا میں آؤں گا۔ مدت طویل تک اس کے پیرو مرزائیوں کی طرح اسلام کے شارع عام سے الگ رہ کر کوئے ضلالت میں سرگشتہ و حیران رہے آخر آہستہ آہستہ اسلام میں مدغم ہو گئے اور یہ فرقہ صفحۂ ہستی سے بالکل نابود ہو گیا۔[1]

باب ۳۳ - ابو الطیّب احمد بن حسین متنبّی

ابو الطیّب احمد بن حسین اوائل ریعان سے مدعیٔ نبوت تھا۔ ۳۰۳ھ میں کوفہ کے محلہ کندہ میں پیدا ہوا۔ ابو الحسن محمد بن علی علوی کا بیان ہے کہ ابو الطیّب کا باپ سقّہ تھا جو عیدان کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ ہمارے محلہ والوں کا پانی بھرا کرتا تھا اسی بنا پر کسی شاعر نے متنبّی کی ہجو میں کہا ہے۔

ای فضل لشاعر یطلب الفضل — من الناس بکرۃ وعشیا

عاش حیناً یبیع بالکوفۃ الما — ء وحیناً یبیع ماء المحیا

البتہ متنبّی کی دادی صحیح النسب ہمدانیہ تھی۔ وہ ہماری ہمسایہ اور کوفہ کی صالحات میں سے تھی۔ متنبّی ہمیشہ اپنے نسب کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا اور جب کبھی اس سے نسب کے متعلق سوال ہوتا تو کہہ دیتا کہ بھئی! میں ایک اخبط القبائل شخص ہوں اور اس سے مامون نہیں ہوں کہ کوئی شخص میری جان ستانی کا قصد کرے۔[2] لیکن جب اسے قبیلۂ کلب میں جا کر کچھ مدت رہنے کا اتفاق ہوا تو ان دنوں وہ علوی (امیر المومنین علی رضی کی اولاد) ہونے کا مدعی تھا۔[3] ابو الطیّب آغاز شباب میں وطن مالوف کو الوداع کہہ کر شام چلا آیا اور فنون ادب میں مشغول رہ کر درجۂ کمال کو پہنچا۔ اسے لغات عرب پر غیر معمولی عبور تھا۔ بالکل متروک اور غیر مانوس لغات بھی از بر تھے۔ جب کبھی اس سے لغات کے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تو نظم و نثر میں کلام عرب کی بھرمار کر دیتا۔ چنانچہ شیخ ابو علی فارسی صاحب الایضاح والتکملہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ فُعلیٰ کے وزن پر کتنی جمعیں آتی ہیں؟ متنبّی نے معاً جواب دیا کہ دو۔ حِجلیٰ اور ظِربیٰ۔ شیخ ابو علی کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد برابر تین دن تک کتب لغت کی ورق گردانی کرتا رہا مگر مجھے ان دو کے سوا اس وزن کی کوئی تیسری جمع نہ مل سکی۔ حِجلیٰ حَجَل کی جمع ہے۔ حجل عربی میں چکور کو کہتے ہیں اور ظربیٰ ظربان کی جمع ہے جو بلّی کی قسم سے ایک متعفن بدبودار جانور کا نام ہے۔

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۲۹۴ [2] سراج العیون ص ۲۶ تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۵ [3] طبقات الادباء ص ۳۶۹

ابوالطیب شعروسخن کا امام تھا۔ اس کا دیوان جو دیوان متنبی کے نام سے مشہور ہے ہندوستان کے مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ چونکہ یہ دیوان ہر جگہ موجود ہے اس لئے ابوالطیب متنبی کے کلام کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اس کے دو شعر جو شیخ تاج الدین کندی سے مروی ہیں اور دیوان متنبی میں نہیں پائے گئے درج کئے جاتے ہیں۔ ان دو شعروں کی لطافت وغرابت ملاحظہ ہو۔ کہتا ہے ؎

ابعین مفتقر الیک نظرتنی فاھنتنی وقذفتنی من حالق

لست الملوم انا الملوم لانّنی انزلت ما آلی بغیر الخالق[1]

دعوائے نبوت اور امساک باران کا "معجزہ"

ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ازراہ نادانی اپنے رسالہ "اعجاز احمدیہ" کو معجزہ کی حیثیت سے پیش کرکے علمائے امت سے اس کا جواب لکھنے کا مطالبہ کیا تھا اس چیلنج کے جواب میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم جو ہمارے ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے اور مولانا اصغر علی صاحب روحی اور بعض دوسرے علماء نے اُس سے کہیں بہتر عربی قصائد لکھ کر شائع کر دیئے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے دوسرے علمائے حق کی طرح کوئی قصیدہ تو نہ لکھا البتہ ایک مہتم بالشان کارنامہ یہ انجام دیا کہ کتاب سیف چشتیائی میں "اعجاز المسیح" کے اغلاط اور مسروقات کا انبار لگا کر مرزائی عربی دانی کی دھجیاں بکھیر دیں[2]۔ اور بدلائل ثابت کر دیا کہ مرزائی کتاب قطعاً اس قابل نہیں ہے کہ اس کا جواب لکھ کر وقت ضائع کیا جائے۔" قادیانی صاحب کے پاس پیر صاحب کے علمی اعتراضات کا تو کوئی جواب نہ تھا اس لئے حسب عادت رسالہ "نزول المسیح" اور بعض دوسری تالیفات میں پیر صاحب کی شان میں دریدہ دہنی کرکے اپنی آتش انتقام کے منطفی کرنے کی کوشش کی۔ حضرت مرزا صاحب نے اہل مصر پر اپنی عربی دانی کا سکہ جمانے کے لئے رسالہ "اعجاز احمدیہ" کے چند نسخے مصری جریدہ نگاروں کے پاس بھی بھجوائے تھے وہ لوگ اہل زبان اور جوہر کلام کے صراف میں ظاہر ہے کہ محاسن ومعائب کلام کو ان سے بڑھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ انہوں نے مرزا صاحب کے کلام خرافات التیام کا بُری طرح مذاق اڑایا۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے ان کا جواب بھی گالیوں ہی سے دیا۔ اور بدگوئی کے نشتر سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لئے۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل انشاء اللہ العزیز کتاب "رئیس قادیان" میں جو خاکسار راقم الحروف کی تالیف ہے قارئین کرام کی نظر سے گزرے گی۔

ابوالطیب احمد عربی کا بے بدل شاعر اور ادب وانشاء میں سرآمد روزگار تھا۔ چنانچہ اسی شعر وسخن اور فصاحت وبلاغت نے اس کو دعوائے نبوت کی تحریک کی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے مرزا غلام احمد کی طرح اپنے کلام کو معجزہ بنانے کی کبھی جرات نہ کی۔ البتہ بارش روکنے کا ایک ٹوٹکہ جسے عربی زبان میں "صدحۃ المطر" کہتے ہیں کہیں سے سیکھ لیا تھا[3] اسی کو ایک مرتبہ معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ ابوالطیب متنبی کے ایک پیرو ابوعبداللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ابوالطیب ۳۲۰ھ میں جبکہ اس کا آغاز شباب تھا لاذقیہ آیا۔ مجھے اس کی فصاحت وبلاغت کا علم ہوا تو میں ازراہ قدر شناسی عزت واحترام سے پیش آیا۔ جب راہ ورسم بڑھی تو ایک دن میں نے اس سے کہا کہ تم ایک لئیق نوجوان ہو اگر کسی جلیل القدر والئ ملک کی

---

[1] تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۶ [2] سیف چشتیائی ص ۷۰-۷۳ [3] شرح العیون ص ۱۵-۱۶

وزارت تمہیں تفویض ہو تو اس منصب کی عزت و شرف پر چار چاند لگ جائیں" بولا واہ! تم نے اچھا کہا۔ ابھی وزارت کی کیا حقیقت ہے؟ "میں تو نبی مرسل ہوں"۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید مذاق کر رہا ہے۔ میں نے کہا آج سے پیشتر میں نے تمہاری زبان سے ہزل و سخریت کی کوئی بات کبھی نہ سنی تھی۔ کہنے لگا نہیں واقعی میں نبی مرسل ہوں"۔ میں نے پوچھا تم کس کی طرف بھیجے گئے ہو؟ کہنے لگا "اس گمراہ امت کی طرف"۔ میں نے کہا تمہارا لائحہ عمل کیا ہوگا؟ بولا جس طرح بسیط زمین ظلم و عدوان سے مملو ہے اسی طرح اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دوں گا"۔ میں نے پوچھا حصول مقصد کی نوعیت کیا ہوگی؟ بولا اطاعت شعاروں کو انعام و اکرام سے سرفراز کروں گا اور سرکشوں کی گردنیں اڑا دوں گا"۔ میں نے کہا "خوف ہے کہ اس مبادرت پر خود ہی قعر عدم میں نہ پہنچا دیئے جاؤ"۔ یہ سن کر ابو الطیب نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے ؎

ایا عبد الاله معاذ انی خفی عنک فی الهیجا مقامی

ذکرت جسیم مطلبی وانی نخاطر فیه بالمهج الجسام

امثلی تاخذ النکبات منه ویجزع من ملاقاة الحمام

ولو برز الزمان الی شخصا لخضب شعر مفرقه حسامی

اذا امتلأت عیون الخیل منی فویل فی التیقظ والمنام

میں نے کہا تمہارا بیان ہے کہ میں اس امت کی طرف نبی مبعوث ہوا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم پر کوئی وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ کہنے لگا بیشک۔ اس کے بعد اس نے اپنا کلام جسے وہ کلام وحی بتاتا تھا پڑھا۔ میں اس کی فصاحت و بلاغت پر عش عش کر گیا۔ میں نے کہا اب تک یہ کلام کتنا نازل ہو چکا ہے؟ بولا ایک سو چودہ عبرے۔ میں نے پوچھا عبرہ کتنا ہوتا ہے؟ بولا قرآن کی بڑی آیت کے برابر۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ تم پر کتنی مدت میں یہ کلام نازل ہوا؟ کہنے لگا سب دفعۃً کھینچا گیا تھا"۔ اس کے بعد اس نے اپنے کلام کا کچھ اور حصہ جس کو وہ وحی الٰہی سے تعبیر کرتا تھا سنایا۔ میں نے کہا ان عبارتوں میں یہ بھی ہے کہ آسمان تمہارا مطیع ہے۔ اس اطاعت کی حقیقت کیا ہے؟ کہنے لگا "میں فاسقوں اور سرکشوں کا رزق بند کرنے کے لئے نزول باران کو روک دیتا ہوں"۔ میں نے کہا کیا واقعی تم امساک باران پر قادر ہو؟ کہنے لگا ہاں فاطر السموات کی قسم میں بارش روک سکتا ہوں"۔ میں نے کہا اچھا مجھے کسی دن یہ کرشمہ دکھاؤ اگر تم یہ دکھا سکے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ چند روز کے بعد مجھ سے کہنے لگا "کیا واقعی تمہاری خواہش ہے کہ تمہیں وہ معجزہ دکھاؤں جس کا چند روز پیشتر ذکر آیا تھا؟" میں نے اثبات میں اس کا جواب دیا۔ بولا "اچھا میں اس غلام کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ تم فوراً سوار ہو کر میرے پاس پہنچ جانا۔ لیکن تنہا آنا۔ چند روز کے بعد مطلع ابر آلود ہوا۔ سرما کا موسم تھا۔ اس کا غلام میرے پاس آیا اور کہنے لگا میرا آقا کہتا ہے کہ حسب قرار داد جلد سوار ہو کر آجایئے"۔ میں فوراً سوار ہو کر اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں نے غلام سے پوچھا کہ تمہارا آقا کہاں ہے؟ بولا صحرا کی طرف گیا ہے"۔ اس کے بعد غلام کہنے لگا کہ جلدی کرو تاکہ ہم وہاں پہنچ کر بارش سے محفوظ ہو جائیں۔ وہ اس ٹیلے پر ہمارے انتظار میں کھڑا ہے اور بارش سے بالکل محفوظ ہے"۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے آقا نے بارش سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی عمل کیا ہے؟ بولا ہاں۔ جب سیاہ بادل چاروں طرف محیط ہو گئے تو ہاتھ میں ایک کوڑا لے کر کچھ پڑھتا ہوا گھ

سے نکلا اور شہر سے نصف فرسنگ دور جا کر فلاں ٹیلے پر چڑھ کر ہم جا رہے ہیں چڑھا۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ہر جگہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے لیکن اس جگہ برسات کا کوئی اثر نہیں۔" ابو عبد اللہ لاذقی کا بیان ہے کہ ہم دونوں اس کی طرف گئے۔ اس وقت بارش بڑے زوروں پر تھی۔ پانی میرے گھوڑے کے گھٹنوں تک چڑھ آیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ٹیلے کی چاروں طرف سو سو گز تک بارش کا ایک قطرہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور کہا ہاتھ بڑھائیے۔ آپ واقعی رسول اللہ ہیں۔ ابو الطیب نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے اقرارِ نبوت کی بیعت کی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ شام کا ہر شہر ابو الطیب کی نبوت کا قائل ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکا ہے۔[1]

دعوائے نبوت سے قطع نظر بعض نوادر اور شعبدے بھی تھے جو ابو الطیب کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اور جن کی بنا پر لوگوں نے اسے متنبی کہنا شروع کیا۔ مثلاً ایک مرتبہ اس سے کہا گیا کہ یہاں ایک اونٹ ہے جو کسی کو سوار نہیں ہونے دیتا۔ اگر تم اس پر سواری کر دکھاؤ تو ہم تمہیں مرسل مان لیں گے۔ کہنے لگا بہتر، میں دکھا دوں گا کہ کس طرح اس پر سوار ہوتا ہوں۔ چنانچہ ایک دن پیچھے سے جا کر اس پر سوار ہو لیا۔ تھوڑی دیر تو ناقہ نے شوخی اور شرارت کی لیکن پھر سیدھا ہو گیا۔ اور ابو الطیب نے اسے چاروں طرف خوب چکر دلائے۔ متنبی کے لقب سے مشہور ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ابو الطیب ایک آدمی کے ساتھ کہیں جا رہا تھا۔ ایک کتا ان پر حملہ آور ہوا۔ ابو الطیب اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ ہم واپسی کے وقت اس کتے کو مرا ہوا پائیں گے۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے مراجعت کے بعد دیکھا کہ واقعی وہ مرا پڑا تھا۔[2]

دعوائے نبوت سے توبہ بہت کم متنبی ایسے گزرے ہیں جنہیں دعوائے نبوت سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔ ابو الطیب ان بلند طالع افراد میں سے تھا جنہیں جادۂ لطف الٰہی نے دجل و زور سے تائب ہونے کی سعادت کرامت فرمائی۔ جب ابو الطیب نے سماوہ (ملک شام) میں نبوت کا دعویٰ کیا اور بنو کلب وغیرہ قبائل نے اس کی متابعت اختیار کی اور اس کی جمعیت یوماً فیوماً بڑھنے لگی تو امیر لؤلؤ کو جو اخشید یہ کی طرف سے حمص کا حاکم تھا اس کی طرف سے فکر پیدا ہوئی اس لئے ازراہ مآل اندیشی ضروری جمعیت فراہم کر کے نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کے سر پر جا پہنچا اور اس کو قید کر لیا۔ بنو کلب، بنو کلاب اور دوسرے قبائل اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد وہ طویل عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ جب اس کی زبون حالی حد سے بڑھ گئی اور صبر وثبات جواب دے بیٹھا تو قید خانہ میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ تھا ؎

أيا خدّد الله ورد الخدود — وقدّ قدود الحسان القدود

اس قصیدہ میں یہ اشعار بھی تھے ؎

دعوتك لما براني البلى — وأوهن رجلي ثقل الحديد
وقد كان مشيهما في النعال — فقد صار مشيهما في القيود
وكنت من الناس في محفل — فها أنا في محفل من قرود

[1] مقدمہ دیوان متنبی مرتبہ مولانا محمد اعزاز علی صاحب بحوالہ الصبح المنبی۔ [2] شرح العیون ص ١٥—١٦

تعجّل فیّ وجوب الحدود　　وحدّی قبل وجوب السجود

(میں نے تم کو اُس وقت پکارا جبکہ طولِ مکث نے مجھے پارہ پارہ کر دیا اور میرے پاؤں بیڑیوں کے بوجھ سے مضمحل ہو گئے یہ پاؤں جو جوتوں میں چلا کرتے تھے مگر اب انہیں بیڑیوں میں چلنا پڑتا ہے۔ میں آدمیوں کی محفل میں رہا کرتا تھا لیکن اب ہر وقت بندروں کی محفل نصیب ہے۔ تو حد جاری کرنے میں عجلت کر رہا ہے حالانکہ مجھ پر حدّ ابھی واجب ہی نہیں ہوئی یعنی حد بالغ پر واجب ہوتی ہے اور میں تو طفل نابالغ ہوں جس پر ہنوز نماز ہی فرض نہیں ہوئی) ان اشعار پر امیر لولو کو رحم آگیا اور متنبی سے کہنے لگا بہتر ہے کہ تائب ہو کر قید سے رہا ہو جاؤ۔ اس نے توبہ و انابت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا آخر اس کی طرف سے ایک دستاویز لکھی گئی جس میں بیان کیا کہ میں اپنے دعوائے نبوت میں جھوٹا تھا۔ نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم ہو گئی ہے۔ میں توبہ کر کے از سر نو اسلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس وثیقہ پر متعدد سربرآوردہ لوگوں کی شہادتیں ثبت ہوئیں اور متنبی کو قید محن سے مخلصی نصیب ہوئی۔ اس شخص نے اپنا ایک قرآن بھی بنا رکھا تھا جس میں بہت سی سورتیں تھیں۔ لیکن تائب ہونے کے بعد اس کو خود ہی تلف کر دیا۔ ایک دن سیف الدولہ کی مجلس میں اس کے خانہ ساز قرآن کا ذکر آیا تو وہ اس کے وجود سے بالکل منکر گیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ پر کبھی ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا تھا۔ ایک مرتبہ ابن خالویہ نحوی اس سے سیف الدولہ کی مجلس میں کہنے لگا کہ بھائی ابو الطیب سخت جاہل آدمی ہے ورنہ متنبی کہلانا کبھی گوارا نہ کرتا کیونکہ متنبی جھوٹے نبی کو کہتے ہیں اور جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اسے جھوٹا کہتے رہیں وہ جاہل ہے۔ ابو الطیب بولا میں تو متنبی کہے جانے پر خوش نہیں ہوں جو لوگ مجھے اس لقب سے یاد کرتے ہیں وہ میری توہین کی نیت سے ایسا کہتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ میں البتہ لوگوں کی زبان پر پہرہ نہیں بٹھا سکتا۔[1]

امراء کی قصیدہ خوانی

ابو الطیب نے ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح نبوت کی دکان تو کچھ کھانے کمانے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی خاطر کھولی تھی مگر حالات نے مساعدت نہ کی۔ بلکہ ناداری گلے کا ہار ہو گئی اور متوقع عیش و راحت کی بجائے جیل کا خوفناک بھوت چشم نمائی کرنے لگا اس لئے ابو الطیب نے قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد نکبت و ادبار میں مبتلا ہونے کے باوجود اس کاروبار کو نسیاً منسیاً کر دیا اور اس کی جگہ امراء و اعیان کی مدح سرائی کر کے بسر اوقات کی ٹھان لی۔ چنانچہ مختلف امرائے شام کی ثنا و منقبت کے راگ الاپتا اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوتا ۳۳۷ھ میں حلب پہنچا اور وہاں کے حکمران امیر سیف الدولہ علی بن حمدان عدوی کی مداحی اور حاشیہ نشینی اختیار کی۔ سیف الدولہ نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ جاگیر، خلعتوں اور متفرق ہدایا کے علاوہ تین ہزار دینار سالانہ نقد وظیفہ مقرر فرمایا۔ (دینار اس زمانہ میں چوّنی کے برابر ایک طلائی سکّہ ہوتا تھا) ابو الطیب قریباً نو سال تک حلب رہا۔ اس مدت میں بخت رسا نے خوب یاوری کی اور شادمانی و کامرانی کی فضا برابر محیط رہی۔ لیکن اس کے بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ ابو الطیب اور ابن خالویہ نحوی میں رشک و رقابت کے انگارے بھڑکنے لگے۔ سیف الدولہ کے دولت کدہ پر رات کے وقت علماء اور دوسرے اہل کمال کی ایک مجلس منعقد ہوا کرتی تھی۔ ابو الطیب اور ابن خالویہ میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ ابن خالویہ نے متنبی کے سر پر

[1] طبقات الادباء ص ۲۰۹

کُنجی مار دی۔ یہ کُنجی بہت بڑی ہوگی کُنجی نے سر پھوڑ دیا اور مُنہ بھی زخمی ہُوا۔ ابوالطیب لہولہان ہوگیا۔ کبیدہ خاطر ہو کر حلب کو الوداع کہا اور ۳۴۶ھ میں مصر چلا آیا کیونکہ کافور اخشیدی والیٔ مصر نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں تمہیں کسی جگہ کا عامل بنا دوں گا۔ یہاں کافور اخشیدی اور انوجور بن اخشید کی مدح سرائی کا مشغلہ اختیار کیا۔ جب کافور نے اس کی تعلّیاں اور لن ترانیاں سنیں تو ایفائے عہد سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ جس شخص نے جناب خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کل کو کافور کی مملکت میں شریک و سہیم ہونے کا بھی دعویٰ کرے۔" جب کافور کی طرف سے ناامید ہوا تو ۳۵۰ھ کے اواخر میں مصر سے فارس کا رخ کیا اور کافور کی ہجو کر کے اپنے جذبۂ انتقام کو تسکین دی۔ اب فارس پہنچ کر عضد الدولہ بن بویہ دیلمی کی عظمت اور جلالت قدر کا نغمہ چھیڑ دیا اور صلہ و انعام سے سرفراز ہُوا تین چار سال تک وہیں اقامت گزیں رہا۔ع۵

قتل لوگوں کی توہین و تفضیح کرنا شعرا کا عام شیوہ ہے۔ کسی کی طرف سے دل میں ذرا بھی غبار کدورت پیدا ہُوا جھٹ ہیں کو آسمان عزت سے اُتار کر قعر ذلت میں گرا دینے کی سعیٔ ناشکور میں منہمک ہو گئے۔ ابوالطیب نے ایک قصیدہ میں ضبّہ بن یزید عینی نام ایک شخص کے خلاف دشنام طرازی کی غلاظت اچھالی تھی۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا ؎

ما انصف القوم ضبّہ وامّہ الطرطبّہ

(قوم نے ضبّہ سے اور اُس کی ماں سے جو لٹکے ہوئے پستان والی ہے انصاف نہیں کیا) یہ سارا قصیدہ ہجو و دشنام کا طومار ہے۔ ابوالطیب نے اس میں اپنی گندہ دہنی کا مظاہرہ کر کے ضبّہ اور اس کے اقربا کے دلوں میں ناسور ڈال دیئے جب ضبّہ کے ماموں نے جس کی ہمشیر کے خلاف دشنام دہی کی گندگی بکھیری گئی تھی یہ قصیدہ سُنا تو اس کا دل پارہ پارہ ہوگیا اور اس نے انتقام جوئی کا عزم مصمم کر لیا۔ ابونصر محمد حلبی کا بیان ہے کہ ضبّہ کے ماموں کو ابوجہل فاتک اسدی کہتے تھے وہ میرا دوست تھا۔ ایک دن میرے پاس آ کر ابوالطیب کا پتہ دریافت کرنے لگا۔ میں نے کہا تم اس کے متعلق بہت کچھ پوچھا پاچھی کر رہے ہو۔ آخر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگا کوئی بُرا ارادہ نہیں۔" میں نے کہا تم اس کے قتل کا قصد رکھتے ہو لیکن خونریزانہ اقدام کسی طرح تمہاری شان کے لائق نہیں ہے۔" فاتک کہنے لگا۔ واللہ! جس طرح ممکن ہوگا میں اس کا نقش ہستی مٹا کے رہوں گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی چیز درمیان میں حائل ہو جائے کہ جس کا دفعیہ میرے امکان سے خارج ہو تو پھر مجبوری ہے میں نے کہا "برائے خدا اس خیال کو جانے دو۔ اور اس کا فیصلہ منتقم حقیقی کے عدل و انصاف پر چھوڑ دو کسی شعر کی بنا پر شاعر کی جان لینا کسی طرح روا نہیں۔ عہد جاہلیت میں ملوک کی اور اسلام میں خلفاء کی ہمیشہ ہجو کی جاتی رہی لیکن کبھی سننے میں نہ آیا کہ کوئی شاعر ہجو کی بنا پر موت کے گھاٹ اتار گیا ہو۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

هجوت زهيرًا ثم اني مدحته وما زالت الاشراف تهجى وتمدح

کہنے لگا اچھا جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہو کے رہیگا۔" اب فاتک ہر وقت ابوالطیب کی مراجعت کے انتظار میں چشم براہ تھا آخر جب معلوم ہوا کہ وہ کوفہ کی طرف واپس آ رہا ہے تو فاتک اسدی رمضان ۳۵۴ھ میں اپنے بعض اقربا کی رفاقت میں اس

ع۵ ابن خلکان جلد اول ص ۳۶ — ۳۷ وغیرہ

کی جان لینے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا۔ متنبی کے ساتھ بھی بہت سے آدمی تھے۔ راستہ میں مڈبھیڑ ہوگئی۔ فاتک کی جماعت غالب رہی۔ جب ابوالطیب نے دیکھا کہ دشمن نے غلبہ پالیا اور اس کی جماعت منہزم ہو چلی تو بھاگ کر جان بچانے کا قصد کیا۔ اس کے غلام نے کہا دیکھئے آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔ ؎

فالخیل واللیل والبیداء تعرفنی والحرب والضرب والقرطاس والقلم

(گھوڑے، رات، دشت و بیابان، حرب و ضرب، کاغذ اور قلم سب مجھے پہچانتے ہیں) اور اب آپ بھاگ رہے ہیں لیکن اطمینان رکھئے میں کسی سے اس فرار کا تذکرہ نہیں کروں گا۔" یہ سن کر ابوالطیب فرار کا ارادہ فسخ کر کے از سرنو مقابلہ پر آ ڈٹا اور زخم کھا کر قید حیات سے آزاد ہو گیا۔ اس طرح اس کا شعر ہی اس کی ہلاکت کا باعث بن گیا۔ اس کے بعد فاتک کی انتقام جوئی نے اس کے بیٹے اور غلام کی زندگی کا چراغ بھی گل کر دیا۔ متنبی کی موت پر ابوالقاسم مظفر بن علی طبسی نے ایک درد انگیز مرثیہ کہا جس میں یہ اشعار بھی تھے۔ ؎

لا رعی اللہ سرب ھذا الزمان اذ دھانا فی مثل ذاک اللسان

ما رأی الناس ثانی المتنبی ای ثان یری لبکر الزمان

کان من نفسہ الکبیرۃ فی جیش و فی کبریاء ذی سلطان

ھو فی شعرہ نبی و لکن ظھرت معجزاتہ فی المعانی

باب ۴۳۔ ابو علی منصور ملقب بہ الحاکم بامر اللہ

فصل ۱۔ حاکم کے ذاتی حالات

ابو علی منصور ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں مصر کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور حاکم بامر اللہ کا خطاب اختیار کیا۔ یہ شخص شاہان بنو عبید کا چھٹا فرماں روا تھا جو ۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک برسر حکومت رہا۔ علم نجوم میں اسے دخل تام تھا اور اس کے احکام و تاثیرات کو دل سے مانتا تھا۔ ظلم و جور کا خوگر تھا۔ سخت گیر اس درجہ کا تھا کہ ارکان سلطنت اس کی ہیبت و جلال سے لرزتے رہتے تھے۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سے شرفاء و اعیان بخوف جان و آبرو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیوطی نے اس کو "سرتاج زندیقان" کا خطاب دیا ہے۔ اور بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے بعد مصر کے تخت سلطنت پر حاکم سے بدتر کوئی فرماں روا نہیں بیٹھا۔ فرعون کی طرح اس نے بھی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنے تئیں سجدہ کرائے۔ اس نے حکم دیا تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ بسم اللہ الحاکم الرحمن الرحیم لکھا کریں۔ حاکم نے بہت سے تملق شعار حاشیہ نشین اپنے گرد جمع کر لئے تھے جو اسے خدا کہہ کر پکارتے اور اس کی شان میں یا واحد یا احد یا محیی یا ممیت کا نعرہ بلند کرتے۔ اس کے ایک خوشامدی محمد بن اسماعیل نے ایک کتاب تالیف کی جس میں بیان کیا کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام

ؔ تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۳۷

کی رُوح سب سے پہلے علی علیہ السلام کے جسد مبارک میں منتقل ہوئی۔ اس کے بعد حاکم کے جسم پاک میں داخل ہوئی چنانچہ شاہ حاکم خداوند جل وعلا کا ایک مظہر کامل ہے۔ یہ کتاب جامع قاہرہ میں پڑھی گئی اور ممالک محروسہ میں اس کی خوب اشاعت کی گئی۔ ۳۹۶ھ میں حاکم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے بازار ہو یا کوئی اور مقام سننے والا کھڑا ہو کر معاً سربسجود ہو جائے۔ اسی طرح حکم دیا کہ جب خطیب منبر پر میرا نام لے تو تمام لوگ میرے نام کی عظمت اور احترام کے لئے سروقد کھڑے ہو جائیں اور صفیں باندھ کر سر سجدے میں رکھ دیں۔[1]

صحابہ کرام رضہ کو گالیاں اور علمائے اہل سنت و جماعت کی جانستانی

حاکم کو رفض میں بڑا غلو تھا۔ اس نے نماز تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مساجد کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں لکھوا کر آویزاں کیں۔ اپنے عمال کو حکم دیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علیٰ رؤس الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔ اس نے ۴۰۲ھ میں ملوخیہ نام ایک میوہ اور جرجیر (ترہ تیزک) کے کھانے کی ممانعت کر دی۔ اور اس نہی کی علت یہ قرار دی کہ امیر معاویہ رضہ کو ملوخیہ کھانے کی رغبت تھی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا میلان طبع جرجیر کی طرف تھا۔ حاکم نے ان مچھلیوں کے کھانے سے بھی لوگوں کو جبراً روک دیا جن پر چھلکے نہ ہوں۔ اور اس حکم کے بعد جن دکانداروں نے ایسی مچھلیاں فروخت کیں انہیں قتل کرا دیا۔ علمائے حق سے سخت عناد رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مکان آراستہ کر کے علمائے اہلسنت وجماعت کو مدعو کیا۔ جب تمام حضرات تشریف لے آئے تو مکان کو منہدم کرا دیا۔ تمام فقہاء و محدثین (کثّر اللہ امثالہم) دب کر روضۂ رضوان کو چلے گئے۔ ۳۹۳ھ میں حاکم کے عامل دمشق اسود نام نے اہل سنت وجماعت کے ایک نامور عالم کو جو مغربی کے لقب سے مشہور تھے گرفتار کیا اور انہیں گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا۔ ایک منادی ان کے آگے آگے ندا کرتا جا رہا تھا کہ "اس شخص کی سزا ہے جو ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھے۔ اس تشہیر کے بعد تیغ خون آشام سے ان کو بکری کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ رب ذوالمنن شہید کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہمیں ان کے قدموں میں اُٹھائے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آغاز شباب کا عالم ہی اس ظلم آرائی اور خون آشامی کا جواب دہ تھا۔ ورنہ اس کے بعد جُوں جُوں عمر اور تجربہ میں پختگی پیدا ہوتی گئی اس قسم کی بیدادگری اور خفیف الحرکتی میں انحطاط پیدا ہوتا گیا۔ چنانچہ چند سال کے بعد جب ایک مرتبہ اس سے شکایت کی گئی کہ روافض نے اہل سنت وجماعت سے نماز تراویح اور نماز جنازہ پڑھنے کی حالت میں تعرض کیا اور پتھر برسائے ہیں تو اس نے اسی وقت ایک فرمان لکھوایا جو آئندہ جمعہ کو جامع مصر میں پڑھا گیا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے:۔ اے گروہ مسلمانان تم لوگ ائمہ ہیں اور تم اُمت ہو۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں سے میل جول کرو۔ جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کریں اور دو شخصوں میں نفاق نہ ڈالیں وہ سب اسی اخوت اسلامی میں داخل ہیں۔ گذشتہ واقعات کو نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔ صائم اپنے حساب سے روزے رکھیں اور افطار کریں۔ اہل رؤیت روزہ دار ہونے کی وجہ سے افطار کرنے والوں سے تعرض نہ کریں۔ نماز چاشت اور نماز تراویح سے کوئی مانع نہ ہوگا۔ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہنے والے پانچ کہیں اور چار تکبیریں کہنے والے چار سے نہ روکے جائیں۔ مؤذن اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل پکاریں اور جو مؤذن

۱؎ سنین الاسلام جلد ۲ ص ۱۰۱-۱۰۲ وغیرہ ابن اثیر جلد ۹ ص ۱۰۸ ۲؎ تاریخ الخلفاء ص ۲۸۷ (تذکرۂ القادر باللہ ابوالعباس)

اذان میں یہ کلمہ نہ کہے اسے ستایا نہ جائے۔ اصحاب کو گالیاں نہ دی جائیں، اور ان کی تعریف کرنے والوں سے مؤاخذہ نہ کیا جائے اور اس بارہ میں جو شخص ان کا مخالف ہے وہ مخالف رہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے اعتقادات میں دست اندازی نہ کرے"

ایک حق پرست عالم کی حق گوئی

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حاکم انتہا درجہ کا متکبر اور جابر تھا لیکن عجائب روزگار دیکھو کہ پختگی عمر کے ساتھ ساتھ تکبر و جور کا دریائے جوش بھی سنجیدگی اور رواداری کے بہت سے نشان نیچے اتر آیا۔ قاضی ابن خلکان ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حاکم اعیان دولت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک خوشامدی حاشیہ نشین نے قرآن پاک کی آیۃ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (اے رسول مجھے اپنی ربوبیت کی قسم ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات و نزاعات میں آپ کو حاکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس میں کسی قسم کی ناگواری بھی محسوس نہ کریں بلکہ کما حقہ اس کو تسلیم کر لیں) اور اس اثناء میں آیت کا پڑھنے والا حاکم کی طرف اشارہ کرتا جا رہا تھا۔ جب وہ آیت پڑھ چکا تو ایک حق پرست عالم جن کو ابن مشجر کہتے تھے کھڑے ہو گئے اور اس خیال کی تردید میں یہ آیت پڑھنے لگے۔ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو وہ بلا شبہ اپنی اجتماعی قوت سے بھی ایک ادنیٰ سی مکھی تک کو پیدا نہیں کر سکتے (وہ تو ایسے عاجز و درماندہ ہیں کہ) اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتے۔ ایسے عابد و معبود دونوں ہی ضعیف و بے بس ہیں۔ ان لوگوں نے خدائے ذوالجلال کا اجلال و احترام ملحوظ نہیں رکھا حق تعالیٰ قوی اور سب پر غالب ہے ۲۲: ۷۳-۷۴) یہ سن کر حاکم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ابن مشجر کو سو دینار انعام دینے کا حکم دیا اور خوشامدی کو کچھ نہ دیا۔ اس کے بعد ابن مشجر کے ایک دوست نے اس کو رائے دی کہ تمہیں حاکم کے اخلاق کا علم ہے۔ گو اس وقت تم سے مؤاخذہ نہیں کیا بلکہ الٹا انعام دیا ہے لیکن اس کے دل میں تمہاری طرف سے بغض و کینہ پیدا ہو گیا ہے اس لئے اغلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی حیلہ بنا کر تمہیں آزار پہنچائے گا۔ پس قرین صواب یہ ہے کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چل دو۔ ابن مشجر نے فوراً حج کی طیاری کر دی۔ جب جہاز میں سوار ہو کر جا رہے تھے تو راستہ میں غرق ہو گئے۔ ان کے دوست نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کہا کہ خدائے غفار نے جمیل نیت اور حسن قصد کی برکت سے میری مغفرت فرما دی۔ [5]

حاکم کا فرقہ دروزیہ اور اس کے عقائد کفریہ

اوپر لکھا گیا ہے کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ شاہ حاکم خالق کردگار کا ایک مظہر کامل ہے اور اس کی ذات میں الوہیت کی شان پائی جاتی ہے۔ یہ خود آفریدہ عقیدہ حاکم کو کچھ ایسی پسند آئی کہ اپنی رعایا میں سے بعض لوگوں کو داد و دہش سے اور بعض کو اپنی بادشاہی کے زور سے اس مشرکانہ عقیدہ کا پابند بنانے لگا۔ اس طرح جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے ان کو دروز کا خطاب

---

[5] تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۲۷

دیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اسی عقیدہ پر راسخ ہو گئے۔ وادی تیم میں آج تک بہت سے ایسے دیہات پائے جاتے ہیں جو حاکم کی رجعت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ حاکم لوٹ کر آئے گا اور روئے زمین کی بادشاہت کرے گا۔

دروز اپنے لئے موحّد کا لقب زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ توحید کو ان کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکا۔ شاہد میں حاکم کو حمزہ بن علی نام ایک اچھا ایرانی داعی مل گیا۔ یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ اور بڑا فطرتی شخص تھا۔ حاکم نے اس کی ذات میں غیر معمولی قابلیت کے جوہر دیکھ کر اس کو اپنا وزیر بنا لیا۔ اس نے حاکم کے دعووں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس کی کوششوں سے شام کے بہت سے لوگ حاکم کو مظہر الٰہی یقین کرنے لگے۔ حمزہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپ چکا ہے جو کتاب الدروز کے نام سے مشہور ہے۔ فرقہ دروز میں یہ مجموعہ قرآن حکیم سے زیادہ مستند اور مقبول ہے۔ حمزہ نے دروز کے سامنے جو اصول و عقاید پیش کئے ان میں سے بعض یہ تھے۔ خداوند عالم نے اپنے آپ کو دنیا میں مختلف اوتاروں کی صورت میں ظاہر کیا جن کی تعداد ستر ہے۔ ان میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہیں۔ ان ستر اوتاروں میں سے آخری اوتار حاکم بامر اللہ ہے۔ اب کوئی نیا اوتار ظاہر نہیں ہو سکتا کیونکہ خداوندی نے حاکم کی صورت میں آخری مرتبہ دنیا میں اپنا جلوہ دکھایا لیکن جب اہل عالم کی پریشانیاں اور مشکلات انتہائی تصوی کو پہنچ جائیں گی تو حاکم دنیا پر حکومت کرنے اور اپنے مذہب کو رائج کرنے کے لئے دوبارہ ظاہر ہوگا۔ اور ایک عالم پر فرمان روائی کرے گا۔ اس وقت تمام مذاہب کے پیرو اس کے تابع فرمان ہوں گے۔ مخالف طاقتیں پابجولاں حاضر کی جائیں گی اور ان کو جزیہ دینے پر مجبور کیا جائیگا۔ دروز ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن عبد اللہ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بعد ایمان کو اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (معاذ اللہ) صرف قرآن کی تنزیل یعنی ظاہری اور لغوی معنی کو سمجھ سکے تھے اور اس کے حقیقی اور مرادی معنی صرف حاکم بامر اللہ ہی سمجھا تھا جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔ گو دروز مسلمان کہلاتے ہیں لیکن اسلامی شعار سے ان کو بہت کم حصہ ملا ہے۔ وہ حضرت سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ حسن عقیدت نہیں رکھتے۔ صوم و صلوٰۃ سے ناآشنا ہیں۔ لحم خنزیر اور شراب بے تکلف کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے نکاح وازدواج میں اسلامی رسوم کی کوئی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ البتہ ختنہ کرنے کا رواج پایا جاتا ہے۔

قتل | حاکم کے قتل کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس نے اپنی ہمشیر بنت الملک پر یہ الزام لگایا کہ سپہ سالار سے اس کی آشنائی ہے اور اس کو ڈانٹا اور گالیاں دیں۔ بہن نے اس کے قتل کا عزم مصمم کر لیا۔ چنانچہ حاکم ایک رات سوار ہو کر ستاروں کی تحقیق و تشخیص کے لئے اور بقول خود احکام خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے کوہ مقطم پر گیا۔ بنت الملک کے دو حبشی غلاموں نے وہاں پہنچ کر اسے قعر ہلاک میں ڈال دیا اور لاش بنت الملک کے پاس اٹھا لائے۔ اس نے لاش اپنے صحن خانہ میں گاڑ دی۔ ابن خلدون اور بعض دوسرے مؤرخوں نے اس کے حادثہ قتل کو یوں لکھا ہے کہ حاکم کے کانوں تک خبر پہنچی کہ اس کی بہن کے پاس اجنبی مرد آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اس بنا پر حاکم نے اپنی بہن کو دھمکایا۔ اس نے

ے سنین اسلام مطبوعہ لاہور جلد ۲ ص ۱۰۱ — ۱۰۲ وغیرہ

ناراض ہوکر ابن دواس سپہ سالار کو بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگی کہ میرا بھائی بدعقیدہ ہوگیا ہے اور اس کی بداعتقادی سے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا رہے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ اس کو ٹھکانے لگا دو لیکن خبردار کہ یہ راز افشانہ ہونے پائے ورنہ تیری اور میری دونوں کی خیر نہیں۔ اگر تم اس خدمت کو حسن اسلوب سے انجام دوگے تو تمہیں بڑا عروج نصیب ہوگا اور ایک بڑی جاگیر کا مالک بنا دوں گی"۔ ابن دواس جو پہلے ہی سے کھٹکا ہوا تھا بے تامل اس کام پر مستعد ہوگیا اور دو شخصوں کو اس کی جانستانی پر متعین کر دیا۔ حاکم عموماً رات کے وقت گدھے پر سوار ہوکر شہر کا چکر لگایا کرتا تھا۔ اس نے کوہ مقطم پر ایک مکان بنوا رکھا تھا جہاں جا کر کواکب کی روحانیت جذب کرنے کے لئے تنہا رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۷ شوال ۴۱۱ھ کو حسب معمول رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہوکر نکلا۔ دو سوار ساتھ ہولئے۔ اس نے دونوں سواروں کو یکے بعد دیگرے واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر کبھی لوٹ کر نہ آیا۔ چند روز تک ارکین سلطنت اس کی آمد کے منتظر رہے۔ بالآخر قاضی مظفر صقلی اور بعض دوسرے مصاحب تلاش کو نکلے اور جب کوہ مقطم پر چڑھے تو اس کی سواری کے گدھے کو دیکھا کہ ہاتھ پاؤں کٹا مردہ پڑا ہے آگے بڑھے تو حاکم کا پھٹا ہوا کپڑا ملا جس سے یہ ثابت ہوگیا کہ چھریوں کے زخم لگائے گئے ہیں جب اس کے قتل میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا تو ارکانِ دولت جمع ہوکر اس کی بہن بنت الملک کے پاس گئے جو امور سلطنت میں بہت کچھ دخیل تھی۔ پھر ابن دواس حاضر ہوا۔ بنت الملک کی رائے سے حاکم کے خورد سال بیٹے علی نام کو سریر سلطنت پر متمکن کیا گیا۔ علی بن حاکم نے بیعت لینے کے بعد "الظاہر لاعزاز دین اللہ" کا خطاب اختیار کیا۔ بیعت کے دوسرے دن ابن دواس سپہ سالار دوسرے فوجی سرداروں کے ساتھ بنت الملک کے پاس حاضر ہوا۔ بنت الملک نے اپنے خادم کو اشارہ کر دیا۔ اس نے لپک کر ابن دواس کو تلوار پر اٹھا لیا۔ اور انہی عہدہ داروں کی موجودگی میں قعر عدم میں پہنچا دیا۔ بنت الملک برابر کہتی جاتی تھی کہ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے۔ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے کسی نے دم نہ مارا"۔

لیکن علامہ مقریزی نے بہن یا سپہ سالار کی شرکت قتل کو بالکل غلط اور بے بنیاد ٹھہرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محرم ۴۱۵ھ میں قبیلہ بنو حسین کا ایک آدمی گرفتار ہوا جس نے اقرار کیا کہ ہم چار آدمیوں نے جو مختلف بلاد میں منتشر ہوگئے تھے حاکم کی جان لی تھی۔ اس نے حاکم کے جسم کے بعض خشک لوتھڑے بھی نکال کر دکھائے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ تو کہنے لگا کہ اس کی بے دینی کی بنا پر مجھے اللہ اور اسلام کی خاطر غیرت آگئی۔ پھر پوچھا گیا کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا تھا؟ تو اس نے ایک چھری نکالی اور کہنے لگا دیکھو میں نے اس کو یوں قتل کیا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے چھری اپنے پیٹ میں گھونپ لی اور خودکشی کر کے ہلاک ہوگیا"۔ یہ واقعہ نقل کر کے مقریزی لکھتے ہیں کہ قتل حاکم کا صحیح واقعہ یہی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ اس کی بہن نے اسے قتل کرایا بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ علی بن حاکم کی تخت نشینی کے بعد بنت الملک تمام سلطنت کی نگران ہولی اور چار برس تک زمام حکومت اپنے دست اختیار میں رکھ کر رہگرائے عالم آخرت ہوگئی[ع۵]

فصل ۲۔ عُبَیدی قلمرو پر عباسی پرچم

عہ ابن خلدون، ابن اثیر جلد ۹ ص ۱۰۸ تاریخ الخلفاء سیوطی کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ ص ۶۸ — ۷۴

عبید اللہ اور اس کی اولاد و احفاد میں سے تیرہ بادشاہ دو سو ستر سال ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک شمالی افریقہ اور مصر کے فرمانروا رہے جن میں سے حاکم بامر اللہ چھٹا تھا۔ حاکم کے بعد آٹھ اور تاجدار برسر حکومت رہے۔ خلیفہ مستضئ باللہ عباسی کے آغاز خلافت میں دولت بنو عبید کا ٹمٹماتا ہؤا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔ اور ۵۶۷ھ میں خلیفہ مستضئ کے نام کا خطبہ مصر کی جامع مسجد میں پڑھا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بنو عبید کے آخری تاجدار عاضد لدین اللہ کے عہد سلطنت میں تمام اختیارات جہانبانی وزیر شاور کے ہاتھ میں تھے اور بادشاہ محض وزیر کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنا ہؤا تھا۔ اتفاق سے ضرغام نام ایک شخص ۵۵۸ھ میں مصر پر چڑھ آیا اور شاور کو منہزم کر کے خود وزیر بن بیٹھا۔ ضرغام نے عنان وزارت سنبھالتے ہی رعایا پر دست تعدی دراز کیا اور بہت سے امراء و اعیان دولت کو اس خیال سے قعر ہلاک میں ڈال دیا کہ کوئی شخص اس سے منازعت کرنے والا باقی نہ رہے۔ لیکن اس نے شاہ عاضد سے کچھ تعرض نہ کیا کیونکہ وہ محض وزیر کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔
شاور مصر سے بھاگ کر شام پہنچا۔ ان دنوں سلطان نور الدین محمود بن زنگی خلافت مآب کی طرف سے شام و حلب کا فرمانروا تھا۔ شاور سلطان نور الدین سے بصد منت التماس کرنے لگا کہ اگر آپ اپنے لشکر کی مدد سے مجھے مصر کی وزارت پر بحال کرا دیں تو میں فوجوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد مصر کے مداخل کا تیسرا حصہ آپ کی نذر کیا کروں گا۔ اور آپ کے فوجی افسر اسد الدین شیر کوہ کو مصری افواج کا سپہ سالار بنادوں گا۔" ان ایام میں اسد الدین شیر کوہ اور اس کا بھائی نجم الدین ایوب اور بھتیجا صلاح الدین بن ایوب سلطان نور الدین کی سرکار میں مختلف عہدوں پر ممتاز تھے صلیبی لڑائیاں برپا تھیں اور فرنگیوں نے بلاد اسلامی میں سخت دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ سلطان نور الدین کی خواہش نہ تھی کہ مصری معاملات میں دخل دے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر شاور کی درخواست مسترد کر دی تو یہ فرنگیوں سے مدد مانگے گا۔ اور وہ جا کر مصر پر متسلط ہو جائیں گے عون و نصرت کا وعدہ کر لیا چنانچہ جمادی الاولیٰ ۵۵۹ھ میں اسد الدین شیر کوہ کو مصر روانہ کیا اور خود فوج لے کر اس احتمال پر دمشق کے مضافات میں چلا گیا کہ اگر فرنگی شیر کوہ سے تعرض کریں تو ان کو مار ہٹائے۔

شاور کی بحالی وزارت اور عہد شکنی جب ضرغام کو معلوم ہؤا کہ شاور سلطان نور الدین کی فوج لا رہا ہے تو اس نے اپنے بھائی ناصر الدین کو مصری فوج کے ساتھ مدافعت کے لئے روانہ کیا۔ شیر کوہ فوج لئے شہر بلبیس پہنچا تو ادھر سے ناصر الدین بھی آموجود ہؤا۔ دونوں فوجوں میں مڈھبیڑ ہوئی اور ناصر الدین نے منہزم ہو کر قاہرہ میں جادم لیا۔ شیر کوہ نے قاہرہ پہنچ کر مصری فوج کو دوبارہ ہزیمت دی، اور شاور کو کرسئ وزارت پر متمکن کر دیا۔ لیکن اس کے بعد شاور نے بدعہدی اور بے وفائی کی اور جو وعدے سلطان نور الدین سے کر آیا تھا ان سے تخلف کیا۔ اور جب شیر کوہ نے وہ وعدے یاد دلائے تو جواب تک سے پہلو تہی کی۔ اس وقت یورپ کے صلیبیوں نے سواحل مصر و شام پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اس کے قرب و جوار کے صوبوں کو بھی دبا لیا تھا اور مصری مقبوضات میں بھی نفوذ کر رہے تھے۔ جب شاور نے دیکھا کہ شیر کوہ شام واپس جانے کے لئے طیار نہیں بلکہ ان وعدوں کے ایفا پر مصر ہے جو اس نے سلطان نور الدین سے کئے تھے تو اب یہ احسان فراموش شخص فرنگیوں کے سامنے کچھ شرطیں پیش کر کے ان سے درخواست کرنے لگا کہ وہ "شیر کوہ کو مصر سے نکال دیں" اہل یورپ جو دراصل ایسے مواقع خود تلاش کرتے رہتے ہیں اس درخواست پر بہت خوش ہوئے۔ اس سے قطع نظر فرنگیوں کو معلوم تھا کہ اگر شیر کوہ نے

مصر میں قدم جمالئے تو مصر پر عمل و دخل کرنے کے مسیحی منصوبے خاک میں مل جائیں گے اس دعوت کو لبیک کہا اور جھٹ ایک لشکر جرّار لے کر دمیاط سے آ پہنچے۔ شیرکوہ کی جمعیت بہت قلیل تھی اس لئے وہ شہر بلبیس چلا گیا۔ فرنگی اور مصری فوجیں بلبیس پہنچیں اور جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ باوجودیکہ نہ کوئی خندق تھی اور نہ شہر پناہ شیرکوہ نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ جب محاصرہ کو تین مہینے گذر گئے تو محاصرین کے پاس خبر آئی کہ حارم کے مقام پر سلطان نورالدین سے فرنگیوں نے جو معرکہ شروع کر رکھا تھا اس میں فرنگیوں کو ہزیمت ہوئی اور سلطان حارم پر قبضہ کر کے قلعہ بانیاس کی طرف بڑھ رہا ہے فرنگیوں کو یقین ہوا کہ اب سلطان نورالدین ضرور کمک بھیجے گا یا مدد کے لئے خود آئے گا۔ اس سے قطع نظر انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ سلطان نورالدین حارم کی لڑائی سے فارغ ہو کر کہیں فرنگی مقبوضات پر حملہ نہ بول دے۔ ان وجوہ و اسباب کی بنا پر محاصرہ اٹھا کر واپس جانے کا قصد کیا اور شیرکوہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم اہل مصر سے کوئی تعرض نہ کرو اور چپ چاپ شام کو واپس چلے جاؤ تو ہم محاصرہ اٹھا لیتے ہیں چونکہ سامان رسد اور ذخائر ختم ہو چکے تھے اور شیرکوہ کو معلوم نہ تھا کہ سلطان نورالدین نے شام میں فرنگیوں کو ہزیمت دی ہے اس لئے فرنگیوں کی یہ شرط منظور کر لی اور اسدالدین شیرکوہ نے شام کی طرف مراجعت کی[عسہ]

فرنگیوں کی ہزیمت

شام پہنچ کر اسدالدین شیرکوہ برابر مصر رہا کہ اسے مصر پر تاخت کرنے کے لئے روانہ کیا جائے۔ لیکن سلطان نورالدین رضامند نہ ہوتا تھا کیونکہ خود شام کے اردگرد اہل صلیب سے معرکے برپا تھے۔ آخر ۵۶۲ھ میں سلطان نے شیرکوہ کو دو ہزار سوار دے کر مصر آنے کی اجازت دی۔ شیرکوہ نے خشکی کا راستہ اختیار کیا۔ اور فرنگی دیار کو داہنی طرف چھوڑ کر غربی جانب سے دریائے نیل کو عبور کیا۔ جب شاور کو معلوم ہوا کہ اسدالدین شیرکوہ آ رہا ہے تو اس نے فرنگیوں کو بلا بھیجا وہ اس خوف سے کہ مبادا شیرکوہ مصر پر قبضہ کر لے اور ان کی دیرینہ آرزوئیں طاق اہمال پر رکھی رہ جائیں فوجیں لے کر روانہ ہوئے اور ۵ جمادی الآخر ۵۶۲ھ کو شیرکوہ کے سامنے صف آرا ہوئے۔ شیرکوہ نے جاسوس بھیج کر دشمن کی جمعیت معلوم کرنی چاہی تو بتایا گیا کہ فرنگی افواج کی تعداد کا کوئی حد و حصر نہیں ہے۔ شیرکوہ اپنی قلت سپاہ کو دیکھ کر سوچنے لگا کہ مقابلہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟ آخر اپنی فوج سے مشورہ کیا۔ اکثر نے یہ رائے دی کہ دریائے نیل کو شرقی جانب سے عبور کر کے شام واپس چلے جائیں کیونکہ یہاں کسی کمک کے پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی اور اگر ہم مغلوب ہو گئے تو پھر بھاگ کر جان بچانے کی بھی کوئی جگہ نہیں۔ یہ سن کر شرف الدین برغش نام ایک فوجی افسر جو سلطان نورالدین کا مملوک تھا کہنے لگا کہ جو شخص قتل یا قید ہونے سے ڈرتا ہے اسے گھر میں بیوی کے پاس بیٹھ رہنا چاہیئے تھا اس کے یہاں آنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد کہنے لگا اگر ہم واپس چلے گئے تو سلطان نورالدین کو کیا منہ دکھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ تم مصر کو فرنگیوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ آئے؟ شیرکوہ نے کہا یہی رائے صائب ہے اور میں اسی پر عمل کروں گا۔ شیرکوہ کے بھتیجے صلاح الدین نے بھی جو بعد کو سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے نام نامی سے مشہور ہوا شرف الدین کی رائے کو پسند کیا اور سب لوگ اسی رائے پر متفق ہو گئے کہ نبرد آزما ہوئے بغیر واپس نہ جانا چاہیئے۔ شیرکوہ نے جھٹ لشکر کو آراستہ کیا۔ فوج میں جس قدر شجاع اور جنگ آزمودہ سوار تھے ان کو اپنے لئے الگ کر لیا۔ صلاح الدین کو قلب لشکر پر متعین کیا اور اس کو سمجھا دیا کہ مصری اور فرنگی یہ سمجھ کر کہ میں قلب میں ہوں قلب پر حملہ آور ہوں گے۔ لیکن تم مقابلہ نہ کرنا بلکہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دینا۔ جب میں دیکھوں گا کہ دشمن

عسہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱–۱۱۳–

زد میں آگیا تو کمین گاہ سے نکل کر بڑا بول دُوں گا۔ اُس وقت تم بھی پلٹ کر دشمن پر حملہ کر دینا" یہ کہہ کر شیر کوہ کار آزمودہ جنگجوؤں کو ساتھ لے کر کمین گاہ میں چلا گیا۔ غرض لڑائی چھڑی۔ فرنگی اور مصری یہ یقین کر کے کہ شیر کوہ قلب لشکر میں ہوگا قلب ہی پر حملہ آور ہوئے۔ صلاح الدین نے برائے نام مقابلہ کر کے نہایت ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ فرنگی اس کے تعاقب میں بڑھے۔ یہ دیکھ کر اسد الدین شیر کوہ نے اچانک حملہ کر دیا۔ فرنگی اس غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو گئے۔ اُدھر سے صلاح الدین کی فوج نے بھی پلٹ کر شمشیر زنی شروع کر دی۔ غرض مسلمانوں نے فرنگیوں کو مار مار کر ان کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرنگیوں کو ہزیمت ہوئی بے شمار فرنگی عرصۂ کارزار کی نذر ہوئے۔ اور سینکڑوں قید کر لئے گئے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اتنی قلیل فوج کا اس قدر کثیر التعداد دشمن کو ہزیمت دینا تاریخ میں بالکل نادر و عدیم المثال ہے۔؎

اسکندریہ پر عمل و دخل

فرنگیوں اور مصریوں کو بھگا کر اسد الدین شیر کوہ اسکندریہ پہنچا۔ لوگوں نے پُر جوش خیر مقدم کیا شیر کوہ نے اسکندریہ پر قبضہ کر کے صلاح الدین کو وہاں چھوڑا اور خود صعید پر تسلط کر کے سارا رمضان المبارک وہاں گزارا۔ ادھر ہزیمت خوردہ فرنگی اور مصری قاہرہ پہنچے۔ فوج کو از سر نو آراستہ کیا اور اسکندریہ جا کر صلاح الدین کا محاصرہ کر لیا۔ صلاح الدین نے سامان رسد و ذخائر ختم ہو جانے کے باوجود نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ حفظ و دفاع کا حق ادا کیا۔ جب محاصرہ کو چار مہینے گزر گئے تو صلاح الدین کے عم محترم اسد الدین شیر کوہ نے صعید سے بغرض کمک اسکندریہ کا رخ کیا۔ فرنگیوں نے گھبرا کر مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی اور کہلا بھیجا کہ آپ کو جو بے شمار مال غنیمت مل چکا ہے ہم اس پر پچاس ہزار دینار مستزاد کرتے ہیں۔ شیر کوہ نے کہا کہ میں دو شرطوں پر اس پیشکش کو منظور کرتا ہوں۔ ایک تو اسکندریہ ہمارے پاس رہنے دیا جائے۔ دوسرے فرنگی کسی ادنے گاؤں پر قبضہ کئے بغیر مصر سے چلے جائیں" فرنگیوں نے ان شرائط کو منظور کیا اور محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔ شیر کوہ سالم و غانم ۱۸ ذی القعدہ ۵۶۲ھ کو دمشق پہنچا۔ مراجعت سے پہلے فرنگیوں نے شاور سے یہ شرطیں منظور کرا لیں کہ قاہرہ کا کوتوال فرنگی ہوگا۔ شہر قاہرہ کے دروازوں کی نگرانی فرنگی سوار کریں گے اور اہل فرنگ کو خزانۂ مصر سے ایک لاکھ دینار سالانہ ملتے رہیں گے" اس معاہدہ کے بعد فرنگی اپنے چیدہ چیدہ سوار قاہرہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرطیں فرنگیوں کے قبضۂ مصر کی تمہید تھی اور اس طرح دولت بنو عبید کا چراغ فرنگی ہوس رانیوں کی پھونکوں سے گل ہوا چاہتا تھا۔ ان تمام مفاسد کا محرک اصلی وہی احسان فراموش شاور تھا۔ اس نابکار کی ساری تباہ کاریاں اس خوف پر مبنی تھیں کہ مبادا اسد الدین شیر کوہ اس کی بدعہدی کے انتقام میں مصر کے عہدۂ وزارت پر مستولی و متغلب ہو جائے۔ غرض فرنگی کوتوال اور فرنگی سواروں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ انواع و اقسام کے ظلم کرنے شروع کئے اور اہل شہر تھوڑے ہی روز میں بلبلا اُٹھے۔ اب ان فرنگیوں نے بیت المقدس کے فرنگی فرمانروا کو جس کا نام مرّے تھا ترغیب دی کہ فوجیں بھیج کر مصر پر قبضہ کر لیا جائے اور لکھا کہ مسیحی لشکر بلا مزاحمت مصر پر قبضہ کر لے گا کیونکہ ہر قسم کے موانع و عوائق اٹھ چکے ہیں" مرّے نے فوجیں بھیج دیں۔ فرنگی افواج شہر بلبیس پر آ اتریں اور جبراً و قہراً وہاں قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ بہتوں کو تہ تیغ کیا۔ اور بے شمار مسلمان قید کر لئے گئے۔ جب اہل قاہرہ نے سُنا کہ فرنگیوں

؎ ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۲۱۔۱۲۲

نے بلبیس میں ایسی کچھ تعدیاں اور ظلم آرائیاں کی ہیں تو انہیں اپنی جان و مال اور عزت و ناموس کا خطرہ محسوس ہوا۔ فرنگی فوج ۱۰ صفر ۵۶۴ھ کو مصر پہنچی اور آتے ہی قاہرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس مرتبہ فرنگی شاور کی دعوت پر نہیں آئے تھے۔ بلکہ از خود مصر پر عمل و دخل کا تہیہ کر کے ادھر کا رخ کیا تھا۔ شاور نے فرنگیوں کے قابض ہو جانے کے خوف سے شہر مصر میں آگ لگوا دی اور اہل شہر کو حکم دیا کہ سب لوگ قاہرہ کو منتقل ہو جائیں۔ شہر میں بھاگڑ مچ گئی اور لوٹ مار شروع ہو گئی۔ لوگ بالکل تباہ ہو گئے جائداد منقولہ لٹ گئی اور غیر منقولہ آگ کی نذر ہو گئی۔ ہزارہا خانماں برباد کھلے میدانوں میں پڑے تھے۔ چوّن دنا تک مصر کی عمارتیں نذر آتش رہیں۔

سلطان نورالدین سے شاہ مصر کی درخواست کہ مصر کو فرنگیوں سے بچایئے

ان دردناک حالات کا مشاہدہ کر کے شاہ عاضد نے سلطان نورالدین کے پاس پیغام بھیجا کہ مسلمان تباہ حال ہیں۔ ان میں فرنگیوں کے اندفاع کی طاقت نہیں اور ساتھ ہی ایک چٹھی میں زنانہ بال ملفوف کر کے لکھا کہ یہ بال میری بیویوں کے ہیں جو حرم شاہی سے بھیجے گئے ہیں وہ آپ سے استغاثہ کرتی ہیں کہ از برائے خدا ہمیں فرنگیوں کے دست بیداد سے بچایئے۔" اب فرنگیوں نے محاصرہ میں بڑی سختی کر دی۔ شاور نے فرنگی سپہ سالار کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے پہلے بھی آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اور اس وقت بھی میں آپ کا تابع فرمان اور ہر طرح سے بہی خواہ ہوں۔ البتہ مجھے نورالدین اور عاضد کی طرف سے کھٹکا ہے اس لئے از راہ کرم آپ میری قدیم دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے محاصرہ اٹھا لیجئے۔" فرنگیوں کو اس وقت روپیہ کی اشد ضرورت تھی اس کے علاوہ دیکھ رہے تھے کہ اہل مصر ان کے قبضۂ مصر سے ناخوش ہیں اور اگر بالفرض جبراً و قہراً عمل و دخل کر لیا تو بھی سلطان نورالدین انہیں مصر سے نکال دے گا۔ اس لئے مطالبہ کیا کہ اگر ایک لاکھ دینار تاوان دو تو ہم محاصرہ اٹھا کر چلے جاتے ہیں۔" شاور نے کہلا بھیجا کہ خزانہ بالکل خالی ہے اور اتنی بڑی رقم کا فوری انتظام قطعاً ناممکن ہے اس لئے اگر آپ محاصرہ اٹھا لیں تو میں اس رقم کی فراہمی کا انتظام کروں۔" فرنگی محاصرہ اٹھا کر شہر سے تھوڑے فاصلہ پر چلے گئے اور شاور نے اہل قاہرہ سے زر نقد وصول کرنا شروع کیا۔ مگر اہل مصر میں سے جتنے سرمایہ دار اور آسودہ حال لوگ تھے وہ سب لٹ چکے تھے اور جائدادیں تباہ ہو چکی تھیں یہاں تک کہ نان شبینہ تک کے محتاج ہو گئے تھے اور قاہرہ میں زیادہ تر اہل فوج اور غلام لوگ رہتے تھے جن سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہ تھی۔ شاور نے فراہمی زر کی بہت کوشش کی مگر پانچ ہزار دینار بھی جمع نہ ہو سکا۔ اس سے پہلے عمائد و اعیان مصر و قاہرہ نے شاور کی بے خبری میں سلطان نورالدین کو لکھ بھیجا تھا کہ اگر آپ ہمیں نصاریٰ کی دستبرد سے بچائیں تو مصر کے تہائی شہر آپ کی نذر کئے جائیں گے۔ اور شیر کوہ کو مصری افواج کا قائد اعظم بنا دیا جائے گا۔" سلطان نورالدین کو شاہ عاضد کی چٹھی حلب میں پہنچی۔ سلطان نے اسدالدین کو مصر آنے کا حکم دیا۔ اور فوجی ملبوسات، سواری اور اسلحہ کے علاوہ دو لاکھ دینار نقد عطا فرمائے اور چھ ہزار گھوڑ چڑھے بہادر ساتھ کئے اور اپنی طرف سے ہر سوار کو بیس بیس دینار انعام دیئے۔ اور اسدالدین شیر کوہ کے برادر زادے صلاح الدین یوسف بن ایوب اور بعض دوسرے نامی گرامی اعیان سلطنت کو بھی ساتھ کر دیا۔ شیر کوہ منتح و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا ہوا مصر کی طرف بڑھا جب قریب پہنچا تو فرنگی اس کے آنے کی جنبش کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیر کوہ ۷ جمادی الآخر ۵۶۴ھ کو قاہرہ پہنچا۔ اور شاہ عاضد سے ملاقات کر کے ایک گرانبہا خلعت پیش کیا۔ شیر کوہ کی آمد پر اہل مصر نے بڑی خوشیاں منائیں

اس نے اہل شہر کے زخمی دلوں پر ہمدردی کا مرہم رکھا اور مصری فوج کو انعام و اکرام سے نوازا۔ چونکہ شیرکوہ کے ساتھ بڑی جمعیت تھی شاور کسی طرح دم نہ مار سکا۔ اور جب اسے معلوم ہوا کہ شیرکوہ شاہ عاضد اور امراء دولت کی طلبی پر آیا ہے تو تملّق و چاپلوسی کا شیوہ اختیار کیا۔ ہر روز سوار ہو کر شیرکوہ کے پاس جاتا اور بہت دیر تک بیٹھا رہتا۔ اب شاور نے ارادہ کیا کہ اسدالدین شیرکوہ اور اس کے ساتھیوں کی دعوت کر کے ان کو اسیر کرتے پھر شامی سپاہ کو مصری فوج میں شامل کر لے اور اس متحدہ سپاہ کی مدد سے فرنگیوں کو مار بھگائے۔ شاور کا بیٹا بڑا غیور مسلمان تھا۔ اس نے باپ کو سمجھایا کہ اس سودائے خام کو دل سے نکال دو۔ شیرکوہ تمہارے دھوکے میں نہیں آئیگا۔ اور اگر وہ اس فریب میں آ گیا اور تم نے اس پر قابو پا کر نذر اجل کر دیا تو پھر اہل فرنگ آ کر مصر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور تمہیں بجائے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" شاور نے کہا بیٹا! اگر میں ایسا نہ کروں تو شیرکوہ ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔" بیٹے نے کہا بجا ہے لیکن اگر ہم مسلمان ہونے کے باوجود بلاد اسلامی میں قتل ہو جائیں تو یہ اس سے کہیں اچھا ہے کہ ہم شیرکوہ اور اس کے ساتھیوں کی جان لے کر فرنگیوں کو مصر کا مالک بنا دیں۔ جونہی فرنگیوں کو خبر لگے گی کہ تم نے شیرکوہ کو قید کر لیا ہے تو وہ فوراً آ دھمکیں گے۔ ایسی حالت میں اگر خود شاہ عاضد بھی جا کر نورالدین سے ہزار منت سماجت کرے گا تو وہ ایک سوار بھی بھیجنے پر رضامند نہ ہوگا۔" غرض بیٹے کے سمجھانے سے شاور اس خیال خام سے درگذرا۔ اب صلاح الدین یوسف اور بعض دوسرے شامی افسروں نے صلاح کی کہ شاور کا قصہ پاک کر دیا جائے لیکن شیرکوہ نے انہیں اس اقدام سے روک دیا۔ ایک مرتبہ شاور حسب معمول اسدالدین کے لشکر میں گیا اور دیکھا کہ شیرکوہ خیمہ میں نہیں ہے۔ شاور نے اس کے متعلق دریافت کیا تو صلاح الدین یوسف اور بعض دوسرے سرداروں نے بتایا کہ وہ امام شافعیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کرنے گیا ہے اور ہم بھی وہیں جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاور بھی ساتھ ہو لیا۔ ان لوگوں نے راستہ میں شاور کو قید کر لیا۔ شاور کے اردلی بھاگ گئے۔ جب شاہ عاضد کو معلوم ہوا کہ شاور قید کر لیا گیا ہے تو بہت خوش ہوا اور شیرکوہ کے پاس پیغام بھیجا کہ شاور کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ شاور ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد شیرکوہ قصر شاہی میں گیا۔ شاہ عاضد نے خلعت اور قلمدان وزارت پیش کیا۔ اور "الملک المنصور امیر جیوش" کا خطاب دے کر تمام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔[ا]

صلاح الدین یوسف کی وزارت مصر

مگر افسوس ہے کہ چشم فلک کو شیرکوہ کی یہ کامرانی ایک آنکھ نہ بھائی اور اس نے دو مہینہ اور پانچ دن کی وزارت کے بعد ۲۲ جمادی الآخر ۵۶۴ھ کو امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی۔ شاہ عاضد نے اس حادثہ کے بعد اس کے لائق برادر زادہ صلاح الدین یوسف بن ایوب کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر مامور کر دیا۔ اور ملک ناصر کا خطاب دیا۔ صلاح الدین اور اس کا چچا اسدالدین شیرکوہ اپنے تئیں سلطان نورالدین ہی کے نائب تصوّر کرتے تھے جس نے ان دونوں کو مصر بھیج کر یہیں اقامت گزین ہونے کی ہدایت کی تھی۔ صلاح الدین یوسف کا باپ نجم الدین ایوب اور اسدالدین شیرکوہ کرد تھے۔ اوائل میں بغداد آ کر مجاہد الدین بہروز کوتوال کے پاس نوکر ہوئے تھے۔ مجاہد الدین نے نجم الدین ایوب کو فہم و ذکا اور حسن سیرت میں ممتاز پا کر قلعہ تکریت کا محافظ مقرر کر دیا۔ اور شیرکوہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں بھائی سلطان نورالدین کے پاس آ ملازم ہوئے۔ یہاں تک کہ ترقی کرتے کرتے مقربین سلطانی میں داخل ہو گئے۔ الغرض

[ا] ابن اثیر جلد ۱۱۔ ص ۱۲۵۔ ۱۲۷!

جب صلاح الدین کا قدم استقلال مصر میں اچھی طرح جم گیا تو مخالفوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور شاہ عاضد کے قوائے حکمرانی بھی بالکل مضمحل ہوگئے۔ اس وقت صلاح الدین یوسف تو سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا اور اس کا نائب قراقوش جو خصی تھا اور امرائے اسدیہ کے اعیان میں سے تھا۔ شاہ عاضد کے محلسرائے پر قابض و متصرف تھا۔ ان ایام میں سلطان نورالدین زنگی نے شام سے یہ پیام بھیجا کہ شاہ عاضد کا خطبہ برطرف کر کے دولت عباسیہ کے نامور تاجدار خلیفہ مستضئی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ صلاح الدین یوسف اس خوف سے کہ مبادا اہل مصر سرتابی کریں اس حکم میں لیت و لعل کرنے لگا۔ لیکن جب سلطان نورالدین نے اسے ایک عتاب آمیز چٹھی لکھی تو صلاح الدین نے امتثال امر کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں عاضد کا مزاج اعتدال سے منحرف ہوا اور وہ یکبارگی صاحب فراش ہوگیا۔ صلاح الدین نے اس معاملہ میں امراء و اعیانِ دولت سے مشورہ کیا۔ بعض نے موافقت اور بعض نے مخالفت کی۔ اتفاق سے امیر العالم نام ایک عجمی شخص وہاں آگیا۔ یہ لیت و لعل دیکھ کر کہنے لگا "تو سب سے پہلے میں ہی اس کار خیر کا افتتاح کرتا ہوں۔ چنانچہ پہلے ہی جمعہ میں خطیب سے پہلے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ مستضئی باللہ عباسی کے حق میں دعائے خیر کرنے لگا۔ کسی نے چوں و چرا نہ کی۔ دوسرے جمعہ میں سلطان صلاح الدین نے خطیبوں کو حکم دیا کہ عاضد کے بجائے خلیفہ بغداد مستضئی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ کسی شخص نے مخالفت کی جرأت نہ کی۔ عاضد کا مرض دن بدن اشتداد پکڑتا گیا آخر عاشورا کے دن داعی اجل کو لبیک کہہ کر راہی ملک بقا ہوا۔ اور دولت بنو عبید منقرض ہوگئی۔ سلطان صلاح الدین نے قصر شاہی اور اس کے تمام ذخائر و نفائس پر قبضہ کر لیا۔ شاہی خزانہ اور قصر شاہی میں اس قدر بیش قیمت اسباب تھا کہ بقول ابن خلدون نہ آج تک آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ یاقوت، زمرد، طلائی زیورات، طلائی و نقرئی ظروف، بیش قیمت ملبوسات کی بڑی بہتات تھی۔ ان سب کے علاوہ ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں ملیں۔ خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا جانا تھا کہ دولت عبیدیہ کے آثار حکومت نیست و نابود کر دیئے گئے اور خلافت عباسیہ کا پرچم فضائے مصر پر لہرانے لگا۔ اس زمانہ سے مصر میں حکومت ایوبیہ کی داغ بیل پڑی۔[عله]

نوید کامرانی بارگاہ خلافت میں

سلطان نورالدین نے یہ خبر پا کر شہاب الدین مطفر بن علامہ شرف الدین کو اس نوید کے ساتھ بغداد بھیجا۔ اور عبید کاتب کو حکم دیا کہ ایک تہنیت نامہ لکھے جو دار الخلافہ بغداد اور تمام دوسرے بلاد اسلامیہ میں پڑھا جائے۔ اس کا مضمون یہ تھا:- وہ خداوند ذوالجلال جو حق کو سربلند اور باطل کو سرنگوں فرماتا ہے۔ صد ہزار حمد و شکر کا مستوجب ہے کہ جس کے فضل و احسان نے ان بلاد میں اب کوئی ایسا منبر نہیں چھوڑا جس پر سولانا امام مستضئی باللہ عباسی کے اسم گرامی کا خطبہ نہ پڑھا گیا ہو۔ تمام مسجدیں عبادت کرنے والوں کے لئے کھل گئیں بدعت کے مرکز لوٹ گئے۔ کفر کے مستقر ویران ہوگئے۔ اور جو مقامات قریباً ڈھائی سو سال سے جھوٹے مدعیوں اور کفر پرور دجالوں کے رفض و الحاد کا جولانگاہ بنے ہوئے تھے ان پر آل عباس کی خلافت حقہ قائم ہوگئی جو سنت نبوی کے سچے حامی اور رفض و بدعت کے دشمن ہیں۔ الغرض ہمارے تیشۂ عدل و داد نے ظلم و بیداد کی جڑیں کاٹ دیں اور انصاف و دادرسی کا پرچم فضائے مصر پر از سرنو لہرانے لگا۔ جب یہ پیام سعادت

عله ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۳۷ — ۱۳۸ و ابن خلدون

الّیام مدینۂ اسلام بغداد میں پہنچا تو لوگ جوش انبساط سے پھولے جامہ میں نہ سماتے تھے۔ ہر طرف خوشی کے چرچے تھے۔ بڑا انسلاد اجشن مسرت منایا گیا۔ تمام بازار سجائے گئے۔ بغداد ایک طلسم حیرت بنا ہوا تھا۔ خلیفہ نے سلطان نور الدین کو خلعت و تشریفات اور صلاح الدین کو علم و پرچم سے سرفراز فرمایا اور خطیبوں کو بھی انعام و اکرام سے سربلند کیا۔ علامہ ابن جوزی نے "النصر علی مصر" اسی واقعہ کے متعلق ایک مستقل تصنیف کی ہے۔ تھوڑے دن کے بعد باطنیوں اور خاندان بنی عبید کے ہوا خواہوں نے از سر نو عبیدی سلطنت کی داغ بیل ڈالنی چاہی اور مصر کے چند امراء بھی اس سازش میں شریک ہو گئے لیکن سلطان صلاح الدین کو اس سازش کی بروقت اطلاع ہو گئی۔ اس نے تمام بدسگال سازشیوں کو قصرین کے درمیان دار پر چڑھا دیا۔ اور اس طرح تمام خرخشے ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔[1]

سلطان صلاح الدین کا عروج واقبال اور سلسلۂ فتوحات

یہاں ضمناً یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ شاہ عاضد کی موت کے بعد سلطان صلاح الدین کو خود مختار بادشاہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ جب اقبال یاوری کرتا ہے تو ترقی کے اسباب خود بخود جمع ہو جاتے ہیں۔ چند ہی روز میں حجاز کے مقامات مقدسہ سلطنت مصر کے حیطۂ اقتدار میں آ گئے۔ ۵۶۸ھ میں سلطان صلاح الدین نے طرابلس کو نارمنوں کے قبضہ سے چھوڑایا۔ ۵۶۹ھ میں اپنے بھائی توران شاہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد اپنے آقائے سابق سلطان نور الدین کے انتقال پر شام اور حلب پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۵۸۱ھ میں موصل فتح کیا۔ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے تاجداروں نے طوق اطاعت گلے میں ڈالا۔ اس طرح سلطان صلاح الدین ان تمام ممالک کا جو آب فرات سے دریائے نیل تک پھیلے ہوئے ہیں باستثناء ان قلعہ جات کے جو فرنگیوں کے ہاتھ میں تھے۔ فرمانروا بن گیا۔ ۵۸۳ھ میں سلطان نے فرنگیوں کو بڑی بڑی ہزیمتیں دیں۔ بہت سے شہر جن پر انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا چھین لئے۔ خصوصاً بیت المقدس سے جو اکانوے سال سے فرنگیوں کے قبضہ میں چلا آتا تھا ان کو بے دخل کر دیا۔ نصاریٰ نے بیت المقدس میں جو [illegible] بنا لئے تھے ان سب کو گرا دیا۔ اور ان کی جگہ دینی مدارس جاری کر دیئے۔ البتہ قمامہ کے گرجا کو محض امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے بحال رہنے دیا۔ دول یورپ کو بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نقصان کی تلافی کے لئے رچرڈ اول شاہ انگلستان اور فلپ اگسٹس شاہ فرانس بڑی زبردست طیاریاں کر کے بیت المقدس کے چھوڑانے کے لئے روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ سال تک بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ ۵۸۹ھ میں سلطان صلاح الدین نے اپنی جان جہان آفرین کے سپرد کر دی۔ خدائے برتر اس نیک نہاد بادشاہ پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ باوجود عالمگیر بادشاہت و حکمرانی کے سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کے وقت ایک گھوڑا، ایک زرہ اور ایک دینار اور ۳۲ درم زر نقد چھوڑا۔ اس کے سوا اس سلطان البر والبحر کا کوئی اور ترکہ نہیں تھا۔ سلطان کی رحلت پر ایک بیٹا عماد الدین عثمان مصر کا بادشاہ ہوا۔ دوسرا بیٹا نور الدین علی شام میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ تیسرے غیاث الدین غازی نے حلب کی عنان فرمانروائی ہاتھ میں لی۔[2] سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب رح نے جس عظیم الشان سلطنت کی بنا ڈالی اس کو ایوبیہ کہتے ہیں اس کے نو بادشاہ مصر میں تیرہ فرمانروا شام میں

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۳۰۹ - [2] ایضاً ۱۲

اور تین تاجدار حلب میں بادشاہی کرتے رہے ✦

فصل ۳- صحابۂ کرامؓ کے فضائل

اوراق ماسبق میں عموماً اور اس باب کی پہلی فصل میں خصوصاً آپ نے پڑھا ہوگا کہ کس طرح مسبوقین کے خبیث النفس افراد نے سابقین اُمت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین و تفضیح کر کے اپنے اندر کی غلاظت اور گندگی کا مظاہرہ کیا۔ پاکوں پر ناپاکوں کے حملے کوئی نئی بات نہیں ہے تاہم کوئی غیور کلمہ گو ایسا نہیں جو اس گندہ دہنی کو سُنکر دل قابو میں رکھ سکتا ہو۔ اور کوئی بے حس سے بے حس مومن قانت ایسا نہ ملے گا جس کا خون اسلافِ کرامؓ کی توہین و تشنیع پر اُبلنے نہ لگے۔ لیکن اس خیال سے کہ بعض لوگ بے خبری کے عالم میں بدنفس و سینہ سیاہ اعدائے دین کے شاتمانہ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر راہ حق کی حبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ جو خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو تھے اُن کے فضائل مشتے نمونہ از خروارے بیان کر دیئے جائیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ دوستوں نے خدمت دین اور نصرت رسول امین علیہ التحیہ والسلام میں جو مالی اور جانی قربانیاں کیں اور ایثار و مواخاۃ کے عملی نمونے پیش کیے ان کو میں کتاب "شمائل النبیؐ" میں جو زیر تالیف ہے بوضاحت بیان کر چکا ہوں۔ یہاں اُن کے صرف وہ فضائل و محامد مختصراً اسپرد قلم کرنا چاہتا ہوں جو خود خدائے عزیز و برتر کی لسان وحی نے بیان فرمائے یا حضرت مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کی رہنمائی کے لئے ان کی شرح فرمائی۔

صحابی کی تعریف شیخ ابن حجر عسقلانیؒ کے الفاظ میں صحابی وہ ہے جس نے حالتِ ایمان میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر وفات پائی ہو۔ خواہ مجالست کثیر رہی ہو یا قلیل۔ آپ سے کوئی حدیث روایت کی ہو یا نہ کی ہو۔ آپ کی رفاقت میں غزا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ یا وہ جس کو آپ کا شرف رؤیت حاصل ہو لیکن مجالست میسر نہ ہوئی ہو۔ یا ایمان لانے کے بعد بے بصری یا کسی دوسرے مانع کی وجہ سے جمال مبارک کی زیارت نہ کر سکا ہو[1]۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طول صحبت اور آپ سے اخذ علم اور غزوات میں آپ کی رفاقت کو بھی صحابیت کی شرط ٹھہرایا ہے اور صحبت کی اقل مدت چھ مہینے قرار دی ہے لیکن معلوم نہیں کہ ۶ ماہ کی تعیین کی کیا دلیل ہے؟ بہر حال ظاہر ہے کہ وہ اصحاب اُن صحابہ کرامؓ کے درجہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جنہوں نے حضور سرور دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمیشہ نصرت و رفاقت کی اور غزوات میں آپ کے شریک حال رہے[2]۔ صحابہ کرامؓ کی جمیع تعداد سوا لاکھ سے کچھ کم ہے بعض حضرات نے ایک لاکھ دس ہزار بتائی ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ نے کتاب "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں ان میں سے بارہ ہزار دو سو اناسی صحابہؓ کے وقائع حیات درج کئے ہیں ✦

پیروان ابن سبا کی حماقت ابن سبا یہودی کی اُمت صحابہ کرام پر لعن طعن کرنے کی عادی ہے۔ ابو زرعہ رازیؒ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کو دیکھو کہ وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کی عیب گیری کرتا ہے تو سمجھ لو

---

[1] مقدمہ اصابہ فی تمییز الصحابہ ص ۴ [2] اشعۃ اللمعات جلد چہارم

کہ وہ زندیق ہے۔ زندیق شریعت کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کا زبانی دعویٰ تو اسلام کا ہو لیکن اس کے عقاید کفر و شرک سے ہمکنار ہوں۔ قرآن عزیز میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ جناب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے لشکر کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہنے لگی کہ اپنے سوراخوں میں گھس چلو ایسا نہ ہو کہ سلیمان (علیہ السلام) کا لشکر نادانستہ ہم کو پامال کر دے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ ۙ قَالَتۡ نَمۡلَۃٌ یّٰۤاَیُّہَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰکِنَکُمۡ ۚ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ ۙ وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ (۲۷: ۱۸)

جب (سلیمان علیہ السلام) چیونٹیوں کے ایک میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اُن کا لشکر تمہیں بے خبری میں کچل ڈالے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت سے ایک عجیب استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کی چیونٹی آج کل کے رافضی سے زیادہ عقل مند تھی۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ سوراخوں میں گھس چلو کہ کہیں پیغمبر خدا کا لشکر یعنی اُن کے اصحاب نادانستہ روند نہ ڈالیں پس چیونٹی کے نزدیک یہ بات محال تھی کہ نبی اللہ کے رفقاء کسی پر عمداً ظلم کریں گے لیکن رافضی کہتے ہیں کہ اصحاب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دانستہ حضرت علیؓ کا حق پامال کیا اور اہل بیت پیغمبر پر صریح ظلم کیا۔ لیکن روافض اتنا نہ سمجھ سکے کہ پیغمبر علیہ السلام کے اصحابؓ کا ظلم و بیداد پر متفق ہو جانا بالکل محال ہے۔ اب ان نفوس قدسیہ کے فضائل پہلے قرآن مجید سے اور پھر احادیث نبویہ سے مختصراً قلمبند کئے جاتے ہیں:۔

فضائل صحابہؓ از روئے قرآن

مہاجرین سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تارکانِ وطن اصحاب ہیں جنہوں نے کفار قریش کے مجبور کرنے پر اپنے آقا و مولیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں اپنے آبائی وطن مکہ مکرمہ کو خیرباد کہا اور مدینہ منورہ میں جا کر سکونت اختیار کی۔ اور انصار مدینہ طیبہ کی وہ مقدس جماعت ہے جس نے مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور ہر طرح سے ان کی مالی اور اخلاقی امداد کی۔ رب جلیل نے مہاجرین و انصار کی شان میں فرمایا ہے:۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ (سورہ توبہ آیت ۱۰۰)

جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (اُمت مابعد کے) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات جنت مہیا کر رکھے ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جن میں وہ ابد الآباد تک مقیم رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی اور فوز و فلاح ہے۔

مہاجرین اوّلین وہ حضرات ہیں جنہوں نے مکہ معظمہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کے ساتھ (یا جنگ بدر سے پہلے) مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ جن ۷۳ (تہتر) صحابہ رضوان اللہ علیہم نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینۃ الرسولؐ کو ہجرت فرمائی میں نے اُن کے اسماء گرامی کتاب "شمائل النبی" میں درج کر دیئے ہیں اور ان انصار رضی اللہ

ؔ اصابہ جلد اوّل ص ۷

عنہم کے نام بھی لکھ دیئے ہیں جنہوں نے ان کی میزبانی کی۔ حضرات مہاجرین اوّلین میں خلفائے اربعہ اور عشرہ مبشرہ میں سے باقی ماندہ چھ حضرات خاص طور پر ممتاز ہیں۔ اس آیۃ سے جو اوپر درج ہوئی ثابت ہُوا کہ خدائے کردگار نہ صرف تمام مہاجرین اوّلین سے خوش ہے بلکہ ان کے پیرووں سے یعنی فرقہ حقّہ اہل سنت وجماعت سے بھی اظہار خوشنودی فرماتا ہے۔ اس آیۃ سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ حضرات مہاجرین و انصار جن کو رافضی لوگ گالیاں دیتے ہیں مغفور اور جنتی ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جس جماعت عَلیہّٰ کو خود خدائے قدّوس اپنی رضامندی کا تمغہ بخشتا اور ان کے جنتی ہونے کی بشارت دیتا ہو اس برگزیدہ جماعت کی شانِ پاک میں دریدہ دہنی کرنا اور (معاذ اللہ) ایمان سے خارج بتانا اسی حرمان نصیب کا کام ہو سکتا ہے۔ جو خود تہی از دولت ایمان ہو۔

(۲) حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم مکّہ معظّمہ میں عموماً مال دار تھے۔ کفّار قریش نے ان کو ہجرت کے وقت لوٹ کر اور زر و مال چھین کر بالکل مفلس و قلاش بنا دیا۔ ربّ ذوالمنن از راہ نوازش ان حضرات کی شان میں فرماتا ہے۔

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (سورہ حشر آیۃ ۸)

ان نادار مہاجرین کا بالخصوص حق ہے جو اپنے گھروں سے (جبراً و ظلماً) خارج اور مال و زر سے محروم کر دیئے گئے۔ یہ لوگ خدائے کردگار کے فضل و رحمت اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی صادق لوگ ہیں۔

اس آیۃ سے ثابت ہوا کہ (۱) حضرات مہاجرین واقعی قبول ایمان، نصرت دینِ مُبین اور تائید رسولِ امین کے جُرم میں ہر قسم کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے محروم کر دیئے گئے۔ (۲) اعدائے اسلام نے ان کو لوٹ کر بالکل مفلس و نادار بنا دیا۔ (۳) حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم کی زندگی کا واحد نصب العین مالک الملک عزّ اسمہٗ کی رضا جوئی تھا۔ (۴) یہ حضرات صادق تھے اور صادق وہ ہے جو اپنے ہر قول و فعل میں سچّا اور حق پرست ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جس برگزیدہ جماعت کی عدیم المثال دینی خدمات، حسن کردار اور صدق و صفا کا خود خداوند عالم مدح خواں ہو اس پر طعن و تشنیع کی غلاظت اچھالنا اسی شقی کا کام ہو سکتا ہے جو خدا کا اور اس کے رسول کا اور اس کے دین کا دشمن ہو۔ یہاں ناظرین کی بصیرت افروزی کے لئے مہاجرین اوّلین میں سے چند حضرات کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مع اہل و عیال و خدّام (۲) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مع اہل و عیال (۳) امیر المؤمنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ مع اہل و عیال و خدّام (۴) امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (۵) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ مع اپنی بیوی حضرت اَسماء ذات النطاقین رضی اللہ عنہا کے جو امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۷) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ (۸) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (۹) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ (۱۱) حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ (۱۲) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (۱۳) حضرت مُصعب بن عُمیر بن ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہ ٭

(۳) روافض اور اس قماش کے دوسرے اعداء اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم اور دوسرے جلیل القدر صحابہؓ جنہوں نے فی سبیل اللہ ہجرت کی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کافروں سے جہاد کئے۔ یا وہ انصار مدینہ جنہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی اور میزبانی کا حق ادا کیا ان کو (معاذ اللہ) ایمان و اسلام سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ ایسے سیہ سینہ سیاہ اعدائے دین کی تردید میں رب العزت فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (سورۂ انفال آیۃ ۷۴)

جو لوگ ایمان لائے اور (ہجرت نبویہ کے زمانہ میں) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن افراد نے (ان مہاجرین کو) اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ اصل مومن ہیں۔ ان کے لئے آمرزش اور باعزت روزی (دنیا میں مال غنیمت اور آخرت میں نعیم جنت) ہے

(۴) ایک اور آیت میں خدائے قدوس نے رفض و سبائیت کی ان الفاظ میں تردید فرمائی ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (سورۂ فتح آیۃ ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کفار کے حق میں سخت گیر اور آپس میں شفیق و مہربان ہیں۔ تم انہیں اس حال دیکھو گے کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سربسجود ہیں۔ یہ لوگ حق تعالیٰ کے فضل اور اسکی خوشنودی کے جویاں ہیں۔ ان (کے صلاح و فلاح) کی علامت ان کے چہروں پر (نور کی شکل میں) نمایاں ہے جو سجدوں کی تاثیر سے (ظاہر ہو رہی) ہے۔ انکے یہ اوصاف تورات میں بھی مذکور ہیں اور انجیل میں بھی۔

اس فرمان خداوندی نے (۱) روافض کے اس قول کی تردید کر دی کہ حضرت علیؓ حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) سے (معاذ اللہ) بغض و عناد رکھتے تھے۔ (۲) اس آیۃ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطمح نظر ہر کام میں رضائے خداوندی تھا۔ (۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہر وقت عبادت الٰہی اور توجہ الی اللہ میں منہمک و سرگرم تھے۔ (۴) قرآن حکیم کی طرح تورات و انجیل میں بھی ان کی مدح و ستائش مذکور ہے۔

(۵) ایک آیت میں خدائے برتر صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں ان کے ایمان و تقویٰ پر مہر توثیق ثبت فرماتا ہے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (سورۂ حجرات)

حق تعالیٰ نے تم کو ایمان کا عشق و شغف بخشا۔ اسکو تمہارے دلوں کی زینت بنایا۔ اور تمہیں کفر، فسق اور معصیت سے نافر ورمیدہ کر دیا ایسے ہی لوگ خدا کے فضل و انعام سے راشد و ہدایت یافتہ ہیں۔

(۶) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو ایک سفارت پر مکہ معظمہ روانہ فرمایا تھا۔ چند روز کے بعد آپ کے لشکر میں یہ ہوائی اڑی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ آپ کو یہ خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا۔ آپ اس وقت سفر میں تھے۔ آپ نے اہل مکہ سے انتقام لینے کا عزم صمیم کر کے فرمایا کہ اب میرے لئے ان سے لڑنا حلال ہو گیا کیونکہ پہل انہوں نے کی ہے"! چنانچہ اس غرض کے لئے حضور رسالت مآب نے ایک درخت کے نیچے صحابہؓ سے جان سپاری اور فداکاری کی بیعت لی بعد کو یہ خبر جھوٹی نکلی۔ اس واقعہ کی تفصیل کتاب "شمائل النبی" میں درج کر چکا ہوں۔ اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں کیونکہ

صحابہ کرامؓ کو اس پر رضوان الٰہی کا مژدۂ جان بخش سنایا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا (سورۃ فتح آیۃ ۱۸)

حق تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں کی (خوشگوار ایمانی) کیفیت بھی خدا کو معلوم تھی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ان پر اطمینان قلب کا فیضان فرمایا اور انہیں ایک فتح عاجل اور غنیمت وافر کی کامیابی بخشی جسے وہ (عنقریب) حاصل کریں گے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ بیعت الرضوان کے مبایعین میں سے کوئی شخص داخل جہنم نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر رضؓ اور تمام وہ جلیل القدر مہاجرین و انصار جن کے خلاف ابن سبا کی اُمت لعن وطعن کی غلاظت اچھالتی ہے۔ بیعت الرضوان میں داخل تھے

صحابہ کرامؓ کی افضلیت ازروئے حدیث

اب یہاں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات گرامی درج کئے جاتے ہیں جن سے قارئین کرام پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ فخر انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ فیض میں تربیت پانے والے حضرات امت مابعد کے تمام افراد سے افضل و برتر ہیں۔

صحابی کے لئے ثواب کی بشارت

صحابہ کرامؓ کی افضلیّت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ جتنا ثواب کسی عمل پر مسبوقین اُمت کو ملتا ہے، اس سے لاکھوں کروڑوں درجہ زیادہ اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی عمل پر ملتا تھا۔ چنانچہ سرورِ دو جہان علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو بُرا نہ کہنا۔ اگر دوسرے لوگوں میں سے کوئی شخص راہ خدا میں کوہ اُحد کے برابر سونا بھی کیوں نہ خرچ کرے، تو بھی کسی حالت میں میرے کسی صحابی کے ایک مُد بلکہ نصف مُد کے انفاق کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔ (بخاری ومسلم) مُد غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے جس میں قریباً گیارہ چھٹانک گیہوں آتا ہے۔ تفاوت ثواب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے براہ راست شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم حاصل کیا تھا۔ یہ حضرات ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے ان کے دلوں میں خلوص خشیۃ الٰہی عشق خداوندی اور تعلق باللہ کی وہ کیفیت پیدا کر دی تھی کہ دوسروں کو ہزارہا ریاضتوں اور مجاہدوں سے بھی میسّر نہیں آسکتی۔ چنانچہ شیخ ابو طالب مکی رح نے فرمایا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کی ایک جھلک کا یہ اثر تھا کہ دوسروں کو ہزاروں چلّوں اور ریاضات شاقّہ کے بعد بھی وہ دلی کیفیت نصیب نہیں ہو سکتی اور ایمان اعیانی اور یقین شہودی جو صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا اس میں اُمت کا کوئی دوسرا شخص ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اصحاب رضوان اللہ علیہم نے اس وقت راہ خدا میں اپنا مال صرف کیا جبکہ اسلام ابتداءً نہایت ضعف اور یتیمی وکس مپرسی کے عالم میں تھا ان نفوس قدسیہ نے خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اپنا مال ضروریات دین پر خرچ کیا۔ ان حضرات کی جانفشانی ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ ہی کا اثر تھا کہ دین حنیف کا غلغلہ تھوڑے ہی روز میں اقصائے عالم تک پہنچ گیا۔ اور دنیا تشنگی سعادت سے سیراب ہونے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہوئی

صحابہ کرامؓ آسمانِ ہدایت کے کواکب درخشاں تھے

جس طرح آسمان دنیا پر آفتاب جہانتاب، ضیا پاش ہے اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمائے ہدایت و روحانیت کے نیّر اعظم اور آپ کے اصحاب اس کے کواکب درخشاں

چنانچہ حضرت سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے ان اختلافات کے متعلق دریافت کیا جو میرے وصال کے بعد میرے اصحاب میں رونما ہوں گے رب العزت نے مجھے وحی بھیجی کہ اے محمد! میرے نزدیک آپ کے اصحاب آسمان کے ستاروں کا حکم رکھتے ہیں گو بعض ستارے دوسروں سے زیادہ روشن ہیں۔ لیکن ہر ایک نجم درخشاں ضیا پاشی کر رہا ہے۔ پس جس کسی نے ان کے اختلافی مسائل پر عمل کیا وہ میرے نزدیک راہ ہدایت پر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے اصحاب بمنزلہ روشن ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے منزل ہدایت پر پہنچ جاؤ گے۔ ارزین اعلماء نے لکھا ہے کہ ہر صحابی کا سینہ علم دین اور نور ہدایت سے مزین و منور تھا لیکن اگر کبھی کسی سے ازراہ بشریت کچھ غلطی ہو گئی تو اس غلطی کا اقتدا درست نہیں۔ کیونکہ ان کی غلطی بالکل خارج از بحث اور ناقابل التفات ہے۔

صحابہؓ اُمت کے امین و عافیت کا باعث تھے

دین حنیف قرون ثلاثہ یعنی اصحاب کرامؓ کے عہد سعادت میں اور اس کے بعد تابعین اور اتباع تابعین کے قرنہائے خیر میں ہر قسم کے بدعات و محدثات سے محفوظ رہا۔ اس کے بعد دین میں فتنہ انگیزیاں اور رخنہ اندازیاں شروع ہو گئیں۔ اسی حیثیت سے سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ یعنی بہترین اُمت میرے اصحاب ہیں۔ ان کے بعد وہ لوگ ہیں جو اصحاب سے متصل ہیں (تابعین) اور ان کے بعد بہترین اُمت اس قرن کے لوگ ہیں جو تابعین سے متقارب و متقارن ہیں۔ (بخاری و مسلم) اسی طرح فرمایا کہ میرے اصحاب کا اکرام کرو کیونکہ وہ تم میں سب سے زیادہ افضل و برگزیدہ ہیں۔ ان کے بعد وہ لوگ خیار اُمت ہیں جو اُن سے قریب تر ہیں۔ پھر جو اُن سے متصل ہیں۔ ان کے بعد دروغ، بدعات و محدثات کا ظہور ہو گا۔ یہاں تک کہ انسان بغیر قسم دیئے جانے کے قسمیں کھائے گا۔ اور بغیر اس کے کہ اس کی شہادت مطلوب ہو شہادت دینا پھرے گا لیکن جو شخص وسط جنت کے قیام سے بہرہ اندوز ہونا چاہتا ہے اس پر لازم یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت (اہل سنت و جماعت) کا التزام کرے۔ کیونکہ شیطان تنہا آدمی کی رفاقت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن وہ دو آدمیوں سے نسبتاً دور رہتا ہے (النسائی) یاد رہے کہ ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد سلامتی ایمان اور صحت عقائد بالکل اُٹھ جائے گی کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے بموجب خیر الامۃ کا گمراہی پر مجتمع ہونا بالکل محال ہے اور فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کا قیامت تک موجود رہنا بھی لوازمات سے ہے بلکہ ان احادیث کا یہ مفہوم ہے کہ تین ازمنہ خیر تک سلامتی غالب رہے گی۔ اس کے بعد شرور و فتن کا غلبہ ہو گا۔ اور سلامتی نسبتاً کم ہو جائے گی اور یہ بھی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا کہ جس طرح آپ نے پیشین گوئی فرمائی اسی طرح حرف بحرف ظہور میں آیا۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ کا عہد مبارک سنہ ۱۱۰ھ تک تابعین کا قرن سنہ ۱۷۰ھ تک اور اتباع تابعین کا زمانہ سنہ ۲۲۰ھ تک باقی رہا اس کے بعد بدعتیں نفوذ کرنے لگیں۔ فلاسفہ نے سر اُٹھایا معتزلہ نے زبان درازی شروع کی باطنیہ اور قرامطہ کی فتنہ انگیزیوں کا طوفان فضائے عالم پر محیط و متسلط ہوا اور سنت سنیہ کا شغف روبہ زوال ہوا۔

صحابہؓ کا وجود فتح و ظفر کا کفیل تھا

صحابہ کرامؓ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف خود اُن کا بلکہ اُن کے دیکھنے والوں کا وجود بھی فتح و ظفر کا کفیل تھا۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب کہ

مسلمانوں کی ایک جماعت مصروفِ غزا ہوگی۔ اس وقت ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جسے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟ کہا جائے گا ہاں موجود ہے۔ پس اصحاب پیغمبر صلعم کی برکت وشوکت سے مجاہدوں کو فتح ونصرت نصیب ہوگی؛ اسی طرح پھر ایک زمانہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد فی سبیل اللہ کا عَلَم بلند کرے گی اس وقت سوال کیا جائے گا کہ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا متنفس بھی موجود ہے جسے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟ اس کا جواب اثبات میں دیا جائے گا۔ حق تعالیٰ ان (تابعین) کی برکت سے عساکرِ اسلام کو مظفر ومنصور کرے گا۔ اس کے بعد ایک موقع پر مسلمانوں کی ایک جماعت (اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر) جہاد کرے گی۔ اُس وقت یہ سوال ہوگا کہ کیا عساکرِ اسلامی میں کوئی شخص ایسا بھی موجود ہے جسے اصحابِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیکھنے والوں کی صحبت نصیب ہوئی ہو جواب ملے گا ہاں موجود ہیں۔ پس حق تعالیٰ ان نفوسِ قدسیہ (یعنی اتباعِ تابعین) کی برکت سے مسلمانوں کو فتح دے گا (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں حدیث خیر القرون کے اندر چہار گانہ مراتب بیان کئے گئے ہیں یعنی اتباعِ تابعین کے دیکھنے والوں کی بھی فضیلت مذکور ہے۔

صحابی کے پاس دفن ہونے کی سعادت

بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی صحابی کے پاس دفن ہونے والا مسلمان مغفور ہوگا چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا کوئی صحابی ایسا نہیں جو کسی جگہ رحلت کرنے کے بعد قیامت کے دن اس سرزمین کے لوگوں کی (جنت کی طرف) رہنمائی نہ کرے گا۔ اور ان کے حق میں نور نہ ہوگا۔ (ترمذی) ایک اور حدیث سے اصحابِ پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عظمت شان یہاں تک ثابت ہوتی ہے کہ ان کے دیکھنے والے مومن پر دوزخ کی آنچ حرام کردی گئی۔ چنانچہ جابر رض سے مروی ہے کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس مسلمان کو آگ ہرگز نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے (اصحاب رض) کو دیکھا (ترمذی)

ان احادیث سے ہر شخص بادنیٰ تأمل سمجھ سکتا ہے کہ فردائے قیامت کو ان تہی دستانِ قسمت کا کیا حال ہوگا جو ان برگزیدہ حضرات پر زبانِ دشنام دراز کرنے کو جزوِ عبادت گمان کرتے ہیں جن کے رخِ انور کی طرف حسنِ عقیدت سے دیکھنا آتشِ جہنم کو حرام کر دیتا تھا۔

صحابہؓ کا احترام ملحوظ رکھنے کے متعلق سرور دو جہاں کی وصیّت

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ایک ایسی بد سگال جماعت اُٹھ کھڑی ہوگی جو میرے اصحاب پر سبّ وشتم کرے گی اس لئے آپ نے اُمت کی رہنمائی کے لئے بطور وصیت فرمایا کہ میرے اصحاب کے حق میں خدا سے ڈرنا (یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے) انہیں میرے بعد ہدفِ ملامت نہ بنانا۔ جو کوئی اُن کو دوست رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو شخص اُن سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ دشمنی رکھنے کے باعث ان سے عناد رکھتا ہے۔ جس نے انہیں رنجیدہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ وملول کیا۔ جس نے مجھے ستایا اس نے خدا کو ایذا دی اور جو کوئی خدائے برتر کی ایذا رسانی کا باعث ہوا خدائے قہار اسے بہت جلد عذاب میں گرفتار کرے گا۔ (ترمذی) اور روافض کی فتنہ انگیزی کے متعلق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو پاؤ جو میرے اصحاب کو گالی دیتے ہیں تو کہو کہ تمہاری شر انگیزی پر خدا کی لعنت ہو (ترمذی)ؑ

ؑ یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب الصحابہ سے ماخوذ ہیں

امام محی الدین نووی ؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ صحابہ ؓ کو بُرا کہنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ گو ان میں سے بعض باہم معرکہ آرا ہی کیوں نہ ہوئے ہوں کیونکہ وہ رزم خواہ ہونے میں مجتہد تھے اور مجتہد کی خطا عند اللہ معاف ہے۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ رافضی کو اس کی بدگوئی کی سزا دی جائے لیکن قتل نہ کیا جائے۔ اور علامہ علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک صحابہ کو بُرا کہنے والا واجب القتل ہے۔ شیخ ابن حجر مکّی شافعی ؒ نے بھی کتاب صواعق محرقہ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔

توہین صحابہ رضؓ کے خلاف فیض آباد کا ایک مقدمہ

لکھنؤ کے رسالہ النجم میں ایک مرتبہ ایک مقدمہ کی دلچسپ روداد شائع ہوئی تھی۔ لکھنؤ میں مقبول احمد نام شیعوں کا کوئی تبرّائی واعظ تھا۔ اس نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان پاک میں دریدہ دہنی کرکے فتنہ کی آگ لگائی۔ ایک دفعہ اسی جرم میں اس پر فیض آباد میں مقدمہ قائم ہُوا۔ مقبول احمد نے عدالت میں بیان کیا کہ اصحاب پر تبرّا کہنا ہمارا مذہبی شعار ہے پس جس طرح تمام دوسرے لوگوں کو اپنے مذہبی فرائض بجالانے کی پوری آزادی ہے ہمیں بھی علی الاعلان تبرّا کی آزادی ملنی چاہیئے۔ اس کے جواب میں مسٹر محمد افضل بیرسٹر ایٹ لاء بریلی نے جو اہل سنت وجماعت کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے عدالت سے خطاب کرتے ہوئے کہا "جناب! ان کا مذہبی فریضہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب ورفقا کو گالیاں دینا ہے۔ اور ہمارا مذہبی فریضہ یہ ہے کہ تبرّا کہنے والے کو قتل کر دیں"۔ اور اس کے ثبوت میں صواعق محرقہ کی ایک حدیث پیش کی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی میرے اصحاب کو بُرا کہے اس کو قتل کر دو"۔ لہٰذا ملزم کو اس کے مذہبی فریضہ کی اجازت دی جائے اور ہم کو ہمارے مذہبی فریضہ کی"۔ بات نہایت معقول تھی۔ مقبول احمد سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ اور عدالت نے اس بدلگام کو سزا دے دی۔ اس سزا کی اپیل در اپیل ہوتے ہوتے مقدمہ چیف کورٹ لکھنؤ میں پہنچا لیکن سزا آخر تک بحال رہی۔ النجم نے کلکتہ کا یہ واقعہ بھی لکھا کہ واجد علی شاہ والئی اودھ لکھنؤ سے نظر بند ہو کر جب مٹیا برج (کلکتہ) پہنچا تو واجد علی شاہ کے زیر اہتمام ایک کتاب چھپی جس میں حضرت سالار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں کے خلاف دشنام دہی کی غلاظت بکھیری تھی۔ ان دنوں کلکتہ میں حمید اللہ خاں نام ایک بڑے تاجر تھے وہ اس کتاب کو لئے ہوئے وائسرائے کے پاس چلے گئے اور کہا ابھی تدارک کیجیے ورنہ کلکتہ میں بڑا خون خرابہ ہوگا۔ وائسرائے نے شاہ اودھ کو ایک چٹھی لکھی کہ جلد سے جلد مسلمانان کلکتہ سے معافی مانگو اور اس کتاب کو تلف کردو۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط رکھو کہ اس قسم کی کوئی حرکت سرزد نہ ہو"۔ چنانچہ واجد علی شاہ نے حمید اللہ خاں کے نام ایک خط بزبان فارسی لکھا جس میں اپنی غریب الوطنی کا واسطہ دے کر بڑی عاجزی کے ساتھ مسلمانوں سے معافی مانگی اور یہ مصرع بھی لکھا ع بزرگاں مسافر بجان پروَرند"۔

ایران میں بھی تبرّا جُرم ہے

النجم کا بیان ہے کہ خود ایران جو تمام دنیا میں شیعیت کا مرکز مانا جاتا ہے وہاں بھی صحابہ کرام رضؓ کی شان میں دریدہ دہنی کرنے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ ناصر الدّین شاہ کے وزیر سلطنت نے ایران کے شاہی قانون پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "کتاب الآثار والمآثر" ہے۔ اس میں ایک خاص باب اس عنوان سے درج ہے "منع شدید ونہی اکید از سبّ خلفائے راشدین"۔ اس باب میں بڑی سختی سے شیعوں کے مذہبی مراسم کو جرم قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ نویں ربیع الاوّل کو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت کو جو عید ان کے یہاں ہوتی ہے اس کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔

اس عید کا اور اس کے خرافات کا تذکرہ کرکے لکھا ہے کہ" بارے بادشاہ اسلام پناہ ایران این افاعیل جاہلانہ را از قلمرو خویش برانداخت"[1]

بانیٔ رفض کی عداوتِ اسلام ابن عقیل نے یہ بہت صحیح کہا ہے کہ جس شخص نے رافضی مذہب کی بنا ڈالی اس کا مطمحِ نظر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ دینِ محمدی پر طعن کرکے اس سے (معاذ اللہ) لوگوں کو متنفر کردے۔ ظاہر ہے کہ ہم نے بذاتِ خود حضرت خیر الورٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک نہیں دیکھا۔ اور آپ سے براہ راست علمِ دین کی تحصیل نہیں کی۔ پس آپ کی تعلیماتِ حقّہ کا سارا مدار صحابہ کرامؓ کی روایات پر اور زائرینِ طلعتِ مبارک سید المرسلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی جودتِ نظر پر ہے لیکن رافضی مذہب کے بانی نے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ جن لوگوں پر تم اعتماد کرتے ہو انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کے وصال کے بعد ایک تو امر خلافت میں اہل بیتِ نبوّت سے بے انصافی کی۔ دوسرے حضور کی صاحبزادی کو میراث سے محروم رکھ کر اپنی بیدادگری کا ثبوت دیا" اور اس من گھڑت دعووں سے اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان لوگوں (صحابہ کرامؓ) نے جن ذاتِ برتر کو اس کے حینِ حیات نبی مانا تھا اس سے فی الحقیقت کچھ حسنِ اعتقاد نہیں رکھتے تھے بلکہ مصلحۃً رفاقت اختیار کر رکھی تھی لیکن جب آپ کا وصال ہو چکا تو (معاذ اللہ) ان کا نفاق ظاہر ہو گیا" پس جبکہ بانیٔ رفض نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) ظالم و حق ناشناس ٹھہرایا تو اس شر انگیزی سے اس کی حقیقی غرض یہ تھی کہ جو شریعتِ مطہرہ مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کے توسط سے پہنچی ہے وہ کسی طرح شائستۂ اعتماد نہیں[2] غرض رافضی فرقہ کا بانی فی الحقیقت صحابہ کرامؓ سے عناد نہیں رکھتا تھا بلکہ دراصل خود اسلام کا ایک خطرناک دشمن تھا اور اس کی یہ خواہش تھی کہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کردے اور لوگ دینِ حنیف سے علاقہ توڑ کر کفر و زندقہ کے آغوش میں چلے جائیں۔

بانیٔ رفض و شیعیّت کی اغواکوشیاں

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی بصیرت افروزی کے لئے رافضی فرقہ کے بانی و مؤسس عبد اللہ بن سبا کے حالات و واقعات بھی مختصراً عرض کر دیئے جائیں علماء نے لکھا ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے عہد سعادت میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرستوں کے بلاد و امصار عنایت آلٰہی سے صحابہ کرامؓ اور ان کے تابعانِ عظام کے ہاتھ پر فتح ہوئے اور کفار نگونسار کو قتل، اسیری اور نہب و تاراج کی ذلت میں گرفتار ہونا پڑا تو یہ لوگ غیظ و غضب کے عالم میں مارِ دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھاتے تھے لیکن کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ حضرات شیخین یعنی امیر المؤمنین ابوبکر صدیق اور امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اوانِ سعید میں انہوں نے غلبۂ حمیّت اور شدتِ عصبیت کی وجہ سے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور لڑائیاں کیں لیکن چونکہ نصرت الٰہی ہر وقت ملّت موحدین کی پشت پناہ تھی ذلت و خسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ناچار خلیفۂ ثالث امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ایّام خلافت میں مکر و حیلہ کے اسلحہ سے مسلح ہونے لگے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض اعدائے دین نے کلمۂ اسلام سے گویا ہو کر منافقانہ اسلام قبول کیا۔ اور مار آستین بن کر مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور بغض و عناد کی آگ مشتعل کرنی شروع کی۔

اس فتنہ گر جماعت کا سرگروہ ایک نہایت عیّار شخص عبد اللہ بن سبا نامی یمن کا ایک یہودی تھا۔ اس کے سلسلۂ تلبیس

---

[1] النجم لکھنؤ جلد ۱۰ نمبر ۱ بابت محرم ۱۳۵۱ھ ص ۷-۸۔ [2] تلبیس ابلیس للعلامہ ابن جوزی ص ۱۳۸

کی سب سے پہلی کڑی یہ تھی کہ خاندانِ نبوت اور دودمانِ مصطفوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے انتہائی محبت کا اظہار کیا اور اپنی ساری ہمت اس کوشش میں صرف کر دی کہ لوگ اہلبیت اطہار سے محبت کریں۔ اور ان کی عون و نصرت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ چونکہ یہ تحریک اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھی۔ اس لئے کافۂ اہل اسلام میں بہت مقبول ہوئی۔ اور ہر خاص و عام نے گمان کیا کہ جو کچھ یہ کہتا ہے خلوص اور خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہے۔ لیکن اہل حق کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام کا نہایت خطرناک دشمن ہے اور مسلمانوں کے خلاف نہایت خوفناک جال بچھا رہا ہے۔ جب عبداللہ بن سبا لوگوں کو اس دامِ فریب میں گرفتار کر چکا تو اب اُس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ جناب علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) افضل البشر بعد الانبیاء ہیں حضور سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جناب میں انہیں سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ اب وہ ان احادیث کے ساتھ جو امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہیں اپنی طرف سے بہت سی موضوع و مخترع روایتیں شامل کر کے ان کو شہرت دینے لگا۔ اور جب دیکھا کہ اس کے دام افتادہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہو گئے تو اُس نے اپنے احباب خاص کی ایک جماعت کو اپنے اس راز سربستہ کی تعلیم دینی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰؓ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصی تھے۔ آنحضرتؐ نے انہیں نص صریح خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ لیکن صحابہؓ نے غلبہ پا کر اور (معاذ اللہ) مکر و حیلہ سے وصیت نبوی سے بے اعتنائی کی۔ خدا و رسول کی اطاعت سے منہ موڑ کے علی مرتضیٰؓ کا حق غصب کر لیا اور طمع دنیاوی سے مغلوب ہو کر دین سے برگشتہ ہو گئے۔" اسی کے ساتھ اس نے فدک کے متعلق اس گفتگو میں جو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدۃ النساء جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا میں ہوئی۔ اور انجام کار صفائی اور حسن اسلوب سے طے ہو گئی تھی۔ رنگ آمیزی شروع کی اور اپنے مخصوص احباب کو تاکید کر دی کہ اس راز کو فاش نہ ہونے دیں اور سمجھا دیا کہ اگر احیاناً لوگوں سے اس قسم کی گفتگو ہو تو میرا نام ہرگز ظاہر نہ کرنا کیونکہ اس جد و جہد سے میری غرض محض اظہار حق ہے نہ کہ نام و نمود۔

ابن سبا کا بصرہ سے اخراج

ابن سبا نے مدینہ منورہ میں اپنی حق فراموش جماعت طیار کرنے کے بعد دوسرے اسلامی بلاد میں جا کر فتنہ انگیزی اور فساد پروری کا قصد کیا ۔ ۳۳ھ میں بصرہ پہنچا اور مسلمانوں کو راہ حق سے منحرف کرنے کی جد و جہد میں مصروف ہوا۔ ان دنوں جناب عبداللہ بن عامر امیر المومنین عثمانؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے۔ اُنہوں نے سبائی فتنہ انگیزی کے حالات سُنے تو ابن سبا کو بُلا بھیجا اور پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگا میں یہودی تھا لیکن اب دین اسلام کو برحق یقین کر کے مسلمان ہو گیا ہوں۔" ابن عامر نے کہا میں نے تمہاری نسبت ایسی ایسی باتیں سُنی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بڑے مفسد اور عدوئے اسلام ہو اس لئے مناسب ہے کہ میرے حدودِ عمل سے جلد نکل جاؤ۔ ورنہ تمہاری گردن مار دوں گا۔ اب ابن سبا نے بصرہ سے کوفہ کا عزم کیا۔ وہاں سے بھی اپنی مغویانہ سرگرمیوں کی وجہ سے نکالا گیا۔ کوفہ سے مصر کی راہ لی وہاں پہنچ کر اس نے ایک نیا مسئلہ یہ اختراع کیا کہ جناب مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح حضرت سرور دوجہان (علیہ التحیۃ والسلام) بھی دوبارہ تشریف لانے والے ہیں اور کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں کی عقل و فہم پر حیرت ہے۔ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رجوع کرنے کو مانتے ہیں لیکن انہیں جناب محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رجعت سے انکار ہے۔ اور ساتھ ہی یہ کہنا شروع کیا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی علی ابن ابی طالب ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو

علی ابن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) کو پیغمبر خدا کا وصی نہیں مانتا۔ اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نے (معاذ اللہ) بلا استحقاق خلافت رسول اللہ پر قبضہ جما رکھا ہے"۔ دُنیا میں بے وقوفوں اور شرارت پسندوں کی کمی نہیں۔ مصر میں بھی اس نے اوباش قسم کے لوگوں کو جمع کر کے ایک جماعت بنا لی۔ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نشر یہ کرنے کے لئے مناد بھی طیار کئے اور ان کو مختلف دیار و امصار میں بھیجتے وقت ہدایت کی کہ جہاں جاؤ سب سے پہلے عامۃ الناس کا دل ہاتھ میں لینے کے لئے بظاہر امر معروف و نہی منکر کا طریقہ اختیار کرو۔ اور جب عوام کی ہمدردی حاصل کر چکو تو امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عمال کے خلاف بے پناہ پروپیگنڈا شروع کر دو۔ اسی کے ضمن میں خلیفۂ ثالث کے خلاف بھی عام جذبۂ منافرت پیدا کرتے رہو"۔ یہ مناد بصرہ، کوفہ، شام، مصر ہر جگہ پھیل گئے اور امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں حکام کے خلاف منافرت پھیلانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بڑے بڑے شہروں کے باشندے ۳۵ھ میں اپنے اپنے عمال کی شکائیتیں لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور اہل مدینہ کے پاس اپنی نام نہاد مظلومی کے آنسو بہانے لگے۔ یہ دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عثمان رضؓ نے تفتیش حالات کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، حضرت عمار بن یاسرؓ کو مصر، حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ کو شام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفہ روانہ فرمایا۔ یہ حضرات تحقیق حالات کے بعد مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے اور آ کر بتایا کہ تمام شکائیتیں بے بنیاد اور جھوٹی تھیں۔ ہماری تحقیق کی رُو سے کوئی معاملہ ایسا پیش نہیں آیا جو قابل اعتراض ٹھہر سکے۔[عہ]

امیر المؤمنین علیؓ کی زبان مبارک سے حضرات شیخینؓ کی ثنا و منقبت

قضائے کردگار سے امیر المؤمنین عثمان ذو النورینؓ کے آخری دور خلافت میں مصر کی ایک شوریدہ سر جماعت نے امیر المؤمنین کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کیا۔ ابن سبا نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آگ پر تیل ڈالنا شروع کیا اور دوسرے دشمنانِ ملت کو بھی جو کوفہ اور نواحِ عراق میں پھیلے ہوئے تھے مدینہ منورہ میں بلا لیا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے فتنہ انگیزی کے وہ ہتھیار جنہیں صولتِ اسلام کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتے تھے تیز کرنے شروع کئے اور خلیفۂ برحق جناب عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کو جرعۂ شہادت پلوا کر دم لیا۔ جب امیر المؤمنین علی مرتضیٰ نے اورنگ خلافت کو زینت بخشی تو ان منافقوں نے اپنے تئیں جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کے محبین مخلصین کی جماعت میں لا کھڑا کیا اور اپنے آپ کو شیعان علیؓ (گروہِ علیؓ) کے نام سے ملقب کرنے لگے۔ اب ابن سبا نے اپنے خبث باطن کو بے کھٹکے ظاہر کرنا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ امیر المؤمنین علیؓ نے کسی مصلحت سے اپنا دار الخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ کو منتقل کر لیا تھا۔ ابن سبا کے وابستگانِ دامن بھی عسکر خلافت میں شامل ہو کر کوفہ پہنچ گئے اور سبائی تعلیمات کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد خود ابن سبا بھی کوفہ پہنچ گیا۔ یہاں اس نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی تبلیغ شروع کی کہ صحابہؓ میں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سب سے افضل ہیں۔ جب ابن سبا نے دیکھا کہ کوفہ کے فوجی سپاہی اس مسئلہ کو سمع قبول سے سننے لگے ہیں تو اس نے امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ اور امیر المؤمنین عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کے خلاف دریدہ دہنی کا شیوہ اختیار کیا اور حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) اور دوسرے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

عہ کتاب الخطط علامہ مقریزی جلد ۴ ص ۱۴۶ - ۱۴۷

جذبۂ نفرت پھیلانے لگا۔ حضرت سوید بن غفلہؓ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے لشکر گاہ میں چند آدمی دیکھے جو حضرات شیخینؓ پر طعن و تشنیع کر رہے تھے۔ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "امیر المؤمنین! میں آپ کی فوج میں گیا تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ایسی باتیں کہہ رہے تھے جو ان دونوں بزرگوں کے شایانِ شان نہیں اور عجب نہیں کہ ان کی یہ جسارت اس خیال پر مبنی ہو کہ آپ کے دل میں بھی شیخینؓ کی طرف سے کچھ غبار کدورت ہے ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ حضرات شیخینؓ کی شان میں یوں علانیہ دریدہ دہنی کی جاتی" حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان حضرات کی طرف سے میرے دل میں کدورت کا کوئی ادنیٰ شائبہ ہو۔ میرے باطن میں دونوں حضرات کا وہی جذبۂ محبت موجود ہے جو خود سرور عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موج زن ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا اس پر لعنت کرے جس کے دل میں ان حضرات کے متعلق حسن ظن کے سوا کوئی اور جذبہ مخفی ہو۔ یہ دونوں تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور وزیر تھے۔ خدا ان دونوں پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے۔[1] اس کے بعد امیر المؤمنین علیؓ نے پیروانِ ابن سبا کی فتنہ انگیزیوں کے خلاف متعدد خطبے دیئے اور اس جماعت کے خلاف ہر طرح سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا۔ باوجودیکہ آپ نے بعض فتنہ انگیزوں کو جسمانی سزائیں دیں اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو سبائی فتنہ سے دامن کش رہنے کی تاکید فرمائی تاہم یہ مفسد جماعت اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی۔

ابن سبا کے پیرو زندہ آگ میں جلا دیئے گئے

جب ابن سبا نے دیکھا کہ ہزار ہا لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی اور بہت سے مسلمان فاسد العقیدہ ہو چکے تو اب اس نے یہ کہہ کر فتنہ انگیزی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰؓ سے ایسے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو مقدور بشری سے خارج ہیں اور بتایا کہ خوارقِ عادات، قلبِ اعیان، اخبارِ غیب، احیائے اموات، بیان حقائق الٰہیہ و کونیہ، محاسبات دقیقہ، جوابات حاضرہ، بلاغت عبارت، فصاحتِ الفاظ، زہد و تقویٰ، شجاعت مفرطہ وغیرہ امور آپ سے اس کثرت و تنوع سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا منبع انسان کے مبلغ فہم سے بالاتر ہے۔ اس کے بعد ایک مجلس خاص میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت کچھ رنگ آمیزیاں کیں اور حفظِ اسرار کی تاکید کرتے ہوئے اپنے دام افتادوں کو بتایا کہ یہ تمام باتیں جو آپ سے ظاہر ہوتی ہیں آپ کی الوہیت کے خواص ہیں اور لاہوت ناسوت کے لباس میں جلوہ فرما ہے۔" اس دن سے پیروان ابن سبا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) خدا کہنے لگے۔ جب امیر المؤمنین علیؓ کو اس سبائی شر انگیزی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ابن سبا اور اس کے پیرؤں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ کچھ تو بھاگ گئے اور جو مل سکے ان کو آپ نے عبرت روزگار بننے کے لئے زندہ آگ میں جلا دیا۔ چنانچہ اسی ضمن میں آپ نے فرمایا ہے ؎

لما رأیت الامر امراً منکراً   اججت ناری و دعوت قنبراً[2]

یہ حرمان نصیب کوفہ سے بھاگ کر مدائن پہنچے لیکن وہاں بھی اپنی مفسدہ پردازی سے باز نہ آئے۔ سبائی سنا و آذربیجان اور عراق میں پھیل گئے۔ چونکہ امیر المؤمنین اس وقت مہمات خلافت کے علاوہ خوارج کی سرکوبی اور شامیوں کی لڑائی

[1] تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزی مطبوعہ دہلی ص ۱۴۱-۱۴۲ [2] کتاب الخطط جلد ۴ ص ۱۸۲

میں اُلجھے ہوئے تھے اس بنا پر ان اشرار کی طرف توجہ نہ فرما سکے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ ابن سبا کا مذہب ان علاقوں میں جڑ پکڑ گیا۔ اور انجام کار اس نے شیعہ مذہب کے نام سے اپنے تئیں روشناس کرایا۔

لشکر مرتضوی کی چہارگانہ تقسیم انجام کار امیر المؤمنین علیؓ کے لشکری سبائی تعلیمات کے ردو قبول کی وجہ سے چار فرقوں میں منقسم ہو گئے اول شیعہ مخلصین یعنی اہل سنت وجماعت جو تمام اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے محبت رکھتے اور ازواج طاہرات سے خلوص عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کا آئینۂ دل اکابر اُمت کے غبار کینہ سے بالکل پاک ہے۔ یہی لوگ جناب علی مرتضیٰ کی روش پر قائم اور ان کے سچے پیرو ہیں۔ ان کا دامن سبائی خبث کی نجاست سے پاک رہا۔ جناب امیر المؤمنین علی رضؓ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح و تحسین فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔ دوسرے شیعہ تفضیلیہ جو جناب علی مرتضیٰ کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے تھے۔ گو اس فرقہ نے ابن سبا کا اثر پوری طرح قبول نہ کیا تاہم اس کی پیروی کر کے اہل حق کے زمرہ سے خارج ہو گئے۔ جناب علی مرتضیٰ نے ان کو ہمیشہ تنبیہ کی کہ اگر کسی شخص کی نسبت معلوم ہو گا کہ وہ مجھے شیخین (یعنی امیر المؤمنین ابو بکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما) سے افضل کہتا ہے تو میں اُسے افترا کی حد اسّی کوڑے لگاؤں گا۔ تیسرا فرقہ شیعہ سبّیہ یعنی دشنام گو جنہیں تبرّائی بھی کہتے ہیں۔ یہ بدنصیب فرقہ تمام صحابہؓ کو ظالم اور غاصب بلکہ کافر و منافق یقین کرتا ہے۔ اور اس نے تمام اکابر صحابہ کو اپنے سہام طعن کا ہدف بنا رکھا ہے۔ جب کبھی اس گروہ کے خیالات امیر المؤمنین کے سمع مبارک تک پہنچتے تو آپ خطبہ دیتے ایسے ناپاک خیالات کی تشنیع فرماتے اور اُن لوگوں سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ چوتھا فرقہ غلات شیعہ ہیں۔ یہی ابن سبا کے شاگرد رشید ہیں۔ یہ لوگ امیر المؤمنین علیؓ کی خدائی کے قائل ہیں۔ جب مخلصین شیعہ یعنی اہل سنت وجماعت نے ان لوگوں پر بدلائل و براہین ثابت کر دیا کہ جناب علی مرتضیٰؓ میں بے شمار ایسے آثار و دلائل موجود ہیں جو الوہیت کے منافی اور آپ کی بشریت کو مستلزم ہیں تو بعض غلاۃ نے صریح الوہیت کے عقیدہ سے برگشتہ ہو کر یہ بے ہودہ خیال پیدا کر لیا کہ روح لاہوتی نے جناب علی مرتضیٰ کے بدن ناسوتی میں حلول کیا ہے۔ [عہ]

باب ۳۵۔ اصغر بن ابو الحسین تغلبی

اصغر بن ابو الحسین تغلبی راس عین کا رہنے والا تھا۔ جو حرّان اور نصیبین کے درمیان ایک شہر ہے۔ اس نے ۴۳۹ھ میں نبوت کا دعوے کیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ کتابوں میں جس موعود کے آنے کی پیشین گوئی ہے وہ میں ہی ہوں۔ اس سے اس کی مراد غالباً مسیح موعود ہو گی۔ اصغر نے دعوائے نبوّت کے بعد طرح طرح کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا چاہا۔ بے شمار جہلا اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہو گئے۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو دل میں ملک گیری کا شوق سر سرایا اور حرب و ضرب کی طیاریوں میں مصروف ہؤا۔ اصغر سے پہلے جتنے جھوٹے مدعی گزرے وہ اپنی حربی قوّت کو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام ہی کے خلاف استعمال کرتے رہے۔ لیکن اصغر نے اپنے پیش رووں کا طریقہ چھوڑ کر اپنی سرگرمیوں

عہ تحفۂ اثنا عشریہ ص ۴-۷

کا رُخ نصاریٰ کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اس کا لشکر بڑے تزک و احتشام سے رومیوں کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ روم کی سرحد پر بڑی گھمسان لڑائی ہوئی جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اصفر بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ اور اس کی عظمت کا جھنڈا بڑی شان و شوکت سے اڑنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اصفر نے نصاریٰ کے خلاف پھر عَلَمِ عربدہ جوئی بلند کیا۔ اور رومیوں کو منہزم کر کے واپس آیا۔ کچھ دن کے فصل سے پھر عنانِ عزیمت رُوم کی طرف موڑی اور رومیوں کو پامال کر کے اتنے مال غنیمت کے ساتھ مراجعت کی کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس کی فوج اس کثرت سے رومی عورتوں کو قید کر لائی کہ اس کے لشکر میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہوئیں۔ جب شاہ روم نے دیکھا کہ اصفر ہر مرتبہ چُپ چاپ روم پر آ چڑھتا ہے۔ اور اس سے پیشتر کہ مدافعت کے لئے کوئی زبردست فوجی اجتماع عمل میں لایا جا سکے سرحدی شہروں کو تاخت و تاراج کر جاتا ہے تو اس نے نصر الدولہ بن مروان حاکمِ دیار بکر و میافارقین کے پاس یہ پیام بھیجا کہ تم سے ہمارے مراسم اتحاد استوار تھے۔ لیکن اصفر نے تمہاری مملکت میں رہ کر کئی مرتبہ خونریزانہ اقدام کیا ہے اور جو جو ستیزہ کاریاں اور ظلم آرائیاں کی ہیں وہ تم سے مخفی نہیں ہیں۔ اگر تم پیمانِ مودت و اتحاد سے دست بردار ہو چکے ہو تو ہمیں اس سے مطلع کر دو تاکہ ہم بھی اپنی صوابدید پر عمل کریں۔ ورنہ اس شخص کا کچھ تدارک کرو۔" جس وقت شاہ روم کا ایلچی نصر الدولہ کے پاس پہنچا تو اتفاق سے ٹھیک اسی وقت اصفر کا قاصد بھی ایک خط لے کر نصر الدولہ کے پاس آیا جس میں رومیوں کے خلاف اس کے ترکِ غزا پر اعتراض کیا تھا۔ نصر الدولہ نے دیکھا کہ اگر رومیوں کی شکایت کا کوئی مداوا نہ ہوا تو وہ اس کی مملکت پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس کے علاوہ از راہ مآل اندیشی اس مسئلہ پر بھی غور کرنے لگا کہ اگر ابھی سے اصفری فتنہ کا سدِ باب نہ کیا گیا تو یہی شخص جو آج رومیوں کو پریشان کر رہا ہے کل کو ہمارے گلے کا ہار ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر بنو نمیر کے چند آدمیوں کو بلایا اور انعامات وافرہ سے ممنونِ احسان کر کے کہنے لگا کہ اصفر نے رومیوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کر دیا ہے۔ اور ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس لئے جس طرح بن پڑے اس کو جا کر ٹھکانے لگا دو۔ یا زندہ گرفتار کر لاؤ۔" بنو نمیر کے جوان اصفر کے پاس جا کر اس کے مریدوں میں داخل ہو گئے۔ اور جانشینی اختیار کر کے تھوڑی ہی مدت میں غیر معمولی تقرب حاصل کر لیا۔ ایک مرتبہ اصفر سوار ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں بنو نمیر کے جوانوں کے سوا اس کے ساتھ کوئی اور شخص نہ تھا۔ انہوں نے موقع پا کر اس کو گرفتار کر لیا اور پابجولاں نصر الدولہ کے پاس لے آئے۔ نصر الدولہ نے اس کو زندانِ بلا میں ڈال کر شاہ روم کو اس کی اطلاع دے دی۔[عسہ] اس کے بعد اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ قرینہ یہ ہے کہ حالتِ سجن ہی میں اس سرائے فانی سے منقطع ہو کر دارِ آخرت کو چلا گیا ہو گا۔

باب ۳۶ - ابو عبد اللہ ابن شباس صیمری

سنہ ۵[illegible]ھ میں ایک شخص جسے ابو عبد اللہ ابن شباس کہتے تھے قصبہ صیمرہ میں ظاہر ہوا۔ جو ولایت بصرہ میں ہے خدائی کا مدعی تھا۔ اس کے اباطیل نے نہ صرف عوام کالانعام کو خیرہ سر کر دیا۔ بلکہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ اور صحیح العقل انسان بھی ماؤف الدماغ ہو گئے خصوصاً اہل صیمرہ تو اسی کو (معاذ اللہ) خالق کردگار سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ مرنے

عسہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۹ - ص ۱۸۶

کتاب "المبدء والمآل" میں ابن شباس کے حالات مفصل درج کئے ہیں[1] لیکن افسوس ہے کہ خاکسار راقم الحروف اس کتاب پر دسترس نہ پا سکا۔ غالباً یہ کتاب آج کل بالکل ناپید ہے۔ ابن شباس کا باپ ابو محمد علی بن حسین بغدادی معروف بہ شباس ایک مشہور کبوتر باز تھا جس طرح اسوسی ایٹڈ پریس اوف انڈیا کے نمائندے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں سے خبریں بھیجتے رہتے ہیں اسی طرح ابن شباس کے آدمی بھی تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں موجود تھے۔ جو نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ سے اپنے اپنے شہر کے واقعات لکھ کر ابن شباس کے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے صرف اہم خبریں بھیجتے ہیں۔ لیکن ابن شباس کے گماشتے بالکل غیر اہم امور کی بھی اطلاع دیا کرتے تھے۔ مثلاً جب کوئی شخص ان کے پاس آیا تو انہوں نے جھٹ کاغذ کے ایک پرزہ پر یہ اطلاع لکھ کر کہ فلاں شخص مجھ سے ملنے آیا ہے کسی کبوتر کو اڑا دیا۔ ادھر صیمرہ میں یہ انتظام تھا کہ نامہ بر کبوتر اپنے شہر سے اڑ کر ابن شباس کے مکان کی چھت پر آ بیٹھتے۔ ابن شباس کا ایک خادم وہاں ہر وقت موجود رہتا وہ کبوتر کے پاؤں سے رقعہ کھولتا اور نیچے آ کر چپ چاپ ابن شباس کو دے جاتا۔ اسی طرح سارا دن کبوتروں کی ڈاک لگی رہتی تھی۔ اور ابن شباس دعوائے غیب دانی کے ساتھ دن بھر حاضرین کو بلاد و امصار کی خبریں سنایا کرتا۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اچانک پکار اٹھتا کہ فلاں شہر میں یہ حادثہ رونما ہوا۔ فلاں مقام پر یہ واقعہ پیش آیا۔ چونکہ بعد کو یہ اطلاعیں ہمیشہ صحیح ثابت ہوتی تھیں اس لئے لوگ اس کو علام الغیوب اور رب العلمین یقین کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ ابن شباس کے کسی نمائندہ نے اس کے پاس اپنے شہر سے اطلاع بھیجی کہ فلاں فلاں افراد قبائل میں نزاع ہو گئی ہے۔ ابن شباس متخاصمین کے نام ایک ایک چٹھی لکھ کر نامہ بر کبوتر کے ذریعہ سے اپنے نمائندہ کے پاس بھیج دیتا ان چٹھیوں میں لکھا ہوتا تھا کہ تم لوگ آپس میں مصالحت کر لو۔ ورنہ تم پر میرا صاعقۂ غذاب نازل ہوگا۔ ابن شباس کا نمائندہ یہ چٹھیاں متخاصمین کے پاس پہنچا دیتا۔ وہ اپنے خانہ ساز خدا کا فرمان پڑھ کر مرعوب ہو جاتے۔ اور یہ خیال کر کے کہ اگر اپنے "خالق و رازق" کا امتثال امر نہ کریں گے تو ہلاک و برباد ہو جائیں گے آپس میں صفائی کر لیتے۔ مگر معلوم نہیں کہ کسی مسلمان حکمران کی شمشیر خارا شگاف نے اس کی خدائی کا خاتمہ کیا تھا یا نہیں؟

باب ۷۳۔ حسن بن صبّاح حمیری

فصل ۱۔ ابن صبّاح کے ابتدائی حالات

حسن بن صبّاح جو مہبطِ وحی ہونے اور خدائے برتر سے احکام پانے کا مدعی تھا ایک ایسے خوفناک فرقہ کا بانی ہے جس کی خفیہ سازشوں اور جاں ستانیوں کا تصور بدن پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ یہ شخص شہر طوس میں جو علاقہ خراسان میں ہے پیدا ہوا۔ اس کا باپ علی اسماعیلی مذہب کا پیرو اور شہر رَے میں بود و باش رکھتا تھا۔ جو عراق عجم کا ایک شہر ہے۔ علی کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صبّاح حمیری۔ چونکہ حسن کا مورث اعلیٰ صبّاح ایک مشہور آدمی ہو گزرا تھا اس

---

[1] معجم البلدان یاقوت حموی جلد ۵ ص ۴۰۷ [2] کتاب الدعاۃ مطبوعہ مصر ص ۲۷ - ۲۸

لئے اس نے حسن بن علی کہلانے کے بجائے حسن بن صباح کہلانا پسند کیا۔ حسن کا باپ علی بڑا شریر اور عیار آدمی تھا۔ ان ایام میں رَے کی حکومت ابو مسلم رازی کے ہاتھ میں تھی جو ایک نہایت سلیم الفطرت اور متدین حاکم تھا۔ چونکہ علی اپنے خبث باطن اور رفض و زندقہ میں بدنام تھا۔ ابو مسلم رازی کو جو فرقۂ حقّۂ اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا اس سے نفرت تھی۔ اور علی ہر وقت ابو مسلم کے سامنے اپنے عقاید کی صفائی ظاہر کرتا اور جھوٹی قسمیں کھا کر اسے یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتا کہ میں ایک صحیح العقیدہ مسلمان اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا پیرو ہوں۔ ان ایام میں اہل سُنّت و جماعت کے ایک بڑے عالم امام مُوَفّق نیشاپور میں مسندِ درس و افاضہ پر متمکن تھے اور اطراف و اکناف ملک کے لوگ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر چشمۂ علوم و فنون سے سیراب ہو رہے تھے۔ علی نے اپنے رفض و الحاد کا الزام دُور کرنے کے لئے اپنے بیٹے حسن کو نیشاپور لے جا کر امام مُوَفّق کے درس میں داخل کرا دیا۔ حسن اس سے پیشتر کئی سال تک عبدالملک بن عطاش نام ایک اسماعیلی سے تحصیل علم کرتا رہا تھا۔ امام مُوَفّق کی تعلیم و تربیت میں خدائے برتر نے یہ خوبی رکھی تھی کہ ان کے شاگرد عموماً کسی نہ کسی درجہ پر پہنچ جایا کرتے تھے اور یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ امام مُوَفّق کا تلمذ جاہ و حشم کا ضامن ہے۔

مکتب کا معاہدہ خواجہ حسن طوسی (جو بعد کو سلجوقی سلطنت کا وزیر اعظم ہو کر نظام الملک کے لقب سے ممتاز ہوا) اور حکیم عمر خیام نیشاپوری بھی حسن بن صباح کے ہم درس تھے۔ ان تینوں میں باہم بڑی الفت تھی۔ تینوں ایک ساتھ رہتے اور باہم مل کر سبق کی تکرار کیا کرتے تھے۔ ایک دن حسن بن صباح اپنے دوستوں سے کہنے لگا "یہ مشہور بات ہے کہ امام مُوَفّق کے شاگرد بڑے رتبہ پر پہونچتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہم تینوں جاہ و دولت کے مرتبہ پر نہ پہونچیں تو ہم میں سے ایک نہ ایک ضرور پہونچے گا اس لئے آپس میں عہد کریں کہ ہم میں سے حق تعالیٰ جس کو معزز و با مراد کرے اور عزت و جاہ کے درجہ پر پہنچائے وہ اپنے دونوں رفیقوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی معاملہ میں اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح نہ دے۔" تینوں نے یہ معاہدہ بڑی گرمجوشی سے قبول کیا اور باہم عہد و پیمان ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد یہ رفقاء فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے چلے گئے۔ حسن بن صباح اپنے باپ کے پاس رَے پہنچا۔ تھوڑے دن کے بعد ابو مسلم کو معلوم ہُوا کہ ابن صبّاح کے پاس مصر کے عُبیدی فرمانرواؤں کے داعیوں کی ایک جماعت آئی تھی۔ ابو مسلم نے ابن صباح کی گرفتاری کا حکم دیا۔ پولیس نے بہتیری تلاش کی لیکن اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ ابو مسلم نے بطریق فراست فرمایا کہ یہ شخص عنقریب ضعفائے عوام کو گمراہ کرے گا۔[1] چنانچہ آگے چل کر ناظرین کرام کو معلوم ہو گا کہ یہ پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ نیشاپور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہر شخص قسمت آزمائی کے میدانِ وسیع میں نکل کر سمند تدبیر پر سوار ہُوا۔ خواجہ حسن بمقام مَرو سلطان ملک شاہ کے دادا چغری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا اور رسائی حاصل کر کے ترقی کے زینے طے کرتے کرتے سلجوقیوں کا وزیر اعظم ہو گیا۔ اس طرح دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ ہاتھ میں رکھ کر نظام الملک طوسی کے معزز لقب سے دنیا میں چمکا۔

سلاطین آل سلجوق چونکہ اکثر احباب تاریخ آل سلجوق سے ناآشنا ہیں اس لئے یہاں مختصراً یہ بتا دینا ضرور ہے کہ سلجوقیوں کا عہد حکومت مسلمانوں کے نہایت عروج و اقبال کا زمانہ تھا۔ چنانچہ جب خلافت بغداد کا ڈھیر ڈھیلا پڑ گیا تو دولت

---

[1] دبستانِ مذاہب ص ۳۸۶، ابن اثیر جلد ۹ ص ۱۰۹-۱۱۰

سلجوقیہ ہی خلافت بنی عباس کا نعم البدل ثابت ہوئی۔ خاندان مذکور سلجوق بن یکاک کی نسل سے تھا۔ سلجوق مسلمان ہونے سے پہلے خان ترکستان کے ہاں نوکر تھا۔ خدمت ترک کر کے بخارا گیا۔ جہاں اس نے اور اس کی تمام آل و احفاد نے خلوص دل سے اسلام قبول کیا۔ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے ہی ان کندۂ ناتراش، وحشی اور غیر مہذب ترکوں کی کایا پلٹ گئی۔ گنوار عرصۂ تہذیب و شائستگی کے شہسوار بن گئے اور خانہ بدوشی مدنیت سے بدل گئی لیکن جس طرح اسلام نے ان کو نعمت ایمان سے مستسعد کر کے اور تہذیب و سلیقہ شعاری کے تخت پر بٹھا کر ان پر احسان کیا اسی طرح خود اسلام کو بھی اپنے ان حدیث العہد پیروؤں کے وجود سے بڑا فائدہ پہنچا۔ خدائے قدوس اپنے دین کا خود حافظ و ناصر ہے۔ توحید و رسالت کا اقرار کرنے کے بعد ہی اس ذات بے ہمتا نے ان نومسلم ترکوں کو وہ قوت و سطوت عطا کی کہ انہوں نے اسلام کی کشتی کو جو تباہی کے ساحل پر پہنچ رہی تھی غرق ہونے سے بچا لیا۔ آل سلجوق برق و باد کی سی تیزی کے ساتھ بڑھے اور ایران، الجزیرہ، شام اور ایشیا کوچک پر چھا گئے۔ جس ملک نے ان کی مزاحمت کی اسے تاراج کر ڈالا اور جس سلطنت سے مڈبھیڑ ہوئی اسے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس سیل فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی ایشیا جہاں خلافت آل عباس کی کمزوری کے باعث ایک قسم کی طوائف الملوکی پھیل گئی تھی افغانستان کی مغربی سرحد سے لے کر بحیرہ روم تک از سر نو واحد بادشاہ کے قبضۂ اقتدار میں آ گیا۔ جو اجزائے سلطنت بکھر گئے تھے وہ ایک مرتبہ پھر ایک رشتہ میں منسلک ہو گئے۔ انہی ترک جنگجوؤں نے یورپ کی پیش قدمی کو روکا۔ اور صلیبی مجاہدوں کی ہزیمتوں اور ناکامیوں کا باعث بھی بہ نسبت کسی اور سلطنت کے زیادہ تر یہی پرجوش نومسلم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلاجقہ کو تاریخ اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ طغرل بیگ محمد اور جعفر بیگ داؤد دونوں سلجوق کے پوتے تھے۔ چونکہ دونوں بھائیوں میں بے حد محبت تھی اور دونو کامل اتحاد کے ساتھ مہام سلطنت کو سرانجام دیتے تھے اس لئے دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ لیکن اخیر دور حکومت میں انتظاماً جعفر بیگ نے مرو (ترکستان) کو اور طغرل بیگ نے نیشاپور (خراسان) کو اپنا اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ جن حضرات کو تاریخ آل عباس پر عبور ہے وہ جانتے ہیں کہ جب ۴۵۰ھ میں بساسیری نے بغداد پر حملہ کر کے خلیفہ قائم بامر اللہ کو قید کر لیا تھا تو خلیفہ نے طغرل بیگ سلجوقی سے مدد مانگی تھی۔ طغرل بیگ نے بساسیری پر یورش کر کے اس کو شکست دی۔ خلیفہ کو قید محن سے چھڑایا۔ اور بساسیری کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بغداد بھیج دیا۔ اس واقعہ کے چار سال بعد خلیفہ قائم نے اپنی بیٹی کی شادی طغرل بیگ سے کر دی حالانکہ اس سے پیشتر کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ کوئی عباسیہ کسی غیر سے بیاہی گئی ہو حتیٰ کہ بنی بویہ کو بھی اس کی آرزو ہی رہی مگر ان کی آرزو کبھی پوری نہ ہو سکی۔

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ طغرل بیگ سب سے پہلا شخص ہے جو بغداد میں برسر منبر سلطان کے لقب سے پکارا گیا اور اور اسے وہ قوت و شوکت حاصل ہوئی جو کسی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس بادشاہ نے نصاریٰ کے اکثر بلاد فتح کئے اور نظام الملک جیسے فقیہ و محدث کو اپنا وزیر بنایا۔ جس نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔

طغرل بیگ، الپ ارسلان اور ملک شاہ میں سے ہر ایک بذات واحد اپنی وسیع سلطنت پر مدت تک حکمران رہے لیکن ملک شاہ کے انتقال پر اس کے دو بیٹوں محمد اور برکیارق میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلجوقیوں کی متعدد شاخوں نے اس وسیع و عریض سلطنت کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم کر لیں چنانچہ

نیشاپور اور مرو کے علاوہ اس خاندان کے گیارہ بادشاہ کرمان میں، پانچ تاجدار شام میں، نو فرمانروا عراق و کردستان میں اور انیس ملوک ایشیائے کوچک میں سنہ ھ تک نہایت شان و شوکت سے حکمرانی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فضائے روم میں ترکان آل عثمان کا پرغرور جھنڈا لہرایا۔ اور سلجوقی اقبال کے نقش مٹ کر حکومت کے بعض حصے عثمانی علم اقبال میں آ گئے۔

حکیم عمر خیام حکیم عمر خیام نیشاپوری جو ایران کا ایک نامور مہندس، ایک زبردست فلسفی اور نہایت بلند پایہ فلسفی شاعر اور مؤرخ گزرا ہے اور جس کی مقبول عالم فارسی رباعیات یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں قوم کا جولاہا تھا اور جامہ بافی اس کا خاندانی پیشہ تھا۔ چنانچہ خاقانی نے جو حکیم عمر خیام کا برادر زادہ ہے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد نورباف تھے۔ لیکن بعض روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حکیم عمر کے باپ عثمان نے بافندگی کا پیشہ ترک کر کے خیمہ دوزی اختیار کر لی تھی۔ اسی وجہ سے وہ خیام مشہور ہو گیا۔ اور گو حکیم عمر کی جودت طبع اور جوہر خداداد نے اسے ایک دن بھی جامہ بافی یا خیمہ دوزی میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں دی تاہم اس نے اپنے باپ کے حرفہ کا لحاظ کرتے ہوئے اپنا تخلص خیام یعنی خیمہ دوز رکھ لیا تھا۔

نظام الملک وزیر اعظم معاہدۂ طفلی کے کوئی بیس بائیس برس بعد خواجہ نظام الملک طوسی سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا مستقل وزیر اعظم ہو گیا۔ جب اس کی وزارت کا شہرہ ایران میں پھیلا تو اس کے رفقاء اور ملاقاتی اکناف ملک سے اس کے پاس آنے لگے۔ حکیم عمر اس وقت تک بیکار گھر پر پڑا تھا۔ اسے نظام الملک سے عہد طفولیت کا عہد و پیمان یاد آیا چنانچہ وہ بھی نظام الملک کی ملاقات کے لئے مرو پہنچا۔ خواجہ نظام الملک بڑے تپاک سے ملا اور دل میں ایفائے عہد کا پختہ ارادہ کر لیا۔ آخر ایک موقع پر حکیم سے کہا کہ آپ صاحب فضل و کمال ہیں اس لئے آپ کو بھی سلطان کی ملازمت اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ امام موفق کے درسگاہ میں ہمارا جو معاہدہ ہوا تھا اس کے رُو سے میرے منصب میں تمہیں بھی باہم شریک کار ہونا چاہیئے۔ میں تمہارا فضل و درایت اس طرح بادشاہ کے ذہن نشین کر دوں گا کہ آپ بھی میری طرح رکن سلطنت اور بادشاہ کے معتمد علیہ ہو جائیں گے۔" اس کے جواب میں حکیم نے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ آپ کی کریم النفسی اور بلندی فطرت پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ یہ خاکسار اس اعزاز و اکرام کا کہاں اہل ہے۔ جو وزیر اعظم کی طرف سے عمل میں آیا؟ میں آپ کے احسانات سے گراں بار ہو رہا ہوں۔ اور اگر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں تو اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جس منصب جلیل کے لئے ارشاد ہوا وہ خاکسار کے مناسب حال نہیں ہے۔ ہاں آپ کی عنایت و التفات سے یہ چاہتا ہوں کہ گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر علمی تحقیقات میں مشغول رہوں اور آپ کی ترقی عمر و دولت کے لئے دست بدعا رہوں۔" نظام الملک نے اس یقین کے بعد کہ حکیم جو کچھ کہہ رہا ہے تکلف و تصنع سے پاک ہے اس کے لئے خزانۂ عامرہ سے بارہ سو مثقال سونا (جس کی قیمت آج کل کے حساب سے قریباً سولہ ہزار روپیہ ہوتی ہے) سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور حکیم نیشاپور کو رخصت ہوا۔

جب حکیم عمر خیام اپنے رفیق مکتب کی فیاضی کی بدولت فکر معاش سے مطمئن ہو گیا تو وطن مالوف پہنچ کر علمی تحقیقات میں مصروف ہوا اور چند سال کی محنت شاقہ کے بعد جبر و مقابلہ میں ایک بے مثل کتاب تصنیف کی۔ اور اظہار عقیدت

وتشکر یہ کے لئے اس کتاب کو خواجہ نظام الملک کے نام نامی سے معنون کیا۔ اس کے کچھ مدت بعد ایک اور کتاب علم المساحۃ والمکعبات میں اور پھر اقلیدس کے بعض نہایت مہتم بالشان مسائل کے حل میں ایک بے بہا تصنیف زیب رقم کی۔ ان مصنّفات نے حکیم کو سارے ایران کی آنکھ کا تارہ بنا دیا۔ اور اب سے وہ خراسان میں بوعلی سینا کا ہمسر سمجھا جانے لگا۔ خواجہ نظام الملک عمر خیام کے علمی مصنّفات کا مطالعہ کر کے نہایت محفوظ ہو۔ اور ایک موقع پر بسبیل تذکرہ سلطان ملک شاہ سے خیام کے علم وفضل کا تذکرہ کیا۔ ملک شاہ ارباب علم اور اہل نظر کا قدردان تھا۔ خواجہ کو حکم دیا کہ خیام نیشاپور سے طلب کیا جائے چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور دار السلطنت میں حکیم کو اصلاح تقویم کا دفتر سپرد کیا گیا۔ اس نامور مہندس نے تقویم میں جو جو اصلاحیں کیں اور نیز اس کے ذاتی حالات چونکہ موضوع کتاب سے خارج ہیں اس لئے انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

حسن صباح اور نظام الملک

جب حسن صباح مدرسہ میں ہم مکتبوں سے عہد وپیمان کر کے باہر نکلا تو کچھ مدت تک معاش کی خاطر ملک کے مختلف مقامات میں غریب الوطنی کی خاک چھانتا پھرا مگر کسی جگہ کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور نہ کوئی ایسا مشغلہ سمجھ میں آیا جو اس کی اولو العزمیوں کا کفیل ہو۔ آخر سخت حرمان ویاس کے عالم میں اپنے ہم مکتب نظام الملک کی نسبت سُنا کہ وہ خلعت وزارت سے آراستہ ہو کر سلجوقیوں کے سیاہ وسپید کا مالک ہو رہا ہے فوراً وہاں پہنچ کر قسمت آزمائی کی ٹھان لی۔ چنانچہ حسن صباح خواجہ کے پاس ۴۶۵ھ میں نیشاپور آیا۔ نظام الملک نے اس کی خاطر ومدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور بساط میزبانی کو اتنی بلندی پر جا بچھایا کہ اس سے رفیع تر متصوّر نہ تھا۔ ایک دن حسن صباح خواجہ سے کہنے لگا کہ آپ اصحاب یقین اور ارباب تحقیق میں سے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ دنیا ایک متاع قلیل ہے۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ آپ حظوظ فانیہ کے جال میں پھنس کر وعدہ خلافی پر نہ اُتر آئیں اور یَنقُضُونَ عَھدَ اللّٰہِ کے مرتکب ہوں" نظام الملک نے کہا حاشا وکلّا میں نقض عہد نہ کروں گا۔ نہ صرف جاہ ومنصب بلکہ میرے تمام املاک میں بھی تم برابر کے حصہ دار ہو" غرض نظام الملک نے اس کی بادشاہ سے ملاقات کرائی اور اس کی عقل ودانش اور فضل وکمال کی تعریفیں کر کے اسے سلطان ملک شاہ کا معتمد خاص مقرر کرا دیا۔ نظام الملک کی نیک نفسی دیکھو کہ اس نے اپنے عہد کا کس قدر پاس کیا۔ اور عہد بھی ایسا جو مذاق کے طور پر عالم طفلی میں ہم مکتبوں میں ہو گیا تھا جب کہ انسان پر کوئی تکلیف اور ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ نظام الملک نے جو عہدہ ابن صباح کو دلایا وہ اختیار واعتبار میں وزارت سے کم نہ تھا لیکن حسن تو ایسے اختیارات چاہتا تھا جن میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ اس لئے اسے اس بات کی تمنا ہوئی کہ خواجہ نظام الملک اسے کسی طرح اپنی وزارت میں شریک کرے تاکہ موقع پا کر خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم بن جائے۔ لہذا یہ بد سرشت محسن کُشی پر اُتر آیا اور ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہنے لگا کہ کسی طرح نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرا کر خود اوج حشمت پر پہنچ جائے۔

حساب بار برداری

ایک مرتبہ سلطان حلب گیا وہاں ایک قسم کا سنگ رخام پیدا ہوتا تھا جس کے برتن بنائے جاتے تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ پانسو من سنگ رخام اصفہان پہنچایا جائے۔ حلب کے افسر نقل وحمل نے دو عربوں سے جو اونٹوں کے ساتھ اصفہان جا رہے تھے کہا کہ پانسو من سنگ رخام اصفہان لے جاؤ۔ ان میں سے ایک کے چھ اور دوسرے کے چار اونٹ

تھے۔ اُنہوں نے پانسو من پتھر باہم تقسیم کر لیا (وہاں کا من چالیس تولہ آٹھ ماشہ کا ہوتا ہے) لیکن ان دونوں کے اونٹوں پر پہلے بھی پان پانسو من اسباب لدا تھا۔ جب پتھر اصفہان آ گیا تو سلطان نے اس بات پر خوش ہو کر کہ اونٹ والے بہت جلد پتھر لے آئے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیئے۔ اُنہوں نے نظام الملک سے درخواست کی کہ وہ دونوں میں انعام تقسیم کر دے۔ چنانچہ نظام الملک نے چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار دے دیئے۔ جب ابن صباح کو اس تقسیم کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگا کہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں سخت غلطی کی ہے۔ چھ اونٹ والے پر ظلم ہوا ہے۔ کیونکہ اُسے آٹھ سو اور چار اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر سلطان تک پہنچی۔ اس نے نظام الملک کو طلب کیا اور اُسے دیکھ کر مسکرایا۔ اور ابن صباح سے کہا کہ تقسیم انعام کی توجیہ کرو۔ ابن صباح نے کہا کہ جہاں پناہ کُل اونٹ دس ہیں اور کل وزن پندرہ سو من ہے اس لئے ڈیڑھ ڈیڑھ سو من وزن ہر ایک اونٹ کے حصہ میں آیا۔ اب جس کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من لایا جس میں سے سو من اس کا ذاتی اور چار سو من سرکاری ہے اسی طرح جس شخص کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو من لایا۔ جس میں سے پانچ سو من اس کا اپنا اور سو من سرکاری ہے۔ اور ہزار دینار پانسو من کے لئے دیا گیا ہے پس دو سو دینار فی سو من کا صلہ ہوا۔ اس حساب سے چھ اونٹ والے کو آٹھ سو دینار اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہئے۔ سلطان کے دل میں نظام الملک کی بڑی وقعت تھی اور نہ چاہتا تھا کہ وہ ملول اور کبیدہ خاطر ہو۔ اس لئے سلطان نے اس بات کو مذاق میں اڑا دیا لیکن نظام الملک سمجھ گیا کہ ابن صباح کی اس فتح نے سلطان کے دل پر کیا اثر ڈالا ہے؟

دربار شاہی سے اخراج

ایک مرتبہ ابن صباح ارکان سلطنت کے درمیان بیٹھا ہوا مختلف امور پر مبادلہ خیالات کر رہا تھا۔ اس دوران میں کہنے لگا کہ حضرت سلطان المعظم بیس سال سے حکمران ہیں انہیں چاہیئے کہ ممالک محروسہ کے جمع و خرچ سے بھی واقف ہوں۔" یہ آواز شدہ شدہ سلطان ملک شاہ کے کان تک پہنچی۔ اس بنا پر سلطان نے ایک دن نظام الملک سے پوچھا کہ ایک ایسا مکمل چٹھا کتنے دن میں طیار ہو سکتا ہے جس سے تمام سلطنت کے بست سالہ محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے؟ نظام الملک کہنے لگا۔ خداوند نعمت! حضور کی سلطنت کاشغر سے لے کر روم اور مصر تک پھیلی ہوئی ہے اگر میں بڑی کوشش کروں تو دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں۔ حسن ابن صباح حصول تفوق کا یہ موقع غنیمت جان کر کہنے لگا کہ جہاں پناہ میں ایسی فہرست صرف چالیس روز میں پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت اور اس کا تمام عملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ ملک شاہ کو تعجب ہوا اور نظام الملک جس نے اس مار آستین کو خود اپنے آغوش عاطفت میں پالا تھا۔ ابن صباح کی اس محسن کشی اور غداری پر خون جگر کھاتے ہوئے خاموش رہ گیا۔ اور سلطان نے اتفاقاً یہ خدمت ابن صباح کے سپرد کر دی۔ چالیس دن کے بعد حسن تمام مسودات لے کر حاضر دربار ہوا۔ نظام الملک بیچارہ اس وقت عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ ایک کونے میں سہما ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ چٹھا پسند آ گیا تو میں عہدہ وزارت سے معزول کر دیا جاؤں گا۔ ملک شاہ نے مسودات کی ورق گردانی کر کے بعض جزئیات کے متعلق حسن سے سوالات کرنے شروع کئے اور ایسی ایسی موشگافیاں کیں کہ ابن صباح ان کا بالکل جواب نہ دے سکا۔ اور مضطربانہ بادشاہ کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ خواجہ نظام الملک موقع کو غنیمت سمجھ کر آگے بڑھا اور عرض کیا۔ خداوند عالم! انہی مشکلات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس خاکسار نے دو سال کی مدت مانگی تھی۔ اتنی بڑی وسیع و عریض شہنشاہی

کا جمع و خرچ چالیس دن میں صحت کے ساتھ کیونکر مرتب ہو سکتا ہے؟ ملک شاہ جو پہلے بھی ابن صباح کے خلاف متعدد شکایتیں سُن چکا تھا اور اس سے متنفر سا ہو رہا تھا سخت برہم ہوا اور ارادہ کیا کہ اسے زندان کے عبرت گاہ میں بھیج کر اس کی نابہنجاریوں کی قرار واقعی سزا دے مگر نظام الملک کی سفارش سے اتنے ہی پر اکتفا کیا کہ سخت بے آبروئی کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا لیکن سلطان نہیں جانتا تھا کہ یہی شخص آئندہ چل کر اس کے حق میں کس قدر خوفناک دشمن ثابت ہوگا ورنہ اسے مطلق العنان نہ چھوڑ دیتا۔

"دستور الوزراء" میں خواجہ نظام الملک نے خود لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے حقیقت میں بڑا کمال کیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں تمام ممالک محروسہ کا حساب آمد و خرچ مرتب کر لیا۔ مگر چونکہ اس نے از راہ حسد و نقض عہد یہ سب کارروائی کی تھی خدا کے فضل و کرم سے بادشاہ کے سامنے اسے خجلت اٹھانی پڑی۔ اور اگر وہ خدانخواستہ ملک شاہ کو مطمئن اور شاد روح کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو مجھے وزارت سے یقیناً سبکدوش کر دیا جاتا۔" لیکن دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الملک نے کسی ترکیب سے حسن بن صباح کے یہاں سے کاغذات منگا کر اوراق کو بے ترتیب کر دیا تھا۔ اور صاحب تذکرہ دولت شاہی کا بیان ہے کہ نظام الملک کے رکابدار نے حسن بن صباح کے نوکر کو گانٹھ کر حساب کے اوراق منتشر کرا دیئے تھے یہی وجہ تھی کہ ابن صباح سلطان کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکا۔

ابن صباح مصر میں حسن ابن صباح کا سلجوقی دربار سے ذلت آمیز اخراج گو اس کے لئے نہایت ہمت شکن تھا لیکن حقیقت میں یہی واقعہ اس کی آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ تھا۔ ہر چند کہ ابن صباح کی رقیبانہ حوصلہ مندیوں نے اسے نظام الملک کے مقابلہ میں سخت ذلیل کیا لیکن اس واقعہ نے اس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا۔ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور سلطان ملک شاہ اور نظام الملک کے خوف سے اپنے دوست ابو الفضل اصفہانی کے مکان پر پناہ گزین ہوا ابو الفضل نے میزبانی کا حق ادا کیا اور اس کی دلجوئی اور مدارات میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو میں ابن صباح ابو الفضل سے کہنے لگا اگر مجھے دو موافق دوست مل جائیں تو ابھی اس ترک (ملک شاہ) کی سلطنت اور اس کے وزیر کی وزارت کا خاتمہ کر دوں۔" ابو الفضل سمجھا کہ میرے دوست کو سفر کی صعوبتیں اٹھاتے کسی قدر مالیخولیا ہو گیا ہے۔ دستر خوان پر ایسی غیر معمولی چرب غذائیں لانے کا حکم دیا کہ جن سے دل و دماغ کو تقویت پہنچے۔ ابن صباح اپنے دوست کا مطلب تاڑ گیا اور اصفہان سے چلتا بنا۔ حسن اصفہان سے نکل کر عازم رَے ہوا۔ رَے پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اسمٰعیلی مذہب کا داعی الکبیر یہیں رہتا ہے جو اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مبلغ نوکر رکھتا اور اطراف و اکناف ملک میں بھیجتا ہے۔ داعی الکبیر سے مل کر درخواست کی کہ مجھے تبلیغ کی خدمت مفوض فرمائی جائے۔ داعی الکبیر نے اسے ذی استعداد دیکھ کر اس خدمت پر مامور کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد داعی الکبیر نے اس کو مصر بھیجا۔ وہاں ان دنوں عُبیدیوں کی سلطنت تھی جو بظاہر اسمٰعیلی اور در پردہ باطنی تھے۔ حسن کی وہاں بہت قدر و منزلت ہوئی۔

مصر سے اخراج لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں ایک سازش میں ملوث پایا گیا اس بنا پر امیر الجیوش نے اس کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اسی دن قلعہ کا ایک نہایت مضبوط برج گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو حسن کے باطنی تصرف پر محمول کیا۔

ع۵ دبستان مذاہب ص ۲۸۶ – ۲۸۸ سنین اسلام ص ۱۰۴ – ۱۰۸

دیکھ کر امیر الجیوش برافروختہ ہُوا اور اس کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلایا اور افریقیہ کی طرف روانہ کیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا۔ تمام مسافر عالم سراسیمگی میں موت کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن حسن کے چہرہ پر خوف وہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ جہاز کپتان نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ اور مسافر تو طوفان کی وحشت انگیزیوں سے بے اوسان ہو رہے ہیں اور تم بالکل مطمئن بیٹھے ہو؟ حسن نے جواب دیا کہ مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ جہاز کو اور اُسکے مکینوں کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا تھوڑی دیر میں واقعی سمندر پر سکون ہُوا اور طوفان جاتا رہا۔ لوگ حسن کے بڑے گرویدہ ہوئے۔ کپتان بھی بڑا معتقد ہو گیا اور حسن کی خواہش کے بموجب افریقیہ لے جانے کے بجائے اسے ساحل شام پر ہی اُتار دیا۔ حسن نے فی الحقیقت بسوچ کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا تو پھر یہ اعتراض کرنے والا کوئی نہ رہیگا کہ تمہاری پیشین گوئی درست نہ نکلی اور اگر اتفاق سے بچ گئی ہو گئی تو اپنے تعلق باللہ کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ جہاز سے اُتر کر وہ حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہُوا اصفہان پہنچا اور ان تمام بلاد وامصار میں اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا۔

شاہ دِز اور بعض دُوسرے قلعوں پر باطنیوں کا قبضہ

اس اثنا میں حسن بن صباح کا اُستاد زادہ اور بعض دوسرے باطنی چند مضبوط قلعوں پر قابض ہو گئے یہ لوگ سب سے پہلے جس قلعہ پر متصرف ہوئے وہ فارس کے قریب تھا۔ جب یہاں ان کی جمعیت بڑھنے لگی تو انہوں نے قافلوں کو لوٹنا شروع کیا۔ چند ہی روز میں ان کی چیرہ دستیاں ان اطراف میں عام ہو گئیں۔ پھر باطنیوں نے قلعہ اصفہان کو دبا لیا۔ اس قلعہ کو شاہ دِز کہتے تھے۔ اسے سلطان ملک شاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ احمد بن عطاش باطنی نے حاکم قلعہ سے جو سلطان ملک شاہ کی طرف سے وہاں متعین تھا غیر معمولی راہ ورسم پیدا کی اور اسی کے پاس قلعہ میں رہنے لگا۔ احمد کا باپ عبد الملک بن عطاش ابن صباح کا اُستاد اور فرقہ باطنیہ کا پیشوا تھا۔ باطنیہ کے دل میں احمد کی اس کے باپ کی وجہ سے بڑی عزت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے بہت سا روپیہ جمع کر کے اس کی نذر کیا تھا اور نہایت گرمجوشی سے اپنا مقتدا بنایا تھا۔ احمد اپنی نمایاں خدمات کی وجہ سے والیٔ قلعہ کی آنکھوں میں اس قدر عزیز و محترم ہُوا کہ اس نے اس کو تمام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ جب حاکم قلعہ کا انتقال ہُوا تو احمد بن عطاش قلعہ شاہ دِز کا والی ہو گیا۔ اس نے وہاں عمل و دخل کرتے ہی اپنے تمام ہم مذہب جنہیں حکومت نے اس جگہ قید کر رکھا تھا رہا کر دیئے۔ ان لوگوں کی آزادی کے بعد ملک کا امن وامان مفقود ہو گیا قافلے دن دہاڑے لٹنے لگے

فصل ۲۔ ابن صبّاح کی سیاسی سرگرمیاں

قلعۂ الموت

حسن بن صبّاح نے اصفہان آنے کے بعد اپنے چند سنّاد اس غرض سے قلعہ الموت کی طرف بھیج دیئے تھے کہ اس کے گرد ونواح میں اسمٰعیلی مذہب کا نشر یہ کریں۔ قلعہ الموت (بروزن جبروت) شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقع ہے اور یہ علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ الموت کی وجہ تسمیہ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ دیلمی سلاطین میں سے کسی نے شکار کے لئے عقاب اڑایا تھا۔ عقاب شکار مار کر بہت بڑی بلندی پر جا گرا۔ جب بادشاہ اور اس کے مصاحب شکار کے تعاقب میں اوپر چڑھے تو اس کو ایک نہایت موزوں اور محفوظ مقام سمجھ کر یہاں ایک عالیشان قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام آلہ موت رکھا جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا۔ دیلمی زبان میں آلہ موت کے معنی "عقاب کی تعلیم گاہ" کے ہیں۔

ت پر قبضہ

اسماعیلی منادقلعہ المُوت کے چاروں طرف نہایت زبردست نشر پر کر رہے تھے اور خود حسن باج الموت کے قریب قیام کرکے لوگوں کے دلوں پر اپنے ریاکارانہ زہدو اتقاء کا سکہ جما رہا تھا۔ ان کوششوں کے صدقہ میں بہت سے لوگ حسن کے تابع و منقاد ہو گئے۔ ہزارہا آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بعیت کی۔ جب حسن کی جمعیت زیادہ ترقی پذیر ہوئی تو حاکم علاقہ اس سے بہت متردد ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت قلعہ سے ایک دستۂ فوج نکلا اور رات کی تاریکی میں اچانک حسن کو زیر حراست کرکے قلعہ میں لے گیا۔ لیکن ابن صبّاح قلعہ میں داخل ہونے کے بعد ایک ایسی چال چلا کہ حاکم علاقہ جسے مہدی علوی کہتے تھے۔ قلعہ المُوت سے بالکل بے دخل ہو گیا۔ یہ سرزمین جعفری نام ایک امیر کے زیر حکومت تھی جس نے ایک علوی کو اپنی نیابت پر سرفراز کر رکھا تھا۔ ابن صباح علوی سے کہنے لگا کہ میرے نزدیک دوسرے شخص کی مملوکہ زمین میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام گوشۂ عافیت میں واقع ہونے کی وجہ سے مجھے بہت مرغوب ہے۔ اس لئے درخواست ہے کہ عبادت الٰہی کے لئے اس قلعہ کی صرف اتنی زمین میرے نام پر بیع کردو جس پر بیل کا ایک چرسہ محیط ہو سکے۔ میں اس کے لئے تین ہزار دینار سُرخ آپ کی نذر کر سکتا ہوں۔" وہ شخص طمع نفسانی سے فریب میں آگیا اور یہ دیکھ کر کہ نہایت نفع بخش سودا ہے اور اتنی سی زمین دے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بیعنامہ کی تکمیل کردی۔ حسن نے بیل کی ایک کھال منگوا کر اس کی نہایت باریک دھجیاں اور تسمے کاٹ کر ان کو باہم جوڑ دیا اور اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ جس نے سارے قلعہ کو احاطہ میں لے لیا۔ قلعہ دار یہ پیمائش دیکھ کر حیرت زدہ ہوا اور کہنے لگا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں نے صرف نماز کا مصلیٰ بچھانے کی خاطر صرف اتنی زمین فروخت کی ہے جو ایک چرسہ کے اندر آجائے۔" حسن نے کہا کہ نہیں چرسہ سے یہی مراد تھی کہ جس شکل میں بھی چرسہ جتنی جگہ پر محیط ہو سکے وہ سب اس بیع میں داخل ہے۔" اس کے بعد کہنے لگا کہ میں کوئی ایسا احمق نہیں تھا کہ گز ڈیڑھ گز جگہ کے لئے تین ہزار دینار زر سُرخ دینے کو طیار ہوتا۔" قلعہ گیر فوج کے بہت سے سپاہی جو در پردہ حسن کے مرید ہو چکے تھے تائید کے لئے کھڑے ہو گئے اور قلعہ دار سے کہنے لگے اتنی بڑی بزرگ ہستی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آپ نے یقیناً اتنی رقم میں سارے قلعہ کا سودا کیا ہو گا۔" الغرض مہدی علوی کو بادل ناخواستہ خاموش ہونا پڑا۔ اب زرثمن کے لئے حسن نے اپنے ایک مرید مظفر نام کو جو دامغان کا حاکم اور در پردہ باطنی تھا لکھ بھیجا کہ میں نے یہ قلعہ مہدی علوی سے تین ہزار دینار میں خرید لیا ہے۔ آپ مہدی کو تین ہزار دینار دے دیجئے۔" چنانچہ مظفر نے قیمت ادا کردی اور مظفر اور حسن کے دوسرے مریدوں کی کوشش سے قلعہ خالی کرا لیا گیا۔ مہدی کے اس چکمہ میں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ مہدی حسن کے خیالات معلوم کرنے کے لئے باتوں ہی باتوں میں کہنے لگا کہ شرع میں بوقت ضرورت حیلہ کرنا جائز ہے۔ حسن نے جواب دیا کہ شریعت مصطفوی علیہ التحیہ والسلام کا مدار راستی پر ہے اس لئے حیلہ حالات مجبوری میں بھی جائز نہیں اور جو لوگ شریعت میں حیلہ کرتے ہیں حق تعالےٰ انہیں قیامت کے دن اسی طرح مبتلائے محن کرے گا جس طرح دوسرے مجرم کیفر کردار کو پہنچیں گے۔" اس اظہار خیال کی بنا پر مہدی کو حسن کی طرف سے پوری طرح اطمینان تھا کہ اس کے مزاج میں کسی قسم کے شر اور حیلہ و فریب کو دخل نہیں[۱] حالانکہ حسن نے یہ اظہار خیال محض ریاکارانہ اور مہدی کو دام فریب میں پھانسنے

---

[۱] دبستان مذاہب ص ۲۹۰

کی غرض سے کیا گیا تھا۔ جب ابن صباح کو الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا تو اس نے صوبۂ رودبار اور قزوین میں بڑے استقلال سے اپنے مذہبی خیالات کی تبلیغ شروع کی۔ اس صوبہ کے بہت سے لوگ بطیب خاطر اور بہت سے جبراً و قہراً داخل مذہب کئے گئے اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبۂ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت قائم ہو گئی۔ حسن نے قرب و جوار کے بے مصرف قلعوں کو درست کرایا۔ بعض مقامات پر جدید قلعے تعمیر کرائے۔ قلعہ الموت کو بحیثیت مستقر حکومت خوب مستحکم کیا۔ اور اس کے چاروں طرف عالیشان محل تعمیر کرائے اور باغات لگوائے۔

ابن صباح کی جنت قلعۂ الموت اور اس کے گردوپیش میں قوت و استقلال حاصل کر لینے کے بعد ابن صباح پر ہر وقت یہ دُھن سوار تھی کہ کسی طرح سلطان ملک شاہ اور (اپنے محسن) نظام الملک طوسی کا قلع قمع کرے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچتا تھا کہ ایسے جلیل القدر دشمنوں کا استیصال عام مادی اسباب کے ذریعہ سے بالکل محال ہے۔ اس لئے بہت دن تک کسی ایسی تدبیر پر غور کرتا رہا جو حصول مقصد کی کفیل ہو۔ چنانچہ اس نے جانبازوں کی ایک جماعت طیار کی اور اپنے دعاۃ کے ذریعہ سے ان کی لوح دل پر یہ بات مرتسم کرادی۔ کہ شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح تمام دنیا کا مالک اور دارو نیا میں بڑا قادر و متصرف اور فعال لما یرید ہے۔ اس تعلیم و تلقین کے علاوہ اس نے ایک ایسی تدبیر کی جس کی وجہ سے اس جماعت کو جان سپاری پر آمادہ کرنا بالکل چٹکی بجانے کا کام تھا۔ اس نے قلعہ الموت کے اردگرد نظر فریب مرغزاروں اور جان بخش نزہت گاہوں میں نہایت خوبصورت محل، برج اور کوشکیں تعمیر کرائیں۔ عالیشان محلات کی پاکیزگی اور خوشنمائی، باغوں اور مرغزاروں کی نزہت و تروتازگی دیکھنے والے کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ ان کے بیچوں بیچ جنت کے نام سے ایک نہایت خوش سواد باغ بنوایا جس میں وہ تمام سامان مہیا کئے جو انسان کے لئے موجب تفریح ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اشیائے ہدیعہ، ہر قسم کے میوہ دار درخت، پھول، چینی کے خوبصورت ظروف، بلوری، طلائی، اور نقرئی سامان، بیش قیمت فرش، فوش یونان کے اسباب تعیشات، پرتکلف سامان خور و نوش، چنگ و چغانہ، نغمہ و سرو۔ جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنوایا۔ نلوں کے ذریعہ سے محلات میں پانی، دودھ، شراب اور شہد جاتا تھا۔ ان سب لذائذ و نعائم کے علاوہ دل بہلانے کے لئے پری تمثال کمسن نازنینیں موجود تھیں۔ ان ماہ وش اچھوتیوں کی سادگی وضع اور ان کے حسن و جمال کی دلربائی معاً دیکھنے والے کو یہ یقین دلاتی تھی کہ یہ عالم سفلی کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ داخلہ کے بعد زائر کے دل پر فرحت و انبساط کا ایسا شیریں اثر پیدا کیا جائے کہ وہ اس فرحت و مسرت کو دنیاوی نہیں بلکہ اخروی یقین کرے۔ یہاں کے حور و غلمان کا تمام کاروبار بالکل رازداری سے انجام پاتا تھا۔ ہر وہ چیز جس کے باہر سے مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اس حسن اسلوب سے فراہم کی جاتی تھی کہ کسی کو کبھی سراغ نہ لگ سکتا تھا۔ حسن نے اپنے مریدوں کو تین جماعتوں پر تقسیم کر رکھا تھا ایک تو داعی و منادی تھے جو دور دراز ممالک میں خفیہ خفیہ لوگوں کو اس کے مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ دوسرے رفیق جن کو حسن کا معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی۔ تیسیر اگروہ فدائیوں کا تھا جس کے لئے یہ جنت بنائی گئی تھی۔ ابن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ کے خوبصورت تندرست اور قوی ہیکل نوجوان جو سادہ لوح ہوتے اور ان میں ہر بیان کے باور کرنے اور جلد ایمان لانے کی صلاحیت نظر آتی فدائیوں کی جماعت میں بھرتی کرتا۔ ان کا عام لباس یہ تھا سفید پوشاک سرخ

دستار اور کمر بند ہاتھ میں تیر یا چھڑی اور کمر میں چھری۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن کے ہر ایک حکم کی بلا عذر آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے تھے بھنگ جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں شاید ان ایام میں ایک غیر معلوم چیز تھی۔ اور غالباً حسن بن صباح ہی پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی سے بھنگ سے وہ کام لیا جو اس سے پہلے شاید کسی نے نہ لیا ہوگا۔ جب فدائی سپاہی امیدواری کا دور ختم کر لیتا تو حسن اسے بھنگ کے اثر سے بیہوش کر کے جنت میں بھجوا دیتا جہاں وہ جان پرور حوروں کی گود میں آنکھ کھولتا۔ اور اپنے آپ کو ایسے عالم میں پاتا جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں شاید بڑے بڑے شاہان عالم کو بھی نصیب نہیں۔ یہاں وہ انواع و اقسام کی نزہت گاہوں کی سیر کرتا۔ حوروں کے حسن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔ ان کی صحبت اس کی جانستانی کرتی۔ ان ماہ وشوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر مئے ارغوانی کے جام اڑاتا۔ اعلےٰ سے اعلیٰ غذائیں اور بہترین قسم کے میوے کھاتا۔ اور ہر طرح کے تعیشات میں محو رہتا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب ان محبت شعار حوروں کی الفت کا نقش اس کے دل پر اتنا گہرا پڑ لیتا کہ پھر مدت العمر کبھی مرٹ نہ سکے تب وہی حوریں بھنگ کا ایک جام پلا کر اسے شیخ الجبل کے پاس بھجوا دیتیں۔ جہاں آنکھ کھول کر وہ اپنے تئیں شیخ کے قدموں پر پاتا۔ اور جنت کے چند روزہ قیام کی خوشگوار یاد اس کو سخت بے چین کر دیتی۔ ابن صباح اس کو جنت میں بھیجے جانے کی پھر امید دلاتا اور کہتا کہ جنت کے دائمی قیام کی لازمی شرط جاں ستانی و جاں سپاری ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کے دل پر یہ گذشتہ حظوظ و لذات کا اثر اتنا مضبوط پڑ چکا تھا اور حوروں کی ہم نشینی کی تصویر ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی وہ حسن کے احکام کی تعمیل میں کس طرح کوتاہی کر سکتا تھا۔ چنانچہ جب ابن صباح کو کسی دشمن کا قتل کرانا منظور ہوتا تھا تو ایک فدائی نوجوان کو حکم دیتا کہ جا فلاں شخص کو قتل کر کے قتل ہو جا۔ مرنے کے بعد فرشتے تجھے جنت میں پہنچا دیں گے۔ فدائی امتثالِ امر میں اپنے ہوصلے سے بڑھ کر سرگرمی اور مستعدی دکھاتا تاکہ کسی طرح جلد جنت میں پہنچ کر وہاں کی مسرتوں سے ہمکنار ہو۔ یہی وہ خطرناک لوگ تھے جن سے خون آشامی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو جس کے قتل کا اشارہ ہوتا وہ وہاں کوئی روپ بھر کر جاتے رسائی اور آشنائی پیدا کرتے۔ اس کے معتمد علیہ بنتے اور موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی وہ فدائی تھے جن کی وجہ سے دنیا بھر کے امراء و سلاطین ابن صباح کے نام سے کانپتے تھے۔ ان کی قساوت قلبی اور خونخواری کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو بلی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت آپے میں نہیں رہتی اور مخالف پر سخت بے جگری کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔ یہی حال فدائیوں کا تھا کہ جس کے قتل کا ایک دفعہ حکم مل جاتا تھا اس کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے تھے۔[1] میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ فدائیوں کے علاوہ ابن صباح کی دو اور جماعتیں بھی تھیں۔ داعی اور رفیق۔ جس طرح فدائیوں کو بلی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ اسی طرح رفیقوں کیلئے بادام شہد اور کلونجی کا ناشتا طیار کرایا جاتا۔ جب یہ چیزیں کھا کر رفیقوں کا دماغ گرما جاتا تو ابن صباح ان سے کہتا کہ حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل بیت پر ایسا ایسا ظلم ہوا ہے۔ پھر ان کو اہل بیت اطہار کی مظلومی کے سچے جھوٹے قصے سنا کر جوش دلایا جاتا۔ اس کے بعد کہا جاتا کہ خارجیوں کے فرقہ ازارقہ نے بنو امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں تو کوئی وجہ نہیں کہ تم برسرحق ہو کر جان دینے میں بخل کرو اور جان پر کھیل کر اپنے امام کی مدد نہ کرو۔ یہ رفیق بھی فدائیوں کی طرح ہر وقت جانبازی کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ دونوں جماعتوں میں فرق یہ تھا کہ جہاں تیغ و سنان کی لڑائی ہوتی وہاں رفیق جا کر اپنے امام کی رفاقت

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۱۵۸۔

کا حق ادا کرنے اور جہاں دھوکے سے جان ستانی مقصود ہوتی وہاں فدائیوں کو بھیج کر مطلب براری کی جاتی۔

سلطان ملک شاہ کی سفارت جب حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر قبضہ کر کے گرد و پیش کے شہروں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اس کے پیرؤوں کی جمعیت بھی دن بدن بڑھنے لگی تو سلطان ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک کو لامحالہ اپنی توجہ ادھر معطوف کرنی پڑی۔ لیکن نظام الملک نے فوج کشی کے بجائے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت ابن صباح کے پاس بھیجی گئی جس کا یہ منشا تھا کہ حسن کو سلطان کی شاہانہ سطوت سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ ایلچی نے الموت پہنچ کر حسن سے گفتگو کی اور اس کو تمام نشیب و فراز سمجھایا مگر وہ اطاعت پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ جب ایلچی بے نیل مرام واپس جانے لگا تو حسن نے ایلچی کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ جا کر ملک شاہ سے کہہ دیجئے کہ ہم کو نہ ستائے اور اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرے کہ ہمارے لشکر کا ہر سپاہی جان بازی میں فرد ہے اس کے نزدیک دوسرے کی جان لینا اور اپنی جان دینا ایک معمولی بات ہے۔ یہ کہہ کر حسن نے ایلچی کے سامنے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا۔ چنانچہ ایلچی کی موجودگی میں اس قطار سے جو سامنے کھڑی تھی خطاب کر کے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں تمہارے مولیٰ کے پاس بھیج دوں۔ تم میں سے کون شخص اس کے لئے آمادہ ہے؟ ان میں سے ہر نوجوان جلدی سے آگے بڑھا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "میں اس کے لئے آمادہ ہوں"۔ سلطان کا ایلچی سمجھا کہ شاید وہ ان کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجے گا۔ اب اس نے ایک فدائی سے کہا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو۔ اس نے معاً چھری نکال کر اپنے دل پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ دوسرے سے کہا کہ اپنے تئیں قلعہ کی فصیل پر سے گرا دو۔ وہ قلعہ سے نیچے کود پڑا۔ اور پاش پاش ہو گیا۔ تیسرے سے کہا کہ پانی میں ڈوب مرو۔ اس نے بھی فوراً حکم کی تعمیل کی۔ غرض تینوں فدائی ایلچی کے دیکھتے دیکھتے جان سپاری کر کے شیخ الجبل پر قربان ہو گئے۔ جب ایلچی یہ ہیبت ناک منظر دیکھ چکا تو حسن نے اس سے سوال کیا کہ کیا ملک شاہ کی فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا مل سکے گا جو میرے بیس ہزار فدائیوں کی طرح اس درجہ جان نثار ہو؟ ایلچی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا لیکن وہ حسن کے پیرؤوں کی جان بازی پر سخت حیرت زدہ تھا۔ لطف یہ ہے کہ خود حسن کے دو بیٹے کسی مذہبی حکم کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں حسن کے سامنے پیش کئے گئے۔ حسن نے حکم دیا کہ ان کے کوڑے لگاؤ۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ دونوں اسی صدمہ سے ایلچی کے سامنے تڑپ تڑپ کر طعمۂ اجل ہو گئے۔ جب ایلچی نے واپس جا کر یہ ہولناک چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک سے بیان کئے تو انہوں نے دو سال کے لئے فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔

انہی ایام میں اٹھارہ آدمیوں نے ساوہ کی عید گاہ میں نماز عید پڑھی۔ یہ مقام اصفہان کے قریب ہے کوتوال شہر نے بھانپ لیا کہ یہ باطنی ہیں۔ ان کو گرفتار کر کے محبس میں ڈال دیا۔ لیکن جب ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا تو ان کو چھوڑ دیا۔ اسکے بعد انہوں نے ساوہ کے ایک مؤذن کو جو اصفہان میں تھا اپنے مذہب کی دعوت دی۔ اس نے اس دعوت کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ باطنیوں نے اس خوف سے کہ یہ جا کر حکام سے جا لگائے گا اس کو قتل کر دیا۔ جب خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے کوتوال کو تاکید کی کہ جس طرح ممکن ہو قاتل کا سراغ لگاؤ۔ آخر ایک باطنی جو بڑھئی کا کام کرتا تھا گرفتار ہوا۔ اس کا نام طاہر تھا۔ جب جرم ثابت ہو گیا تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ اس اثنا میں

ابن صباح کے پیروؤں نے قین کے پاس ایک اور قلعہ پر قبضہ کر کے اس کو مضبوط کر لیا۔ ان ایام میں کرمان کا ایک بہت بڑا قافلہ قائن کی طرف آیا۔ باطنیوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ باطنی قلعہ سے نکل کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ قتل و نہب کا بازار گرم کیا۔ تمام اہل قافلہ کو موت کے گھاٹ اُتار کر تمام مال و اسباب قلعہ میں لے آئے۔ اہل قافلہ میں سے صرف ایک آدمی بچ نکلا جس نے اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع قائن میں آ کر دی۔[1]

خواجہ نظام الملک کا حادثہ شہادت

یہ دیکھ کر نظام الملک نے ۴۸۵ھ میں ایک لشکر جرار ابن صباح کی پامالی کے لئے روانہ کیا۔ جب حسن کو اس فوجی نقل و حرکت کا علم ہوا تو اس نے ایک فدائی کو بھیجا کہ نظام الملک کی جان لے لے۔ نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ساتھ بغداد جا رہا تھا۔ جب نصف مسافت طے ہو گئی تو ملک شاہ نے چند روز کے لئے نہاوند میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ خواجہ نظام الملک نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔ اور حسب معمول نماز کے بعد فقہا و علماء سے باتیں کرتا رہا۔ اثنائے گفتگو میں نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام ۲۱ھ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر اُن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات بیان کئے جنہوں نے معرکۂ نہاوند میں جام شہادت پیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد خواجہ نے نماز تراویح پڑھی اور بعد فراغ ایک محفہ پر سوار ہو کر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہنچا تو فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں ارباب ایمان کی ایک کثیر جماعت جرعۂ شہادت پی کر روضۂ رضوان کو چلی گئی تھی۔ فطوبیٰ لمن کان معہم۔ ابھی سوار ہی تھا کہ اتنے میں ایک دیلمی نوجوان محفہ کی طرف بڑھا اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی اٹھا کر پڑھنے لگا تو دیلمی نے خواجہ کے دل میں چھری بھونک دی۔ حملہ کے ساتھ ہی تمام لشکر میں کہرام مچ گیا۔ جب یہ غلغلہ سلطان ملک شاہ کے سمع مبارک تک پہنچا تو وہ سخت غم زدہ ہوا۔ روتا ہوا آیا اور خواجہ کے سرہانے بیٹھ گیا۔ قاتل جس کا نام ابو طاہر تھا۔ حملہ کر کے ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ خواجہ کے غلاموں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ خواجہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے قصاص میں قتل نہ کرنا لیکن غلاموں نے اس کی گردن مار دی۔ تھوڑی دیر میں خواجہ نے بھی وادیٔ مرگ میں قدم رکھ دیا۔ بغداد کا شہرۂ آفاق مدرسہ نظامیہ جس میں امام محمد غزالی بھی مدرس رہ چکے ہیں۔ اسی نظام الملک مرحوم کا بنوایا ہوا تھا۔ ۴۵۹ھ میں اس مدرسہ کی تکمیل ہوئی تھی۔ خواجہ نظام الملک کے حادثۂ قتل پر باطنیہ کی بن آئی اور وہ اس کامیاب تجربہ پر بہت خوش ہو رہے تھے کہ سلاطین اور ارباب اقتدار کے پنجۂ تشدد سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ فوجوں سے معرکہ آرا ہونے کے بجائے خود فوجیں بھیجنے والوں کی جان لے لی جائے۔

قلعہ المَوت پر لشکر کشی

خواجہ نظام الملک کے واقعۂ شہادت سے پہلے قلعہ الموت پر فوج بھیجی جا چکی تھی۔ امیر ارسلان سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف ستر آدمی تھے اور قریب تھا کہ وہ گرفتار ہو جائے لیکن اسی وقت ابو علی نے قزوین سے تین سو باطنی سپاہیوں کی ایک جمعیت بطور کمک روانہ کر دی۔ اُنہوں نے امیر ارسلان کی فوج پر شب خون مارا۔ لشکر سلطانی کو بہت نقصان پہنچا۔ اور باطنیوں نے بہت سامال غنیمت حاصل کیا۔ جب سلطان ملک شاہ کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک اور سپہ سالار قزل سارق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۸۰، تلبیس ابلیس ص ۱۵۹۔

روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ اہل قلعہ حسن کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھ کر ابن صباح نے کہا کہ وحی الٰہی نے حکم دیا ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر جانے کا قصد نہ کرے۔ مریدوں نے باہر جانے کا خیال چھوڑ دیا اور از سر نو مدافعت کرنے لگے۔ اس اثناء میں سلطان ملک شاہ کا پیمانۂ حیات بھی آب فنا سے لبریز ہو گیا اور جام مرگ نوش کر کے اس سرائے فانی سے رخصت ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن صباح کے ایک فدوی نے زہر دے کر بادشاہ کو شہید کیا تھا۔ ایسی حالت میں جنگ کا جاری رہنا اور قلعہ کو مسخر کرنا مشکل تھا۔ فوجیں واپس آگئیں اور یہ مہم ناکام رہی۔

باطنیہ کا مزید قلعوں پر عمل و دخل

اس کے بعد قلعہ ملاذ خاں پر بھی باطنیہ کا عمل و دخل ہو گیا۔ یہ قلعہ جو فارس اور خوزستان کے مابین واقع تھا مدت سے رہزنوں اور مفسدوں کا مامن و ملجا بنا ہوا تھا۔ قزاق قافلے لوٹ کر اس میں پناہ گزین ہو جایا کرتے تھے۔ آخر عضد الدولہ ابن بویہ نے اس قلعہ کو سر کیا اور جس قدر ڈاکو یہاں سکونت پذیر تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ جب یہ قلعہ سلطان ملک شاہ کے حیطۂ تصرف میں آیا تو اس نے ایک رئیس امیر انز کو بطور جاگیر مرحمت فرمایا تھا۔ امیر انز نے اپنی طرف سے ایک افسر کو اس قلعہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ باطنیوں نے حاکم قلعہ سے مراسم پیدا کئے۔ اور قلعہ کے فروخت کر ڈالنے کی تحریک کی لیکن جب اس نے بیع سے انکار کیا تو پھر باطنیہ نے خدع کا جال پھیلانا چاہا۔ چنانچہ کہلا بھیجا کہ ہم چند علماء کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ تم پر ہمارے مذہب کی حقیقت آشکارا ہو۔ حاکم قلعہ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ باطنیوں نے چند جاں نثار رفیقوں کو علماء کے لباس میں اس کے پاس بھیجا۔ انہوں نے قلعہ میں داخل ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کلید بردار پر یک بیک ٹوٹ پڑے اور قلعہ کی کنجیاں چھین لیں۔ اس کے بعد اچانک والی قلعہ کو بھی جا دبوچا اور اسے گرفتار کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی کے بعد ابن صباح نے قلعہ طبس پر تصرف کر لیا۔ پھر قہستان کے دو مشہور قلعوں کی تسخیر کے درپے ہوا۔ قدرت نے کامیابی کا سامان بھی خود ہی مہیا کر دیا۔ حاکم قہستان فاسق اور زانی واقع ہوا تھا۔ اس نے منور نام وہاں کے ایک رئیس کی نہایت حسینہ و جمیلہ ہمشیر کو جبراً گھر میں ڈال لینے کا قصد کیا۔ منور نے ابن صباح سے مدد مانگی۔ باطنی تو آج کل کے فرنگیوں کی طرح خدا سے چاہتے تھے کہ کہیں مداخلت کا حیلہ ملے۔ باطنی وہاں اچانک جا پہنچے۔ اور قہستان کے قلعوں پر اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اسی زمانہ میں قلعہ خالنجان پر بھی قابض ہو گئے۔ اس قلعہ کا حاکم ایک ترک سردار تھا۔ ابن صباح کے دو تعلیم یافتہ گرگے حاکم قلعہ کے پاس گئے اور بڑی مستعدی و تن دہی سے اس کی چاپلوسی اور خدمت گزاری اختیار کی۔ رفتہ رفتہ اس قدر رسوخ بڑھا لیا کہ حاکم قلعہ کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہو گئے۔ مآل نا اندیش حاکم نے قلعہ کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ انہوں نے ابن صباح کو اطلاع دی۔ ابن صباح نے اپنے استاد زادہ احمد بن عطاش کے پاس پیغام بھیجا کہ جا کر قلعہ پر بحالت غفلت قبضہ کر لو۔ احمد لشکر لے کر آپہنچا۔ حاکم قلعہ اس اچانک حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ابن عطاش نے قلعہ پر قبضہ کر کے تمام قلعہ گیر فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ اس قلعہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد باطنیہ کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اہل اصفہان ان سے دبنے لگے۔ یہاں تک کہ باطنیہ کو خراج دینا قبول کیا۔

باطنیہ کے سرّی قتل

خواجہ نظام الملک کی جاں ستانی میں ابن صباح کو جو کامیابی ہوئی اس نے اس کے لئے کامرانیوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس شخص نے اعداء کو نیچا دکھانے کے لئے اس ذلیل و شرمناک طریق قتل کو نہایت کارگر پایا۔ چنانچہ جب اور جہاں کسی نے ذرا مخالفت کی کسی فدائی کی چھری نے اسے حوالۂ اجل کر دیا۔ اس طرح مسلمان سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں

---

۵ سنین اسلام مطبوعہ لاہور جلد ۲ ص ۱۱۳

فدائی خون آشامی کی نذر ہونے لگے۔ ان لوگوں کی اذیت تمام ممالک اسلامیہ میں عام ہوگئی۔ کیونکہ ان کا مذہبی اعتقاد یہ تھا کہ غیر مذاہب کے پیروؤں کو قتل کرنا بڑا کارِ ثواب ہے۔ اس بنا پر باطنی اشقیاء دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں کو صفحۂ عالم سے معدوم کرنے لگے۔ اس مقصد کے لئے باطنیوں کا ایک گروہ مکانوں کی دہلیزوں میں چھپا رہتا اور جب موقع ملتا اپنا شرمناک مقصد حاصل کر لیتا۔ یہ لوگ عامۃ المسلمین سے کہیں زیادہ ملت اسلام کے علماء، قضاۃ، وزراء اور والیانِ ملک کی جان کے لاگو تھے۔ چنانچہ ۴۸۹ھ میں ابو مسلم رازی حاکم رے کو خون ہلاک سے گلگوں کیا۔ اسی سال امیر آنر ملک شاہی امیر کجش اور امیر سیاہ پوش کو بھی خاک و خون میں تڑپا کر خلد آباد کو بھیج دیا۔ ۴۹۰ھ میں طغرل بک کے ندیم امیر یوسف اور سلطان ملک شاہ کے غلام امیر ارغش، سلطان برکیارق کے وزیر عبد الرحمٰن سمیرمی، طغرل بک کے ندیم برسق، سلطان برکیارق کے دوسرے وزیر ابو الفتح دہستانی امیر سرزین ملک شاہی اور بادی علی گیلانی کی جان لی۔ ۴۹۱ھ میں سنقر قہ والی دہستان، سکندر صوفی قزوینی، اور ابو المظفر مجید فاضل اصفہانی باطنی ستم آرائی کا نشانہ بنے۔ ۴۹۲ھ میں پیروانِ ابن صباح نے اتابک مودود حاکم دیار بکر، ابو جعفر شاطبی رازی، ابو عبید مستوفی، ابو القاسم کرخی، ابو الفرح قراتگین کو قتل کیا۔ ۴۹۳ھ میں قاضی کرمان، امیر بلکا بک سرمز اصفہانی، اور قاضی عبد اللہ اصفہانی کو دار الآخرت میں بھیجا۔ ان جاں ستانیوں کے لئے باطنی فدائی بہ تبدیل لباس و وضع جاتے اور موقع پا کر اپنے مشار الیہ کو قتل کر کے ٹھٹ خود کشی کر لیتے۔ ایک چال یہ تھی کہ باطنی کسی امیر کے پاس جا کر ملازمت اختیار کرتا۔ اور جونہی موقع ملتا حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیتا۔ باطنیوں نے عساکر اسلامی کے سپہ سالاروں کو بھی دھمکیاں دیں کہ تم لوگ اسماعیلیہ کی مخالفت میں اقدام نہ کرنا۔ ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو فلاں فلاں کا ہوا۔ اس بنا پر افسرانِ فوج شب و روز حتیٰ کہ بستر خواب پر بھی مسلح رہنے لگے۔

سلطان ملک شاہ کے تین بیٹے تھے۔ برکیارق، محمد اور سنجر۔ سلطان کے آنکھیں بند کرتے ہی بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ آخر ۴۹۲ھ میں علماء نے مداخلت کر کے برکیارق اور محمد میں مصالحت کرا دی۔ شام، عراق، موصل، آذربائیجان اور آرمینیا کی مملکت محمد کے حصہ میں آئی اور بقیہ ممالک برکیارق کے حیطۂ تصرف میں آئے۔ ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے حسن بن صباح اور زیادہ زور پکڑ گیا۔ چنانچہ وہ آٹھ دس سال میں تمام رود بار، قہستان، خور، خوسف، قائن، زوزن اور تون پر قابض و متصرف ہو گیا۔ جب سلطان ملک شاہ کے فرزند اکبر سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اس نے علماء اور عامہ برایا کی شکایت پر ۴۹۴ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ باطنی لوگ ہر جگہ قتل کئے جانے لگے۔ ابن صباح نے سلطان کا یہ حکم سنا تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔ اور حکم دیا کہ مسلمانوں کے قتل میں پہلے سے زیادہ مستعدی کا اظہار کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک باطنی کے عوض میں دس دس مسلمانوں کی جانیں لی گئیں۔ تب بھی ابن صباح کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ شیخ الجبل کے جاسوس ہر شہر بلکہ ہر مسلمان خاندان میں پہنچ کر خون خرابہ کر رہے تھے۔ کوئی مخالف ایسا نہیں تھا جس کا نام شیخ الجبل کی فہرست مقتولین میں لکھا گیا ہو اور وہ بچ رہا ہو۔ امراء عبا کے نیچے زرہ پہننے لگے۔ یہاں تک کہ خود سلطان نے عمائد سلطنت کو اجازت دے دی کہ وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں۔ خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص تنہا گھر سے باہر نہ نکلتا اور اگر کوئی شخص مقررہ وقت پر گھر نہ پہنچتا تو یقین کر لیا جاتا کہ وہ باطنی خون آشامی کا شکار ہو گیا۔ اور لوگ عزاداری کے لئے اس کے مکان پر

آ جمع ہوتے۔ ایک دفعہ ایک مؤذن کو اس کے باطنی ہمسایہ نے پکڑ لیا۔ مؤذن کے گھر کی عورتیں چیخنے چلانے لگیں باطنی اُسے چھری دکھا کر گھر کی چھت پر لے چڑھا مؤذن دیکھ رہا تھا کہ اس کے گھر کی عورتیں واویلا کر رہی ہیں۔ لیکن کارد برہنہ نے اتنا مرعوب کر رکھا تھا کہ ذرا بھی اس کی زبان کو جنبش نہ ہوئی۔ اتنے میں پولیس ابر رحمت کی طرح آ پہنچی اور باطنی کو گرفتار کر کے مؤذن کو اس کے پنجۂ ظلم سے بچایا۔ اصفہان میں اس فرقہ نے سب سے زیادہ دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو اچک کر قتل کر دیتے۔ اور نعش کو کھتے میں ڈال دیتے۔ اصفہان میں مسلمان مفقود ہوتے رہتے تھے لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا آخر اہل اصفہان نے اِن مقامات کا کھوج لگانا چاہا جہاں باطنی فرقہ نے یہ اندھیر مچا رکھا تھا۔ آخر ایک مکان میں ایک عورت پائی گئی جو ہر وقت ایک بوریا پر بیٹھی رہتی تھی اور دن بھر وہاں سے ٹلتی نہیں تھی۔ آخر لوگوں نے اسے گھسیٹ کر وہاں سے الگ کیا اور بوریا اُٹھا کر دیکھا تو نیچے ایک گڑھا پایا جس میں مسلمانوں کی چالیس نعشیں تھیں۔ لوگوں نے اس عورت پر ہلہ بول دیا۔ اور اس کو دار البوار میں بھیج کر گھر کو آگ لگا دی[1] اسی طرح کسی باطنی کے مکان پر کسی اجنبی کے کپڑے پائے گئے۔ دیکھنے والے نے لوگوں سے اس کا تذکرہ کر دیا۔ ہر شخص کو یقین ہوا کہ کسی مقتول مسلمان کے کپڑے ہیں۔ شہر میں ہلڑ مچ گیا اور ہر مسلمان انتقام کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک جم غفیر نے اس شخص کے مکان پر دھاوا بول دیا۔ اور اندر جا کر دیکھا کہ ایک کنواں لاشوں سے پٹ رہا ہے۔ آخر تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کوچہ میں باطنی لوگ بود و باش رکھتے ہیں۔ باہر پھاٹک پر ایک اندھا بیٹھا رہتا تھا جب وہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آ رہا ہے تو آنے والے سے کہتا کہ ذرا میری لاٹھی پکڑ کر کوچے میں پہنچا دو۔ وہ اُسے کوچے میں لے جاتا باطنی بھیڑیئے جھٹ اندر کھینچ کر اس کا کام تمام کر دیتے اور لاش کنوئیں میں پھینک دی جاتی یہ دیکھ کر شیخ مسعود بن محمد خجندی فقیہ شافعی انتقام پر آمادہ ہوئے۔ ایک جم غفیر ہتھیار لے کر ساتھ ہو لیا۔ خجندی صاحب نے شہر سے باہر گڑھے کھدوائے۔ ان میں آگ جلائی گئی۔ باطنی پکڑ پکڑ کر لائے جاتے اور آگ کے گڑھوں میں دھکیل دیئے جاتے۔ شہر اصفہان کے قریب قلعہ شمع کوہ پر بھی باطنیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہاں کے کارد بند فدائی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کو قتل و غارت کر جاتے اور لوٹ کا مال لے کر قلعہ میں چلے جاتے۔ مظلوموں نے سلطان برکیارق سے فریاد کی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور آٹھ مہینے کی جدوجہد کے بعد اس پر قبضہ کر لیا[2] عراق میں بھی باطنیوں نے بڑی دھما چوکڑی مچا رکھی تھی انہوں نے بے شمار کلمہ گوؤں کو خاک ہلاک میں تڑپا دیا۔ ان شہدا میں اہل سنت و جماعت کے ایک مشہور امام شیخ الشافعیہ ابو الفرج رازی رویانی صاحب البحر بھی تھے جنہیں ایک سیاہ دل باطنی نے خاص دار الخلافہ بغداد میں جرعۂ شہادت پلایا۔ غرض عالم اسلام میں ہر شخص ان کے اچانک حملوں سے خوف زدہ تھا۔ امرا کی طرح اب عامۃ المسلمین نے بھی کپڑوں کے نیچے زرہیں پہننی شروع کر دیں[3] ۵۰۹ھ میں باطنیہ ترشیث سے نکل کر رے پہنچے۔ اور حجاج کے قافلہ کو جس میں خراسان، ماوراء النہر اور ہندوستان کے زائرین حرم تھے لوٹ لیا۔ اس کے بعد مضافات رے میں عام غارتگری شروع کر دی۔ اس تاخت و تاراج میں کثیر التعداد مسلمان کام آئے اور بقیۃ السیف کا تمام مال و اسباب لٹ گیا[4] ۵۹۹ھ میں ایک باطنی ملحد نے قاضی ابو العلاء صاعد بن ابو محمد نیشاپوری

---

[1] تلبیس ابلیس ابن جوزی مطبوعہ دہلی ص ۱۵۷-۱۵۸ ۔ [2] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۰۰-۱۱۲ ۔ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۹۷ ۔ [4] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۵۱-۱۵۲

کو جامع مسجد اصفہان میں شہید کیا۔

وزیر فخر الملک کا واقعۂ شہادت

حسن بن صباح نے ۴۸۵ھ میں اپنے محسن خواجہ نظام الملک طوسی کی جان لی تھی۔ اس کے قریباً پندرہ سال بعد یعنی ۵۰۰ھ میں خواجۂ مرحوم کے فرزند اکبر فخر الملک ابوالمظفر علی کی زندگی کا چراغ گل کیا جو سلطان سنجر بن سلطان ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا۔ عاشورائے کے دن فخر الملک نے روزہ رکھا اور صبح کے وقت اپنے حباب سے کہا کہ آج رات میں نے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ مجھ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جلدی سے آؤ تاکہ ہمارے پاس پہنچ کر ہی روزہ افطار کرو۔" اور قضائے کردگار سے چارہ نہیں جو کچھ اس ذات برتر نے مقدر کیا ہے لامحالہ اس کا ظہور ہوگا"۔ حاضرین نے کہا خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ آج دن رات آپ گھر سے باہر کہیں نہ جائیں"۔ خواجہ فخر الملک اس روز برابر نماز اور تلاوت قرآن میں مصروف رہا اور بہت سا مال صدقہ و خیرات میں خرچ کیا۔ عصر کے وقت مردانہ مکان سے نکل کر حرم سرائے میں جانے کا قصد کیا۔ باہر نکلا تو ایک شخص دردناک آواز سے چلایا کہ بس مسلمان ختم ہوگئے۔ کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ مظلوم کی فریاد رسی کرے"۔ فخر الملک نے ازراہ رحمت اس کو اپنے پاس بلا کر استفسار فرمایا کہ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے ایک تحریری عرضداشت نکال کر فخر الملک کے ہاتھ میں دے دی۔ جب اس کا مطالعہ کرنے لگا تو اس نمائشی دادخواہ نے جو ایک باطنی سفاک تھا پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ وزیر نے اسی وقت جرعۂ مرگ پی لیا۔ سلطان سنجر کو اس حادثۂ ہائلہ کا سخت صدمہ ہوا۔ باطنی گرفتار کر لیا گیا۔ اب اس باطنی نے دیکھا کہ میں تو مارا ہی جاؤں گا کیوں نہ چند اور مسلمانوں کو بھی لے مروں۔ جب سلطان سنجر کے سامنے پیش ہوا تو کہنے لگا کہ مجھے تو آپ کے مصاحبوں میں سے فلاں فلاں نے قتل کی ترغیب دی تھی"۔ سلطان نے عالم آشفتگی میں پہلے ان جرم ناآشنا مصاحبوں کی جان لی اور پیچھے اس باطنی کو ہلاک کرایا۔[1]

باطنیہ کی بدحالی اور باطنی قلعہ کا انہدام

ابن صباح کے اسماعیلی استاد کا نام عبد الملک بن عطاش تھا۔ اس کا بیٹا احمد بن عبد الملک قلعہ شاہ ور کا حکمران تھا۔ احمد نے بھی مسلمانوں کے خلاف بڑا اودھم مچا رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر سلطان محمد نے ۵۰۰ھ میں قلعہ شاہ ور پر جو اصفہان کے قریب واقع تھا بہ نفس نفیس یورش کی۔ اس قلعہ اور پہاڑ کا دور چھ کوس کا تھا۔ ابن صباح نے اس جگہ کو بہت مضبوط کر رکھا تھا۔ سلطان محمد نے امرائے لشکر کو باری باری جنگ پر متعین کیا۔ اور نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ مدت تک حملے کرتا رہا۔ باطنی طول جنگ اور شدت محاصرہ سے گھبرا گئے اور فقہائے اہل سنت و جماعت کے پاس اپنے متعلق ایک استفتاء روانہ کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

" کیا فرماتے ہیں سادات فقہاء ائمۂ دین اس گروہ کی بابت جو حق تعالیٰ پر، قیامت پر، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے اور ما جاء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جانتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن محض مسئلۂ امامت میں اختلاف کرتا ہے۔ کیا سلطان وقت کو اس کی موافقت اور رعایت جائز ہے اور اگر وہ گروہ فرقہ اطاعت کرے تو کیا اس کی اطاعت قبول کرنا اور اسے ہر اذیت سے بچانا شرعاً روا ہے؟ اکثر علمائے اہل سنت نے اس کے جواز کا فتویٰ دے

[1] ابن اثیر جلد ۸ ص ۲۴۶

دیا اور بعض نے توقف اختیار کیا۔ آخر فقہائے اہل سنت و جماعت ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ شیخ ابو الحسن علی بن عبد الرحمن سمنجانی نے جو شافعی مذہب کے بڑے عالم تھے قتل باطنیہ کے وجوب کا فتویٰ دیا۔ اور بر ملا کہہ دیا کہ اس فرقہ کی طرف سے محض اقرار باللسان اور تلفظ بالشہادتین کافی نہ ہوگا کیونکہ جب ان سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر تمہارا امام ایسی امور مباح کر دے جسے شریعت اسلام نے حرام قرار دیا ہے یا ایسی چیزوں کو ناجائز کہے جسے شریعت مطہرہ حلال اور جائز ٹھہراتی ہے تو کیا تم شریعت کا حکم مانو گے یا اپنے امام کا؟ تو وہ صاف لفظوں میں جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے امام کے حکم کو صحیح تسلیم کرتے ہیں"۔ ایسی حالت میں باطنیہ کا قتل بالاتفاق مباح ہو جاتا ہے"۔ اب باطنیوں نے سلطان سے درخواست کی کہ آپ اپنے علما کو ہمارے مذہبی پیشواؤں سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ فرمائیے۔ سلطان نے قاضی ابو العلا صاعد بن یحییٰ شیخ الحنفیہ کو جو اصفہان کے قاضی تھے چند دوسرے علماء کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مگر چونکہ باطنیہ کا حقیقی مقصد محض قضیئہ کو طول دینا تھا اس لئے حیلے حوالے کرنے لگے اور علماء واپس چلے آئے[1]۔

مسئلہ تکفیر ملحدین حقیقت یہ ہے کہ فتوے ہمیشہ سوال کے تابع ہوتا ہے۔ جن علمائے حق نے باطنیہ کی اذیّت کو ناجائز بتایا یا دہ حاملین شریعت جنہوں نے راہ توقف اختیار کی انہیں سوال کی نوعیت نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ کیونکہ جو شخص کہے کہ میں خالق کردگار پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوں"۔ تا فی ایمان دلائل کا فقدان اس کے مومن قرار دئے جانے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے تو ایسی حالت میں توحید و رسالت کا اقرار اور ملائکہ کتب سماوی بعث بعد الموت کا اذعان اس کے لئے کچھ بھی فائدہ بخش نہ ہوگا۔ مثلاً ختم نبوت کا اقرار ضروریات دین میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ ختم نبوت کا منکر یا مدعیٔ نبوت ہو تو وہ بالاجماع خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری رحمہ لکھتے ہیں۔

دعوی النبوۃ بعد نبینا صلے اللّٰہ علیہ وسلم کفر بالاجماع[2]	ہمارے نبی (حضرت خاتم النبیین) صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعوے کرنا بالاجماع کفر ہے۔

مرزائیوں نے بھی مقدمۂ بہاولپور میں جو ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۵ء تک رہا یہی عذر لنگ پیش کیا تھا کہ ہم خدا پر اور اس کے رسولوں کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں"۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ بہاولپور کے فاضل جج نے دلائل فریقین پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے کس طرح امت مرزائیہ اور اس کے بانی کو مرتد و خارج از اسلام قرار دیا۔ باطنیہ اور مرزائیہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ جس طرح باطنی زنادقہ حسن بن صباح کے قول کو حکم شریعت پر ترجیح دیتے تھے اسی طرح مرزائی ملاحدہ بھی اپنے مقتدا کے اوہام باطلہ کے مقابلہ میں حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کو کوئی وقعت نہیں دیتے چنانچہ بانی فرقہ مرزا غلام احمد صاحب نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ جو حدیث رسول اللہ میرے (شیطانی) الہام کے خلاف ہو اسے میں (معاذ اللہ) ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہوں[3]۔ الغرض جو شخص خدا اور اس کے ملائکہ و رسل کتب سماویہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمان ہے بشرطیکہ اس کے دوسرے عقاید حضرت شارع

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۵۱ [2] شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۰۲ [3] اعجاز احمدی مولفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۳۱

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ تعلیمات حقہ کے خلاف نہ ہوں ورنہ وہ خارج از اسلام ہوگا کیونکہ نؤمن ببعض ونکفر ببعض کے اصول پر عمل کرنے والا دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ میں نے مسئلہ تکفیر ملحدین کو اپنی زیر تالیف کتاب "فلسفۂ اسلام" میں شرح وبسط سے لکھ دیا ہے۔

ابن صباح کے استاذ زادہ کی گرفتاری اور ہلاکت

علماء کی مراجعت کے بعد سلطان محمد محاصرہ میں شدت کرنے لگا۔ بالآخر باطنی امان کے خواستگار ہوئے۔ اور درخواست کی کہ اس قلعہ کے عوض میں انہیں قلعہ خالنجان مرحمت ہو اور قلعۂ مذکور سے نکل کر قلعہ خالنجان میں منتقل ہونے کے لئے ایک مہینہ کی مہلت مانگی۔ یہ قلعہ اصفہان سے دس کوس کے فاصلہ پر تھا۔ ایک مرتبہ باطنی اس پر قابض ہو گئے تھے لیکن بعد کو انہیں بے دخل کر دیا گیا تھا۔ سلطان محمد نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ باطنی مال واسباب سمیٹنے میں مصروف ہوئے۔ ہنوز مدت مقررہ پوری نہ ہوئی تھی کہ چند باطنیوں نے سلطان محمد کے ایک افسر پر حملہ کر دیا۔ مگر حسن اتفاق سے یہ امیر انکے حملہ سے بچ گیا۔ سلطان محمد کو اس کی خبر لگی تو اس نے از سرنو محاصرہ کرا لیا۔ باطنی اپنی حرکت پر سخت متاسف ہوئے۔ اظہار ندامت کے بعد عفو تقصیر کی التجا کی اور اس درخواست کے ساتھ قلعہ ناظر وطبس چلے جانے کی اجازت چاہی کہ سلطان محمد اپنے چند فوجی دستے ہمارے ایک حصۂ فوج کو قلعہ ناظر پہنچانے پر مامور کرے۔ اور باقی ماندہ اشخاص کو ایک گوشہ میں نظر بند ومحبوس رکھے۔ جب یہ حصۂ فوج قلعۂ ناظر میں پہنچ جائے تو دوسرے حصہ کو جو قلعہ میں محبوس ہے حسن بن صباح کے پاس قلعۂ الموت میں بھیج دے۔" سلطان محمد نے اپنی فراخ دلی سے ان کی یہ درخواست بھی منظور فرمائی۔ چنانچہ باطنیوں کا پہلا دستہ فوج شاہی لشکر کی نگرانی میں قلعہ ناظر وطبس کو روانہ ہوا۔ سلطان نے قلعہ کے مسمار کرنے کا حکم دیا۔ شاہی فوج نے اس حکم کی نہایت مستعدی سے تعمیل کی۔

ابن صباح کے استاد زادہ کی ہلاکت

حسن بن صباح کے استاد کا بیٹا احمد بن عطاش قلعہ کے ایک برج میں چھپ رہا۔ بعض سپاہی دوڑ کر سلطان کے پاس آئے اور اس محفوظ مقام کا جہاں احمد بن عطاش متمکن و روپوش ہو گیا تھا پتہ بتایا۔ ایک افسر سلطان کے ایماء سے چند سپاہیوں کو لے کر اس برج پر چڑھ گیا اور جس قدر باطنی وہاں ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ مقتولوں کی تعداد اسّی بیان کی جاتی ہے۔ جب احمد گرفتار ہو کر سامنے لایا گیا تو سلطان نے کہا "تم نے تو پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ عوام وخواص میرے گرد جمع ہوں گے اور اصفہان میں میری عظمت وشوکت کا نقارہ بجے گا۔ لیکن وہ پیشین گوئی جھوٹی ہوئی۔ احمد نے جواب دیا کہ میری پیشین گوئی صحیح ہوئی لیکن نہ بطریق حکومت بلکہ بطریق فضیحت" سلطان ہنس پڑا۔ آخر اصفہان کے کوچہ وبازار میں گشت کرا کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھ اس کا جوان بیٹا بھی مارا گیا۔ دونوں کے سر اتار کر دار الخلافہ بغداد بھیجے گئے۔ احمد کی بیوی نے یہ حالت دیکھ کر اپنے آپ کو ایک بلند مقام سے نیچے گرا دیا اور ہلاک ہو گئی۔[1] سلطان محمد کا وزیر سعد الملک جو در پردہ احمد کا معین ومددگار تھا سلطان کے قتل کی سازش میں ملوث پایا گیا۔ اس لئے اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ غالباً وہ باطنی المشرب ہو گا۔ سعد الملک کی ہلاکت کے بعد سلطان نے قلمدان وزارت خواجہ نظام الملک مرحوم کے خلف ابو نصر احمد کے سپرد کر دیا

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۵۲۔

سنہ ۵۰۳ھ میں ابونصر احمد بذات خود فوج لے کر قلعہ الموت پر یلغار کرنے کے لئے بڑھا لیکن بوجہ شدت سرما واپس آنے پر مجبور ہوا[1]۔ آٹھ سال کے بعد ۵۱۱ھ میں قلعہ الموت پر مکرر فوج کشی ہوئی۔ اس مہم کا قائد امیر نوشتگین شیرگیر تھا۔ برابر ایک سال تک محاصرہ جاری رہا[2]۔ جب رسد ٹھر گئی اور اہل قلعہ کی بدحالی ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ گئی تو ابن صباح نے عورتوں اور بچوں کو درخواست امان کے ساتھ سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن ابن صباح کی فرد قرارداد جرم کچھ ایسی مختصر و خفیف نہ تھی کہ وہ کسی رعایت کا مستحق ہو سکتا۔ سلطان نے اس درخواست کو مسترد فرما دیا۔ لیکن چونکہ قضا و قدر کی قوت قہرمان نے تسخیر قلعہ سے پہلے ہی سلطان محمد کو آغوش لحد میں سلا دیا، فوج محاصرہ اُٹھا کر واپس چلی آئی اور قلعہ بدستور ابن صباح کے عمل و دخل میں رہ گیا۔

سلطان سنجر کے سرہانے ابن صباح کا خنجر اور خط

سلطان محمد کے انتقال پر ۵۱۲ھ میں اس کا چھوٹا بھائی سلطان سنجر صاحب تاج و تخت ہوا۔ سلطان ملک شاہ کے بعد یہ بادشاہ اپنے دونوں بھائیوں سے زیادہ شجاع اور صاحب اقتدار تھا۔ وسعت ملک اور حربی قوت میں بھی ان پر فائق تھا۔ سلطان سنجر نے ارادہ کیا کہ تسخیر الموت کا جو کام ہر مرتبہ تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے اس کو انجام تک پہنچائے۔ چنانچہ تجہیز لشکر کا حکم دے دیا اور بذات خود فوج لیکر روانہ ہو گیا۔ یہ سنکر ابن صباح گھبرایا کیونکہ شاہی لشکر کا مقابلہ اس کے حیطۂ امکان سے خارج تھا۔ اس کے فدائی تو چوروں اور رہزنوں کی طرح صرف چھریاں مارنا جانتے تھے۔ لہٰذا حسن بن صباح نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو گانٹھ کر سلطان کی خوابگاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گڑوا دیا۔ علی الصباح جب سلطان نے ایک خنجر زمین میں پیوست پایا تو پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ دستہ خنجر کے اوپر ابن صباح کا ایک خط بھی بندھا ہوا تھا جس میں لکھا تھا۔

ہاں اے سلطان سنجر بہ پرہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور نہ بودے دستے کہ خنجرے بر زمین سخت فرو برد بر سینۂ نرم تو سہل تر بود کہ فرو برد

اے سلطان سنجر! ہماری اذیت سے باز آؤ۔ اگر تمہارا پاس خاطر منظور نہ ہوتا تو سخت زمین میں خنجر پیوست کرنے کی نسبت تمہارے نرم سینہ میں اس کا چبھو دینا زیادہ آسان تھا۔

خنجر اور خط کو دیکھ کر سلطان یہ سمجھا کہ میری فوج اور میرے پہرہ داروں میں ضرور ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں ابن صباح سے نسبت ارادت حاصل ہے ورنہ کس کی مجال تھی کہ میرے خوابگاہ میں قدم رکھتا؟ سلطان سنجر خط پڑھنے کے بعد دل ہی دل میں کانپ رہا تھا۔ وہ اس واقعہ سے اس قدر مرعوب ہوا کہ کسی طرح فوج لے کر پیش قدمی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اسی دن ابن صباح کا قاصد بھی لشکر گاہ میں آ پہنچا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ سلطان پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا لہٰذا جان کے خوف سے جنگ پر صلح و آشتی کو ترجیح دی۔ اور ان معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی (۱) اسماعیلی فرقہ کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے (۲) جدید اسلحہ اور منجنیقیں نہ خریدے (۳) آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے[3]۔ لیکن ابن صباح کے لئے یہ شرطیں کسی حیثیت سے بھی مضرت رساں نہ تھیں کیونکہ اس وقت تک پچاس سے زائد قلعے باطنیوں کے قبضہ میں آ چکے تھے جو سب مستحکم اور کارآمد تھے۔ اس بنا پر ابن صباح کو کسی مزید تعمیر و تشئید کی ضرورت نہ تھی۔

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۶۸ [2] ایضاً ص ۱۸۶ [3] نظام الملک طوسی بحوالہ نامۂ خسروان ص ۱۰۸ احالات حسن بن صباح۔

دوسری شرط بھی مضر نہ تھی۔ کیونکہ ابن صباح کے باطنی پیرؤوں کے لئے صرف ایک چھری کافی تھی جو ہر وقت کمر میں رہتی تھی اور اس معاہدہ کے بعد بھی رہ سکتی تھی۔ تیسری شرط گو بظاہر سخت تھی لیکن فی الحقیقت اس میں بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔ حسن کا خود پہلے سے اس پر عمل درآمد تھا۔ کیونکہ اسماعیلی داعی ہر شخص سے مخفی بیعت لیتے تھے۔ جس کا حال کسی پر کھل نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر اس دفعہ کی پابندی کی جاتی تو بھی کچھ نقصان نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت تک باطنی فوج کی تعداد جو قرب وجوار میں پھیلی ہوئی تھی ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

ایک باطنی سفاک کے ہاتھوں وزیر ابو طالب کا قتل

۵۱۶ھ میں سلطان محمود بن سلطان سنجر کا وزیر ابو طالب کمال سمیرمی باطنی ستم آرائی کا نشانہ بن کر دار آخرت کو چلا گیا۔ ابو طالب کمال ہمدان جانے کے لئے سلطان کے ساتھ نکلا تھا۔ بہت بڑا لشکر ساتھ تھا۔ وزیر نے مدرسہ کے راستہ سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ راستہ بہت تنگ تھا سوار اور سپاہی آگے بڑھ گئے ایک باطنی موقع پاکر وزیر پر حملہ آور ہوا۔ پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ اور بہت سے زخم لگا کر بڑی تیزی سے جلہ کی طرف بھاگا۔ سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان نے اس کو چھری سے ہلاک کر دیا۔ جب سپاہی واپس آ رہے تھے تو دو باطنیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہ سپاہی ان سے بچ کر واپس آئے تو وزیر کو دیکھا کہ بکری کی طرح مذبوح پڑا ہے۔ اور اس پر تین سے زیادہ زخم ہیں۔ اس کے بعد تمام باطنی گرفتار ہو کر چاہ ہلاک میں ڈال دئے گئے۔ ؎

موت ان واقعات کے بعد ابن صباح نے ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۸ھ کو جام مرگ نوش کر لیا۔ اس وقت اس کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ پینتیس سال تک قلعہ الموت پر نہایت کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ ابن صباح کے پیرؤوں کو جو ترقی نصیب ہوئی تاریخ آل سلجوق اصفہانی میں اس کا باعث محکمہ جاسوسی کا فقدان بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ سلطان دیلم اور ان سے پیشتر جو حکمران تھے اُن کا معمول تھا کہ تمام ملک میں خبر رسانی کے لئے جاسوس مقرر کرتے تھے اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کے صحیح واقعات دمبدم سلطان کے گوش زد نہ ہوتے رہتے ہوں۔ مگر سلطان الپ ارسلان نے جو سلطان ملک شاہ کا باپ تھا اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فرقۂ باطنیہ اندر ہی اندر ترقی کرتا گیا۔ اور سلطنت کو اس کی سازشوں اور خفیہ کارستانیوں کا اس وقت علم ہوا جب ابن صباح نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ ابن صباح نے اپنے عہد حکومت میں تقریباً سو قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا جن میں سے یہ گیارہ قلعے نہایت عظیم الشان تھے (۱) الموت (۲) گردکوہ (۳) لامسر (۴) شاہ در (۵) دسمکوہ (۶) خالنجان (۷) استوناوند (۸) اردھن (۹) الناظر (۱۰) طنبور (۱۱) خلادخان۔ ان میں سے چوتھا قلعہ اصفہان کے پاس تھا۔ پانچواں شہر ابہر کے متصل چھٹا اصفہان سے پانچ فرسنگ کے بُعد پر۔ ساتواں شہر رے اور آمل کے مابین نواں خوزستان میں۔ دسواں شہر ارجان کے متصل اور گیارھواں فارس اور خوزستان کے مابین واقع تھا۔ ان کے علاوہ صوبہ رودبار اور قہستان وغیرہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تھے جن کو ملا کر مجموعی تعداد سو کے قریب تھی۔

ابن صباح بحیثیت بانیٔ فرقہ

ان اسماعیلی فرقوں کی تعداد جنہوں نے مختلف ملکوں اور وقتوں میں مختلف ناموں سے

؎ ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۱۳-۲۱۴

خروج کیا کم از کم اکیس تک پہنچتی ہے جن میں سے حسن بن صباح کا فرقہ حسنی سب سے آخری مسلم آزار فرقہ ہے جس سے عالم اسلام کو سابقہ پڑا۔ پہلا فرقہ ملقب بہ اسماعیلی تو اصل ہے باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے دعاۃ کی طرف منسوب ہو کر یا کسی خاص عقیدہ کے ماتحت کسی نام سے شہرت پذیر ہوئیں۔ دوسرا مبارکی جو محمد بن اسماعیل کے غلام مبارک کی طرف منسوب ہوا جس نے کوفہ میں اسماعیلی مذہب کی اشاعت کی۔ تیسرا بابکی جو بابک خرمی کا پیرو ہے۔ چوتھا محمرہ جو سرخ لباس پہننے کے باعث اس نام سے مشہور ہوا۔ پانچواں میمونی جو عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کا پیرو تھا۔ چھٹا خلفی جو عبداللہ بن میمون کے نائب خلف کی طرف منسوب ہوا۔ ساتواں قرمطی جو حمدان اشعث معروف بہ قرمط کی طرف منسوب ہے آٹھواں برقعی جو محمد بن علی برقعی سے نسبت رکھتا ہے۔ برقعی نے ۲۵۵ھ میں بمقام اہواز خروج کیا اور خوزستان اور بصرہ پر قبضہ کر کے ہزارہا لوگوں کو داخل مذہب کر لیا۔ آخر ۲۷۰ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے اسے سولی دی گئی اس نے اپنے عقائد میں مزدکی اور بابکی اصول بھی شامل کر لیے تھے۔ نواں جنابی جو ابو سعید جنابی کی طرف منسوب ہے۔ دسواں مہدوی جو عبیداللہ مہدی بانی دولت بنو عبید کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں۔ گیارہواں فضلی جو علی بن فضل یمنی کی طرف منسوب ہوا۔ بارہواں باطنیہ جو ملک شام میں اس نام سے مشہور رہا۔ تیرہواں حسنی جو حسن بن صباح کی طرف منسوب ہوا۔ اسی طرح اسماعیلیوں کے یہ نام بھی مشہور ہوئے۔ (۱۴) تعلیمیہ (۱۵) فدائیہ (۱۶) حشاشین (۱۷) باطنیہ (۱۸) صباحیہ (۱۹) حمیریہ (۲۰) ملاحدہ (۲۱) نزاریہ چونکہ عبیدی فرمانروا مستعلی والی مصر کے عہد حکومت میں اس کے بیٹے نزار نے اس سے بیعت نہ کرنے پر اسماعیلیہ کے ہوا خواہوں کو قتل کیا تھا اور حسن بن صباح نے جو اس کے پاس رہتا تھا اس کے بعد کے اسماعیلی ائمہ کی امامت سے مصر میں انکار کیا تھا اس بنا پر اس کا گروہ نزاریہ کے نام سے موسوم ہوا۔

فصل ۳۔ ابن صباح کے جانشین

ابن صباح کی موت کے بعد قلعہ الموت میں اس کے سات جانشین ایک سو چھتیس سال یعنی ۶۵۴ھ تک حکمران رہے جن کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے۔

(۱) کیا بزرگ امید

ابن صباح کی وصیت کے بموجب کیا بزرگ امید جو اس کا رفیق تھا ۵۱۸ھ میں شیخ الجبل ہوا۔ ابو علی اس کا وزیر قرار پایا۔ اور حسن قصرانی سپہ سالار متعین ہوا۔ اس کے عہد میں بہت سے حکمرانوں نے باہم اتفاق کر کے ارادہ کیا کہ باطنی فتنہ کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ سلطان سنجر کا چچا اور جانشین سلطان محمود قلعہ الموت پر چڑھ گیا اور اس کو فتح کر کے باطنیوں کو بری طرح پامال کیا۔ مگر سلطان محمود کے انتقال کے بعد کیا بزرگ پھر الموت پر قابض ہو گیا اور اس کی حکومت قزوین تک پھیل گئی۔ اس کے عہد میں تین جلیل القدر بادشاہ باطنی خون آشامی کا شکار ہوئے اور بہت سے دوسرے اکابر ملت بھی عفریت اجل کے حوالے کر کے آغوش لحد میں سلا دیے گئے۔

شاہ موصل کی شہادت

۵۱۹ھ میں قاضی ابوسعد محمد بن نصیر بن منصور ہروی کو ایک باطنی نے ہمدان میں نذرِ اجل کیا۔ اس کے بعد ایک باطنی نے قسیم الدولہ آق سنقر برسقی شاہ موصل رحمۃ اللہ علیہ کو اس وقت جامع مسجد موصل میں جامِ شہادت پلایا جبکہ وہ عامۃ المسلمین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے گیا تھا۔ بادشاہ نے شہادت کی رات خواب میں دیکھا کہ کتے اس پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ چند کتوں کو تو اس نے ہلاک کر دیا ہے لیکن بعض آ کر زخمی کر گئے ہیں۔ بادشاہ نے صبح کو یہ خواب اپنے مصاحبوں سے بیان کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ چند روز تک محلسرائے سے باہر نہ نکلیئے۔ بادشاہ نے کہا "آج جمعہ ہے کچھ ہی کیوں نہ ہو میں نماز جمعہ نہیں چھوڑوں گا" عمائد سلطنت نے بہتیرا سمجھایا کہ آپ نماز جمعہ کے لئے نہ جائیے محل ہی میں نماز ظہر ادا کر لیجئے مگر چونکہ پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے منظور نہ کیا۔ اور تلاوت کے لئے مصحف مقدس لے کر بیٹھ گیا۔ جب قرآن مجید کھولا تو سب سے پہلے اس آیۃ پر نظر پڑی وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (امر الٰہی پہلے سے مقدر ہوتا ہے) سمجھ گیا کہ اب میرا وقت پورا ہو چکا۔ تلاوت کے بعد حسب عادت سوار ہو کر جامع مسجد گیا۔ بادشاہ کا ہمیشہ معمول تھا کہ شروع وقت میں جاتا اور پہلی صف میں بیٹھتا۔ اس زمانہ میں مسلمان والیانِ ملک اور ان کے امراء و وزراء عموماً خدا پرست متشرع اور دین دار ہوتے تھے اور ان کے دل میں یہ اعتقاد راسخ تھا کہ موت وقت معہود سے مقدم و مؤخر نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر وہ اپنی حفاظتِ جان کے لئے کوئی اہتمام نہ کرتے تھے۔ جونہی بادشاہ جامع مسجد میں جا کر بیٹھا اچانک اسی قدر باطنی چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے جس قدر کتے بادشاہ نے خواب میں دیکھے تھے۔ ان کی تعداد دس سے کچھ زیادہ تھی۔ بادشاہ نے بھی مدافعت کی اور تین حملہ آوروں کو زخمی کیا۔ لیکن انہوں نے اتنے زخم پہنچائے کہ بادشاہ گر پڑا۔ اور دم بھر میں دم توڑ کے جان دے دی۔ اس وقت جامع مسجد میں خون کا دریا بہ رہا تھا۔ یہ بادشاہ بڑا عابد متقی تھا۔ پانچوں وقت نماز با جماعت ادا کرتا تہجد بھی قضا نہ کرتا۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے میرے والد مرحوم سے بیان کیا تھا کہ یہ بادشاہ رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتا تھا۔ میں نے ایام سرما میں بارہا دیکھا کہ بستر سے اٹھ کر چپ چاپ ایک کملی اوڑھتا اور لوٹا لے کر پانی کے لئے دریائے دجلہ پر جاتا۔ میں اصرار کرتا کہ میں پانی لا دیتا ہوں مگر مجھے ہر دفعہ یہ کہہ کر سلا دیتا کہ دیکھو اس وقت موصل میں کتنی سردی پڑ رہی ہے۔ میں سو جاتا اور وہ خود ہی جا کر پانی لایا کرتا۔ جب بادشاہ نے عالم آخرت کا سفر کیا تو اس وقت شاہزادہ عز الدین مسعود فرنگیوں سے حلب میں لڑ رہا تھا کیونکہ ان دنوں عالم اسلام میں صلیبی لڑائیاں برپا تھیں بادشاہ کے مصاحبوں نے اس کے پاس حلب خبر بھیجی۔ شاہزادہ حلب کا انتظام کر کے موصل پہنچا۔ اور تخت نشین ہوا۔ اب عز الدین مسعود نے قاتلوں کا سراغ لگانے کا حکم دیا۔ ان کا تو کچھ پتہ نہ چلا۔ البتہ یہ ثابت ہوا کہ قاتل فلاں باطنی کے مکان پر آ کر ٹھہرے ہوئے تھے۔ باطنی کو گرفتار کر کے اس سے بہتیرا پوچھا گیا کہ قاتل کون لوگ تھے اور کہاں ہیں؟ اس نے ہر نا قبول کیا مگر اپنی قوم کا راز افشا کرنا گوارا نہ کیا۔ اس سے انعام اکرام کے بھی وعدے کئے گئے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا آخر اس کی گردن مار دی گئی۔ کاش ہندوستان کے وہ مسلمان اس واقعہ سے سبق آموز ہوں جنہیں خوف و امید کی ادنیٰ ادنیٰ تحریکات قوم فروشی پر آمادہ کر دیتی ہیں۔ اور کفر کی خاطر اسلام کو زخمی کرتے ہوئے خدا سے نہیں شرماتے۔ اور بوالعجبی دیکھو کہ ان فرنگی افسروں کو جو حلب میں شاہزادہ عز الدین مسعود سے برسرِ پیکار تھے شاہ موصل کے واقعہ شہادت کا پہلے ہی سے علم تھا۔ والی انطاکیہ

نے ان سے سُن کر عزالدین مسعود کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے والد محترم پر یک سخت حادثہ گزرا ہے یا گزرنے والا ہے"
اس کے بعد موصل سے بھی اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع پہنچ گئی[1]۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرنگی اور باطنی ہمراز تھے۔ اور مسلمانوں کو بیک وقت دو خون آشام دشمنوں کا مقابلہ درپیش تھا۔ ایک یورپ کے صلیبیوں کا دوسرے باطنی ملحدین کا۔ کچھ دنوں کے بعد سراغ رسانوں نے شاہ موصل کے آٹھ حملہ آوروں کا پتہ لگا لیا اور آٹھوں گرفتار ہو گئے۔ سات فدوی تو مارے گئے مگر ایک بھاگ کر بچ گیا۔ اس کی ماں کو پہلے اس کے قتل کئے جانے کی خبر ملی تھی جس پر اس نے بڑی خوشیاں منائیں۔ لباس فاخرہ پہن کر خوشبو لگائی اور عید کے سے ٹھاٹھ کے ساتھ بیٹھی ہی تھی کہ معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے۔ فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے۔ اور سر پر راکھ ڈال کر کہنے لگی افسوس میرا بیٹا درجۂ شہادت سے محروم رہا۔ اس کے بعد رو رو کر کہتی تھی کہ ہائے میری کوکھ سے ایسا نالائق فرزند پیدا ہوا جسے شہادت سے جان پیاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فریب خوردگانِ باطنیت اپنے خیالات میں کس درجہ راسخ تھے، اور شیخ الجبل نے ان سحر زدگانِ ضلالت پر اپنی مطلب براری کا کیسا کچھ افسوں پھونک رکھا تھا، کاش ہماری ماؤں بہنوں میں بھی خدمتِ ملّی کا وہ جذبہ پیدا ہوتا جو ایک باطل پرست عورت کے دل میں موجزن تھا۔

سلطان سنجر کے وزیر اور دوسرے امراء کی جانستانی

۵۲۰ھ میں سلطان سنجر کے وزیر ابو نصر احمد بن فضل نے باطنیہ کے خلاف غزا کرنے کا حکم دیا اور فرمان جاری کیا کہ جہاں کہیں کسی باطنی پر قابو ملے اسے نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیں، اور اس کا مال و متاع لوٹ لیں۔
ابو نصر احمد نے ایک لشکر تو طریثیث کی طرف بھیجا جو باطنیوں کا ایک اہم مرکز تھا اور ایک جیش ضلع نیشاپور کے موضع بیہق کے خلاف روانہ فرمایا جو باطنیوں کا ایک قصبہ تھا اور جہاں کا سردار حسن بن سمین نام ایک نہایت بد باطن باطنی تھا۔ وزیر نے دونوں لشکروں کو حکم دیا کہ جو باطنی بھی کہیں مل سکے اسے زندہ نہ چھوڑو۔ دونوں لشکر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام نے بیہق پہنچ کر وہاں خوب قتل عام کیا حسن بن سمین قصبہ سے نکل کر باہر کی طرف بھاگا لیکن جب یقین ہو گیا کہ وہ لشکر اسلام سے کسی طرح بچ نہیں سکتا تو وہ ایک مسجد کے مینار پر چڑھ کر زمین پر کود پڑا اور گرتے ہی پاش پاش ہو گیا۔ اسی طرح طریثیث والے لشکر نے بھی وہاں پہنچ کر باطنیوں کو خوب قتل کیا اور بہت سامال غنیمت لے کر واپس آئے۔ اس واقعہ پر باطنیوں کی آتشِ انتقام شعلہ زن ہوئی۔ ابو نصر احمد کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی ناپاک کوششیں شروع ہو گئیں۔ آخر ۵۲۱ھ کے اواخر میں باطنیوں کو وزیر ممدوح کی جان ستانی کا موقع مل گیا۔ اور وزیر ممدوح کو درجۂ شہادت پر فائز ہونے کی سعادت نصیب ہوئی[2]۔ ۵۲۳ھ میں باطنی فدائیوں نے شیخ عبداللطیف بن خجندی اصفہانی کو جو شافعی مذہب کے ایک ممتاز عالم تھے قتل کر کے اپنی بداعمالیوں میں اضافہ کیا۔ ۵۲۴ھ میں انہوں نے مصر کے عبیدی تاجدار ابو علی آمر باحکام اللہ کو خود اس کے دارالسلطنت قاہرہ میں عالم فنا میں پہنچا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن صباح کے پیرو اسے اسمٰعیلیہ کا جائز وارث و امام تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ نزار کی امامت کے معتقد تھے جسے بعض سازشوں کی بنا پر مصر کی خاندانی سلطنت حاصل نہ ہو سکی تھی۔ ۵۲۶ھ میں بنو فاطمہ میں سے ابو ہاشم نام ایک بزرگ نے شہر گیلان میں امامت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے آدمیوں نے اس کی متابعت کی۔ کیا بزرگ نے انہیں کہلا بھیجا کہ میری موجودگی میں اس قسم کا دعویٰ تمہیں کسی طرح زیب نہیں دیتا اس لئے بہتر ہے کہ اس خطرناک دعویٰ سے باز آ جاؤ۔ ابو ہاشم نے

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۲۵ — ۲۲۶ [2] سنینِ اسلام جلد ۲ ص ۱۰۶ وغیرہ [3] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۴۲ ، ۲۳۱

اس پیغام کا جواب درشت لہجہ اور عتاب آمیز الفاظ میں دیا۔ کیا بزرگ نے ان پر لشکر کشی کی اور شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ باطنی بھیڑیوں نے ان کی مُشکیں کس لیں اور زندہ آگ میں جلا دیا۔ اسی سال قاضی ابوسعید ہروی باطنیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ۵۲۷ھ میں علامہ حسن گورگانی ذبح کر دیئے گئے۔ ان کے باطنی قاتل کا نام ابو منصور ابراہیم خیر آبادی تھا۔ ۵۲۹ھ میں ابوعبداللہ نام ایک باطنی نے سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان کو نہنگ اجل کے حوالے کیا۔ اسی سال دو باطنیوں نے جن کا نام ابوعبید اور محمد دہستانی تھا۔ آق سنقر حاکم مراغہ پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی سال شمس تبریزی نام ایک عالم نے دو باطنیوں کے ہاتھ سے جن کو ابوسعید قائنی اور ابوالحسن فرمانی کہتے تھے جرعۂ مرگ نوش فرمایا۔

نصاریٰ کو دمشق پر قبضہ دلانے کی باطنی سازش

بہرام نام ایک سیاہ دل باطنی بغداد میں اپنے حقیقی مسلمان ماموں ابراہیم اسد آبادی کو جام شہادت پلا کر شام بھاگ گیا تھا۔ وہاں جا کر وہ اسماعیلی مذہب کے استاد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ اور ادھر اُدھر کے اوباشوں اور لفنگوں کو جمع کر کے اپنی ایک جماعت بنائی۔ چونکہ باطنیوں کا معمول تھا کہ ذرا کسی مسلمان سے اَن بن ہوئی اور اہل ایمان کے خلاف جور و تطاول کا طوفان برپا کر دیا اس لئے حلب کے حاکم ایلغازی کو مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کی اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ بہرام کو دشمن بنانے سے احتراز کرے اور میل ملاقات کا سلسلہ قائم رکھے۔ اسی خیال کے ماتحت ایلغازی نے بہرام کی درخواست کے بموجب طغتکین عامل دمشق کے پاس سفارش کر دی کہ وہ بہرام کو دمشق میں قیام کرنے کی اجازت دے۔ طغتکین نے بہرام کو دمشق آنے کی اجازت دی۔ ابوطاہر بن سعد مرغینانی نے ان بھیڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے بجائے بہرام اور اس کے پیرؤوں کو ہر طرح کی اخلاقی اور مالی امداد دی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہرام بڑا زور پکڑ گیا۔ اور اس کی جمعیت پہلے سے دوچند ہو گئی۔ گو حکام نے بہرام اور اس کی جماعت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیکن عامۃ المسلمین جو فرقۂ حقہ اہل سنّت و جماعت کے پیرو تھے باطنیوں کی آمد سے سخت کبیدہ خاطر تھے مسلمانوں نے باطنیوں کا مقاطعہ کر کے اُن کا بُری طرح قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ اور یہ اعداء اللہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ بہرام نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے مقاطعہ اور عدم تعاون نے باطنیوں کو بہت کچھ پریشان کر رکھا ہے تو طغتکین سے کہنے لگا کہ ازراہ کرم مجھے شہر سے باہر کوئی قلعہ دے دو تا کہ میں اور میرے پیرو اس میں اطمینان کی سانس لے سکیں۔" طغتکین نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ قلعہ بانیاس باطنیہ کو دے دیا جائے۔ بہرام دمشق میں اپنے مذہب کی دعوت کے لئے ایک باطنی کو جسے مزدقانی کہتے تھے چھوڑ کر قلعہ بانیاس میں چلا گیا۔ قلعہ میں پہنچ کر اس کی قوت اور شوکت میں مزید ترقی ہوئی اور گرد و نواح کے تمام باطنی اس قلعہ میں آ جمع ہوئے۔ تھوڑے دن کے بعد بہرام نے پہاڑی علاقہ میں قدموس اور بعض دوسرے قلعوں پر بھی قبضہ جما لیا۔ بعلبک کے مضافات میں وادی تیم کے اندر ایک بڑی آبادی تھی جس میں نصیریہ، دروس، مجوس وغیرہ مختلف مذاہب و ادیان کے لوگ آباد تھے۔ وہاں کے امیر کا نام ضحاک تھا۔ جب بہرام کی جمعیت بڑھ گئی تو وہ ۵۲۲ھ میں ضحاک پر چڑھ دوڑا۔ گھمسان لڑائی ہوئی۔ بہرام مارا گیا اور اس کے پیرو بُری طرح ہزیمت کھا کر سخت بدحالی کے ساتھ قلعہ بانیاس میں واپس آئے۔ اب اسماعیل نام ایک باطنی اس کا جانشین ہوا۔ مزدقانی نے اسماعیل کی ہر طرح سے اعانت کی۔ اس اثناء میں مزدقانی نے بھی دمشق میں بہت سے جہلائے مذہب کو

---

۵ سنین اسلام جلد ۲ ص ۱۱۳

مرتد کر کے بہت بڑا جتھا بنا لیا۔ اور شہر میں بڑا اثر و رسوخ پیدا کیا۔ یہاں تک کہ تاج الملوک حاکم دمشق سے بھی اس کا حکم فائق رہتا تھا۔ یہ وہ دن تھے جبکہ صلیبی لڑائیاں برپا تھیں اور یورپ کے ہر ملک سے فوجوں کے بادل اُٹھ اُٹھ کر اسلامی ممالک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ فرنگی بہت دفعہ دمشق پر حملہ آور ہوئے۔ مگر ہر دفعہ مار مار کر ہٹا دیئے گئے۔ اب مزدقانی کی شیطنت دیکھو کہ اس مار آستین نے فرنگیوں سے ساز باز کر کے ان سے کچھ قول و اقرار لیا۔ اور وعدہ کیا کہ تم چپ چاپ دمشق آ جاؤ میں تم کو بیجا قابض کرا دوں گا۔ نصرانی عمل و دخل کے لئے جمعہ کا دن مقرر ہو گیا۔ اب مزدقانی نے یہ انتظام کیا کہ شہر کی باطنی جمعیت کے علاوہ قلعہ بانیاس سے بھی بہت بڑی جمعیت طلب کی اور کہلا بھیجا کہ باطنی لوگ نماز جمعہ کے وقت چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر تمام دروازوں سے شہر میں آ جائیں۔ تجویز یہ کی کہ جب مسلمان نماز جمعہ کے لئے شہر کی جامع مسجدوں میں جا چکیں تو باطنی تمام مسجدوں کا محاصرہ کر لیں۔ اتنے میں نصاریٰ آ کر شہر پر قبضہ کر لیں۔ اتفاق سے تاج الملوک کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی اس نے مزدقانی کو بلا بھیجا اور تخلیہ میں لے جا کر اس کی گردن مار دی اور اس کے سر کو قلعہ کے دروازہ پر لٹکا کر منادی کرا دی کہ جو باطنی جہاں ملے اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ مسلمان پہلے ہی باطنی اعدائے دین کے خلاف دانت پیس رہے تھے باطنیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس دن سات ہزار باطنی عالم فنا میں پہنچائے گئے۔ یہ دیکھ کر اسمٰعیل باطنی حاکم قلعہ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمان قلعہ بانیاس پر بھی چڑھ دوڑیں گے۔ اور باطنیوں کو ہلاک کر کے قلعہ چھین لیں گے۔ اس نے نصاریٰ کے پاس پیغام بھیج کر قلعہ بانیاس ان کے حوالے کر دیا اور خود اپنی جمعیت لے کر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ اب فرنگی شہر دمشق سے بالکل قریب آ گئے اور شہر پر حملہ کرنے کے لئے بہت بڑی جمعیت فراہم کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر تاج الملوک نے عربوں اور ترکمانوں کو مقابلہ کے لئے جمع کیا۔ آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت فراہم ہوئی۔ نصاریٰ ماہ ذی الحجہ میں شہر کی طرف بڑھے اور دمشق کو محاصرہ میں لے لیا لیکن مسلمانوں نے انہیں بہت جلد شہر سے مار بھگایا۔ بیشمار فرنگی ہلاک ہوئے۔ تھوڑے دن کے بعد قلعہ بانیاس بھی ان سے چھین لیا گیا۔[1]

خلیفۂ بغداد کا جانگسل حادثۂ شہادت

باطنی چیرہ دستیوں کا سب سے ہولناک منظر خلیفہ مُسترشد باللہ عباسیؒ کا حادثۂ قتل ہے یہ خلیفہ ۵۱۲ھ میں مسند آرائے خلافت ہوا۔ بڑا جری، پُر شکوہ، باہیبت اور صاحب الرائے تاجدار تھا۔ امور خلافت کو نہایت حسن اسلوب سے انجام دیا۔ ارکان شریعت کو مضبوط اور سنن نبویہ کا احیا فرمایا۔ خود بہ نفس نفیس شریک جنگ ہوتا تھا۔ ابتداء میں بہت موٹا لباس پہنتا تھا۔ نہایت عابد و زاہد تھا۔ اپنے محلسرائے میں عبادت کے لئے الگ جگہ بنا رکھی تھی۔ جونہی امور خلافت سے فارغ ہوتا عبادت خانہ میں آ کر یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتا۔ اس کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ علامہ ابن الصلاح اور امام تاج الدین سبکی نے اس کو کتاب طبقات الشافعیہ میں زمرۂ علماء میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابو بکر شاشی نے فقہ شافعیؒ میں ایک کتاب تصنیف کر کے خلیفہ مسترشدؒ کے نام نامی سے معنون کی اور عمدۃ الدنیا والدین کا خطاب پایا۔ نہایت خوشخط تھا۔ اس فن میں تمام خلفاء بنو عباس سے گوئے سبقت لے گیا۔ اکثر کاتبوں کو اصلاح دیا کرتا تھا۔ رعایا کا بڑا محبوب تھا۔ اس کی جرأت، ہیبت، شجاعت اور اس کے حملے مشہور ہیں۔ ۵۲۹ھ میں خلیفہ اور سلطان مسعود

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۴۴

(بن سلطان محمد بن سلطان ملک شاہ) میں کسی بات پر ان بن ہوئی اور یہاں تک مخالفت بڑھی کہ حرب و قتال تک نوبت پہنچی۔ دایمرج کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ خلیفہ کی فوج کے بڑے بڑے سپہ سالار سلطان سے مل گئے۔ فوج نے نمک حرامی کی اور اکثر نے ساتھ چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ خلیفہ کو ہزیمت ہوئی۔ لیکن خلیفہ میدان جنگ میں نہایت پامردی سے ڈٹا رہا۔ بھاگ کر جان بچانا قطعاً گوارا نہ کیا۔ آخر خلیفہ اور قاضی القضاۃ، علماء اور عمائد سلطنت گرفتار ہو گئے اور ہمدان کے پاس ایک قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ جب یہ وحشتناک خبر بغداد پہنچی تو اہل شہر اپنے سروں پر خاک ڈالتے اور نالہ و شیون کرتے ہوئے نکلے اور عورتیں سر کے بال کھولے اپنے محبوب اور ہر دل عزیز خلیفہ کے لئے بَین کرتی پھریں۔ اس روز اضطراب کا یہ عالم تھا کہ بغداد کی کسی مسجد میں نماز باجماعت ادا نہ ہوئی۔ اسی روز عراق میں سخت زلزلہ آیا۔ لوگ اس سے اور بھی خوف زدہ ہوئے۔ اس کے بعد متواتر پانچ چھ مرتبہ زلزلہ کے زبردست جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ سلطان سنجر نے اپنے بھتیجے سلطان مسعود کو لکھا کہ اس خط کے پہنچتے ہی تم خود خلیفہ کے پاس جاؤ اور زمین خدمت چُوم کر اس سے عفو تقصیر کی درخواست کرو اور اپنے آپ کو مجرم اور گنہگار ظاہر کرو۔ جس روز سے تم نے خلیفہ کو قید کیا آندھی، بجلی اور زلزلے برپا ہیں۔ فوجوں میں سخت تشویش ہے۔ بلاد و امصار میں انقلاب عظیم رونما ہے۔ یہ ایسی ارضی و سماوی علامتیں ہیں کہ جن کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ مجھے خدائے قہار کی طرف سے اپنی اور تمہاری جان کا خوف ہے۔ پھر بغداد کی جامع مسجدوں میں نماز جمعہ کا ادا نہ کیا جانا اور خطبوں کا موقوف رہنا کتنا بڑا غضب ہے۔ میں اس بار عظیم کا کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتا۔ بہتر ہے کہ تم اپنی غلطی کی فوراً تلافی کرو اور خلیفۃ المسلمین کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ان کے مقام پر پہنچاؤ اور جیسا کہ ہمارے آباؤ اجداد کا معمول رہا ہے خلیفہ کے سامنے جا کر زانوئے ادب تہ کرو۔" سلطان مسعود نے اپنے چچا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ خلیفہ کے پاس جا کر زمین خدمت چومی اور گڑگڑا کر معافی مانگی۔ اتنے میں سلطان سنجر نے امیر قزان کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس غرض سے سلطان مسعود کی طرف روانہ کیا کہ وہ سلطان مسعود کو سمجھا بجھا کر خلیفہ کی واپسی کی کوشش کرے۔ باطنی لوگ بہت دن سے خلیفۃ المسلمین کی جان کے درپے تھے۔ لیکن کوئی موقع نہ ملتا تھا۔ اس فوج میں جو سلطان سنجر نے روانہ کی چودہ یا سترہ باطنی بھی شامل ہو گئے۔ سلطان مسعود نے خلیفہ اور اس کے ارکان سلطنت کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ سوار کرا کے بغداد کی طرف روانہ کرنے کا انتظام کیا۔ ابھی چلنے ہی والے تھے کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ امیر قزان سلطان سنجر کے قاصد کی حیثیت سے آ رہا ہے۔ خلیفہ نے اس کی آمد کے انتظار میں تھوڑی دیر کے لئے روانگی ملتوی کر دی۔ سلطان مسعود اور اس کے امراء امیر قزان کی ملاقات میں مصروف ہو گئے۔ خلیفہ کا خیمہ لشکر سے الگ ایستادہ تھا۔ باطنی خیمہ میں گھس کر خلیفہ پر حملہ آور ہوئے اور چاروں طرف سے چھریوں کے وار کرنے لگے۔ خلیفہ شہید ہو گیا۔ ان نابکاروں نے نہایت بے رحمی سے خلیفہ کی جان لی۔ اس کے بعد اپنی بہیمیت کا یہ ثبوت دیا کہ ناک کان بھی کاٹ لئے اور خلیفہ کو برہنہ چھوڑ دیا۔ یہ خوفناک حادثہ ۱۷ ذوالقعدہ ۵۲۹ھ کے دن رونما ہُوا۔ لشکر کو اس حادثہ کی اُس وقت اطلاع ہوئی جب وہ اپنا کام کر چکے تھے۔ آخر سب حملہ آور گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ سلطان مسعود تعزیت کے لئے بیٹھا۔ لوگ اتنا روئے کہ شور و واویلا سے ہنگامۂ قیامت برپا ہو گیا۔ جب یہ ہولناک خبر بغداد پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ ارباب ایمان پر بارِ الم ٹوٹ پڑا۔ لوگ پا برہنہ کپڑے پھاڑتے ہوئے اور عورتیں بال بکھیرے گالوں پر طمانچے مارتی

ہوئی نکلیں۔ اور شہر میں ہر جگہ صف ماتم بچھ گئی۔ خلیفہ مُسترشد باللہ کی شہادت[^1] کے بعد اس کے فرزند راشد باللہ نے فوج لے کر باپ کا انتقام لینے کے لئے ۵۳۱ھ میں قلعہ اَلمُوت پر چڑھائی کی۔ لیکن اثنائے راہ میں دوپہر کے وقت جبکہ وہ اپنے خیمہ میں استراحت فرما تھا چار فدائیوں نے خیمہ میں گھس کر اس کا کام تمام کر دیا۔ قلعہ اَلمُوت میں آٹھ روز تک اس قتل کی خوشی منائی گئی۔ شب و روز ڈھول اور جھانجھیں بجائی گئیں[^2]۔ انہی ایام میں دو باطنیوں نے جو محمد کرخی اور سلیمان قزوینی کے نام سے موسوم تھے شہر قزوین کے مفتی اعظم شیخ حسن ابوالقاسم کرخی کو شہید کر کے شہر خموشاں میں بھجوا دیا[^3]۔ کیا بزرگ چودہ برس دو مہینہ حکومت کر کے ۵۳۲ھ میں مر گیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ اُمید

کیا بزرگ کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہُوا۔ یہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا۔ لیکن باطنی الحاد و زندقہ کی پیروی میں ابن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خونریزی علیٰ حالہا جاری رہی۔ فدائی لوگ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے اس کو لوٹ کر قتل کر دیتے۔ لیکن یہ لوگ مقتولین کے مال و متاع پر خود ہرگز تصرف نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا شیخ الجبل کے خزانۂ عامرہ میں پہنچا دیتے تھے اور یہ الفاظ ہر وقت ان کی زبان پر تھے کہ ہم دنیائے دنی اور اس کی لذات فانیہ کے خواہشمند نہیں ہیں۔ بلکہ ہم طالب مولیٰ ہیں صفحۂ ہستی کو مخالفوں کے خار وجود سے پاک کرنا ہمارا نصب العین ہے۔" چونکہ قہستان کے قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے کفر کے فتوے لکھا کرتے تھے اس لئے ۵۳۳ھ میں ابراہیم دامغانی نام ایک باطنی نے حملہ کر کے ان کو وحشت سرائے دنیا سے عالم عقبیٰ میں بھیج دیا۔ تھوڑے دن کے بعد اسی باطنی نے دارالسلطنت جارجیا (گرجستان) کے قاضی تفلیس کو جام شہادت پلایا۔ ۵۳۴ھ میں ایک باطنی اسماعیل خوارزمی نے ہمدان کے قاضی صاحب کی جان لی۔ رحمہم اللہ۔

باطنی مقتولین کی کھوپریوں کا منارہ

۵۳۴ھ میں باطنیوں نے سلطان سنجر کے خادم خاص جوہر کو قتل کر کے شرف شہادت پر مشرف کیا۔ جوہر کو سلطنت میں بڑے بڑے اختیارات حاصل تھے۔ تمام فوجی افسر اس کی خدمت کرتے تھے۔ بڑے بڑے امراء و رؤساء اس کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے۔ سلطان نے اپنی مملکت کا بہت سا حصہ اس کی ملک کر دیا تھا۔ عباس حاکم رَے جوہر ہی کا غلام تھا۔ چند باطنی زنانہ لباس پہن کر مستغیث کی حیثیت سے جوہر کے دولتکدہ پر آئے۔ جوہر ان کو ستم رسیدہ عورتیں سمجھ کر فریاد رسی کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ موقع پا کر پل پڑے اور چھریاں مار کر ڈھکانے لگا دیا۔ جوہر کا غلام عباس فوج لے کر باطنیوں پر چڑھ دوڑا۔ جو باطنی ملا اس کو ہلاک و پامال کیا۔ عباس نے باطنیہ کے قلع قمع میں جو کام کیا شاید اس سے بڑھ کر کسی اور سے نہ بن پڑا ہو گا۔ عباس نے اپنے آقا کے قتل کئے جانے کے بعد باطنیوں کی سرکوبی و پامالی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا۔ چنانچہ تادم واپسیں انہی کے خلاف غزا میں مصروف رہا۔ عباس نے ان کی آبادیوں کو لُوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی[^4]۔ ایک روایت میں ہے کہ امیر عباس نے ہزارہا باطنی قتل کئے اور ان کی کھوپریوں کا مینار بنوایا۔ جس پر مؤذن اذان دیتا تھا۔ اسی سال باطنیوں نے عین الدول

[^1]: تاریخ الخلفاء ص ۲۹۹، ۳۰۱
[^2]: ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۰
[^3]: نظام الملک طوسی
[^4]: ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۲۹

خوارزم شاہ کی جان لی۔ ۵۳۵ھ میں ایک باطنی نے جس کو حسین کرمانی کہتے تھے امیر ناصر الدولہ بن نہلہل کو خون ہلاک سے گلگوں کیا۔ ۵۳۷ھ میں امیر کرشاشب والیٔ کرمان کو جرعۂ شہادت پلا یا۔ ۵۳۸ھ میں باطنیوں نے سلطان محمد کے پوتے شاہزادہ داؤد بن سلطان محمود کو چھریاں مار مار کر مار ڈالا۔

اُمرائے اسلام کے ہاتھوں باطنیوں کی رسوائی و بربادی

محمد بن کیا بزرگ کے آخری ایام دولت ہی میں باطنی ترقی کا دَور ختم ہوگیا اور زوال و انحطاط نے اس کی جگہ لے لی۔ ماہ ربیع الآخر ۵۴۹ھ میں سات ہزار اسماعیلی قہستان سے عازم خراسان ہوئے اور وہاں کے ایک حکمران فرخ شاہ بن محمود کاشانی سے چھیڑ خانی شروع کردی۔ امیر فرخ شاہ نے اپنی حربی کمزوری کا احساس کرکے امیر محمد بن انز کے پاس جو خراسان کے اکابر امرا میں ایک بڑا بہادر حکمران تھا باطنیہ کے قلع قمع میں اشتراک عمل کرنے کا پیغام بھیجا۔ محمد بن انز اپنی فوج لے کر آ پہنچا۔ اب فرخ شاہ اور ابن انز نے مل کر باطنیوں کا مقابلہ شروع کیا۔ اور مارتے مارتے ان کا بُری طرح صفایا کیا۔ باطنیہ کے تمام سردار مارے گئے اور لشکر بھی تباہ ہوگیا۔ بقیۃ السیف میں سے اکثر باطنی قید کر لئے گئے۔ اسی طرح ۵۵۲ھ میں رستم بن علی شاہ مازندران نے اپنی فوج کے ساتھ کوچ کردیا۔ لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ شاہ مازندران تنگ راستوں اور غیر معروف وادیوں میں سے ہوتا ہُوا قلعہ اَلَموت کے پاس جا پہنچا اور باطنیوں کی آبادی میں پہنچ کر قتل و نہب کا بازار گرم کردیا۔ باطنی مقابلہ پر آئے لیکن ذلیل ہو کر پسپا ہوگئے۔ رستم شاہ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے علاوہ باطنی عورتیں اور بچے بھی قید کر لئے اور ان سب کو طبرستان لا کر برسر بازار فروخت کیا۔[1]
لیکن اسی سال عالم اسلام میں اس ہولناک خبر سے سناٹا چھا گیا کہ باطنیوں نے خراسان کے عازمان حج کو نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حاجیوں کا قافلہ خراسان سے روانہ ہُوا تھا۔ جب یہ حضرات بسطام سے آگے بڑھے تو باطنیوں کی ایک زبردست جمعیت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ باطنی کثیر التعداد اور سامان جنگ سے آراستہ تھے۔ انہوں نے بے دریغ عازمان حج کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حجاج نے بھی مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی جانبین سے بے شمار آدمی مارے گئے۔ آخر عازمان حج مغلوب ہوگئے اور بقیۃ السیف نے امان مانگی۔ باطنیوں نے ہتھیار لے کر ان کو قید کرلیا۔ پھر ایک ایک کرکے ان قیدیوں کی گردن مارنی شروع کردی۔ چند آدمی بھاگنے میں کامیاب ہوئے باقی سب عفریت اجل کے حوالے کردیئے گئے۔ اس لڑائی میں خراسان کے بہت سے علما، صلحا اور زہاد جرعۂ شہادت پی کر باغ فردوس کو چلے گئے اس میدان میں جہاں شہدا بے گور و کفن پڑے تھے دوسرے دن ایک پیر فانی آیا اور مقتولین و مجروحین میں چکر لگا کر کہنے لگا "اے ایمان دارو! اے حاجیو! میں مسلمان ہوں ملحد و بے دین لوگ چلے گئے۔ جو کوئی پانی پینا چاہے اسے پلا سکتا ہوں اور ہر طرح سے خدمت کو حاضر ہوں"۔ ان میں سے جو جو ایسے مجروح جن میں کچھ رمق باقی تھی اس سے ہم کلام ہوئے اس بڈھے بھیڑیئے کی تیغ جفا کا نشانہ بن گئے۔[2] باوجودیکہ باطنی اشقیا امرائے اسلام کے ہاتھوں ہر جگہ ذلیل و پامال ہو رہے تھے لیکن شر انگیزی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور جان ستانی ان کی زندگانی کا اہم ترین مقصد تھا اس لئے فتنہ و فساد سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ ان کی فتنہ انگیزی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ قہستان میں ترکمانوں کا ایک قبیلہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۷۵، [2] ایضاً ص ۸۴

بود و باش رکھتا تھا۔ ۵۵۳ھ میں ایک ہزار سات سو باطنی اپنے قلعوں سے نکل کر اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے۔ اتفاق سے قبیلہ کا کوئی مرد اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ باطنیوں نے وہاں پہنچ کر خوب لوٹ مچائی جس قدر اموال کو منتقل کر سکتے تھے ان کو لے چلے اور باقی ہر چیز کو آگ لگا دی اور قبیلہ کی تمام عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مراجعت کی۔ جب ترکمان واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نہ کوئی مکان ہے نہ مکین اور نہ مال مویشی ہیں اور نہ اثاث البیت۔ آخر معلوم ہوا کہ باطنی آکر لوٹ مار کر گئے ہیں۔ ترکمان ان کے تعاقب میں چلے اور ان کو ایسے وقت میں جا لیا جب کہ باہم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ ترکمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے ہلّہ بول دیا اور اس قدر تلوار چلائی کہ باطنیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ سترہ سو میں سے صرف نو باطنی بچے۔ باقی سب علفِ تیغ اہل اسلام بن گئے۔ ترکمان اپنے اہل و عیال اور مال و منال کو لے کر مراجعت فرما ہوئے[1]۔ محمد بن کیا بزرگ چوبیس برس آٹھ مہینے حکومت کر کے ۵۵۷ھ میں راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔

(۳)۔ حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی

محمد بن کیا بزرگ کے بعد اس کا بیٹا حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی نے تاجِ حکمرانی سر پر رکھا۔ یہ شخص چالاکیوں میں ابن صباح کا ہم پایہ تھا۔ فرقۂ اسمٰعیلیہ میں حسن ثانی کی اتنی عزت تھی کہ اس کا نام بھی زبان پر لانا بے ادبی خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے نام کی جگہ "علی ذکرہ السلام" کہتے تھے۔ اس نے مسند نشینی کے بعد ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ کو دربارِ عام کرنے کا اعلان کیا اور ان امراء اور ممتاز لوگوں کے نام جو اس کی قلمرو میں سکونت پذیر تھے حکم بھیجا کہ تمام لوگ بلدۃ الاقبال میں جمع ہوں (باطنیوں نے قلعہ الموت کا نام بلدۃ الاقبال رکھ دیا تھا) چنانچہ دُور و نزدیک کے تمام بڑے بڑے باطنی جمع ہوئے۔ قلعہ کی عیدگاہ میں ایک منبر رکھا گیا۔ منبر کی چاروں طرف چار علم سرخ، سبز، زرد اور سفید رکھے گئے۔ حسن ثانی نے منبر پر چڑھ کر ایک خط نکالا اور کہنے لگا کہ یہ خط امام مستور حضرت امام مہدی علیہ السلام نے میرے نام بھیجا ہے۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ حسن ہمارا نائب، ہمارا ایلچی ہمارا وزیر ہے۔ جو لوگ ہمارے مذہب کے پیرو ہیں وہ ہر بات میں اس کی اطاعت کریں خواہ وہ بات روحانی ہو یا جسمانی۔ اس کے حکم کو حکمِ خدا اور وحی منطوق یقین کریں جس امر سے باز رکھے اس سے اجتناب کریں جس کام کا حکم دے اس کی بلا تامل تعمیل کریں۔ اس کے امر و نہی کو یوں سمجھیں کہ گویا ہم بذاتِ خود امر و نہی کر رہے ہیں"۔ یہ نامہ پڑھ کر حسن کہنے لگا کہ ان لوگوں پر فضل و رحم کے دروازے کھل گئے ہیں جو میری اقتداء و امتثالِ امر کریں گے میں امامِ زمان ہوں۔ میں نے آج کے دن سے تمام تکالیفِ شرعیہ کو خلقِ خدا سے اٹھا دیا ہے۔ احکامِ شریعت نابود کر دیئے ہیں یہ زمانہ قیامِ قیامت کا ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ باطن میں خدا کی محبت رکھیں اور ظاہر میں جو چاہیں کریں کوئی پابندی نہیں۔ حسن بن صباح نے اپنے باطنی مسلک میں بعض ظاہری احکام بھی داخل کر رکھے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ روزہ رکھتے تھے۔ حسن ثانی نے منبر سے اُتر کر فریضۂ صوم توڑ دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی پیروی میں روزہ افطار کر دیا۔ تمام شرعی قیود اُٹھ گئے۔ عید کی سی خوشی منائی گئی اور اس دن کا نام عید القیام رکھا گیا۔ اکثر مؤرخوں کے قول کے بموجب یہ وہی دن تھا جس میں امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کوفہ میں ابن ملجم شقی کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔ باطنیہ کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰؓ کا یوم شہادت بڑا خوشی کا دن تھا کیونکہ ان کے زعم میں قید خانہ

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۸۹

دنیا سے چھوٹ کر عالم عقبیٰ میں جانا ارواح کاملہ کی لذت اور خوشی کا باعث ہے۔ باطنی لوگ قیود مذہب سے پہلے ہی آزاد تھے اس دن سے بالکل مطلق العنان ہو گئے۔ سب لوگوں نے سارا دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا۔ چونکہ ہر قسم کی مذہبی پابندیاں اٹھ چکی تھیں باطنیہ میں فسق و فجور کی گرم بازاری ہوئی۔ شراب اور زنا کاری گھر گھر پھیل گئی۔ باطنی لوگ حسن ثانی کو قیامت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں قیامت اسی وقت قائم ہو گی۔ جبکہ رسوم شرعیہ اٹھ جائیں گی اور حسن ثانی نے تمام تکلیفات شرعیہ کو برطرف کر دیا تھا۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے ؎

برداشت غل شرع بتائید ایزدی مخدوم روزگار علیٰ ذکرہ السلام

حسن ثانی چار برس حکومت کر کے ۵۵۹ھ میں اپنے سالے حسن نامور کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]

(۴) محمد ثانی بن حسن

محمد ثانی بن حسن ثانی نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور اس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو ہلاک کرا دیا۔ اس کے عہد کا ایک قصہ مشہور ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ وعظ میں فرمایا کرتے تھے خلافاً للاسماعیلیۃ لعنہم اللہ وخذلھم اللہ (اسماعیلی اس مسئلہ کے خلاف ہیں خدا ان پر لعنت کرے اور ان کو ذلیل کرے) جب یہ خبر محمد ثانی کو پہنچی تو اس نے ایک فدائی کو رے بھیجا۔ یہ فدائی امام صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو گیا اور برابر سات مہینہ تک دوسرے طلبہ کی طرح درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینہ کے بعد اس نے ایک دن امام کو تنہا پایا گرا کر سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب سخت پریشان تھے کہ میرے شاگرد نے یہ کیا حرکت کی اور کیوں کی؟ امام نے خوف زدہ ہو کر پوچھا آخر تم کیا چاہتے ہو؟ باطنی فدائی نے کہا سیدنا محمد بن حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ عوام کے کسی مخالفانہ قول کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہوتی کیونکہ عامۃ الناس کی باتیں نقش بر آب کا حکم رکھتی ہیں مگر آپ جیسے فاضل یگانہ کا ایک ایک مخالفانہ لفظ ہمارے لئے تیر و نشتر ہے۔ کیونکہ آپ کا کلام صفحۂ روزگار پر ہمیشہ باقی رہیگا۔ دوسرے ہمارے بادشاہ نے آپ سے التماس کی ہے کہ آپ ہمارے قلعہ المُوت میں تشریف لا کر ملاقات فرمائیں" امام فخر الدینؒ نے فرمایا کہ میں قلعہ میں تو نہیں جا سکتا البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی کلمہ تمہارے بادشاہ کے خلاف میری زبان پر نہ آئے گا"۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینہ سے اُترا اور گلے سے خنجر ہٹا کر کہنے لگا کہ تین سو مثقال سونا اور دو یمنی چادریں میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگا لیں۔ سیدنا محمد بن حسن کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے۔ اور آئندہ بھی اسی قدر تنخواہ رئیس ابو الفضل کے توسط سے آپ کو ملتی رہے گی"۔ یہ کہہ کر حجرے سے نکلا اور چلا گیا۔ امام رازیؒ نے آخر تک اس عہد کو نباہا۔ باطنیہ کے متعلق امام صاحب کے طرز عمل میں جو غیر معمولی تغیر رُونما ہُوا اس نے لوگوں میں اشتباہ پیدا کر دیا۔ آخر ایک شاگرد نے اس تغیر کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں ان لوگوں کو بُرا کہنا پسند نہیں کرتا جن کے دلائل خاردار اور ارادے بہت تیز ہیں"۔[2]

لیکن میرے خیال میں یہ قصہ بالکل جھوٹ، افترا، اور من گھڑت ہے اس کا واضع امام رازیؒ کا کوئی عدو یا اہل حق کا دشمن ہے۔ جس نے اکابر اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ایسا مضحکہ خیز افسانہ تراشا۔ ہمارے ائمۂ مہتدین ایسے کمزور دل نہیں

---

[1] سنین اسلام جلد ۲ ص ۱۲۰ — ۱۲۳ [2] نظام الملک بحوالہ نگارستان صفحہ ۲۳۳

تھے کہ جان بچانے کی خاطر باطل سے دب جاتے۔ ان مقتدایانِ ملت پر ایسی بدگمانی کرنا سخت معصیت ہے جن کی تعلیم و تربیت نے سلطان صلاح الدین جیسے ناموران اسلام پیدا کئے۔ ہاں ہمارے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی یا اس قماش کا کوئی اور مدعی تقدس ہوتا تو اس قسم کا واقعہ بالکل قرین قیاس تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے جو مرزا صاحب کو نیلی پیلی آنکھیں دکھائیں تو انہوں نے عدالت میں یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ آئندہ کسی کے خلاف دل آزار پیشین گوئی نہ کروں گا۔ کسی کو کافر، دجال اور مفتری اور کذاب نہیں کہوں گا[1]" اور ڈپٹی کمشنر کے سامنے یہ بھی وعدہ کیا کہ آئندہ کسی کے حق میں سخت الفاظ بھی استعمال نہیں کروں گا[2]"

وزیر نظام الملک مسعود کی جاں ستانی

چونکہ باطنیوں کی سرسبزی اسلام اور اہل اسلام کے زوال و انحطاط کو مستلزم تھی اس لئے شاہانِ اسلام ان دشمنانِ دین کے قلع قمع کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ ۵۹۶ھ میں سلطان خوارزم شاہ نے جو خوارزم، رے، خراسان اور شہرستان کے ان پہاڑی علاقوں کا بادشاہ تھا جو نیشاپور اور خوارزم کے درمیان واقع ہیں باطنیوں سے قتال کرنے کا عزم فرمایا۔ قزوین کے پاس باطنیوں کا ایک بڑا قلعہ تھا جسے ارسلان کشاہ کہتے تھے۔ اس کو فتح کر کے قلعہ الموت کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ باطنیوں نے اس کے انتقام میں علامہ صدر الدین محمد بن وزان کو جو رے میں شافعی مذہب کے ایک بڑے امام تھے جام شہادت پلا دیا۔ بادشاہ علامہ ممدوح سے بڑا مانوس تھا۔ خوارزم شاہ کو اس واقعہ ہائلہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ الموت کا عزم فسخ کر کے خوارزم چلا گیا۔ باطنیوں نے اس کے ساتھ ہی خوارزم شاہ کے وزیر نظام الملک مسعود بن علی پر حملہ کر کے اسکو خلد آباد کی طرف روانہ کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کے بیٹے قطب الدین کو حکم دیا کہ وہ فوج لیکر جائے اور باطنیوں سے اپنے باپ کا انتقام لے۔ قطب الدین نے چھوٹتے ہی ان کے ایک قلعہ ترشیش کو جا گھیرا۔ جب باطنی محاصرہ سے تنگ آئے تو مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ بہت دن تک نامہ و پیام رہا لیکن قطب الدین نے کسی شرط کو منظور نہ کیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگر محاصرہ اٹھا لو تو ایک لاکھ دینار حاضر کرتے ہیں۔ چونکہ اس اثناء میں قطب الدین کو خود ہی واپس جانے کی بعض مجبوریاں پیش آ گئیں اس لئے ایک لاکھ دینار لے کر چلا گیا[3]۔

وزیر نظام الملک مسعود بن علی بڑا صالح و متقی اور حسن سیرت میں یگانۂ روزگار شافعی المذہب تھا۔ پہلے شہر مرو میں صرف حنفی مذہب کی ایک عظیم الشان مسجد تھی جسے جامع حنفیہ کہتے تھے۔ وزیر نظام الملک نے ایک شافعی مسجد بھی تعمیر کرائی۔ وزیر ممدوح نے خوارزم میں بھی ایک جامع مسجد اور شاندار مدرسہ تعمیر کرایا جس کے ساتھ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی وقف کیا[4]۔ خوارزم شاہ کے حملہ کے چار سال بعد یعنی ۶۰۰ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علاء الدین محمد بن ابو علی کو جو بلاد غوریہ کا حاکم تھا باطنیوں کے تہس نہس کا حکم دیا۔ علاء الدین نے باطنیوں کے شہر قائن پر تاخت کی اور شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ محصورین کی حالت دن بدن مخدوش ہونے لگی لیکن جب علاء الدین نے سلطان شہاب الدین غوری کے انتقال کی خبر سنی تو ساٹھ ہزار دینار لے کر صلح کر لی۔ یہاں سے محاصرہ اٹھا کر باطنیہ کے قلعہ کاخک پر جا پڑا اور اس کو

---

[1] تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد جلد ۳ ص ۲۰۴ [2] تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۱۶۸ [3] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۶۰ [4] ایضاً ص ۶۲

فتح کر کے بہت سا مال غنیمت اور باطنی قیدیوں کے ساتھ مراجعت کی۔[1] یاد رہے کہ یہ سلطان شہاب الدین وہی سلطان شہاب الدین محمد غوری ہے جس نے ۱۱۹۳ء میں راجہ پرتھی راج والیٔ دہلی و اجمیر کو شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کی تھی۔ رحمہ اللہ۔

التمش اور سلطان جلال الدین کے ہاتھوں باطنی ملاحدہ کی سرکوبی

جب سلاطین آل سلجوق کے نظام حکومت میں اختلال راہ پذیر ہوا اور التمش نے رَے اور ہمدان میں چترِ حکومت سر پر رکھا تو اس نے سب سے پہلے اپنی عنانِ عزیمت باطنی ملاحدہ کی سرکوبی کی طرف معطوف فرمائی۔ چنانچہ ۶۰۲ھ میں باطنیوں کے ان قلعوں پر جو قزوین کے قرب و مجاورت میں تھے لشکر کشی کی۔ بے شمار ملاحدہ کو قتل اور قید کیا۔ اور پانچ قلعوں کو بزور تیغ فتح کر کے قلعۂ الموت کا قصد کیا۔ مگر اتفاق سے ایسے عوائق و موانع حائل ہوئے کہ جن کی وجہ سے قلعہ مذکور مسخر نہ ہو سکا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین بن علاء الدین خوارزم شاہ نے ہندوستان سے واپس جا کر ۶۲۰ھ میں باطنیوں پر فوج کشی کی۔ اور جس طرح اس گمراہ فرقہ نے امرائے اسلام کی جان لی تھی اسی طرح اس نے بھی اس فرقہ کے سرداروں کو خوب تہ تیغ کیا اور ان کے آباد شہروں اور قصبوں کو تاخت و تاراج کیا۔ قلعۂ الموت کے قرب و جوار کے قلعے اور نیز وہ باطنی قلاع جو خراسان میں تھے جلال الدین کے پیہم حملوں سے تباہ و ویران ہو کر کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔ جس زمانہ سے تاتاریوں نے خروج کیا تھا انہی ایام سے فرقہ باطنیہ نے بلاد اسلامیہ کی طرف قدم بڑھائے تھے مگر جلال الدین ان کی سرکوبی کے لئے پردۂ غیب سے اٹھ کھڑا ہوا جس کے پیہم حملوں نے باطنیوں کی کماحقہ گوشمالی کر دی۔ اور جسم اسلام کے اس تکلیف دہ ناسور کا قرار واقعی مداوا ہو گیا۔[2]

(۵) جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث

حسن ثانی بڑا عیاش اور فاسق حکمران تھا۔ اس لئے اس کے بیٹے جلال الدین محمد ثانی نے اس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا اور ۶۰۸ھ میں خود قلعۂ الموت میں تخت نشین ہوا۔ اس حکمران نے مسند حکومت سنبھالتے ہی باطنی طریقہ چھوڑ کر مذہب حنفی اہل سنت و جماعت کی پیروی اختیار کی۔ اسی بنا پر یہ تاریخ میں جلال الدین نومسلم کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جلال الدین اوائل ہی سے فی الحقیقت اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا۔ اور باپ کی بداعتدالیوں ہی نے اسے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایک لامذہب اور فاسد العقیدہ حکمران کے وجود سے پاک کرے۔ اس نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے سنی المذہب ہونے کا اعلان کیا اور علمائے اہل سنت کو قلعۂ الموت میں مدعو کر کے ان کی خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اس کے عہد حکومت میں مسجدیں آباد ہوئیں۔ تلاوت قرآن کا چرچا ہوا۔ تعلیم قرآن کے لئے مدارس و مکاتب جاری ہوئے۔ جلال الدین نے اپنے ہمعصر سلاطین کے پاس ایلچی بھیج کر اطلاع دی کہ میں باطنی طریقہ اور اسماعیلی مسلک سے بیزار اور شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہوں اور اسی مسلک حق کو اپنی قلمرو میں ترویج کر رہا ہوں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ بعض علمائے قزوین کو شک

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۷۳ ، [2] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۹۳ ، ۱۸۲

ہوا کہ شاید یہ شخص اس اعلان سے مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہو۔ جب جلال الدین کو اس کا علم ہوا تو اس نے علمائے قزوین کو قلعہ میں بلوایا اور مجمع عام میں حسن بن صباح کی تمام کتابیں جن میں کفر و زندقہ بھرا ہوا تھا جمع کر کے آگ میں جلوا دیں یہ خدا پرست حکمران جس طرح خود نماز اور دوسرے ارکان اسلام کا پابند تھا اسی طرح دوسروں کو بھی پابند بنانے میں کوشاں رہا۔ اس نے اپنی والدہ کو سمجھا بجھا کر مسلمان کیا اور والدہ اور بیوی کو اپنے قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ المَوت کا عَلَم شاہ خوارزم جیسے زبردست بادشاہ کے جھنڈے سے بھی آگے کر دیا۔ یہ قافلہ جس قلمرو سے بھی گزرتا وہاں کے حکمران بڑے اعزاز سے اس کا خیر مقدم کرتے۔ اس کے بعد خود جلال الدین نے اسلامی بلاد و امصار کی سیاحت کی۔ ڈیڑھ سال کی مدت اسی سیاحت کی نذر کر دی۔ دوران سفر میں جس ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی اس کی اسلام پرستی اور دینداری پر دنیائے اسلام کو تو خاص مسرت تھی لیکن باطنی لوگ دشمن ہو گئے۔ تاہم گیارہ سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کرتا رہا۔ آخر ۶۱۶ھ میں زہر دے کر دار الجنان میں بھجوا دیا گیا۔[1] رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً جلال الدین کا عہد حکومت عالم اسلام کے لئے پیام امن تھا چنانچہ اس کے یازدہ سالہ ایام حکمرانی میں کوئی مسلمان کسی باطنی کے ہاتھ سے نذر اجل نہیں ہوا۔

(۶) علاء الدین محمد ثالث

علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث بعمر نو سال حکمران ہوا۔ ایک دفعہ اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں سخت بیمار ہوا۔ کسی ناتجربہ کار طبیب نے فصد تجویز کی۔ فصد میں اتنا خون لے لیا گیا کہ علاء الدین کو مالیخولیا کی بیماری عارض ہوئی۔ اس بنا پر لہو و لعب اور بے فکریوں میں پڑ گیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مہمات سلطنت کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر لاتا تو فوراً خاک ہلاک پر ڈال دیا جاتا۔ اس وجہ سے عنان حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں تھی۔ عمائد سلطنت نے جلال الدین مرحوم کے انتقال کے بعد شریعت اسلامی کی جگہ از سر نو باطنی آئین و رسوم جاری کئے ۶۲۴ھ میں باطنیوں نے سلطان جلال الدین بن خوارزم شاہ کے ایک امیر کبیر کو شہید کر دیا۔ سلطان جلال الدین نے اس امیر کو شہر گنجہ اور اس کے مضافات کی حکومت بخش رکھی تھی۔ یہ امیر حسن سیرت اور نیک کرداری میں سرآمد روزگار تھا۔ سلطان جلال الدین کو ہمیشہ معصیت اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کیا کرتا۔ سلطان جلال الدین کو اس کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور اس کا انتقام لینے کے لئے علاقہ گرد کوہ پر جا چڑھا جو خراسان میں باطنیوں کا مرکزی علاقہ تھا۔ سلطان نے وہاں پہنچ کر ہزاروں باطنیوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے ملاؤں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بے شمار باطنی عورتوں اور مردوں کو قید کر کے مراجعت کی۔[2] علاء الدین قریباً پینتیس سال تک برسر حکومت رہا۔ آخر ۶۵۳ھ میں اس کے ایک خادم حسن مازندرانی نے اس کو قتل کر دیا۔

(۷) رکن الدین خور شاہ

رکن الدین خورشاہ باپ کی ہلاکت کے بعد ۶۵۳ھ میں حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں باطنی اقتدار نے آغوش ادبار میں منہ چھپایا اور بغداد کی عباسی خلافت کا آفتاب اقبال بھی غروب ہوا۔ ان ایام میں بغداد اور المَوت دونوں جگہ

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۱۵۰ وغیرہ [2] ایضاً ص ۱۸۲

مدارتیں شیعی وزیروں کے ہاتھ میں تھیں۔ خلافت آل عباس کی وزارت ابن علقمی کو مفوض تھی اور قلعہ الموت کا قلمدان وزارت خواجہ نصیر الدین طوسی کے ہاتھ میں تھا۔ ان دونوں حکومتوں کا خود ان کے وزیروں ہی کی سازشوں سے خاتمہ ہوا۔ رکن الدین خورشاہ کو سریر حکومت پر بیٹھے قریباً ڈیڑھ سال ہی گذرا تھا کہ ۶۵۴ھ میں تاتاری افواج کا ٹڈی دل قلعہ الموت پر چڑھ آیا ان دنوں تاتاریوں کا بادشاہ منقوخاں تھا۔ منقوخاں نے اپنے بھائی ہلاکو خاں کو فوج گراں کے ساتھ باطنیوں کی پامالی کے لئے روانہ کیا۔ ہلاکو خاں نے آکر قلعہ الموت فتح کیا۔ اور رکن الدین خورشاہ شیخ اجبل کو گرفتار کرکے منقوخان کے پاس روانہ کر دیا لیکن اثنائے راہ میں کسی شخص نے اس کو قتل کر ڈالا۔ تاتاریوں نے قلعہ کے تمام ذخائر جو ابن صباح کے زمانہ سے جمع ہو رہے تھے لوٹ لئے۔ الغرض تاتاریوں نے باطنیہ کی ایرانی حکومت کا ایک سو اکہتر سال کے بعد خاتمہ کر دیا اور ان کے قریباً سو قلعے مسمار کئے۔ اس معرکہ میں بارہ ہزار باطنی قتل ہوئے۔ اسی طرح شام اور مصر میں سلطان ملک الظاہر اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کا قلع قمع کر دیا۔ اور خدا کا ملک کاروبند فدائیوں کی شر انگیزیوں سے مامون ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ بمبئی کے خوجوں کے امام ہز ہائی نیس سر آغا خاں بالقابہ اسی رکن الدین خورشاہ کی اولاد سے ہیں۔

باب ۳۸ - رشید الدین ابو الحشر سنان

محمد ثانی بن حسن ثانی باطنی کے عہد حکومت میں شام کے اسماعیلیوں نے الموت سے قطع تعلق کرکے رشید الدین ابو الحشر کو جو سنان کے لقب سے مشہور تھا اپنا سردار بنا لیا تھا۔ سنان نے خود نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک الہامی کتاب بھی معتقدین کے سامنے پیش کی۔ یہ شخص اپنے آپ کو ایک اوتار اور مظہر ایزدی بتاتا تھا۔ باطنی لوگ اس کے بڑے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی فرمانروا شاہ اموری کے پاس بھیجا لیکن وہاں ایسی بدنظمیاں پھیل رہی تھیں کہ سفیر متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سنان نے قاتل کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن اس سے بھی انکار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شام کے باطنیوں اور فلسطین کے عیسائی حکمرانوں میں بگڑ گئی۔ اس سے پیشتر باطنی لوگ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب عیسائیوں کے بھی دشمن ہو گئے اور فدائیوں کی چھریاں ان پر تیز ہونے لگیں اس سلسلہ میں فرانس کا ایک بڑا حاکم کنراڈ نام ایک فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا۔ اسی طرح یورپ کا ایک نامی گرامی فرمانروا فریڈرک جبکہ شمالی اٹلی کے شہر میلان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ ایک فدائی کی چھری سے مارا گیا۔ کنراڈ کی ہلاکت کے دو سال بعد کاؤنٹ شاسپین فلسطین کے سفر کو گیا اور اثنائے راہ میں شہر مصیات میں سنان کا مہمان ہوا۔ سنان نے اسے قلعہ کے فصیل اور برج دکھائے۔ ایک برج جو سب سے بڑا تھا اس کے ہر زینہ پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ فوج جمعیت کے تذکرہ پر سنان نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہمارے جیسے اطاعت شعار اور جاں سپار سپاہی دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں۔" یہ کہہ کر سنان نے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا اور جھٹ برج کے ایک زینہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے ساتھ ہی دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے کی طرف کود پڑے اور زمین پر گرتے ہی پاش پاش ہو گئے

تاریخ سپین اسلام جلد ۲ ص ۱۲۶ وغیرہ

یہ عبرتناک تماشہ دکھا کر سنان بولا کچھ انہی پر منحصر نہیں۔ یہ جتنے سپاہی سفید لباس میں کھڑے ہیں اشارہ کروں تو یہ سب گر گر کر جانیں دے دیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر نصرانی حکمران انگشت بدنداں رہ گیا اور کہنے لگا مجھ پر کیا موقوف ہے واقعی دنیا کے کسی تاجدار کو ایسی جانباز رعایا نصیب نہ ہوگی۔ جب کاؤنٹ شامپین مصیات سے رخصت ہونے لگا تو سنان اس سے کہنے لگا اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجئے۔ میرے فدائی بہت جلد اس کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ یہ فدائی سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس رحمۃ اللہ علیہ کی جان ستانی میں بہت کوشاں رہے لیکن خدائے عزیز و برتر نے انہیں کبھی کامیاب نہ ہونے دیا۔[۱]

ملک شام میں سلطان صلاح الدینؒ کے فتوحات نے باطنیوں کی قوت کو بہت نقصان پہنچایا تھا اس لئے ان کے نزدیک سلطان ان کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ایک مرتبہ فدائی خنجر باندھ کے سلطان کی جان لینے کو روانہ ہوئے۔ شہر حلب کے باہر جب کہ سلطان اپنے کیمپ میں قیام فرما تھا یکے بعد دیگرے چار فدائی خنجر لے کر جھپٹے لیکن حق تعالیٰ نے ان کو اس ناپاک کوشش میں نامراد رکھا۔ بعض تو ایک مرتبہ بالکل سلطان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن سلطان نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ بہرحال یہ سلطان صلاح الدین کی کرامت سمجھنی چاہیئے ورنہ یہ خونخوار فدائی جس کے پیچھے پڑتے جان لئے بغیر چین نہ لیتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کو فرنگیوں کی جنگ سے فرصت نہ تھی تاہم جب سیاہ دل باطنیوں نے اس کی جان لینے کی کوشش کی تو سلطان نے فرنگیوں کی طرف سے عنان توجہ پھیر کر باطنیوں کی سرکوبی کا قصد فرمایا۔ چنانچہ جاتے ہی باطنیوں کے شہروں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کے بعد قتل و غارت کرتا اور ان کی آبادیوں کو خاک سیاہ کرتا مصیات پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ مصیات الموت کے بعد باطنیوں کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ سلطان نے محاصرہ کر کے منجنیقیں نصب کر دیں جب محاصرہ نے طول کھینچا اور محصورین کی حالت زیادہ ابتر ہونے لگی تو سنان نے سلطان صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین حارمی والیٔ حماۃ کے پاس پیغام بھیجا کہ از راہ کرم تم سلطان کے پاس ہماری شفاعت کرو۔ اور بیچ بچاؤ کر کے محاصرہ اٹھوا دو۔" حارمی نے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس بے التفاتی پر باطنی قاصد نے حارمی کو قتل کی دھمکی دی اور بولا ہمارا سردار سنان کہتا ہے کہ اگر سلطان صلاح الدین ہماری ایذا رسانی سے باز نہ آیا تو جس طرح بن پڑا ہم اس کے ماموں کی جان لے لیں گے۔" حارمی ان فقروں سے ڈر گیا اور سلطان صلاح الدین کو پیغام بھیجا کہ خدا کے لئے تم ان کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ میری جان کی خیر نہیں۔" ماموں کی منت سماجت پر سلطان کا دل نرم ہو گیا اور محاصرہ اٹھا کر مصر چلا گیا۔[۲]

باب ۳۹۔ محمد بن عبداللہ بن تومرت حسنی

فصل ۱ مسئلہ ظہور مہدی علیہ السلام

محمد بن تومرت مہدی موعود ہونے کا مدعی تھا۔ چونکہ بعض لوگ ظہور مہدی علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں اس

[۲] کامل ابن اثیر ۔ جلد ۱۲ ص ۱۲۵

یہاں اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ امام محمد بن عبد اللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام کا ظہور اوائل اسلام سے آج تک
ایک مسلم الثبوت مسئلہ چلا آتا ہے اور علمائے اعلام آئمۂ مجتہدین اور محدثین مہتدین میں کسی نے اُن کے عقیدۂ قدم کی صحت
سے انکار نہیں کیا۔ محمد بن حسن اسنوی کتاب مناقب شافعیؒ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور اور آپ کے
حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونے کے متعلق حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثیں مروی ہیں وہ درجۂ
تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ رسالہ توضیح میں لکھا ہے۔ کہ قاضی محمد بن علی شوکانی سے بعض علماء نے دریافت کیا کہ وہ حدیثیں جو ظہور
مہدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں متواتر ہیں یا نہیں؟ قاضی شوکانیؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت مہدی کی حدیثیں
بلا شک وشبہ متواتر ہیں۔ کیونکہ جہاں تک تتبع وتلاش کو دخل ہے ان کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے بلکہ اصطلاحات
مجروۃ فی الاصول کے بموجب اس سے کم تعداد کے لئے بھی تواتر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان پچاس حدیثوں میں صحیح حسن ضعیف
ہر قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ آثار صحابہ بھی ہیں جن میں ظہور مہدی آخر الزمان کی تصریح ہے کثیر التعداد ہیں یہ لکھ
کر قاضی شوکانی نے ایک ایک اثر کو گنوایا ہے اور ان کی تعداد اٹھائیس تک پہنچا کر لکھا ہے کہ یہ آثار بھی احادیث مرفوعہ
کے حکم میں ہیں کیونکہ واقعات مستقبل کے متعلق اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے[1]

غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے حق میں جو احادیث وارد ہیں وہ باوجود اختلاف روایات جمہور کے نزدیک مسلم ہیں
کافۂ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اخیر زمانہ میں یقیناً اہل بیت نبوت میں سے ایک جلیل القدر ہستی ظاہر ہوگی
جس کا نام نامی محمد بن عبد اللہ ہوگا۔ وہ ملت اسلام کی تائید کریں گے۔ تخت عدل وانصاف پر بیٹھیں گے۔ ممالک اسلامیہ
پر انہیں غلبہ حاصل ہوگا اور روئے زمین کے مسلمان ان کی متابعت کریں گے۔ البتہ ابن خلدون مورخ نے احادیث مہدی
میں کلام کیا ہے اور بہت سے علماء نے ان کا جواب دیا ہے اور گو ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں ظہور امام سے صراحۃً
انکار نہیں کیا۔ تاہم ان کے طرز انتقاد سے ان کا مسلک نمایاں صورت میں واضح ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ابن خلدون
کا انکار اس مسئلہ کے صحیح یا غلط ہونے پر اثر انداز ہے یا نہیں؟ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر فن اپنی بحث ونظر کیلئے ایک خاص
جماعت رکھتا ہے اور ہر عالم ومصنف کی علمی حیثیت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے اور اس سے باہر اس کی وہ حیثیت باقی
نہیں رہتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ محدث وفقیہ تھے لیکن مورخ نہ تھے۔ پس کسی تاریخی مسئلہ میں اُن کا قول بمقابلہ مورخ ارجح
نہ ہوگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ وکلام کے ماہر، شریعت طاہرہ کے رازدان، تصوف وسلوک کے بہترین مبصر تھے لیکن
محدث نہ تھے اس لئے محدثین اور ارباب نقد کے مقابلہ میں ان کا کوئی پایہ نہیں پس فن تاریخ کی بحث ہو تو ہمیشہ مورخین
کی سند لیجئے۔ ادب کے مسائل میں آئمۂ ادب کی طرف رجوع کیجیئے۔ اگر کوئی مسئلہ علم حدیث سے متعلق ہو تو اس کی تحقیق وتنقید
کے لئے آئمۂ حدیث کا منت کش ہونا پڑے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مسئلہ تو حدیث کا ہو اور اس کے لئے فراء یا سیبویہ کے
اقوال تلاش کئے جائیں یا بحث تو منطق وفلسفہ کی ہو اور آپ اس کے لئے امام بخاری ومسلم کی سند تلاش کرتے پھریں بعض
لوگ اس نکتہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور پھر سخت مہلک غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابن خلدون انشاء وادب اور خصوصاً

[1] حجج الکرامہ ص ۳۹۸-۳۹۹

تاریخ نویسی میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر آپ بزم تاریخ میں داخل ہوں گے تو وہ آپ کو ہزارہا شرکائے مجلس میں صدر نشین نظر آئیں گے۔ لیکن باوجود اس کمال فن کے انہیں علم حدیث ورجال میں کچھ بھی درجۂ امتیاز حاصل نہیں چنانچہ امام سخاوی "الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع" میں ترجمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں لم یکن ماھرًا بالعلوم الشرعیۃ (ابن خلدون علوم شریعت میں مہارت نہ رکھتے تھے)

ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں ظہور امام کے متعلق لکھا ہے اعلم ان المشھور بین الکافۃ من اھل الاسلام علی ممر الاعصار انہ لابد فی اٰخر الزمان من ظھور رجل من اھل البیت یؤید الدین ویظھر العدل ویتبعہ المسلمون ویستولی علی الممالک الاسلامیۃ ویسمی بالمھدی ویکون خروج الدجال وما بعدہ من اشراط الساعۃ الثابتۃ فی الصحیح علی اثرہ وان عیسی ینزل من بعدہ فیقتل الدجال اوینزل معہ فیساعدہ علی قتلہ ویأتم المھدی فی صلوتہ ویحتجون فی الباب باحادیث اخرجھا الائمۃ وتکلم فیھا المنکرون لذالک مؤرخ کی اس تحریر سے جب یہ بات آشکارا ہو گئی کہ ظہور مہدی علیہ السلام کا مسئلہ آغاز اسلام سے متوارث چلا آتا ہے۔ تو اب یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر قول وفعل جو کافۂ اہل اسلام اور اجماع سلف کے خلاف ہو وہ ناقابل التفات ہے۔ ابن خلدون نے ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق چند احادیث نقل کر کے ان میں سے اکثر حدیثوں کے راویوں پر بعض شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ایسے شبہات تو بخاری ومسلم کے بعض رواۃ پر بھی پیدا ہوتے ہیں تو خود ہی اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شیخین کے رجال پر ایسے جروح وشبہات مضر نہیں کیونکہ ان کی حدیثوں کو قبول عام حاصل ہے۔" اس بیان سے مؤرخ کا ایک مسلمہ اور کلیہ قاعدہ یہ نکل آیا کہ اجماعیات میں راویوں کا مجروح ہونا مضر نہیں جس طرح بخاری ومسلم کی حدیثیں اجماعی ہیں اسی طرح ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ بھی اجماعی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پس احادیث مہدی پر جروح وشکوک ہرگز مضر نہیں۔ اور جروح بھی ایسے جو محض ظنی واختلافی ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کوئی حدیث بھی جرح سے نہ بچ سکے لیکن حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کے بارہ میں جو احادیث وارد ہیں ان میں کئی ایک ایسی بھی ہیں جن پر ابن خلدون باوجود کوشش وجستجو کے کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ وھی کما رایت لم یخلص منھا من النقد الا القلیل (حضرت مہدی علیہ السلام کی احادیث میں سے ایسی حدیثیں قلیل ہیں جو تنقید سے بچ سکی ہوں) گو اس ادعائے قلت سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا تاہم ابن خلدون کے ان الفاظ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی اور انہوں نے خود اس کا اعتراف کر لیا۔ کہ بعض حدیثیں اس پایہ کی بھی ہیں جو جرح کی کسی طرح متحمل نہیں۔ رہا رئیس قادیاں مرزا غلام احمد صاحب کا یہ بیان کہ صحیحین میں حضرت مہدی کے نام کی تصریح نہیں اس لئے حضرت مہدی کا ظہور ایک ظنی چیز ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کی خبر بخاری اور مسلم سے پیشتر صحابہ میں شائع ہو چکی تھی اور قدمائے امت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی پر بھی ایسا ہی ایمان واعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ دوسرے معتقدات ایمانیہ پر۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر بالفرض بخاری ومسلم احادیث مہدی سے بالکل سکوت اختیار کرتے تو بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔ حالانکہ ظہور مہدی علیہ السلام کی روایتیں بخاری مسلم میں بھی موجود ہیں۔ اور گو نام سے ساکت ہیں لیکن ان میں خلیفۂ آخر الزمان کے صفات مذکور ہیں کہ وہ نزول عیسیٰ علیہ السلام

کے عہد میں ظاہر ہوں گے۔ اور جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں اُن کا اقتدا کرینگے "اور نام کا مذکور نہ ہونا تو کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کے لئے ظہور امام سے انکار کیا جائے اور شک وشبہ کی گنجائش ہو۔ کیونکہ نام تو کسی ضعیف یا غیر مرفوع روایت سے بھی معلوم ہو جانا تو کافی تھا۔ لیکن باوجود اس کے خود احادیث صحیحہ میں جو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ مصرح موجود ہے۔ غرض نام نو کہیں بھی مذکور نہ ہوتا تو بھی یہ عقیدہ اسی طرح مسلم الثبوت اور یقینی تھا جس طرح اب نام کی تصریح کے ساتھ ہے۔ دیکھو جناب یوسف صدیق علیہ السلام کے جمال جہاں آرا کی قوت جہانگیری نے زلیخا کو کس طرح مغلوب ومقہور کیا تھا۔ اس داستان عشق ومحبت کو وہ غیر معمولی شہرت ونمود حاصل ہے کہ قرآن حکیم جیسی روحانی وآسمانی کتاب بھی اس کے تذکرہ سے خالی نہیں۔ برہان مقدس میں عاشقہ خستہ جگر کو امرأۃ العزیز (عزیز کی بیوی) کہ کے یاد کیا گیا ہے۔ زلیخا یا راعیلا نام نہیں بتایا۔ کیا قرآن کی اس عدم تصریح کی وجہ سے زلیخا کے وجود سے انکار کر دوگے؟

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا رسالہ "مؤخرۃ الظنون عن مقدمۃ ابن خلدون" ایک نہایت بیش بہا تصنیف ہے جس میں ابن خلدون کے ہر استدلال کا باحسن وجوہ بطلان ثابت کیا ہے۔ مولٰنا ممدوح اس رسالہ میں لکھتے ہیں "محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی امر متن یا سند میں مبہم ہو اور دوسری حدیث میں کوئی معتبر موجود ہو اور قرائن تو یہ سے دونوں حدیثوں کا متحد اور مترادف ہونا ثابت ہوتا ہو تو مبہم کو مفسر پر محمول کرینگے پس ایسی حالت میں کہ صحیحین کی احادیث میں امام کے صفات تو موجود ہیں نام مذکور نہیں تو غیر صحیحین کی حدیثوں سے جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے صفات کیساتھ آپ کے نام کی بھی تصریح ہے نام کا بھی علم ویقین ہو جائے گا اور صحیحین اور غیر صحیحین کی حدیثیں ایک دوسری کا عین سمجھی جائیں گی۔ علاوہ بریں محدثین کرام کا ان مبہم حدیثوں کو باب المہدی میں ذکر کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی بخاری ومسلم کی احادیث غیر مصرحہ باسم المہدی حضرت مہدی علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ خود ابن خلدون نے کسی محدث کا قول بھی نقل کیا ہے۔ وقد یقال ان حدیث الترمذی وقع تفسیراً لما رواہ مسلم فی صحیحہ "

مہدی علیہ السلام کے علامات مختصّہ

مہدی علیہ السلام کے بھی علامات مختصّہ ہیں جن کے ذریعہ سے وہ جھوٹے مہدیوں سے ممیز ہوتے ہیں۔ احادیث صحیحہ کے رُو سے سچے مہدی علیہ السلام کی جو علامتیں اور خصوصیتیں ثابت ہوتی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) ان کا اسم گرامی محمد اور ان کے والد محترم کا نام نامی عبداللہ ہوگا۔ (۲) خاندان نبوت کے چشم وچراغ ہوں گے یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ (۳) عرب کے حکمران ہونگے (۴) ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہوگا۔ مسجد الحرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی جائیگی (۵) بسیط ارض کو عدل وانصاف سے معمور کر دیں گے (۶) سات سال تک مسند آرائے خلافت رہیں گے۔ (۷) ان کے عہد مبارک میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور سطوت اسلام منتہائے عروج کو پہنچ جائے گی (۸) داد ودہش میں بے مثل اور ضرب المثل ہوں گے گنتی کئے بغیر مال وزر تقسیم کریں گے (۹) ان کے آخری ایام دولت میں مال وزر کی اتنی فراوانی ہوگی کہ کوئی شخص زکوٰۃ کا قبول کرنے والا بھی نہ مل سکے گا۔ (۱۰) شہر قسطنطنیہ کو جو اس سے پیشتر نصارٰی کے عمل ودخل میں چلا گیا ہوگا

نصاریٰ سے واپس لیں گے۔ (۱۱) یورپ کی مسیحی طاقتوں کے خلاف ان کی بہت سی لڑائیاں ہونگی منصور رہیں گے۔ (۱۲) حضرت مسیح بن مریم (علیہما السلام) بعد از نزول ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

فصل ۲ ۔ دعوائے مہدویت اور استعماری سرگرمیاں

محمد بن عبداللہ بن تومرت ۴۸۵ھ میں سوس میں پیدا ہوا۔ جو بلاد مغرب کا ایک پہاڑی علاقہ ہے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد و احفاد میں سے تھا۔ عالم وفاضل فصیح وبلیغ اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ عبادت الٰہی میں راغب اور تقشف وانقطاع میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ زہد وتبتل کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کی چھڑی اور چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز اسکی مِلک میں نہ تھی۔ باوجود ورع وتقویٰ کے ۵۱۴ھ میں اس نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرہیزگاری اور عبادت گذاری کا مقصد ہی یہی تھا کہ حبّ اوج وعروج کو زہد واتقاء کے دامن میں چھپا کر سرسبز کرے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کے علامات مختصّہ میں سے جو بارہ مشہور علامتیں فصل سابق میں مذکور ہوئیں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں اُن میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ بساط جرأت پر قدم رکھ کر مہدی آخر الزمان بن بیٹھے اور نہایت دیدہ دلیری سے لکھ مارا کہ "وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ میں ہی ہوں[1]" تو پھر ظاہر ہے کہ محمد بن عبداللہ بن تومرت جس کا نہ صرف اپنا اور باپ کا نام ہی حضرت مہدی علیہ السلام اور اُن کے والد محترم کے ناموں سے ملتا تھا بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کی طرح اسے بنو فاطمہ میں پیدا ہونے کا شرف بھی حاصل تھا وہ بھلا دعوائے مہدویت سے کیونکر باز رہ سکتا تھا؟ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب نے محض تنگ دستی اور مفلوک الحالی سے مجبور ہو کر تقدس واتقا کی دکان کھولی تھی۔ اور اس دکان آرائی سے بجز شکم پُری اور زر اندوزی کے ابتداءً کوئی بلند مقصد ان کے پیش نظر نہ تھا اور وہ بیچارے مدت العمر (۱) خود ستائی (۲) انگریز کی خوشامد (۳) حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمرۂ اموات میں شامل کرنے کی ناکام کوشش (۴) علمائے اُمت کے خلاف سب وشتم اور (۵) خواہشات نفسانی کی تکمیل کے سوا کوئی تعمیری کام نہ کر سکے لیکن بعض جھوٹے مدعی اپنے دعووں کی بدولت بڑے عروج کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ محمد بن تومرت نے دعوائے مہدویت ہی کے صدقے سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی جو اسلامی تاریخوں میں سلطنت موحدین کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے ابن تومرت کو امام ابو حامد محمد غزالیؒ کا شاگرد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ جب امام غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد میں مسند درس وافادہ پر سعادت افروز تھے تو ابن تومرت ان کے حلقۂ درس میں پہنچا اور تین برس تک آپ کی صحبت میں رہا۔ لیکن علامہ ابن اثیر نے اس بیان کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام غزالیؒ سے اس کی ملاقات ہی ثابت نہیں[2] ابن خلکان کا بیان ہے کہ طالب العلمی کے ایام میں ابن تومرت کو علم جفر کی ایک کتاب مل گئی جس کا اس نے نظر تعمق سے مطالعہ کیا۔ جب اس کتاب کے قواعد واحکام پر پوری طرح حاوی ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سوس میں ایک شخص پیدا ہوگا جو خاندان بنو فاطمہ کا چشم وچراغ ہوگا

---

[1] تذکرۃ الشہادتین مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص ۲ [2] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۰۱

وہ داعی الی اللہ ہوگا۔ اور اس کا مستقر ایک ایسا مقام قرار پائے گا جس کے نام میں حروف ت ی ن م ل (تینمل) ہوں گے اسے ایک شخص کی رفاقت حاصل ہوگی جس کے نام میں حروف ع ب د م وم ن (عبدالمومن) ہوں گے۔ اس اطلاع کے بعد وہ شب و روز اس نام کے آدمی کی تلاش میں ہمہ تن انتظار بنا رہا۔ ابن تومرت مضافات سوس میں پیدا ہوا تھا اور اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح وہی وہ شخص ہو جو سوس میں پیدا ہونے والا اور فاطمی النسل ہوگا۔

قاہرہ سے اخراج جہازرانوں نے سمندر میں لٹکا دیا

محمد ابن تومرت نے اپنے مقاصد کی تکمیل کا راز امر معروف و نہی منکر (نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا) میں مضمر دیکھا۔ اور یہ عمل کچھ تصنع و ریا پر موقوف نہیں تھا بلکہ یہ چیز ابتدا ہی سے فطرۃً اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ابن تومرت معاصی و منکرات کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ ذرا سی غیر مشروع بات پر ارباب ذوی الاقتدار اور وابستگان حکومت سے لڑ بیٹھتا۔ بڑے بڑے صاحبان جبہ و دستار سے اُلجھ جاتا۔ اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر جری تھا کہ نہ کسی والیٔ ملک کا خوف اس کو مرعوب کرتا تھا اور نہ کسی بڑے سے بڑے فاضل کا پاس و لحاظ مانع تھا۔ حکومت مصر نے اسے اسی قسم کی آزادانہ خودسریوں کی بدولت خارج البلد کیا۔ جہاں جاتا ملامتیں سنتا۔ گالیاں کھاتا۔ مگر اپنے کام سے باز نہ آتا۔ عربی میں نہایت فصیح و بلیغ تقریر کرتا تھا۔ جہاں کہیں اس کی مخالفت کا شور ہوتا تھا۔ وہاں ہزار ہا عامیان شریعت اس کے طرفدار بھی ہو جاتے تھے۔ متاع دنیوی سے اس درجہ فارغ تھا کہ سفر میں ایک چھڑی اور ایک چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز ساتھ نہ ہوتی تھی قاہرہ سے نکالا گیا تو اسکندریہ کی راہ لی۔ وہاں بھی امر معروف و نہی منکر کے سلسلہ میں کئی واقعات پیش آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ متولی اسکندریہ نے اسے ان بلاد سے خارج کر دیا۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر مغرب کا رُخ کیا۔ جہاز میں بھی احکام شرع کے نافذ کرنے میں لوگوں سے اکثر مار پیٹ کی نوبت آئی۔ جہاز میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو فریضہ صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ ابن تومرت نے ان سے ترک صلوٰۃ پر لڑنا شروع کیا۔ آخر جہاز رانوں نے تنگ آ کر اسے سمندر میں لٹکا دیا۔ اور وہ نصف یوم تک پانی میں لٹک کر سمندر کی نیلگوں موجوں سے دوچار رہا مگر قدرت الٰہی سے اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔ اہل جہاز نے یہ دیکھ کر ایک خلاصی کو پانی میں اُتارا۔ وہ ابن تومرت کو پھر جہاز میں کھینچ لایا۔ لوگوں نے اس امر کو کرامت پر محمول کیا اور اہل جہاز کے دلوں پر اس کی عظمت و بزرگی کا سکہ جم گیا اور ایسا رعب بیٹھا کہ کسی کو علانیہ مخالفت کی جرأت نہ رہی اور جو کچھ خفیف سی ناراضیاں باقی رہیں وہ بھی آناً فاناً دب گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ جس روز یہ مہدیہ کے ساحل پر اُترا ہے تو جہاز میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو نماز کا پابند نہ ہو یا کسی دن تلاوت قرآن میں ناغہ کرتا ہو۔

مہدیہ میں ورود اور شہر میں ہلچل

ان ایام میں امیر یحییٰ بن تمیم مہدیہ کا حاکم تھا۔ ابن تومرت نے ایک مسجد میں قیام کیا جو شہر کی ایک سڑک کے کنارے واقع تھی۔ اب اس نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ مسجد کے ایک حجرے میں جو سڑک کی طرف تھا بیٹھ جاتا۔ گذرنے والوں کی طرف دیکھتا رہتا اور جہاں کسی کو کسی نامشروع فعل کا مرتکب دیکھتا فوراً اتر کر اس سے دست و گریباں ہو جاتا۔ دو تین دن کے بعد کوچہ و بازار میں آمد و رفت شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے اندر بیتوں کی ڈھولکیں پھاڑ ڈالیں۔ بھنوں کے قرنا توڑے اور بے شمار تنبورے چھین چھین کر زمین پر دے مارے۔ سیکڑوں شراب کے خم اور دوسرے

ظروف چکنا چور کئے۔ غرض سارے شہر میں ایک آفت مچا دی۔ ان اولوالعزمیوں سے اس کی شہرت ہوگئی۔ لوگ معتقد ہونے لگے۔ عامۃ المسلمین ازراہ قدر شناسی آنکھوں پر بٹھانے لگے۔ چند ہی روز میں دھوم مچ گئی کہ ایک بڑے عالم متبحر وارد مہدیہ ہوئے ہیں۔ طلبہ نے چاروں طرف سے ہجوم کیا سلسلۂ درس و تدریس شروع ہوگیا۔ شدہ شدہ اس کی شہرت حاکم کے کان تک پہنچی۔ اس نے دربار میں بلوایا۔ بڑی قدر و منزلت کی اور بہت کچھ حسن عقیدت کا اظہار کر کے رخصت کیا۔ ابن تومرت کو ایک جگہ قرار نہ تھا کیونکہ وہ تو دراصل علم جفر کے بتلائے ہوئے رفیق اور شہر کا متلاشی تھا۔ غرض کچھ عرصہ کے بعد مہدیہ کو الوداع کہہ کر بجایہ میں پہنچا۔ وہاں بھی تعلیم و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا اور امر معروف و نہی منکر پر بڑی سختی سے کاربند ہوا۔ دن بدن جمعیت بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ حاکم بجایہ کو اس کی جمعیت نے بہت کچھ خوف زدہ کر دیا۔ ان دنوں ارباب حکومت ان لوگوں سے عموماً خوف زدہ رہتے تھے جو مرجع انام ہو جاتے تھے عالم بجایہ نے اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر مغرب کی راہ لی۔ اور ملالہ نام ایک گاؤں میں اترا۔ یہیں عبدالمؤمن سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جو طلب علم کے لئے مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عبدالمؤمن سے اس مقام پر ملا تھا جسے فنزارہ کہتے ہیں۔

عبدالمؤمن کی شخصیت

عبدالمؤمن کی پیدائش موضع تاجرہ میں ہوئی جو تلمسان کے مضافات میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ عبدالمؤمن کا باپ علی کمہار تھا جو مٹی کے برتن بنا کر بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عبدالمؤمن ایام طفلی میں سو رہا تھا اور اس کا باپ برتن بنانے میں مصروف تھا۔ اس اثنا میں علی نے اوپر کی طرف بھنبھناہٹ سی سنی سر اٹھا کر کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ بادل کے چھوٹے سے ٹکڑے کی شکل میں شہد کی مکھیوں کا جھنڈ ٹھیک اس کے مکان کی طرف آ رہا ہے۔ مکھیوں نے نیچے آ کر عبدالمؤمن کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ وہ بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ عبدالمؤمن کی ماں یہ دیکھ کر چیخنے چلانے لگی۔ علی نے اس کو خاموش کیا اور کہا "کچھ خطرے کی بات نہیں بلکہ میں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوں کہ یہ کیا کرشمۂ قدرت ہے؟" پھر اس نے مٹی اتار کر ہاتھ دھوئے اور کپڑے پہن کر یہ دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا کہ مکھیوں کی آمد کا کیا انجام ہوتا ہے؟ تھوڑی دیر میں مکھیاں اڑ گئیں اور علی نے لڑکے کو بیدار کیا۔ وہ بالکل صحیح و سالم تھا۔ اس کے بعد علی اپنے ایک ہمسایہ کے پاس جو بڑا عالم تھا گیا اور لڑکے پر مکھیوں کی آمد کا ذکر کیا۔ اس عالم نے بتایا کہ کسی دن تمہارا لڑکا بڑا عروج حاصل کرے گا اور جس طرح شہد کی مکھیوں نے اس کے گرد ہجوم کیا ہے اسی طرح اہل مغرب اس کی اطاعت پذیری پر مجتمع ہوں گے۔[1] یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبدالمؤمن بڑا ہوا تو فنزارہ میں اسے تین لڑکوں کے پڑھانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ امیر المسلمین علی بن یوسف کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہے۔ عبدالمؤمن کا بیان ہے کہ میں علی سے زیادہ دیر تک کھاتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ میرا نفس بسیار خوری کی طمع کرتا ہے۔ چنانچہ وہ پیالہ میں نے اس کے سامنے سے اچک لیا۔ اور تنہا کھانا شروع کیا۔ جب بیدار ہوا تو وہاں کے ایک مشہور عالم عبدالمنعم بن عشیر سے وہ خواب بیان کیا انہوں نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۳۱۰

یہ ہے کہ تم کسی دن امیر المسلمین پر دھاوا کر کے اس کے کچھ حصۂ ملک میں اس کے شریک ہو جاؤ گے اور بعد میں تمام ملک کو مسخر کر کے بلا شرکت غیرے اس کے فرمانروا ہو گے"۔ جب ابن تومرت ملالہ پہنچا تو وہاں ایک خوش جمال نوجوان کو سڑک پر جاتے دیکھا جس کے چہرے پر ذہانت و ذکاوت کے علاوہ دولت و اقبال کا ستارہ بھی چمکتا نظر آیا۔ اس نوجوان کی شکل و صورت میں کچھ ایسی دلفریبی تھی کہ محمد بن تومرت اپنے جذبات کو کسی طرح مخفی نہ رکھ سکا۔ بے اختیار اس کے قریب گیا اور کہا میاں صاحبزادے! تمہارا نام کیا ہے؟ خوش جمال نوجوان نے جواب دیا "عبدالمؤمن" اس نام کے سنتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا اور دل میں کہنے لگا اسی دُرِّ شاہوار کی تلاش میں تو مدتوں سے سرگرداں ہوں۔" ابن تومرت کو عبدالمؤمن کی دید سے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی اور اب اسے متوقع دولت و سلطنت کے حصول کا کامل وثوق ہو گیا۔ اب اس نے عبدالمؤمن سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب ملا غریب خانہ کومیہ میں ہے۔ پھر دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اس نے بتایا کہ علم کے شوق میں بغداد وغیرہ مشرقی ممالک کو جا رہا ہوں۔" ابن تومرت نے کہا صاحبزادے! علم و فضل، دولت و ثروت سب چیزیں تمہارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ خدا نے تمہیں دین و دنیا کی دولت بخشی ہے آؤ میرے ساتھ چلو۔ عبدالمؤمن اس سے پیشتر خواب بھی دیکھ چکا تھا جس سے اسے یقین تھا کہ میں کسی دن حکومت و ثروت سے ہمکنار ہوں گا۔ ابن تومرت کی باتوں کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے سننے لگا۔ ابن تومرت نے کہا تم میرے ساتھ چلو۔ میں وہ باطنی رموز تم پر ظاہر کروں گا کہ تم کو میرے کہنے کا یقین آ جائے گا۔ اس کے بعد ابن تومرت نے عبدالمؤمن کو یقین دلایا کہ وہ عنقریب بہت بڑا بادشاہ ہونے والا ہے۔ الغرض عبدالمؤمن نے اپنی تقدیر اس سے وابستہ کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔

بادشاہ کو ابن تومرت کے قتل کر دینے کا مشورہ

کچھ دنوں تک ملالہ میں تعلیم و تدریس اور دعوۃ الی الخیر کا سلسلہ جاری رہا۔ ان دنوں کئی آدمی اس کے مرید ہوئے۔ اب اس نے مراکش کا قصد کیا۔ یہی وہ سلطنت تھی جس کو شکار بنانے کا عزم تھا۔ کیونکہ ان دنوں سرزمین مغرب میں اس سے بڑھ کر کوئی پرشکوہ سلطنت نہ تھی حتی کہ اس عہد کے فرمانروایان اسپین بھی مراکش کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ محمد بن تومرت اپنے رفقاء سمیت تلمسان پہنچا۔ جو اس زمانہ میں مراکش کا دارالسلطنت تھا۔ یہاں اپنی عادت کے موافق شہر سے باہر ایک مسجد میں قیام کیا جس کو مسجد عُبّاد کہتے تھے اور اپنی عادت کے بموجب علماء، فضلاء اور حکومت کے عہدہ داروں پر شرعی نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی وعظ میں بادشاہ ابوالحسن علی بن یوسف بن تاشفین پر بھی جو نہایت نیک نفس تاجدار تھا لعن و طعن کا دروازہ کھول دیا۔ یہ بادشاہ نہایت صالح، خدا ترس، قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی کثرت عبادت اسے مہمات سلطنت کے سرانجام دینے کی بھی مہلت نہ دیتی تھی۔ اسی بنا پر کچھ دنوں سے نظام حکومت میں کسی قدر اختلال پیدا ہو گیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کی سرگرمیاں اور اس کے اقوال و مزعومات، مالک ابن وُہیب اندلسی وزیر اعظم کے گوش زد ہوئے تو اپنے جودت طبع سے ابن تومرت کے دلی ارادوں کا حال معلوم کر لیا اور امیر المسلمین کو اس کے قتل کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ شخص خمیرۂ فساد معلوم ہوتا ہے اس کے مکر و فریب سے بے خوف نہ رہنا چاہیئے۔ مگر خدا ترس بادشاہ

نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ پھر وزیر باتدبیر نے بادشاہ سے کہا کہ اچھا اگر آپ اس شخص کے قتل پر رضامند نہیں ہیں تو اس شخص کو مدت العمر نظر بند رکھا جائے۔ ورنہ یقین ہے کہ یہ شخص بہت جلد سلطنت میں انقلاب کر دے گا۔ بادشاہ نے کہا ہم کسی شخص کو اس وقت تک نعمت آزادی سے کیونکر محروم کر سکتے ہیں جب تک اس کا جُرم ثابت نہ ہو؟ اس کے بعد جمعہ کا دن آیا تو محمد بن تومرت مع اپنے مریدوں کے مسجد جامع میں پہنچا۔ اس کے مرید تو اِدھر اُدھر بیٹھ گئے مگر خود خاص اُس جگہ پر جا کے کھڑا ہُوا جو بادشاہ کے لئے مخصوص تھی۔ وہ عہدہ دار جس کے ہاتھ میں مسجد کا انتظام تھا۔ ابن تومرت کے پاس جا کر کہنے لگا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ جگہ صرف شاہ اسلام کے لئے مخصوص ہے؟ اس پر ابن تومرت نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا اِنَّ المساجد للہِ (مسجدیں صرف اللہ کی ہیں) حاضرین اس جسارت پر انگشت بدندان رہ گئے اب ابن تومرت نے لوگوں کی طرف رخ کر کے ایک پُر جوش تقریر شروع کر دی جس میں نامشروع باتوں کی خوب تردید کی۔ یہ تقریر ہو ہی رہی تھی کہ بادشاہ آگیا اور لوگ حسب معمول آداب شاہی بجا لانے لگے۔ یہ دیکھ کر محمد بن تومرت بادشاہ کی جگہ پر جہاں کھڑا تھا بیٹھ گیا۔ بادشاہ نہایت عادل اور نیک نفس تھا۔ اس نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی اور دوسری جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔ نماز کے اختتام پر جیسے ہی امام نے سلام پھیرا ابن تومرت کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا "اے بادشاہ! رعایا پر جو مظالم ہو رہے ہیں۔ ان کی خبر لے۔ مانا کہ ان کی آواز تیرے کان تک نہیں پہنچی مگر فردائے قیامت کو اس احکم الحاکمین کے سامنے تجھے رعایا کے متعلق ہر قسم کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور تو یہ کہہ کر ہرگز نہ چھوٹ سکے گا کہ مجھے خبر نہ تھی۔ تو غریبوں اور بیکسوں کی جان و مال کا ہر طرح سے ذمہ دار ہے"! بادشاہ نے اس کی تقریر سے خیال کیا کہ شاید کوئی عالم ہے اور کچھ حاجت رکھتا ہے۔ اس بنا پر جاتے وقت حکم دیا کہ اس عالم سے دریافت کرو۔ اگر کوئی غرض ہو تو پوری کی جائے مقروض ہے تو قرض ادا کیا جائے۔ نادار ہے تو بیت المال سے امداد کی جائے۔ بادشاہ کو اس وقت تک معلوم نہیں تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے قتل کرنے کا وزیر نے مشورہ دیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کو بادشاہ کے اس حکم کی اطلاع ملی تو کہنے لگا کہ بادشاہ تک میرا پیغام پہنچا دو کہ میری غرض دنیائے دنی نہیں۔ میرا نصب العین تو مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی خدمت ہے"!

شاہزادی اور اُس کی لونڈیوں کو زد و کوب

ان ایام میں مراکش میں شاہزادیاں بہت کم پردے کی پابند تھیں۔ اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ اسپین کے نصاریٰ کا مسلمانانِ مراکش کے ساتھ بکثرت اختلاط رہتا تھا لیکن کتاب العِداة میں اس چہرہ کشائی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں وہاں یہ دستور تھا کہ مرد چہروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے اور عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں۔ گو یہ بات قرینِ قیاس نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ بہرحال ایک دن بادشاہ علی بن یوسف کی بہن اپنی لونڈیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار بے نقاب شہر کی کسی سڑک پر سے گذری۔ محمد بن تومرت کی غیرت بھلا اس بے حجابی کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی۔ اپنے مریدوں کے جھرمٹ میں سے نکل کر عورتوں کے غول پر باز کی طرح جھپٹا اور اکثر لونڈیوں کو مار پیٹ کر زخمی کر دیا۔ مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمان عورتیں اور یوں بے پردہ سیر کرتی پھریں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ خود شاہزادی کے گھوڑے پر اتنے ڈنڈے پڑے کہ وہ بہت زیادہ بھڑکا اور شاہزادی اُسکی

پیٹھ پر سے گر کر زخمی ہوگئی۔ ابن تومرت تو ان کو مار پیٹ کے چل دیا اور لوگ مجروح شاہزادی کو اُٹھا کر محل سرائے شاہی میں لے گئے۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ ابن تومرت کی جرأت و دلیری پر عش عش کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ابن تومرت کی ان ستیزہ کاریوں کا علم ہوا تو اُسے دربار میں بلا بھیجا اور کہا صاحب! آپ نے یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے؟ ابن تومرت نے کہا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں، آخرت کا طلب گار ہوں۔ امر معروف اور نہی منکر میرا مشغلہ ہے اے بادشاہ! امر معروف اور نہی منکر یوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن آپ اس کے سب سے زیادہ مامور ہیں۔ کیونکہ کل قیامت کے دن آپ سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہوگی۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی مملکت میں بدعات و منکرات کا شیوع ہے اس لئے آپ پر فرض ہے کہ احیاء سنت کریں۔ اور بدعت کو مٹا دیں۔ چنانچہ خود خداوند عالم نے تارکین امر معروف و نہی منکر کے حق میں فرمایا ہے۔

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (۵: ۸۰) | اُس برائی سے جس کے وہ مرتکب ہوتے تھے، ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ اُن کا یہ فعل بہت بُرا تھا۔

بادشاہ ان کلمات سے بڑا متاثر ہوا اور حکم دیا کہ تمام سربر آوردہ فقہاء اور اصحاب حدیث جمع کئے جائیں جب علمائے دربار جمع ہوئے تو کہا کہ اس سے میرے سامنے مناظرہ کرو تاکہ معلوم ہو کہ ان ہنگامہ خیزیوں سے اس کی کیا غرض ہے محمد بن تومرت دوبارہ دربار شاہی میں بلایا گیا۔ قاضی محمد بن اسود نے ابن تومرت سے کہا کیا یہ صحیح ہے جو مشہور ہو رہا ہے کہ تم بادشاہ کو برا بھلا کہتے پھرتے ہو؟ اور بادشاہ بھی وہ جو عدل گستر، رعایا پرور، نیک نفس، تقوی شعار، خواہشات نفسانی کا دشمن اور احکام خداوندی کا پابند ہے؟ اس کے جواب میں ابن تومرت نے کہا واقعی میں نے بادشاہ کے خلاف ایسے کلمات کہے۔ باقی رہا یہ کہ بادشاہ متقی پرہیز گار اور خدا ترس ہے میں اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ کیا وہ بادشاہ بھی متقی کہلا سکتا ہے جس نے تمہاری باتوں کا اعتبار کر لیا اور جو کچھ تم لوگ کہہ دیتے ہو اسی کو وحی الٰہی سمجھنے لگتا ہے حالانکہ خوب جانتا ہے کہ وہ سلطنت کے ہر عیب اور خرابی کا جواب دہ ہے۔ کل قیامت کو بادشاہ یہ کہہ کر نہ چھوٹ جائے گا کہ مجھے اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ابن تومرت نے کہا قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اسلامی عملداری میں خنزیر مارے مارے پھرتے ہیں، شراب فروخت کی جا رہی ہے۔ یتیموں کے مال پر دست تطاول دراز ہے سینکڑوں بیوائیں رات کو بھوکی سوتی ہیں۔ بے شمار یتیم ہیں جن کے سر پر دست شفقت پھیرنے والا کوئی نہیں؟ یہ تقریر ایسی مؤثر اور دل دوز تھی کہ بادشاہ نے آبدیدہ ہو کر خجلت و ندامت سے سر جھکا لیا اور دل میں کہا واقعی یہ سچ کہتا ہے۔

مراکش سے اخراج

اب ابن تومرت کو تو رخصت کر دیا گیا اور علماء و ارکین سلطنت میں مشورہ ہونے لگا کہ اس شخص کی شوریدہ سری کا کیا علاج کیا جائے۔ علامہ مالک بن وہیب وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا کہ اس شخص کی باتوں سے بوئے بغاوت آتی ہے۔ اس لئے اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیئے اور اگر اس کا قتل خلاف مصلحت ہے تو کم سے کم اسے حراست میں رکھا جائے اور اس کے مصارف کے لئے ایک دینار سرخ روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ خطرہ ہے کہ کہیں اس کا ہاتھ شاہی خزانہ تک نہ پہنچ جائے۔ ایک اور وزیر نے یہ رائے دی کہ اس کو خارج البلد کر دینا کافی ہے۔

بادشاہ نے آخری رائے سے اتفاق کیا اور کہا میں اس سے زیادہ کوئی سزا نہیں دے سکتا خصوصاً ایسے صاحب علم ناصح کو جس کی ہر بات از روئے انصاف حق و صدق پر مبنی ہے۔" غرض فرمان شاہی کے بموجب ابن تومرت اپنے پیرووں سمیت مراکش سے خارج کر دیا گیا۔ تلمسان سے نکل کر یہ چھوٹا سا قافلہ شہر اغمات میں پہنچا۔ یہ شہر بھی مراکش ہی کی عملداری میں واقع تھا۔ ابن تومرت یہاں چند روز اقامت گزیں رہا۔ اس جگہ عبدالحق بن ابراہیم نام ایک شخص سے جو شہر کا ایک بڑا رئیس تھا دوستی ہو گئی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اگر تم سلطنت کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اغمات میں نہیں رہنا چاہیئے۔ یہ شہر کسی طرح تمہاری حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایسی کارروائیوں کے لئے موزوں ترین مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو پہاڑوں کے دشوار گذار دروں میں واقع ہے اور یہاں سے ایک دن کی راہ ہے۔ ابن تومرت نے اس قصبہ کا نام پوچھا تو رئیس نے بتایا کہ اس کو تین مل کہتے ہیں۔ تینمل کا نام سنتے ہی ابن تومرت کی باچھیں کھل گئیں اور مارے خوشی کے اُچھل پڑا۔ کیونکہ یہی اس شہر کا نام تھا جو علم جفر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہُوا تھا۔ اب اسے حصول مقصد کا یقین ہو گیا فوراً کوچ کیا اور تینمل کی راہ لی۔

مہدویت کا دعویٰ

اہل تینمل نے محمد بن تومرت اور اس کے پیرووں کو علماء و درویشوں کے لباس میں دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور خاطر مدارات سے پیش آئے۔ یہاں لوگوں کا بکثرت رجوع ہُوا۔ قبیلہ المصامدہ کے تمام سردار چند ہی روز کے اندر اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ابن تومرت نے مقامی زبان میں جس میں وہ فصیح ترین شخص مانا جاتا تھا وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا یہاں تک کہ اس کی بزرگی و مشیخت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اسی کے ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کرا دیا۔ جب دیکھا کہ باشندگانِ تینمل اور اہل مضافات پر اس کا جادو چل چکا تو آغازِ دعوت کا عزم کیا۔ اور اپنے منادی بیرونی قبائل کی استمالت قلوب کے لئے روانہ کئے۔ ابن تومرت کے مبلّغ تمام کوہستان میں پھیل گئے۔ یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے سامنے ہر وقت امام منتظر حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی روایتیں بیان کر کے ان کی آتشِ شوق کو مشتعل کرتے اور کہتے کہ حضرت مہدی علیہ السلام بہت جلد ظہور فرما ہوں گے۔" جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو ابن تومرت نے جامع مسجد میں مہدی ہونے کا دعوٰی کیا اور کہا کہ میں وہی محمد بن عبداللہ المعروف مہدی ہوں جس کے ظاہر ہونے کی صدیوں پہلے جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اور میرے سوا کوئی نہیں جس کی ذات پر احادیث مہدی صادق آسکیں۔" یہ سنتے ہی عبدالمؤمن وغیرہ دس خاص مرید تائید کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے حضور! مہدی آخرالزمان کے تمام صفات آپ کی ذات میں مجتمع ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد میں۔ نام بھی محمد ہے۔ اب آپ کے سوا کون ہے جو مہدیٔ منتظر ہو سکے۔" یہ کہہ کر ابن تومرت سے مہدویت کی بیعت کرنے لگے۔ دوسرے لوگ بھی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص بیعت کو ذریعۂ نجات و فلاحِ دارین یقین کر کے پروانہ وار گرتا تھا۔ اس دن سے ابن تومرت لوگوں سے اپنی مہدویت اور امامت کبریٰ کی بیعت لینے لگا۔ آغاز بیعت کے بعد ابن تومرت اور اس کے منادوں نے جو زبردست پروپیگنڈا کیا اس سے لوگوں کو یقین آگیا کہ ابن تومرت ضرور مہدی موعود ہے۔ چنانچہ تمام قبائل نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جنہوں نے اس کو مہدی موعود تسلیم نہ کیا ہو۔ ابن تومرت نے کہا میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں جس پر حضور سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ اخیار سے بیعت لی تھی۔ پھر ان کے لئے اپنی دعوت کے متعلق بہت سے رسالے تالیف کئے۔ وہ اکثر مسائل کلامیہ

میں امام ابوالحسن اشعریؒ کا پیرو تھا مگر مسئلہ اثبات صفات باری تعالیٰ کی نفی اور چند دیگر مسائل میں معتزلہ کا ہمنوا تھا
ابن تومرت اپنے پیروؤں کو موحدین کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دنیا میں تمہارے سوا کوئی موحد نہیں ہے۔
ان کی دس مختلف جماعتیں قائم کی تھیں جن میں سے اولین جماعت مہاجرین کی تھی جنہوں نے اس کی دعوت کو بلاتوقف
لبیک کہا تھا۔ ان کا نام الجماعت رکھا۔ ایک جماعت کو مخمسین کہتے تھے۔ یہ تمام طبقے کسی ایک قبیلہ سے مرتب نہ کئے تھے
بلکہ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ ابن تومرت اپنے پیروؤں کو مومنین کہا کرتا تھا۔ اور اس کا بیان تھا کہ سطح ارض پر تمہارے
برابر کوئی شخص کامل الایمان نہیں۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کی مخبر صادق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث
میں خبر دی تھی کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں قتال کر کے غالب آتا رہے گا۔ اور اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکے
گا یہاں تک کہ امر خداوندی آپہنچے۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کانے دجال کو قتل کرائے گا۔ تم ہی میں
وہ امیر ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی سی عبادت کرتا ہے۔ الغرض مصامدہ روز افزوں اعتقاد کے ساتھ ابن تومرت کے
مطیع ہوتے گئے۔ ان کے دلوں میں اس کا ادب و احترام اس درجہ راسخ ہوا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو اس کے باپ یا
بھائی یا فرزند عزیز کے قتل کرنے کا بھی حکم دیتا تو وہ بے دریغ اس کی تعمیل کرتا۔

ابن تومرت کا ایک عجیب معجزہ

جن ایام میں علالہ کے مقام پر ابن تومرت عبدالمومن سے ملاقی ہوا۔ انہی دنوں عبداللہ ونشریسی
نام ایک ذی علم آدمی بھی اس کا شریک حال ہوا تھا۔ کتاب الاستقصاء میں کا نام ابو محمد بشیر
ونشریسی لکھا ہے۔ لیکن عبداللہ ونشریسی زیادہ مشہور ہے۔ ونشریسی بڑا ذہین فصیح و بلیغ، لغات عرب و اہل مغرب کا ماہر
، قرآن مجید اور مؤطا امام مالکؒ کا حافظ تھا۔ ابن تومرت اس کی ذہانت اور جودت طبع دیکھ کر عش عش کرتا تھا اور سوچا
کرتا تھا کہ اس شخص کی قابلیت سے کوئی کام نکالنا چاہیئے چنانچہ جب دیکھا کہ ونشریسی ہر طرح سے محرم راز ہو گیا تو اس
سے کہا کہ وہ لوگوں کے سامنے گونگا بن جائے۔ اور اپنی علمی اور ذہنی قابلیت اس وقت تک ظاہر نہ کرے جب تک بطور
معجزہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ ہو۔ ونشریسی انتہا درجہ کا مستقل مزاج تھا۔ اس نے اپنے مخدوم و مطاع کا منشا معلوم
کر کے ایسی چپ سادھی کہ لوگ اسے جاہل مطلق گونگا بلکہ دیوانہ خیال کرتے تھے۔ یہ شخص میلے کچیلے کپڑے پہنے رہتا اور ایسی
مکروہ وضع و ہیئت بنا رکھی تھی کہ کوئی شخص پاس بیٹھنے کا روادار نہ تھا۔ ابن تومرت کی خواہش تھی کہ تینمل اور اس کے
گرد و نواح میں کوئی شخص ایسا نہ رہ جائے جو اس کی مہدویت کا منکر ہو اور اس آبادی کو ان تمام لوگوں کے خار وجود سے
پاک کر دیا جائے جو وحدت قومی کی راہ میں حائل ہیں۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک دن ونشریسی سے کہنے لگا اب تمہارے اظہار
کمال کا وقت آگیا اور اسے سب تدبیر سمجھا دی۔ چنانچہ جب ابن تومرت نماز صبح کے لئے مسجد میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک
شخص نہایت فاخرہ لباس زیب تن کئے محراب مسجد میں کھڑا ہے۔ اور اس کی خوشبو سے مسجد مہک رہی ہے۔ اس وقت سب
کا مجمع تھا۔ پوچھنے لگا حضرت آپ کون ہیں؟ کہنے لگا کہ یہ خاکسار عبداللہ ونشریسی ہے۔ پوچھنے لگا آپ کو یہ درجہ کیونکر
ملا؟ تم تو گونگے اور مجنون تھے؟ کہا درست ہے لیکن الحمد للہ آج خدائے قدیر نے مجھے تمام جسمانی و روحانی نقائص سے
پاک کر دیا۔ رات کو ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر میرے پاس آیا اس نے میرا سینہ شق کر کے ساری کثافتیں اور سارے نقصانات

نکال ڈالے اور مجھے ملائکہ مقربین کی طرح بالکل معصوم بنا کر میرے دل کو علوم و حکمت سے بھر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں جو کل تک جاہل مطلق اور گونگا تھا آج ایک زبردست عالم، کلام پاک اور مؤطائے مبارک کا حافظ ہوں"۔ یہ سن کر ابن تومرت مصنوعی آنسو بہا کر کہنے لگا میں کس زبان سے اُس ارحم الراحمین کا شکریہ ادا کروں کہ اوروں کو تو دعائیں مانگنے اور ایڑیاں اور گھٹنے رگڑنے سے کچھ ملتا ہے لیکن خدائے رحیم و ودود اس عاجز کی تمام خواہشیں بلا طلب پوری فرماتا ہے چنانچہ اس عاجز کی جماعت میں ایسے ایسے برگزیدہ لوگ بھی شامل کئے ہیں جن پر ملائکہ مقربین آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کر کے اس کو علوم و حکمت سے معمور فرمایا گیا اسی طرح اس عاجز کی جماعت کے ایک فرد کا سینہ بھی شق کیا گیا۔ اور رسول پاکؐ کی طرح اس کا خزینۂ دل بھی قرآن اور حکمت اور علوم لدنیہ سے مالا مال کیا گیا"۔ اس کے بعد اپنی سحر بیانی سے کام لیتے ہوئے ونشریسی سے کہنے لگا "بھائی! یہ دعویٰ ایسا نہیں کہ بے تحقیق اور بلا دلیل مان لیا جائے اس کا کوئی ثبوت ہونا چاہیئے۔ حاضرین نے بھی اس کی تائید کی۔ اب اس سے امتحاناً چند سورتیں پڑھنے کو کہا گیا۔ اس نے یہ سورتیں نہایت تجوید و ترتیل کے ساتھ سنا دیں۔ اسی طرح مؤطا وغیرہ کتب حدیث کا امتحان لیا گیا۔ ونشریسی سب میں کامیاب نکلا۔ تمام لوگ جو ونشریسی کو اس کے آغاز قدوم سے برابر گونگا اور دیوانہ اور جاہل مطلق یقین کرتے آ رہے تھے اس خوارق العادۃ واقعہ پر محو حیرت ہوئے اور اس کو "مہدی موعود" (ابن تومرت) کے معجزہ کا اثر تسلیم کرنے لگے۔

تین رازدار "فرشتوں" کا کوئیں میں بٹھایا جانا

اب ابن تومرت نے ونشریسی سے کہا "اے بزرگ! یہ تو بتائیے کہ میں سعید ہوں یا شقی؟" ونشریسی نے جواب دیا کہ "اے ابن تومرت! آپ مہدی قائم بامر اللہ ہیں جو آپ کی پیروی کرے گا وہ سعید اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی ازلی اور جہنمی ہے"۔ اس کے بعد فاضل ونشریسی نے کہا کہ واہب العطایا نے حضور کے تصدق سے اس خاکسار کو ایک اور نعمت بھی عطا کی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ عرض کیا کہ خاکسار کے باطن میں ایک ایسا نور رکھ دیا ہے کہ جس سے اہل جنت اور اصحاب نار کو فوراً پہچان لیتا ہوں اور خدائے غیور نے اس نور کے عطا کرتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس مقدس جماعت میں دوزخیوں کا شامل رہنا قطعاً ناروا ہے لہٰذا ارشاد ہوا کہ دوزخیوں میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً پہچان کر ہلاک کر دو۔ اور چونکہ اتلاف و استہلاک کا معاملہ نہایت نازک اور قابل احتیاط تھا اس لئے خدائے برتر نے تین فرشتے میری تصدیق کے لئے نازل فرمائے ہیں جو اس وقت فلاں کوئیں میں موجود ہیں"۔ یہ سن کر مہدی نے کوئیں پر جانے کا ایک وقت مقرر کر دیا۔ اور اس غرض کے لئے پہلے سے اپنے تین رازدار مرید اس میں بٹھا دیئے۔ ان ارباب ایمان کے اسماء گرامی کی ایک فہرست پہلے سے مرتب کر لی گئی تھی جنہیں ابن تومرت کی مہدویت سے انکار تھا یا اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ابن تومرت وقت معہود پر سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ کوئیں کی طرف گیا۔ یہ کنواں ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ لوگ ایسی حالت میں کوئیں کی طرف جا رہے تھے کہ چہروں کا رنگ فق تھا۔ دل امید و بیم کی کشمکش میں مبتلا تھے اور ہر شخص اس خیال سے خوف زدہ تھا کہ دیکھیں آج کون شخص ذلت و رسوائی سے قتل ہو کر ننگ خاندان ٹھہرتا اور جہنم کے عذاب خلد میں جھونکا جاتا ہے۔ وہ میدان اس وقت عرصۂ قیامت

بنا ہوا تھا ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا تھا۔ نہ باپ کو بیٹے کی خبر تھی اور نہ بیٹے کو باپ یا بھائی کی اطلاع۔ اُدھر قبائل میں کہرام مچا ہوا تھا کہ دیکھیں کوئی مرد اپنے گھر کی خبر گیری کے لئے واپس بھی آتا ہے یا سب دوزخ کو جا آباد کرتے ہیں۔ غرض تمام لوگ کوئیں پر پہنچے۔ مہدی نے پہلے دوگانہ نماز ادا کیا۔ اس کے بعد ان تین "فرشتوں" سے جو کوئیں کی تہ میں اُترے ہوئے تھے باواز بلند کہا "اے ملائکہ! عبداللہ ونشریسی کا دعوٰے ہے کہ خدائے برتر نے مجھے جنتی اور دوزخی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت عطا کر کے حکم دیا ہے کہ تمام دوزخی چن چن کر قتل کر دئیے جائیں کیا یہ بیان صداقت پر مبنی ہے؟" ان تینوں چاہ نشین مریدوں نے پکار کر کہا کہ "عبداللہ نہایت صادق البیان ہے"۔ اس جواب سے لوگوں کا اعتقاد اور بھی راسخ ہو گیا ابن تومرت نے دیکھا کہ عالم سفلی کے یہ فرشتے اوپر آ گئے تو افشار راز کا احتمال رہے گا اس لئے ان کو عالم بالا میں بھیج دینا مناسب ہے۔ ونشریسی وغیرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ یہ کنواں نزول ملائکہ کی وجہ سے مقدس مقامات میں داخل ہو گیا ہے اور اگر یوں ہی کھلا چھوڑ دیا گیا تو اس میں ناپاک چیزوں کے گرنے اور اس کے نجس ہونے کا خطرہ رہے گا۔ اور اگر کبھی ایسا ہوا تو قوم پر قہر الٰہی نازل ہوگا اس لئے اس کو پاٹ دینا مناسب ہے" چنانچہ سب نے اس خیال کی تائید کی اور سب کے اتفاق رائے سے وہ کنواں فوراً پاٹ دیا گیا جو چاہ بابل کے مفروضہ ملائکہ کی طرح ان بے گناہ فرشتوں کا دائمی محبس قرار پایا۔ معلوم نہیں کہ تینوں راز دار مریدوں کی ہلاکت انکی رضامندی سے معرض عمل میں آئی یا اُن سے ظلماً و غدراً ایسا سلوک کیا گیا۔ بصورت اول مریدان صادق الاعتقاد کا اس طرح سے جان دینا کچھ تعجب انگیز نہیں چنانچہ حسن بن صباح کے باطنی فداکاروں کے کارنامے اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ اب قتل و استہلاک کا خون آشام ہنگامہ شروع ہوا۔ ونشریسی جس کے پاس منکرین و مخالفین مہدی کی فہرست موجود تھی میدان میں کھڑا ہو گیا اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے نام پکارنے لگا۔ یہ شخص اپنے موافقوں اور ہم مشربوں کو جنتی قرار دے کر داہنی طرف کھڑا کرتا اور فہرست سے مخالفوں کے نام دیکھ دیکھ کر انہیں جہنمی کا لقب دیتا اور بائیں جانب کھڑا کرتا۔ کئی جلاد تیغ برہنہ کھڑے تھے جو اصحاب الشمال کو فوراً قتل کر دیتے تھے کئی دن تک یہ قیامت برپا رہی۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک قبیلہ بلایا جاتا اور ارباب ایمان جہنمی کہ کر دار الخلد کو بھیج دیئے جاتے۔ غرض سیکڑوں ہزاروں عاشقانِ حق تہ تیغ کئے گئے۔ بقیۃ السیف اس کے پکے "جان نثار اور مخلص مرید تھے۔

شاہی تحصیل داروں کا قتل عام

اب ابن تومرت نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ ہر وقت سلاطین وقت کو خاطی ظالم نابکار اور دشمنانِ دین و ملت ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا اور کہتا کہ انہوں نے احکام الٰہی کے اجرا میں کوتاہی کی ہے۔ اس لئے نہ صرف ان کی اطاعت حرام ہے بلکہ ان کے خلاف غزا و جہاد فرض ہے اور برملا کہتا کہ میں سلطنت مراکش کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اور یہ کہ جو کوئی دنیا اور عقبیٰ میں سرفراز و کامگار ہونا چاہتا ہے وہ اس جہاد میں میرا ساتھ دے گا۔ اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا عقیدت مند جان بازی و سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اب ابن تومرت سلطان مراکش کے خلاف علم مصاف بلند کرنے کے لئے حیلہ تلاش کرنے لگا۔ وہ اکثر دیکھتا تھا کہ خود تو اہل کوہ سانولے ہیں اور ان کی بعض اولاد گربہ چشم اور بھورے رنگ کی ہے۔ ایک دن ان سے دریافت کرنے لگا کہ اولاد اور والدین کے اختلاف رنگت کی کیا

وجہ ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے سکوت کیا اور ندامت سے سر جھکا لئے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ سلطان کے غلام ہر سال تحصیل خراج کے لئے ان پہاڑوں پر آتے ہیں جو عموماً یونانی رومی اور فرنجی ہیں۔ بادشاہ کو تو غالباً اس کی خبر نہ ہوگی مگر وہ لوگ ہماری بڑی رسوائی کرتے ہیں۔ آتے ہی ہمیں ہمارے گھروں سے خارج کر دیتے ہیں اور ہماری عورتوں کو بے عزت کر ڈالتے ہیں اور ہمیں ان کی دست برد سے بچنے کی قدرت نہیں۔ اسی وجہ سے ہماری عورتوں کی بعض اولاد ان غلاموں کے رنگ پر ہوتی ہے۔ ابن تومرت طیش میں آ کر کہنے لگا تمہارے لئے ایسی شرمناک زندگی سے مرجانا بہتر ہے اور مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ایسے شجاع و جانباز لوگ ایسی بے عزتی اور بے غیرتی پر کیوں کر خاموش رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بھلا لشکر سلطانی سے مقابلہ کرنے کا کیونکر حوصلہ ہو سکتا تھا۔ کہنے لگا اچھا اگر کوئی شخص اس بارہ میں تمہاری داد رسی کرے تو اس کا ساتھ دو گے؟ انہوں نے کہا ساتھ دینا کیسا ہم اس کے حکم پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ مگر ایسا فریاد رس کہاں مل سکتا ہے؟ ابن تومرت تو خدا سے یہی چاہتا تھا ان سے وعدہ کیا کہ میں تم کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا۔ انہوں نے اس کی سرپرستی نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کی۔ ابن تومرت نے ان کو سمجھایا کہ اب کی مرتبہ جب بادشاہ کے غلام یہاں آئیں اور تمہاری عورتوں سے اختلاط کا قصد کریں۔ تو تم ان کے پاس شراب کی بوتلیں رکھ دینا اور جب وہ پی کر نشہ میں سرشار ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ غرض جب بادشاہ کے غلام حسب معمول خراج سلطنت کی تحصیل کے لئے آئے تو انہوں نے ان کو خوب شراب پلائی۔ جب بدمست ہو گئے تو ابن تومرت کو خبر کی۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ سب غلام مار ڈالے گئے۔ البتہ ایک غلام جو حسن اتفاق سے کسی کام کے لئے اپنی فرودگاہ سے باہر گیا تھا باہر ہی خبردار ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے دار السلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو صورت حال سے مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہی محمد بن تومرت جو یہاں سے نکالا گیا تھا وہاں پہنچ کر سب کا پیشوا بنا ہوا ہے اور اسی کے حکم سے یہ کارروائی عمل میں آئی ہے۔ اب بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ اپنی مآل نااندیشانہ رواداری اور سہل انگاری پر بہت پچھتایا اور تسلیم کیا کہ مالک بن وہیب کی رائے واقعی نہایت صائب تھی۔

شاہی فوج کی ہزیمت ابن تومرت کو یقین تھا کہ شاہی فوج انتقام کے لئے ضرور آئے گی اس لئے اس نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنے پیروؤں کی ایک زبردست جمعیت پہاڑوں پر دروں کی دونوں طرف بٹھا دی اور حکم دیا کہ جیسے ہی بادشاہی فوج آئے تم لوگ پوری قوت اور شدت کے ساتھ پتھر لڑھکانا شروع کر دینا اور اتنی سنگ باری کرنا کہ ایک شخص بھی زندہ سلامت واپس نہ جا سکے۔ ابن تومرت کا یہ خیال صحیح نکلا چنانچہ بادشاہ نے اس خونریزی کی سزا دینے کے لئے ایک لشکر جرار روانہ کیا جو فوراً مراکش سے چل کر تینمل کی گھاٹیوں میں گھسا۔ جونہی شاہی فوج دروں میں سے گزرنے لگی اوپر سے اتنی سنگ باری ہوئی کہ ہزار سوار پتھروں کے نیچے کچل کچل کر ہلاک ہو گئے۔ اسی حالت میں رات کی سیاہ چادر نے اس ہنگامہ آرائی کو موقوف کر دیا۔ اور بچی کھچی فوج نہایت بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب یہ ہزیمت خوردہ لشکر دار السلطنت میں پہنچا اور بادشاہ کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو سخت بدحواس ہوا اور اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ آئندہ ابن تومرت سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ اس شاندار فتح نے موحدین کے دل بڑھا دیئے۔ اور انہیں بیش از بیش اس بات کا یقین

ہوا کہ واقعی ان کا معتقد اسچا مہدی موعود ہے۔ اب ابن تومرت نے موحدین کا ایک لشکر جرار مرتب کیا۔ اور ان سے کہا کہ ان کافروں اور دین مہدی کے منکروں کی طرف جاؤ جن کو مرابطون کہتے ہیں۔ ان کو بدکرداری سے اعراض، اعمال حسنہ کے احیا، ازالۂ بدعت، قیام سنت، اور اپنے مہدی معصوم کے اقرار کی دعوت دو۔ اگر تمہاری دعوت کو قبول کریں تو تمہارے بھائی ہیں ورنہ ان کے خلاف جہاد کرو۔ سنت نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان کے خلاف جہاد کرنا تم پر فرض کر دیا ہے اس نے عبدالمومن کو سر عسکر بنا کر کہا تم موحدوں کے امیر ہو۔ اس دن سے عبدالمومن کو امیر المومنین کہنے لگے۔ یہ تمام لشکر مراکش کی طرف روانہ ہوا۔ پرچہ نویسوں نے موحدین کی نقل و حرکت کا سارا حال دارالسلطنت کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ ابھی دارالسلطنت سے دور ہی تھے کہ بحیرہ نام ایک مقام پر مرابطون کی ایک فوج گراں آتی دکھائی دی۔ بادشاہ کا بیٹا زبیر بن علی اس کا سر عسکر تھا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو عبدالمومن نے اپنے مہدی کے حکم سے تمام موحد کی دعوت کے لئے اپنا قاصد بھیجا۔ مگر شاہی لشکر نے اس دعوت کو سخت نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب عبدالمومن نے امیر المسلمین علی بن یوسف کو دعوتِ مہدی کے موضوع پر ایک مراسلہ بھیجا۔ امیر المسلمین نے اس کے جواب میں سلطان یا دشاہ کی عدول حکمی اور تفرقہ جماعت کی وعیدیں جو احادیث نبویہ میں وارد ہیں لکھ بھیجیں اور خونریزی و فتنہ انگیزی کے بارہ میں خدا یاد دلایا۔ مگر عبدالمومن ان باتوں کو کچھ خاطر میں نہ لایا۔ بلکہ اس جواب کو امیر المومنین کی کمزوری پر محمول کیا۔ اب جانبین نے ہتھیار سنبھالے اور لڑائی شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موحدوں کو سخت ذلت آفرین شکست ہوئی۔ عبدالمومن اور چند دوسرے آدمی چھوڑ کر موحدین کا سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ جب اس ہزیمت کی خبر ابن تومرت کو ہوئی تو اس نے اپنے مقتولوں کو جنت الفردوس کی بشارت دی اور جب عبدالمومن پہنچا تو اس سے کہنے لگا کہ لڑائی میں شکست ہوئی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ معرکہ ہائے جنگ میں ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آج کوئی غالب ہے اور کل کوئی اور۔ مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔

مُردوں سے ہمکلام ہونے کا معجزہ

اب ابن تومرت نے موحدین کو پھر منظم کرنا شروع کیا اور اس کی جمعیت از سر نو بڑھنے لگی۔ آخر دس ہزار موحدین کے لشکر کے ساتھ بذات خود مراکش پر دھاوا کرنے کا قصد کیا۔ لیکن چونکہ پہلی لڑائی میں شکست ہوئی تھی اور موحدین کی بہت بڑی تعداد میدان جانستاں کی نذر ہوئی تھی اسلئے بہت سے لوگ خصوصاً تینمل کے رؤسا ساتھ جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابن تومرت نے کہا کہ جس کسی کو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ہمارا ساتھ دینا منظور ہو وہ ہماری رفاقت کرے ورنہ خدا خود حزب اللہ کا مددگار ہے۔ خدا ہمیں اس مرتبہ ہمیں ایسی عظیم الشان فتح دے گا کہ متخلفین بعد کو عدم رفاقت کی وجہ سے سخت شرمسار ہوں گے اور اب کی مرتبہ میدان جنگ میں جا کر ہر شخص خود اپنے کانوں سے سنے گا کہ مُردے قبروں میں سے ہمیں فتح کی بشارت دیتے ہیں۔ یہ سنکر وہ لوگ بھی ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے جنہیں شریک جنگ ہونے میں تامل تھا۔ اب ابن تومرت نے یہ انتظام کیا کہ اس میدان جنگ کے پاس جا کر ڈیرا ڈالا جہاں اس سے پیشتر اس کے لشکر کو شکست ہوئی تھی۔ اور عبدالمومن کے ذریعہ سے چند قبریں کھدوا کر اپنے بعض رازدار پیروؤں کو ان میں زندہ دفن کرا دیا۔ اور ہوا کی آمد و رفت کے لئے قبروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھوا دے

اور ان سے کہہ دیا کہ جب تم سے تمہارا حال دریافت کیا جائے تو کہہ دینا کہ جن امور کا خدائے برتر نے وعدہ فرمایا تھا وہ سب باتیں پوری ہوئیں۔ تم لوگ دشمن کے جہاد میں جائیں لڑا دو۔ غرض قبریں کھدوا کر اپنے خاص رازداروں کو دفن کرا دیا۔ اور ان سے وعدہ کیا کہ اس کے بعد تمہیں قبروں سے نکال لیا جائے گا۔ اور تمہیں اس خدمت کی وجہ سے بہت بڑا تقرب حاصل ہوگا۔ جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو ابن تومرت نے اپنے لشکر کو خطاب کر کے کہا اے گروہ موحدین! تم اللہ کا لشکر دین الٰہی کے انصار اور حق کے معاون ہو۔ عنقریب فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی اور اگر تمہیں کچھ تردد ہو تو چلو اپنے ان اہل قبور بھائیوں سے جو پچھلی مرتبہ درجۂ شہادت پا کر یہاں دفن ہوئے دریافت کر لیں۔ کہ ان پر خدائے قدوس نے کیا کچھ نوازش فرمائی؟ یہ کہہ کر قبروں پر آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے گروہ شہداء! تم لوگوں نے سنا تب اللہ کیا کچھ مشاہدہ کیا؟ قبروں میں سے آواز آئی خدا نے ہمیں نوازا اور اتنا بڑا اجر عطا فرمایا کہ نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال ہی گذرا اور اگر تم لوگ بھی ان مدارج علیا پر فائز ہونا چاہتے ہو تو امام مہدی کی متابعت کرو۔ یہ سن کر وہ افتادگان مہدویت کو یقین آگیا کہ واقعی شہداء ان سے ہمکلام ہوئے ہیں۔ اس بنا پر ہر شخص جانبازی پر آمادہ ہوا اور سر بکف لڑنے کو نکلا۔ ۳ شعبان ۵۱۶ھ کو وہاں زبردست لڑائی ہوئی جس میں ابن تومرت کو فتح ہوئی اور بہت سا مال غنیمت موحدین کے ہاتھ آیا۔

سلسلۂ فتوحات اور ابن تومرت کا سفر آخرت

جب دار السلطنت میں اس تاخت و تاراج کا علم ہوا تو بادشاہ نے ایک زبردست کمک روانہ کی لیکن شاہی فوج کو مکرر شکست ہوئی۔ موحدین نے شاہی فوج کا تعاقب کیا اور اس کو مارتے کاٹتے دار السلطنت کے قریب تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد شہر تلمسان کے قریب جبل کیلز پر حملہ کیا یہ ایک نہایت مضبوط پہاڑی قلعہ تھا۔ ابن تومرت نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ نے تین سال تک یعنی ۵۱۶ھ سے ۵۱۹ھ تک طول کھینچا۔ آخر ابن تومرت محاصرہ اٹھا کر واپس آگیا۔ لیکن واپسی پر متعدد شہر فتح کر لئے۔ ان مہموں سے فارغ ہو کر ابن تومرت اس غرض سے تینمل چلا آیا کہ لشکر آرام کر لے۔ دو مہینہ تک سستانے کے بعد ابن تومرت از سر نو تیس ہزار فوج کے ساتھ شہر ہترجہ کی طرف بڑھا۔ اس کو فتح کیا اور خدا کی سیکڑوں بے گناہ مخلوق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہاں سے اہل درن کا رخ کیا۔ اس سرزمین کے سارے قلعے اور حصون فتح کر لئے اور وہاں کے تمام قبائل نے ابن تومرت کی اطاعت کر لی۔ اس کے بعد ابن تومرت تینمل کو واپس چلا آیا تاکہ فوج استراحت کر لے۔ ان تمام معرکوں میں ابن تومرت کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان نظر آتا اسے محض اس "جرم" میں گرفتار کر لیا جاتا کہ وہ مہدی موعود کا منکر ہے۔ اور اس پر اس وقت تک رحم نہ کرتا جب تک وہ اس کی مہدویت کو تسلیم نہ کر لیتا اور اگر وہ کسی طرح نہ مانتا تو اسے جرعۂ مرگ پلا دیا جاتا۔ اس کے بعد ابن تومرت نے عبد المومن کے زیر قیادت ایک اور زبردست فوج مراکش پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی۔ بادشاہ کا بیٹا ابوبکر بن علی مقابلہ پر آیا۔ لیکن ہزیمت کھائی۔ اس کے بعد موحدین جا کر دار السلطنت کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن آٹھ روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر تینمل چلے آئے۔ جب ۵۲۴ھ میں یہ لشکر مظفر و منصور واپس آیا تو ابن تومرت نے کہا کہ اب میرا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے۔ میں اسی سال رفیق اعلیٰ سے جا ملوں گا۔

یہ سنکر سب لوگ رونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے دن کے بعد مرض موت میں گرفتار ہوا۔ عبدالمومن کو اپنا جانشین اور امام صلوٰۃ مقرر کیا اور دنیائے رفتنی و گذشتنی کو الوداع کہہ کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کردی۔ اس نے مرنے سے پہلے عبدالمومن کو یہ مژدہ سنایا کہ اقلیم مراکش عنقریب تمہارے عمل و دخل میں آئے گی اور تم تمام اسلحہ و خزائن سلطانی کے مالک ہوگے۔

ابن تومرت کی قبر پر ایک مرید کی قصیدہ خوانی
ابن تومرت کی موت کے بعد اس کے ایک فراق زدہ مرید نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سلامٌ علیٰ قبرالامام الممجد　　سلالۃ خیرالعالمین محمد

اس صاحب مجد امام کی قبر پر سلام ہو جو تمام عالموں کے بہترین فرد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے

ومشبھہ فی خلقہ ثم فی اسمہ　　وفی اسم ابیہ والقضاء المسدد

اپنے اخلاق، اپنے نام، اپنے باپ کے نام میں اور اپنی قضائے محکم میں ان کے مشابہ ہے۔

ومحیی علوم الدین بعد مماتھا　　ومظھر اسرار الکتاب المسدد

جو علوم دین کی موت کے بعد ان کو حیات تازہ بخشنے والا اور کتاب محکم کے اسرار کو ظاہر کرنے والا ہے

اُتَبنابہ البشرے بان یملاُ الدنا　　بقسط و عدل فی الانام مخلد

ہمیں اس سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ وہ مخلوق میں اپنے عدل و انصاف پائندہ سے دنیا کو معمور کردے گا۔

ویفتح الامصار شرقاً ومغرباً　　ویملک عُرباً من مغیر و منجد

وہ مشرق و مغرب میں ہر طرف کے شہروں کو فتح کرے گا اور عرب کے تمام نشیب و فراز کے باشندوں کا مالک ہوگا۔

فمن وصفہ اقنی و اجلی وانہ　　علاماتہ خمس تبین لمھتدی

وہ جس کی تعریف میں اقنیٰ و اجلیٰ کہا گیا ہے۔ اس کی پانچ علامتیں ہیں جو ہر ایک طالب ہدایت کے لئے ظاہر ہیں

زمان واسم والمکان و نسبۃ　　وفعل لہ فی عصمۃ و تایید

زمانہ، نام، مکان، نسب اور اس کا وہ فعل جو گناہ سے مبرا اور خدا کی مدد سے بہرہ ور ہے۔

ویلبث سبعاً او فتسعاً یعیشھا　　کذا جاء فی نص من النقل مسند

صحیح حدیثوں میں لکھا ہے کہ وہ یعنی مہدی سات یا نو سال تک امر حکومت پر قائم رہے گا۔

فقد عاش تسعاً مثل قول نبینا　　فذا لکم المھدی باللہ یھتدی

چنانچہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے بموجب نو سال تک ہا۔ تمہارا وہ مہدی یہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھا

وتتبعہ للنصر طائفۃ الھدی　　فاکرم بھم اخوان ذی الصدق احمد

اس کی مدد کے لئے ارباب ہدایت کی ایک جماعت اس کی پیرو ہے۔ یہ اہل صدق کس قدر قابل ستائش ہیں؟

ھی الثلۃ المذکور فی الذکر امرھا　　وطائفۃ المھدی بالحق تھتدی

یہی وہ جماعت ہے جس کا امر قرآن میں مذکور ہے۔ یہی مہدی کا گروہ ہے جو حق سے ہدایت کرتا ہے۔

ویقدمها المنصور والناصر الذی　　لہ النصر حزب اذ یروح ویغتدی

اور جس کا امام وہ منصور و ناصر شخص ہے کہ فتح و نصرت شام و پگاہ اس کے ہمرکاب ہے۔ (منصور اور ناصر اسکے مقدمۃ الجیش ہیں)

ھو المنتقی من قیس عیلان مفخرا　　ومن مرۃ اہل الجلال الموطد

وہ بنی قیس عیلان اور اہل جلال بنی مرۃ میں ایک برگزیدہ ہستی ہے اور اسی بات پر اسے فخر ہے۔

خلیفۃ مہدی الالہ وسیفہ　　ومن قد غدا بالعلم والحلم مرتدی

وہ مہدی خدا کا خلیفہ اور اس کی تلوار ہے۔ جس نے علم و حلم کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔

بھم یقمع اللہ الجبابرۃ الالٰی　　یصدون عن حکم من الحق مرشد

انہی کے ذریعہ سے خدا ان جابروں کا قلع قمع کرے گا جو ایک مرشد برحق کے حکم احکام کی پیروی سے روکتے ہیں

ویفتحون الروم فتح غنیمۃ　　ویقتسمون المال بالترس عن ید

وہ روم کو غنیمت کے طور پر فتح کریں گے اور اپنے ہاتھ سے ڈھال بھر بھر کر مال تقسیم کریں گے

ویغدون للدجال یغزونہ ضحا　　یذیقونہ حد الحسام المہند

وہ دجال سے دن دہاڑے جنگ کریں گے۔ اور دجال کو ہندی تلوار کا مزا چکھائیں گے۔

وینزل عیسیٰ فیہم وامیرھم　　امام فیدعوھم لمحراب مسجد

عیسیٰ علیہ السلام ان میں نازل ہوں گے۔ اور ان کا امام انہیں محراب مسجد کی طرف بلائے گا۔

یصلی بھم ذاک الامیر صلاتھم　　بتقدیم عیسی المصطفیٰ عن تعمد

مسلمانوں کا امیر مسیح علیہ السلام کی تقدیم کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھائے گا۔

ویقتلہ فی باب لدٍّ و تنجلی　　شکوک امالت تلب من لم یوحد

وہ اسے باب لدّ میں قتل کریں گے اور کفار کے وہ شکوک مٹ جائیں گے جو ان کے دلوں میں موجزن ہیں۔

ومان یزال الامر فیہ وفیہم　　الی آخر الدھر الطویل المسرمد

مسیح علیہ السلام اور مسلمانوں کی یہ حالت آخر دہر تک ایسی ہی رہے گی +

ابن تومرت کے اخلاق و عادات

محمد بن تومرت فضائل اخلاق کا مجسمہ تھا۔ مال غنیمت، بیت المال اور قومی محاصل و مداخل میں سے اس نے مدت العمر ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ بسر اوقات کی یہ صورت تھی کہ اس کی بہن چرخہ کات کر سوت بیچا کرتی تھی۔ اسی پر بھائی بہن دونوں کی گذر اوقات کا مدار تھا۔ ابن تومرت آٹھ پہر میں ایک ہلکی سی روٹی پر اکتفا کرتا جس کے ساتھ تھوڑا سا مکھن یا روغن زیتون ہوتا تھا۔ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور اس کے سامنے مال غنیمت اور محاصل کے ڈھیر لگے رہتے تھے تو اس وقت بھی اس نے اپنی سابقہ غذا میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ مدت العمر حصور رہا اور شادی نہ کی۔ ایسا زاہد اور تارک الدنیا تھا کہ جب اسے ابتدا میں ایک شاندار فتح ہوئی اور اس کے پیروؤں نے امیرانہ ٹھاٹھ بنانا چاہا تو بہت ناخوش ہوا اور تمام مال غنیمت جمع کر کے نذر آتش کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہ دیا کہ جو کوئی دنیا

کا طالب اور حظوظ فانی کا دلدادہ ہے وہ یہاں سے چلا جائے۔ یہاں صرف آخرت ہے جس کا نفع عاقبت میں ملے گا۔ ابن تومرت سنت اُولیٰ کی طرح حدود شرعی کی نگرانی میں تشدد پر تلا رہتا تھا۔ شراب خواری پر نہایت سخت سزائیں دیتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص حالت مستی میں ابن تومرت کے پاس لایا گیا۔ اس نے سزا کا حکم دیا۔ ایک ذی عزت حاشیہ نشین یوسف بن سلیمان نے کہا حضور والا! اگر اس پر اُس وقت تک برابر سختی کی جائے جب تک یہ نہ بتادے کہ اس نے کہاں سے شراب پی تو یقین ہے کہ اس فتنہ کا استیصال ہو جائے گا۔" یہ سن کر ابن تومرت نے منہ پھیر لیا۔ یوسف نے مکرر یہی کہا تو پہلے کی طرح پھر روگردانی کی۔ جب اس نے تیسری مرتبہ ایسا ہی کہا تو ابن تومرت نے جواب دیا کہ اگر بالفرض ملزم نے یہ کہ دیا کہ میں نے یوسف بن سلیمان کے گھر سے شراب پی ہے تو پھر کیا کروگے؟ یہ جواب سن کر یوسف نے سر جھکا لیا لیکن بعد کو یہ راز فاش ہونے پر سب کو حیرت ہوئی کہ یوسف ہی کے نوکروں نے اسے شراب پلائی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کو مہدی (ابن تومرت) کے کشف و کرامت پر محمول کیا گیا۔ ابن تومرت میں جہاں بیسیوں خوبیاں تھیں وہاں دعوائے مہدویت سے قطع نظر اس میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہزارہا بے گناہ کلمہ گوؤں کو تیغ بے دریغ کے سپرد کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ ابن قیمؒ نے اسے حجاج بن یوسف سے بھی زیادہ سفاک اور جفاکیش لکھا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس نے جو جانشین چھوڑے وہ عدل و انصاف کا پیکر اور تاریخ اسلام میں حضرات خلفائے راشدینؓ کا دھندلا سا عکس تھے۔ ابن تومرت نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک توحید اور عقاید پر مشتمل تھی جس کا نام "مرشدۃ" تھا۔ ایک کا نام کنز العلوم تھا۔ ایک "اعزّ ما یُطلب" کے نام سے موسوم تھی۔ مؤخر الذکر کتاب الجزائر میں چھپ چکی ہے۔

عبدالمومن کی خلافت کسی داعی کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں کو سب سے پہلی مشکل جو پیش آتی ہے وہ انتخاب خلیفہ کا مسئلہ ہے۔ ابن تومرت کے مرنے پر یہ خطرہ شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ اس کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ وابستگان اُسوۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عشرہ مبشرہ سب سے زیادہ جلیل القدر و عظیم المرتبہ اصحاب ہیں۔ اسی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ابن تومرت نے بھی اپنے دس برگزیدہ حواری بنا رکھے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد ان دس ممتاز حواریوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ خلیفہ بن جائے۔ یہ سب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں اپنی اپنی خلافت کے متعلق "رسہ کشی" شروع ہوئی۔ ہر امیدوار کا قبیلہ اپنے آدمی کی تائید پر تلا ہوا تھا اور کوئی قبیلہ غیر قبیلہ کی خلافت و اطاعت پر راضی نہ تھا۔ آخر بہت سی کشمکش کے بعد عبدالمومن پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ابن کا مہدی اس کو اپنے مرض موت میں نماز کا امام مقرر کر گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عبدالمومن غریب الدیار تھا قبائل کی باہمی آویزش سے یہی بہتر سمجھا گیا کہ ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا جائے جس کا تعلق کسی قبیلہ سے نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالمومن نے اپنے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق حیلہ سازی سے بھی کام لیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے ایک طوطا اور شیر پال رکھا تھا۔ طوطے کو اس نے یہ سبق پڑھا رکھا تھا کہ جونہی ایک لکڑی اس کے سامنے کھڑی کی جائے وہ یوں کہنے لگے "النصر والتمکین لعبد المومن امیر المومنین"۔ (نصرت و تمکین امیر المومنین عبدالمومن کے ساتھ ہے) اور شیر کو یہ سکھا رکھا تھا کہ جونہی عبدالمومن کو دیکھے دم ہلانے اور اس کے پیر چاٹنے لگے۔ جب ابن تومرت کے سپرد خاک کئے جانے کے بعد اس کے تمام پیرو ایک مقام پر جمع ہوئے تو عبدالمومن نے ایک خطبہ دیا جس میں موحدین کو نزاع کے خوفناک عواقب و نتائج سے متنبہ کرتے ہوئے محبت و آشتی کی تلقین کی۔ جب عبدالمومن خطبہ دے رہا تھا تو اس کے ایما کے بموجب اس کا سائیس وہاں طوطا اور شیر لے آیا۔ سائیس نے لکڑی اٹھائی تو طوطا عبدالمومن کی نصرت و تمکین کی رٹ لگانے لگا اور شیر دم ہلاتا ہوا عبدالمومن کی طرف بڑھا اور اس کے پیر چاٹنے شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر حاضرین کو سخت حیرت ہوئی۔ اور عبدالمومن کی یہ "کرامت" دیکھ کر سب لوگ اس کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

حصہ دوم

بقیہ تذکرہ محمد بن عبداللہ بن تومرت حسنی

عبدالمومن کے فتوحات اس کی بادشاہی اور سلطنت موحدین

ابن تومرت کی موت کے بعد عبدالمومن مدت تک تجہیز لشکر میں مصروف رہا۔ جب طیاریاں تکمل ہوچکیں تو ۵۲۴ھ میں دوبارہ مراکش پر حملہ آور ہوا اس لڑائی میں موحدین کا پلہ بھاری رہا۔ اس وقت سے عبدالمومن کے فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ۵۳۵ھ میں اس نے سپاہ مرابطین کو منہزم کر کے سلطان علی بن یوسف کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اور دو سال کے بعد وہران تلمسان، فیض، سیوطہ، اغمات اور سالی پر قابض ہوگیا۔ ۵۴۱ھ میں مراکش کا دوبارہ محاصرہ کر کے خاندان مرابطین کی شاہی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کا آخری تاجدار اسحاق بن علی بن یوسف موحدین کے ہاتھ سے دارالبقا میں جا پہنچا۔ ۵۴۱ھ میں عبدالمومن نے ایک لشکر ہسپانیہ (اسپین) بھیجا اور پانچ سال کی مسلسل جنگ آزمائی کے بعد سارا اسپین اس کے قلمرو اقبال میں آگیا۔ مراکش اور ہسپانیہ پر قابض و متصرف ہو کر اس نے اپنی عنان توجہ مشرقی مہمات کی طرف پھیر دی ۵۴۷ھ میں الجزائر کا حمادیہ خاندان بھی عبدالمومن کے ہاتھوں تخت و دیہیم سے محروم ہوا۔ ۵۵۲ھ میں اس نے زیری خاندان کے جانشین نارمنوں کو ٹیونس (تونس) سے نکال دیا۔ اس کے بعد طرابلس الغرب کو مسخر کیا۔ اس فتح کے بعد سرحد مصر سے لے کر بحر اٹلانٹک کے تمام ساحلی ممالک اور ہسپانیہ پر اس کا پھریرا اڑنے لگا۔ غرض اب عبدالمومن سے بڑا کوئی بادشاہ افریقہ میں موجود نہ تھا۔ حضرات! نیرنگ ساز قدرت کی اعجوبہ نمایاں دیکھئے کہ یہ عبدالمومن اسی غریب کمہار کا لڑکا ہے جو مٹی کے برتن بنا کر اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالا کرتا تھا۔

عبدالمومن نے ۵۴۸ھ میں ابن رشد اندلسی کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض کیا۔ اندلس سے مراکش تک کے تمام علاقے اس کے حدود قضا میں داخل تھے۔ عبدالمومن نے ابن تومرت کی موت کے بعد اس کی مہدویت کے سارے افسانے طاق نسیان پر رکھ دیئے اور اپنی سلطنت کو منہاج نبوت پر قائم کر کے خالص اسلامی سلطنت بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن تومرت کی مہدویت کا دل سے کبھی قائل نہ تھا۔ عبدالمومن کے عہد سلطنت میں اور اس کے بعد بھی موحدین کا دربار ہمیشہ فقہا و محدثین کے ہاتھ میں رہا اور تمام ممالک محروسہ پر اسی مقدس گروہ کے خیالات محیط تھے۔

مصحف عثمانی مراکش میں

عبدالمومن نے ۵۲۴ھ ہی سے امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ یہ لقب صدر اسلام میں صرف مشرق کے خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے حق میں استعمال کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عبیداللہ مہدی نے اس لقب میں مزاحمت کی اور خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کی طرح امیر المومنین کہلانے لگا۔ عبیداللہ کے بعد عبدالمومن نے یہ لقب اختیار کیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن

عزیز کی چار نقلیں کرا کر مکہ معظمہ بصرہ کوفہ اور شام میں بھجوادی تھیں۔ ان میں سے شامی نسخہ قرطبہ (اسپین) چلا گیا تھا۔ جب عبدالمومن نے اسپین پر عمل و دخل کیا تو ۱۱ شوال ۵۵۲ھ کو یہ نسخہ مراکش لے آیا۔ چونکہ ایک مرتبہ عبدالمومن کی جان لینے کی کوشش کی گئی اور قلمرو میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس کی حمایت کا دم بھرتا اس لئے اس نے اسی دن ارادہ کر لیا کہ اپنے تمام قرابت داروں کو اپنے دارالسلطنت میں بلالے۔ چنانچہ ۵۵۳ھ میں نہ صرف اس کے دور و نزدیک کے تمام رشتہ دار بلکہ ہزارہا اہل وطن بھی تینمل چلے آئے عبدالمومن کو ان کی وجہ سے بڑی تقویت ہوئی لیکن اس سے اگلے سال تیس سال شاہی کر کے آغوش لحد میں جا سویا اور تینمل میں ابن تومرت کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ اس بادشاہ کے اقبال و تجمل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سیکڑوں شہر فتح کئے۔ بیسیوں لڑائیاں لڑیں۔ بڑی بڑی فوجوں سے مڈبھیڑ ہوئی بجز پہلی شکست کے جو ابن تومرت کی زندگی میں کھائی تھی کبھی ہزیمت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ عبدالمومن کی اولاد میں بارہ بادشاہ قریباً ایک سو گیارہ سال تک سریر سلطنت پر متمکن رہے۔ جن میں سب سے پہلا حکمران عبدالمومن کا بیٹا یوسف تھا جس نے قریباً بائیس سال تک سلطنت کر کے ۵۸۰ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا منصور اورنگ زیب شہنشاہی ہوا منصور بھی اپنے دادا کی طرح نہایت عالی حوصلہ اور اولوالعزم بادشاہ تھا۔ موحدین کی سلطنت اس کے عہد حکومت میں منتہائے عروج کو پہنچ گئی تھی یہ بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کا ہم عصر تھا۔ اس کی طبیعت میں عجب و خود پسندی کا مادہ اس درجہ سرایت کر گیا تھا کہ بعض اوقات اس کے عزم اور عقل و فہم پر بھی غالب آجاتا تھا۔ چنانچہ جن ایام میں شاہان یورپ نے متفق ہو کر بیت المقدس کو اسلام کے اثر سے آزاد کرانا چاہا اور یورپ کے تمام ملکوں سے فوجوں کا سیلاب عظیم بیت المقدس کی طرف امنڈ آیا تو سلطان صلاح الدین نے اسلام کی اخوت عمومی کا لحاظ کرتے ہوئے منصور کو بھی شرکت جہاد کی دعوت دی اور لکھ بھیجا کہ سارا یورپ اسلام کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ تم اپنا لاؤ لشکر لے کر اسلام کی حمایت میں بیت المقدس کی طرف بڑھو۔ گو منصور ہر طرح سے امداد کے قابل تھا اور مدد دینا بھی چاہتا تھا لیکن اتنی سی بات پر برہم ہو کر خدمت اسلام اور تائید ملت سے محروم رہا کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے خط میں اس کو امیرالمؤمنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا۔[1]

باب ۴۰۔ ابن ابی زکریا طمامی

ابن ابی زکریا طمامی ایک فاسق فاجر نوجوان تھا جس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ بیرونی نے اس کے کچھ حالات لکھے ہیں مگر نہ زمانہ بتایا ہے اور نہ مقام خروج ہی پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ ابن ابی زکریا کو دعوائے خدائی کے بعد بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ بہت لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر اس کو معبود برحق یقین کرنے لگے۔ اس نے جو آئین جاری کیا اس

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۰۱-۱۰۸-۲۰۲ ابن خلکان جلد اول ص ۳۱۰ جلد ۲ ص ۳۰-۱۳۰ کتاب الاستقصا لاخبار دول المغرب الاقصیٰ جلد اول ص ۱۳۱-۱۵۸ کتاب المعجب فی تلخیص اخبار المغرب مولفہ عبدالواحد تمیمی مراکشی کا اردو ترجمہ موسومہ "خلافت موحدین" مترجمہ مولوی نعیم الرحمٰن مطبوعہ مدراس ص ۱۰۶-۱۹۳

جن حکم تھا کہ تمام مرنے والوں کے شکم چاک کر کے اندر خوب صاف کریں اور اس میں شراب بھر کر سی دیں۔ اس کے مذہبی قوانین
بانکپن ملاحظہ ہو کہ اس نے آگ بجھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ حکم تھا کہ جو کوئی آگ کو ہاتھ سے بجھائے اس کا ہاتھ
قطع کیا جائے اور جو پھونک مار کر بجھائے اس کی زبان کاٹ جائے اس کے مذہب میں اغلام یعنی لواطت جائز تھی۔
مگر حکم تھا کہ کوئی شخص اس فعل میں مبالغہ و شدت سے کام نہ لے۔ جو شخص اس فعل میں غیر محتاط ثابت ہوتا اُسے زمین پر لٹا
کر منہ کے بل میلوں گز تک گھسیٹا جاتا تھا۔ اور اس کے آئین مذہب میں لواطت نہ صرف جائز تھی بلکہ واجبات میں
داخل تھی اور اس کا تارک قتل کا مستوجب تھا۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی نسبت ثابت ہو جاتا کہ وہ اغلام سے پہلو تہی کرتا
ہے تو اسے قصاب سے ذبح کرا دیا جاتا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص دنیا کو بے حیائی اور فحش کاری کا گہوارہ بنانا چاہتا
تھا۔ اس نے اپنے پیروؤں کو آگ کی پرستش اور تعظیم کی بھی تاکید کر رکھی تھی۔ اس شخص کی شیطنت کا ایک نہایت دل آزار
پہلو یہ تھا کہ انبیاء سلف اور ان کے اصحاب پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا اور کہتا تھا کہ وہ سب گم کردگان راہ اور (عیاذاً باللہ)
پُر فن و عیّار تھے۔ بیرونی لکھتے ہیں کہ اس قسم کے اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن کی شرح کتاب اخبار المبیضۃ والقرامطہ
میں کر چکا ہوں[1]۔ ان بدعمالیوں کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ خدائے شدید العقاب نے اس پر ایک ایسے
شخص کو مسلط کیا جس نے اس پر قابو پاتے ہی بکری کی طرح ذبح کر دیا اور اس طرح اس کی سیہ کاریوں کا شجر خبیث
کشت زار عالم سے بالکل مستاصل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے پیرو بھی خاک ہلاک پر ڈال کر کیفر کردار کو پہنچا دیئے گئے۔

باب ۴۱۔ حسین بن حمدان خصیبی

حسین بن حمدان ایک خانہ ساز نبی تھا جو خصیب نام عراق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ کتاب الدعاۃ میں اس
شخص کا زمانہ متعین کرنے میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ دولت عباسیہ کے اواخر میں ظاہر ہوا جس کے
یہ معنی ہیں کہ اس کا ظہور ساتویں صدی کے اوائل یا وسط میں ہوا۔ کیونکہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تاتار
غارتگروں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں وحشت سرائے عالم سے رخصت ہوا تھا۔ آگے چل کر بتایا ہے کہ امیر سیف الدولہ
بن حمدان نے اس کو قید کیا۔ حالانکہ احمد بن حسین متنبی شاعر کے ممدوح امیر سیف الدولہ بن حمدان نے حسب بیان
ابن خلکان ۳۵۶ھ میں انتقال کیا تھا غرض دونوں مدتوں میں قریباً تین سو سال کا بُعد ہے۔ صاحب کتاب الدعاۃ
نے حسین بن حمدان کو فرقہ نصیریہ کا موسس بتایا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صواعق محرقہ کے بیان کے بموجب فرقہ
نصیریہ کا بانی ایک شخص محمد بن نصیر فہری تھا۔ بہر حال خصیبی کے مختصر حالات یہ ہیں کہ یہ شخص ایک غالی شیعہ تھا اس نے
مدعی نبوت ہونے کے بعد بغداد اور بصرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ حکام نے اس پر سختی شروع کی اس لئے بھاگ
کر پہلے سوریہ اور پھر دمشق چلا گیا۔ مؤخر الذکر مقام پر بھی اپنی من گھڑت نبوت کی ڈفلی بجانی شروع کی۔ حکام نے اس
پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ مدت تک قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتا رہا۔ اس دوران میں اس نے دار وغہ جیل پر

[1] الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ للبیرونی مطبوعہ لیپزگ (جرمنی) ص ۲۰۴ - ۲۰۶

ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ آخر اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہاں تک کہ داروغہ اس کی نبوت پر ایمان لا کر ہر وقت اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ پھر یہاں تک گرویدہ ہُوا کہ نوکری تک چھوڑ دی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر حلب چلے گئے۔ ان دنوں حلب امیر سیف الدولہ بن حمدان کے زیر حکومت تھا۔ یہاں بھی اُس نے اپنی دعوت کی طرح ڈالی لیکن سیف الدولہ نے اسے زیادہ دن تک اغوا کوشیوں کی مہلت نہ دی۔ چند ہی روز کے بعد گرفتار کر کے سجن میں ڈال دیا حالت قید میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ سیف الدولہ کو معلوم ہُوا کہ یہ ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان ہے قید سے نکال کر اپنے مداحوں اور حاشیہ نشینوں میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد خصیبی نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ہدایہ رکھا۔ اور اس کو سیف الدولہ کے نام نامی پر معنون کیا۔ کتاب الدعاۃ میں اس کے جو حالات درج ہیں ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ سیف الدولہ بھی انجام کار اس کے متنبیانہ ہتھیاروں کا گھائل ہوگیا تھا۔ یا کم از کم اس کی اغوا کوشیوں میں مداہنت کرتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نہ صرف شہر و مضافات حلب میں اس کا مذہب جڑ پکڑ گیا۔ بلکہ وہ حماۃ اور لاذ قیہ میں بھی اس کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی یہاں تک کہ اس کے مرنے سے پہلے اس کے پیرودں کی تعداد تین لاکھ سے بھی متجاوز ہوگئی اور اس کی موت کے بعد اس کے پیرو بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ تک پہنچ گئے۔ کتاب الدعاۃ میں لکھا ہے کہ اس کے پیرو آج بھی دمشق، حماۃ، حلب، عراق، سوریہ اور کیلیکیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے پیشرووں کی طرح اس کی تعلیمات بھی الحاد و زندقہ سے ہمکنار ہیں۔ اس نے حج کی فرضیت اڑا دی اور بتایا کہ اولاد علیؑ کے سوا کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں اس نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے پیرو میری تعلیمات کا علی الاعلان اظہار نہ کریں۔ بلکہ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کی تبلیغ کریں۔ اور بوالعجبی دیکھیو کہ اس نے عورتوں کو اوامر دین سے مطلع کرنا حرام کر دیا تھا۔[1]

باب ۲۴ ـ ابوالقاسم احمد بن قسّی

ابوالقاسم احمد بن قسّی شروع شروع میں جمہور مسلمین کے مذہب و مسلک پر کاربند تھا۔ لیکن پھر ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کی طرح تاویل بازی کی خاک اڑانی شروع کر دی اور عام زندیقوں کی طرح نصوص پر اپنی نفسانی خواہشات کا روغن قاز ملنے لگا۔ آخر بڑھتے بڑھتے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بہت لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ جب علی بن یوسف بن تاشفین شاہ مراکش کو اس کا علم ہُوا تو اس نے اسے بلا بھیجا۔ وہاں جا کر صاف لفظوں میں اپنی نبوت کا اقرار نہ کیا بلکہ سخن سازی سے کام لے کر بادشاہ کو مطمئن کر کے چلا آیا۔ اس کے بعد اس نے شلبہ کے پاس ایک گاؤں میں مسجد تعمیر کرائی اور اپنے اباطیل کو شہرت دینے لگا جب جمعیت زیادہ ہوئی تو مقامات شلب الیلہ اور مزلیہ پر قبضہ کر لیا لیکن تھوڑے دن کے بعد خود اس کا ایک فوجی سردار محمد بن وزیر نام اس کا مخالف ہوگیا۔ اور فوج لے کر اس نے فرنگیوں سے مدد مانگی۔ اس لئے تمام پیرو اس سے برگشتہ ہوگئے اور اس کے قتل و استہلاک پر اتفاق کر لیا۔ ان ایام میں مراکش کی حکومت علی بن یوسف کے ہاتھ سے نکل کر عبدالمومن کے عنان اختیار میں چلی گئی تھی۔ یہ شخص بھاگ کر عبدالمومن

[1] کتاب الدعاۃ مطبوعہ مصر ص ۹۲۔ ۹۳

کے پاس پہنچا۔ عبد المومن نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم نبوت کے مدعی ہو؟ کہنے لگا کہ جس طرح صبح صادق بھی ہوتی ہے اور کاذب بھی اسی طرح نبوت بھی دو طرح کی ہے۔ صادق و کاذب۔ میں نبی ہوں لیکن نبی کاذب ہوں۔" ذہبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد المومن نے اس کو قید کر دیا۔ اس کے سوا اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ ابن قسی ۵۵۰ھ اور ۵۶۰ھ کے درمیان کسی سال مرا ہے۔ شیخ ابوالحسن سقہ کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ ابوالقاسم احمد بن قسی کے خلاف غبار کدورت تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ابن قسی کو زد و کوب کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہے یہ دیکھ کر ابن قسی نے کہا مجھے چھوڑ دے کیونکہ خدا نے مجھے دو وجہوں سے بخش دیا ہے میں نے پوچھا وہ وجوہ کیا ہیں؟ کہنے لگا ایک تو میں ظلماً قتل ہوا دوسرے کتاب خلع النعلین تصنیف کی۔[1] اگر یہ بیان صحیح ہے اور خواب بھی سچا تھا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن قسی تائب ہو کر مرا تھا۔

باب ۴۳ - علی بن حسن شمیم

ابوالحسن علی بن حسن بن عنبر معروف بہ شمیم مشہور شاعر ادیب اور نحوی الوہیت کا مدعی تھا۔ اس کا مولد و منشا معلوم نہیں۔ بغداد آ کر ابو محمد بن خشاب وغیرہ ادیبوں سے علم ادب کی تحصیل کی۔ اس کو اشعار عرب بکثرت یاد تھے خود بھی شعر خوب کہتا تھا۔ حسب بیان ذہبی ایک ادیب کا بیان ہے کہ میں ۵۹۷ھ میں آمد کے مقام پر پہنچا اور دیکھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بڑے گرویدہ ہیں۔ میں اس کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ بڑا ضعیف العمر ہے اور جسم بالکل نحیف ہو چکا ہے اس کے سامنے کتابوں کا ایک جزدان رکھا تھا جس میں سب اسی کی تصنیفات تھیں۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علوم میں سے کچھ اقتباس کروں۔ کہنے لگا تمہیں کون سا علم مرغوب ہے؟ میں نے کہا ادب۔" بولا ادب میں میری تصانیف بکثرت ہیں اور حالت یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے تو اپنی کتابوں میں دوسروں کے اقوال بھرے لیکن میری کتابوں میں جو کچھ درج ہے وہ میرے ہی نتائج فکر ہیں۔ اس کے بعد متقدمین پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے خود ستائی کرنے لگا۔ پہلے لوگوں کے شعر پڑھ پڑھ کر کہتا کہ فلاں گدھے نے یوں بکا۔ اور فلاں کتا اس طرح بھونکا۔ غرض دوسروں کی تفضیح اور اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ میں نے کہا اچھا کچھ اپنا کلام بھی سنایئے۔ اس نے اپنے اشعار پڑھے۔ میں نے خوب داد دی اور تحسین میں بہت مبالغہ کیا۔ چیں بجبیں ہو کر کہنے لگا کہ بجز استحسان کے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا اچھا کیا کروں؟ کہنے لگا یوں کرو اور اٹھ کر رقص کرنے لگا آخر تالیاں بجاتے اور ناچتے ناچتے تھک گیا۔ پھر بیٹھ کر کہنے لگا کہ کائنات میں صرف دو خالقوں کا وجود ہے اور بس۔ ایک خالق آسمان میں ہے اور ایک زمین پر۔ آسمان پر تو اللہ ہے اور زمین پر میں۔ پھر بولا کہ عوام میری خالقیت کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلام کے سوا میں کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہوں۔ ابن النجار کہتے ہیں کہ شمیم بڑا ادیب شاعر اور علوم عربیہ کا ماہر تھا لیکن ساتھ ہی پرلے درجے کا احمق اور بے دین تھا۔ اور لطف یہ کہ مجسمۂ

---

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذہبی جلد اول ص ۶۰، لسان المیزان لشیخ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۴۷ – ۲۴۸

کمن ہونے کے باوجود ہر شخص کا مذاق اُڑاتا تھا اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ دنیا میں نہ کبھی میری مثل کوئی پیدا ہوا اور نہ ابدالآباد تک پیدا ہوگا۔[1]

باب ۴۴۔ محمود واحد گیلانی

جو معاندینِ اسلام و دشمنانِ دین خاکِ ایران سے اُٹھے۔ اُن میں محمود واحد گیلانی ممتاز حیثیت رکھتا ہے یہ شخص موضع مسجوان علاقہ گیلان کا رہنے والا تھا۔ اس نے دعوائے مہدویت کے ساتھ سنہ ۶۰۰ھ میں ظہور کیا۔

ایرانی شجرِ عناد کا ایک نفرت انگیز ثمر

محمود اپنی ذات کو شخصِ واحد اور تمام انبیائے کرام یہاں تک کہ مفخرِ موجودات حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل بتاتا تھا۔ اس کا دعوےٰ تھا کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین منسوخ ہوگیا۔ اب یہ محمودی دَور ہے۔ ارض و سما میں محمود ہی کا دین چلتا ہے۔ کہتا تھا کہ عربوں کے لئے جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ گرامی باعثِ صد فخر و مباہات تھی اور اس فضیلت کی وجہ سے اہلِ عرب کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن میری بعثت پر عرب کا وہ فخر ایک قصۂ پارینہ ہوگیا۔ چنانچہ بڑے ناز و تبختر سے کہا کرتا تھا ؎

رسید نوبتِ رندانِ عاقبت محمود　　گذشت آں کہ عرب طعنہ بر عجم مے زد

لیکن یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ محمود گیلانی جیسے ہزاروں بوالہوس آسمانِ شہرت پر نمودار ہوئے اور شہابِ ثاقب کی طرح چمک کر آناً فاناً غائب ہو گئے اور بعض ہرزہ درایانِ کوئے نادانی کسی قدر اوجِ عروج سے بھی ہمکنار ہوئے لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کتّوں کی بھی برابری کر سکتا۔ گو محمود خود ستائیوں اور ژاژ خائیوں میں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا لیکن اس کی شہرت اور بقائے دوام کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اس کے نام تک سے آشنا نہیں لیکن اسی محمود کے ایک ہم وطن حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی غلامی اور آپ کی کفش برداری کے طفیل وہ مقبولیتِ عام اور شہرتِ دوام نصیب ہوئی کہ آٹھ نو صدیاں گذر جانے کے باوجود عرب و عجم میں ان کی عظمت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ ایران کے مقابلہ میں کسی شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ محمود گیلانی کس کھیت کی مولی تھا؟ کب پیدا ہوا اور کب مرا؟ محمود کا وجود اور اس کا مذہب دراصل اُس قدیم مخالفت و عداوت کا ایک مظہر تھا جو ایرانیوں کو عربوں کیساتھ علی العموم چلی آتی ہے۔ محمود نے علانیہ کوشش کی کہ عرب کی فوقیت پر خطِ تنسیخ کھینچ کر ایران کو دنیا کا مذہبی مرجع بنادے اس تحریک کی بنیاد مذہب شیعہ نے جس کا گہوارہ سرزمینِ ایران ہے پہلے ہی ڈالنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ نجف و کربلا، کو حرمین شریفین پر اور آبِ فرات کو آبِ زمزم پر فضیلت دے دی گئی جیسا کہ مستند شیعی مجتہدوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

محمود کے دوسرے خرافات

اب دوسرے محمودی خرافات ملاحظہ ہوں:۔ کہتا تھا کہ جب جسد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱؎ کتاب الدعاۃ ص ۲۹—۳۰

کمال کو پہنچ گیا۔ تو میں پیدا ہوا چنانچہ قرآن کی آیت عَسٰی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (اے محمد! آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود میں جگہ دے گا۔ ۱۷: ۷۹) میں میری ہی بعثت کا ذکر ہے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب خلیفۂ قادیان بھی آج کل اپنے تئیں اس آیۃ کا مصداق ٹھہرا رہے ہیں لیکن انہی دو پر کیا موقوف ہے۔ معلوم نہیں ابھی قیامت تک کتنے اور زندیق اپنے آپ کو اس آیۃ کا مصداق ٹھہراتے رہیں گے۔ محمود گیلانی اپنے دعویٰ کی تشریح یہ کرتا تھا کہ عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ تو اسے معدنی صورت حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کی استعداد مزید ترقی کرتی ہے تو اس پر صورت نباتی فائض ہوتی ہے۔ پھر قوت کو اور ترقی و نمو حاصل ہوتا ہے۔ تو اُسے صورت حیوانی ملتی ہے۔ پھر ان عناصر کی قوت اس سے بھی اور آگے ترقی کرتی ہے تو اسے انسانی صورت بخشی جاتی ہے۔ پھر ان عناصر نے جن کو صورت انسانی حاصل ہو چکی تھی ایسی ترقی کی کہ اس سے انسان کامل ظہور میں آیا۔ اسی طرح جسد انسانی کے اجزا حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی میں تھے۔ یہاں تک کہ ان کو درجۂ محمدی عطا ہوا۔ اس کے بعد جب یہ اجزا صاف و شفاف ہو کر انتہائی کمال کو پہنچ گئے تو محمود کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اسی دعویٰ کی بنا پر کہتا تھا ؎

از محمد گریز در محمود   کاندراں کاست واندریں افزود

محمود کا بیان تھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا انا وعلی من نور واحد (میں اور علیؓ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں) اور یہ بھی علیؓ سے فرمایا تھا لحمک لحمی وجسمک جسمی (اے علیؓ! تمہارا اور میرا گوشت اور تمہارا اور میرا جسم ایک ہی ہیں) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے اجزائے اجساد کی صفوت و قوت مل گئی تو اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی کرم اللہ وجہہٗ کا جسم طیار ہوا۔ پھر ان دونوں بزرگوں کے اجزائے جسم جمع ہوئے تو ان سے جسم محمود بنا۔ محمود خاک کو نقطہ کہتا تھا۔ اس کے نزدیک تمام عناصر خاک سے پیدا ہوئے۔ اور نقطۂ خاک ہی واجب اور مبدءِ اوّل ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ سورج آگ ہے، چاند پانی اور آسمان ہوا ہے۔

محمود ہنود کی طرح تناسخ کا قائل تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ آدم اور عالم کے دورے چونسٹھ چونسٹھ ہزار سال میں تمام ہوتے رہیں گے۔ اور کہتا تھا کہ جب ذی روح مر کر مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے بدن کے اجزا نباتات یا جمادات کی صورت میں ظہور کرتے ہیں اور وہ نباتات انسان یا جانور کی غذا بن کر پھر وہی حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کوئی جسم انسانی سے حیوانی میں اور حیوانی سے نباتی میں اور نباتی سے جمادی میں یا اس کے برعکس تناسخ کرتا ہے تو اس کے اگلے جنم کی باتیں دوسرے جنم میں پہچان لی جاتی ہیں اور اس شناخت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے پچھلے جسم میں اس کے جو عادات ہوتے ہیں ان سے اگلے جنم کے عادات معلوم ہو جاتے ہیں واحدیہ کی اصطلاح میں ایسی شناخت رکھنے والے آدمی کو محصی کہتے ہیں اور اسی بنا پر انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس میں آئے اور موالید ثلثہ میں سے جس چیز کا نام اس شخص کے منہ سے نکلے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ پہلے جنم میں وہ وہی چیز تھا۔ کہتا تھا کہ پیدائش اول میں امام حسینؓ حضرت موسیٰؑ تھے اور یزید فرعون تھا اس جنم میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رود نیل میں غرق کر دیا۔ اس پیدائش میں حضرت موسیٰؑ امام حسینؓ ہو گئے اور فرعون یزید بنا اور یزید نے امام حسینؓ کو فرات کا پانی نہ دیا

اور انہیں شہید کر دیا۔ اور کہتا تھا کہ کتا پہلی پیدائش میں قزلباش تھا۔ اور اس کی ٹیڑھی دم تلوار ہے۔ اس کے نزدیک لوہے کا کمال کو پہنچ جانا یہ ہے کہ اس سے کوئی نبی یا ولی شہید کیا جائے اور کہتا تھا کہ تمام فریب پیشہ حاجی جو عبائی کربلائی (ایک قسم کا دھاری دار کپڑا) پہنے پھرتے ہیں، در مکر و تزویر ان کا خاصہ ہے جب مریں گے تو آئندہ جنم میں اگر جسم انسانی میں منتقل ہوں گے تو گلہری بنائے جائیں گے۔ اور اگر جسم نباتی میں انتقال کیا تو دھاری دار تربوز بنیں گے۔ اور اگر پتھر کے جسم میں منتقل ہوئے تو سنگ سلیمانی بنائے جائیں گے۔ کہتا تھا کہ کرم شب تاب یعنی جگنو مشعلچی ہے۔ جو تدریج نزول کر کے اس جسم میں آیا ہے اس کا دعوےٰ تھا کہ حیوانات نباتات اور جمادات میں سے جن کا رنگ کالا ہے وہ پہلے سیاہ فام تھے۔ اور جو اب سفید ہیں وہ سپید رو آدمی تھے۔ محمود نے تمام آیات قرآنی کی تاویل و تحریف کر کے اپنے مذہب پر استدلال کیا۔ اور مرزا بہاء کی طرح نصوص کی ایسی رکیک اور لچر تاویلیں کیں کہ جن سے سلف اور خلف کے کان ہرگز آشنا نہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی ملحدانہ جسارت ہر دروغ باف مدعی کا خاصہ شاملہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہل ضلالت کے مذہب کی بنیاد ہی ان بعید تاویلوں پر قائم ہے کیونکہ اگر وہ قرآن و حدیث کے مطلب و مفہوم کے بگاڑنے سے احتراز کریں تو ان کی دکانداری ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔

واحدی لوگ گو خال خال دنیا کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں مگر ایران میں زیادہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں مخفی رکھتے ہیں۔ ان کا قبلہ آفتاب ہے اس لئے وہ آفتاب کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان میں ایک دعا رائج ہے جسے آفتاب رُو ہو کر پڑھتے ہیں۔ ان کا سلام اللہ اللہ ہے۔ اس فرقہ کے ممتاز آدمی امین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں درویش صفا، درویش بقائے واحد، درویش سمعیل، میرزا تقی، شیخ لطف اللہ، شیخ شہاب تراب، اور کمال اس فرقہ کے مشہور امین تھے۔ بلکہ جتنے علماء و صلحائے امت محمود کے عہد میں تھے یا جو اس کے بعد ہوئے ان سب کو بھی واحدی لوگ افتراءً محمود ہی کے پیرو بتاتے ہیں۔ ایک واحدی کا قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازیؒ کا بھی (معاذ اللہ) یہی مذہب تھا چونکہ محمود زیادہ تر ساحل رودِ ارس پر رہتا تھا۔ خواجہ حافظ نے اپنے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ؎

اے صبا گر بگذری بر ساحلِ رودِ ارس — بوسہ زن بر خاکِ آں وادی و مشکیں کن نفس

شاہ عباس صفوی کے ہاتھوں فتنہ واحدیہ کا قلع قمع

جب واحدیوں کی شر انگیزیاں زیادہ وسعت پذیر ہوئیں تو شاہ عباس بن شاہ خدابندہ صفوی نے دار وگیر کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ان میں سے ہزاروں کو دار البوار پہنچا دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ باوجود اس اخذ و بطش کے شاہ عباس نے بھی تراب اور کمال سے یہ مذہب حاصل کر لیا تھا۔ مگر پھر دنیا داری اور شہرت کی غرض سے ان دونوں کو مروا ڈالا۔ شاہ عباس اپنے آپ کو پہچان گیا لیکن کامل نہیں تھا کیونکہ اس نے دنیا کی خاطر اور اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی غرض سے واحدیوں کو قتل کرا دیا۔ لیکن اس کے برخلاف ایک واحدی امین کا مقولہ تھا کہ شاہ عباس امین کامل تھا وہ جب کسی کو دیکھتا کہ دین واحد میں پوری طرح رسائی نہیں حاصل کر سکتا اُسے ہلاک کرا دیتا۔ امین مذکور کا بیان ہے کہ شاہ عباس میری صحبت میں رہا۔ ایک مرتبہ کہنے لگا کہ میں آپ کو اصفہان لے چلوں گا۔ میں نے اصفہان جانا پسند نہ کیا تو مجھے سفر ہند کا زادِ راہ اور توشہ دے کر رخصت کر دیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ جب

شاہ عباس پا پیادہ مشہد آیا تو تراب سے کہنے لگا کہ مجھے پیدل چلنے کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ تراب نے جواب دیا کہ یہ تمہاری دنائت طبع ہے۔ کیونکہ یہ امام جس کے لئے تم جادہ پیما ہو۔ اگر پیوستہ بحق ہے تو اسے اس کے مزار میں ناحق تلاش کرتے ہو۔ اور اگر حق سے پیوستہ نہیں تو تم اس سے کیا توقع رکھ سکتے ہو؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم زندہ امام کی خدمت میں پہنچو۔ شاہ عباس پوچھنے لگا زندہ امام کہاں ہے کمال نے کہا زندہ امام میں ہوں۔ شاہ عباس بولا اچھا میں تجھے نشانہ بندوق بناتا ہوں۔ اگر گولی نے کوئی اثر نہ کیا تو میں تمہاری طرف رجوع کروں گا۔ تراب نے جواب دیا کہ تمہارے امام رضاؓ ایک دانہ انگور سے جاں بحق ہوگئے تھے میں بندوق کی گولی کھا کر کیونکر زندہ رہ سکتا ہوں؟ شاہ عباس نے تراب کو گولی کا نشانہ بنا کر تدرانہٗ اجل کر دیا۔ اور چونکہ کمال نے بھی تراب کی ہمنوائی اختیار کی تھی اس کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کر دیا۔[1]

باب ۴۵۔ عبدالحق بن سبعین مرسی

قطب الدین ابو محمد عبدالحق بن ابراہیم بن محمد بن نصر بن محمد بن سبعین مرسی نبوت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو سبعینیہ کہلاتے ہیں۔ ملک مغرب کے ایک قصبہ مرسیہ میں ظاہر ہوا۔ اکابر صوفیہ کی طرح اس کا کلام بھی بڑا غامض و دقیق تھا۔ چنانچہ امام شمس الدین ذہبیؒ ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی القضاۃ تقی الدین بن دقیق العید چاشت سے لے کر ظہر تک ابن سبعین کے پاس بیٹھے رہے اس اثنا میں وہ مسلسل گفتگو کرتا رہا علامہ تقی الدین اس کلام کے مفرد الفاظ تو سمجھتے تھے لیکن مرکبات ان کے مبلغ فہم سے بالاتر تھے۔" عبدالحق ایک کلمۂ کفر کے باعث ملک مغرب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ امر نبوت میں بڑی وسعت اور گنجائش تھی لیکن ابن آمنہ (حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) نے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا) کہہ کر اس میں بڑی تنگی کر دی۔" امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ یہ شخص اسی ایک کلمہ کی بنا پر ملت اسلام سے خارج ہوگیا تھا حالانکہ رب العالمین کی ذات برتر کے متعلق اس کے جو خیالات تھے وہ کفر میں اس سے بھی بڑھے ہوئے تھے یہ تو عقاید کا حال تھا۔ اعمال کے متعلق امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک صالح آدمی نے جو سبعینیوں کی مجلسوں میں رہ چکا تھا بیان کیا کہ یہ لوگ نماز اور دوسرے مذہبی فرائض کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ جب عبدالحق وطن سے نکلا تو اس وقت اس کی عمر تیس سال کی تھی اس وقت طلبہ اور اس کے پیرؤوں کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی جن میں بڈھے بڈھے آدمی بھی داخل تھے جب دس دن کی مسافت طے ہو چکی تو مریدا سے ایک حمام میں غسل کے لئے لے گئے۔ حمام کا خادم اس کے پیر ملتے وقت پوچھنے لگا کہ آپ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرسیہ کے۔" خادم نے کہا وہی مرسیہ جہاں ابن سبعین نام ایک زندیق ظاہر ہوا ہے؟ ابن سبعین نے اپنے مریدوں کو اشارہ کر دیا کہ کوئی شخص اس سے ہمکلام نہ ہو۔" ابن سبعین نے کہا ہاں ہم اسی مرسیہ کے رہنے والے ہیں۔ اب یہ خادم ابن سبعین کو گالیاں دینے اور اس پر لعنتیں برسانے لگا۔ ابن سبعین نہایت

[1] دبستان مذاہب ص۔ ۲۰۰ ۔۔۔ ۲۰۳ وغیرہ

ضبط و تحمل کے ساتھ خادم سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ اور وہ اسے گالیاں دیئے جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر عبدالحق کے ایک مُرید کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اور عالم غیظ میں کہنے لگا۔ تیرا بُرا ہو تو اُسی شخص کو گالیاں دے رہا ہے کہ جس کی تو خدمت میں مشغول ہے اور حق تعالیٰ نے تجھے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اس کے پیروں کے نیچے ڈال رکھا ہے یہ سُن کر خادم شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا استغفر اللہ۔" ابن سبعین میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ محتاجوں کا مربی اور مسکینوں کا خدمت گذار تھا۔ اور یتیموں اور بیواؤں کی کفالت میں اسے بڑی دلچسپی تھی۔ زندگی کے آخری دَور میں ابن سبعین مکّہ معظمہ چلا گیا۔ حاکم مکّہ کو کوئی مرض تھا۔ ابن سبعین کے علاج معالجہ سے وہ تندرست ہو گیا اس لئے وہ اس کی بہت کچھ عزت و توقیر کرنے لگا۔ شیخ صفی الدین ہندی کا بیان ہے کہ ۶۶۶ھ میں اس سے مکّہ معظمہ میں میری ملاقات ہوئی۔ علم فلسفہ میں باہم گفت گو رہی۔ مجھے کہنے لگا کہ تمہیں مکّہ جیسے مقدس مقام میں نہیں رہنا چاہیئے۔" میں نے کہا پھر تم یہاں کیوں اقامت گزیں ہو؟ بولا کہ یہاں کا قیام میرے مقدر ہو چکا ہے کیونکہ حاکم مجھے چاہتا ہے اور شرفائے مکّہ سے میرے مراسم قائم ہیں اور حاکم مین بھی میرا معتقد ہے۔" کہتے ہیں کہ یہ شخص سیمیا اور کیمیا جانتا تھا۔ اور اس نے سونا بنا بنا کر اسّی ہزار دینار اہل مکّہ پر خرچ کئے تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً (۱) کتاب الاحاطہ (۲) لا بد للعارف منہ (۳) رسالۃ العہد (۴) مجلدۃ فی الجوہر۔ ان کتابوں کے الفاظ فصیح اور معنی بلیغ تھے۔ ۶۶۸ھ میں اس نے فصد کھلوایا لیکن خون کو بند نہ کیا آخر اتنا خون نکل گیا کہ جانبر نہ ہو سکا۔[۱]

باب ۴۷۔ احمد بن عبداللہ مُلثّم

ابو العباس احمد بن عبداللہ بن ہاشم معروف بہ مُلثّم رمضان ۶۵۸ھ میں قاہرہ میں پیدا ہُوا۔ جب بڑا ہوا تو ابتدائی تعلیم کے بعد شیخ تقی الدین بن دقیق العید کی خدمت میں فقہ شافعیؒ کی تحصیل اور سماع حدیث میں مشغول ہُوا بیس سال تک شیخ تقی الدین کے حلقۂ درس میں حدیث نبوی سنتا رہا۔ علاوہ ازیں املائی سے صحیح مسلم اور شیخ تقی الدین بن دقیق العید سے متعدد بڑی بڑی کتابیں سنیں ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد اس نے عبادت و ریاضت کا طریقہ اختیار کیا۔ جو شخص ریاضت دائرہ کا طریقہ اختیار کرتا ہے ابلیس کی طرف سے اس کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوششیں شروع ہو جاتی ہیں۔ جنود ابلیس مختلف نوری شکلوں میں رُونما ہوتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اور مدارج عُلیا کے مژدے سنا کر راہِ حق سے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی مسیحا نفس مرشد کا ظل عاطفت سر پر پرتو افگن ہو تو عابد شیطانی دام تزویر سے محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ وہ ایسی بُری طرح پہنچ دیتے ہیں کہ عابد صراط مستقیم کی جبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ کر ہلاکت کے اسفل السافلین میں جا پڑتا ہے۔ اگر عابد کسی ہادی طریقت کے برکت انفاس سے محروم ہو تو جنود ابلیس سے محفوظ رہنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب و سُنت اور مسلک سلف صالح کی میزانِ حق کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ ہر چیز کو اسی عینک سے دیکھے اور اپنے تمام انکشافات کو منجانب اللہ یقین کرنے سے پہلے اس کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا کرے۔ لیکن مشکل یہ ہے

[۱] فوات الوفیات لمحمد بن شاکر جلد اول ص ۴۴۷ دائرۃ المعارف جلد اول ص ۵۰۶

کہ بہت سے عابد نوری شکلیں دیکھتے اور طرح طرح کی دل آویز صدائیں سنتے ہیں۔ تو تمام تولائے غفلیہ کھو بیٹھتے ہیں۔ اور کتاب سنت اور مسلک سلف صالح کے معیار حق کو طاق نسیان پر رکھ کر اپنی بدبختی سے شیاطین کے آگے کٹھ پتلی کی طرح ناچنے لگتے ہیں۔ جب احمد پر شیاطین نے حسب معتاد یورشِ اغوا مارا تو عامۂ عباد کی طرح اس کا مزاج بھی اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ چنانچہ ۶۸۹ھ میں بڑے لمبے چوڑے دعوے کر دیئے پہلے تو کہنے لگا کہ میں نے بارہا خداوند عالم کو خواب میں دیکھا ہے یہ تو خیر کچھ بعید نہ تھا کیونکہ اہل اللہ رب العلمین کو خواب میں بے کیف دیکھا کرتے ہیں لیکن اس کے بعد اس نے یہ رٹ لگانی شروع کی کہ مجھے حالت بیداری میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں آسمانوں کو عبور کر کے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے عرش عظیم تک پہنچا۔ اس وقت جبریل امین اور ملائکہ کا ایک جم غفیر میرے ساتھ تھا۔ خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوا اور مجھے بتایا کہ تم مہدی موعود ہو۔ ملائکہ نے مجھے بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملاقی ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور تم ہی مہدی موعود ہو۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی مہدویت کا اعلان کر دو۔ اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ جب احمد کے ان بلند بانگ دعووں کا شہرہ ہوا تو حاکم قاہرہ نے اس کو گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے قید خانہ میں جا کر اس کا گلا گھونٹ دینے کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ انہی ایام میں اس کے استاد قاضی القضاۃ شیخ تقی الدین بن دقیق العید اس کے پاس مجلس میں گئے اور دیکھا کہ اس نے پانی کا گھڑا اور کھانے کے برتن توڑ دیئے ہیں اور لوگوں پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کو دیوانہ قرار دے کر رہا کرا دیا۔ جب شیخ نصیر منبجی کو اس کا علم ہوا تو انہیں سخت ناگوار ہوا۔ انہوں نے بیبرس سے جو ان کا معتقد تھا۔ اس کی شکایت کی اور اسے مشورہ دیا کہ جام زہر پلا کر اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اس کو پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی شراب میں ملا کر اس کو زہر دیا گیا۔ لیکن پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا اور جب وہی شراب ایک راجب القتل قیدی کو پلائی گئی تو وہ فوراً ہلاک ہو گیا لیکن مقام مسرت ہے کہ کچھ زمانہ کے بعد خدائے موفق نے اسے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں وہ مہدی نہیں ہوں جن کے ظہور کی حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دے رکھی ہے بلکہ میں صرف مہدی بمعنی ہدایت یافتہ ہوں۔ آخر ۷۱۲ھ میں مر گیا۔ اس وقت اس کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔[1]

باب ۴۷۔ عبداللہ راعی شامی

یہ ایک شامی چرواہا تھا جس کا نام اور زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ میں نے اپنی طرف سے اس کا نام عبداللہ تجویز کر دیا ہے۔ شہر طبریہ میں رہتا تھا اور وہاں کے باشندے اسے عموماً چرواہا کہہ کر ہی پکارتے تھے اس کا دعویٰ تھا کہ میں وہی شخص ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جس کے ظہور کی بشارت دی گئی تھی۔ علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر دمشقی معروف بہ جابری نے لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک لاٹھی تھی جس سے خوارق عادات ظہور میں آتے تھے اور ابنائے زمانہ کی عقل ان خوارق پر حیران

[1] از کتاب دُرر کامنہ للشیخ ابن حجر العسقلانی نسخہ قلمی جلد اول صفحہ ۶۲ - ۶۳

تھی۔ اس لاٹھی میں متعدد اعجازی تصرفات ودیعت تھے۔ جب اس کو گرمی کے وقت زمین میں گاڑتا تو معاً ایک درخت بن جاتا جس میں آناً فاناً شاخیں اور پتے نمودار ہوتے اور یہ اپنی بکریوں سمیت اس کے سایہ میں بیٹھ جاتا۔ اس کا ایک خاصہ یہ تھا کہ درندوں اور جنگلی جانوروں کو اس سے ایک شعلہ نکلتا دکھائی دیتا جس کی وجہ سے یہ اس وحشی اور درندوں کو جدھر چاہتا بکریوں کی طرح ہانک لے جاتا تھا۔ اور شیر چیتا وغیرہ کسی درندہ کی مجال نہ تھی کہ اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح اس لاٹھی میں یہ خاصیت بھی ودیعت تھی کہ جب اس کو زمین پر ڈالتا تو ایک بڑا اژدہا بن کر اس کے سامنے دوڑنے لگتا۔ جوبری لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اس لاٹھی کا راز معلوم نہیں کر سکا۔[1]

باب ۴۸۔ عبد العزیز طرابلسی

ابن عماد نے لکھا ہے کہ عبد العزیز ایک پہاڑی شخص تھا جس نے ۷۱۷ھ میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے جہلا خصوصاً نصیریہ فرقہ کے پیرووں نے اس کی متابعت اختیار کی۔ یہاں تک کہ اس کی جمعیت تین ہزار تک پہنچ گئی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح یہ بھی کئی رنگ بدلتا رہتا تھا۔ کبھی تو کہتا کہ میں محمد مصطفیٰ ہوں۔ کبھی کہتا کہ میں علی مرتضیٰ ہوں۔ اور کبھی مہدئ منتظر بن بیٹھتا۔ اس شخص کا دعویٰ تھا کہ نصیریہ کے سوا دنیا بھر کے ادیان باطل ہیں۔ اس کے پیرو نعرۂ تکبیر کی جگہ یہ آواز بلند کیا کرتے تھے لا الٰہ الا علیٰ لا حجاب الا محمد لا باب الا سلمان (علیؓ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کوئی حجاب نہیں اور سلمانؓ فارسی کے سوا کوئی دروازہ نہیں) یہ شخص شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی بے شمار مسجدیں مسمار کر دیں اس کے پیرو مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر اس کے پاس لاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے معبود کو سجدہ کرو۔ جو کوئی اس نابکار کے سامنے سربسجود ہو جاتا اس کی جان بخشی کی جاتی ورنہ معاً علفِ تیغ بنا دیا جاتا۔ جب حاکم طرابلس کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا۔ فوج نے آکر اس کو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا۔ اور اس کی جماعت کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔[2]

باب ۴۹۔ اُویس رُومی

علامہ علی قاریؒ نے کتاب "المشرب الوردی فی مذہب المہدی" میں جو انہوں نے ۹۶۵ھ میں مکہ معظمہ میں تالیف کی لکھا کہ ایک شیخ نے جسے اُویس کہا کرتے تھے۔ (ترکی) سلطان بایزید کے عہد سلطنت میں مہدویت کا دعویٰ کیا اس کے اسّی خلیفہ تھے۔ ایک دن خلفاء کو جمع کر کے کہنے لگا مجھے کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ میں مہدی ہوں تم بھی اپنے باطن کی طرف توجہ کرو۔ اور جو کچھ تم پر ظاہر ہو اس سے مجھے اطلاع دو۔" خلفاء اپنی اپنی جگہ توجہ باطنی کرتے رہے آخر سب نے آکر بیان کیا کہ ہمارے نزدیک آپ اس دعویٰ میں حق پر ہیں۔ اس کے بعض خلفاء نے سلطان بایزید

[1] کتاب المختار و کشف الاسرار جلبری نسخہ قلمی [2] کتاب الدعاۃ ص ۸۲ ۔ کتاب الدعاۃ ص ۱۱۳-۱۱۴

سے یہ واقعہ عرض کیا۔ سلطان بڑا دیندار بادشاہ تھا اُس نے سُن کر کہا "بہتر ہے کہ تم لوگ خروج کرو۔ میں ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اور ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں"۔ لیکن جب اُویس نے تھوڑے دن کے بعد از سرِ نو باطن کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہُوا کہ الہام ربانی نہ تھا بلکہ القائے شیطانی تھا۔ جھٹ دعوائے مہدویت سے رجوع کیا اپنے خلفاء کو اس کی اطلاع کرائی۔ اور سلطان کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ تاہم غنیمت ہے کہ جلد سنبھل گیا ورنہ نہ صرف خود ابد الآباد تک ورطۂ خسران میں پڑا رہتا بلکہ جب تک اس کے اغوا و اضلال کا کوئی شائبہ معمورۂ عالم میں پایا جاتا اس کے پیروؤں کی گمراہی کا وبال بھی اس پر پڑتا۔ لیکن اُویس کے مقابلہ میں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی حرمان نصیبی قابلِ افسوس ہے۔ یہ بیچارے پہلے دن جن بھول بھلیوں میں پھنسے دم واپسین تک انہی میں سرگشتہ و حیران رہے اور ان سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہُوا بعض لوگ کہیں گے کہ اویس کی ہدایت یابی اور مرزا صاحب کی شقاوت پسندی قضا و قدر سے وابستہ تھی"۔ میں اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرتا ہوں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ خوبیِ قسمت کو خلوص و حسنِ نیت سے اور شومیِ تقدیر کو سوءِ نیت سے گہرا تعلق ہے۔ اویس اور مرزا صاحب کے نصب العین اور زاویہ ہائے نگاہ میں بیّن فرق تھا۔ اُویس بیچارہ ربِّ غفور کا مخلص بندہ تھا۔ خداے کردگار کی نصرت گستریوں نے اس کے خلوص اور حُسنِ نیت کی برکت سے اسے شیاطین کے پنجۂ اغوا سے نجات دلائی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ہمارے مرزا صاحب کو للّٰہیت سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان کی زندگی کا نصب العین دنیا پرستی اور عیش و راحت تھا۔ اور وہ از سرتا بقدم خواہشات نفسانی اور حظوظِ فانی کے غلام تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب نے حضب بیان الفضل کی ایک لڑکی عائشہ بیگم بنت شادی خان کو پیر دبانے پر متعین کر رکھا تھا۔ پلومر کمپنی لاہور سے پورٹ وائن منگوایا کرتے تھے۔ اور حضرت "مسیح موعود" صاحب کے لئے جو پلاؤ طیار کیا جاتا تھا۔ اُس میں گھی کی جگہ روغن بادام ڈالا جاتا تھا۔

باب ۵۰ - احمد بن ہلال حسانی

احمد بن ہلال حسانی وقت کا ایک مشہور زندیق تھا جو ابن سبعین کے بعد ظاہر ہُوا۔ اس نے دمشق میں نشو و نما پایا۔ آٹھویں صدی کے اختتام پر حلب پہنچا اور قاضی شرف الدین انصاری سے کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے قاہرہ جا کر کچھ مدت اقامت گزیں رہا۔ قاہرہ سے حلب واپس آیا اور مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی آئمہ کبار کی شان میں دریدہ دہنی کرنے لگا۔ یہ شخص کہتا تھا کہ میں براہ راست خدائے برتر سے علوم حاصل کرتا ہوں اور میں ہی دائرۂ کائنات کا قطب ہوں۔ اس سے بہت سے کفریات صریحہ نقل کئے گئے ہیں کہتا ہے کہ مجھے عالت بیداری میں آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ تمام انبیاء سے عالت بیداری میں میرا اجتماع ہوتا ہے اور بیداری ہی میں ملائکہ سے ہمکلام ہوتا ہوں۔ اور کہا کرتا تھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو مقام تکلیم اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقام تکمیل عطا کئے گئے لیکن مجھے یہ دونوں مقام بخشے گئے ہیں باایں ہمہ نہ تو نماز کا پابند تھا اور نہ اسے جماعت ہی کی پروا تھی بہت

پر عسلہ ہدیہ مہدویہ ص ۲۰۲ وغیرہ

لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ۔ اس کے فتنہ نے نہایت خوفناک صورت اختیار کرلی ۔ آخر ۹ شوال ۸۲۳ھ کو دست اجل نے اس کا ٹینٹوا آدبایا اور خدا کی مخلوق اس کے فتنہ سے مامون ہوئی[1]۔

باب ۱۵ ۔ سید محمد جونپوری

سید محمد جونپوری مدعیٔ مہدویت کی ولادت ۸۴۷ھ میں بمقام جونپور ہوئی ۔ جو صوبہ اودھ کا ایک مشہور شہر ہے اس کے پیرو جو مہدویہ کہلاتے ہیں اپنے مقتدا کو "میراں سید محمد مہدی موعود" کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ سید محمد کے باپ کا نام سید خاں اور والدہ کے نام بقول مؤلف مطلع الولایت بی بی آغا ملک تھا ۔ لیکن متاخرین مہدویہ نے کچھ زمانہ کے بعد جب کہ محمد جونپوری کے آباؤ اجداد کا جاننے والا کوئی نہ رہا محمد کے باپ کا نام سید عبداللہ لکھنا شروع کردیا تاکہ سید کا دعویٰ مہدویت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے رو سے باطل نہ ٹھہرے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ امام آخر الزمان کا نام میرے نام سے ملتا ہوگا ۔ اور ان کے والد کا نام میرے والد کے اسم گرامی سے مطابقت رکھے گا ۔ بلکہ برہان الدین مہدوی مؤلف شواہد الولایت نے تو ماں کا نام بھی آمنہ تجویز کرکے اپنے پیر مغاں کو پوری طرح مہدویت کے قالب میں ڈھال دیا ۔ حالانکہ خود سید محمد نے مدت العمر کبھی اس بات کا دعویٰ نہ کیا تھا کہ اس کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے بلکہ اس کے برعکس جب لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ یواطیٔ اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی (مہدی کا نام میرے نام سے اور اُن کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا) اور تمہارے باپ کا نام سید خاں ہے تو جواب دیا کہ "کیا خدائے قادر و توانا اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ سید خاں کے بیٹے کو منصب مہدویت پر سرفراز فرمائے" ۔ اسی طرح ایک مرتبہ اس کے ایک حریف نے اسے اپنے زور استدلال سے مغلوب کرنا چاہا تو سید محمد سخت برہمی کے عالم میں کہنے لگا کہ تم خدا سے جنگ کیوں نہیں کرتے کہ اس نے سید خاں کے لڑکے کو مہدی بنادیا ؟ سید محمد موزوں اندام کشیدہ قامت اور نہایت خوبرو تھا ۔ بچپن ہی سے طباعی اور فطانت کا جوہر چہرۂ بخت پر چمک رہا تھا ۔

اسد العلماء کا خطاب کہتے ہیں کہ سید نے سات ہی سال کی عمر میں کہ آغاز ادراک و شعور کا زمانہ ہے کلام الٰہی حفظ کرلیا اور بارہ کے سن میں تمام علوم درسیہ سے فراغت پاکر دستار فضیلت باندھ لی ۔ سید عنفوان شباب ہی سے برجستہ گوئی اور حسن تقریر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا ۔ شیخ دانیال چشتیؒ اور علمائے وقت نے اس کی دقت نظری اور علمی موشگافیوں کو ملحوظ رکھ کر اسے "اسد العلماء" کا خطاب دیا ۔ ان ایام میں ہندوستان کی فضاء پر اہل تصوف کے خیالات چھائے ہوئے تھے اور صوفیانہ مذاق کی گرم بازاری تھی ۔ اس لئے اب سید کو اہل طریقت کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کا شوق دامنگیر ہوا ۔ چنانچہ شیخ دانیال چشتیؒ کے دست حق پرست پر خانوادہ چشتیہ میں بیعت کی اور ایک مدت تک ریاضات شاقہ اٹھا کر جویائے حق رہا ۔ اس ادراک سعادت سے پیشتر تو صرف علوم قالی میں کمال پیدا کیا تھا ۔ شیخ کے فیض

---

[1] لسان المیزان مؤلف شیخ ابن حجر عسقلانیؒ جلد اول ص ۳۲۰

صحبت نے اس جوہر کو اور جلا دے کر علوم حالی میں بھی مالا مال کر دیا۔ اب سید علائق دنیوی سے آزاد ہو کر انتہائی تبتل و انقطاع کے ساتھ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ ذکر و فکر کے سوا کسی کام کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ عقیدت مند پروانہ وار ہر طرف سے ہجوم کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ سید کی ذات مرجع خواص و عوام بن گئی سید اوائل میں کسی سے ہدیہ و نذرانہ قبول نہ کرتا تھا اور بزرگان سلف کی طرح نہایت عسرت کے ساتھ گزر بسر کرتا تھا اس کی پوشش و خورش فقیرانہ تھی۔ اس کی ہر ادا سے بزرگانہ انکسار اور درویشی کی شان نمایاں تھی۔ اور باوجودیکہ سلاطین اسلام اس کی خدمت و ملازمت سے شرف اندوز سعادت ہونا چاہتے تھے اور دعوت دیتے تھے کہ ان کی مملکت میں قدم رنجہ فرمائیں مگر سید نے پیران چشت کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سلاطین اور اہل ثروت سے راہ و رسم پیدا کرنا پسند نہ کیا

راجہ دلیپ رائے اور حاکم داناپور

اس وقت دہلی میں خاندان تغلق کا آفتاب اقبال لب بام تھا۔ احمد آباد گجرات میں سلطان محمود بیکرہ جیسے با اقبال بادشاہ کی تلوار چمک رہی تھی۔ دکن میں خاندان بہمنیہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ مالوہ میں سلطان غیاث الدین اور احمد نگر میں احمد نظام الملک بحری سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے علاوہ چند دیسی خود مختار ریاستیں تھیں جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے قبضۂ اقتدار میں تھیں۔ جونپور کا علاقہ ریاست داناپور کی عملداری میں داخل تھا۔ جہاں کا مسلمان حاکم ایک ہندو راجہ دلیپ رائے نام کا باجگذار تھا ان ایام میں امیر حسین والئ داناپور کی محبوب ترین خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح آزادی و خود مختاری کی نعمت سے کامگار ہو اور گو نہاں خانۂ دل حریت و خود مختاری کی اُمنگوں سے لبریز تھا لیکن اپنی بے سرو سامانی اور قلت سپاہ کا احساس رکھتے ہوئے کسی طرح سرتابی کی جرات نہ ہوتی تھی۔ امیر حسین نے سید محمد کے فضل و کمال کا شہرہ سُنا تو دل میں زیارت کا شوق ہر سرایا۔ چنانچہ ایک روز سیر و شکار کے بہانے جونپور آیا اور سلک مریدین میں منتظم ہو کر عنایت و التفات میں ممتاز ہُوا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر جونپور آیا۔ اور سید سے کہنے لگا کہ خاکسار کی دلی تمنا یہ ہے کہ حضور کے قدموں میں پڑا رہوں۔ لیکن اس صورت میں امور سلطنت کا انصرام محال ہے چونکہ ایک لمحہ بھی مفارقت گوارا نہیں اس لئے یا تو حکم ہو کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے یہاں چلا آؤں اور حضور کی کفش برداری اختیار کر دوں، اور اگر اس عرضداشت کو شرف پذیرائی نہ بخشا جائے تو پھر درخواست کروں گا کہ حضور پر نور خاکسار ہیچمیرز کے غربت کدہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے منور فرمائیں۔ سید نے اس کے جذبۂ محبت اور اخلاص عقیدت سے متاثر ہو کر مؤخر الذکر التماس کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ داناپور جا کر ایوان سلطانی میں سکونت اختیار کی۔ سید کو داناپور میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا بہت زریں موقع مل گیا۔ چنانچہ اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں داناپور اور مضافات کے ہزارہا ہنود شرف اسلام سے مستسعد ہوئے۔ یہ سب خبریں دلیپ رائے کو پہنچتی تھیں لیکن وہ زہر کا گھونٹ پی کر خاموش رہ جاتا۔ دلیپ رائے ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم سپہ سالار اور انتہا درجہ کا مدبّر فرمانروا تھا۔ شجاعت و بسالت اس کا ذاتی جوہر تھا۔ دشمن کا خوف و ہراس اس کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ لیکن وہ امر حسین کی بدولت اس نے نمایاں شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ وہ اس کی مذہبی راسخ الاعتقادی اور بت پرستی کا شغف تھا۔ گو ہندوستان کے کئی ایک علاقوں میں اسلام کا بڑھتا ہُوا سیلاب کفر و ثنیت کے خس و خاشاک

کو بہائے جا رہا تھا تاہم اس کی عملداری میں ہر ہندو کا گھر بیت الصنم تھا۔ اس بُت پرستانہ رسم کہن کے مؤسس و مؤید برہمن تھے جنہیں مسلمانوں سے دلی نفرت وعداوت تھی۔ کیونکہ اہل توحید نہ صرف شرک اور بُت پرستی کی مذمت کرتے بلکہ جب کبھی موقع ملتا بت شکنی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان ایام میں ہر ایک معرکہ پر جو ہندو راجاؤں اور مسلم سلاطین میں ہوتا مذہبی رنگ چڑھا ہوتا تھا۔ راجہ دلیپ رائے اپنی شجاعت کے نشہ میں چُور تھا۔ اور اس کے سپاہی بھی مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے بپھر رہے تھے تاہم اسے اس بات کا یقین تھا کہ جانبازی کے میدان میں اہل توحید سے گوئے سبقت لے جانا کوئی آسان کام نہیں۔ علاوہ ازیں اس کے چاروں طرف مسلمان بادشاہ حکمران تھے جو اسے سر اٹھانے کا موقع نہ دیتے تھے۔ دلیپ رائے نے ہزار جتن کئے کہ اس کی قلمرو میں کوئی ہندو حلقہ اسلام میں داخل نہ ہو لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔

راجہ دلیپ رائے سے جنگ آزما ہونے کی تحریک

ایک دن سید محمد مریدانِ باصفا کے حلقہ میں بیٹھا ہوا توحید کے محاسن اور کفر و شرک کے قبائح بیان کر رہا تھا اس وقت امیر حسین بھی موجود تھا یک بیک سید کا چہرہ سرخ ہوگیا اور حالت بے خودی طاری ہوگئی۔ اس حالت جذبہ میں حسین کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور کہا اے امیر! ارباب حکومت کو خدا نے دفع اعداء کے لئے تلوار دی ہے۔ مگر آج صفحہ ہستی پر تجھ سے زیادہ محروم القسمت انسان کوئی نہ ہوگا کہ تیری ذات سے اسلام رسوا ہو رہا ہے۔ اور تو طاغوت پرستی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا کفر کے غلبہ و تفوق کا باعث بنا ہوا ہے"۔ امیر سید کو جوش غضب میں دیکھ کر سہم گیا۔ حاضرین بھی عالم ہراس میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سید کے رخ انور پر ایسا جلال برس رہا تھا کہ نظر اُٹھا کر دیکھا نہ جاتا تھا۔ سید نے دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کی بوالہوسی کا ذکر کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت بیان کرنی شروع کی اور آیات و روایات کے حوالوں سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر کھینچ دی کہ مسلمان اس سرائے فانی میں محض اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ عزت کے ساتھ غالب رہ کے جیے ورنہ جان دے دے۔ اس کے بعد سید بآواز بلند کہنے لگا اے عیش پرست کاہلو اور اے نفس امارہ کے غلامو! اٹھو اور کمر ہمت کو مضبوط باندھو۔ آؤ ہم سب مل کر خدائے برتر کی راہ میں سربکف ہو جائیں اور ملک خدا کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے پاک کر کے نُور توحید سے منور کر دیں اس پیام میں حق و صداقت کی جو روح تھی اس نے بڑا کام کیا۔ تمام حاضرین نے اس پیام کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ یہ اعلان برقی قوت و سرعت کے ساتھ اکناف ملک میں پھیل گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے اندر تیس ہزار جوانوں کا لشکر جرار امیر حسین کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہوگیا۔ امیر نے اس جمعیت کے ساتھ گوڑ کی طرف پیش قدمی کی جو دلیپ رائے کا صدر مقام تھا۔ سید محمد بھی اپنے ڈیڑھ ہزار فقراء کے ساتھ جنہیں فوج بیراگیاں کہتے تھے۔ عقب لشکر میں روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عجلت پسندی اس جوش و ولولہ کا نتیجہ تھی جو شوق جہاد میں پیدا ہوگیا تھا ورنہ اگر نوجوان سید ایک تجربہ کار قائد کے اوصاف حزم و احتیاط سے عاری نہ ہوتا تو وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس قلیل فوج کے ساتھ ایک خوفناک دشمن پر حملہ آور ہونے کی کبھی ترغیب نہ دیتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر چند روز توقف کیا جاتا تو اس سے دہ گنہ کلمہ گوؤں کی جمعیت شوق شہادت میں فراہم ہو سکتی تھی لیکن سید کا جوش جہاد اسے صبر و انتظار کی کشمکش میں پڑنے کی ہرگز اجازت نہ دیتا تھا۔ امیر حسین گو بادی النظر میں اس بات کو سمجھتا تھا کہ دشمن اس کی قلیل التعداد فوج کو مار مار کر بالکل نابود کر دے گا لیکن امیر حسین

کی ہمت و جرأت محض خلوص عقیدت پر مبنی تھی۔ وہ لطیفہ غیبی کا منتظر تھا اور اسے اس بات کا کامل یقین تھا کہ سید کا باطنی تصرف اسے ضرور فاتح المرام کرے گا اور سچ پوچھو تو سید کی نظر بھی فوج اور مادی طاقت پر نہ تھی بلکہ اس کا بھروسہ اُس ذات بیچوں کی غیبی امداد پر تھا کہ فتح و شکست اور عزت و ذلت جس کے دست اختیار میں ہے۔ دلیپ رائے کو بھی اس اعلان جنگ نے چونکا دیا مگر بہادر راجہ کی جبین استقلال پر ذرا شکن نہیں پڑی۔ اس نے امراء کو جمع کر کے مجلس مشاورت آراستہ کی اور سامان حرب و ضرب کی طیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ بیدار مغز راجہ کو اس روز سیاہ کا پیشتر ہی سے علم تھا۔ اس لئے وہ ہر وقت فوج کو سر و سامان سے آراستہ رکھتا تھا۔ گو اسے اپنی حربی طاقت پر پورا بھروسہ تھا اور کامل امید تھی کہ جس وقت چاہے گا والئی داناپور کی طاقت کو کچل دے گا۔ مگر جب اس کی نظر چاروں طرف ان ممالک کی طرف اُٹھتی تھی جہاں بڑے بڑے پُر شکوہ سلمان بادشاہ برسر اقتدار تھے اور باوجود باہمی اختلافات کے ایسے موقع پر متفق ہو جاتے تھے تو اسے سلطان حسین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب راجہ نے حسین کی آمد آمد سُنی تو جاسوس دوڑائے اور جب پتہ لگا کہ سلطان حسین تیس ہزار کی جمعیت سے آرہا ہے تو سخت حیرت زدہ ہُوا۔ کیونکہ اسے امید نہ تھی کہ امیر حسین جیسا کار آزمودہ حکمران اس قلیل فوج کے ساتھ برسر مقابلہ ہونے کی جرأت کرے گا۔ غرض راجہ نے بھی کالی گھٹا کی طرح اپنی جگہ سے جنبش کی اور والئی داناپور کے مقابلہ میں بڑھتا چلا آیا جب اہل توحید کو معلوم ہُوا کہ راجہ کی فوجیں سیاہ آندھی کی طرح بڑھتی آرہی ہیں تو وہ بھی مرنے مارنے پر طیار ہو گئے۔ راجہ کی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت کوہ پیکر ہاتھی اور ستر ہزار جرّی سپاہی اور ہزاروں جرّار سوار راجہ کے ہم رکاب تھے راجہ کی فوج اس دھوم دھام اور آرائش و نمائش سے نکلی کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ گئے۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور ہنگامہ رزم گرم ہُوا دونوں طرف کے بہادر دیر تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھلاتے رہے۔ امیر حسین نے اس جنگ میں بڑے بڑے معرکے کئے اور گو دشمن کی غیر معمولی قوت کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ تاہم کمال جانبازی کے ساتھ دادِ شجاعت دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حسین سید کی طرف بار بار دیکھ کر زبان حال سے اس کو دشمن کی خوفناک جمعیت اور اس کے جان ستان حملوں کی طرف متوجہ کرنے لگا لیکن سید کی یہ حالت تھی کہ وہ غنیم کی حربی قوت اور شجاعانہ رزم جوئی کو ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا۔

راجہ کا قتل تھوڑی دیر میں امیر حسین کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اس کے آدمی دلیپ رائے کے پُر زور حملوں کی تاب نہ لا کر نہایت ابتری اور سراسیمگی کے عالم میں پسپا ہونے لگے۔ حسین عالم اضطراب و بدحواسی میں سید کی طرف آیا جو فوج بیراگیاں کو لئے ایک طرف سوار کھڑا تھا۔ فوج بیراگیاں کی ہیئت کذائی گو نہایت مضحکہ خیز تھی لیکن یہی بے سر و سامان جماعت دراصل اسلامی جمعیت کی روح رواں تھی اور یہی وہ مقدس گروہ تھا جس نے امیر حسین کی کشتئ اقبال کو ڈوبنے سے بچایا۔ اور اسلام کی لاج رکھ لی۔ حسین نے سید کو اشارہ کیا کہ بھاگ کر جان بچالیں۔ مگر سید نے خشمناک ہو کر سینہ پھلا لیا اور نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر ڈیڑھ ہزار صوفیوں نے بھی اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ کوہ و دشت گونج اُٹھے یہ لوگ سید کا اشارہ پاتے ہی گھوڑے اُٹھا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور برق خاطف کی طرح

پہلے ہی حملہ میں غنیم کے میمنہ کو تتا کر دیا۔ ہزیمت خوردہ اسلامی فوج کے لئے یہ ایک غیبی کمک تھی جس کے گئے ہوئے
ہوش ٹھکانے آگئے اور وہ پسپا ہوتے ہوتے پھر ٹھہر گئی اور ترت مجتمع ہو کر حریف کے قلب پر حملہ بول دیا۔ دیر تک
گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر دلیپ راؤ نے اپنے بہادر راجپوتوں کو للکارا اور ایسا پُرجوش خطبہ دیا کہ ہر راجپوت اپنا
آخری قطرۂ خون بہانے کے لئے طیار ہو گیا۔ آخر دونوں فوجیں لڑتے لڑتے باہم اتنی قریب آگئیں کہ معاملہ تیر و تفنگ
سے گزر گیا اور دست بدست لڑائی ہونے لگی سید محمد اسی جوش و خروش کے ساتھ غنیم پر حملے کر رہا تھا گو اس کے
پیروؤں کی تھوڑی سی جمعیت گھٹتے گھٹتے اب ایک ہزار رہ گئی تھی۔ تاہم اس کے پے در پے حملوں نے غنیم کی صفیں الٹ
دیں۔ صوفیوں نے اتنی تلوار چلائی کہ ہنود کی فوج گراں کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ آخر سید دلیپ راؤ کے قریب پہنچنے میں کامیاب
ہو گیا اب سید اور راجہ حریف مقابل تھے۔ راجہ کا شمشیر بکف ہاتھ سید پر حملہ کرنے کے لئے بلند ہوا۔ مگر وار خالی گیا۔ مہدوی
کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ ہوا میں ملائکہ نے تھام لیا تھا۔ اس اثنا میں سید نے نہایت پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ اس زور
سے مارا کہ پہلی ہی ضرب نے دلیپ رائے کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ لشکر نے اپنے سر پر راجہ کو
نہ دیکھا تو اس میں تلاطم مچ گیا۔ اور سپاہی بے سر و سامان بھاگ نکلے۔ امیر حسین نے سجدۂ شکر ادا کیا کہ بگڑی بات کا بنانے
والا وہی خدائے کردگار ہے۔ اسلامی سپاہ نے غنیم کو خوب پامال کیا۔ بہت سے امیر اسیر ہوئے اور غنیمت بے شمار اہل
توحید کے ہاتھ لگی۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حسین کو نہ صرف اپنی عملداری میں مطلق العنان حکومت نصیب ہوئی
بلکہ مقتول راجہ کی تمام ولایت پر بھی اس کا عمل و دخل ہو گیا۔ اب سید محمد کا حلقۂ ارادت اس قدر وسیع ہوا کہ چند ہی روز
میں اس کے ارادتمندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہنچ گئی۔ دلیپ رائے کے اکثر قرابت دار بطیب خاطر
مسلمان ہوئے اور سید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اشاعت اسلام کی راہ میں جس قدر عوائق و موانع تھے اس فتح کے بعد اٹھ گئے
اسیران جنگ میں راجہ کا ایک ہمشیر زادہ بھی داخل تھا۔ جو دستگیر کر کے سید محمد کے سامنے پیش کیا گیا۔ چند روز کے بعد راجہ کا
خواہرزادہ مشرف باسلام ہوا۔ سید نے اس کا نام میاں دلاور رکھا۔ میاں دلاور کچھ عرصہ ذکر و فکر میں مصروف رہ کر سید
کے خرقۂ خلافت سے بھی ممتاز ہوا۔ وقائع حرب کے سلسلہ میں یہ ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی جاتی ہے کہ
جب سید کی شمشیر خارا شگاف نے راجہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور جسم دونیم ہو کر زمین پر گر پڑا۔ تو دلیپ رائے کا دل
سینہ سے باہر نکل آیا۔ کہتے ہیں کہ رائے کے دل پر اس بت کی شبیہ منقوش تھی جس کی وہ ہمیشہ عبادت کیا کرتا تھا۔
یہی امر سید کے جذبہ و استغراق کا ذریعہ بن گیا۔ کہ جب معبود باطل اس قدر اثر رکھتا ہے تو معبود حقیقی کی تاثیر کیا کچھ
ہونی چاہیئے"۔ سات برس تک سید کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی ہر وقت جذبۂ استغراق کی حالت طاری تھی۔ البتہ نماز
پنجگانہ کے وقت کچھ ہوش آجاتا تھا۔ مہدویہ کہتے ہیں کہ اس سات برس کی مدت میں ایک دانہ اناج اور ایک قطرہ پانی کا
سید کے حلق میں نہ گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ مہدویہ کہتے ہیں کہ ایک روز سید کی زوجہ محترمہ نے کہا کیا سبب ہے کہ ہر
وقت بیہوش رہتے ہو اور تحمل نہیں کرتے ہو؟ جواب دیا کہ تجلی الوہیت کی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ اگر ان تجلیات
کا ایک قطرہ کسی ولی کامل یا نبی مرسل کو دیا جائے تو مدت العمر کبھی ہوش میں نہ آئے"۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول جس

سے انبیاء کرام کی تنقیص اور اپنی تفضیل ظاہر ہوتی ہے کسی مہدوی کا دماغی اختراع ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حالِ رفیقۂ حیات شطحیات کے سُکر و جذب کی حالت میں زبان سے نکلا ہو۔ غرض سات سال کے بعد کچھ ہوش آیا لیکن اب بھی یہ کا طریقہ تھی کہ کبھی ہوش آجاتا اور کبھی مدہوشی کی حالت طاری رہتی۔ پانچ سال اسی طرح گذر گئے۔ مہدویہ کا بیان ہے کہ اس پانچ سال کی مدت میں سید نے غلّہ گوشت اور روغن بقدر ساڑھے سترہ سیر کھایا ہوگا۔

دعوائے مہدویت اب سید نے ہجرت کا قصد کیا اور وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر زن و فرزند اور چند مریدانِ جاں نثار کی معیت میں دشتِ غربت کی راہ لی، اور جہاں گردی اور بادیہ پیمائی کا طریقہ اختیار کیا۔ یہاں سے سید کی زندگی کا نیا دَور اور اس کے مشن کا تاریک ترین حصہ شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ سید نے اسی موقع پر داناپور کے جنگل میں پہنچ کر پہلی مرتبہ اپنی مہدویت کے الہام ہم راہوں سے بیان کئے جنہوں نے بے چون و چرا ان کی تصدیق کی۔" افسوس کہ سید کے رفقائے سفر میں کوئی بھی ایسا ذی علم اور صاحب عقل و خرد نہیں تھا جو حق گوئی سے کام لے کر سید سے کہتا کہ صاحب! آپ کی مہدویت کے جملہ الہامات شیطانی ہیں کیونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے مہدی کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں وہ آپ کی ذات میں نہیں پائی جاتیں، اور جو ذات شریف آپ کو منصب مہدویت بخش رہی ہے وہ ابنِ آدم کی بدترین دشمن ہے اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی بیان کردہ مہدویت کو احادیث نبویہ پر پیش کر کے حق و باطل میں امتیاز کر لیں۔" لیکن یہ ضعفائے ایمان آناً فاناً جو نپوری رَو میں بہ گئے۔ مہدویہ لکھتے ہیں کہ سید نے عالم رویا یا نیم بیداری کی حالت میں ایک شخص کو دیکھا جس کے چہرہ پر آثار تقدس و بزرگی ہویدا تھے۔ وہ سید کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ "تو ہی مہدی موعود ہے"۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ سید نے ضرور کسی ایسی ہستی کو دیکھا ہوگا جس کے چہرہ پر تقدس و بزرگی کے آثار ہویدا تھے اور اس نے واقعی سید سے کہا ہوگا کہ تو ہی مہدی موعود ہے لیکن نادان مہدوی اتنا نہیں سمجھتے کہ سید کو مہدویت کی بشارت دینے والا بزرگ صورت اس شیطانِ رجیم کے سوا اور کوئی نہیں تھا جس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اور جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عباد و زہاد کو راہ حق سے پھیرنے میں ہر وقت منہمک ہے۔ اور اگر کوئی خوش فراموش مہدوی اعتراض کرے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اتنا بڑا پیر طریقت شیطان کے دامِ تزویر میں پھنس کر گمراہ ہو جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ عزلت و انزوا کو گمراہ کرنا شیطان کا فرضِ منصبی ہے وہ اضلال و اغوا کی ساری صلاحیتیں استعمال میں لاتا ہے اس کے پنجۂ اغوا سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو اپنے ہر الہام و القاء کو تعلیمات نبویہ کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے۔ اور جو لوگ اپنے الہامات کو ارشادات نبویہ اور مسلکِ سلفِ صالح کے معیار پر پرکھنے کے عادی نہیں ممکن نہیں کہ وہ شیطان کی دستبرد سے بچ سکتا خیر القرون کے بعد حضرت قطب الاقطاب سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے بڑھ کر عارف ربانی کون ہوگا؟ شیطان نے ان کو بھی اپنی کمندِ خدع میں پھانسنا چاہا تھا لیکن وہ صاحب فراست تھے اُنہوں نے شیطانی آواز کو شریعت کی روشنی میں جانچا تو معاً اُن پر حقیقتِ حال کھل گئی اور وہ جھٹ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم کہہ کر پناہ خداوندی میں آگئے اور بچ گئے ورنہ شیطان بسا اوقات اچھے اچھے ہادیانِ طریقت کو پھسلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب شیخ شیوخ العالم حضرت عبد القادر جیلانیؒ اس کے پنجۂ اغوا سے بچ نکلے اور اس کا وار خالی گیا تو شیخ عبد الحق محدث

پس شیطان ان سے کہنے لگا اے عبدالقادر! نجات یافتی تو از من بواسطہ علم تو با احکام پروردگار تو وفقہ وال منازلات خود ومن بمثل ایں واقعہ ہفتاد تن از اہل ایں طریق از راہ بُردم کہ یکے از انہا بجائے خود نایستاد۔ ایں چہ علم وہدایت است کہ حق تعالیٰ ترا عطا فرمودہ۔" شیخ محی الدین عبدالقادر رحؒ گفت للہ الفضل والمنۃ ومنہ الہدایۃ فی البدایۃ والنہایۃ۔" اگر جونپوری بھی نورانی پیکر کو دیکھ کر احادیث نبویہ علیٰ کی طرف رجوع کرتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ اسی اسلام کے شارع عام سے ہجر و بُعد نصیب ہوتا۔ لیکن شیطان کے ایک ہی "پرتوِ جمال" سے اس کی آنکھوں میں ان احادیث نبوی کی طرف سے چربی چھا گئی جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کی بہت سی ایسی علامتیں اور خصوصیتیں مذکور ہیں جو سید جونپوری کی ذات میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

چندیری، مندو، چمپانیر اور احمد نگر میں ورود

وطن کو الوداع کہ کر سید چندیری گیا۔ وہاں کے لوگوں میں اس کے فضل و کمال کا شہرہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اہل چندیری نے بڑی آؤ بھگت کی اور سیکڑوں عقیدت مند اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ مگر جب علماء و مقتدایانِ ملت کو اس کے دعوائے مہدویت کا علم ہُوا تو وہ مخالفت پر کمربستہ ہوئے اور بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہُوا چونکہ شرع اسلام کی حکومت تھی تمام اسلامی ممالک میں احتساب جاری تھا اور ہر شخص کے لئے شریعت کی پابندی لازم تھی اس لئے سیّد کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ وہاں سے شہر مندو دار السلطنت مالوہ میں آیا وہاں بھی اس کے وعظ و بیان میں ہجوم خلائق حد سے زیادہ ہُوا سلطان غیاث الدین جسے اس کے فرزند سلطان ناصر الدین نے ان ایام میں قصر شاہی کے اندر نظر بند کر رکھا تھا نہایت درجہ کا اعتقاد بہم پہنچا کر سید کا مرید ہو گیا۔ اس نے سید کے دو مریدوں سید سلام اللہ اور ابو بکر کو بلا کر باعزاز تمام رخصت کیا۔ اور بیش قیمت تحائف سید کی خدمت میں بھیجے۔ یہاں سلطان غیاث الدین کا ایک مصاحب الٰہ داد نام بھی ترک امارت کر کے سید کا مرید ہو گیا وہ سید سے اس درجہ مانوس ہُوا کہ سفر و حضر میں تادم مرگ اس کے ہمراہ رکاب رہا۔ الٰہ داد صاحب تصانیف تھا۔ اس نے رسالہ بارہ امانت، رسالہ ثبوت مہدویت، مرثیہ شیخ اور دیوان غیر منقوط لکھ کر فصاحت و بلاغت کو حیات جاوید بخشی۔ یہ شخص سید محمد کا چھٹا خلیفہ شمار کیا جاتا ہے۔ صاحب دیوان مہری بن خواجہ طٰہٰ اسی کا شاگرد ہے۔ اسی شہر میں سید محمد کا چھوٹا فرزند سید اجمل کھانے کی دیگ میں گر پڑا اور راہی عالم بقا ہُوا۔ سید محمد نے مندو سے روانہ ہو کر چمپانیر کا عزم کیا جو گجرات کا دار السلطنت تھا۔ مندو سے بہت سے لوگ معتقد ہو کر سید کے ہمراہ ہو لئے یہاں پہنچ کر سید نے جامع مسجد میں قیام کیا یہاں بھی سید کے ترک و انقطاع کا غلغلہ بلند ہُوا۔ یہاں تک کہ سلطان محمود بیکرہ ایسے اولوالعزم اور خدا پرست بادشاہ نے بھی اس کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ مریدین میں داخل ہونے کی ٹھان لی لیکن چند علماء و مقتدایانِ ملت جو حسب الحکم پہلے سے ملاقات کر گئے تھے مانع آئے اور بتایا کہ یہ شخص مہدویت کا مدعی ہے۔" اس لئے بادشاہ نے مرید ہونے کا عزم فسخ کر دیا۔ مگر باوجود علماء اکرام کی مخالفت کے یہاں کئی شخص سید کے مرید ہو گئے کیونکہ جن محرومان قسمت کا جذبۂ حق فراموشی ضلالت پسندی اور کج روی کے لئے بے قرار ہو وہ کسی طرح زیغ و ضلال سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ ان نئے ارادت مندوں میں سے ایک نوجوان طالب علم میاں نظام الدین نام نے زمرۂ خدام میں داخل ہو کر سید کی خدمت و رفاقت اختیار کی اور ہر سفر میں

سید کے ساتھ رہا۔ اسی جگہ سید کی بیوی کا پیمانۂ حیات بھی آب مرگ سے لبریز ہو گیا۔ جب راحت جان رفیقۂ حیات نے گرداب فنا کی گود میں جا بسیرا کیا تو سید نے امور خانہ داری کے مخمصوں سے نجات پا کر فتوحات میں تقسیم بالسویہ کا طریقہ جاری کیا وہاں سے احمد نگر آیا۔ یہ شہر سلطنت نظام شاہیہ کا پایہ تخت تھا جو دہلی کی پانچ ہمسر اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی یہ مقام پیشتر ہی مہدویت کی تحریک سے آشنا ہو چکا تھا اس وجہ سے دار السلطنت احمد نگر میں سید کا استقبال نہایت گرم جوشی سے ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سید کی عظمت یہاں تک چھائی کہ خود سلطان احمد نظام شاہ بحری سید کا مرید ہو گیا۔ کسی بادشاہ کا ایک فقیر بے نوا و مسافر خستہ پا کے ہاتھ پر بیعت کرنا بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے چنانچہ بادشاہ کے حسن عقیدت کی وجہ سے سید کا آستانہ مرجع خاص و عام بن گیا۔ قریب قریب ساری رعایا سید کے حلقۂ ارادت میں آ گئی۔ بادشاہ کے قبول مہدویت کا ساحرانہ اثر یہاں تک جاری و ساری ہوا کہ اچھے اچھے عقلائے دہر اپنے قوائے ذہنیہ کو بدعت و ضلالت کے مہدوی مندر پر قربان کر بیٹھے اور مذہب مہدویہ دکن میں بالاستقلال قائم ہو گیا۔ مہدوی لکھتے ہیں کہ بادشاہ اس وقت تک اولاد سے محروم تھا فرزند کی آرزو میں سید کے پاس آ کر دعا کا طالب ہوا۔ سید نے دعا کی۔ نہال امید بارور ہوا۔ بیگم کو حمل کے آثار نظر آنے لگے اور چند ماہ کے بعد بادشاہ کے پاس یہ نوید جانفزا پہنچی کہ مشکوئے معلی میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا۔ یہی مولود بعد کو برہان نظام الملک کے نام سے احمد نگر کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ فرقہ مہدویہ سے کمال حسن اعتقاد رکھتا تھا یہاں تک کہ سید محمد کے انتقال کے بعد اس نے شاہ نظام میاں دلاور اور میاں نعمت وغیرہ کو جو سید جونپوری کے اخص مرید تھے گجرات کاٹھیاواڑ سے احمد نگر مدعو کیا اور کمال اعتقاد سے سید محمد کے پوتے میراں جی کو اپنی قمر طلعت لڑکی نذر کر کے اپنی دامادی کا اعزاز بخشا۔ اس کتخدائی سے مہدویہ کا پایۂ رفعت فرق فرقد تک بلند ہو گیا اور مہدویت سلطنت کی آغوش میں تربیت پانے لگی۔ اہل ملک کی اس بے راہ روی کو دیکھ دیکھ کر علمائے حق لہو کے گھونٹ پیتے تھے۔ مگر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔

گلبرگہ اور احمد آباد سے اخراج

معلوم ہوتا ہے کہ سید ایک مقام پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا بعض مقامات سے تو وہ خارج البلد کیا جاتا تھا۔ لیکن بعض سے خود ہی رخصت ہو جاتا تھا کیونکہ اس کا نصب العین تو اطراف و اکناف ملک میں پھر کر اپنی خانہ ساز مہدویت کی تبلیغ کرنا تھا۔ اس لئے وہ احمد نگر میں بھی نہ ٹھہرا اور یہاں سے کوچ کر کے شہر احمد آباد بیدر پایۂ تخت برید شاہیہ میں آیا۔ اس وقت تک قاسم برید یہاں کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھا۔ یہاں ملا ضیاء، قاضی علاء الدین نے بیعت کی اور سید کے ہمراہ ہو لئے یہاں سے سید نے عنان عزیمت گلبرگہ کو پھیری جو خاندان بہمنیہ کا پایہ تخت تھا۔ یہاں آ کر اس نے سید گیسو دراز چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے خلیفہ تھے فاتحہ پڑھی۔ ایک مختصر سے قیام کے بعد جب علماء نے سلطان سے شکایت کی کہ اس شخص کے جھوٹے دعووں نے ایوان مذہب میں تزلزل ڈال دیا ہے تو یہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ گلبرگہ سے روانہ ہو کر قصبے طے کرتے ہوئے بندر دابھول پہنچا اور وہاں سے ۹۰۱ھ میں بیت اللہ کے شوق زیارت میں جہاز پر سوار ہوا۔ بعد طے منازل حرم محترم میں پہنچا۔ یہاں جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مشہور پیش گوئی یاد آئی کہ لوگ مہدی کے ہاتھ پر

رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ اس لئے سید محمد نے بھی اس مقام پر کھڑے ہو کر دعویٰ مَنِ اتَّبَعَنِیْ فَھُوَ مُؤمِنٌ (جس کسی نے میری پیروی کی وہ مومن ہے) اکا کیا۔ میاں نظام الدین اور قاضی علاء الدین نے آمنّا و صدقنا کہہ کر جھٹ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور اس طرح سید محمد کو اس پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرایا گیا۔ یہاں سے سید محمد جناب ابو البشر آدم علیہ السلام کے مرقد منور کی زیارت کو گیا اور کہا کہ میں نے آدم علیہ السلام سے معانقہ کیا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ خوش آمدی صفا آوردی وہاں سے بندر دیو گھاٹ پر اُتر کر شہر احمد آباد گجرات آیا اور مسجد تاج خان سالار میں فروکش ہوا۔ یہاں ڈیڑھ سال تک رہنے کا اتفاق ہوا اسی مسجد میں ایک روز مجمع عام میں بڑے طمطراق سے دعوائے مہدویت کیا۔ برہان الدین اور ملک گوہر نے مرید و تارک الدنیا ہو کر رفاقت اختیار کی۔ ملک برہان الدین کو مہدویہ خلیفہ ثالث اور مؤخر الذکر کو خلیفہ چہارم قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کی خاک پرستش و عقیدت کے خمیر سے بنی ہے اور یہاں کے باشندے خوش اعتقادی میں تمام دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے سید جہاں جاتا تھا لوگ پروانہ وار ہجوم کرتے تھے۔ احمد آباد میں ہزارہا مرد و زن سید کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے جب اس کے دعوائے مہدویت اور اغوائے خلق کا چرچا زبان زد خاص و عام ہوا تو علماء و مشائخ گجرات نے بیحد مناقشہ کیا اور سلطان محمود گجراتی سے شکایت کی کہ ایک شیخ نووارد لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے اور اس کے وجود سے بے شمار مفاسد رونما پیدا ہو رہے ہیں!! بادشاہ نے اخراج کا حکم دیا۔ اور اس طرح ایک بڑھتا ہوا طوفان آناً فاناً رک گیا۔ یہاں سے نکل کر ایک گاؤں سولہ سانیج نام میں اُترا۔ یہاں ایک بیباک و سفاک رہزن نعمت نام جو ایک حبشی کو قتل کر کے مفرور ہو رہا تھا آکر سید کی جماعت میں داخل ہوا۔ حولف نہایت حقت ۲ با ۹۔

نہر والہ سے اخراج یہاں سے روانہ ہو کر شہر نہر والہ پیران پٹن علاقہ گجرات میں لب حوض مقام کیا۔ یہاں بھی ڈیڑھ سال تک اقامت گزین رہا۔ لطف یہ ہے کہ سید جدھر کا رخ کرتا تھا ہر طرف سے طلبہ مناظرہ و مباحثہ کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ باوجودیکہ سید یہاں مناظرہ میں بُری طرح مغلوب و مقہور ہوا تاہم ایک دنیا پرست مولوی میاں خوندمیر بھی حاضر خدمت ہو کر مرید و تربیت پذیر ہوا اور ملک بخش برخوردار اور ملک الٰہ داد اور ملک حماد بھی دامن مہدویت سے وابستہ ہو کر ہمراہ ہوئے۔ جب مبارز الملک نے دیکھا کہ اس کے اکثر اعزاء و اقارب سید محمد کے دام تسخیر میں گرفتار ہو گئے اور ہزارہا مخلوق سیلِ الحاد و بدعت کی نذر ہوئی تو سلطان محمود کی طرف سے ایک فرمان ثانی صادر کرا کے پیران پٹن سے بھی سید کو خارج کرا دیا اور سید محمد کی عادت تھی کہ جب کسی حاکم کی طرف سے حکم اخراج پہنچتا تو کہنے لگتا کہ مجھے خدا کا الہام یہاں سے رخصت ہونے کے لئے پہلے ہی سے آچکا ہے اس لئے میں خود بخود حسب ارشاد خداوندی جاتا ہوں۔ پیران پٹن سے نکل کر وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر قصبہ بدلی میں نزول کیا۔ اور ایک موقع پر کہا مجھے برابر اٹھارہ سال سے خدا کا بلا واسطہ حکم ہوتا رہا کہ مہدویت کا دعویٰ کر لیکن میں حکم الٰہی کو ٹالتا رہا۔ اب مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اے سید محمد مہدویت کا دعویٰ کیوں نہیں کرتا اگر تو اب بھی دعوے سے کنارہ کش رہا تو ظالمان میں شمار کروں گا۔ اس لئے میں بصحت عقل و حواس دعویٰ کرتا ہوں اَنَا مَھْدِیٌّ مَّبِیْنٌ مُرَادُ اللّٰہ۔ اور اپنے جسم کا چمڑا دو انگلیوں سے پکڑ کر کہا کہ جو شخص اس ذات کی مہدویت سے منکر ہو

وہ کافر بے دین ہے۔ مجھے خدائے برتر سے بیواسطہ احکام ملتے ہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے علم اوّلین وآخرین اور بیان یعنی معانی قرآن کا فہم اور خزانۂ ایمان کی کنجی عطا کی جو شخص تجھ پر ایمان لایا وہ مومن موحد ہے اور جو منکر ہوا وہ کافر ہے" اسی طرح بہت سی باتیں رب الارباب کی طرف منسوب کیں۔ اسی وقت مجمع مریدان با اخلاص کی زبان سے آمنّا وصدقنا کی صدا بلند ہوئی۔ جب یہ خبر شہر نہر والہ جو وہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا زبان زد خاص وعام ہوئی کہ نہر والا سے خارج البلد ہونے کے بعد اب سیّد قصبہ بدلی میں مہدیت کا دعویٰ کر رہا ہے تو چند علماء قصبہ مذکور میں آئے اور سید کو بتیرا سمجھایا کہ وہ اس ہرزہ درائی سے باز آئے لیکن اس نے ایک نہ سُنی عاملینِ شریعت مایوس ہو کر احمد آباد آئے اور بادشاہ کو اس قضیہ سے مطلع کر کے یقین دلایا کہ یہ شخص لوگوں کو ضلالت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لئے اس کے شر سے خلق خدا کو بچانا لابدّ ہے۔ غرض یہاں سے بھی خارج ہو کر آوارۂ دشتِ ادبار ہؤا۔ چلتے وقت عالم آشفتگی میں کہنے لگا کہ اگر میں حق پر تھا تو میرا اتباع کیوں نہ کیا؟ اور اگر باطل پرست تھا تو کیوں قتل نہ کیا کہ جہاں جاؤں گا لوگوں کو گمراہ کرتا پھروں گا اور اس کا وبال ان کی گردن پر رہے گا جو میرے قتل و استہلاک سے مجتنب رہے" اب سید جالور پہنچا۔ اس جگہ کے بے شمار باشندے اس کے مطیع ومنقاد ہو گئے۔ جالور سے ناگور اور ناگور سے ولایت سندھ کے شہر نصر پور میں داخل ہؤا۔ یہاں پہنچکر میاں نعمت اور میاں خوندمیر کو تو گجرات واپس جانے کی خود اجازت دی لیکن سید کے کثیر التعداد پیرو جو اس دین جدید کی سختیوں کو جھیلتے جھیلتے سخت بیزار اور بداعتقاد ہو گئے تھے ترک رفاقت کر کے گجرات کو واپس چلے آئے سید محمد نے ان کو لاکھ ڈرایا دھمکایا کہ تم جادۂ سداد سے منحرف ہو کر منافق ومرتد ہوئے جاتے ہو مگر کسی نے ایک نہ سُنی۔ اور سب نے راستہ گجرات کا لیا۔ بی بی شاہ خاتون سید کی ایک اہلیہ بھی انہی میں داخل تھی ؛

چوراسی مہدویہ کی عالم گرسنگی میں ہلاکت

نصر پور سے شہر ٹھٹھہ دار الحکومت سندھ میں آیا۔ چونکہ علمائے سندھ مہدیت کے آغاز سے ہی لوگوں کو جونپوری فتنہ سے متنبہ کر رہے تھے۔ سندھ میں مہدویت کو کوئی فروغ نصیب نہ ہؤا بلکہ اس بنا پر کہ سید کے قدوم سے پیشتر ہی یہاں اس کے خلاف غیظ وغضب کی لہر دوڑ رہی تھی اور تعذیب وتعزیر کی تمنا مدت سے بے قرار تھی لوگوں نے سید اور اس کے رفقاء کو فاقوں مارنے کی ٹھانی۔ اس قرارداد کے بموجب سید کے پاس پیغام بھیجا کہ اہل سندھ کو بے دین کرنے سے باز آؤ ورنہ یاد رکھو کہ اناج کا ایک دانہ بھی تمہارے حلق میں نہ پہنچنے دیں گے۔ سید نے اس پیغام کی کوئی پروانہ کی۔ اور حسب معتاد لوگوں پر اپنی مہدویت کے جال ڈالنے شروع کئے۔ لوگوں نے عدم تعاون کے اصول پر عمل کرتے ہوئے محدود آذوقہ کا واحد ذریعہ بھی بند کر دیا نتیجہ یہ ہؤا کہ سید کے رفقاء میں سے چوراسی آدمیوں نے گرسنگی اور فاقہ کشی کے مصائب میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے جان دے دی۔ سید نے آتش رنج وغم کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بشارت دی کہ فاقہ کش جان سپاروں کو انبیاء ومرسلین اولو العزم کے مدارج ومقامات عطا ہوئے ہیں۔ جب علمائے حق نے دیکھا کہ سید بدستور قوانین الٰہیہ کا نظام درہم برہم کر رہا ہے اور اسلامی جماعت کا شیرازہ بکھیرنے کی کوششیں جاری ہیں تو انہوں نے ناچار بادشاہ سے اس کی شکایت

کی۔ شاہ سندھ سید کے ہفوات و مزخرفات کی اطلاع پاکر اس قدر برہم ہوا کہ اس نے سید اور اس کے تمام رفقاء کے حق میں حکم قتل صادر کیا۔ لیکن دریا خان مصاحب سلطانی کی سعی سے فرمان قتل حکم اخراج سے تبدیل ہو گیا۔ مہدویہ نے یہاں جو طرز دعوت اختیار کیا تھا وہ خود ایک خونی منظر کا اشارہ کر رہا تھا مگر غنیمت ہے کہ جان بخشی ہو گئی۔ انجام کار جب سید نے دیکھا کہ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا لوگ ہر جگہ خشونت و درشتی سے پیش آتے ہیں اور ہندوستان کی کوئی اسلامی سلطنت اسے اپنے یہاں پناہ دینے پر آمادہ نہیں تو اس نے کسی دوسری ولایت کے آغوش عاطفت میں رہ کر اپنی مہدویت کے زہریلے جراثیم پھیلانے کا قصد کیا۔ چنانچہ سندھ کو الوداع کہہ کر خراسان کا رخ کیا۔ خراسان فارس و عراق کے مشرقی حصہ کو کہتے ہیں۔ مہدویوں کا بیان ہے کہ اس وقت بھی قریباً نو سو آدمی سید کے ہمراہ رکاب تھے جن میں سے تین سو ساٹھ ایسے منتخب تھے جن کا لقب اصحاب و مہاجرین خاص تھا۔ غرض یہ قافلہ بہزار خرابی و بربادی قندھار پہنچا۔ اس وقت سید کی حالت بہت زبون تھی۔ اور کوہ مصائب بادلوں سے بھی بلند تر ہو گیا تھا۔ جب مرزا شاہ بیگ حاکم قندھار سید کے دعاوی سے مطلع ہوا تو حکم دیا کہ سید ہندی کو جمعہ کے دن مسجد جامع میں طلب کر کے علمائے اسلام سے بحث کرائی جائے چنانچہ حسب الحکم پیادے دوڑے اور سید کو کمر بند سے پکڑ کر جبراً و قہراً اس عجلت سے لے چلے کہ جوتا پہننے کی بھی مہلت نہ دی۔ اور جب مریدوں نے ہمراہی کا ارادہ ظاہر کیا تو انہیں سختی سے روک دیا۔ مہدوی لکھتے ہیں کہ جب سید محمد مسجد میں داخل ہوا تو علماء نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی لیکن سید کی طرف سے نہایت عجز و انکسار کیساتھ جواب دیا گیا۔ شاہ بیگ حاکم قندھار جو جوان بست سالہ تھا سید کے بیان پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے حسن اخلاق فروتنی اور سحر بیانی سے گرویدہ ہو کر نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔

فراہ میں ورود اور سفر آخرت

سید محمد نے علمائے قندھار کے چنگل سے مخلصی پا کر شہر فراہ کی راہ لی۔ اس وقت سید کے سر پر حزن و غم کے بادل منڈلا رہے تھے اور اس کی بیکسی قابل رحم تھی لیکن ع ہر کس کہ چنیں کند چناں آید پیش

فراہ میں بھی نہایت سخت باز پرس ہوئی اور سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ پہلے ایک عہدہ دار نے جو نہایت ہیبت ناک اور آشفتہ مزاج تھا آکر سید محمد اور اس کے رفقا کے تمام اسلحہ چھین لئے اور گوشۂ کمان ہر ایک کے سر پر رکھ کر ایک ایک کو شمار کر کے کہنے لگا کہ کل کے روز تم سب زندانِ بلا میں ڈالے جاؤ گے تاکہ لوگ تمہارے خبائث و رذائل سے محفوظ رہیں۔ اس کے بعد میر ذوالنون حاکم شہر سید کی حالت معلوم کرنے کے لئے بذات خود آیا لیکن ملاقات کے بعد سید کا معتقد ہو کر علماء کو اجازت دی کہ اس کی مہدویت کا امتحان کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ پھر علمائے اسلام سے مناظرہ و مباحثہ کی ٹھہری۔ چنانچہ بہت دن تک آپس میں کشتیں ہوتی رہیں۔ امیر ذوالنون نے یہ تمام ماجرا میرزا حسین بادشاہ خراسان کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ بادشاہ نے خراسان کو ہندوستان کی وبائے عالمگیر سے پاک رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے چار سربرآوردہ عالم بغرض مناظرہ روانہ کئے۔ یہ چاروں حضرات علم و فضل کے ستون اور میدان مناظرہ کے شہسوار ہوں گے لیکن ایسے شخص کے مقابلہ میں جس کی ساری عمر مذہبی اکھاڑوں اور جھگڑالو قضیوں میں گذری تھی اور مرزائی مناظرین کی طرح جس کے چوبیس گھنٹے اسی سوچ بچار میں گزرتے تھے کہ فریق مقابل کے استدلال میں کیا کیا الجھنیں پیدا کی جا سکتی ہیں اور حضرت شارع علیہ السلام کے ارشادات گرامی کو

مسترد کرنے کے لئے بساط مناظرہ میں کون کون سے مہرے کام دے سکتے ہیں خود علمائے ہندوستان کے طلب کئے جانے کی ضرورت تھی۔ اگر یہاں سے ایک آدھ مناظر بھی چلا جاتا تو جاتے ہی سید کا ناطقہ بند کر دیتا۔ سید محمد مرزا غلام احمد صاحب کی طرح سخن سازیوں اور تاویل بازیوں کے ہتھیار چلا کر برابر مقابلہ کرتا رہا۔ اور علمائے خراسان اس کو ساکت و مغلوب کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جب فراہ میں تین مہینے گزر چکے تو خوند میر اور میاں نعمت جو نصر پور سے اپنے وطن کو واپس گیا تھا میاں محمود فرزند سید محمد کے ہمراہ فراہ کو آیا۔ ان کے آنے کے بعد سید چھ مہینے تک اور زندہ رہا آخر وہ دن آ گیا جس کا دھڑکا ہر ایک ذی روح کو اس عالم رفتنی و گزشتنی میں لگا ہوا ہے یعنی سید نے بروز پنجشنبہ سنہ ۹۱۰ھ میں جب کہ اس کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی سالہا سال کی خانہ بردوشی کے بعد غریب الوطنی و درماندگی کے عالم میں توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر دی اس وقت موت کا پیام سید کے لئے عین نوید حیات تھا۔ کیونکہ سید اپنے دعوائے مہدویت کے بعد سے جسمانی اور روحانی صدمے اٹھاتے اٹھاتے سخت بدحال ہو گیا تھا۔ مصنف شواہد الولایت جو مہدوی ہے لکھتا ہے کہ سید بروز انتقال ایک بیوی کے گھر میں تھا اور عادت یہ تھی کہ نوبت ازواج کی شناخت کے لئے زمین میں میخیں گاڑ رکھی تھیں جب ان میخوں پر سایہ پہنچتا تھا تو ایک بیوی کے گھر سے دوسری کے مکان پر جانے کی باری آتی تھی۔ اس روز جب سایہ میخ پر پہنچا تو کہا "مجھے بی بی ملکہ کے گھر لے چلو"۔ بی بی ملکہ وہاں موجود تھی اس نے عرض کی کہ آپ تکلیف کی حالت میں ہیں اور میں خود یہاں موجود ہوں تاہم میں نے اپنی باری بخش دی۔ آپ یہیں رہیں اور جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ خدام و مریدین نے بھی نہایت الحاح و اصرار کے ساتھ یہی درخواست کی۔ سید نے جواب دیا تم نے تو اپنا حق بخش دیا لیکن شرع محمدی کی حد کو جس کے لئے رب العزت نے حکم فرمایا کون بخش سکتا ہے؟ اس کے بعد دو تین مرتبہ بی بی ملکہ نے بھی نہایت تضرع و دلسوزی سے یہی بات عرض کی لیکن سید نے قبول نہ کی اور کہا کہ "برادران ملت ہماری رعایت کرتے ہیں شریعت مصطفوی کا پاس و لحاظ نہیں کرتے"! غرض نہ مانا اور بہزار دقت و پریشانی اپنے تئیں بی بی ملکہ کے قیام گاہ پر پہنچایا اور تھوڑی دیر کے بعد شہر خموشاں کی راہ لی جہاں بڑی افسردگی اور بے بسی کے ساتھ کنج لحد میں سلا دیا گیا۔ ایک قوی عذر کی موجودگی میں سید نے شریعت اسلامی کا نام لے کر بی بی ملکہ کے گھر جانے پر جو اصرار کیا اس سے اس واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جبکہ حسب روایت امام بخاری ایک کوفی نے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ اگر کوئی شخص بحالت احرام میں مکھی مار دے تو اس پر دم (فدیہ) لازم آتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اہل عراق مجھ سے مکھی مارنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور یہ وہی اہل عراق ہیں جنہوں نے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت امام حسینؓ) کو قتل کیا ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حسنین (رضی اللہ عنہما) میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں"! جب سید نے اسلام کے شارع عام کو چھوڑ کر اور اسلامی عقاید سے روگردانی کر کے ایک نئے فرقہ کی بنا ڈالی تو ایسے نام نہاد تقویٰ کا اظہار بالکل لایعنی تھا۔ اسی طرح قادیان کے خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد صاحب نے ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے مسواک کو سنت رسول اللہ بتاتے ہوئے اس کا فلسفہ بیان کرنا شروع کیا۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی کہ سبحان اللہ! مینڈکی کو بھی زکام لگا۔ جب مرزا محمود احمد صاحب اور ان کے پیروؤں کا باطن ہزارہا کفریات کا منبع و معدن ہے تو ایک سنت زائدہ کی آڑ لے

کر تقویٰ کی نمائش کرنا سخت مضحکہ خیز حرکت ہے۔ انتقال کے بعد سید کی نماز جنازہ پرانی عید گاہ میں پڑھی گئی اور شہر فراہ
اور موضع ریج کے مابین ایک مقام پر نعش سپرد خاک کی گئی۔ میاں الہ داد بن جنید مہدوی نے سب کے سامنے قبر پر مرثیہ
پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔ ؎

فضلش کہ بر جمیع پیمبر شد از خدا — بادا بروز حشر شفاعت گر از خدا

۹۸۰ھ میں شاہ قاسم عراقی حاکم فراہ نے قبر پر ایک گنبد عالی کی تعمیر کی تاسیس شروع کی لیکن گنبد نامکمل رہا۔ اس کے بعد
بیگان سلطان حاکم فراہ نے اس کی تکمیل کی۔

سید کا جانشین

سید محمد کے فرزند کلاں سید محمود نے ایک سال فراہ کی سختیاں جھیلنے کے بعد گجرات میں آکر مقام
بھاوٹ میں توطن اختیار کیا۔ اب سید کے تمام خلفاء و مریدین سید محمود کی طرف رجوع ہوئے۔ اس لئے باپ کے اوائل
عہد کی طرح اب اس کا ستارۂ اوج چمکنے لگا۔ جب سلطان محمود بیگرہ کو مہدویہ کے بدعات واستبداد کا حال معلوم ہوا تو سید
محمود کو احمد آباد کے محبس میں قید کر کے نہایت وزنی زنجیر اس کے پاؤں میں ڈلوائی۔ اکتالیس روز کے بعد راجی سون اور
راجی مرادی خواہران بادشاہ کی سفارش سے کہ دونوں سید محمد کی معتقد تھیں قید محن سے نجات ملی۔ لیکن زخم زنجیر کی وجہ سے
پاؤں سڑ گیا یہاں تک کہ ڈھائی مہینے کے بعد پاؤں کی تکلیف سے جانبر نہ ہو سکا اور والد کی رحلت کے نو سال بعد ۹۱۹ھ
میں جب کہ اس کی عمر پچاس سال کی تھی موضع بھاوٹ میں محنت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر ملک بقا کی راہ لی۔

میاں خوندمیر

جب سید محمد خرابۂ دنیا سے معمورۂ عقبیٰ کی طرف روانہ ہوا تو میاں خوندمیر نے اپنے پیرو مرشد کا دسواں
کرتے ہی ایران سے اپنے وطن مالوف گجرات کاٹھیاواڑ کو مراجعت کی اور نہروالہ میں قیام کیا۔ خوندمیر نے اپنی تعجیل معاودت
کا یہ عذر پیش کیا کہ میران محمد کی روح نے اسے بعجلت تمام گجرات جانے کا حکم دیا ہے۔ سید محمود کی رحلت کے بعد یہی خوندمیر
فرقہ مہدویہ کا سرگروہ اور خلیفہ ثانی قرار پایا۔ اس نے بڑے طمطراق سے مذہب مہدویہ کی تبلیغ شروع کی۔ اور لوگ بڑی
تعداد میں اس کے دام تزویر میں پھنسنے لگے۔ تھوڑے دن شہر پٹن میں اقامت گزیں رہا۔ جب وہاں سے خارج کیا گیا تو ملک
بیاے نام ایک مہدوی نے اسے اپنی جاگیر موضع کھانبیل میں لا کر رکھا۔ وہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ ۹۳۰ھ میں ایک دن
اس کو خبر پہنچی کہ شہر احمد آباد کے حاکم نے ایک مہدوی رنگریز کو جرعہ مرگ پلا دیا ہے۔ خوندمیر نے چار سوار اس غرض سے
روانہ کئے کہ جا کر ان علماء کی جان لے لیں جنہوں نے مہدوی رنگریز کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ سوار علماء موصوف کو جام
شہادت پلا کر موضع کھدلارہ میں واپس آئے۔ جب سلطان محمود گجراتی کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے مہدویہ کی سر
کوبی کے لئے ایک دستہ فوج عین الملک کی قیادت میں روانہ کیا۔ کچھ مسلمان شہری بھی بہ نیت حصول ثواب فوج کے شریک
عمل ہو گئے۔ انہوں نے پہلے کھانبیل جا کر مہدویہ کے مکانات جلائے۔ اس کے بعد خوندمیر اور اس کے پیرووں کی طرف متوجہ
ہو گئے۔ خوندمیر ساٹھ سوار اور چالیس پیادے لے کر مقابلہ کو نکلا۔ اس معرکہ میں مہدویہ کے اکتالیس آدمی کام آئے۔ خوندمیر کی ایک
آنکھ میں ایسا تیر لگا کہ دوسری آنکھ بھی کاسۂ سر سے باہر نکل آئی۔ اتنے میں شرف الدین مہدوی بھی اسی سواروں کے ساتھ کمک
لے کر آیا۔ لیکن مہدویہ کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور موضع سدراسن کی طرف جو وہاں سے بارہ کوس کی مسافت پر تھا

ہٹ گئے۔ لیکن شاہی فوج نے پیچھا نہ چھوڑا اور سدراسن پہنچ کر خوندمیر اور اس کے بیٹے جلال الدین اور داماد وغیرہ قرباء اور مریدین کو ملا کر چون آدمی قتل کئے۔ مہدویہ اس معرکہ کو جنگ بدر ولایت سے نامزد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آیت انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت الخ میں امانت سے یہی جنگ مراد ہے۔ اور انسان سے مراد میاں خوندمیر ہے۔

سلطنت احمد نگر سے مہدویہ کا اخراج

جن ایام میں سپاہ گجرات مہدویوں کا استیصال کر رہی تھی انہی دنوں سلطنت احمد نگر میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ سلاطین احمد نگر کو سید اور اس کے پیروؤں سے اس درجہ عقیدت و شیفتگی ہوئی کہ برہان نظام شاہ بحری نے اپنی قمر جمال لڑکی سید محمد جونپوری کے پوتے کے عقد ازدواج میں دے دی جیسا کہ پہلے لکھا گیا۔ لیکن ۹۲۵ھ میں جب شاہ طاہر نام ایک عالم احمد نگر آ کر برہان نظام شاہ کے سلک وزارت میں منتظم ہوا تو اس نے بادشاہ کے سامنے حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق احادیث نبویہ پیش کر کے مہدویت کا سارا طلسم توڑ دیا اور اس مذہب کا بطلان ایسے مدلل پیرایہ میں ثابت کیا کہ برہان شاہ کا مزاج اس فرقہ کی طرف سے سخت برہم ہوا اور بادشاہ کو اس عقد سے کہ ایک مہدوی کو اپنی لڑکی دے بیٹھا تھا سخت کوفت و پشیمانی ہوئی۔ بادشاہ نے اس جماعت کو قرب و اختصاص سے یکسر محروم کر دیا اور علمائے احمد نگر کو سرزنش کی کہ جس خوبی سے شاہ طاہر نے اس مذہب کا بطلان میرے ذہن نشین کیا ہے تم نے کیوں نہ کیا؟ اب بادشاہ نے سید جونپوری کے پوتے سے اپنی بیٹی کی طلاق حاصل کی اور حکم دیا کہ تمام مہدوی میرے حدود مملکت سے نکل جائیں۔ اس طرح مدت کے بعد سلطنت احمد نگر کو مہدوی شر و فتن کے گرداب سے نکلنا نصیب ہوا۔ اس وقت مہدویہ کی شکستہ حالی قابل عبرت تھی مسلمان حکمرانوں نے ان کے خلاف مواخذہ و احتساب کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا۔ خصوصاً گجرات میں یہ لوگ سب سے زیادہ تشدد و سخت گیری کا آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ کیونکہ ۹۵۳ھ میں حضرت شیخ علی متقی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاد الاستاد اور حدیث کی مشہور کتاب "کنز العمال" کے جامع و مؤلف تھے مکہ معظمہ سے ائمہ اربعہ کے مفتیوں سے چار فتوے جن میں ایک فتویٰ شیخ ابن حجر مکی مؤلف "صواعق محرقہ" کا بھی تھا شاہ گجرات کے پاس بھجوائے۔ ان میں لکھا تھا کہ اگر مہدویہ اپنے عقاید باطلہ سے توبہ نہ کریں تو شاہ اسلام پر (بجرم ارتداد) ان کا قتل واجب ہے۔" شاہ گجرات نے ان فتووں کے بموجب سید جونپوری کے خلیفہ شاہ نعمت کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جب سرکاری پیادے شاہ نعمت کو گرفتار کر کے لے چلے تو راستہ میں سید علی بن سید محمد جونپوری نے سرکاری پیادوں سے پوچھا کہ اگر اس بزرگ کے بجائے تمہیں حضرت مہدی علیہ السلام کا فرزند ہاتھ لگے تو اسے رہا کر دو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ضرور رہا کریں گے۔" سید علی کہنے لگا کہ میں مہدی علیہ السلام کا فرزند ہوں۔ انہوں نے شاہ نعمت کو چھوڑ کر سید علی کو پکڑ لیا اور گاڑی پر ڈال کر دار السلطنت میں لے آئے بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قید محن میں ڈال دو۔ سید زادہ عرصہ تک قید رہا یہاں تک کہ سلطان مظفر نے قضا کی اور سلطان بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔ جب بادشاہ نے مہم دکن سے خاطر خواہ فراغت پائی تو ملک پیر محمد مہدوی نے جس نے اس ہنگامہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں ظہور میں آئے تھے اپنے حسن خدمات کے صلہ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمارے پیرزادہ کو جو مدت دراز سے شاہی قید خانہ میں محبوس ہے مخلصی بخشی جائے۔" بادشاہ نے صدر خاں وزیر اعظم کو حکم دیا کہ پیرزادہ مذکور کو رہا کر دو۔ صدر خاں نے عرض کیا کہ وہ تو مدت سے نہنگ اجل کا لقمہ بن چکا۔" اور مخفی طور پر اپنے راز دان مصاحب کو دوڑا کر حکم بھیجا کہ مہدی زادہ کو فوراً موت

کے گھاٹ اتار دو"۔ چنانچہ داروغۂ مجلس نے اسے فوراً نیچے اوپر تختے رکھ کر عدم کے تہ خانہ میں پہنچا دیا۔ شاہ نعمت جو اس دن اپنے پیرزادہ کو بطور فدیہ دے کر خود بچ گیا تھا وہ بھی سولہ مریدوں کے ساتھ تیر اجل کا نشانہ بن گیا۔ اس کے بعد سرکاری عہدہ داروں نے ملک الہ داد مرید سید جونپوری سے جو خوندمیر کا تربیت یافتہ تھا کہا کہ تم لوگوں نے بادشاہ وقت سے مقابلہ کیا اب تم لوگ اس ملک میں ہرگز اقامت گزیں نہیں ہو سکتے اس لئے ملک الہ داد بھی نہایت اضطراب و پریشانی کے عالم میں وہاں سے نکل بھاگا اور مارواڑ پہنچ کر موضع باڑ کر میں دائرہ باندھ کر رہنے لگا۔ وہاں ان لوگوں کو بڑے بڑے مصائب و نوازل سے سابقہ پڑا۔ یہاں تک کہ فاقوں مرنے لگے لیکن حالت یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے احوال و مقامات باطنی کا دعویٰ کر کے ہی تسلی و تثبیت کی آنکھیں روشن کر لیتا تھا۔ شاہانِ اسلام کے محکمۂ احتساب نے انہیں کبھی ایک جگہ ٹھہر کر اغوا کو شیوں کا موقع نہ دیا۔ اس لئے اطراف واکناف ملک میں منتشر ہو کر دام تزویر بچھاتے اور سادہ لوح عوام کو اپنے "تقدس" کے سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ شاہانِ شریعت پناہ اس قسم کی اختلاف انگیز و فتنہ خیز تحریک کا بار آور ہونا کیونکر گوارا کر سکتے تھے جو فساد فی الدین کے ساتھ سیاسیات میں بھی ہلاکت آفرین انقلاب پیدا کر سکتی تھی۔ اس آتش فتنہ کی چنگاریاں گجرات اور دکن سے اڑ اڑ کر دہلی اور آگرہ تک جا پہنچیں بلکہ ایک آدھ بنگالہ میں بھی گرا۔ لیکن ارباب حکومت کی بروقت مداخلت نے ان شراروں کو زیادہ بھڑکنے کا موقع نہ دیا۔ یہاں ان دو ممتاز و سربر آوردہ مہدویوں کے حالات درج کئے جاتے ہیں جن کے انقطاع و مہاجرت الی اللہ کے واقعات تواریخ ہند کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک عبداللہ نیازی ہے اور دوسرا شیخ علائی۔

عبداللہ نیازی افغان

شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی پہلے حنفی چشتی تھے۔ پھر اغوائے شیطانی نے ان کو مہدویت کے پھلوں میں لا بٹھلایا۔ لیکن ترک و انقطاع کے متعلق ان کے جو جذبات و امیال تھے وہ خانوادۂ چشت کے فیضانِ صحبت کے شرمندۂ احسان تھے۔ مہدوی لوگ ان حالات کو اتباع مہدویت کا اثر بتایا کرتے ہیں مگر یہ انتہا درجہ کی کج فہمی ہے اگر ترک وانزوا کی یہ کیفیت انہیں قبول مہدویت کے بعد حاصل ہوئی ہوتی تو اس کو مہدویت کا فیض خیال کیا جا سکتا تھا لیکن یہ تو پہلے ہی سے اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پس میں مہدویہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر کسی مہدوی نے اہل سنت و جماعت کے مشائخ طریقت کی صحبت نہ اٹھائی ہو اور اس کے احوال و مواجید اہل اللہ کے حالات و کیفیات سے مطابقت رکھتے ہوں تو اس کا نام پیش کریں۔ نیازی شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح علائی بھی پہلے ہی سے فضائل و کمالات سے متصف تھا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد "طبقات اکبری" میں لکھتے ہیں "شیخ علائی کہ ارشد اولاد شیخ حسن بود وبفضائل وکمالات اتصاف داشت قائم مقام پدر گشتہ بارشاد طالبان علم مشغول شد"۔[۱] پس ان دونوں کی ذات پر فخر کرنا عقل و خرد کا منہ چڑانا ہے بعض حضرات اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے سخت ٹھوکر کھاتے ہیں۔

میاں عبداللہ نیازی افغان حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ ہی سے خدا شناسی کی آنکھیں روشن کی تھیں۔ کعبۃ اللہ حج بیت اللہ کو گئے۔ واپسی پر جونپوری کے کسی خلیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے فقروں میں آ کر مہدویت قبول کر لیا۔ لیکن یہ ان کی غلطی تھی کہ حضرت سلیم چشتی کو اطلاع دیئے بغیر مہدوی مذہب اختیار کر لیا۔ اگر ان سے مشورہ لے لیتے

---

[۱] طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ جلد ۲ ص ۱۱۵

باکم از کم اپنے شبہات ان کے سامنے پیش کرتے جنہوں نے ان کو ورطۂ ہلاکت اور قعرِ ضلالت میں گرایا تھا تو بچ جاتے آخر خود رائی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہو کے رہا۔ شیخ عبداللہ نے مہدوی مذہب اختیار کر کے قصبہ بیانہ ریاست جے پور میں آبادی سے دور ایک باغ کے پاس سکونت اختیار کی۔ دلِ عشق و محبت کی حرارت سے گداز اور تصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ اس لئے ایک مبتدع فرقہ میں داخل ہو جانے کے باوجود بے نفسی کی اب تک یہ حالت تھی کہ خود حوض سے گھڑے بھر کر سر پر اُٹھا لاتے۔ نماز کے وقت راہ گیروں، کسانوں اور دوسرے لوگوں کو جو ادھر آ نکلتے جمع کر کے نماز باجماعت ادا کرتے۔ اور جس کسی کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں تامل ہوتا اُس کی تالیف قلب کے لئے کچھ اپنے پاس سے دے کر اپنے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ جب شیخ علائی دکن کی طرف جلا وطن کیا گیا چنانچہ آگے چل کر انشاء اللہ بیان کیا جائے گا تو سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ نیازیوں کا فتنہ دفع کرنے کے لئے آگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ جب بیانہ کے بالمقابل بھرسور کی منزل پر پہنچا تو مخدوم الملک مولنا عبداللہ سلطانپوری نے بادشاہ سے کہا کہ فتنۂ صغیر یعنی شیخ علائی سے تو کچھ مدت کے لئے نجات ملی لیکن فتنۂ کبیر یعنی شیخ عبداللہ نیازی جو شیخ علائی کا پیر اور نیازیوں میں ایک ممتاز و سربرآوردہ شخص ہے ہنوز سلطنت کو چشم نمائی کر رہا ہے۔" سلطان سلیم شاہ نیازیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ یہ سن کر اُس کی آتش خشم شعلہ زن ہوئی اور حاکم بیانہ کو جو شیخ عبداللہ نیازی کا مرید تھا حکم دیا کہ وہ شیخ کو حاضر کرے۔" حاکم بیانہ شیخ عبداللہ کے پاس گیا اور کہنے لگا میری یہ رائے ہے کہ آپ یہاں سے کسی طرف کو چل دیں میں کوئی بہانہ کر دوں گا شاید بادشاہ کو دوبارہ اس طرف آنے کا اتفاق نہ ہو اور آپ کو بھول جائے" لیکن میاں عبداللہ نے اس تجویز کو پسند نہ کیا اور کہا کہ بادشاہ غیور واقع ہوا ہے اگر میں زیادہ دُور چلا جاؤں اور وہاں سے میری طلبی ہو تو اور زیادہ پریشانی کا سامنا ہو گا۔ بادشاہ ابھی دس ہی کوس کے فاصلہ پر ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابھی جا کر ملاقات کر لوں۔ مرضی مولیٰ تو یہاں بھی اور وہاں بھی حال و استقبال میں مساوی ہے۔ غرض شبا شب بیانہ سے روانہ ہوئے اور حاکم بیانہ کے ہمراہ علی الصباح بادشاہ کے کوچ کے وقت لشکر سلطانی میں پہنچ گئے۔ اس وقت بادشاہ سوار ہو چکا تھا شیخ عبداللہ بے باکانہ گردن اُٹھائے سامنے جا کھڑے ہوئے اور السلام علیک کہا۔ حاکم بیانہ نے جو شیخ کو بادشاہ کے غضب سے بچانا چاہتا تھا شیخ کی گردن پکڑ کر نیچے کو جھکا دی اور کہنے لگا کہ بادشاہوں کو یوں نہیں یوں سلام کرتے ہیں۔ اس پر شیخ عبداللہ برافروختہ ہو کر کہنے لگے "میں تو سلام مسنون کا پابند ہوں۔ اس کے سوا میں کوئی سلام نہیں جانتا۔" لشکریوں نے سلیم شاہ کے ایماء سے شیخ کو پیٹنا شروع کیا۔ جب تک حواس بجا تھے کلام الٰہی کی یہ آیت وردِ زبان تھی رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ سلیم شاہ نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ مخدوم الملک نے جواب دیا کہ آپ کو اور مجھے کافر کہتا ہے۔" بادشاہ کو اور زیادہ طیش آیا اور مکرر زدو کوب کا حکم دیا۔ شیخ عبداللہ کی بہت دیر تک مرمت ہوتی رہی۔ آخر سلیم شاہ لشکر سمیت روانہ ہوا اور لوگ شیخ عبداللہ کو اٹھا لے گئے۔ شیخ عبداللہ نے بیانہ کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ہمایوں بادشاہ نے ایران سے مراجعت کی اور خاندان سوری کا چراغ سلطنت گل کر کے ہندوستان کو از سر نو اپنے حوزۂ تصرف میں لایا۔ شیخ عبداللہ نے بیانہ سے رخصت ہو کر جہان گردی اختیار کی اور عرصہ تک اطراف و اکناف عالم کی سیاحت میں مصروف رہے۔ لیکن انجام کار قائد توفیق الٰہی نے آخر عمر میں مہدویت سے

تائب کر کے اہل حق کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اور سرہند میں عزلت گزیں ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف ہوئے۔ اگر شیخ علائی اس وقت تک زندہ ہوتا تو بہت بڑی امید تھی کہ اپنے پیر و مرشد کی توبہ و انابت کے پیش نظر وہ بھی مہدویت سے تائب ہو جاتا لیکن افسوس کہ وہ ایسے وقت میں دنیا سے گذر گیا جبکہ شیخ عبداللہ ہنوز مہدویت کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے کچھ عرصہ کے بعد جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ عبداللہ کو سرہند سے طلب کیا اور تنہائی میں صحبت رکھی۔ بادشاہ نے شیخ عبداللہ سے ان کے مہدوی ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے مہدویت سے اظہار براءۃ کیا اور کہا کہ شروع شروع میں مجھے یہ فرقہ بہت بھلا معلوم ہوا تھا اس لئے مہدوی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو میں بیزار ہو کر علیحدہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے بعد ۹۹۳ھ میں جب اکبر شاہ عازم اٹک ہوا تو سرہند پہنچ کر شیخ عبداللہ نیازی کو دوبارہ بلا بھیجا اور کچھ زمین مدد معاش کے طور پر دینی چاہی لیکن انکار کیا۔ اکبر نے زبردستی فرمان معافی لکھ دیا۔ مجبوراً فرمان لے لیا لیکن ہمت بلند تھی زمین پر قبضہ کر کے اس سے خود ہرگز متمتع نہ ہوئے۔ اور ساری عمر توکل و قناعت میں گزار دی۔ آخر ۱۰۰۰ھ میں عمر کی نوے منزلیں طے کر کے موت سے ہم آغوش ہو گئے رحمہ اللہ[1]

شیخ علائی مہدوی شیخ علائی کے والد شیخ حسن جو حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ افغان سوری کے عہد سلطنت میں بیانہ کے اندر سجادۂ مشیخت و ارشاد پر متمکن تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو ان کا فرزند شیخ علائی جو علمی و عملی فضائل سے متصف تھا عالم شباب میں باپ کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھا لیکن سوء اتفاق سے انہی ایام میں میاں عبداللہ نیازی نے مذہب مہدویہ اختیار کرنے کے بعد قصبہ بیانہ میں بود و باش اختیار کر لی۔ ایک دن باغ جوانی کے اس نونہال کا بھی اس باغ کی طرف گزر ہوا جس کے پاس میاں عبداللہ سکونت پذیر تھے۔ وہاں شیخ عبداللہ نیازی سے ملاقات ہو گئی۔ ان کا طور و طریقہ دیکھا تو ترکِ دنیا کا اور ہی سماں نظر آیا۔ پہلی ہی نظر میں گھائل ہو کر ان سے بیعت کر لی اور جو کچھ گھر میں تھا سب لٹا دیا۔ اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہا کہ میں نے اپنی قسمت حضرت محمد جونپوری مہدی موعود کے دامن سے وابستہ کر لی ہے اور دین و ایمان جس چیز کا نام ہے وہ حقیقت میں طریقہ مہدویہ کی پیروی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ خیال کچھ اس سحر زدۂ مہدویت کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ علائی کی طرح ہر باطل پرست روغ باف اپنے محدث طریقہ کو برسرِ حق بتاتا ہے۔ مرزائیوں کو دیکھو انہیں اپنی حقانیت اور صداقت کا کس درجہ یقین ہے؟ لیکن ان گم کردگانِ راہ کو معلوم ہو کہ ہر وہ راستہ جو صحابہ کرامؓ اور سلف صالح کے طریق قویم سے بال بھر بھی ہٹا ہوا ہے وہ سیدھا جہنم کو جاتا اور غضب خداوندی کا مستوجب ہے۔ غرض علائی اپنی مسند مشیخت کو نذرِ آتش کر کے عبداللہ نیازی کے پاس جا رہا اور جاتے وقت اسباب دنیوی جو کچھ تھا یہاں تک کہ کتابیں بھی محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیں۔ اور بیوی سے کہا کہ اگر فقر و فاقہ منظور ہو تو بسم اللہ میری مشایعت کرو ورنہ اپنا حصہ اس مال سے لے لو اور جہاں چاہو جا رہو مگر بیوی نے علیحدگی پر غربت و مسکنت کی نعمت گراہی کو ترجیح دی اور شوہر کی ایما سے تمام زر و زیور اہل حاجات میں بانٹ کر اپنا دامن توکل

[1] منتخب التواریخ بدایونی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ طبع ۱۸۶۸ء ص ۲۹۳-۲۹۴

آلائشِ دنیا سے پاک کرایا۔ اس کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد بھی ساتھ ہولی۔ اور سب کے سب زاویۂ غربت و انفراد میں بزعمِ خود تزکیہ نفس میں مصروف ہوئے۔ توکّل و تفویض پر سب کا قدمِ ہمت استوار تھا اور زخارفِ دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کفر سے بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ شیخ علائی ہر روز نمازِ صبح کے بعد تفسیرِ قرآن کے درس و افادہ میں مصروف ہوتا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ طرزِ بیان ایسا موثر و دل نشین تھا کہ جو کوئی ایک دفعہ سُن لیتا قطعاً اہل و عیال کو ترک کر کے دائرۂ مہدویت میں داخل ہو جاتا نہ شادیٔ ہست سے دلشاد نہ غمِ نیست سے دل فگار کنجِ عزلت میں آسودہ دل اور با فراغ بیٹھتا۔ اگر زیادہ توفیق نہ ہوتی تو مناہی و معاصی سے تائب ہو کر سیّد جونپوری کے قربِ روحانی کا معترف اور گرویدہ ہو جاتا۔ باپ نے بیٹے سے بھائی نے بھائی سے اور بیوی نے شوہر سے مفارقت اختیار کر کے فقر و قناعت کا شیوہ اختیار کیا۔ علائی کے متوسلین میں سے کسی کو حرفہ تجارت یا ملازمت سے سروکار نہ تھا اس کے پاس جو کچھ نذر و فتوح آتی اس میں سب خورد و کلاں برابر کے شریک و سہیم تھے۔ اور اگر کوئی کسبِ معاش بھی کرتا تو اس میں سے کم از کم دسواں حصہ راہِ خدا میں صرف کرتا۔ یہ لوگ ایسے متوکل تھے کہ اگر بھوک کے مارے انزہاقِ روح تک نوبت پہنچتی تو فاقے کرتے مگر اس کا اظہار نہ کرتے تھے۔ بااین ہمہ فقر و فاقہ ہمیشہ مسلح رہتے۔ بازاروں میں امر معروف و نہی منکر کی غرض سے گشت لگاتے۔ شہر کے گلی کوچوں میں یا جہاں کہیں کوئی نامشروع بات دیکھتے پہلے نرمی سے سمجھاتے۔ اگر رفق و مدارا مفید نہ ثابت ہوتا تو جبر و تشدّد کر کے منکرات سے باز رکھتے۔ حکام ورؤسائے شہر میں سے جو لوگ ان کے موافق تھے وہ تو ان کی ہر طرح معاونت کرتے لیکن مخالفین جو ان کو اس تشدّد آمیز طریقِ عمل سے روکنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے اس طرح اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی۔ جب میاں عبداللہ نیازی نے دیکھا کہ اس کے پیرووں کا تشدد بہت بڑھ گیا اور عنقریب فساد برپا ہوا چاہتا ہے تو شیخ علائی سے کہا کہ ہجومِ خلائق سے بیشتر اوقات میں خلل واقع ہوتا ہے اور حق گوئی اس زمانہ میں حنظل سے بھی زیادہ تلخ ہے اس لئے بہتر ہے کہ یا تو خاموش رہ کر کنجِ عزلت اختیار کر و یا سفرِ حج کی تیاری کرو"۔ شیخ علائی زیارتِ بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا۔ ستر گھرانے بھی اس بے سروسامانی کے عالم میں ساتھ ہو لئے جب یہ قافلہ خواص پور میں جو جودھ پور کے حدود میں واقع ہے پہنچا تو خواص خاں خیر مقدم کے لئے آیا اور مہدی مذہب قبول کیا۔ لیکن جب چند روز کے بعد مذہبِ مہدویت کی برائی اس پر عیاں ہو گئی تو تائب ہو گیا۔ شیخ علائی نے اس کی برگشتگی کا لحاظ کر کے یہ حیلہ تراشا کہ خواص خاں امرِ معروف و نہی منکر میں میری موافقت و اطاعت نہیں کرتا۔ غرض اس سے بگاڑ پیدا کر کے خواص پور سے رخصت ہوا اور سفرِ حجاز کی عزیمت فسخ کر کے بیانہ کو لوٹ آیا۔

سلیم شاہ سوری بادشاہ دہلی انہی دنوں آگرہ میں اورنگ سلطنت پر بیٹھا تھا۔ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری نے سید رفیع الدین محدث، میاں ابوالفتح تھانیسری اور بعض دوسرے علماء کو جمع کر کے بادشاہ سے شیخ علائی کی فتنہ انگیزیوں کا شکوہ کیا۔ بادشاہ نے شیخ علائی کو آگرہ میں طلب کیا۔ شیخ علائی اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جو ہر وقت ہتھیار لگائے رہتے تھے بیانہ سے روانہ ہو کر حاضر دربار ہوا اور بادشاہوں کے رسوم و آداب کو بالائے طاق رکھ کر سنت نبوی کے مطابق تمام حاضرین مجلس کو السلام علیکم کہا۔ سلیم شاہ نے بڑی نفرت و استکراہ کے ساتھ "وعلیک السلام" جواب دیا۔ شیخ کی یہ جسارت مقربانِ بارگاہ

پر سخت شاق گذری۔ اعیانِ دولت نے سلیم شاہ کے پہلے ہی کان بھر رکھے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام روئے زمین کی بادشاہت کریں گے اور یہ مبتدع خود بھی مہدویت کا مدعی ہے اس لئے ضرور ہے کہ اس شخص کی نیت بھی خروج و بغاوت کی ہو۔ عیسیٰ خاں نیچو بادشاہ کے منہ لگا ہوا تھا شیخ علائی کی شکستہ حالی زنگیں کپڑوں اور پھٹی جوتی دیکھ کر پھبتی اڑائی کہ یہ حالت وہیئت اور بادشاہی کی امنگیں! اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا کیا ہم افغان دنیا سے نابود ہو گئے ہیں کہ ایسے ایسے گدا بھی بادشاہی کی ہوس کریں" شیخ علائی کے دل پر درباریوں کے طعن و تعریض اور بادشاہ کی برافروختگی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور مجلس بحث منعقد ہونے سے پہلے بموجب عادت معہود کلام الٰہی کی چند آیتیں پڑھ کر ایک نہایت برجستہ اور فصیح و بلیغ تقریر شروع کر دی جس میں دنیا کی بے ثباتی، احوال حشر و نشر کی تصویر ایسے رنگ میں کھینچی کہ دل پانی ہو گئے۔ سلیم شاہ اور مقربان درگاہ جن کے جذبات سخت مشتعل ہو رہے تھے بجائے قہر و غضب کی بجلیاں گرانے کے زار و قطار رونے لگے آخر بادشاہ اٹھ کر محلسرائے میں چلا گیا۔ اور وہاں سے شیخ علائی اور اس کے رفقاء کے لئے خود اپنے سامنے کھانا بھجوایا۔ مگر نہ تو شیخ نے کھانا تناول کیا اور نہ بادشاہ کی آمد پر تعظیم بجا لایا۔ اپنے ساتھیوں سے صرف اتنا کہا کہ جس کا جی چاہے وہ کھائے۔ جب بادشاہ نے کھانا نہ کھانے کا سبب پوچھا تو شیخ علائی بے دریغ کہنے لگا کہ "بادشاہ! تیرا خزانہ بیت المال ہے جس پر سب مسلمانوں کا یکساں حق ہے اور تو حکم شرع کے خلاف اپنے حق سے زیادہ پر متصرف ہو رہا ہے اس لئے تیرے ہاں کا کھانا حرام و ناجائز ہے" سلیم شاہ کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کیا اور تحقیق مبحث علماء کے سپرد کر دی۔

بعد ازاں وہ علماء جو اپنے تبحر علمی کے نقارے بجایا کرتے تھے شیخ علائی سے مسئلہ مہدویت میں الجھنے لگے۔ میر سید رفیع الدین صفوی نے وہ احادیث بیان کیں جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے علائم و خصوصیات مذکور ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ تم شافعی المذہب ہو اور ہم حنفی ہیں۔ ہمارے تمہارے اصول میں بڑا فرق ہے اس لئے تمہاری توجیہ و تاویل ہمارے لئے سند نہیں ہو سکتی" سید صفوی سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ لیکن سید صاحب کو اس کا یہ جواب دینا چاہیئے تھا کہ ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ ان فروعی مسائل میں سے نہیں جن میں حنفی و شافعی مختلف ہیں بلکہ یہ عقیدہ اجماعی اور مسلم الثبوت ہے۔ اور تم حنفیت کی آڑ میں کیونکر بنا لے سکتے ہو جب کہ تم نے حنفی عقاید سے منہ موڑ کر ایک مبتدع مذہب کی پیروی اختیار کر رکھی ہے مولانا عبداللہ سلطانپوری المخاطب بہ مخدوم الملک نے جو بادشاہ کے مقربوں میں سے تھے علائی کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ لکھا یہ دیکھ کر علائی دشنام دہی پر اتر آیا اور مخدوم الملک طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تو سگ دنیا اور خود فاسق فاجر ہے اور عہدۂ قضا کے کسی طرح لائق نہیں۔ تیری کیا بساط ہے کہ مجھے واجب القتل ٹھہرائے۔ تیرے گھر سے تو علی الاعلان ساز و سرود کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ نجاست پر بیٹھنے والی مکھی اس عالم سے بدرجہا بہتر ہے جس کا پیشہ سلاطین و امراء کی خوشامد و چاپلوسی ہو" لیکن ظاہر ہے کہ اگر احکام شریعت اور حدود اللہ کے اجرا میں سلاطین اسلام سے تعاون کرنا تملق و چاپلوسی ہے۔ تو ہر شیدائی حق کو اس کا مرتکب ہونا چاہیئے۔ عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ آگرہ کا ملا بلال بھی اس مجلس میں موجود تھا بساط جرأت پر قدم رکھ کر وہ حدیث بیان کرنے لگا جس میں جناب مہدی آخر الزمان کا حلیہ مذکور ہے اور اس نے لفظ اَجلی الجبہۃ کی بجائے اَجلّ الجبہۃ (بفتح جیم و تشدید لام) جو لفظ جلال سے مشتق اور جلیل کی تفضیل ہے پڑھا۔ شیخ علائی

نے مسکراتے ہوئے کہا تو عوام الناس میں اپنے آپ کو بڑا فاضل مشہور کرتا ہے حالانکہ عربی کا ایک فقرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا تو حدیث کے نکات اور اشارات کو کیا خاک سمجھے گا۔ یہ لفظ اَجْلَی الجبہۃ جلا کی تفضیل ہے نہ کہ تیرے نام جلال کی۔ بیچارہ ملا جلال ایسا خفیف ہوا کہ پھر لب کشائی کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر بدایونی کا یہ بیان کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ علم حدیث کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ حدیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کو اَجْلَی الجبہۃ (روشن پیشانی والا) کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ملا جلال جو علمائے دربار میں داخل تھے اتنے جاہل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ایک ایسی معمولی چیز سے بھی بے خبر ہوتے۔ جس کو عربی کے ادنیٰ طالب العلم بھی جانتے ہیں۔ سلیم شاہ سخت ضغطہ میں تھا کہ شیخ علائی کی نسبت کیا حکم صادر کرے؟ آخر شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم جونپوری کو مہدی موعود ماننے سے باز آجاؤ اور آہستہ سے میرے کان میں اس عقیدہ سے اظہار براءۃ کر دو تو اپنی قلمرو میں تمہیں محتسب مقرر کر دیتا ہوں۔ اب تک میری اجازت کے بغیر امر معروف و نہی منکر کرتے رہے اب میرے حکم سے کرتے رہو۔ ورنہ علماء تمہارے قتل و صلب کا فتویٰ دے ہی چکے ہیں گو میں نہیں چاہتا کہ تمہارا خون گراؤں۔" علائی نے جواب دیا کہ تمہارے کہنے سے میں اس عقیدہ کو نہیں بدل سکتا۔ شیخ چند روز آگرہ میں رہا۔ جاسوس سلیم شاہ کو پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے کہ آج فلاں افغان سردار نے مذہب مہدویہ قبول کیا اور آج فلاں امیر نے شیخ کا مرید ہو کر ترک علائق کیا اور آج شیخ کے حلقۂ ارادت کو اس قدر وسعت ہوئی۔ سلیم شاہ مخدوم الملک کے فتوے کے باوجود حکم قتل میں مبادرت نہ کرتا تھا۔ آخر بصد مشکل قصبہ ہندویہ کی طرف جو سرحد دکن پر واقع تھا جلا وطنی کا حکم دیا۔ شیخ یہ حکم سن کر بہت خوش ہوا کیونکہ اسے کئی سال سے دکن کی سیر اور ان بلاد کے مہدویہ کی ملاقات کا شوق دامنگیر تھا۔ ہندویہ میں پہلے ہی مہدوی بدمذہبی کی گرم بازاری تھی جب شیخ علائی یہاں پہنچا تو یہاں کا حاکم جس کا نام بہار خان اور لقب اعظم ہمایوں شروانی تھا اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا اور اس کا تصرف سے زیادہ لشکر بھی مہدوی ہو گیا بادشاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو بڑا تلملایا۔ مخدوم الملک نے بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ علائی کو ہندویہ سے طلب کر کے اس پر شرعی حد لگائی جائے۔" چنانچہ شیخ کو سرحد سے واپس بلا لیا گیا۔ اس مرتبہ سلیم شاہ نے علماء کو پھر جمع کر کے اس قضیہ کے متعلق انتہائی تحقیق و تفتیش کا حکم دیا۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ سے کہا کہ یہ شخص خود بھی مہدویت کا مدعی ہے اور حضرت مہدی آخر الزمان روئے زمین کے فرمانروا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کے لشکریوں کو اس شخص سے اس درجہ شیفتگی ہے حتیٰ کہ حضور کے بہت سے اعزاء و اقارب بھی در پردہ اس کے مذہب میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے قوی احتمال ہے کہ اس کی ذات سے نظام سلطنت میں فتور واقع ہو۔

بادشاہ کا خیال تھا کہ مخدوم الملک علائی سے بغض و عناد رکھتا ہے اور ہر طرح سے کوشاں ہے کہ کسی طرح اس کی تخریب و بیخ کنی میں کامیاب ہو اس لئے چاہتا تھا کہ کسی دوسرے عالم بے غرض سے اس قضیہ کا فیصلہ کرائے۔ ان ایام میں دہلی و آگرہ کے اندر اس پایہ کا کوئی جامع عالم نہیں تھا جس کی طرف رجوع کیا جا سکتا۔ اس لئے بادشاہ نے مخدوم الملک کے فتوائے قتل کو نظر انداز کر کے ۹۵۵ھ میں حکم دیا کہ شیخ علائی کو علامہ بڈھ طبیب کے پاس بہار لے جائیں تاکہ ان کے فتوے کے بموجب عمل کیا جائے۔ ان دنوں علامہ شیخ بڈھ کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شیخ بڈھ صاحب تصنیف

تھے۔ قاضی شہاب الدین جونپوری کی کتاب "الارشاد" پر ایک اچھی شرح لکھی تھی۔ شیر شاہ سوری ان کا ایسا معتقد تھا کہ ان کے پاؤں کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ جب شیخ علائی بہار پہنچا تو اتفاقاً شیخ بڈھ کے ہاں کوئی خوشی کی تقریب تھی۔ گانے بجانے کی آواز گھر سے آرہی تھی اور ایسے رسوم ادا ہو رہے تھے جو شرعاً ممنوع ہیں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے اثر صحبت سے سیکھے ہیں۔ علائی نے جوش غضب میں آکر شیخ بڈھ کو ملامت شروع کر دی۔ شیخ اس وقت اس قدر معمر اور کہن سال تھے کہ یارائے گفتار بھی نہ تھا۔ علامہ کے بیٹوں نے جواب دیا کہ ملک میں ایسے عادات و رسوم رائج ہیں کہ اگر ان سے روکا جائے تو ناقص العقل عورتیں خیال کرتی ہیں کہ جان یا مال یا بدن میں ضرور کوئی آفت آئے گی۔ اور اگر سوء اتفاق سے کوئی خرابی ظہور پذیر ہو جائے تو کہنے لگتی ہیں کہ سارا وبال فلاں رسم کے ادا نہ کرنے کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ایسے عقیدہ پر کافر ہو جاتی ہیں۔ اور کافر ہونے سے ان کا فاسق رہنا غنیمت ہے۔ شیخ علائی نے جواب دیا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب شروع ہی سے یہ اعتقاد ہے کہ گناہ نہ کرنے سے وبال آتا ہے اور سنت نبوی کی پیروی موجب ہلاکت ہے تو ایسا اعتقاد رکھنے والی عورتیں شروع ہی سے کافر ہیں تو پھر ان کے اسلام کا لحاظ کیا ہے بلکہ ان کی صحت نکاح میں کلام ہے چہ جائیکہ ان کے اسلام کا غم کھایا جائے۔ اور جب ایسے مرجع انام اور فاضل دہر کا یہ حال ہو تو عوام کا تو بس خدا ہی حافظ ہے۔" شیخ بڈھ خوف خدا کا درد دل میں رکھتے تھے استغفار کر کے اشکبار ہو گئے اور شیخ علائی کی تحسین و آفرین کر کے اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ حسب بیان عبد القادر بدایونی شیخ بڈھ نے اب سلیم شاہ کے نام خط لکھا کہ مسئلہ مہدویت ایمان کا موقوف علیہ نہیں ہے اور تعیین علامات مہدی علیہ السلام میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر شیخ علائی کے کفر و فسق کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ شیخ علائی کے شبہات دور کئے جائیں وہاں علماء کے کتب خانوں میں حدیث کی کتابیں بکثرت ملیں گی۔ احادیث مہدی علیہ السلام نکال کر ان کے ذہن نشین کی جائیں۔ یہاں کتابیں کمیاب ہیں ورنہ میں شیخ پر اس کی غلطی اور کج روی واضح کر دیتا۔" شیخ بڈھ کے لڑکوں نے باپ کو سمجھایا کہ مخدوم الملک صدر الصدور ہیں۔ ان کے خلاف رائے دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ ایسی حالت میں اگر انہوں نے بادشاہ سے کہہ کر آپ کو اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے آگرہ طلب کرا لیا تو اس پیرانہ سالی میں ناحق سفر کی زحمت اٹھاؤ گے۔" یہ بات شیخ بڈھ کے دل پر اثر کر گئی۔ چنانچہ پہلی چٹھی چاک کر کے دوسرا مراسلہ اس مضمون کا لکھ بھیجا کہ مخدوم الملک طبقہ علماء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اور انتہا درجہ کے محقق ہیں اس لئے ان کا قول اور فتویٰ قابل اعتماد ہے۔"

لیکن بدایونی نے منتخب التواریخ کے مختلف مقامات پر مہدویہ کی تعریف میں جس مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے مہدوی گم کردگان راہ کی زبان سے جو کچھ رطب و یابس سنا اسی کو وحی منطوق سمجھ کر بلا تحقیق اپنی تاریخ میں درج کر لیا۔ خود عبد القادر کو تسلیم ہے کہ شیخ بڈھ اس وقت اعلم علمائے ہند تھے اور ان کی علمی عظمت اور عملی تقدس کے نقش دلوں پر اس درجہ مرتسم تھے کہ شہنشاہ ہند سلطان شیر شاہ سوری ان کی جوتیاں اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے میں اپنا فخر سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا علامۂ دہر ایسی لغو اور مسخ انگیز بات زبان قلم پر کیونکر لا سکتا تھا کہ "تعیین علامات مہدی علیہ السلام میں اختلاف ہے"! اس سے قطع نظر اتنے بڑے عالم حق اور وارث علوم نبوت

سے یہ بھی بعید تھا کہ وہ آگرہ تک کا سفر اپنے دوشِ ہمت پر قبول نہ کرے لیکن کسی عالمِ حق[۱] کے بے گناہ ہلاک و برباد ہو جانے کو چپ چاپ گوارا کرے۔ الغرض شیخ بڈھ کی دو چٹھیوں کا افسانہ محض لغو اور حامیانِ شریعت کے دشمنوں کا دماغی اختراع ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد مؤرخ نے تاریخ طبقات اکبری میں پہلی چٹھی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں: "سلیم خاں گوش بسخن مخدوم الملک نکردہ باز شیخ علائی را در بہار پیش شیخ بڈھ طبیب دانشمند کہ شیر خاں معتقد او بود و کفش پیش پلے او می نہاد فرستاد تا بموجب فتوٰی او عمل نماید و سلیم خاں بجانبِ پنجاب توجہ نمودہ بتعمیر قلعہ مانکوٹ مشغول شد چون شیخ علائی بہ بہار رفت شیخ بڈھ موافقِ فتوٰئے مخدوم الملک نوشتہ بقاصدانِ سلیم خان داد[۲]" اور لطف یہ ہے کہ ایک نام نہاد عالم نے جو الحاد و نیچریت کی طرف مائل ہے بدایونی بیانات کی بنائے فاسد پر دشنام دہی کی بڑی بڑی بلند عمارتیں کھڑی کر لی ہیں اور ملاحدہ مہدویہ کی تائید میں حامیانِ شریعت مصطفوی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کو معاذ اللہ علمائے سوء قرار دے کر ایسی شرمناک گالیاں دی ہیں کہ جن کو پڑھ کر ایک غیور مومن جسے ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی محبت ہے سخت روحی صدمہ محسوس کرتا ہے اور پھر دیانت داری اور حق پسندی کا کمال دیکھو کہ اس نے نیازی اور علائی کی تعریف میں تو زمین آسمان کے قلابے ملائے لیکن متقدم الذکر کی انابت اور رجوع الی الحق کا کہیں بھول کر بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ خود بدایونی نے نیازی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "عاقبت بہ سرہند آمدہ از راہ و روشِ مہدویہ ابا آوردہ و سائر مہدویہ را ازاں اعتقاد باز داشتہ بروش متشرعانِ عامۂ اہل اسلام سلوک می ورزید[۳]" ان دنوں سلطان سلیم شاہ پنجاب آیا ہوا تھا۔ جب شیخ بڈھ کا سربمہر خط بادشاہ کو ملا تو پڑھ کر شیخ علائی کو اپنے پاس بلایا اور نزدیک کر کے آہستہ سے کہا کہ تم تنہا میرے کان میں کہہ دو کہ میں اس عقیدہ سے تائب ہوتا ہوں بس اتنا کہہ کر مطلق العنان اور فارغ البال ہو جاؤ۔ علائی نے کچھ التفات نہ کیا۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر مخدوم الملک سے کہا اچھا تم جانو۔ اس اثناء میں شیخ علائی پر مرضِ طاعون کا حملہ ہوا جو ملک میں پھیل رہا تھا اور اس کی وجہ سے حلق میں زخم ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ میری موجودگی میں تازیانے لگاؤ۔ جلاد نے تیسری ہی ضرب لگائی تھی کہ روح نے تن سے مفارقت کی۔

مہدوی خرافات و کفریات

تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں حیدر آباد دکن کے مہدویہ نے اہل اسلام کی مذمت میں ایک کتاب شائع کی تھی۔ علمائے امت نے اس کتاب کو ناقابل التفات سمجھ کر اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ مہدویوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ علمائے اہل سنت نے ہماری کتاب کے سامنے ہتھیار ڈال دئیے ہیں۔ جب ان کی زبان درازیاں حد اعتدال سے متجاوز ہوئیں تو مولانا محمد زمان خاں شاہجہانپوری نے جو مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی کے شاگرد اور اعلیٰ حضرت شاہ دکن کے استاد تھے ۱۲۸۵ھ میں ان کی غرور شکنی اور احقاقِ حق کا عزم فرما کر ایک کتاب بنام "ہدیۂ مہدویہ" تصنیف کی جس میں مہدوی اقوال کو خود انہی کے مسلّمات سے مسترد کر کے ان کے مذہب کا بطلان واضح فرمایا۔ یہ ایسی بلند پایہ تصنیف تھی کہ اس نے مہدوی حلقوں میں ہلچل ڈال دی۔ چونکہ مہدویہ کے پاس "ہدیۂ مہدویہ" کی تحریروں کا کوئی علمی جواب نہ تھا انہوں نے زبانِ قلم کے بجائے زبانِ تیغ سے اس کا جواب دینا چاہا۔ چنانچہ مہدوی

۱؎ طبقات اکبری مطبوعہ کلکتہ جلد ۲ ص ۱۱۷ـ۱۱۸ ۲؎ منتخب التواریخ بدایونی مطبوعہ لکھنؤ طبع ۱۸۶۶ء ص ۱۱۰

پیشوایانِ مذہب نے اپنے پیرؤوں میں اعلان کیا کہ جو کوئی (مولوی) زمان خاں (صاحب) کو جامِ مرگ پلائے گا ہم اسے جنت میں مروارید کے دو عالیشان محل اور خرما کے چار سو درخت دیں گے"۔ اس ابلہ فریبی پر ایک مہدوی نوجوان مولانا ممدوح کی جان کے درپے ہوا۔ چنانچہ بتاریخ ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ مولانا زمان خاں حسب معمول دو خدمتگاروں کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے اور بعد نماز مغرب دو زانو بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مصروف ہوئے۔ اس وقت مہدوی نوجوان ستون مسجد کی آڑ میں موقع کا منتظر کھڑا تھا۔ جب ایک خدمت گار کسی کام کے لئے مسجد سے باہر گیا تو مہدوی نابکار نے بڑھ کر زور سے ایک کٹار مولانا ممدوح کے مونڈھے پر مارا پھر ایک کٹار سر پر اور دو شاہ رگ پر مارے۔ مولانا نے کلام اللہ پر سر رکھ کر شربت شہادت نوش فرمایا۔ یہ فرقہ حیدر آباد دکن ریاست ٹونک بیجے پور وغیرہ مقامات میں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں پایا جاتا ہے اور مرزائیوں کی طرح بڑا مفسد گروہ ہے۔ اس نے گذشتہ زمانہ میں جو جو فساد انگیزیاں کی ہیں اس کی تفصیل کتاب "ہدیۂ مہدویہ" (صفحات ۴۰ – ۵۷) میں موجود ہے اس گمراہ فرقہ کے چند عقاید و خیالات "ہدیۂ مہدویہ" سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

مہدویہ کہتے ہیں کہ (۱) سید محمد جونپوری کی مہدویت کی تصدیق فرض ہے اس کا انکار کفر ہے اور ۹۰۵ھ سے جبکہ جونپوری صاحب نے دعوئے مہدویت کیا آج تک جس قدر اہل اسلام دنیا میں گذرے یا قیامت تک پیدا ہوں یہ سبب اس انکار کے کافر مطلق ہیں (۲) گو سید محمد جونپوری اُمت محمدی میں داخل ہیں لیکن خلفائے راشدین اور تمام دوسرے صحابہ سے افضل ہیں (۳) سید جونپوری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء و مرسلین حضرت ابراہیم خلیل، حضرت موسیٰ کلیم، حضرت عیسیٰ روح اللہ وغیرہم (علیہم السلام) سے افضل ہیں (۴) گو سید محمد جونپوری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہیں لیکن رتبہ میں حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں دونوں میں سر مو بھی کمی بیشی نہیں ہے (۵) احادیث رسول اللہ گو کیسی ہی روایات صحیحہ سے مروی ہوں لیکن وہ اس وقت تک صحیح اور قابل اعتماد نہیں جب تک سید جونپوری کے اقوال، احوال، اور الہامات کے مطابق نہ ہوں (۶) سید محمد جونپوری اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پورے مسلمان ہیں۔ ان کے سوا دوسرے لوگ حضرت آدم، ابراہیم، نوح، موسیٰ، عیسیٰ (علیہم السلام) ناقص الاسلام تھے۔ کوئی پیغمبر نیم مسلم تھا کوئی ثلث مسلمان کوئی ربع مسلمان۔ چنانچہ کتاب پنج فضائل میں شاہ دلاور نے اپنے مہدی سے روایت کی کہ آدم علیہ السلام ناک کے نیچے سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ نوح علیہ السلام زیر حلق سے بالائے سر تک مسلمان تھے ابراہیم و موسیٰ زیر سینہ سے سر تک مسلمان تھے اور عیسیٰ علیہ السلام زیر ناف سے بالائے سر تک مسلمان تھے۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوسری مرتبہ دنیا میں آئیں گے تو پورے مسلمان ہو جائیں گے اور مہدوی کتاب "انصاف نامہ" کے بارھویں باب میں لکھا ہے کہ میاں خوندمیر نے سید محمد جونپوری سے کہا کہ تمام دنیا میں دو مسلمان معلوم ہوتے ہیں ایک محمد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے آپ میراں محمد جونپوری نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ بعض انبیاء کا سر مسلمان ہوا تھا۔ بعض کا داہنا پہلو۔ کسی کے دونوں پہلو۔ مگر دو نول از سرتا پا مسلمان ہوئے ہیں (۷) تفسیح مہدی علیہ السلام کا اعتقاد رکھنا فرض ہے۔ تفسیح کے یہ معنی ہیں کہ انبیا

رُسُلؑ اولیأ اور تمام مومنین و مومنات کی روحیں آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک سید جونپوری کے حضور میں پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کا داخلہ اور موجودات دیکھتے ہیں حق تعالیٰ ان ارواح کو حکم دیتا ہے کہ تم نے جس خزانہ سے نور لیا تھا پھر اس محل سے مقابلہ کر کے تصحیح کرو پس جو شخص یہاں مقبول ہوُا وہ خدا کے ہاں بھی مقبول ہے اور جو یہاں مردود ہوُا وہ عنداللہ بھی مردود ہے اور کتاب "پنج فضائل" میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے اپنے داماد خوندمیر سے فرمایا کہ جس طرح بندہ کے پاس ارواح کی تصحیح ہوتی ہے میاں خوندمیر کے پاس بھی ہوا کرے گی۔(۸) سید محمد جونپوری رسول صاحب شریعت ہیں۔ ان کی شریعت شرع محمدی کے بعض احکام کی ناسخ ہے (۹) سید جونپوری منصب نبوت و رسالت کے علاوہ بعض صفات الوہیت میں حق تعالیٰ کے شریک ہیں۔ چنانچہ کتاب شواہد الولایت کے اکتیسویں باب میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس بندے کو جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم کرا دیئے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص رائی کا دانہ ہاتھ میں رکھتا ہو اور اُسے ہر طرف پھرا کو کما حقہٗ پہچانے اور واقف ہو اور مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم ہیں جس طرح صرّاف سونے چاندی کو ہاتھ میں لے کر ہر طرف پھراتا ہے اور کما حقہٗ پہچانتا ہے۔ اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ سید جونپوری نے اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حق میں فرمایا کہ میاں دلاور پر عرش سے تحت الثریٰ تک ہر چیز اس طرح روشن ہے جس طرح ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو (۱۰) عالم کائنات میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا خالق خدا نہیں۔ کائنات میں بعض چیزیں من کل الوجوہ غیر مخلوق ہیں بعض من وجہٍ مخلوق اور من وجہٍ غیر مخلوق ہیں۔ چنانچہ سید قاسم مہدوی نے لکھا کہ جوہر اول و روح حقیقی و ولایت محمدی و جملہ کتب و صحائف ایں ہمہ غیر مخلوق اند و من دون ہذا کل اشیا بری و بحری علوی و سفلی مخلوق اند اختی خاتمین (یعنی خاتم الرسالۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خاتم الولایۃ مہدی جونپوری) فی المعنی غیر مخلوق و فی الصور مخلوق اند پس اہل تمیز ہمہ علمائے اہل شریعت و ولایت را مخلوق گویند و ہمہ اولیائے اہل حقیقت قدیم و غیر مخلوق گفتہ اند" مہدویہ کا یہ عقیدہ آریوں کے خیال سے ملتا ہے جو روح اور مادہ کو خالق کردگار کی مخلوق نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایزد متعال کی طرح قدیم خیال کرتے ہیں (۱۱) مہدی جونپوری کے اصحاب کا درجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے۔ چنانچہ کتاب "شواہد الولایت" کے اکتیسویں باب کی سینتیسویں خصوصیت میں لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مہدی کے اصحاب کا مرتبہ اپنے مرتبے کے برابر فرمایا ہے۔ اور پنج فضائل میں لکھا ہے کہ ایک روز میاں عبدالرحمن نے یہ حدیث پڑھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی کے اصحاب میرے بھائی اور مرتبہ میں میرے برابر ہیں۔ شاہ نظام نے سن کر کہا کہ یہ صفت عوام اصحاب مہدی کی ہے۔ بڑے اصحاب کا مرتبہ اس سے بھی اور آگے ہے اور "پنج فضائل" میں لکھا ہے کہ ایک دن سب آدمی صف بستہ بیٹھے تھے۔ شاہ دلاور خلیفہ جونپوری نے اپنی بیوی خوندبوا سے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جو مرسلین کا مقام رکھتے ہیں اور کہا کہ مرسل اسے کہتے ہیں کہ مہتر جبرئیلؑ اس پر وحی لائیں لیکن بارہ آدمی ان سے بھی فاضل تر ہیں۔ (۱۲) اگر دربار نبوت میں ایک صدیق (حضرت ابوبکرؓ) تھے تو مہدی کے دربار میں دو ہیں۔ سید محمودؒ اور خوندمیر۔ اور اگر خلفائے راشدین وہاں چار تھے تو یہاں پانچ ہیں سید محمودؒ خوندمیر، میاں نعمت، میاں نظام اور میاں دلاور۔ اور اگر وہاں عشرہ مبشرہ تھے تو یہاں بارہ مبشر ہیں (۱۳) مہدی جونپوری کے نواسے سید محمود بن خوندمیر کے ساتھ لڑکپن میں (معاذ اللہ) خدا ہمیشہ کھیلا کرتا تھا

(۱۴) شواہد الولایت کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ شیخ بہا جو نے مردہ زندہ کیا۔ اور حضرت مہدی موعود نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام بتایا۔ مصنف کتاب مذکور لکھتا ہے کہ ذات مہدی کے فیض یاب کو چاہیئے کہ مقام عیسیٰ علیہ السلام پر فائز ہونے کے باوجود قم باذن اللہ سے احتراز کرے۔[ا]

مولانا زمان خاں شہید نے اس قسم کے مہدوی خرافات اور بھی جمع کئے ہیں لیکن میں بقصد اختصار انہی پر اکتفا کرتا ہوں جو حضرات ان کفریات کے جوابات معلوم کرنا چاہیں وہ کتاب "ہدیۂ مہدویہ" (صفحات ۱۴۰ — ۳۳۲) کا مطالعہ فرمائیں

باب ۵۲ - حاجی محمد فراہی

حاجی محمد فراہی سید محمد جونپوری کا مرید اور مسیح موعود ہونے کا مدعی تھا۔ مہدویہ کی کتاب شواہد الولایت میں لکھا ہے "حضرت مہدی موعود (سید جونپوری) نے فرمایا کہ اکثر انبیاء اور اولو العزم رسول دعا مانگا کرتے تھے کہ بار خدایا ہمیں امت محمدی میں پیدا کر کے مہدی کے گروہ میں داخل فرما۔ انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سوا کسی کی دعا قبول نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ عنقریب آکر بہرہ یاب ملاقات ہوں گے۔ چنانچہ "دیوان مہدی" میں جو ایک مہدوی کا کلام ہے لکھا ہے ؎

بل چہ عالم کہ ز آدم و موسےٰ ۔۔۔ زیحییٰ و خلیل از موسےٰ
بودہ غایت بصحبتش ہوسے ۔۔۔ ہر چہ ہست از ولایت است ظہور
نقطۂ آں دائرۂ مفضلاں ۔۔۔ شد متمنائے ہمہ مرسلاں
خواست ز حق ہر یکے از آنہیں ۔۔۔ رب اجعلنی لمن الآخرین [ا]

اور مہدویہ کی کتاب پنج فضائل میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ میراں (سید جونپوری) قضائے حاجت کے لئے جا رہے تھے راستہ میں حاجی محمد فراہی نے پوچھا کہ میراں جیو! خدام تو آئے عیسیٰ کب آئیں گے؟ میراں نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے ظاہر ہوں گے"۔ اس لفظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاجی محمد کو حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) کا مقام حاصل ہو گیا۔ حاجی محمد میراں کی زندگی میں تو خاموش رہا اور کوئی دعویٰ نہ کیا۔ مرنے کے بعد سندھ میں نگر ٹھٹھہ کی طرف جا کر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی مسیحیت کی دعوت دینی شروع کی۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو وہاں کے حاکم نے گرفتار کر کے اس کی گردن مار دی۔ جب حاجی نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو سید محمود کو فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں مہدی کی گانداری پھیکی نہ پڑ جائے اس لئے دو آدمیوں کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجا جب انہیں معلوم ہوا کہ حاجی محمد مارا گیا تو لوٹ آئے۔ شاہ دلاور نے بشارت دی کہ حاجی محمد ایمان سلامت لے گیا۔ غرغرہ کے وقت اس کی توبہ قبول ہو گئی۔ سید محمود کہنے لگا کہ چونکہ مہدی علیہ السلام کی تصدیق کی تھی ضائع نہ ہوا[۲]

ع[ا] یہ باب ہدیہ مہدویہ" منتخب التواریخ اور دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے۔ چونکہ اکثر مندرجات کا مأخذ مہدوی بیانات ہیں اس لئے ان میں مبالغہ کا رنگ نمایاں ہے۔ "ہدیہ مہدویہ" کے منقولات کتاب مذکور کے صفحات ۴۴۳ — ۴۴۴ پر ملاحظہ ہوں ۱۲

ع[۲] ہدیہ مہدویہ ص ۴۴۲ — ۲۴۵

مستغرق کفر ند و حقیقت گویند　　　لاحول ولا قوۃ الا باللہ

انہیں حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ انہوں نے شب بیداری اور کم خواری کو تقویٰ طہارت سمجھ رکھا ہے کرامات کی لاف زنی کرتے ہیں غیب کی جھوٹی خبریں بتایا کرتے ہیں کہ اس سال یوں ہوگا اور فلاں سال یہ ہوگا۔ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں اور باوجود اس رسوائی کے چلّے کھینچتے ہیں۔ علوم شریعت کو نہایت مذموم ومکروہ خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے شریعت سے الگ ہو کر اپنی خانہ زاد طریقت کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کیا سروکار؟

واقعی ان کی طریقت کو شریعت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نور کا وجود آفتاب سے وابستہ ہے اور آفتاب ہماری صفائی عقیدہ سے قائم ہے اور ہمارا وجود اسی کی نورانیت کا مرہون منت ہے۔ اگر ہم اپنی صفائی عقیدہ کو مکدر کر دیں تو آفتاب بھی نابود ہو جائے اور اگر آفتاب ہم پر فیض گستر نہ ہو تو وہ بھی قعر عدم میں جا پڑے۔ غرض جس طرح ہم اس کے ساتھ موجود ہیں اسی طرح ہمارے بغیر اس کا وجود بھی محال ہے چونکہ اس پر دن کے وقت ہمارے احوال روشن ہیں ہمیں صلاح وخوبی کے سوا کوئی اور کام نہ کرنا چاہیئے۔ البتہ جب رات آکر تاریکی کی سیاہ چادر تان دیتی ہے تو وہ ہمیں نہیں دیکھتا اور ہمارے احوال پر مطلع نہیں ہو سکتا اس لئے رات کی تاریکی میں جو کچھ بھی کرلیں اس پر کچھ مواخذہ نہیں" غرض یہ فرقہ سخت گمراہ ہے۔ ایسے زنادقہ و ملاحدہ کسی اور جگہ نہ دیکھے گئے ہوں گے[۵]۔

سید محمد نور بخش صاحب تصانیف تھے۔ غیر مسلموں کو ان کی تصنیفات سے کس قدر شغف تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ پارسیوں کا مذہبی پیشوا اشیدوش موبد جب سنہ ۱۰۴۰ھ میں کشمیر میں مرا ہے تو حالت نزع میں اس نے میر نور بخش کے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے جس کے آخری مصرعہ پر اس کا دم نکل گیا۔

یکے قطرہ ام از محیط وجود　　　اگر چند دارم کشف وستود
من از قطرہ گے گشتہ ام بس نفور　　　خدایا رسانم بہ دریائے نور

باب ۵۵- بایزید روشن جالندھری

بایزید ابن عبداللہ انصاری سنہ ۹۳۱ھ میں بمقام جالندھر (پنجاب) پیدا ہوا۔ نبوت کا مدعی تھا۔ کہتا تھا کہ جبریل امین میرے پاس رب العالمین کی طرف سے پیغام لاتے ہیں اور میں خالق کون ومکان کو اپنی ان دو ظاہری آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور بلا توسل جبریل بھی خدا سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہوں۔ بایزید نے اپنا لقب روشن پیر رکھا تھا۔ ایک دفعہ کہنے لگا کہ مجھے غیب سے ندا ہوئی ہے۔ کہ تمہیں سب لوگ روشن پیر کہا کریں۔ چنانچہ اس کے پیرو اسے ہمیشہ اسی لقب سے یاد کرتے تھے مگر عامۃ المسلمین میں وہ تاریک پیر کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ بایزید صاحب تصانیف تھا بہت سی کتابیں عربی فارسی ہندی اور پشتو میں مدون کیں۔ اس کی ایک کتاب کا نام "خیر البیان" ہے جسے عربی فارسی ہندی اور پشتو چار زبانوں میں لکھا تھا۔ کہتا تھا کہ "خیر البیان" کلام الٰہی ہے۔ اس میں صرف وہی باتیں ہیں جو رب العالمین

[۵] تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۳۴۶ — ۳۴۷

نے مجھے مخاطب کر کے کہیں"۔ اسی بنا پر اس کے پیرو اس کے صحیفۂ الٰہی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اس کی ایک اور کتاب کا نام "حال نامہ" تھا۔ اس میں اپنے سوانح حیات قلمبند کئے تھے۔ بایزید کلام الٰہی کے حقائق و معارف بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اور لوگوں کے دل پر اس کے تبحر علمی کا سکہ جما ہوا تھا۔ اس کے دعوائے نبوت سے پیشتر مرزا محمد حکیم خلف ہمایوں بادشاہ صوبہ دار کابل نے اپنے دربار میں علماء سے اس کا مناظرہ کرایا۔ فقہائے کابل جو علوم عقلیہ سے بالکل عاری تھے روایتوں کے اسلحہ سے مسلح ہو کر مقابلہ کو آئے مگر بایزید کے مقابلہ میں محض منقولات سے کیا کام چلتا تھا۔ علماء نے زک اٹھائی اور صوبہ دار اس کی خوبیٔ تقریر اور زور کلام کی وجہ سے معتقد ہو گیا۔

پیر کے برکت انفاس سے محرومی

بایزید کو خورد سالی سے تحقیق کا شوق تھا۔ اکثر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کہ زمین و آسمان تو موجود ہیں مگر ان کا پیدا کرنے والا کہاں ہے۔ ہمدردی و رفاہ خلائق اس کا مایۂ خمیر تھی۔ طفلی میں اگر اپنی زراعت کی نگرانی کے لئے جاتا تو دوسرے کاشتکاروں کے کھیت کی بھی خبر گیری کرتا۔ بیوہ اور بوڑھی عورتوں کو سودا سلف لا دیتا۔ ان کے گھڑے بھر لاتا۔ بیکس و درماندہ لوگوں کو کھانا پکا دیتا۔ اگر محتاج ہوتے تو آٹا بھی اپنے گھر سے پہنچا دیتا۔ ادنیٰ اعلیٰ سب کا خدمتگار تھا۔ کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جس شخص کی ذات سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچتا اس میں اور کتے بلی میں کیا فرق ہے؟ یہ شخص اوائل سے متعبد و پرہیزگار تھا۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتا تھا۔ ان دنوں میں اس کے اقربا میں سے خواجہ اسمٰعیل نام ایک صوفی جالندھر میں مسند ارشاد پر متمکن تھا۔ بہت لوگوں نے اس کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل کیا۔ بایزید نے بھی اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہونے کا قصد کیا مگر اس کا باپ عبداللہ مانع ہوا اور کہنے لگا "میرے لئے یہ ننگ و عار ہے کہ تم اپنے ہی خویشوں میں سے ایک فرومایہ شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بہتر ہے کہ ملتان جا کر شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے کسی کو اپنا ہادی بناؤ" بایزید کہنے لگا کہ شیخی اور بزرگی کوئی موروثی چیز نہیں ہے"! غرض کہیں بھی مرید نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے اس پر پنجۂ اغوا مارا اور تقدس کے دوسرے دوکانداروں کی طرح اس کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ اس کے عربی الہام "دبستان مذاہب" میں درج ہیں جو صاحب ان کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔

ملحد کی صحبت کا اثر اور بیٹے پر باپ کا قاتلانہ حملہ

جب بڑا ہوا تو وطن مالوف کو الوداع کہہ کر ماں کے ساتھ اپنے والد کے پاس کالی کرم واقع کوہ ہائے روہ کو چلا گیا۔ وہاں کوئی تجارت شروع کی۔ جب کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لئے سمرقند گیا اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر ہندوستان لایا۔ کالنجر پہنچ کر ملا سلیمان کالنجری نام ایک ملحد کی صحبت میں رہا۔ ملحد مذکور تناسخ کا قائل تھا۔ بایزید اس کے اثر صحبت سے تناسخی العقیدہ ہو کر نعمت ایمان سے محروم ہو گیا۔ جب کالنجر سے لوٹ کر کالی کرم پہنچا تو اپنے عقیدۂ تناسخ کی نشر و توزیع شروع کر دی۔ عبداللہ کو جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا بیٹے کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی یہاں تک کہ غیرت دینی سے مجبور ہو کر بیٹے پر چھری سے حملہ کر دیا اور اسے بری طرح مجروح کیا۔ بایزید کالی کرم سے ننگرہار کو چلا گیا اور وہاں علاقہ مہمند میں سلطان احمد کے مکان پر رہنے لگا۔ جب علماء کو اس کی بدمذہبی کا حال معلوم ہوا تو مخالفت پر اٹھ کھڑے

ہوئے اور لوگوں کو اس کی طرف سے سخت بدگمان کر دیا۔ اس لئے تمام لوگ اس سے دُور دُور بھاگنے لگے۔ غرض اس جگہ اس کا کسی پر جادو نہ چل سکا۔ یہاں سے بے نیل مرام پشاور کی طرف گیا اور غوریا خیل پٹھانوں میں جا کر رہنے لگا۔ چونکہ اس علاقہ میں علماء عنقا کا حکم رکھتے تھے مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہاں تک کہ اس سرزمین میں بلا شرکت غیرے پیری و پیشوائی کا تاج و تخت حاصل کر لیا اور قریب قریب ساری قوم خلیل اس کی مطیع ہو گئی۔ پھر ہشت نگر میں گیا یہاں بھی اس کی مشیخت کو بڑا فروغ حاصل ہوا مگر علماء مباحثہ کرنے کے لئے امنڈ آئے۔ اخوند درویزہ سے اس کا مناظرہ ہوا۔ بایزید مغلوب ہو گیا۔ مگر اس کے مرید ایسے خوش اعتقاد اور طاقتور تھے کہ اخوند درویزہ کی تمام تر کوششیں رائیگاں گئیں۔ جب بایزید کی مذہبی غارتگری کا حال محسن خاں نے سنا جو ان دنوں اکبر بادشاہ کی طرف سے کابل کا گورنر تھا تو وہ بہ نفس نفیس ہشت نگر آیا اور اسے گرفتار کر کے کابل لے گیا۔ مدت تک وہاں زندان بلا کی مشقتیں سہتا رہا۔ آخر رہا ہو کر ہشت نگر واپس آیا اور اپنے تمام مریدوں کو جمع کر کے طوطی کے پہاڑوں میں گھس گیا کچھ مدت تک مورچہ بندیوں میں مشغول رہا۔ وہاں سے تیراہ کی سیاحت کو آیا۔ اور وعظ و تذکیر کے فسوں پھونک کر آفریدی اور ورکزی پٹھانوں کو بھی اپنے دام مریدی میں پھانس لیا۔ اہل سرحد کے دلوں میں اس کی عقیدت کی گرمی اس طرح دوڑنے لگی جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

ایک عالم سے مذہبی چھیڑ چھاڑ

جس طرح ابلیس ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کو اپنی نورانی شکل دکھایا کرتا تھا اور یہ بیچارے اس کو اپنا معبود برحق یقین کیا کرتے تھے اسی طرح بایزید بھی ابلیس کے رُخ انور کے شرف دیدار سے مشرف ہو کر اس کو (معاذ اللہ) خدائے برتر سمجھ بیٹھا تھا۔ چنانچہ اسی اذعان و یقین کی بنا پر لوگوں سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ تم لوگ کلمۂ شہادت کس طرح پڑھتے ہو؟ وہ کہتے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا پرستش کے لائق کوئی نہیں) بایزید کہتا کہ جس کسی نے خدا کو دیکھا اور پہچانا نہیں وہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو نہیں دیکھتا وہ اسکو پہچانتا بھی نہیں"۔ مولنا زکریا نام ایک سرحدی عالم نے بایزید سے کہا کہ تمہیں کشف القلوب کا دعوٰی ہے بتاؤ اس وقت میرے دل میں کیا ہے؟ بایزید نے ملحدانہ عیاری سے کام لے کر جواب دیا کہ میں تو یقیناً کاشف قلوب اور اہل اللہ کے خواطر و تخیلات سے آگاہ ہوں لیکن تمہارے اندر تو دل ہی نہیں ہے اگر تمہارے اندر دل موجود ہوتا تو میں ضرور اس کی اطلاع دیتا۔ مولانا زکریا نے کہا اچھا اس کا فیصلہ آسان ہے یہ قوم کے لوگ سن رہے ہیں۔ تم مجھے قتل کردو۔ اگر میرے سینہ میں سے دل برآمد ہوا تو پھر لوگ تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے"! بایزید کہنے لگا کہ یہ دل جس کو تم دل سمجھ رہے ہو یہ تو گائے بکری اور کتے تک میں موجود ہے۔ دل سے مراد گوشت کا ٹکڑا نہیں۔ دل اور ہی چیز ہے چنانچہ رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ اَكْبَرُ مِنَ الْعَرْشِ وَاَوْسَعُ مِنَ الْكُرْسِيِّ (مومن کا دل عرش سے زیادہ بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے) مگر بایزید کا یہ بیان بالکل لغو ہے دل وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں "لطیفہ قلب" کہلاتا ہے اور حدیث صحیح میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب اس کی اصلاح ہو جائے تو سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور جب اس میں فساد رونما ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ معلوم ہو کہ یہ دل ہے"۔ حضرات صوفیہ طرح طرح کے اذکار و اشغال سے اسی قلب کی اصلاح میں کوشاں رہتے ہیں جب یہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو اس پر تجلیات الٰہیہ کا ورود ہوتا ہے۔ اور دل معرفت الٰہی کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ اسی دل کی آنکھوں سے اہل اللہ خدائے بیچوں کو بے کیف دیکھتے ہیں۔ اسی دل پر خواطر و خیالات اس طرح موجزن رہتے ہیں جس طرح سطح آب پر لہریں اٹھتی ہیں چونکہ بایزید کو کشف قلوب کا دعویٰ تھا مولانا زکریا اس سے اپنے دل کا راز دریافت کرنے میں حق بجانب تھے لیکن بایزید نے جیسا کہ دجالوں کا عام شعار ہے اس سوال کو باتوں ہی میں اڑا دیا۔ "مومن کے دل کے عرش سے زیادہ بڑے اور کرسی سے زیادہ وسیع" ہونے کا مقولہ جو بایزید نے حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا تو یہ محض افترا ہے۔ یہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تو ارشاد گرامی نہیں البتہ ممکن ہے کہ کسی صوفی کا قول ہو۔ اس کے بعد مولانا زکریا نے کہا کہ تمہیں کشف قبور کا دعویٰ ہے۔ ہم تمہارے ساتھ گورستان چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کوئی مردہ تم سے ہمکلام ہوتا ہے یا نہیں؟ بایزید کہنے لگا کہ مُردہ تو یقیناً مجھ سے ہمکلام ہوگا اور میں اس کی باتیں سنوں گا لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کچھ نہ سنو گے۔ اگر تم مُردے کی آواز سن سکتے تو میں تمہیں گبر کیوں کہتا؟ اس جواب پر لوگ کہنے لگے کہ پھر لوگ کس طرح یقین کریں کہ تم حق پرست ہو؟ بایزید بولا کہ تم میں سے ایک شخص جو سب سے بہتر اور فاضل ہو وہ میرے پاس رہے اور میرے آئین کے موافق عبادت و ریاضت بجا لائے اگر اسے کچھ نفع ہو تو پھر میرا مرید ہو جائے"۔ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بھی اسی قسم کی ایک مضحکہ خیز شرط پیش کی تھی کہ جو کوئی میرا معجزہ دیکھنا چاہے وہ قادیان آئے اور نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ ایک سال تک قادیان رہے۔ اس کے بعد میں معجزہ دکھا دوں گا"۔ الغرض مرزا نام ایک شخص بایزید سے کہنے لگا کہ اے بایزید! لغو بیانی سے باز آؤ اور مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔ جو کوئی چاہے تمہاری پیروی اختیار کرے اور جو پسند نہ کرے وہ اپنی راہ پر گامزن رہے"۔ بایزید بولا کہ اگر کسی مکان میں جانے کا ایک ہی راستہ ہو بہت سے آدمی اس میں سو رہے ہوں۔ اور اس گھر کو آگ لگ جائے ناگہاں ان میں سے ایک آدمی کی آنکھ کھل جائے کیا وہ دوسروں کو بیدار کرے یا نہیں؟" لیکن یہ تمثیل صحیح نہیں تھی مسلمان تو پہلے سے بیدار تھے ان کو خواب گمراہی کا یہ مست بھلا کیونکر بیدار کر سکتا تھا ع آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند؟ لوگوں نے کہا اے بایزید! اگر حق تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تو بلا تامل کہو کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں اور میں مہدی ہوں لیکن مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو"۔

اکبر شاہ کا حریف مقابل

سرحدی عقیدت مندوں سے قوی پشت ہو کر بایزید نے سرحد میں اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جما لئے یہاں تک کہ اکبر شاہ کی اطاعت سے باہر ہو کر اس کا حریف مقابل بن گیا اور کھلم کھلا علم ستیزہ کاری بلند کر دیا۔ بایزید اپنی تقریروں میں کہتا تھا کہ مغل ظالم اور جفا پیشہ ہیں۔ انہوں نے افغانوں پر حد سے زیادہ ظلم توڑے ان سب باتوں سے قطع نظر اکبر بادشاہ سخت بے دین ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت ہر کلمہ گو پر حرام ہے"۔ ان کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ [illegible] آتش ہیجان مشتعل ہوئی اور اکثر سرحدی قبائل اکبر سے منحرف ہو گئے۔ جب بایزید کی چیرہ دستیاں حد سے زیادہ بڑھ

گئیں تو اکبر کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے ایک لشکر جرّار اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن شاہی لشکر خود ہی سرکوب ہو کر بھاگ آیا۔ اس فتح سے بایزید کے حوصلے اور زیادہ بڑھے۔ افغانوں کی نظر میں شاہی فوج کی کچھ حقیقت نہ رہی اور سرحدی علاقوں میں اکبری حکومت کے خلاف ایسے ایسے مفاسد پیدا ہوئے جو شب سیاہ سے بھی زیادہ تاریک تھے۔ اکبر یہ دیکھ کر گھبرایا لیکن وہ بھی بساطِ تدبیر کا پکا شاطر تھا۔ اس نے اہل تیراہ کو زر و مال کے اسلحہ سے رام کر کے اپنے ڈھب پر لگا لیا۔ اب تیراہی ظاہر میں تو بایزید کا کلمہ پڑھتے تھے مگر بباطن سلطنت مغلیہ کے ہوا خواہ تھے جب بایزید کو تیراہیوں کے مکر و نفاق کا علم ہوا تو اس نے بہتوں کو خوانِ ہلاک سے گلگوں کیا اور بعض کو ملک بدر کیا انجام کار اس کے پیرو تیراہ پر پوری طرح متسلط ہو گئے۔ اب اس نے ننگر ہار پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور جن بستیوں نے اس کے حکم سے ذرا بھی سرتابی کی انہیں لوٹ کر برباد کر دیا گیا یہاں تک کہ سرحد میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہی مگر ان سفّاکیوں کی وجہ سے فضلے ملک مکدّر ہونے لگی۔ اور بعض قبائل بایزید کی اطاعت سے منحرف ہو گئے مگر چونکہ اس کی شان و شوکت اور وسعت اقتدار غایت درجہ پر پہنچ چکی تھی اس لئے کوئی مخالفت بار آور نہ ہوئی۔ بایزید کا علم یکتائی دن بدن بلند ہوتے دیکھ کر اکبر بادشاہ ہر وقت انتقام کے لئے دانت پیس رہا تھا۔ آخر بایزید کے استیصال کا عزم صمیم کر کے ایک اور فوج گراں روانہ کی۔ اور صوبہ دار کابل کو بھی کابل کی طرف سے یورش کرنے کا حکم دیا۔ محسن خاں صوبہ دار کابل جلال آباد سے طیار ہو کر بایزید پر چڑھ آیا۔ اور ادھر سے افواج شاہی نے اس پر یورش کر دی۔ غرض ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ اور ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ہر چند کہ افغانستان کے مختلف حصوں سے سربکف جانباز بایزید کی تائید میں امڈے چلے آ رہے تھے لیکن چونکہ بایزید کا ستارہ رُوبزوال ہو گیا تھا دو طرفہ فوجوں کے مقابلہ سے عہدہ برآ نہ ہو سکا اور شکست فاش کھائی اگر بعض اتفاقی امور نے مساعدت نہ کی ہوتی تو بس بایزید کا خاتمہ ہی تھا۔ اس کے اکثر پیرو مارے گئے۔ اور بعض دشوار گذار پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ خود بایزید نے ہشت نگر کی طرف بھاگ کر جان بچائی۔ اب بایزید از سر نو فراہمی لشکر میں مشغول ہوا مگر عمر نے وفا نہ کی اور موت کے فرشتہ نے پیام اجل آ سنایا۔ افغانستان کے سلسلہ کوہ میں بھتنہ پور کی پہاڑی پر اس کی قبر ہے +

بایزید کے بعض متصوّفانہ اقوال

بایزید کے متصوفانہ اقوال جن کی بنا پر بعض سادہ لوح ظاہر بین اس کو عارف باللہ یقین کرتے تھے بایزید کی کتاب "حالنامہ" میں درج ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں زبان سے کلمۂ شہادت کہنا اور اس کی تصدیق کرنا شریعت کا فعل ہے اور زبان کو ہر وقت تسبیح و تہلیل اور ذکر خداوندی میں مصروف رکھنا اور دل کو وساوس و خطرات سے پاک رکھنا طریقت کا فعل ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھنا اور کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور روزۂ نفل سیری سے بچنا کم خوری کی عادت کرنا اور جسم کو برائیوں سے محفوظ رکھنا طریقت کا فعل ہے مال کی زکوٰۃ اور عُشر دینا شریعت کا فعل ہے اور فقیر اور روزہ دار کو کھانا کپڑا دینا اور درماندوں کی دستگیری کرنا طریقت کا فعل ہے۔ بیت خلیل کا طواف کرنا اور ہر قسم کے گناہ اور لڑائی جھگڑے سے باز رہنا شریعت کا فعل ہے اور خانۂ خدا یعنی دل کا طواف کرنا اور نفس امارہ سے جنگ کرنا اور ملائکہ کی سی طاعت کرنا طریقت کا فعل ہے۔ دائم یاد حق میں

معروف رہنا، ماسوی اللہ کا پردہ دل سے دُور کرنا اور جمال دوست کا نظارہ کرنا حقیقت کا فعل ہے۔ نورِ عقل کے ذریعہ سے اس کو ہر جگہ معلوم کرنا اور مخلوقات میں سے کسی کو مضرت نہ پہنچانا معرفت کا فعل ہے اور حق کو پہچاننا اور تسبیح کی آواز سننا اور اس کو سمجھنا قربت کا فعل ہے اور اپنے وجود کو ترک کرنا اور ہر فعل کا مصدر ذاتِ باری کو یقین کرنا اور فضولیات سے بچنا، وصال کو سمجھنا وصلت کا فعل ہے اپنی ذات کو حق مطلق میں فانی کر دینا اور باقی مطلق ہو جانا اور اَحد کے ساتھ موحد ہو جانا شر سے پرہیز کرنا توحید کا فعل ہے، اور مسکن اور ساکن ہونا صفاتِ باری تعالیٰ اختیار کرنا اور اپنے وصف کو چھوڑ دینا سکونت کا فعل ہے اور سکونت سے بالاتر کوئی درجہ نہیں۔ قربت، وصلت، وحدت، اور سکونت وغیرہ اصطلاحیں خاص بایزید کی تراشی ہوئی ہیں ان مراتب کو شریعت، طریقت اور معرفت سے فائق جانتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ حسب دلخواہ عربی عبارتیں لکھ کر ان کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور پھر بات بات میں کہنے لگتا کہ حدیث میں یوں آیا ہے۔ مثلاً کہتا تھا کہ رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ اَلشَّرِیْعَۃُ کَمَثَلِ اللَّیْلِ وَالطَّرِیْقَۃُ کَمَثَلِ النُّجُوْمِ وَالْحَقِیْقَۃُ کَمِثْلِ الْقَمَرِ وَالْمَعْرِفَۃُ کَمِثْلِ الشَّمْسِ وَلَیْسَ فَوْقَ الشَّمْسِ شَیْءٌ۔ (شریعت رات کی مانند ہے طریقت ستاروں کا حکم رکھتی ہے حقیقت قمر کی طرح ہے اور معرفت آفتاب کی مانند ہے اور آفتاب سے فائق و برتر کوئی چیز نہیں) حالانکہ یہ دعویٰ بدیہی البطلان ہے کہ شریعت رات کی مانند ہے ان خرافات کا قائل ملحدوں کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان کو حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا جا سکے

بایزید کی شریعت یہ تو اس کے متصوفانہ اقوال تھے۔ اب اس کی شریعت کا بانکپن ملاحظہ ہو۔ بایزید مسلمانوں کا ذبیحہ حرام بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ جو شخص مجھے میرے تمام دعووں میں سچا نہیں جانتا اور وحدت وجود کے مسئلہ پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں اس لئے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام و نجس ہے۔ بایزید خود نماز کا پابند تھا اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی تاکید کرتا تھا مگر قبلہ کی تعیین کا پابند نہ تھا۔ بلکہ جدھر چاہتا منہ کر کے نماز پڑھ لیتا۔ اور جب اس پر اعتراض ہوتا تو اس آیۃ قرآنی سے استدلال کرتا فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۲: ۱۱۵ (تم لوگ جس طرف منہ کرو اُدھر ہی اللہ تعالیٰ کا رُخ ہے) مگر یہ استدلال قطعاً باطل ہے۔ اس آیۃ کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مجاز ہے کہ جدھر چاہے منہ کر لیا کرے بلکہ اس آیۃ میں محض یہود کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے آغاز اسلام تک اہل ایمان کا قبلہ بیت المقدس چلا آتا تھا لیکن جب بیت المقدس کی جگہ کعبہ معظمہ قبلہ مقرر ہوا تو یہود نے تبدیل قبلہ پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارباب ایمان سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرف تم نے اب رخ کیا ہے اُدھر بھی اللہ ہی کا رخ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کا پورا ادراک کسی بندہ سے ممکن نہیں اسی طرح اس کے صفات کی حقیقت بھی فہم انسانی سے خارج ہے۔ پس اس ارشاد سے کہ اُدھر ہی کو اللہ کا رُخ ہے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کا کوئی جسم ہے یا اس کی ذات (معاذ اللہ) محیط ہے۔ ایسے مضامین پر بالاجمال ایمان لانا چاہیئے لیکن اس کی حقیقت کو خدائے برتر کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ بایزید نے غسل جنابت اڑا دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ پانی کے ساتھ غسل کرنے کی حاجت نہیں ہوا لگنے سے بدن خود بخود پاک ہو جاتا ہے کیونکہ چاروں عنصر پاک کرنے والے ہیں۔ اس کا بیان تھا کہ جو کوئی خدا کا اور اپنی ذات کا عارف نہ ہو

وہ انسان نہیں بلکہ بھیڑیے، شیر، سانپ، بچھو وغیرہ درندوں اور موذیوں کے حکم میں ہے۔ ایسے شخص کا مار ڈالنا واجب ہے اور اگر نیک کردار، عابد اور نماز گذار ہے تو وہ گائے بکری بھیڑ کے حکم میں ہے۔ اس کا مار ڈالنا جائز ہے مگر واجب نہیں اگر ایسے شخص کو نظر انداز کر دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ یہ تو قول تھا لیکن عمل یہ تھا کہ اس کے پیرو ہر اس شخص کی لوحِ ہستی کو جو بایزید کی خانہ ساز نبوت و مہدویت کا منکر ہوتا نقشِ حیات سے پاک کر دیتے۔ اس اقدام پر بایزید اس آیت سے استدلال کرتا تھا۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں)، حالانکہ یہ آیت کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی مسلمان بایزید کے حدود عملداری میں موت کے نقاب میں منہ چھپاتا تو اس کے وارثوں کو اس کا ترکہ نہ دیتا بلکہ متوفی کے وارث اس کے مرید قرار پاتے تھے۔ اور اس ظلم و بیداد کی دلیل جواز یہ بیان کرتا تھا کہ جو کوئی خود شناس نہیں اور حیات جاوید سے بے خبر ہے وہ مُردہ ہے۔ ایسے شخص کے وارث وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو خود بھی مُردہ ہیں بلکہ اس کی میراث زندوں (روشنیوں) کو پہنچتی ہے۔ وہ لبسا اوقات مسلمانوں پر خود ناشناس ہونے کا فتویٰ لگا کر ملکِ عدم میں بھجوا دیتا تھا اور اس کی جائداد پر خود قبضہ کر لیتا تھا اور اگر اپنے زعم فاسد میں کسی ہندو کو خود شناس پاتا تو خود ناشناس مسلمان پر اس کو ترجیح دیتا۔ اس نے اور اس کی اولاد نے سالہا سال تک مسلمانوں پر لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ ڈاکہ زنی اور غارتگری ان کے نزدیک کار ثواب تھا۔ یہ لوگ راستوں میں جس مسلمان کو پاتے لوٹ لیتے۔ بایزید ایسے مال میں سے خمس نکال کر بیت المال میں جمع کرتا۔ بایزید کہا کرتا تھا کہ میں خدا ناشناسوں کے قتل کے لئے منجانب اللہ مامور ہوں۔ حق تعالےٰ نے مجھے تین بار حکم دیا کہ ان لوگوں کو قتل و غارت کروں۔ مگر میں نے ہتھیار نہ اُٹھائے آخر جب چوتھی مرتبہ یہی حکم ہُوا تو مجبوراً جہاد کو مستعد ہُوا۔

بایزید کی اولاد، جلالہ کی اکبر شاہی افواج سے معرکہ آرائیاں

بایزید اپنے بعد پانچ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ مرا۔ بیٹوں کا نام شیخ عمر، کمال الدین، خیر الدین، جلال الدین اور نور الدین تھا۔ اور بیٹی کو کمال خاتون کہتے تھے۔ بایزید کے بعد شیخ عمر باپ کا جانشین ہُوا۔ پیر روشن کے تمام اصحاب اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ چونکہ یوسف زئیوں کے پیشوا اخوند درویزہ تھے اس لئے ان کی اور شیخ عمر کی کچھ زمانہ سے چشمک تھی۔ یوسف زئیوں نے جمع ہو کر دریائے سندھ کے کنارے شیخ عمر پر حملہ کیا۔ اس معرکہ میں شیخ عمر اور اس کے کئی ایک مخلص احباب کام آئے جلال الدین قید ہُوا۔ خیر الدین میدان کارزار میں مُردہ پایا گیا اور بایزید کا سب سے چھوٹا بیٹا نور الدین ہشت نگر کو بھاگ گیا۔ مگر وہاں کے گوجروں نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اکبر بادشاہ نے جلال الدین اور اس کے تمام متعلقین کو یوسف زئیوں سے لے کر رہا کر دیا۔ جلال الدین وہاں سے فتح پور گیا۔ اور اکبر سے ملاقات کی۔ اکبر اسے جلالہ کہا کرتا تھا۔ جلالہ فتح پور سے واپس آ کر تیراہ کے پہاڑوں میں رہزنی کرنے لگا اور کابل کا راستہ قطعاً مسدود کر دیا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے سنہ ۹۹۴ھ میں اپنے مشہور سپہ سالار راجہ مان سنگھ کو جو اس کی ایک ہندو بیوی کا بھتیجا تھا چند دوسرے فوجی افسروں کی رفاقت میں جلالہ سے لڑنے کو بھیجا۔ جلالہ کئی سال تک برسر مقابلہ رہا۔ ان محاربات کی تفصیل اکبر نامہ اور منتخب التواریخ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ کچھ زمانہ کے بعد جلالہ کا بھائی کمال الدین پکڑا گیا۔ اکبر نے تادم واپسیں اس کو قید رکھا۔

جلالہ علاقہ غزنی میں قوم ہزارہ کے ہاتھ سے قتل ہوا اس کا سر اکبر کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد بایزید کا پوتا احداد بن عمر خلیفہ بنایا گیا۔ احداد ۱۰۳۵ھ میں سلطان نورالدین جہانگیر کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مرید کہتے تھے کہ قرآن کی سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ احداد ہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ہزار ہا افغان اس کے پیرو تھے۔ پھر احداد کا بیٹا عبدالقادر باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن یہ ترک مخالفت کر کے سلطان شہاب الدین شاہ جہان کے دربار میں حاضر ہوا اور امرائے شاہجہانی میں داخل ہو گیا۔ جلالہ کا ایک بیٹا الہداد شاہجہان بادشاہ کی طرف سے رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری سے سرفراز ہوا تھا۔[ع]

باب ۵۶۔ احمد بن عبداللہ سلجماسی

ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ عباسی سلجماسی مغربی معروف بہ ابن ابی محلی مؤلف کتاب "عذراء الوسائل وہودج الرسائل" مہدویت کا مدعی تھا۔ ۹۶۷ھ میں بمقام سلجماسہ جو ملک مغرب میں ہے پیدا ہوا۔ عنفوان شباب میں فاس گیا اور ابوالقاسم بن قاسم بن قاضی اور ابوالعباس احمد قدومی اور سید محمد بن عبداللہ تلمسانی ابو مجبیر ابو محمد شقرون تلمسانی اور دوسرے علماء سے اکتساب علوم کرتا رہا۔ وہاں سے مشرق کا سفر کیا حج کر کے مصر گیا اور سنہوری لقانی، طہ بحیری اور دوسرے علمائے مصر سے علمی فیوض حاصل کئے۔ اس کے بعد اس نے حضرت مہدی منتظر علیہ السلام کے ظہور کے متعلق ایک کتاب لکھی جس میں ان کے اوصاف اور علامات درج کئے گو اس میں ضعیف روایتوں کی بھرمار تھی تاہم کتاب من حیث المجموع مفید ثابت ہوئی۔ یہ تالیف گویا دعوائے مہدویت کی تمہید تھی۔ آخر ۱۰۱۳ھ میں دعوائے مہدویت کر دیا۔ ہزار ہا لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ اس شخص کی عادت تھی کہ روسائے قبائل و عمائد بلاد کی طرف خطوط بھیج بھیج کر ان کو نیکیوں اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا اور خط کے اخیر میں یہ لکھ دیتا کہ میں وہی مہدی منتظر ہوں جس کے ظہور کی حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشن گوئی کی تھی جو شخص میری متابعت کرے گا وہ مفلح و کامگار ہوگا۔ اور جو کوئی تخلف کرے گا وہ قعر ہلاک میں جا پڑے گا۔" یہ شخص اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کرتا تھا کہ تم لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے افضل ہو۔ کیونکہ تم ایک باطل زمانہ میں نصرت حق کے لئے کھڑے ہوئے ہو اور صحابہ کرام رض زمن حق میں کھڑے ہوئے تھے۔" جب اس کے پیرؤوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے امر معروف اور نہی منکر کا وعظ شروع کیا۔ اسی کے ساتھ مریدوں کو ملک گیری کی ترغیب دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جو اس کی پیروی سے احتراز کرتے تھے۔ بہتوں کو لوٹا اور اکثر کو جلا وطن کر دیا۔ جب کوئی کہتا کہ حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں تو کہتا کہ میرا غیظ و غضب محض اللہ کے لئے ہے۔

ان ایام میں مراکش کی سرزمین سلطان زیدان کے زیر نگین تھی۔ جب زیدان کے عامل حاج میر نے اس کی روز افزوں چیرہ دستیاں دیکھیں تو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ ابن ابی محلی اس کے مقابلہ میں

ع دبستان مذاہب ص ۳۰۴ - ۳۱۱ وغیرہ

صرف چار سو مریدوں کو لے کر آیا۔ لڑائی ہوئی جس میں حاجی میر کو ہزیمت ہوئی۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ ابن ابی محلی کے پیروؤں پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ غرض دلوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اس فتح کے بعد اس نے بلا مزاحمت سلجماسہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ہر طرح سے عدل و انصاف کا شیوہ اختیار کیا۔ اور مظلوموں کی دادرسی کی نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا اس کو بہت چاہنے لگی۔ اور اہل تلمسان اور راشدیہ کے وفد اس کو مبارکباد دینے آئے۔ ان وفود میں فقیہ علامہ ابو عثمان سعید جزائری معروف بہ قدورہ شارح مسلم بھی تھے۔ جب سلطان زیدان کو اس ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن منصور معروف بہ زبدہ کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ درعہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ بن منصور کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے بعد ابن ابی محلی کی شوکت ثریا سے باتیں کرنے لگی۔ جب سلطان زیدان کے سپہ سالار یونس ایسی کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ سلطان سے منقطع ہو کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ابن ابی محلی کے پاس چلا آیا اور اس کو سلطان کے اسرار و خفایا سے مطلع کر کے کہا کہ تم زیدان پر چڑھائی کرو اس کا مغلوب کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔" چنانچہ ابن ابی محلی لاؤ لشکر لے کر مراکش پر چڑھ گیا۔ سلطان زیدان ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ پر آیا۔ پرتگالی نصاریٰ نے سلطان زیدان کی کمک پر بلا طلب ایک دستۂ فوج روانہ کیا سلطان کو اس بات پر غیرت آئی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے مدد لے۔ سلطان حسن سلوک سے پیش آیا۔ اور پرتگالی قیدیوں کو رہا کر کے ان کو دستۂ فوج کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اب لڑائی شروع ہوئی ابن ابی محلی نے اس کو شکست دی۔ اور شہر مراکش میں داخل ہو کر وہاں قابض و متصرف ہو گیا۔ زیدان جان بچا کر الجدیدہ کی طرف بھاگ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان زیدان ایک مشہور عالم فقیہ ابو زکریا یحییٰ بن عبداللہ داوودی کے پاس گیا جو کوہ درن میں اپنے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے فقیہ یحییٰ کے پیروؤں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچی تھی۔ زیدان نے جا کر کہا کہ آپ لوگ میری بیعت میں ہیں۔ اب میں آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دشمن نے مجھے ملک سے بے دخل کر دیا ہے اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ فقیہ ابو زکریا یحییٰ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور ہر طرف سے فوجیں جمع کرنے لگے۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو ۸ رمضان ۱۰۲۲ھ کو مراکش کی طرف کوچ کر دیا۔ علامہ ابو زکریا یحییٰ نے موضع جیلیز مضافات مراکش کے پاس پہنچ کر کوہ ... پر قیام کیا۔ اور حرب و ضرب کی تیاریاں شروع کیں دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی۔ فقیہ کا لشکر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اُسے فنا کر دیا غرض نسیم فتح فقیہ کے رایتِ اقبال پر چلنے لگی۔ ابن ابی محلی کو ہزیمت ہوئی۔ اور وہ میدان جانستاں کی نذر ہوا۔ فقیہ ابو زکریا نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکا دیں۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح اس کی فوج کے سر بھی کاٹ کاٹ کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دیئے گئے اس کے بعد فقیہ صاحب مراکش کی مملکت سلطان زیدان کے سپرد کر کے واپس چلے آئے۔ ابن ابی محلی اور اس کے ساتھیوں کے سر بارہ برس تک مراکش کے دروازوں پر لٹکے رہے۔ ابن ابی محلی کے پیرو کہتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ کچھ عرصہ کیلئے نظر دل سے غائب

شیخ یوسی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی اپنے اُستاد ابن مبارک کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں اچانک یہ کہنا شروع کیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ استاد نے کہا احمد! مانا کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے مگر یاد رکھو کہ اس اوج و رفعت کے بعد نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑ دنکی بلندی تک پہنچ سکو گے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی صوفیوں کی ایک خانقاہ میں گیا۔ اور کہنا شروع کیا کہ میں سلطان ہوں۔ میں سلطان ہوں ایک صاحب وجد و حال صوفی اس کے جواب میں کہنے لگا تین سال تین سال تین سال۔ چوتھا نہیں۔ چنانچہ وہ تین ہی سال تک برسر حکومت رہا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو لوگوں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سُنا الٰہی! تو نے کہا ہے اور تیرا قول حق ہے وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (۳: ۱۴۰) اور ہم ان ایام کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں) جب یہ حالت ہے تو بار خدایا! تو مجھے لوگوں میں دولت و حکومت دے۔ ابن ابی محلی نے بارگاہ خداوندی سے زوال پذیر حکومت تو مانگی لیکن حسن عاقبت کا سوال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسے دولت سے تو چند روزہ سرفرازی بخشی لیکن حُسن خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ ابن ابی محلی صاحب تصانیف تھا اس کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں (۱) منجنیق الصخور فی الرد علی اہل الفجور (۲) وضاح (۳) قسطاس (۴) اصلیت (۵) ہودج (۶) ابو عمر و قسطلی کے رسالہ کا رد وغیرہ ذالک[1]

باب ۷۵ - احمد بن علی مجیرثی

یمن کے علاقہ میں ایک قصبہ مجیرث ہے وہاں کا رہنے والا تھا۔ مہدویت کا مدعی تھا۔ انتہا درجہ کا ذکی و ذی علم تھا۔ پہلے زیدی تھا پھر حنفی ہو گیا۔ صنعاء (یمن) میں عرصہ تک حنفی مذہب کا قاضی رہا ہے لیکن اخیر عمر میں راہ صدق و صواب سے ہٹ کر مہدئ منتظر بن بیٹھا۔ بعض شافعیہ سے منقول ہے۔ کہ احمد بن علی کی غیر معمولی ذکاوت ہی نے اس کی عقل ماری۔ اور جودت طبع ہی اس کے لئے وبال جان بن گئی ع اے روشنیٔ طبع تو برمن بلاشدی چنانچہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کے ظہور کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اپنے ایک قصیدہ میں جو سید احمد بن امام قاسم اور اپنے برادر زادہ حسین کے نام مرقوم تھا لکھتا ہے

من الامام المهدی المرتضی للرشد   الی الملیك احمد ثم الحسین الارشد

اور کبھی مہدویت کا دعویٰ چھوڑ کر وہ دابۃ بن بیٹھتا تھا جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی اس آیۃ میں ہے :-

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (۲۷: ۸۲)

جب لوگوں پر (قیامت کا) وعدہ (یعنی زمانہ) قریب آپہنچے گا تو ہم ان کے لئے ایک (عجیب و غریب) جانور برآمد کریں گے جو اُن سے ہمکلام ہوگا۔ اور کہیگا کہ (کافر) لوگ حق تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

[1] کتاب الاستقصار لاخبار دول المغرب الاقصیٰ جلد ۳ ص ۱۰۷ و کتاب الیواقیت الثمینہ فی اعیان عالم المدینۃ تالیف محمد البشیر ظافر الازہری جلد اوّل ص ۲

یہ شخص شعر و سخن میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

قاضی الجمال اتی یجرّد ذیولہ　　کالغصن حرکۃ النسیم الساری
لبس السواد فعاد بدراً فی الدجیٰ　　لبس البیاض فکان شمس النھار

آخر عمر میں مکہ معظمہ چلا گیا اور وہیں سنہ ۱۰۵۰ھ میں موت کے دامن میں منہ چھپا لیا۔[1]

باب ۵۸ - محمد مہدی ازمکی

برزنجی "اشاعہ لاشراط الساعہ" میں لکھتے ہیں کہ جب میں صغیر سن تھا تو کوہ شہر زور کے ایک گاؤں میں جس کا نام ازمک ہے ایک شخص محمد نام ظاہر ہوا جو مہدویت کا مدعی تھا۔ بے شمار مخلوق اس کی پیرو ہو گئی۔ جب یہاں کے امیر احمد خاں کُرد کو اس کے دعاوی واباطیل کی اطلاع ہوئی تو فوج لے کر چڑھ آیا۔ خانہ ساز مہدی خود تو بھاگ گیا لیکن اس کا بھائی گرفتار کر لیا گیا۔ احمد خاں کی فوج نے موضع ازمک کو ویران کر کے اس کے بہت سے پیرؤوں کو سخت بدحالی کے ساتھ ملک عدم میں بھیج دیا۔ غرض وہ سخت ذلیل و رسوا ہوا اور اس کی جمعیت پراگندہ ہو گئی۔ دعوائے مہدویت کے علاوہ اس کے مقالات میں سخت الحاد و زندقہ بھرا ہوا تھا۔ اس لئے علمائے اکراد اس کے کفر پر متفق ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد احمد خاں کی فوج نے مہدی ازمکی پر قابو پا لیا۔ جب وہ گرفتار کر کے احمد خان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے علماء سے استصواب کیا۔ علماء نے بتایا کہ تجدید ایمان کرے اور بیوی کو از سر نو عقد نکاح میں لائے۔ چنانچہ اس نے سب کے سامنے اپنے عقاید کفریہ سے توبہ کی۔ اور نکاح دوبارہ پڑھوایا لیکن اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں نے اپنے دل سے رجوع نہیں کیا ہے۔ اوائل میں تو اس کا بھائی جو قید ہوا تھا اس سے بہت کچھ حسن عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن جب وہ فوج کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس کی بدولت اس کے پیرو اور بستی والے ذلیل ہوئے تو بھائی اس سے بداعتقاد ہو گیا۔ اس کے بعد نہ صرف اس کی صداقت کا منکر تھا بلکہ اسے اس دعوائے مہدویت اور الحاد پسندی پر سخت ملامت کیا کرتا تھا۔ برزنجی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سنہ ۱۰۷۰ھ سے پیشتر میں اسے دیکھنے گیا تھا۔ میں نے اسے بڑا عابد، کثیر الاجتہاد، پرہیزگار، اکل حلال کا پابند، حرام و مشتبہ چیزوں سے متنفر اور خلوت گزین پایا۔

باب ۵۹ - سباتائی سیوی

سنہ ۸۹۷ھ میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی ملک ہسپانیہ (اسپین) سے خارج کئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں سلطنت آل عثمان کا اوج و عروج شباب پر تھا۔ یہود نے اسپین کو الوداع کہ کر ترکی قلمرو کا رخ کیا اور دولت عثمانیہ کے ظل حمایت میں آ کر شہر سلونیکا کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ آج تک ان یہود کی مادری زبان اسپینی زبان ہے۔ راہی

[1] خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۵۰

یہودیوں میں سبا تائی سیوی یا سبا تائی زیبی نام ایک یہودی تھا جو سمرنا میں پیدا ہوا۔ اور ۱۶۶۶ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا۔ سبا تائی کا باپ سمرنا میں ایک انگریز تاجر کے کارخانہ کی دلالی کرتا تھا۔ مگر سبا تائی کو ایام طفولیت سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ اس لئے سلونیکا کے ایک یہودی مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ یہاں اس نے توراۃ اور طالمود کے تمام حصے پڑھے اور ہنوز پندرہ ہی سال کی عمر تھی کہ تحصیل علم سے فارغ ہو گیا۔

مسیح موعود ہونے کا دعوی اب اس نے حصول شہرت کے لئے تذکیر و موعظت کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اچھی طرح شہرت ہو گئی تو چوبیس برس کی عمر میں یکایک مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا اور کہنے لگا کہ میں اسرائیلیوں کو اہل اسلام اور نصاری کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔" ہزارہا مخلوق اسے مسیح اور مظہر شان ایزدی تسلیم کرنے لگی لیکن چونکہ اس دعوی کے ساتھ ہی سبا تائی یہوا کے نام کا کلمہ علانیہ بر سر مجمع عام زبان پر لایا اور یہود میں یہوا رب العزت کا وہ جلالی نام ہے جسے صرف یہود کا پیشوائے اعظم خاص مقام اقدس میں عید فسح کے موقع پر سال میں صرف ایک مرتبہ ورد زبان کر سکتا تھا اس لئے یہودی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ جب یہ خبر ربیوں کے دار القضا میں جو بیت دین کہلاتا ہے پہنچی تو اس کے چند ارکان نے دار القضا کی جانب سے آ کر سبا تائی کو ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ اگر یہ گناہ تم سے پھر کبھی سرزد ہوا تو تم جماعت سے خارج کر دیئے جاؤ گے۔ اور جو شخص تمہیں قتل کرے گا وہ عند اللہ اجر جزیل کا مستحق ہو گا" سبا تائی بھلا ایسی دھمکیوں میں کب آنے والا تھا۔ کہنے لگا کہ مجھے خدا نے اسرافیل نے اپنا مخصوص پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور مجھے خاص طور پر اپنا جلالی نام ورد زبان کرنے کا مجاز کیا ہے۔ ربیوں نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو اسے اپنی جماعت سے خارج کر کے اس کے واجب القتل ہونے کا فتوی دے دیا۔ اس دن سے سبا تائی کے پیرو دونمہ (یعنی خارجی یا رافضی) کے مکروہ لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ مگر دونمہ خود اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ اس تسمیہ کی شاید یہ وجہ ہو کہ دونمہ بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں اور انہوں نے بہت سے اسلامی عقاید و اصول کو اپنے معتقدات میں داخل کر رکھا ہے۔ جب سبا تائی پر کفر کے فتووں کی بھرمار ہوئی اور راسخ العقیدہ یہودی اس کے خون کا پیاسا نظر آیا تو سمرنا کو خیرباد کہہ کر یورپ کا رخ کیا پہلے یورپی ترکی کے شہر سلونیکا میں پہنچا جہاں یہود کی بہت زیادہ آبادی ہے۔ یہاں اس نے کسی قدر کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ سبا تائی کے جدید مسلک میں اس اصول پر بہت زور دیا گیا تھا کہ جو مرد اپنی بیوی سے ناخوش ہو یا اس کی ہم نشینی مرغوب خاطر نہ ہو وہ اسے چھوڑ کر دوسری شادی کرے تاکہ یہ خدائی اصول پورا ہو کر شادی کی زندگی خوشگوار اور پر سرور ہونی چاہیئے چنانچہ اسی اصول کے ماتحت متعدد گلرخ لعبتان زمانہ خود اس کی سلطنت عشق کی باجگذار تھیں۔ اس کے حلقہ ارادت میں عیش و نشاط کی کھیتیاں ہر طرف لہلہاتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے مرید پرانی جوروؤں کو طلاق دیتے اور نئے نئے دُرہائے ناسفتہ سے لذت اندوز ہونے کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ خود سبا تائی بھی نئی نئی دلہنیں بہم پہنچاتا اور پرانی عورتوں کو چھوڑتا جاتا تھا۔ جب اس گروہ میں نکاح و طلاق کی گرم بازاری ہوئی اور مطلقہ عورتوں کے جھگڑے عدالتوں میں جانے لگے تو اس وقت اس مذہب کی حقیقت عالم آشکار ہوئی۔ ترکی حکام نے اس قسم کی طلاقوں پر سخت

گیری شروع کی اور بہت سے ملزموں کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ سباتائی سلونیکا سے یونان گیا وہاں سے اٹلی کی راہ لی اور شہر لیگ ہورن میں ایک اور یہودیہ سے نکاح کیا۔ اس کے بعد اپنے خیالات کی تبلیغ و تلقین کرتا اور طرابلس الغرب اور شام ہوتا ہوا بیت المقدس میں آیا۔

اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کے وعدے

چند روز بعد ناتھن نام ایک یہودی سے ملاقات ہوئی جسے ہم مذاق پا کر اسے اپنے راز میں شریک کر لیا اور اب یہ دونوں اپنی متحدہ کوششوں سے ہمہ تن ایک نیا مذہب قائم کرنے میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ ناتھن نے جس میں سباتائی ہی کی سی جودت طبع ودیعت تھی مسیح کا پیش رو بننے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ اور اس سے جدا ہو کر ہر طرف منادی کرنے لگا کہ "مسیح موعود کے ظہور کا وقت آن پہنچا وہ آج تم ہی میں موجود ہے" وہ لوگوں سے کہتا تھا "سنو اب تم لوگ شریعت کے ناگوار احکام سے آزاد ہو جاؤ گے۔ نہایت اطمینان اور گرمجوشی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا استقبال کرو۔ ان ایام میں عامۂ یہود کے دل ایک اخلاقی اور مذہبی انقلاب کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اور ان میں ١٦٦٦ء کے سال میں اہم اور عظیم الشان واقعات رونما ہونے کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں چلی آتی تھیں اس لئے بہت سے یہودی جہلا اس کے پیرو گئے۔ دوسری طرف خود سباتائی کو جو شہر غزہ میں اپنے دین کی منادی کر رہا تھا نمایاں کامیابی ہوئی اور اس قرب و جوار کے یہودی غیر مذاہب کی غلامی چھوٹنے اور آل اسرائیل کے جد ید اوج و عروج کے اشتیاق میں اپنی معیشت کے مشاغل کو چھوڑ کر زہد اور عبادت گذاری میں منہمک ہوئے اور بڑی بڑی فیاضیاں دکھانی شروع کیں۔ یہاں کے یہود نے قلمروے عثمانیہ کے دوسرے حصوں کے یہود کو مطلع کیا کہ مسیح موعود جس کا انتظار تھا نمودار ہو کر ہم میں موجود ہے۔ ارض شام کے یہود نے جو اس جوش و خروش سے اس دعوی کو تسلیم کیا تو سباتائی کا حوصلہ بڑھا اور اب بڑی شان و شوکت سے اپنے وطن سمرنا میں داخل ہوا اور خاص دار الخلافہ قسطنطنیہ کے یہود کو بھی اپنی طرف مدعو کیا۔ ناتھن ان دنوں دمشق میں تھا وہاں سے اس نے سباتائی کو ایک خط لکھا جس میں اسے "احکم الحاکمین" کے لقب سے خطاب کیا۔ حلب کے یہودیوں کے پاس بھی اس نے ہدایت نامے بھیجے جن کے ذریعہ سے اس کے لوگوں کو اپنے دعووں اور مسیح موعود کے اصول سے مطلع کیا۔ اب سلطنت عثمانیہ میں ہر گاؤں اور ہر شہر کے یہودی غیر معمولی خوشیاں اور مجنونانہ مسرتیں ظاہر کرنے لگے اور بچے بچے کا دل قومی اُمنگوں سے معمور ہوا۔ اس عقیدہ نے کہ اسرائیلیوں کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے والا مسیح موعود مبعوث ہو چکا عام شورش پیدا کر دی۔ دولت عثمانیہ کی مسلم اور نصرانی رعایا یہود کے اس غیر معمولی جوش و خروش پر سخت حیرت زدہ تھی۔ اس خانہ ساز مسیح موعود پر ایمان لانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ بعض شہروں میں تجارتی کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ یہود اس شوق میں کہ انہیں عنقریب غلامی سے نجات ملے گی اور حضرت مسیح موعود انہیں ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوں گے اپنے دنیوی معاملات اور تجارتی کاروبار سے بالکل دست بردار ہو گئے۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ سلطنت عثمانیہ میں دول یورپ کے سفیر جو موجود تھے انہیں ان کی سلطنتوں نے حکم دیا کہ اس نئی مذہبی تحریک کے متعلق تحقیقات کر کے کیفیت پیش کریں۔ جس طرح ہندوستان میں تجارت

ہنود کے دست اختیار میں ہے اسی طرح عثمانی قلمرو میں یہود کے ہاتھ میں تھی عثمانی عمال نے قسطنطنیہ کے باب عالی میں رپورٹ کی کہ ہماری ولایتوں میں کاروبار تجارت بالکل بند ہو گیا ہے۔" اب یہ تحریک ایک وبائی مرض کی طرح ممالک یورپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اٹلی، ہالینڈ اور جرمنی کے اکثر یہودی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنی جائدادوں کو بیچ کر یا یونہی چھوڑ کر حضرت مسیح موعود" کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اب ان حالات سے بھی زیادہ خطرناک صورت یہ نمودار ہوئی کہ یہودی ترک حکام کی اطاعت سے باہر ہونے لگے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عنقریب مسلمان ہمارے غلام اور محکوم ہو جائیں گے

قسطنطنیہ کا محبس بحیثیت زیارت گاہ

انہی ایام میں سباتائی پھر سمرنا آیا۔ وہاں کے مذہبی مقتدا، اور ربی سباتائی کو مسیح موعود تسلیم کرنے میں مذبذب تھے۔ آخر سب سے بڑے ربی نے جو "خاخم باشی" کہلاتا ہے اسے مشورہ کرنے کے بہانے اپنی صحبت میں بلایا۔ سباتائی بلاتامل اس کے پاس چلا گیا۔ اس کے پیرؤوں کا ایک گروہ بھی ساتھ گیا۔ یہ لوگ مکان کے باہر ٹھہرے رہے۔ سباتائی کو بڑے ربی کے گھر سے نکلنے میں زیادہ دیر ہوئی تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید ربی نے "مسیح موعود" کو زبردستی اپنے مکان میں بند کر رکھا ہے فوراً قاضی کی عدالت میں پہنچے اور کہا کہ ہمارے مسیح موعود کی رہائی کا فوراً بندوبست کیا جائے ورنہ بغاوت ہو جائے گی۔ قاضی نے اس جھگڑے کا انفصال ربیوں ہی کے محکمہ دارالقضاء پر محول کیا۔ بڑا ربی کسی طرح سباتائی فتنہ کا استیصال کر دینا چاہتا تھا لیکن اس کے پیرؤوں اور حامیوں کی جماعت اس قدر غالب تھی کہ ان کا کچھ زور نہ چلا اور مجبوراً اسے چھوڑتے ہی بنی۔ سمرنا سے اس نے قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ وہاں کے یہودی بھی جوش و خروش کے ساتھ اس پر ایمان لانے لگے۔ یہاں ایک ذی علم یہودی نحمیا کوہن نے تخلیہ میں سباتائی سے خواہش کی کہ اپنی مسیحیت میں مجھے بھی شامل کر لو۔ سباتائی نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ نحمیا اس کی شکایت لے کر وزرائے سلطانی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر یہ جعلی مسیح فوراً پامال نہ کر دیا گیا تو سلطنت کے امن و امان میں سخت خلل پڑے گا۔" حکام اس مسئلہ پر پہلے ہی غور کر رہے تھے۔ باب عالی کے حکم سے سباتائی قسطنطنیہ میں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ قسطنطنیہ کا محبس واقع قصر ابی ڈوس اس کے پیرؤوں کے لئے ایک بڑی زیارت گاہ بن گیا۔ ان لوگوں کے غول کے غول آتے اور قید خانہ کے ترک محافظوں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر اپنے مسیح کی زیارت کر جاتے تھے اب اس کا شہرہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اس نے اسی محبس میں بیٹھے بیٹھے اپنے مذہب کی از سر نو تدوین کی اور نئے رسوم کو منضبط کیا۔ اس کے پرجوش پیرؤوں نے یہ کارروائی کی کہ قدیم الایام سے جتنی پیشین گوئیاں کتابوں میں چلی آتی تھیں سب اسی سے وابستہ کر دیں اور توراۃ کے بہت سے فقروں میں حسب دلخواہ تحریف و تبدیل کر کے ان میں اس کا نام شامل کر دیا اور محرف فقروں کو قطعات کے طرز پر چوکھٹوں میں لگا کر یا دوسرے طریقوں سے لکھ کر یہود کے معابد میں آویزاں کیا۔

سلطان المعظم کے سامنے اسلام کا منافقانہ اقرار

یہ سلطان محمد رابع کا عہد خلافت تھا۔ قسطنطنیہ اس وقت تک دارالخلافہ نہیں بنایا گیا تھا۔ سلطان محمد کا مستقر خلافت ان ایام میں ادرنہ (اڈریا نوپل) تھا۔ جب سباتائی فتنہ نے خطرناک نوعیت اختیار کی تو سلطان المعظم نے سباتائی کے حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ ادرنہ کے قصر

شاہی میں تخت کے آگے حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ جب تم "مسیح موعود" ہو تو (مسیح علیہ السلام کی طرح) معجزے بھی دکھا سکتے ہو گے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ بے شک دکھا سکتا ہوں۔" سلطان نے کہا اچھا میں اپنے تیراندازوں کو حکم دیتا ہوں کہ تمہیں ہدف سہام بنائیں اگر تیروں نے تمہیں کوئی صدمہ نہ پہنچایا تو سمجھا جائے گا کہ تم واقعی مسیح ہو کیا تم یہ معجزہ دکھا سکتے ہو؟ بارگاہ خلافت کی یہ جاں ربا تجویز سن کر سباتائی کے اوسان خطا ہوئے اور گھبرا کر سوچنے لگا کہ اب بچاؤ کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو ترک سپاہیوں کے تیروں کا نشانہ بن کر جان دوں یا اسلام قبول کر کے جان بچاؤں اتنے میں تیراندازوں کا ایک دستہ بھی سامنے آ موجود ہوا۔ سباتائی تیراندازوں کو ملک الموت یقین کر کے عرض پیرا ہوا کہ خلیفۃ المسلمین! ان تمام سرگرمیوں سے میرا حقیقی مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کی توحید اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی طرف بلاؤں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ان کو مانوس کروں یہی پاک کلمہ میرا شعار ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ روئے زمین کے اسرائیلیوں کو اس کا قائل اور پیرو بنا دوں۔" سلطان نے کہا جس تعدد الملاعین باب عالی میں پہنچیں ان سے تمہارے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔" سباتائی عرض پیرا ہوا جہاں پناہ! میں نے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ جس وقت حضرت ظل سبحانی کے دربار میں رسائی ہو گی اس وقت اپنے ایمان کو برملا ظاہر کروں گا۔" آخر سباتائی نے حلف اٹھایا کہ میں مسلمان ہوں اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ محض ہنگامہ آرائی اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے تھا۔" اس کے بیانات سن کر اس کے پیرو متحیر ہو کر سناٹے میں آ گئے۔ بعض معتقدین تو منحرف ہو گئے اور جو سادہ لوح آج کل کے مرزائیوں کی طرح زیادہ راسخ الاعتقاد تھے۔ وہ سباتائی کے اس حلفی بیان کی اسی طرح تاویلیں کرنے لگے جس طرح مرزا غلام احمد صاحب کی عقیدت کیش امت ان کی جھوٹی پیشین گوئیوں کی تاویلیں کیا کرتی ہے۔

قلعۂ بلغراد کے ایام نظر بندی سلطان نے مستقبل کے ممکن الوقوع فتنہ کی روک تھام کے لئے سباتائی کو بلغراد کے قلعہ میں نظر بند رکھنے کا حکم دیا جو آج کل ملک سربیا (سروبیا یا زیچوسلاویہ) کا پایۂ تخت ہے۔ اور ان دنوں ترکی قلمرو میں داخل تھا۔ یہ دیکھ کر کہ سباتائی جان کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے مخالف یہودی اور دوسرے لوگ اس کے عقیدت مندوں پر لعن طعن کرنے لگے مگر سباتائیوں کے دلوں پر اس کی مسیحائی کے نقش کچھ اس طرح مرتسم ہوئے تھے کہ "حسن اعتقاد" کی رسّی کو کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کہنے لگے کہ اسلام کا ظاہری اعتراف بھی حضور مسیح موعود کی ایک شان مسیحائی ہے۔ آخر ۱۶۷۶ء میں بلغراد ہی کے قید خانہ میں اپنے مریدوں کو داغ مفارقت دے گیا۔ مگر اس کے معتقدوں میں سے اکثر نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا ہے اور کسی روز پھر دنیا میں نزول فرما کر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا کرے گا۔" یہ خیال سباتائیوں کے دلوں میں ایسے وثوق کے ساتھ قائم تھا اور ہے کہ سلونیکا کی زمین دوز مخفی عبادت گاہوں میں جو فرقہ دونمہ نے بنا رکھی ہیں ہر وقت ایک نہایت صاف اور اجلا بچھونا طیار رہتا ہے کہ ہمارے مسیحا صاحب عالم بالا کے سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو انہیں اس قدر طویل سفر کی ماندگی دور کرنے کے لئے استراحت کی ضرورت ہو گی۔ پہلے یہ یقین تھا کہ مسیحا سلونیکا کے پھاٹکوں میں سے "باب دردار" سے شہر میں داخل ہو گا۔ مگر جس زمانہ سے سلونیکا میں ریل جاری ہو گئی یہ خیال پختہ ہو گیا ہے

کہ ان کا مسیحا ریل پر سوار ہو کر آئے گا۔ چنانچہ اب تک سلونیکا کے آخری اسٹیشن پر ہر ریل گاڑی کی آمد کے وقت مسیحا کے استقبال کے لئے کوئی نہ کوئی دونمہ موجود رہا کرتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت چند صدیوں پیشتر شیعوں کی صاحب الزمان حضرت مہدی علیہ السلام کے انتظار میں تھی جبکہ بغداد کے قریب شہر سر من رائے کے غار پر ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا ساز و سامان سے طیار روزانہ جلوس اور باجوں کے ساتھ جاتا اور مغرب کے بعد حضرت امام کے ظہور کا انتظار کر کے نامراد واپس آیا کرتا تھا۔ سباتائی کی ہلاکت کے بعد اس کی ایک بیوہ نے بیان کیا کہ امام سباتائی میرے بھتیجے یعقوب کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے جسے میں نے دس سال کی عمر میں گود لیا تھا دونمہ نے سباتائی کی جگہ یعقوب کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ یہ لوگ اسے بھی مظہر ربانی ماننے لگے۔

دونمہ کی مذہبی دورنگی

سلطان المعظم کے سامنے سباتائی کے اسلام قبول کرنے کا یہ انجام ہوا کہ دونمہ تہ خانوں میں عبادت کدے بنا کر وہاں تو اپنی مخصوص عبادت کرتے ہیں مگر بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں مساجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے ہیں مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں اور انہی کا سا لباس اور وضع و ہیئت اختیار کر رکھی ہے۔ عورتوں کی وضع بھی مسلم خواتین کی سی ہے۔ ان کے چہروں پر بھی مسلمات کی طرح نقاب پڑی رہتی ہے۔ غرض ان کے تمدن و معاشرت میں اسلامی رنگ اس قدر نمایاں ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے اہل اسلام کی طرح سباتائی کے پیرو بھی حج کعبہ ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ یعقوب مذکور اپنے عقیدتمندوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ آیا اور واپس جاتے ہوئے راستے میں طعمۂ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا برخیا مقتدائے امت قرار پایا۔ سباتائیوں نے اسے بھی مظہر شان خداوندی تسلیم کیا۔ سلونیکا میں دونمہ کے قریباً ایک ہزار خاندان موجود ہیں جن کی کل تعداد تو قریباً دس ہزار نفوس کی ہے یہ لوگ جس طرح اپنے کنیسوں میں عبادت کو جاتے ہیں ویسے ہی مسجدوں میں بھی جا کر نماز پڑھتے اور شریک جماعت ہوتے ہیں۔ سباتائی لوگ روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان کے بعض روزے یہودی شریعت کے مطابق ہیں اور بعض اسلامی احکام کے موافق۔ ان کی دوشیزہ لڑکیاں عموماً مسلمان ہمسایوں سے شادی کرنا پسند کرتی تھیں خصوصاً ترکوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان سے پیشتر سلونیکا کی حکومت تھی لیکن انجام کار جب سباتائیوں کو شدت سے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کچھ زمانہ میں ان کی جماعت مسلمانوں میں مدغم ہو کر بالکل معدوم ہو جائے گی تو انہوں نے نہایت سختی سے اس کی روک تھام کرنی چاہی۔ چنانچہ ساری قوم اسی کوشش میں منہمک ہوئی کہ ان کی لڑکیاں دوسری قوموں میں شادی بیاہ نہ کرنے پائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس بندش کے کچھ عرصہ بعد ایک دونمہ لڑکی کا ایک نوجوان ترک پر بے اختیار دل آ گیا۔ ترک بھی شادی کرنے پر راضی ہو گیا لیکن لڑکی کے اعزا و اقارب اس تعلق کے اس قدر خلاف تھے کہ جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس ترک کو چار ہزار پونڈ کی گراں رقم بطور نذرانہ دے کر نکاح کے ارادہ سے باز رکھا۔ کہتے ہیں کہ اگر دونمہ لڑکی کسی دوسری قوم والے کے ساتھ نکل جائے تو پہلے اس کے واپس بلانے میں کوئی تدبیر اور کوشش اٹھا نہیں رکھی جاتی اور جب وہ ہاتھ آ جاتی ہے تو ایک مخفی قومی عدالت کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں وہ ملزم ٹھہرائی جاتی ہے اور ارتکاب جرم کی سزا میں اللہ ہی اللہ

اس کا سفینۂ حیات دریائے عدم میں اتار دیا جاتا ہے۔

دونمہ کے تین گروہ اور ان کے بعض معتقدات

جس طرح ہندوستان کے مرزائی دو جماعتوں میں منقسم ہیں اسی طرح سباتائی تین متمائز گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اول سمرنی (سمرنا والے) کہلاتے ہیں۔ یہ کرامیہ یعنی معزز و شریف کے لقب سے بھی مشہور ہیں کیونکہ اسپین سے آنے والے اسرائیلیوں میں سے اکثر معزز اور عالی نسب خاندان اسی جماعت میں شامل ہیں ان لوگوں کی شناخت یہ ہے کہ ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں۔ دوسرے یعقوبی جو یعقوب مذکور کی طرف منسوب ہیں۔ تیسرے قونیو۔ اس گروہ کا بانی ایک دوسرا یعقوب ملقب بہ قونیو تھا اور اسلامی نام عثمان آقا سے شہرت رکھتا تھا ہر چند کہ ان تینوں گروہوں میں بالکل معمولی فروعی اختلافات ہیں تاہم ان میں سے ہر ایک دوسرے فرقہ والوں کو اپنی مخفی عبادت گاہوں میں شریک نہیں ہونے دیتا مندرجہ ذیل اصولی عقائد میں تمام دونمہ متفق ہیں (۱) تمام انبیائے کرام رب العزت کے مظہر تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی گذرے اسی ہستی مطلق کے مظہر تھے (۲) ان کا عقیدہ تھا کہ ساری دنیا پیروان سباتائی کے لئے ہے اور ترک حکمران صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں ان کا مقولہ ہے کہ کوئی انڈا چھلکے کے بغیر نہیں ہوتا اسی طرح پیروان سباتائی اصل انڈا اور ترک اس کا چھلکا ہیں۔ (۳) کہتے ہیں کہ جنت کی بادشاہی کے وارث صرف پیروان سباتائی ہیں دوسرے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اور ابد الآباد ہیں گے (۴) تمام یہود جو اب تک سباتائی پر ایمان نہیں لائے اس وقت ایمان لے آئیں گے جب انہیں یہ حقیقت نظر آئے گی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء سباتائی ہی کی روح کی چنگاریاں تھیں۔

باب ۱۰۔ محمد بن عبد اللہ کرد

۱۰۷۵ھ میں کوہ عمادیہ علاقہ کردستان میں ایک شخص عبد اللہ نام ظاہر ہوا اس کا دعویٰ تھا کہ میں سادات حسینی میں سے ہوں۔ اس نے اپنے ایک دوازدہ سالہ لڑکے کا نام محمد اور لقب مہدی رکھ دیا۔ اور کہا کہ یہی مہدی آخر الزمان ہے بیٹے کو مہدویت کی مسند پر بٹھا کر یہ شخص خود اس کی طرف سے بیعت لینے لگا۔ قبائل کے بے شمار لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ جن ایام میں سباتائی یہودی نے مسیحیت کا دعویٰ کر کے ترکی قلمرو میں اودھم مچا رکھا تھا انہی دنوں میں مہدی کردی بھی ظاہر ہوا تھا اس اجتماع غریب سے عامۃ المسلمین سمجھنے لگے کہ شاید قیامت قریب آگئی کہ مسیح اور مہدی دونوں ظاہر ہو گئے۔ اس خیال کی بنا یہ تھی کہ قیامت کے علامات کبریٰ میں سے اولین علامت ایک ہی زمانہ میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور جناب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جب عبد اللہ کی جمعیت زیادہ ہوئی تو اسے استعمار اور ملک گیری کی ہوس ہوئی۔ اور اس نے اچانک ولایت موصل میں چند شہروں اور قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر والی موصل نے جو سلطان محمد چہارم کی طرف سے اس سرزمین کا حاکم تھا اس پر چڑھائی کی۔ عبد اللہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور رزم و پیکار میں خون کی ندیاں بہ گئیں انجام کار مہدی اور اس کا باپ منہزم ہو کر گرفتار ہو گئے اور والی موصل نے دونوں کو سباتائی کے اظہار اسلام کے

چند ماہ بعد پابجولاں اسٹنبول بھیج دیا۔ جب باپ بیٹا سلطان محمد چہارم کے سامنے پیش کئے گئے تو عبداللہ روبرو جاتے ہی اپنے اور اپنے بیٹے کے مہدی آخرالزمان ہونے کے دعوے سے دست بردار ہوگیا۔ چونکہ اس نے سلطان کے بعض سوالات کے جواب نہایت معقولیت سے دیئے سلطان نے خوش ہوکر اس کی خطا معاف کردی اور حکم دیا کہ آئندہ دونوں کو ان کے وطن جانے کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ انہوں نے مہدیت کا جھوٹا دعویٰ کرکے ہزارہا عوام کو گمراہ کیا اور دین مبین میں رخنہ اندازی کی۔" کچھ دنوں کے بعد سلطان المعظم نے عبداللہ کو خزانہ سلطانی کے محافظوں کی جماعت میں منسلک کردیا۔[ع]

باب ۶۱۔ میر محمد حسین مشہدی

میر محمد حسین رضوی مشہدی معروف بہ "نمود" و "فرپود" مدعی وحی و بیگو گیت کو سلطان محی الدین عالمگیر اورنگ زیب غازی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دور حکومت میں اسباب غنا و ثروت کی تحصیل کا شوق ہندوستان کی طرف کھینچ لایا۔ ان ایام میں عمدۃ الملک امیر خان صوبہ دار کابل کی فیض گستری کا ایران بھر میں شہرہ تھا۔ میر محمد حسین بھی اپنی امیدوں کو لئے ہوئے عازم کابل ہوا۔ علوم متداولہ میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اہل کابل نے اسے قدردانی اور مردم شناسی کی آنکھوں پر بٹھایا حسن اتفاق سے عمدۃ الملک کے منشی نے اپنا لڑکا تعلیم و تربیت کے لئے اس کے سپرد کردیا۔ اس ذریعہ سے عمدۃ الملک تک اس کی رسائی ہوگئی۔ رفتہ رفتہ امراء و اعیان کے دل میں اس کے علمی تبحر کی دھاک بیٹھ گئی۔ عمدۃ الملک کی بیوی صاحب جی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے اس نے ایک سید کی لڑکی لے کر پال رکھی تھی جو عمدۃ الملک کے پاس نوکر تھا۔ صاحب جی نے عمدۃ الملک سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ذی علم و نیک اطوار سید ملے تو اس کے ساتھ اس کی شادی کردوں گی۔ عمدۃ الملک نے محمد حسین کو اپنی بیوی کے بیان کردہ اوصاف سے متصف پاکر اس سے محمد حسین کے نسب کی بزرگی اور علمی قابلیت کی تعریف کردی۔ صاحب جی یہ سنکر بہت خوش ہوئی اور لوازمات شادی مہیا کرکے لڑکی کو میر محمد حسین کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ اس تقریب سے اسے عمدۃ الملک کے دربار میں اور بھی زیادہ تقرب حاصل ہوگیا اور اہل دربار کی نظر میں اس کی توقیر بڑھ گئی۔ ان تقریبات کی بدولت عمدۃ الملک کے لڑکوں سے بھی اچھے مراسم ہوگئے خصوصاً ہادی علی خاں کو تو اس نے کچھ ایسے شعبدے دکھلائے کہ وہ جدھر جاتا اس کی تعریف کے راگ گانے لگتا لیکن بدقسمتی سے کچھ دنوں کے بعد عمدۃ الملک نے دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کرے اس مقصد کے لئے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ کچھ تحائف دربار شاہی میں پیش کرنے کے لئے فراہم کئے جائیں تاکہ سلطان عالمگیر اورنگ زیب خوش ہوکر کوئی منصب عطا کرے۔ چنانچہ ہزارہا روپے کے نفیس و بیش بہا عطریات کابل اور پشاور سے خرید کر دہلی کو روانہ ہوا لیکن ابھی لاہور ہی میں پہنچا تھا کہ سلطان محی الدین عالمگیرؒ کے رحمت حق میں واصل ہونے کی خبر آپہنچی جس سے اس کی امیدوں کا چراغ گل ہوگیا۔ اور تمام عطریات و روائح طیبہ جو بادشاہ کے لئے فراہم کئے تھے لاہور میں فروخت کرکے فقیری لباس پہن لیا۔

ع الاشاعہ فی اشراط الساعۃ وغیرہ

شاگرد سے نیا مذہب اختراع کرنے کی سازش

محمد حسین کا دماغ نخوت وخود بینی سے بھرا ہوا تھا اس لئے رائج الوقت مذاہب کی پیروی کو باعث عار وننگ سمجھ کر ایک نیا ڈھونگ رچانے کا قصد کیا۔ چنانچہ اپنے شاگرد رشید منشی زو[illegible] سے کہا کہ ایک ایسی مشکل آن پڑی ہے کہ جس کی عقدہ کشائی تمہارے ہی ناخن تدبیر سے ممکن ہے۔ اگر تم تائید ونصرت کا وعدہ کرو تو تم پر وہ راز آشکارا کروں غرض قول وقرار لے کر اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم تم ایک نرالا مذہب جدید قواعد اور نئی زبان میں اختراع کر کے نزول وحی کا دعویٰ کریں۔ اور ایک نیا مرتبہ تجویز کریں جو نبوت اور امامت کے درمیان ہو تا کہ انبیاء اور اولیاء دونوں کی شان اپنے اندر پائے جانے کا دعویٰ درست ہو سکے۔ زر اندوزی کا یہ ایک ایسا ڈھنگ ہے کہ اس سے بہتر اور آسان نسخہ آسمانِ تخیل سے زمین عمل پر نہیں آسکتا۔ دونو اُستاد شاگرد ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ شاگرد نے بڑی گرمجوشی سے اس تجویز کو لبیک کہا۔ اب دونوں کی پستیٔ فطرت اور مفسدہ پردازی کے جوہر اچھی طرح چمکنے لگے اور اُنہوں نے میدان تزویر میں اپنے اپنے مرکب تدبیر کو چھوڑ دیا۔ محمد حسین نے ایک کتاب لکھی جس کو فارسی کے جدید غریب الفاظ سے مزین کیا۔ اس میں متروک وغیر مانوس الفاظ کی خوب بھرمار کی۔ اور بہت سے پرانے فارسی الفاظ عربی طریقہ پر ترخیم کر کے درج کئے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد نزول وحی اور بیگوگیت کا دعویٰ شروع کر دیا اور بیان کیا کہ یہ رتبہ نبوت اور امامت کے مابین ہے اور کہا کہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نو بیگوگ تھے چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی نو بیگوگ تھے۔ اول بیگوگ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تھے دوسرے امام حسنؓ تیسرے امام حسینؓ چوتھے امام زین العابدینؓ پانچویں امام محمد باقرؒ چھٹے امام جعفر صادقؓ ساتویں امام موسیٰ کاظمؒ آٹھویں امام علی رضاؓ امام علی رضا تک امامت اور بیگوگیت دونوں جمع رہیں۔ پھر یہ دونو منصب علیحدہ ہو گئے چنانچہ امام علی رضا کے بعد درجہ بیگوگیت میری طرف منتقل ہو گیا۔ اور امامت امام محمد تقی کو تفویض ہوئی اور میں خاتم بیگوگیت ہوں اور بیگوگیت کی تعداد اس ترتیب کے ساتھ کہ جس کا اوپر ذکر آیا شیعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا لیکن جب اہل سنت وجماعت سے ملتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد بنی اُمیہ اور بنی عباس کے چار پرہیزگار اور نیک کردار خلفاء کے نام لے کر نواں بیگوگ اپنی ذات کو بتاتا اور کہتا کہ مجھے کسی خاص مذہب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ میں تو تمام مذاہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں۔ اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کا جو حمل ساقط ہوا تھا اور جس کا نام محسن رکھا گیا تھا وہ میں ہی تھا۔

مذہبی اختراعات ومحدثات

محمد حسین نے چند قاعدے مقرر کر کے بعض ایام مخصوصہ کو عیدہائے اسلام کی طرح قابل احترام اور جشن مسرت قرار دیا اور اپنے پیرؤوں کو جن کا لقب فرہودی رکھا تھا یہ ہدایت کی کہ ان ایام معدودات کا احترام کریں اور کہا کرتا تھا کہ مجھ پر دو طرح سے وحی نازل ہوتی ہے۔ ایک تو قرص آفتاب پر جب نظر کرتا ہوں تو اس پر کلمات منقوش نظر آنے لگتے ہیں ان سے اکتساب علم کر لیتا ہوں اور آخر کار اس کا نور اس قدر محیط ہو جاتا ہے کہ تحمل برداشت مشکل ہو جاتی ہے بلکہ ہوش وحواس ہی بجا نہیں رہتے دوسرے اس طرح کہ ایک آواز سنائی دیتی ہے چنانچہ وہ کلمات جو اوراق مندوں سے بیان کرتا ہوں اسی آواز سے اخذ کرتا ہوں" اور جس روز اس کے حسب بیان اس پر

پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تھی اس کا نام روزِ جشن قرار دیا۔ اس روز نہایت دھوم دھام سے جشن منایا جاتا۔ اس کے پیرو جمع ہو کر خوشیاں مناتے۔ خوشبو اور عبیر ایک دوسرے پر چھڑکتے۔ یہ خود روزِ جشن کو دو علم ساتھ لے کر تاتاری وضع کی ٹوپی سے کسی قدر اونچی ٹوپی اوڑھتا اور اپنے مریدوں کو ساتھ لئے ہوئے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات دھوبی بھٹیاری کے نام سے مشہور ہیں جاتا اور عالمِ مسرت میں جھوم جھوم کر بیان کرتا کہ پہلی مرتبہ مجھ پر خاص اسی جگہ وحی نازل ہوئی تھی اس مقام کو غارِ حرا سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ یہی تمہارے بیگوگ کا مہبطِ وحی ہے۔ یہی تمہارے قبلۂ حاجات کے کسبِ سعادت کا گہوارہ ہے۔ روزِ جشن سے چھ روز قبل شروع ذوالحجہ سے روزے رکھتا جن میں کسی سے بات تک نہ کرتا تا کہ اممِ سابقہ کے روزۂ صمت سے مشابہت ہو جائے ایسے روزے حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام سے بوقتِ تولد جناب مسیح علیہ السلام بھی مذکور ہیں۔ ساتویں روز جشن کو ختم کر دیتا تھا اس نے اپنے پیروؤں پر نمازِ پنجگانہ کی جگہ ہر روز تین بار دید یعنی اپنی زیارت فرض کی تھی۔ دید کا پہلا وقت طلوعِ آفتاب کے بعد تھا۔ دوسرا دوپہر کا وقت جب کہ آفتاب نصف النہار ہو متعین کیا۔ تیسرا غروبِ آفتاب کا وقت جب کہ کسی قدر شفق آسمان پر باقی ہو مقرر تھا اور دید کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود مع اپنے خلفاء کے درمیان میں کھڑا ہو جاتا تھا مریدوں کو حکم تھا کہ اس کے چاروں طرف مربع صف بستہ کھڑے ہوں اس طرح کہ سب کے منہ ایک دوسرے کے مقابل رہیں پھر ہر صف اس کی طرف منہ کر کے چند کلمے جو اس کے اختراعی تھے پڑھتی۔ اس کے بعد یہ لوگ سر جھکا کر داہنی جانب کو گھوم جاتے تھے۔ اس طرح جو صف شمال کی طرف ہوتی تھی مغرب کی جانب اور مغرب رُخ کی صف جنوب رویہ ہو جاتی تھی۔ جب چاروں صفوں کے آدمی چاروں سمتوں کا مقابلہ تمام کر چکتے تو زمین کی طرف دیکھنے لگتے۔ پھر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے پھر شش جہت کو دیکھتے اس اثناء میں انہی کلمات کا تکرار کرتے رہتے جو ان کے پیر و مرشد نے ان کے لئے تجویز کر رکھے تھے۔ اب زیارت ختم ہو جاتی اور سب منتشر ہو جاتے۔ محمد حسین نے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نقالی کرتے ہوئے اپنے بھی چار خلیفہ مقرر کئے تھے۔ پہلا خلیفہ وہی منشی زادہ جو اس کا شاگرد قدیم اور محرم راز تھا۔ اور اس کا نام اپنی مخترع زبان میں "دوجی" رکھا تھا۔ میر باقر اس کا نسبتی بھائی دوسرا خلیفہ تھا۔ اسی طرح دو خلیفہ اور تھے اور اپنے نام فرپود نمود اللہ اور نمود المنہ رکھے تھے۔ اسی طرز پر اپنے اور اپنے پیروؤں کے عجیب و غریب نام تجویز کرتا رہتا تھا۔ جو شخص بھی اس کے حلقہ میں داخل ہوتا اسے اسی طرز کے انوکھے نام سے موسوم کرتا اور اس تسمیہ کو "نقد نشان" سے تعبیر کرتا۔ اس کے تین لڑکے تھے اوّل نما نمود دوم نفار سوم دید اور دو لڑکیاں نامہ کلاں اور نامہ خورد کے نام سے موسوم تھیں۔ اقربائے زوجہ کے نام نمایار اور نمودیار اور نماد وغیرہ تجویز کئے تھے۔ اور نفار کے بیٹے کا نام نمودید رکھا تھا۔ اور اس کے بعض عزیزوں کے نام حق نما، نمافر، نمود فر تھے۔ غرض اسی قسم کے اور بھی بہت سے مضحکہ خیز نام رکھے تھے۔

دہلی میں فرپودی تحریک کا نشو و نما

فرپودی تحریک کے لئے لاہور کی آب و ہوا کچھ زیادہ سازگار نہ ثابت ہوئی تو دہلی جا کر دھونی رمانے کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر مستقل بود و باش اختیار کر لی۔ ان ایّام میں بادشاہ لاہور آ

دہلی میں بے مزاحمت اپنا رنگ جما یا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دہلی کی مذہبی فضا پر تغیر و انقلاب کا ایک نیا موسم چھا گیا۔ نمود نے ان ایام میں یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا تھا کہ کسی سے کوئی نذرو نیاز قبول نہ کرتا۔ بلکہ اس رقم خطیر کی بدولت جو لاہور میں عطر کی فروخت سے حاصل ہوئی تھی مدت تک خلق سے مستغنی رہا اپنے کو بڑا متوکل ظاہر کرتا تھا قاعدہ کی بات ہے کہ بے طمع فقیر کو بڑی وقعت و اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے زہد و تقدس کا اعتقاد دلوں پر اس طرح مسلط ہوا جس طرح ابر فضائے محیط پر چھا جاتا ہے۔ اسی اثنا میں بہادر شاہ لاہور میں مرگیا اور اس کے بیٹوں میں سلطنت کے متعلق باہم جھگڑے قضیئے پڑ گئے ایسی حالت میں اس کے حال سے تعرض کرنے والا کوئی نہ تھا لہٰذا بے دغدغہ اپنے مذہب کی ترقی و اشاعت میں مشغول ہوا اور بجائے خاموشی سے کام کرنے کے اپنے دعووں کو چکا تھا اعلان کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا۔ بڑے بڑے مستند علماء تو اہل باطل سے الجھنے کے عادی نہیں ہوتے شوق ... کرام کے عدم توجہ کو دیکھ کر عموماً ضعفائے اسلام ہی میدان مباحثہ میں اُترتے ہیں۔ نمود کے مقابلہ میں بھی کم سواد مولوی صاحبان اُترتے رہے جنہیں یہ مجادلہ و مکابرہ سے مغلوب کر لیتا اس وجہ سے عوام کا اعتقاد اس کی نسبت اور بھی راسخ ہو گیا۔ علاوہ ازیں امیر خان عمدۃ الملک کا لڑکا ہادی علی خاں جو آجکل دہلی میں تھا اس کے بڑے ہوا خواہوں میں تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اچھے اچھے مدعیان بصیرت بھی اس کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ بڑے لوگ جس کام کو کرتے لگتے ہیں۔ وہ عوام کے لئے حجت و دلیل راہ بن جاتا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگوں میں اس کے تقدس کا کلمہ پڑھا جانے لگا اور رفتہ رفتہ اس کی جماعت بیس پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کی کجروی اور ضلالت پسندی عاقبت میں جو رنگ لائے گی وہ تو ظاہر ہے لیکن دنیاوی اور مادی نقطۂ نظر سے اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کی تجارت سے بہت کچھ نفع عاجل حاصل کیا اور کوئے گمنامی سے نکل کر مشاہیر عہد کی صف میں جلوہ گر ہو گیا۔

فرخ سیر بادشاہ کی خوش اعتقادی

اب تو فرخ سیر بادشاہ بھی لوگوں کے جوش عقیدت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ دہلی کے بزرگان دین اور مقتدایان ارباب یقین نے بہتیری جدوجہد کی لیکن لوگوں کے اعتقاد کی گرم جوشی میں ذرا فرق نہ آیا۔ فرخ سیر بادشاہ نے تخت دہلی پر قدم رکھتے ہی اس کی زیارت کا قصد کیا۔ چنانچہ چند امرا کو ساتھ لے کر اس کے کاشانہ زہد کی طرف روانہ ہوا جب نمود کو اس کی اطلاع ملی کہ بادشاہ وقت بڑے اعتقاد سے ملاقات کو آرہا ہے تو اس کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور بادشاہ اور ارکان سلطنت کے دلوں پر اپنے زہد و استغناء کا سکہ جمانے کے لئے جھٹ بیٹھ اپنے گھر کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا۔ جب امراء نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی تو جواب دیا کہ جاؤ چلے جاؤ فقراء کو بادشاہوں اور امیروں سے کیا کام؟ تم لوگ کیوں ہمارے مخل اوقات ہوتے ہو؟ جب بادشاہ بہت دیر تک منت سماجت کرتا رہا اور اس کے مریدوں نے بھی بہت کچھ عرض معروض کی تو دروازہ کھول دیا بادشاہ نے بہت جھک کر اس کو سلام کیا اور بمقتضائے ادب دور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ نمود نے ہرن کی کھال بادشاہ کے بیٹھنے کو دی اور یہ شعر پڑھا۔ پوست تخت گدائی و شاہی۔ ہمہ داریم آنچہ مے خواہی

فرخ سیر اس کی بے نیازی اور استغنا کو دیکھ کر پھڑک گیا اور ہزار ہا روپیہ اور اشرفیاں جو نذرانہ کے طور پر لایا تھا پیش کردیں۔ مگر اس گرگ باراں دیدہ نے ان کو قبول نہ کیا اور کہا کہ کیا مسلمانوں کا بادشاہ ایک عزلت نشین فقیر بے نوا کو خاک دنیا کی طرف ملتفت کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتا؟ غرض نذرانہ قبول نہ کیا۔ آخر بادشاہ کے اظہار خلوص و نیازمندی پر اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف کے عوض میں سترّ روپے لے لئے جو اس کی مقررہ قیمت تھی۔ فرخ سیر نے اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف مقدس کو بڑی تعظیم کے ساتھ بوسہ دیکر اپنے سر پر رکھ لیا اور تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہوگیا۔ نمود نے بادشاہ کی روانگی کے بعد یہ روپیہ بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کے حسن اعتقاد اور نمود کے طرز عمل نے لوگوں کو اور بھی زیادہ والہ و شیفتہ بنا دیا اور اب اس کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر کے لاکھوں تک پہنچ گئی۔

گرفتاری کا فرمان اور وزیر کا عارضۂ قولنج میں مبتلا ہونا

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ محمد امین خاں کو وزیر بنا دیا تھا۔ جب وزیر باتدبیر کو نمود کی اغوا کوشیوں کا علم ہوا اور اس نے آفتاب اسلام کی تڑپ رکھنے والے ہزاروں لاکھوں دلوں کو خون ہوتے دیکھا تو اسکو اسیر و دستگیر کر کے ارباب ایمان کی جراحت دل پر ہمدردی کا مرہم رکھنا چاہا چنانچہ اس کو گرفتار کرنے کے لئے پیادے بھیج دیئے۔ لیکن تقدیر الٰہی کی نیرنگیاں دیکھو کہ محمد امین خاں اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہی مرض قولنج میں مبتلا ہوگیا۔ لوگ اس علالت کو نمود کی کرامت اور اس کی بددعا کا اثر سمجھے۔ تاہم کوتوال سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ اس کے دروازے پر پہنچا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً اندر سے پکڑ لاؤ۔ اور اگر چون و چرا کرے تو دست بدست دگرے پا بدست دگرے گھسیٹتے ہوئے باہر لاؤ۔" یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت لوگ نمود کے پاس سے چلے جایا کرتے تھے۔ جب سپاہیوں نے اسکی گرفتاری کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اندر زنان خانہ میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی دل پر یکایک بجلی گری اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے لیکن حتی الامکان استقلال کی باگ ہاتھ سے نہ جانے دی۔ کوتوال کو مکان میں بلایا اور کچھ کھانا بڑے لڑکے کے ہاتھ کوتوال اور سپاہیوں کے واسطے زنان خانہ سے بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ جب تم لوگ اس فقیر کے غریب کدہ پر آئے ہو تو کچھ ماحضر تناول فرماؤ تاکہ فقیر داخل اجر ہو جائے۔ کوتوال نے جب اس نوجوان رعنا اور صاحب جمال زیبا کو دیکھا تو اس پر رحم آگیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے اس کے باپ کو مہلت دے دی۔ اس اثناء میں محمد امین خاں کا مرض قولنج مشیت الٰہی سے اور زیادہ شدید ہوا۔ اس کی خبر ان سپاہیوں کو جو نمود کے مکان پر اس کی گرفتاری کی غرض سے بیٹھے تھے پہنچ گئی۔ وہ گھبرا کر محمد امین خاں کے پاس چلے آئے۔ یہ دیکھ کر نمودیوں کی جان میں جان آئی۔ محمد امین خاں کو بدترین قسم کا قولنج یعنی ایلاؤس کا عارضہ تھا۔ اس وقت وہ درد کے مارے لوٹ رہا تھا اور عالم مدہوشی طاری تھا۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو کوتوال سے پوچھا کہ نمود کو پکڑ لائے؟ کوتوال نے کہا کہ ہم حضور کی علالت کی خبر سن کر بدحواس ہوگئے اور واپس چلے آئے۔ محمد امین خاں نے غیر متزلزل خود اعتمادی اور ناقابل فسخ قوت ارادی کے ساتھ کہا کہ اب تو بے وقت ہوگیا ہے صبح کو ضرور گرفتار کر لانا۔ رات کو بیماری شدت پکڑ گئی اور صبح تک حالت نے ناامیدی کے آثار دکھائے اور ہادی علی خاں جو کابل سے اس کا ہوا خواہ چلا آتا تھا لحظہ بہ لحظہ محمد امین خاں کے جاں بلب ہونے کی خبریں نمود کو پہنچا رہا تھا۔ پہلے تو نمود نے دہلی سے بھاگ

جانے کا قصد کر لیا تھا مگر اشتداد مرض کی خبریں سن کر رک گیا۔ محمد امین خان کی حالت ساعت بہ ساعت نازک ہو رہی تھی اور نمود کا پژمردہ دل دمبدم بشاش ہوتا جاتا تھا۔ جب نمود نے اس کے قریب المرگ ہونے کی خبر سُنی تو اپنے مکان سے باہر آکر مسجد میں جو اس کے گھر کے قریب واقع تھی بیٹھ گیا۔ اس کے مرید بھی محمد امین کی بیماری کی خبر سُن کر اس کے پاس آجمع ہوئے۔

وزیرزادہ کی عذرخواہی اور نمود کا کبر و غرور

قمر الدین پسر محمد امین خاں نے جب اپنے والد کا یہ حال دیکھا تو بہت گھبرایا اور یقین ہو گیا کہ یہ نمود کی ناراضی کا اثر ہے اپنے دیوان کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ اس کی نذر کے لئے بھیجا اور عفو تقصیر کی درخواست کے بعد تعویذ کی التجا کی۔ نمود کو پہلے ہی سے محمد امین کی حالت نزع کا علم ہو چکا تھا۔ بڑے غرور سے کہنے لگا کہ میں نے اس کافر کے جگر پر ایسا تیر مارا ہے کہ کسی طرح جانبر نہ ہوگا اور میں بھی شوق شہادت میں اس مسجد میں آ بیٹھا ہوں اور میرے جدّ بزرگوار (امیر المومنین علیؑ) بھی مسجد ہی میں شہید ہوئے تھے۔ گو میرا شہید ہونا امکان سے باہر ہے کیونکہ ایک دفعہ پہلے ہی شہید ہو چکا ہوں۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ (معاذ اللہ) حمل سے ایک بار ساقط ہو چکا ہوں"! دیوان نے وہ روپیہ نمود کی نذر کر کے قمر الدین کی طرف سے محمد امین خاں کے لئے معافی کی درخواست کی اور تعویذ بھی مانگا۔ نمود نے جواب دیا کہ گوشہ نشین گداؤں کو ستانے کا یہی ثمرہ ہے پانی سر سے گزر گیا اور تیر کمان سے نکل چکا اب اس کا واپس آنا غیر ممکن ہے۔ جب دیوان نے بہت منت سماجت کی تو وجی کو مخاطب کر کے کہا کہ لکھ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ جب یہ لکھا جا چکا تو دیوان کو دے کر کہنے لگا کہ اسے لے جا لیکن میں جانتا ہوں کہ جب تک تو وہاں پہنچے گا۔ وہ رخت زندگی باندھ کر ملک عدم کی جانب کوچ کر چکا ہوگا"۔ دیوان نے روپیہ لینے کے لئے بہت منّت کی مگر قبول نہ کیا۔ اور کہا میں اسے ہرگز نہ لوں گا۔ ہاں اگر فقراء چاہیں تو لے سکتے ہیں مسند نشینوں کے حاشیہ نشین عموماً حریص ہوتے ہیں۔ کاسہ لیسوں نے اس رقم کو آپس میں بانٹ لیا۔ دیوان چلا گیا تو محمد حسین نمود عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ اس کی نجات کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ خلوص دل سے حلقۂ ارادت مندان میں داخل ہو۔ اگر ایسا کرے تو پھر دیکھنا کہ میری قوت اعجاز کس طرح اس کے قالب بے جان میں از سر نو زندگی کی رُوح پھونکتی ہے"؟ دیوان ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اسے محمد امین کے انتقال کی خبر مل گئی۔ اس حادثہ نے فرقہ گم کردگان راہ کے حسبونی ایک حیات تازہ بخش دی۔ نمود کا کنول دل بھی کھل گیا کہ کشتیٔ عزت و وقار نہ صرف ڈوبنے سے بچی بلکہ اس کی کلاہ عظمت پر مزید چار چاند لگ گئے۔ اس کرامت کا دہلی میں بڑا چرچا ہوا شجر بدعت والحاد نے برگ و بار لایا اور اس کے مذہب کی ترقی ساتویں آسمان تک پہنچنے لگی۔ علمائے اُمت جو جوش دین سے لبریز تھے لوگوں کو سمجھاتے تھے کہ اس ابلیس آدم رُو کی پیروی نہ کرو جس کا نصب العین محض حطام دنیا کا اکتساب ہے۔ اور محمد امین کی میعاد زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اس کو نمود کی دعا سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن عقیدت شعاروں کا پایۂ خوش اعتقادی متزلزل ہونے کے بجائے اور زیادہ مضبوط ہوا۔

خلیفہ کا شاگرد کو حصہ دینے سے انکار اور اس کا انجام

نمود کا کوس اَنَا وَلَا غَیرِیْ محمد امین کی رحلت کے بعد دو تین سال تک غلغلہ انداز عالم رہا۔ آخر موت نے اُسے یہ پیغام سُنا کر فضائے پُرشور و شیون میں سکون پیدا کر دیا کہ اب میری حکومت ہے۔ نمود کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نمانمو مسند نشین ہُوا۔ اس نے نذر و نیاز کے اُن حصّوں میں جو دُوجی کے لئے کابل میں باہمی تصفیہ سے مقرر ہوئے تھے۔ اور نمود مرتے دم تک باقاعدہ دیتا رہا تھا۔ از راہ کوتہ اندیشی دست اندازی کرنی چاہی۔ اس بنا پر دوجی اور نمانمو کی آپس میں بگڑ گئی۔ دوجی نے بہتیری منت خوشامد کی اور لاکھ سمجھایا کہ میرے ساتھ جھگڑا کرنا خوب نہیں۔ مگر نمانمو کے سر پر حرص و طمع کا بھُوت سوار تھا کسی بات کو خاطر میں نہ لایا۔ دُوجی نے اس نوجوان صاحب سجادہ کو تخلیہ میں یہاں تک سمجھایا کہ اوّل اوّل کابل میں نمود نے کس طرح یہ تجویز پیش کی تھی کہ تقدس کی ایک دکان کھولیں اور ایک نیا مذہب جاری کر کے زر اندوزی کا ڈھنگ نکالیں؟ اور بیان کیا کہ گو میں شروع ہی میں تمہارے باپ کا شریک کار ہو گیا تھا تاہم بہت دن تک کذب و زُور کی تائید کرتے ہوئے ہچکچاتا رہا۔ آخر نفسانی خواہش غالب آئی اور ان حصوں کی طمع میں جو شروع میں مقرر ہوئے تھے مدت العمر تمہارے باپ کے جھوٹے دعووں کی تائید و تصدیق کرتا رہا اور نمانمو کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جو رونق و ترقی بھی اس مذہب کو آج تک نصیب ہوئی اس میں اس خاکسار کی کوششوں کو زیادہ دخل تھا۔ پس اگر ضد چھوڑ کر وہ حصص جو شروع سے میرے لئے چلے آتے ہیں بے تأمل ادا کرنے کا عہد کرو تو بہتر ورنہ ابھی بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن نمانمو نے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ جب دوجی نے نخل آرزو کے تمام رگ و ریشے نمانمو کے تیشۂ بیدلوسی کٹتے دیکھے تو ناچار اجتماع جشن کی تقریب پر جبکہ فربودی بکثرت جمع ہوتے تھے اور دوسرے تماشائیوں کا بھی بڑا ہجوم ہوتا تھا کھڑے ہو کر ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں فربودی مذہب کی بنیادیں ہلا دیں۔ نمود کی عیّاری اور اپنی شرکت کا سارا ماجرا اوّل سے آخر تک حاضرین کو سنا کر راز سربستہ کے چہرے سے نقاب اٹھا دی اور کہنے لگا دوستو! کیا تم میرا اور نمود کا خط پہچان سکتے ہو؟ بہت سے آدمیوں نے اقرار کیا کہ ہم دونوں کا خط پہچانتے ہیں۔ دُوجی نے وہ مسودات جو نمود نے اور دوجی نے باہم صلاح و مشورہ سے مرتب کئے تھے اور دونوں نے اپنے اپنے قلم سے ان میں ترمیم کی تھی نکال کر دکھائے اور کہا یہ مذہب محض میری اور نمود کی عیّاری سے عرصۂ وجود میں آیا۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہ ہوتی۔ لوگوں نے ان مسودات کو غور سے دیکھا اور حرف بحرف دوجی کے بیان کی تصدیق کی۔ اسی وقت ہزارہا آدمی جن کو خدائے واہب نے فطرت سلیمہ عطا کی تھی اس باطل مذہب سے منحرف ہو گئے۔ لیکن جو شقی ازلی سحر زدگان قادیان کی طرح پتھر کا دل رکھتے تھے اس زرّیں موقع سے فائدہ اُٹھا کر بھی چشمۂ ہدایت سے سیراب نہ ہو سکے۔ اس واقعہ سے گمراہی کی دکان کا موسم بہار خزاں میں تبدیل ہُوا۔ نمانمو یہ کساد بازاری دیکھ کر مایوسیوں اور نامرادیوں کے حصار میں گھر گیا۔ اور جب رہائی کی کوئی صورت نہ نکلی تو مجبوراً دوجی سے از سر نو رابطۂ الفت و یگانگت قائم کرنا چاہا لیکن یہ کوشش بیکار تھی کیونکہ جو خوش نصیب لوگ بے اعتقاد ہو کر دام گمراہی سے نکل چکے تھے ان سے اس بات کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ دوبارہ آ کر حلقہ ہائے دام اپنے پاؤں

میں ڈال لیں گے۔ فربودیوں کی جمعیت گھٹتے گھٹتے دس پندرہ ہزار تک رہ گئی اور آمدنی کے ذرائع مسدود ہونے لگے۔ ناچار منا نمو اس گاؤں میں جو ہادی علی خاں نے اپنی جاگیر میں دوابہ کے اندر دیا تھا جا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد منا نمو تیر قضا کا شکار ہو گیا۔ اور نفضار اس کا جانشین مقرر ہوا۔ چونکہ اس مذہب کے نیر اقبال کو گہن لگ چکا تھا نفضار کی دکان مشیخت کسی طرح نہ چل سکی۔ اکثر فربودی اس مذہب سے بیزار ہو کر اسلام کے سواد اعظم سے جا ملے۔ آخر نصف صدی سے بھی پہلے یہ مذہب کس مپرسی کی گور میں دفن ہو گیا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نفضار کے بعد نمو کے چند اقربا، دہلی چھوڑ کر بحالت تباہ بنگالہ پہنچے۔ وہاں نواب میرن بن نواب جعفر علی خاں نے جو ان ایام میں وہاں کا ناظم تھا، ان مسافران خستہ پا کو آل رسول سمجھ کر اپنے آغوش عاطفت میں جگہ دی اور پانچ روپے روزانہ وظیفہ مقرر کر کے بسر اوقات کی سبیل پیدا کر دی[1]

باب ۶۲۔ مرزا علی محمد باب شیرازی

اگرچہ باطنیت مرتدانہ آزادیوں کا دروازہ کھول کر خود کتم عدم میں مستور ہو گئی مگر اس کا زہریلا اثر بابیت اور مرزائیت کی شکل میں آج تک باقی ہے۔ بابیت اور مرزائیت باطنی اصول زندقہ کے نہایت آزاد مسلک ہیں خصوصاً بابیت تو بالکل باطنیت ہی کے کھنڈروں پر قائم کی گئی تھی۔ بابیت کا بانی مرزا علی محمد یکم محرم ۱۲۳۵ھ (۲۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء) کو شیراز میں متولد ہوا۔ اس کا باپ مرزا محمد رضا اوائل عمر ہی میں موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لئے علی محمد اپنے ماموں مرزا علی کے پاس شیراز ہی میں جو بزازی کا کام کرتا تھا چلا آیا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے جو باب کے ڈیڑھ دو سال بعد ۱۲۶۸ھ میں مقتول ہوا کتاب "نقطۃ الکاف" میں لکھا کہ انبیاء کرام امی تھے اور باب بھی امی یعنی ناخواندہ تھا[2]۔ لیکن بہائیوں کی کتاب "دور بہائی" میں لکھا ہے کہ علی محمد باب نے بچپن میں ابتدائی تعلیم شیخ محمد سے جن کا لقب عابد تھا حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد جب علی محمد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی تو بوشہر میں پہلے ماموں کی شراکت میں نیل کا کاروبار شروع کیا لیکن تھوڑے دن کے بعد ماموں سے علیحدگی اختیار کر کے مستقلاً مصروف تجارت رہا اس نے بوشہر ہی میں شادی کی۔ اس بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صغر سنی میں مر گیا۔ پانچ سال تک تجارتی مشاغل میں مصروف رہنے کے بعد نجف کا سفر کیا۔ ایک سال وہاں اقامت گزیں رہا۔ نجف سے کربلا جا کر تین مہینے رہا۔ یہاں سے ارض فارس میں وارد ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس نے بعض محرکات کی بنا پر دعوائے مہدویت کا عزم صمیم کر لیا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ ابتدا ہی سے مہدویت کی رٹ لگائی تو شاید لوگ اس کے سننے کے لئے طیار نہ ہوں۔ نہایت ہوشیاری سے ارادہ کیا کہ پہلے صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کا واسطہ اور ذریعہ بنوں۔ اور جب[3] اہل ایران اس دعوی سے مانوس ہو جائیں تو پھر مہدی موعود ہونے کا اعلان کر دوں۔ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ جب وہ دیکھ لیتے تھے کہ ان کے بندگان مسحور پہلے دعوی کے متحمل ہو گئے تو ایک قدم

[1] سیر المتاخرین ۲ [2] نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن ص ۱۰۹ [3] دور بہائی ص ۱۸

اور بزعم اُن کے گلے میں ایک اور دعویٰ کا طوق ڈال دیتے تھے۔ غرض اس قرارداد کے بعد مرزا علی محمد سنہ ۱۲۶۰ھ میں جبکہ اس کی عمر پچیس سال کی تھی شیراز آیا۔ اور اپنے تئیں باب (دروازہ) کے لقب سے متعارف کرانا شروع کیا۔ بابیت سے اس کی یہ مراد تھی کہ وہ ایک بزرگوار ہستی (مہدی علیہ السلام) کے فیوض کا واسطہ ہے جو ہنوز پردۂ غیب میں مستور ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اسی مستور ہستی کو خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ اے خدائے عزّوجل کے مظہر! میں تجھ پر فدا تو مجھے اپنی محبت کا غلام اپنی الفت کا بندہ بنالے۔ اور مجھے یہ قوت فہم اور ادراک دے کہ میں خدائے بزرگ و برتر کو اپنی نجات ابدی کا حاکم و متولی سمجھوں کہ تو میرے لئے کافی ذریعۂ سفارش ہے۔ اور تیری غلامی میرے لئے باعث فخر اور موجب فوز و فلاح ہے

دعوائے مہدویت

چند روز کے بعد علی محمد نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ جب اس کے دعویٰ کو شہرت ہوئی تو عقیدت شعار لوگ اس کے حلقۂ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ لیکن جمہور نے اس سے شدید انکار کیا۔ البتہ شیخیہ فرقہ کے شیعوں نے جو حضرت مہدی علیہ السلام کی جستجو میں ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے اس کو "مہدی موعود" یقین کیا۔ منجملہ ان لوگوں کے جنہوں نے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا "فخر" اولیت حاصل کیا قابل ذکر یہ لوگ تھے۔ ملا حسین بشرویہ، مرزا احمد ازغندی، ملا صادق مقدس، الشیخ ابو تراب اشتہاردی، ملا یوسف اردبیلی، ملا جلیل اورومی، ملا مہدی کندی، مومن ہندی، جواند ہالنفا، ملا علی بسطامی۔ باب نے ان لوگوں کو اپنے نشریہ کیلئے اکناف ایران میں پھیلا دیا اور خاص خاص قاصدوں کو سلاطین عالم کے پاس بغرض دعوت روانہ کیا۔ اس کے بعد مکہ معظمہ کا قصد کیا۔ مراجعت حرم کے بعد جب اس کے ورود بوشہر کی خبر شیراز پہونچی تو یہاں اسکے خلاف بڑا جوش پھیلا۔ شیعہ مذہب کے علماء نے اس کی تکفیر کی اور قتل و تدمیر کا فتویٰ دیا۔ عامۃ الناس اور طبقہ علماء میں جو برہمی پھیل رہی تھی اسنے حسین خان آجودان حاکم فارس کو سیاست پر آمادہ کیا کہ باب کے سرگرم داعی ملا صادق مقدس کو تازیانہ کی سزا دے۔ اس کے علاوہ ملا صادق مرزا محمد علی بارفروشی اور ملا علی اکبر اردستانی تینوں کی ڈاڑھیاں منڈا کر انہیں کوچہ و بازار میں تشہیر کیا گیا۔ اس کے بعد حاکم فارس نے علماء کی صوابدید پر باب کو طلب کیا اور علماء و فضلاء کی موجودگی میں بڑی سرزنش کی۔ اس کے جواب میں باب نے بھی سخت کلامی کی۔ حاکم نے پیادوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ لاتوں اور گھونسوں سے باب کی تواضع کرنے لگے۔ اور اہانت و تحقیر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ زد و کوب کا اثر باب کے چہرے پر بھی نمایاں ہوا۔ آخر باب کے ماموں علی بزّاز کی ضمانت و کفالت پر اس کو گھر بھیج کر خویش و بیگانہ کی ملاقات سے روک دیا گیا۔ ایک دن شیراز کے قاضی نے اس کو جامع مسجد میں پاکر اس کو مسجد سے باہر ہو جانے کو کہا مگر باہر نکلنے کے بجائے وہ فوراً منبر پر چڑھ گیا اور ایک تقریر کر کے لوگوں کو اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ بہت سے سامعین و حاضرین نے اس کے ہاتھ پر اسی وقت بیعت کر لی۔

شاہ کا باب کے پاس ایک مجتہد بھیجنا

جب محمد شاہ تاجدار ایران کو باب کے دعوائے مہدویت اور اس کی روز افزوں جمعیت کا علم ہوا تو اس نے ایک شیعہ مولوی سید یحییٰ دارابی کو اس بات پر متعین کیا کہ شیراز جا کر باب سے ملاقات کرے اور اس کے دعووں کی حقیقت معلوم کر کے اطلاع دے۔ یحییٰ دارابی نے باب سے تین ملاقاتیں کیں۔ تیسری صحبت میں اس سے خواہش کی کہ سورۂ کوثر کی تفسیر کرے۔ باب نے اسی مجلس میں سورۂ کوثر

کی تفسیر لکھ دی۔ یہ دیکھ کر دارا بی اس کا گرویدہ ہو گیا اور مرزا لطف علی پیش خدمت کو تمام واقعات بیان کرنے کے لئے شاہ کے پاس بھیج کر خود ایران کی سیاحت شروع کر دی اور تمام شہروں اور قصبوں میں پھر کر اس طمطراق سے بابی مذہب کا نشر یہ کیا کہ شیعی علماء نے اس کے جنون اور خلل دماغ کا حکم لگایا۔ ان ایام میں زندان میں ملا محمد علی نام ایک شیعی مجتہد کا طوطی بول رہا تھا۔ ملا محمد علی نے اپنے ایک معتمد کو تفحص حالات کے لئے شیراز روانہ کیا۔ اس نے باب کی بعض تالیفات لے کر مراجعت کی۔ جب ملا مذکور نے باب کی تحریریں پڑھیں تو اس کا والہ و شیدا ہو گیا۔ اور کتابوں کو طاق میں جمع کر کے کہنے لگا طلب العلم بعد الوصول الی المعلوم مذموم" (حصول مقصد کے بعد تحصیل علم مذموم ہے) اس کے بعد اپنے تمام مریدوں اور شاگردوں کو جمع کر کے منبر پر چڑھا اور لوگوں کو بابی مذہب کی دعوت دینے لگا اور باب کے نام ایک مکتوب بھیج کر اس کے دعاوی کی تصدیق کی۔ ملا محمد علی کی دعوت و تبلیغ نے اکثر اہل زنجان کو بابیت کا پیرو بنا دیا۔ زنجان کے شیعی علماء لوگوں کو وعظ و نصیحت کی تبریدیں پلاتے تھے مگر اہل زنجان پر ملا محمد علی کا جادو چل چکا تھا۔ ان کی حرارت اعتقاد میں کچھ فرق نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر شاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ نے ملا محمد علی کو طہران طلب کر کے علماء کی مجلس میں حاضر کیا۔ ملا محمد علی نے آج کل کے مرزائیوں کی طرح خوب کج بحثی کی۔ علماء نے بہتیری کوششیں کیں مگر اس کو مغلوب اور لاجواب نہ کر سکے۔ یہ حالت دیکھ کر شاہ نے ایک عصا اور پچاس تومان زر نقد دے کر اسے مراجعت کی اجازت دے دی۔ علماء نے حسین خاں حاکم فارس سے کہا کہ تعذیب و تفضیح کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا گیا پھر بھی یہ فتنہ کسی طرح دبتا نظر نہیں آتا۔ اب انطفائے فتنہ کی یہی ایک صورت ہے کہ باب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور یہ اقدام بدیں وجہ اور بھی ضروری ہے کہ باب کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ خروج و بغی کا حوصلہ رکھتا ہے۔ حاکم فارس نے عبد الحمید خاں کوتوال کو حکم دیا کہ نصف شب کے وقت باب کے ماموں کے گھر پر ہجوم کر کے باب اور اس کے تمام پیرووں کو گرفتار کر لے۔ کوتوال نے پولیس کی جمعیت کے ساتھ چھاپہ مارا۔ وہاں باب اس کے ماموں اور سید کاظم زنجانی نام ایک بابی کے سوا کوئی نہ ملا۔ یہ تینوں دست بستہ حاضر کئے گئے۔ حسین خاں نے باب کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ شہر سے چلا جائے۔ باب نے شیراز کو الوداع کہہ کر اصفہان کا قصد کیا۔ یہ تو کتاب "مقالہ سیاح" میں مذکور ہے لیکن باب کے مرید خاص حاجی مرزا جانی کاشانی نے کتاب "نقطۃ الکاف" میں لکھا ہے کہ حاکم شیراز نے حکم دے رکھا تھا کہ باب کسی شخص سے ملاقات نہ کرے۔ حمام کے سوا کہیں باہر نہ جائے۔ نہ کسی کا کوئی نوشتہ وصول کرے اور نہ کسی تحریر کا جواب دے۔ ان امتناعی احکام کے باوجود باب لوگوں سے مخفی ملاقاتیں کرتا اور ہر وقت اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا جب مخالفوں کو اس کا علم ہوا تو وہ ۱۲ رمضان کی شب کو اس کے مکان میں گھس پڑے اور دشنام دہی کے بعد باب کو بہت کچھ مارا پیٹا۔ اس کے بعد اس کے پیرووں کو بھی زد و کوب کیا اس لئے باب نے شیراز کو الوداع کہنے کے قصد سے اپنے ایک مرید آقا محمد حسین اردستانی کو پچاس تومان (تقریباً ہزار روپیہ) دے کر تین گھوڑے خریدنے کو کہا۔

عـــہ بابیوں کی کتاب "مقالہ سیاح" مطبوعہ یونیورسٹی پریس کیمبرج ص ۷ ــ ۱۵

اس نے گھوڑے خریدے اور باب نے اپنے دو فدائیوں کے ساتھ شیراز سے اصفہان کا راستہ لیا۔ حاجی مرزا جانی مؤلف نقطۃ الکاف[۱] آقا محمد حسین اردستانی کے اخلاص کے متعلق لکھتا ہے کہ تیر اسی کے پاس تھے۔ شاہی لشکر نے محمد حسین کو گرفتار کر لیا اور اسے تیروں سمیت اپنے فوجی سردار کے پاس لے گئے۔ بابیوں نے اس وقت ایک قلعہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ سردار نے اس سے قلعہ اور قلعہ گیر بابیوں کے حالات دریافت کئے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ فوج کے افسروں نے بہتیرا سر مارا لیکن اس نے مہر سکوت توڑی۔ اس سے کہا گیا کہ اگر تو نہیں بتاتا تو ہم ابھی تیری گردن مارے دیتے ہیں۔ کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو گی کہ حضرت قائم علیہ السلام (باب) کی راہ میں مارا جاؤں۔" سردار پوچھنے لگا "اچھا بتاؤ تمہیں کس طرح ہلاک کیا جائے؟" کہنے لگا وہ طریقہ اختیار کرو جو میرے حق میں سب سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔ بندوق اس کی داہنی آنکھ کے ساتھ ملا کر چلا دی گئی اور اس نے آناً فاناً فنا کا جام پی لیا۔

حاکم اصفہان کی گرویدگی بابیت

جب باب اصفہان پہنچا تو معتمد الدولہ منوچہر خاں حاکم اصفہان اس کا معتقد ہو گیا اور درپردہ اس کا مذہب قبول کر لیا۔ باب اہل اصفہان کو کھلے بندوں اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ علماء اور تمام حامیانِ مذہب نے مخالفت کی۔ اور اصفہان میں بڑی شورش برپا ہوئی۔ آخر بعض آدمیوں نے اس کی سرکوبی کا قصد کیا۔ باب کو معلوم ہوا تو وہ ایک سرائے میں چھپ گیا۔ لوگوں نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن معتمد الدولہ نے اس کی ہر طرح سے حفاظت کی چند روز کے بعد معتمد الدولہ نے شیعی علماء کو مغلوب و لاجواب کرانے کے خیال سے ایک مجلس مناظرہ قائم کی شیعوں کی طرف سے مرزا سید محمد آغا محمد مہدی اور مرزا محمد حسن مباحثہ کے لئے منتخب ہوئے۔ آغا مہدی نے باب سے سوال کیا کہ مجتہد لوگ خود ہی قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کرتے ہیں لیکن جنہیں اتنی قابلیت نہیں ہوتی وہ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے کس گروہ میں شامل ہیں؟ باب "میں کسی کی تقلید نہیں کرتا اور نہ مجتہدین کی طرح قیاس سے کام لیتا ہوں بلکہ میرے نزدیک قیاس فقہی حرام و ناجائز ہے"۔ آغا مہدی آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے جس سے ثابت ہوا کہ آپ مجتہد ہیں۔ لیکن آپ مجتہد بھی نہیں بنتے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن مسائل پر آپ کا عمل ہے اور جن کا آپ حکم دیتے ہیں وہ قیاسی نہیں یقینی ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کی حجت (مہدی علیہ السلام) غائب ہے لہذا جب تک امام آخر الزمان کا ظہور نہ ہو لے اور کوئی شخص خود ان کی زبان مبارک سے مسائل فقہ کو نہ سن لے وہ اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مسائل مستخرجہ یقینی ہیں۔ پس آپ پر اپنے مسائل کے یقینی ہونے کا ثبوت لازم ہے"۔ باب "تیری کیا حقیقت ہے کہ مجھ جیسے شخص سے جس کا مقام قلبی ہے مباحثہ کر سکے۔ یہ باتیں تیری عقل کی رسائی سے دور ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ فضول بکواس کرے اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہ"۔ مرزا محمد حسن "شاید آپ کو بھی اس امر سے انکار نہ ہو گا کہ جو شخص مقام قلب پر پہنچ جاتا ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ جب آپ بھی اس مقام پر پہنچے ہیں تو ضرور ہے کہ جو بات آپ سے پوچھی جائے آپ اس کا جواب دیں"۔ باب "بیشک تمہارا خیال درست ہے

---

[۱] نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن ص ۱۱۵ -

جو پوچھنا چاہو پوچھو جواب دُوں گا" محمد حسن "حدیث میں ہے کہ حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ السلام ایک ہی رات میں بیک وقت چالیس آدمیوں کے مہمان ہوئے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کو عقلی دلائل سے ثابت کیجئے۔ اسی طرح چند اور امور کی نسبت جو عقلاً محال ہیں سوال کیا۔ باب "یہ باتیں نہایت دقیق ہیں اگر چاہو تو اس کو نہایت تفصیل سے لکھ دیتا ہوں" محمد حسن "اچھا لکھ دیجئے"۔ باب نے لکھنا شروع کیا۔ اتنے میں کھانا آ گیا اور سب لوگ کھانا کھانے لگے جس وقت لوگ فارغ ہو کر جانے لگے تو اس وقت باب نے اپنی تحریر ان کے حوالے کی۔ مرزا محمد حسن نے اس کا مطالعہ کر کے کہا کہ "یہ تو ایک خطبہ ہے جس میں کسی قدر حمد اور نعت اور باقی مناجات ہے لیکن جن امور کی نسبت سوال کیا گیا تھا ان میں سے کسی کا جواب نہیں"۔ بہت سے لوگ تو پہلے جا چکے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ بھی چلتے پھرتے نظر آنے اور مباحثہ یوں ہی ناتمام رہ گیا۔ لیکن باوجودیکہ اس مباحثہ میں باب کو نیچا دیکھنا پڑا اور وہ ذلت سے ہمکنار ہُوا لیکن معتمد الدولہ کے پائے اعتقاد میں کچھ بھی تزلزل رونما نہ ہوا۔ چونکہ وہ علانیہ باب کی تائید نہیں کر سکتا تھا اور عوام کا جوش دمبدم ترقی کر رہا تھا اس نے غضب آلود عوام کی تسکین کے لئے بظاہر تو یہ حکم دیا کہ باب کو طہران پہنچا یا جائے لیکن درپردہ اپنے چند خاص سواروں کے ساتھ اصفہان سے باہر بھیج دیا۔ جب باب موضع مورچہ خوار میں پہنچا تو مخفی طور پر پھر اصفہان آ جانے کا حکم دیا۔ اور اپنی خلوت خاص میں اس کو جگہ دی۔ باب کے چند پیرؤں اور معتمد الدولہ کے بعض خاص معتمد لوگوں کے سوا کوئی شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ باب معتمد الدولہ کے پاس نہایت عیش و راحت کے دن کاٹنے لگا۔ معتمد الدولہ نے باب سے کہہ دیا تھا کہ "آپ کو میرے مال و اسباب میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا حق ہے"۔ چار ماہ کی مدت اسی طرح گزر گئی۔ اتنے میں معتمد الدولہ نے ملک عدم کو نقل مکان کیا۔ اور مرنے سے پہلے اپنی ساری جائداد باب کے نام ہبہ کر گیا۔ جب معتمد الدولہ کے بھتیجے مرزا گرگین خان نائب الحکومت کو جو معتمد الدولہ کے بعد اصفہان کا حاکم مقرر ہُوا تھا معلوم ہوا کہ باب خلوت میں موجود ہے تو باب کی موجودگی اور باب کے نام معتمد الدولہ کے جائداد ہبہ کر جانے کی کیفیت حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم کو طہران لکھ بھیجی۔ وزیر اعظم نے حکم دیا کہ باب کو بہ تبدیل وضع وہیئت بھیجا جائے اور معتمد الدولہ کی جائداد کا اس کو ایک حبہ بھی نہ دیں۔

قلعہ ماہکو میں نظربندی مرزا گرگین خاں نے باب کو بلا بھیجا اور کہا کہ یہاں کے لوگ آپ کے دشمن ہو گئے ہیں خصوصاً طبقۂ علماء آپ کے قیام اصفہان کے خلاف ہے اس لئے قرین مصلحت یہ ہے کہ آپ طہران تشریف لے جائیں۔ باب نے کہا اچھا ہم چلے جائیں گے۔ حاکم نے کہا بہتر ہے کہ آج ہی رات تشریف لے جائیے۔ باب نے کہا کہ اس وقت آدمی موجود نہیں ہیں اور سفر کا تدارک بھی مہیا نہیں ہے"۔ حاکم نے کہا میں آدمی آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں وہ آپ کو طیاری سفر میں مدد دیں گے۔ غرض حاکم نے بارہ سوار متعین کر کے حکم دیا کہ وہ باب کو جلد اصفہان سے لے جائیں چنانچہ بڑی عجلت کے ساتھ اسباب سفر درست کر کے باب کو رخصت کر دیا گیا۔ باب نے اصفہان میں بھی شادی کر لی تھی اس کو بیوی سے ملنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ یہ ایسی قہر آمیز اور اندوہناک حالت تھی کہ باب عالم رنج و اضطراب میں مقاطعہ جوعی پر آمادہ ہُوا اور کاشان تک کچھ نہ کھایا۔ باب کے چند پیرو جو رفقائے سفر تھے اپنے

مقتداء کی فاقہ کشی پر سخت مضطرب ہوئے اور انہیں اندیشہ ہُوا کہ کہیں گرسنگی سے ہلاک نہ ہو جائے۔ بڑی منتیں کیں لیکن باب نے کھانا تناول نہ کیا۔ آخر کاشان پہنچ کر شیخ علی خراسانی کی استدعا پر دو دن کے بعد کھانا کھا لیا جب باب اصفہان سے چلا آیا تو راستہ میں وزیر اعظم کی طرف سے باب کو تبریز اور ماہکو لے جانے کا دوسرا حکم آ پہنچا۔ باب کو کاشان سے موضع خانلق اور وہاں سے تبریز پہنچایا گیا۔ یہاں آکر باب کو معلوم ہُوا کہ ہماری منزل مقصود تبریز نہیں بلکہ ماہکو ہے۔ باب نے اپنا ایک قاصد شاہزادہ بہمن میرزا حاکم تبریز کے پاس بھیج کر اس سے درخواست کی کہ وہ تبریز ہی میں قیام کی اجازت دے۔ کیونکہ ہمیں ماہکو کا سفر ناگوار ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تم انکار کرو گے تو خدا تم سے اس کا انتقام لے گا۔ حاکم تبریز نے جواب دیا کہ اس میں میری مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ طہران سے جو حکم آتا ہے اسی کی تعمیل کی جاتی ہے۔" جب قاصد نے واپس آکر باب کو حاکم کا یہ جواب سنایا تو آہ بھر کر کہنے لگا میں قضائے الٰہی پر راضی ہوں۔" یہ لوگ چند روز تک تبریز سے باہر ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد سواروں نے آکر کہا کہ اُٹھیے روانہ ہو جیئے۔" باب نے چلنے سے پہلے اپنے قاصد سے کہا کہ ایک دفعہ شاہزادہ بہمن میرزا کے پاس دوبارہ جاکر اتمام حجت کر دو۔ اور اس سے کہہ دو کہ میں تبریز سے حرکت نہیں کروں گا بجز اس صورت کے کہ مجھے قتل کر کے لے جائیں۔ قاصد نے باب کا پیغام پہنچایا۔ شاہزادہ اصلا خاطر میں نہ لایا۔ اور قاصد افسردہ دل واپس آیا۔ سواروں نے روانگی کے لئے کہا لیکن باب نے چلنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک سوار اس غرض سے آگے بڑھا کہ باب کو پکڑ کر اُٹھائے اور گھوڑے پر لاد دے۔ یہ رنگ دیکھ کر باب چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر ماہکو پہنچے اور اسے پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ میں رکھا گیا [ع۱]۔

مہدی موعود کے اخلاق عالیہ کا نمونہ

بعض احباب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ملفوظات پڑھ کر یہ رائے قائم کیا کرتے ہیں کہ قادیان کے "مسیح موعود" صاحب فن دشنام گوئی میں لکھنؤ کی بھٹیاریوں سے بھی گوئے سبقت لے گئے تھے لیکن میں ان حضرات کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی دشنام دہی کچھ قادیانی مسیح موعود پر موقوف نہیں تھی بلکہ قریب قریب سارے جھوٹے مدعی گالیوں کے ناقابل مدافعت اسلحہ سے مسلح رہے ہیں۔ حاجی میرزا جانی کاشانی نے جو باب کے ممتاز ترین مریدوں میں تھا کتاب "نقطۃ الکاف" میں اپنے مہدی موعود کے اخلاق عالیہ کے چند نمونے درج کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ماہکو کا ایک بہت بڑا عالم باب کے پاس آیا اور اس سے چند باتیں دریافت کیں۔ سوالات کے سلسلہ میں اس کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا جسے باب نے سوء ادب پر محمول کیا۔ باب نے آپے سے باہر ہو کر عصا اُٹھایا اور اس کو بے تحاشا پیٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ عصا اس کے جسم پر ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آقا سید حسین عزیز کو جو ہر وقت حضور میں حاضر رہتا تھا فرمایا کہ اُس کتے کو مجلس سے نکال دو"۔ وہ عالم مجلس سے نکال دیا گیا حالانکہ وہ بہت بڑا بارسوخ مجتہد تھا اور شہر ماہکو میں جو قریباً تین ہزار خوانین تھے وہ سب اس کا احترام کرتے تھے [ع۲]۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے ایک اور واقعہ لکھ کر بھی اپنے

ع۱ نقطۃ الکاف ص ۱۲۲-۱۳۰ ع۲ ایضاً ص ۱۳۱-۱۳۲

مہدی موعود کے اخلاق پر روشنی ڈالی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ علی خاں حاکم ماہکو نے باب کو لوگوں سے ملنے اور خط وکتابت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود باب کے پاس عقیدت شعاروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور باب اپنے مذہب کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہا۔ یہ دیکھ کر حاکم نے حکام بالا کو لکھ بھیجا کہ یہاں باب لوگوں سے کھلم کھلا ملتا ہے اور اس جگہ اس کی حفاظت کے سامان بھی ناکافی ہیں اس لئے اسے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے" چنانچہ باب کو سہ سالہ قیام کے بعد قلعہ چہریق کو بھیج دیا گیا۔ جب باب ماہکو سے روانہ ہوتے وقت سوار ہوا تو علی خاں حاکم ماہکو معذرت کرنے لگا کہ میری حقیقی خوشی اس میں تھی کہ آپ یہیں رہتے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ کو یہاں سے منتقل ہونا پڑا۔ باب نے جواب دیا اے ملعون! کیوں جھوٹ بکتا ہے، خود ہی لکھ بھیجتا ہے اور خود ہی عذر کرتا ہے۔ غرض چہریق کا راستہ لیا۔ قلعہ چہریق شہر ارومیہ کے پاس ہے۔ ارومیہ کے حاکم کا نام یحییٰ خاں تھا۔ باب چہریق لا کر یحییٰ خاں کے سپرد کیا گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ مجتہدین کے فتووں اور انواع و اقسام کی ضرب اور نفی و حبس کے باوجود بابی فرقہ روز بروز ترقی کر رہا تھا کیونکہ حق کی طرح شجرۂ باطل بھی برابر نشو و نما پاتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ اس وقت ایران میں ہر طرف بحث و جدال کا بازار گرم تھا اور ملک کے طول و عرض میں کوئی مجلس ایسی نہ ہوگی جس میں بابی تحریک کے سوا کوئی اور گفتگو ہوتی ہو۔ اس اثنا میں باب کے پیرو دل نے ملک کے مختلف حصوں میں فساد برپا کر کے بعض مقامات پر مسلسل کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ قلعہ چہریق کی سہ ماہہ اقامت کے بعد تبریز کے اجلۂ علماء اور فضلائے آذر بائیجان نے شاہ اور دوسرے حکام طہران کو باب اور بابیوں پر غیر معمولی تشدد کرنے کے لئے لکھا۔ لیکن انہوں نے مناسب خیال کیا کہ باب کو علماء کے مقابلہ میں جواب کہا جائے۔ چنانچہ ۱۲۶۳ھ میں یعنی باب کے ادعائے مہدویت کے تین سال بعد محمد شاہ والی ایران نے اپنے ولیعہد ناصر الدین شاہ کو جو اس وقت آذر بائیجان کا گورنر تھا لکھ بھیجا کہ باب کو قلعہ چہریق سے بلوا کر علماء سے اس کا مناظرہ کراؤ۔ اسی مضمون کا ایک خط حاجی مرزا آقاسی وزیر اعظم نے بھی ولیعہد کو لکھا جس میں شاہ کے حکم کی تعمیل پر بڑا زور دیا تھا۔ ولیعہد نے حکم دیا کہ باب کو تبریز میں حاضر کریں۔ جب باب تبریز آیا تو اس سے اتنی رعایت کی گئی کہ قید خانہ میں رکھنے کے بجائے کاظم خاں داروغہ فرش کے مکان میں اتارا گیا۔

مناظرۂ تبریز دوسرے دن تبریز کا مجتہد اعظم ملا محمود جس کا خطاب نظام العلماء تھا ملا محمد مامقانی، مرزا احمد امام جمعہ، مرزا علی اصغر شیخ الاسلام اور دوسرے شیعی مجتہدین بھی جمع ہوئے۔ باب بھی بلایا گیا اور مباحثہ شروع ہوا۔ نظام العلماء "آپ کس منصب کے مدعی ہیں" ؟ باب "میں وہی ہوں جس کا ہزار سال سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ نظام العلماء "آہا! آپ صاحب الامر (مہدی علیہ السلام) ہیں" ؟ باب "بیشک" نظام العلماء "آپ کے مہدی موعود ہونے کی کیا دلیل ہے" ؟ باب نے اپنی مہدویت کے ثبوت میں قرآن کی بہت سی آیتیں اور بعض دوسری عبارتیں پڑھ دیں اور کہنے لگا کہ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کی ہر آیت میرے دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔ نظام العلماء "آپ کا کیا نام ہے"،

عہ نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن ص ۱۳۳

باپ کا کیا نام تھا؟ ولادت کہاں ہوئی؟ عمر کتنی ہے؟" باب "میرا نام علی محمد ہے۔ والد کا نام مرزا رضا ہے۔ ولادت شیراز میں ہوئی اور عمر ۲۵ سال کی ہے"۔ نظام العلماء "صاحب الامر کا نام محمد، اُن کے والد کا نام حسن، ان کی جائے ظہور سُرمن رائے اور اُن کی عمر ہزار سال ہے۔ اس لئے آپ کسی طرح صاحب الامر نہیں ہو سکتے" معلوم ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ شیعوں کا ہے۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ اور مکہ معظمہ میں ظاہر ہوں گے"۔ شیعہ کہتے ہیں کہ مہدی موعود حضرت حسن عسکری کے فرزند محمد ہیں جو بچپن میں لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو گئے تھے۔ وہی وقت معہود پر ظاہر ہوں گے"۔ لیکن اہل سُنت وجماعت کے نزدیک مہدی علیہ السلام ہنوز پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے وقت پر پیدا ہوں گے لیکن یاد رہے کہ شیعوں نے جو محمد بن حسن عسکری کو مہدی موعود سمجھ لیا تو یہ اُن کی من گھڑت تجویز ہے یہ لوگ کسی صحیح روایت سے اس دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتے۔ باب اپنی ذات میں حضرت مہدی علیہ السلام کی کوئی علامت اور خصوصیت ثابت نہ کر سکا۔ ناچار کرامت کی ڈینگیں مارنے لگا اور کہا میں اپنی ایک کرامت تم سے بیان کرتا ہوں کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ حاضرین "ہاں کہیئے۔ باب "میری کرامت یہ ہے کہ میں ایک ہی دن میں ایک ہزار بیت لکھتا ہوں" حاضرین "اگر یہ بیان صحیح بھی ہو تو اس سے صرف اتنا ثابت ہو گا کہ تم ایک زود نویس کاتب ہو۔" ناصر الدین شاہ "اگر تم کرامت دکھا سکتے ہو تو نظام العلماء کا بڑھاپا زائل کر کے ان کو جوان کر دو"۔ باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔ نظام العلماء "صحیفۂ سجادیہ کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں کیا وہ فی الواقع تمہاری تصنیف ہیں؟ باب "یہ سب خدا کی پاک وحی ہے جو مجھ پر نازل ہوئی"۔ نظام العلماء "جب تم صاحب وحی ہو تو اس آیۃ کی تفسیر کرو۔ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ الخ (وہی خدا ہے جو بر تر بارش کے وقت تم کو بجلی دکھاتا ہے جس (کے گرنے) کا ڈر بھی ہوتا ہے اور (بارش کی) امید بھی ہوتی ہے اور گراں بار بادل کو بلند کرتا ہے اور رعد (کا موکل فرشتہ) اس کو حمد وستائش کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اور دوسرے ملائکہ بھی رب جلیل کے خوف سے حمد وثنا میں مستغرق ہیں اور وہ (بادل سے نکلنے والی ناری) بجلیاں بھی مسلط کرتا ہے پھر جس کسی پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے۔ لیکن (با ایں ہمہ قدرت) منکر لوگ (پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے) خدائے واحد کے متعلق مخاصمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ نہایت قوی اور شدید البطش ہے ۱۳: ۱۲) اور ساتھ ہی اس کی نحوی ترکیب بھی بتاؤ"۔ باب سوچنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلماء "اچھا سورۂ کوثر کی شان نزول بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ اس سورہ سے پیغمبر علیہ السلام کی کیا تسلی ہوئی جس کا سورہ میں ذکر ہے"؟ باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔ نظام العلماء، علامہ حلی کے اس قول کا کیا مطلب ہے اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ عَلَى الْخُنْثٰى وَالْخُنْثٰى عَلَى الْاُنْثٰى وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَى الْخُنْثٰى دُوْنَ الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى باب نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلماء "اچھا بتاؤ کہ فصاحت وبلاغت کی کیا تعریف ہے؟ اور ان میں نسب اربعہ میں سے باہم کیا نسبت ہے"۔ باب نے کچھ جواب نہ دیا۔ نظام العلماء "اچھا بتاؤ منطق کی شکل اول کیوں بدیہی الانتاج ہے

باب اس کا بھی جواب نہ دے سکا۔ نظام العلماء ناصر الدین شاہ سے خطاب کر کے: "جناب یہ شخص جملہ علوم سے عاری ہے کسی علم سے اس کو مس نہیں"۔ ایک مجتہد باب کو خطاب کر کے "کیوں صاحب! خدا نے تو کلام الٰہی میں فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ (اللہ کے لئے خمس ہے) فرمایا ہے اور تم نے اپنے کلام وحی میں خمس (پانچواں حصہ) کی جگہ ثلث (تیسرا حصہ) لکھا ہے کیا قرآن کی آیت منسوخ ہو چکی ہے؟ باب: ثلث اس وجہ سے کہ وہ خمس کا نصف ہے یہ سن کر تمام حاضرین کھل کھلا کر ہنسے۔ ملا محمد ماما قانی۔ فرض کیا کہ ثلث خمس کا نصف ہے لیکن اس سے سوال کا جواب نہیں نکلتا۔ آپ وجہ بتلائیے کہ جب خدائے قدوس نے قرآن میں خمس فرمایا تو پھر ثلث کیوں دینا چاہیئے؟ باب: میری ایک کرامت یہ ہے کہ میں فی البدیہہ خطبہ پڑھتا ہوں"۔ یہ کہہ کر پڑھنے لگا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (باب نے ت کو مفتوح اور ض کو مجرور پڑھا حالانکہ صحیح اس کے بالعکس ہے) یہ سن کر حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

ناصر الدین شاہ نے کہا اس جہالت و کوری کے باوجود تم صاحب الامر بنے پھرتے ہو؟ تم ایک مخبوط الحواس آدمی معلوم ہوتے ہو لہٰذا میں تمہارے قتل کا حکم نہیں دیتا۔ البتہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم صاحب الامر ہونے کے دعوٰی میں جھوٹے ہو تنبیہ و تادیب لابد ہے"۔ یہ کہہ کر پیادوں کو اشارہ کیا۔ حکم کی دیر تھی کہ مار پڑنے لگی۔ باب جان بچانے کے لئے پکارنے لگا توبہ کردم۔ توبہ کردم۔ جب اچھی طرح پٹ چکا تو اس کو دوبارہ قلعہ چہریق میں بھیج دیا گیا[1]۔

فصل ۲۔ بابیوں کی مسلح بغاوتیں اور حربی سرگرمیاں

ایک قلعہ کی تعمیر اور دیہات میں غارتگری

جس زمانہ میں علی محمد باب ماہکو اور چہریق میں نظر بند تھا ان ایام میں اس کے پیرووں نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے اور جان بکف ہو کر مسلح بغاوتیں شروع کر دیں۔ باب نے ملا حسین بشرویہ کو ماہکو سے بغرض تبلیغ خراسان بھیجا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ محمد شاہ والی ایران ملک بقا کو انتقال کر گیا تھا اور ناصر الدین شاہ نیا نیا اورنگ نشین سلطنت ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ملا حسین بشرویہ خراسان سے مازندران کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت دو سو تیس بابی اس کے ہمراہ رکاب تھے۔ راستہ میں فیروز کوہ کے مقام پر فریضۂ نماز ادا کر کے منبر پر چڑھا اور دنیا سے دوں کی مذمت کر کے کہنے لگا۔ صاحبو! ہمارا واقعہ حضرت ابو عبد اللہ (امام حسین رض) کے ماجرائی سے مشابہت رکھتا ہے شہادت فی سبیل اللہ کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں جس کسی نے طمع دنیوی کے لئے ہماری رفاقت اختیار کی ہو وہ وطن مالوف کو لوٹ جائے۔ تمام لوگ یقین رکھیں کہ جونہی ہم مازندران پہنچیں گے تیغ جفا کا لقمہ بن جائیں گے۔ جو شخص جانا چاہے وہ ابھی جا سکتا ہے لیکن جو کوئی شہادت کا آبحیات پینا چاہے وہ ہمارا ساتھ دے"۔ یہ سن کر تیس آدمی تو ترک رفاقت کر کے چلے گئے۔ دوسرے

---

[1] مذاہب اسلام ص ۴۱۴ – ۴۱۵ بحوالہ ناسخ التواریخ"

لوگوں نے ملا حسین کو یقین دلایا کہ شہادت اور جان نثاری کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ ملا حسین اس جمعیت کو ساتھ لیکر بارفروش پہنچا۔ "سعید العلماء" نے جو حاکم شہر تھا تنے مسلح بابیوں کو شہر میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی۔ انہوں نے جبراً شہر میں داخل ہونا چاہا۔ اہل شہر مزاحم ہوئے۔ آخر جھگڑا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے کشت و خون تک نوبت پہنچی۔ اس ہنگامہ میں تین بابی اور سات شہری کام آئے اس کے بعد ایک اور جھڑپ ہوئی جس میں چند بابی مارے گئے۔ بابی یہاں سے چل کر قلعہ طبرسیہ کے مقام پر پہنچے۔ اسی اثناء میں ملا محمد علی بارفروشی بھی جو بابیوں میں ایک ممتاز شخصیت رکھتا تھا آکر ان سے ملحق ہو گیا۔ محمد علی نے ملا حسین کو مشورہ دیا کہ اپنے ارد گرد ایک قلعہ بنا لو چنانچہ اس کے حدود بھی متعین کر دیئے۔ بابیوں نے قلعہ طبرسیہ کے قریب رات دن کی محنت و مشقت برداشت کر کے چند ہی روز میں ایک مختصر سا قلعہ تعمیر کر لیا۔ اس کے بعد بابیوں نے ارد گرد کے دیہات کی بے گناہ رعایا کو لوٹ لوٹ کر دو سال کا آذوقہ قلعہ میں جمع کر لیا۔ ایک قلعہ ہاتھ میں آجانے کے بعد ان کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ ایک رات ایک گاؤں پر اچانک یورش کر کے وہاں کے ایک سو تیس جرم ناآشنا باشندوں کو تیغ جفا کی نذر کر دیا۔ اس گاؤں کے باشندوں میں سے صرف وہ لوگ بچ سکے جو قتل عام کے وقت گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بابیوں کو اناج اور مال و اسباب جو کچھ مل سکا اسے قلعہ میں لے آئے۔ اب قلعہ گیر بابیوں کی جمعیت بڑھنے لگی اور سیکڑوں سے ترقی کر کے ہزاروں تک پہنچ گئے۔ جب ان حالات کی اطلاع طہران پہنچی تو شاہزادہ مہدی قلی خاں حاکم مازندران کے نام حکم پہنچا کہ وہ بابیوں پر دھاوا کرے۔" شاہ نے عباس قلی خاں لارجانی کو بھی شاہزادہ کی عون و نصرت پر مامور کیا۔ شاہزادہ نے مازندران سے کوچ کیا اور بابی قلعہ سے قریباً دو فرسنگ کے فاصلہ پر موضع واز گرد میں قیام کیا۔ اس کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ تھی اس لئے گاؤں کے پاس ٹھہر کر عباس قلی خاں کی کمک کا انتظار کرنے لگا۔ اس اثناء میں شاہزادہ نے بابیوں کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں نصیحت کی تھی کہ شوریدہ سری سے باز آؤ۔" اس کے جواب میں ملا حسین اور حاجی محمد علی بارفروشی نے لکھا کہ ہمیں دنیا اور اس کے حظوظ فانیہ سے کوئی سروکار نہیں ہے ہمارا مقصد محض دینی ہے۔ ہماری جماعت بڑے بڑے علماء، سادات اجلاء، متقین نیک کردار اور دوسرے منتخب روزگار حضرات پر مشتمل ہے۔ یہ عاشقان حق راہ محبوب میں دنیا کے تمام مالوفات سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ نفوس قدسیہ بھی برسر حق نہیں ہیں تو پھر کون لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کو خدائے تعالیٰ راہ ہدایت دکھائے گا؟ بہتر ہے کہ ہماری تعذیب و تدمیر سے باز آؤ۔ ورنہ جب تک جسم میں آخری قطرۂ خون موجزن ہے ہم برابر مقابلہ کرتے رہیں گے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مارے گئے تو شہادت کی موت مریں گے اور ہمارے دشمن سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ ناصر الدین شاہ کی بادشاہت باطل ہے اس کے اعوان و انصار جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ سب ابد الآباد آتش الٰہی میں معذب رہیں گے۔ بہتر ہے کہ دنیائے دنی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور حضرت قائم علیہ السلام (باب) پر ایمان لے آؤ۔ ظالم سے مظلوم بننا بہت اچھا ہے ؎

مہدی قلی خاں کے لشکر پر بابیوں کا شبخون

دوسرے دن بابی لوگ تین ہزار کی جمعیت سے مہدی قلی خاں کے لشکر گاہ پر شبخون مارنیکے قصد سے روانہ ہوئے شاہی فوج نے ان کو آتے دیکھ کر گمان کیا کہ عباس قلی خاں کمک لے کر آیا ہے۔ بابیوں نے سب سے پہلے اسلحہ خانہ کا رخ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد نہایت چابکدستی کیساتھ سرکاری بارود خانہ کو نذر آتش کر دیا۔ یہ دیکھ کر شاہی فوج بدحواس ہو گئی۔ بابی باز کی طرح اُن پر جھپٹے۔ اور قتل عام شروع کر دیا۔ اس واقعہ کو مؤلف نقطۃ الکاف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ صدائے ہائے وہوئے وفریاد الحذر الحذر کفار بگوش افلاک رسید اہل حق شمشیر آن قوم ضلالت گزار دہ تار و پود وجود نامسعود ایشاں را از ہم دریدند و لشکریان روئے ہزیمت گذاردہ پس اصحاب محبوسہا سے خود را از قید کفار خلاص نمودہ" اس کے بعد بابیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں شاہزادہ مہدی قلی خاں قیام پذیر تھا۔ اور اس پر تیر اندازی شروع کر دی سوء اتفاق سے اس مکان میں دو اور شاہزادے سلطان حسین میرزا ولد فتح علی شاہ، اور داؤد میرزا ابن ظل السلطان بھی موجود تھے۔ شاہزادہ مہدی قلی تو مکان پر سے کود کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اور دوسرے دونوں شاہزادے عالم سراسیمگی میں بالاخانہ میں جا چھپے۔ بابیوں کی شقاوت قلبی دیکھو کہ انہوں نے مکان کو آگ لگا کر نہایت بے رحمی سے ان دونوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اب بابیوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس اثناء میں ہزیمت خوردہ شاہی فوج پلٹ پڑی مگر صفیں مرتب کرنے کا موقع نہ ملا۔ اور بابیوں نے پھر مار مار کر ان کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ لیکن اس جھپ جھپ میں ایک تیر بابیوں کے سردار ملا محمد علی بارفروشی کے منہ پر آ لگا۔ منہ کے دانت دانہ ہائے انار کی طرح الگ الگ ہو کر گر پڑے۔ اور بارفروشی کا نصف چہرہ مجروح ہو گیا۔ مؤلف "نقطۃ الکاف" نے شاہی فوج کے نقصانات تین ہزار بتائے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے" دراں کارزار قریب بسے صد نفر از ملاعین را بجہنم فرستادہ بودند" مگر یہ بیان سخت مبالغہ آمیز ہے۔ کیونکہ اس وقت شاہی فوج کی کل تعداد ہی دو ہزار سے کسی طرح متجاوز نہ تھی۔

قشون دولت کا اجتماع اور بابی قلعہ کا محاصرہ

بابی غنیمت سے مالا مال ہو کر فتح وفیروزمندی کے نقارے بجاتے ہوئے اپنے قلعہ میں واپس آئے۔ چند روز میں شہزادہ عباس قلی خاں سات ہزار فوج لے کر آ پہنچا اور بابی قلعہ کے سامنے مورچے اور خندقیں بنانے میں مصروف ہوا۔ اس اثناء میں بابیوں سے سرکاری فوج کی متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ ایک رات ملا حسین بشرویہ ملا محمد علی بارفروشی سے کہنے لگا کہ جب آپ کے مجروح چہرے پر نظر پڑتی ہے تو دل دو نیم ہو جاتا ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ جا کر اس کا انتقام لوں" ملا محمد علی ملقب بہ قدوس نے اس کو رزم خوردہ ہونے کی اجازت دی۔ ملا حسین اپنی ساری جمعیت لے کر قلعہ سے برآمد ہوا۔ اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ بابیوں کی عادت تھی کہ لڑائی کے وقت خدا کے کردگار عزاسمہ کی جگہ یا صاحب الزمان اور یا قدوس کہ کر علی محمد باب اور ملا محمد علی بارفروشی سے مخفی استعانت کیا کرتے تھے۔ ملا حسین بشرویہ آغاز معرکہ ہی میں سینے میں ایک جان ستان تیر کھا کر بُری طرح مجروح ہو گیا۔ ملا حسین گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا کہ جھٹ

ع نقطۃ الکاف ص ۱۶۷ - ۱۶۸

ایک بابی عقب میں سوار ہو کر اسے میدان جنگ سے نکال لے گیا۔ لیکن جونہی صحن قلعہ میں پہنچا ملا حسین موت کا شکار ہو گیا۔ بابی بھی مرزائیوں کی طرح مبالغہ اور غلط بیانی کے بڑے بہادر ہیں۔ مؤلف "نقطۃ الکاف" کا بیان ہے کہ پندرہ بابی سواروں نے دشمن کی سات ہزار فوج کو بھگا دیا۔ چنانچہ لکھتا ہے "درین ہنگام پانزدہ سوار از قلعہ برآمدہ و ہمچوں اژدہا دہن کشودہ خود را بقلب آں سپاہ دل سیاہ زدہ سی صدتن از ایشاں را بجہنم فرستادہ و تتمہ ہمچوں روباہ فرار بر قرار اختیار نمودہ۔" مؤلف "نقطۃ الکاف" لکھتا ہے کہ اس کے بعد بڑھئی روزمرہ دشمن کے لشکر میں آکر بُرج کے لئے چہار چوبہ طیار کرتے اور رات کے وقت قلعہ کے پاس لا کر اس کو نصب کرتے تھے۔ اس اثنا میں شاہی فوج کے پاس طہران سے توپ خانہ بھی آ گیا۔ چنانچہ توپیں بھی قلعہ کے اردگرد نصب کی جانے لگیں۔ لیکن کسی بابی کو قلعہ میں سے نکلنے کی جرأت نہیں تھی۔ جب طیاریاں مکمل ہو چکیں تو شاہی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت قلعہ میں بابیوں کے پاس دو سو سے زیادہ گھوڑے، چالیس پچاس گائیں اور تین چار سو بھیڑیں تھیں۔ کچھ مدت کے بعد بابیوں کی رسد ختم ہو گئی اور باہر نکل کر سامان خوراک مہیا کرنے کی بھی کوئی صورت نہ رہی۔ جب گائیں اور بھیڑیں کھا چکے تو مجبوراً گھوڑوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی ختم ہو گئے۔ آخر چار پاؤں کی طرح گھاس کھانی شروع کر دی۔ مرزا محمد حسین قمی اور بعض دوسرے بابیوں نے عالم اضطراب میں ملا محمد علی بارفروشی سے کہا کہ ہمارے آقا و مولیٰ دعا فرمائیے کہ رب شدید العقاب کفار بدنہاد (شاہی لشکر) پر عذاب نازل کرے اور ان بلاکشوں کو ان مصائب سے نجات بخشے۔" بارفروشی نے کہا کہ جب حضرت محبوب چاہتا ہے اپنے محبوبوں کے ساتھ شوخی کرتا ہے اس لئے دوستوں کو چاہئیے کہ اس کی مشیت پر راضی رہیں۔" مرزا محمد حسین قمی جسے شروع میں یہ امیدیں دلائی گئی تھیں کہ بابی ظاہری سلطنت پر فائز ہوں گے اس جواب پر مطمئن نہ ہوا اور جب بارفروشی نے کہا کہ سلطنت سے باطنی سلطنت مراد تھی۔ تو محمد حسین پر بابیت کی قلعی کھل گئی اور بارفروشی سے کہنے لگا۔ کہ اگر اجازت ہو تو میں یہاں سے چلا جاؤں۔" یہ کہہ کر محمد حسین چند آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا۔ اور لشکر شاہی کے قریب پہنچ کر کہنے لگا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں مجھے شاہزادہ کے پاس لے چلو۔" چونکہ یہ شخص صاحب علم و فضل، عالی خاندان اور حاجی سید اسماعیل قمی کا داماد تھا شاہزادہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ جب اس سے بابیوں کے حالات دریافت کئے گئے تو کہنے لگا کہ بابی لوگ دعوے تو بڑے بڑے کرتے ہیں لیکن عمل کسی پر نہیں ان کے عقائد بھی تاویل و باطن کے عقائد ہیں۔ چونکہ مجھے ان کی سچائی اور حقیقت کی طرف سے اطمینان نہ ہوا۔ میں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔[1]

محصورین کی بدحالی، قلعہ پر شاہی فوج کا قبضہ

اب بابیوں کے قویٰ سخت مضمحل ہونے لگے۔ اور طاقت جسمانی دمبدم جواب دینے لگی۔ شاہزادہ نے قلعہ کی چاروں طرف چار بُرج طیار کرا کر ان پر توپیں چڑھا لی تھیں یہ برج اتنے بلند تھے کہ توپ کا گولہ آسانی سے قلعہ میں گر کر پھٹتا اور سخت نقصان پہنچاتا تھا۔ شاہزادہ نے قلعہ پر گولہ باری شروع کی تو بابیوں نے زمین کھودنی شروع کر دی اور زیر زمین خندقوں میں چھپنے لگے۔ بدقسمتی سے مازندران

[1] نقطۃ الکاف ص ۱۸۶ - ۱۸۸ -

کی سرزمین ایسی مرطوب ہے کہ تھوڑی سی زمین کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اس لئے بلاکش محصورین کو پانی اور کیچڑ میں بسیرا لینا پڑا۔ گھوڑے اور ان کی گھاس چٹ کرنے کے بعد بابیوں نے درختوں کے پتے کھانے شروع کر دیئے جب وہ بھی ختم ہوگئے تو گھوڑوں کی چرمیں زینیں چبانی شروع کیں۔ جب یہ بھی نہ رہیں تو گرسنگی سے بیتاب ہو کر قلعہ سے باہر نکلنا چاہتے۔ لیکن جب توپوں کی آتشباری اور تیروں کی بارش ان کے استقبال کے لئے آموجود ہوتی تو مجبوراً قلعہ میں لوٹ جاتے۔ انجام کار محصورین نے انیس دن اس مصیبت سے کاٹے کہ آٹھ پہر میں ہر بابی کو چائے کی جگہ گرم پانی کا ایک ایک پیالہ ملتا تھا۔ انجام کار ان کے شکم پیٹھ سے جا ملے۔ ہر وقت پانی اور کیچڑ میں رہنے کی وجہ سے ان کے کپڑے بھی گل گئے تھے۔ اس لئے ستر پوشی بھی مشکل ہوگئی۔ اب شاہی فوج نے یہ کام کیا کہ سرنگ لگا کر برج قلعہ کے نیچے کی زمین کھود ڈالی۔ اور اس میں بارود بھر کر آگ دکھا دی۔ برج قلعہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ گیا۔ اسی طرح دیوار قلعہ کے نیچے بھی سرنگ لگا کر اور بارود بھر کر اس کو بھی اڑا دیا۔ اور دیوار منہدم ہوگئی۔ ایک بابی آقا رسول بہبہزی شدت گرسنگی کی تاب نہ لا کر اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ قلعہ سے چلا گیا۔ شاہزادہ نے سب کو قید کر لیا۔ اب بابیوں کے سردار ملا محمد علی بارفروشی نے شاہزادہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر ہمیں نکلنے کا راستہ دو تو ہم قلعہ خالی کر کے چلے جائیں۔ شاہزادہ نے اجازت دی۔ ملا محمد علی دو سو تیس بابیوں کے ساتھ جو ہنوز زندہ تھے قلعہ سے برآمد ہوا۔ شاہی فوج نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہزادہ تمام بابیوں کو طوق و سلاسل میں جکڑ کر بارفروش لے گیا۔ وہاں منادی کی گئی کہ ملا محمد علی بارفروشی باہر میدان میں ہلاک کیا جائے گا۔ تماشائی ہر طرف سے امنڈ آئے۔ غضبناک شہریوں میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے محمد علی کو دو ایک طمانچے یا گھونسے رسید نہ کئے ہوں۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مدرسوں کے طلباء آ آ کر اس کے منہ پر تھوکتے اور گالیاں دیتے تھے۔ آخر ہزار ذلت و رسوائی کے بعد اس کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے بابی بھی عفریتِ اجل کے حوالے کر دیئے گئے۔ جب باب کو محمد علی بارفروشی کے مارے جانے کی خبر ملی تو انیس شبانہ روز روتا رہا۔ اس مدت میں اس نے غذا بہت ہی کم کھائی۔ؐ

ہنگامۂ تبریز علی محمد باب نے سید یحییٰ کو بابیت کی تبلیغ کے لئے یزد بھیجا تھا۔ یہ شخص وہاں پہنچ کر بہت دن تک بابیت کی صداقت اور دوسرے ادیان و ملل کی بطالت پر تقریریں کرتا رہا۔ جب لوگ شیعہ مذہب چھوڑ چھوڑ کر باب کے حلقۂ مذہب میں داخل ہونے لگے اور فتنۂ عظیم برپا ہوتا نظر آیا تو حاکم یزد نے یحییٰ کو بلا بھیجا۔ اس نے آنے سے انکار کیا۔ پولیس گرفتاری پر متعین ہوئی اس نے جا کر اس کو زیر حراست کرنا چاہا۔ بابیوں نے پولیس پر حملہ کر دیا۔ جانبین کے متعدد آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ آخر یحییٰ یزد سے شیراز بھاگ گیا۔ اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے لگا۔ آخر حاکم شیراز نے گرفتاری کا حکم دیا۔ اس نے یہاں سے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اب اس نے تبریز جا کر بابیت کی ڈفلی بجانی شروع کی۔ جب تبریز کی فضا مکدر نظر آئی تو حاکم نے یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ تبریز سے چلا جائے۔ اس نے پہلے تو جانے سے انکار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اپنی قلیل جمعیت سے حاکم کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ تو مسجد میں چلا گیا اور منبر پر چڑھ

ؐ نقطۃ الکاف ص ۱۸۶ — ۲۰۸

کر ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں کہا "اے لوگو! میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرزند ہوں۔ آج تمہارے درمیان مظلوم اور ظالموں کے چنگل میں گرفتار ہوں۔ اس لئے تم سے عون و نصرت کا طالب ہوں۔ میرا اس کے سوا کوئی قصور نہیں کہ میں نے اپنی زندگی اعلاء کلمۂ حق کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ میں لوگوں کو صحیح معنی میں اسلام و ایمان کی طرف بلاتا ہوں۔ آج میری حالت وہی ہے جو جد بزرگوار حسینؓ مظلوم کی تھی۔ آج جو کوئی مجھ مظلوم کی آواز پر لبیک کہے گا میری امداد کرے گا۔ اور مجھے ظالموں کے چنگل سے نجات دلائیگا وہ جد بزرگوار کی شفاعت سے بہرہ مند ہوگا۔" یحییٰ نے ایسے رقت آمیز کلمات سے اپنا درد دل بیان کیا کہ حاضرین آبدیدہ ہو گئے۔ بعض نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کہا "اے ابن رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ کی جان اطہر کے قربان ہوں ہم مال، عیال اور جان سے حاضر ہیں۔" اس نواح میں ایک مخروب قلعہ تھا۔ یحییٰ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر اس قلعہ میں جا ٹھہرا۔ حاکم تبریز کو خبر لگی تو اس نے ایک چھوٹی سی جمعیت کو ان کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یحییٰ نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ مدافعہ کرو۔ یہ سن کر ہر بابی اس بات کی آرزو کرنے لگا کہ وہ راہ محبت کا سب سے پہلا شہید بنے۔ ان کا یہ شوق جانبازی اور جذبۂ فدویت دیکھ کر یحییٰ کہنے لگا شیرو کیا دیکھتے ہو۔ ان مکھیوں کو منتشر کر دو۔ بابی ان پر ٹوٹ پڑے۔ جانبین کے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ آخر بابیوں نے اعداء کو بھگا کر فتح و فیروزی کے ساتھ قلعہ میں مراجعت کی۔ جب یہ خبر شیراز پہنچی تو شاہزادہ فرہاد میرزا نے فوج لے کر قلعہ کا رخ کیا۔ لیکن تاخت سے پہلے یحییٰ کو بلا بھیجا کہ بہتر ہے کہ تم رزم و پیکار سے دست بردار ہو کر قلعہ سے باہر چلے آؤ۔ یحییٰ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور شاہزادہ سے آملا وہ دن تو عافیت سے گذر گیا لیکن دوسرے دن بابیوں کو خورشید فتنہ افق بلا سے طلوع ہوتا نظر آیا۔ تمام بابی گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ان کے سر عبرت روزگار بننے کے لئے شیراز بھیج دیئے گئے۔

باب کے مشہور عقیدت مند حاجی میرزا جانی کاشانی مؤلف "نقطۃ الکاف" کا بیان ہے کہ جب سید یحییٰ جسے علی محمد باب نے اپنے مذہب کا نشر کرنے کے لئے یزد اور تبریز بھیج رکھا تھا گرفتار ہوا تو حسن یزدی نام ایک اور بابی بھی سید یحییٰ کے ساتھ قید تھا۔ یہ دونوں تبریز کے قلعہ میں محبوس تھے۔ جب یحییٰ نے فرار کا ارادہ کیا تو حسن سے کہنے لگا کاش! کوئی ایسا شخص ملتا جو میرا گھوڑا قلعہ سے باہر پہنچا دیتا۔ حسن کہنے لگا "جب حکم ہو میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔" یحییٰ نے کہا مگر مشکل یہ ہے کہ اس جرم کی پاداش میں تمہاری گردن ماردی جائے گی۔" حسن کہنے لگا کہ میرے لئے حضرت باب اور آپ کی راہ میں جان دینا نہایت آسان ہے بلکہ اس کے سوا تو میری زندگی کا مقصد ہی کچھ نہیں۔" جب حسن نے پہرہ داروں کو غافل پایا تو گھوڑا باہر لے گیا لیکن معاً گرفتار کر لیا گیا۔ جب حاکم کے سامنے لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ اس کو توپ سے اڑا دو۔ جب حسن کی پیٹھ توپ کے منہ سے باندھی گئی تو ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا کہ یہ میری زندگی کے آخری لمحے ہیں۔ خدا کے لئے میری ایک درخواست قبول کرو۔" انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ حسن بولا کہ پیٹھ کے بجائے میرا منہ توپ کی طرف رکھو۔ انہوں نے کہا اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ حسن کہنے لگا "میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ توپ کس طرح چلتی

۱؎ نقطۃ الکاف ص ۲۲۳ — ۲۲۹

اور راہِ محبوب میں کس طرح لقمۂ اجل بناتی ہے؟ اس قسم کے واقعات سے معلوم ہو گا کہ سچوں کی طرح باطل کے پرستاروں میں بھی فدویت وجاں سپاری کا جوہر ودیعت کیا گیا ہے۔

فتنۂ زنجان ملا محمد علی زنجانی بابؔ کے ظہور سے پہلے نماز جمعہ ادا کیا کرتا تھا لیکن جب بابؔ نے کتاب "فروع دین" میں لکھا کہ اب میرے اور اس شخص کے سوا جس کو میں اذن دوں ہر شخص کے لئے (معاذ اللہ) نماز جمعہ حرام ہے"! تو ملا محمد علی نے نماز جمعہ ترک کر دی۔ لیکن جب بابؔ نے اس کو اجازت دی تو نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد میں گیا۔ زنجان کے ایک ذی اثر آدمی نے اسے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی لیکن ملا محمد علی نے اس امتناع کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس شخص نے جا کر حاکم سے شکایت کی۔ اس نے محمد علی کو بلا بھیجا۔ جب یہ گیا تو حاکم نے اسے حراست میں لے لیا جب بابیوں کو اس کا علم ہوا تو وہ حاکم پر زغنہ کر کے محمد علی زنجانی کو چھوڑا لائے۔ جب یہ خبر طہران پہنچی تو وہاں سے چند آدمی اس کی گرفتاری کے لئے بھیجے گئے۔ اس اثنا میں ملا محمد علی نے ہزار آدمی کی جمعیت بہم پہنچا کر رسد اور اسلحۂ جنگ مہیا کر لئے۔ اور زنجان کے قلعہ پر قابض ہو کر متحصن ہو گیا۔ بابیوں نے اس کے علاوہ انیس مورچے بھی بنائے اور نصف سے زیادہ حصۂ شہر پر قبضہ کر کے ان مورچوں پر انیس انیس آدمی متعین کر دیئے۔ جب ان میں سے ایک ٹولی اللہ ابہیٰ کہتی تھی تو دوسری ٹولیاں بھی خوش الحانی کے ساتھ یہی آواز بلند کرتی تھیں۔ مؤلف "نقطۃ الکاف" لاف زنی کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شیر مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک مرد چالیس چالیس آدمیوں کا مقابلہ کرتا تھا اور نہ صرف عورتیں بلکہ ان کے بچے بھی ہر طرح محاربین کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ عورتیں اور بچے فلاخن اور دوسرے ذرائع سے سنگ اندازی کرتے تھے۔ جب حکام کو ان حالات کا علم ہوا تو بابیوں کی گوشمالی کے لئے فوج بھیجی گئی۔ شاہی لشکر نے آتے ہی بابیوں کو محاصرے میں لے لیا۔ ملا محمد علی نے شاہی فوج کے افسر اعلیٰ کو لکھا کہ نہ تو ہمیں سلطنت کی خواہش ہے اور نہ آپ پر غلبہ پانا مقصود ہے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر سپاہ گراں ہمارے سر پر کیوں مسلط کی گئی ہے۔ اس کے بعد لکھا کہ اگر آپ محاصرہ اٹھا کر ہمیں جانے کی اجازت دیں۔ تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مملکت ایران کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک کو چلے جائیں گے"۔ قائد فوج نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میرے لئے تمہاری ہلاکت کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔ محمد علی زنجانی حکام کی طرف سے مایوس ہوا تو اس نے دول خارجہ کے سفراء سے خط و کتابت شروع کی۔ اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں اس ورطہ سے نجات دلائیے۔ سفیروں نے فوجی افسروں سے سفارش کی لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ جب بابیوں کی واویلا حد سے بڑھ گئی تو ترکی اور روسی سفیر بابیوں کو دیکھنے آئے تو ملا محمد علی نے ان سے بیان کیا کہ ہمارے درمیان ملکی منازعت کچھ نہیں۔ بلکہ ہم اہل اسلام ہیں مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ان کا امام مہدی جو غائب ہو گیا تھا ایک دن ظاہر ہو گا۔ کافۂ مسلمین اس کے لئے ہمیشہ چشم براہ تھے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وہ امام منتظر ظاہر ہو گیا ہے اور وہ میرزا علی محمد باب ہے لیکن یہ لوگ ہماری تکذیب کرتے ہیں۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ جس دلیل سے تم نے مذہب اسلام قبول کیا ہے اسی دلیل سے تم مرزا علی محمد باب کا مذہب قبول کرو۔ لیکن کچھ توجہ نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث ائمہ ہی کو جو باب علیہ السلام کے متعلق وارد ہوئی ہیں محک حق

ؑ نقطۃ الکاف ص ۱۴۴

دباطل بنالو۔ مگر کچھ اعتنا نہیں کرتے۔ پھر ہم ان سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اچھا ان حضرات کے علم وعمل، تقویٰ، طہارت، تدین، توجہ الی اللہ، زہد وایثار، تبتل وانقطاع ہی کو شیعی علماء کے علم وعمل سے مقابلہ کرلو۔ وہ ہمارے اس مطالبہ کا بھی کچھ جواب نہیں دیتے۔ خلاصہ یہ کہ ہم جو بھی تجویز پیش کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے کان بہرے کر لیتے ہیں۔" سفرا یہ بیان سن کر چلے گئے۔ اس کے بعد ایک دن ملا محمد علی زنجانی اپنے ایک مورچہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس اثنا میں اس کے ایک تیر جان ستان لگا۔ ساتھی اسے قیام گاہ پر اٹھا لائے۔ آخر تیسرے دن بستر ہلاک پر دراز ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد بابیوں نے اپنے تئیں شاہی فوج کے سپرد کر دیا۔ تمام بابی پابزنجیر طہران بھیج دیئے گئے۔[1]

باب کا اقدام خودکشی

اس وقت بابیوں نے ایران میں ہر جگہ ہل چل ڈال رکھی تھی۔ اس لئے اعیان سلطنت نے فیصلہ کیا کہ باب کو نذرانہ اجل کر دینا چاہیئے۔ جب تک یہ زندہ ہے آئے دن فتنے اور فساد ہوتے رہیں گے۔ علماء نے بھی اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ آخر باب کو چہریق سے تبریز لائے اور مجلس علماء میں دوبارہ حاضر کیا۔ سید محمد حسین عزیز اور آقا محمد علی تبریزی بھی ساتھ تھے۔ علماء نے بہتیرا سمجھایا کہ تم اپنے الحاد و زندقہ اور دعوائے مہدویت سے توبہ کر کے سیدھا راستہ اختیار کرو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ حشمۃ الدولہ نے باب سے کہا کہ تمہیں حامل وحی ہونے کا دعویٰ ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو دعا کرو کہ کوئی آیت نازل ہو۔ باب نے فوراً سورۂ نور کی ایک آیۃ کا کچھ ٹکڑا اور سورۂ ملک کی ایک آیۃ کے ٹکڑے سے ملا کر پڑھ دیا۔ حشمۃ الدولہ نے وہ کلمات لکھوا لئے۔ پھر باب سے پوچھا کہ کیا یہ وحی آسمانی ہے؟ بولا جی ہاں۔ حشمۃ الدولہ نے کہا کہ وحی مہبط وحی کے دل سے فراموش نہیں ہوتی اگر فی الواقع یہ وحی ہے تو ذرا دوبارہ پڑھ دو۔ جب باب نے اسے دوبارہ پڑھا تو الفاظ میں ردوبدل ہو گیا۔ حشمۃ الدولہ نے کہا کہ یہ تمہارے جھوٹ اور حیل کی بین دلیل ہے۔[2] آخر اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اب یہ صلاح ٹھہری کہ اسے مجمع عام میں قتل کیا جائے کیونکہ اگر اسے علیحدگی میں ہلاک کیا تو عوام دھوکے میں پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ خدا نے اسے آسمانوں پر اٹھا لیا۔ ۲۴ شعبان ۱۲۶۶ھ کا دن قتل کے لئے مقرر کیا گیا۔ باب کو چاہیئے تھا کہ ارباب حکومت جس طرح بھی چاہتے اسے موت کے گھاٹ اتارتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا اور کسی ذلت و تصدیع کی پروا نہ کرتا۔ جب مرنا ہی ہے تو پھر موت سے کیوں ڈرنا؟ مگر باب نے اپنے مریدوں کے ذریعہ سے خودکشی کا قصد کیا۔ مؤلف "نقطۃ الکاف" لکھتا ہے کہ جس دن باب قتل کیا جانے والا تھا اس سے پہلی رات کو اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں صبح بصد ذلت و خواری شہید کیا جاؤں گا۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تم میں سے کوئی شخص میری شہادت میں اقدام کرے۔ تاکہ میں اعداء کے ہاتھوں ذلت نہ سہوں۔ مجھے دوست کے ہاتھ سے مارا جانا اس سے کہیں زیادہ مرغوب ہے۔ کہ دشمن کے ہاتھ سے جرعۂ مرگ نوش کروں۔ آقا محمد علی تبریزی تلوار اٹھا کر آمادۂ قتل ہوا۔ تاکہ الامر فوق الادب پر عمل ہو جائے مگر دوسرے بابیوں نے مضطرب ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آقا محمد علی نے کہا کہ میں تو آپ کا حکم ماننے کو تھا اور چاہتا تھا کہ آپ کو شہید کر کے خودکشی کروں لیکن انہوں نے روک دیا۔ باب نے مسکرا کر خوشنودی کا اظہار کیا۔ پھر باب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تقیہ

[1] نقطۃ الکاف ص ۲۲۳-۲۲۴ [2] مذاہب اسلام ص ۴۵۱

کرو اور مجھ پر لعنت کرکے بچ جاؤ۔ مگر کسی نے منظور نہ کیا۔[1]

واقعۂ قتل ۲۸ شعبان کی صبح کو سب سے پہلے آقا محمد علی کو اس غرض سے باندھا گیا کہ اس کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ وہ ایسی جگہ باندھا جا رہا تھا۔ جہاں اس کی پیٹھ باب کی طرف ہو گئی تھی۔ اس لئے حکام سے التجا کرنے لگا کہ مجھے ایسی جگہ باندھو جہاں میرا منہ اپنے محبوب (باب) کی طرف رہے۔ اس کی یہ التماس پوری کی گئی۔ اسے ہزار سمجھایا گیا کہ اگر جان عزیز ہے تو توبہ کرکے رہا ہو جاؤ۔ لیکن اس نے توبہ نہ کی۔ اور کہنے لگا عشق حق سے توبہ کرنا بڑا گناہ ہے۔" محمد علی کے اقربا یہ کہہ کر حکام کی خوشامد کر رہے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور دیوانے کا قتل کسی طرح مناسب نہیں ہے۔" لیکن وہ ہر مرتبہ اپنے اقارب کے بیان کی تردید کرتا تھا اور کہتا تھا نہیں نہیں میں جوہر عقل سے آراستہ ہوں۔ میں حضرت حق کا دیوانہ ہوں مجھے قتل کرو کیونکہ قتل ہی سے حیات ابدی کا مستحق ٹھہرتا ہوں۔" جب باڑھ مار کر ہلاک کیا جانے لگا تو باب سے اس نے خطاب کرکے کہا۔ انت فی الجنۃ معی (تو جنت میں میرے ساتھ رہیگا) آقا محمد علی تبریزی اور باب دونوں بندھے ہوئے تھے۔ حمزہ مرزا گورنر آذربائیجان نے ارمن سپاہیوں کو جو عیسوی المذہب تھے حکم دیا کہ باڑھ ماریں۔ یہ لوگ بابیوں کے من گھڑت قصوں اور فسادات سے متاثر تھے۔ گولیاں ہوا میں چلا دیں۔ اتفاق سے ایک گولی محمد علی کے جا لگی۔ اس نے مرتے وقت باب سے کہا کیا اب آپ مجھ سے راضی ہوئے؟ اور جان دے دی۔ باب حاضرین کو خطاب کرکے کہنے لگا کہ تم میری کرامات دیکھتے ہو کہ گولیوں کی بوچھاڑ ہے مگر مجھے کوئی گولی نہیں لگی۔ ایک گولی باب کی رسی میں لگی تھی جس سے وہ رسی کٹ گئی جس سے باب بندھا تھا۔ باب کھل کر بھاگا۔ اور ایک سپاہی کی کوٹھری میں جا چھپا اور کہنے لگا لوگو! یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے۔ کہ ایک گولی بھی نہیں لگی بلکہ میں الٹا رہا ہو گیا۔ اس وقت سیکڑوں عورتیں اور مرد اس میدان میں غل مچا رہے تھے کہ باب پر گولیوں کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے حاکم کے ایما سے باب کو پکڑا اور چند گھونسے رسید کرکے گولی کا نشانہ بنا دیا۔[2]

شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ باب کے حادثۂ قتل کے بعد بارہ بابیوں نے ناصر الدین شاہ والی ایران سے باب کے قتل کا انتقام لینے کی سازش کی۔ جن میں سے نو اخیر وقت میں علیحدہ ہو گئے۔ باقی تین عازمین قتل یہ تھے۔ ملا فتح اللہ قمی، صادق زنجانی اور باقر نجف آبادی۔ بتاریخ ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۸۵۲ء) شاہ شکار کے لئے سوار ہوا تو یہ تینوں شاہ کی طرف بڑھے۔ شاہ سمجھا کہ شاید مظلوم و ستم رسیدہ لوگ ہیں جو اپنی کوئی درخواست لے کر آئے ہیں۔ اس لئے ان کو نزدیک آنے کی اجازت دی جب قریب پہنچے۔ تو صادق زنجانی نے جیب میں سے پستول نکال کر شاہ پر چلا دیا۔ شاہ زخمی ہوا۔ لیکن بدستور گھوڑے پر سوار رہا۔ یہ دیکھ کر فتح اللہ قمی نے اس نیت سے جھپٹ کر شاہ کو گھوڑے سے کھینچا کہ زمین پر گرا کر گلا کاٹ دے۔ شاہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر شاہ کے ایک ملازم نے بڑھ کر فتح اللہ کے منہ پر زور سے ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ گھونسا کھا کر گر پڑا اب ملازم نے میان میں سے تلوار نکال لی اور صادق زنجانی کی گردن مار دی۔ اس اثنا میں شاہی دربار کا ایک منشی بھی پہنچ گیا۔ اور اس نے اپنے آپ کو شاہ کے اوپر گرا کر شاہ کے جسم کی ڈھال

[1] نقطۃ الکاف ۲۴۲-۲۴۳ [2] نقطۃ الکاف ۲۵۰-۲۴۳ ع۳ مذاہب اسلام ص ۲۵۴ بحوالہ ناسخ التواریخ ۱۲

بن گیا۔ اتنے میں اور پیادے بھی پہنچ گئے۔ اور اُنہوں نے زندہ حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو۔ اور تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو اُنہوں نے اقبال جرم کیا اور بتایا کہ ہم نے اپنے قائم علیہ السلام (باب) کے قتل کا انتقام لیا ہے۔ صادق زنجانی ملا شیخ علی بابی کا نوکر تھا جسے بابی "جناب عظیم" کے لقب سے یاد کرتے ہیں صادق نے طمنچہ اسی سے لیا تھا۔ شاہ کو گولی کا جو زخم لگا وہ مہلک نہیں تھا۔ قاآنی شیرازی نے شاہ کے زندہ سلامت رہنے کی خوشی میں دو قصیدے لکھے جن میں سے ایک کے دو شعر یہ تھے ؎

آخر شوال خسرو شد سوار از بہر صید — آسمانش در عناں و آفتابش در رکاب
کز کمیں ناگہ سہ تن جنبید و انگشت ندنرد — تیرہائے آتشین زی خسرو مالک رکاب

دوسرے قصیدہ کے تین شعر یہ تھے:۔

آخر شوال را ہر سال زیں پس عید کن — چاکران شاہ را دعوت نما از ہر کراں
ہی بگو شاہد بیا زاہد برو خازن ببخش — ہی بگو ساقی بدہ چنگی بزن مطرب بخواں
عید قربان شہنش کن نام و ہیچون گوسفند — دشمناں را سر ببر در راہ شاہ کامراں

اس واقعۂ ہائلہ پر طہران کی پولیس نہایت مستعدی سے ان تمام مجرموں کی تلاش میں سرگرم عمل ہوئی جو اس سازش سے تعلق رکھتے تھے پولیس نے حاجی سلیمان خاں بابی بن یحییٰ تبریزی کے مکان پر چھاپہ مار کر ایک درجن بابیوں کو گرفتار کیا اسی طرح طہران میں جہاں کہیں بھی شتشنہ بابی مل سکے۔ ان کو زیر حراست کر لیا گیا۔ اس طرح گرفتاروں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ ان میں سے بعض بابی جو بالکل بے قصور ثابت ہوئے وہ رہا کر دیئے گئے۔ انجام کار اٹھائیس بابیوں پر فرد قرارداد جرم عائد ہوئی اور وہ قتل کئے گئے۔ یہ سب اس سازش میں شریک تھے یا شرکائے سازش کے معاون تھے "ناسخ التواریخ" میں سب کے نام گنوائے ہیں۔ قرۃ العین بھی انہی مقتولین میں تھی۔ بعض بابی قتل کا حکم سن کر گاتے اور ناچتے تھے۔ جو گیت وہ گا رہے تھے ان میں سے دو شعر ملاحظہ ہوں

باز آمدم باز آمدم از راہ شیراز آمدم — با عشوہ و ناز آمدم ہذا جنون العاشقی
یکدست جام بادہ و یکدست زلف یار — رقصے چنیں میانۂ میدانم آرزوست

فصل ۳۔ باب کے دعاوی کی بوقلمونی

علی محمد بحیثیت باب، ذکر، قائم، مہدی، نقطہ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح مرزا علی محمد باب کے بیانات اور دعاوی میں بھی سخت اختلال و اضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے سال اس نے بابیت کا دعویٰ کیا یعنی کہا کہ میں حضرت مہدی علیہ السلام تک پہنچنے کے لئے جن کی آمد کا انتظار ہے صرف دروازہ اور ذریعہ ہوں۔ اس وقت وہ اپنے تئیں اپنے نوشتوں میں "باب" اور "ذکر" اور "ذات حروف سبعہ" (جس کے نام میں سات حرف ہیں) لکھا کرتا تھا دوسرے سال

ملہ اپی سوڈ آف دی باب مطبوعہ کیمبرج ص ۳۳ تا ۴۲

بابیت کا منصب اپنے ایک مُرید ملا حسین بُشرُویہ کو بخش کر خود مہدی موعود بن بیٹھا۔ اور جب ملا حسین مارا گیا تو بابیت کا منصب اس کے بھائی ملا حسن بشرُویہ کو عطا ہوا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۸۱) لیکن یہ منصب علی محمد اور اس کے ان دو ارادت مندوں تک محدود نہ تھا بلکہ کتاب نقطۃ الکاف (صفحات ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۳۲) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کاظم رشتی، شیخ احمد احسائی، اور علی خراسانی معروف بجناب عظیم بھی اس منصب پر فائز تھے شاید انہی ایام میں علی محمد نے اپنے لیے قائمیت کا عہدہ بھی تجویز کر لیا لیکن تھوڑے دن کے بعد اپنے ایک خاص مرید ملا محمد علی بارفروشی کو بھی اس منصب میں شریک کر لیا جسے بابی "قدوس" کے لقب سے یاد کرتے ہیں چنانچہ "نقطۃ الکاف" میں لکھا ہے کہ جناب قدوس وجناب ذکر (علی محمد باب) دو قائم ہستند و لے ہر یک مظہر اسمے از اسماء اللہ می باشند و بحسب قابلیت خلق اظہار می فرمایند۔ (صفحہ ۲۰۷) علی محمد باب نقطہ ہونے کا بھی مدعی تھا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے کتاب نقطۃ الکاف میں لکھا ہے "حضرت نقطہ در ہر زمان یک نفر می باشند لیکن حاجی جانی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نقطہ در اصل ملا محمد علی بارفروشی تھا۔ اور علی محمد باب محض اس کا طفیلی تھا۔ چنانچہ حاجی جانی لکھتا ہے "واما دریں دورہ اصل نقطہ حضرت قدوس (ملا محمد علی بارفروشی) بودند وجناب ذکر (علی محمد باب) باب ایشان بود" بابیت سے دست بردار ہونے کے بعد علی محمد نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ بابی کہتے تھے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کلیم (علیہ السلام) نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اور جناب مسیحؑ نے حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت دی تھی۔ اسی طرح جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علی محمد باب کے ظہور کی بشارت دے رکھی تھی۔

من یظہرہ اللہ کی اعجوبۂ روزگار موہوم شخصیت جس طرح پرانے خیال کے ہندوؤں نے اپنے لیے شو، اندر، مہادیو وغیرہ موہوم دیوتے تجویز کر رکھے ہیں اسی طرح باب نے بھی ایک موہوم شخصیت کو اپنے قالبِ خیال میں ڈھال کر اس کے ظہور کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ اور جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے امام الزمان کی صفات کی تشریح میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے اسی طرح مرزا علی محمد باب نے مَن یُظْہِرُہُ اللہ (جس کو اللہ ظاہر کرے گا) نام کی ایک شخصیت تجویز کر کے اس کے من گھڑت صفات کی تشریح میں اپنے مرکبِ قلم کی خوب جولانیاں دکھائیں۔ باب نے کتاب "بیان" میں "مَن یُظْہِرُہُ اللہ" کے یہ خصائص لکھے ہیں۔ جب "من یظہرہ اللہ" ظاہر ہوتا ہے تو ان لوگوں کے سوا جو اس پر ایمان لے آتے ہیں ہر شخص کا ایمان سلب و منقطع ہو جاتا ہے (بیان باب ۱۶ واحد ۲) بیان کی قیامت مَن یُظْہِرُہُ اللہ کا ظہور ہے (باب ۷) اس کے ظہور کا دن سب کا بعث، سب کا حشر اور سب لوگوں کا قبر سے خروج ہے۔ (باب ۹) اس کے ظہور کا وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ز ۱۰) وہ اللہ کی ذات سے قائم ہے اور دوسری تمام کائنات اس سے قائم ہے۔ (ج ۱، ۱۳) وہ جب اور جو کچھ کرے کبھی مسئول نہیں ٹھہر سکتا کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حق میں کیوں اور کس طرح کے الفاظ استعمال کرے (ج ۱) وہ ظہور نقطہ کی طرح بغتۃً ظاہر ہوتا ہے (و ۹، ۱۱) اگر کوئی شخص اس سے ایک آیۃ سُن لے یا تلاوت کرے تو بیان کی ہزار مرتبہ تلاوت کرنے سے زیادہ افضل ہے (۸۵، و ۶) تمام ظہور اور قائم آلِ محمدؐ کا ظہور "من یظہرہ اللہ" ہی کی خاطر عالم وجود میں آئے (و ۱۲) "من یظہرہ اللہ" اسماء و صفات

الٰہی کا مبدا ہے۔ (۵، ۹) جو شخص اس کا نام سُنے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ ازراہ احترام کھڑا ہو جائے۔ اور جو مجلس بھی منعقد ہو اس کے لئے ایک نفر کی جگہ خالی چھوڑ دی جائے۔ (رقم ۱) بیان کی مندرجۂ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ باب کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر باب کے ظہور تک عالم کائنات کی مدت بارہ ہزار دو سو دس سال گزری۔ اور جس صورت میں کہ باب کے خیال میں دنیا کی عمر کا ہر ہزار سال ظہورات اور کمال کی جانب ان کے نمو کے ایک سال کے برابر ہے۔ بنا بریں وہ آدم علیہ السلام کو (معاذ اللہ) نطفہ سے اور اپنے تئیں دوازدہ سالہ جوان سے اور من یظہرہ اللہ کو طفل چہاردہ سالہ سے تشبیہ دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باب من یظہرہ اللہ کا زمانہ اپنے عہد سے دو ہزار سال پیچھے فرض کرتا ہے۔ چنانچہ بیان (باب ۱۳ واحد ۳) میں رقمطراز ہے "من ظہور آدم الی اوّل ظہور نقطۃ البیان از عمر این عالم نگذشتہ الا دوازدہ ہزار و دویست و دہ سال۔ آن آدم در مقام نطفہ این آدم می گردد۔ مثلاً جوانے کہ دوازدہ سال تمام از عمر او گذشتہ می گوید کہ من آن نطفہ ہستم کہ از فلاں سماء نازل و در فلاں ارض مستقر شدہ کہ اگر بگوید تنزل نمودہ ونزد اولو العلم حکم تباہیت عقل او می شود۔ این است کہ نقطۂ بیان نمی گوید امروز منم مظاہر مشیت از آدم تا امروز کہ مثل این قول ہمین می شود و ازیں جہت است کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نفرمودہ کہ من عیسیٰ ہستم زیرا کہ آن وقتے است کہ عیسیٰ از حد خود ترقی نمودہ و بآن حد رسیدہ و ہمچنین من یظہرہ اللہ در حد زمانیکہ محبوب چہاردہ سالہ ذکر می شود لائق نیست کہ بگوید من ہماں دوازدہ سالہ بودم کہ اگر بگوید نظر بضعف مردم نمودہ زیرا کہ شئی رو بعلو است نہ دنو۔ اگرچہ آن جوان چہاردہ سالہ در حین نطفہ آدم بودہ وکم کم ترقی نمودہ تا آنکہ امروز دوازدہ سالہ گشتہ وازیں دوازدہ سالگی کم کم ترقی می نماید۔ تا آنکہ بچہاردہ می رسد۔ اگر امروز یکے از مؤمنین بقرآن برخود می پسندد کہ بگوید من یکے ہستم از مومنین بانجیل نقطۂ حقیقت ہم برخود می پسندد و کذالک در بیان و بیان بانسبت بمن یظہرہ اللہ۔ باب نے من یظہرہ اللہ کے ظہور کی مدّت اپنے بعد ۱۵۱۱ یا ۲۰۰۱ سال جو کلمۂ غیاث یا اغیث، اور مستغاث، کے عدد کے موافق تصوّر کی۔ چنانچہ کتاب بیان (باب ۱۷ واحد ۲) میں لکھتا ہے "اگر در عدد غیاث ظاہر گردد و کل داخل شوند احدے در نار نمی ماند و اگر الیٰ مستغاث رسد و کل داخل شوند احدے در نار نمی ماند الا آنکہ کل مبدل می گردند بنور" اور (باب ۱۶ واحد ۲ میں) لکھتا ہے "وصیت می کنم کل اہل بیان را کہ اگر در حین ظہور من یظہرہ اللہ کل موفق بآں جنت عظیم ولقائے اکبر گردید طوبیٰ ثم طوبیٰ لکم والا اگر شنیدید ظہور ظاہر شدہ بآیات قبل از عدد اسم اللہ الاغیث کہ کل داخل شوید و اگر نشدہ وبعدد اسم اللہ المستغاث منتہی شدہ و شنیدہ اید کہ نقطہ ظاہر شدہ و کل یقین نکردہ آید۔ رحم بر نفس خود کردہ وکل بکلیہ در ظل آن نقطہ ظاہرہ کہ کل داخل نشدہ اید مستظل گردید

دعوائے اعجاز اور دوسری تعلّیاں

علی محمد باب کا مقولہ ہے کہ میں اپنے شئوونات علم میں امّی ہوں اور اپنے علم کو چار زبانوں میں ظاہر کرتا ہوں۔ اوّل لسان آیات دوم لسان مناجات سوم لسان خطب چہارم لسان زیارات و تفاسیر آیات واحادیث ائمۂ اطہار کیونکہ ان کی آیات کی زبان میرا دل ہے۔ جو ظہور اللہ ہے اور اسے لسان اللہ کہا جاتا ہے اور ان کی مناجات کی زبان عبودیت، محبّت اور فنا ہے اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ظہور مرأت عقل میں متصور ہے اور خطبوں کی زبان رکن ولایت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس کا ظہور مرأت نفس میں ہوتا ہے

لسانِ تفاسیر رتبۂ باہیت ہے اور یہ جسم کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ لسانِ اوّل کو عالمِ لاہوت سے مدد ملتی ہے جو قلم کا مقام ہے۔ اس کا حامل میکائیل ہے۔ جو شیئیت اشیاء کا ذکر نقطۂ بیضا میں فرماتا ہے۔ لسان ثانی کو عالم جبروت سے مدد ملتی ہے۔ اس کا سلطان حضرت جبرئیل ہے کہ عقولِ کل شئی کا رزق جنت صفرا میں دیتا ہے۔ اور مقام لوح ہے لسان سوم کی امداد عالم ملکوت سے ہوتی ہے کہ جسے مقام کرسی کہتے ہیں۔ اس ملک کی سلطنت اسرافیل کے سپرد ہے وہی رزق حیات کا حامل ہے۔ اس کا تاج ہمایوں زمرّد کا بنا ہے۔ لسانِ چہارم عالم ملک ہے جو عالم کثرت ہے۔ اس ملک کا شہریار حضرت عزرائیل ہے۔ عزرائیل یاقوت سُرخ کے تخت پر متمکن ہے"! باب کا دعویٰ ہے کہ میں ان چاروں زبانوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں تاکہ خلق خدا کو معلوم ہو جائے کہ ان چاروں ملکوں میں میری بادشاہت ہے۔ چاروں جگہ میرا سکہ چلتا ہے تاکہ میں ہر ملک والوں کو ان کا رزق دوں۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ یہ کلمات فصاحت ظاہری و باطنی کے بھی مطابق ہیں فصاحت ظاہری سے مراد عبارتوں کی حلاوت ہے۔ اور فصاحت باطنہ کا مطلب توحید کا بیان اور ظہور اسماء و صفات الٰہی کی معرفت ہے۔ اور میری یہ حالت ہے کہ ان کے مقامات سری میں توجہ کرنے سے پانچ ساعت میں بدوں تفکّر و سکوت ہزار بیت لکھ دیتا ہوں تاکہ تمام اہل علم اور ارباب قلم کو معلوم ہو جائے کہ غیر اللہ کو اس قسم کی قدرت نہیں دی گئی ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ آیات منجانب اللہ ہیں اَنْ یاخلق اللّٰہ فَاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اللہ کے بندو! اگر تم سچے ہو اور تم میں سے کسی شخص کی حالت یہ ہے کہ میری طرح اس کی آیت علم و عمل ہے میری طرح وہ بھی امّی ہے اور میری طرح ان چار زبانوں میں متکلم ہوتا ہے۔ اور چھ ساعت میں بدوں فکر و سکوں ہزار بیت کہہ لیتا ہے اور اپنے علم کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ میرے جیسا کلام پیش کرے اور اگر اس کے اندر شرائط مذکورہ نہ پائے جائیں تو وہ اتیان بمثل نہ ہوگا۔ اور میری حجّت ثابت ہو جائے گی۔[عہ] لیکن میں باب کے مقابلہ میں قادیاں کے "مسیح موعود" صاحب کا نام نامی پیش کرتا ہوں۔ ان کو بھی دعوائے اعجاز تھا اگر یہ دونوں اعجازی پہلوان ایک زمانہ میں ہوتے تو ان کا دنگل نہایت پُرلطف رہتا۔

منکرین سے خطاب باب کا مقولہ ہے: "میری ندا خاص اور عام کے کانوں میں پہنچی۔ میرے ردّ و قبول کے بارہ میں لوگ چند گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اوّل اہل طلب و انصاف ہیں انہوں نے تفحص کیا اور دیکھا کہ آنجناب کا دعویٰ زمانہ کے مطابق ہے اور جو کچھ کہتا ہوں منجانب اللہ کہتا ہوں۔ انہوں نے مجھے قبول کیا یہ لوگ فیوض عبادات و مناجات اور جواہر معارف سے فائض ہوئے۔ دوسرا فرقہ علم و عمل میں ستودہ اور حُبّ ریاست میں گرفتار رہا ان لوگوں نے گوش طلب کو نہ کھولا اور نظر انصاف سے نہ دیکھا بلکہ اس کے برعکس ردّ و اعراض کی زبان کھول دی۔ ان حرماں نصیبوں نے کہا جو کچھ کہ کہا اور کیا جو کچھ کہ کیا۔ رہے عوام ان بیچاروں میں سے بعض تو متحیّر رہے اور بعض نے علماء کی تقلید کر کے میری تکذیب کی۔ مقدم الذکر گروہ نے نظر انصاف سے نہ دیکھا کہ وہ جس دلیل سے اپنے تئیں حجۃ الاسلام گمان کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ امام علیہ السلام کی طرف سے والی ہیں وہ سب علم و عمل ہے، حالانکہ وہ لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ یا مقلد ہو یا مجتہد اور جب کچھ بھی نہ ہوگے تو تم جہنم میں جاؤ گے گو تمہارے اعمال فی الواقع امر حق کے مطابق ہوں۔" یہ لوگ اتنا

عہ نقطۃ الکاف ص ۱۰۷ – ۱۰۸

نہیں سوچتے کہ جب تم نے تقلید کی تو سب سے بڑے عالم کی تقلید کرو۔ کیونکہ غیر اعلم کی تقلید حرام ہے۔ اور مجتہد علم و عدالت سے پہچانا جاتا ہے۔ اور جب مجھے مجتہد اور اعلم العلماء یقین کرتے ہو تو میں حرام و حلال کے متعلق جو حکم کروں اسے حکم الٰہی یقین کرو اور اس سے انکار و اعراض نہ کرو۔ اور کہتا تھا کہ تم لوگ یہود کی تقلید نہ کرو جنہوں نے مسیح علیہ السلام کو دار پر چڑھایا اور نصاریٰ کی پیروی نہ کرو جو فارقلیط موعود (حضرت سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہوئے۔ اور اہل اسلام کی تقلید بھی نہ کرو۔ جو ہزار سال سے مہدیٔ موعود کے انتظار میں سراپا شوق بنے رہے لیکن جب ظاہر ہوا تو اس کی توہین کی اور زندانِ بلا میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے بموجب جو مہدی علیہ السلام کسی مستقبل زمانہ میں ظاہر ہوں گے ان کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ بتایا گیا ہے۔ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہوگا۔ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد ہوں گے۔ ایسی حالت میں وہی شخص باب، مرزائے قادیان اور اس قماش کے دوسرے ملحدین دہر کی پیروی اختیار کر سکتا ہے جو حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کی طرف سے اندھا اور بہرا بن کر فاقد الایمان ہونے کا خواہشمند ہو۔

فصل ۴۔ باب کی تعلیمات اور بابی الحاد پسندیاں

باب نے بیان نام ایک فارسی کتاب لکھی تھی جسے وہ الہامی اور آسمانی کتاب بتاتا تھا۔ بابیوں کا خیال ہے کہ جس طرح قرآن نے انجیل کو اور انجیل نے توراۃ کو منسوخ کیا تھا اسی طرح بیان نے قرآن کو منسوخ کر دیا لیکن پروفیسر براؤن نے بابیوں کے اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ باب اپنی تحریروں میں مکرّراً و مؤکّداً اس امر کو واضح کرتا ہے۔ کہ وہ ظہورات مشیئت اولیہ کا خاتم حلقۂ سلسلۂ نبوات کا آخری شخص نہیں ہے اور اس کی کتاب بھی کتب سماوی کی خاتم نہیں۔ پروفیسر براؤن دوسری جگہ لکھتے ہیں مشہور یہ ہے کہ باب اپنے مذہب کو ناسخ دین اسلام اور بیان کو ناسخ قرآن سمجھتا تھا اور اس کی ایک تحریر سے جو فصل کے اخیر میں قیامت کی بابی تشریح میں آئے گی بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن باب کے اس قسم کے دعوے بڑا امر ہی تھے۔ بعد میں اس نے اس خیال سے رجوع کر لیا یا کم از کم اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر اس کی علی الاعلان اشاعت سے رُک گیا۔

باب کے اصول تعلیم باب کے اصول تعلیم جو اس کی تحریروں اور خاص کر "بیان" سے ثابت ہوتے ہیں بالاجمال یہ ہیں:۔ خدا ہر چیز کا مدرک ہے۔ لیکن خود حیز ادراک سے باہر ہے۔ ذات الٰہی کے سوا کوئی متنفس اس کی معرفت نہیں رکھتا۔ معرفت الٰہی سے مراد مظہر الٰہی کی معرفت ہے۔ لقاء اللہ سے لقاء مظہر اللہ اور پناہ بخدا سے پناہ بمظہر خدا مراد ہے۔ کیونکہ عرض ذات اقدس ممکن نہیں اور اس کا لقا متصور نہیں ہے اور کتب سماویہ میں جو لقاء اللہ کا ذکر پایا جاتا ہے وہ ظاہر بظہور الٰہی کی لقا کا ذکر ہے۔ (ب ع ۷) ملائکہ کے رجوع الی اللہ اور اس کے سامنے پیش کرنے کا مطلب من یظہرہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے کیونکہ ذات ازل کی طرف کسی شخص کو کوئی سبیل نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے نہ بعد میں ہو

ے نقطۃ الکاف ص ۱۰۸ - ۱۰۹

عودمیں (ب ۱۰) جو کچھ مظاہر میں ظاہر ہوتا ہے وہ "مشیت" ہے جو تمام اشیا کی خالق ہے۔ اشیا سے اس کی وہی نسبت ہے۔ جو علت کو معلول سے اور نار کو حرارت سے ہے۔ یہ مشیت نقطۂ ظہور ہے۔ جو ہر کور میں اس کور کے اقتضا کے بموجب ظاہر ہوتا ہے (ب ۳ اج ۷، ۸) مثلاً محمد نقطۂ فرقان ہیں اور میرزا علی محمد نقطۂ بیان ہے۔ اور پھر دونوں ایک ہو جاتے ہیں (آ ۱۵ اح ۲) آدم جو "بیان" کے بیان کے بموجب (ج ۱۳) باب سے ۱۲۲۱۰ سال پہلے ہوئے ہیں تمام ظہورات کے ساتھ ایک ہے (ز ۲آ) اگر آفتاب کی طرح دوسرے بے تعداد آفتاب طلوع ہوں تو بھی شمس ایک سے زیادہ نہیں ہے تمام آفتاب اسی ایک سورج کے بدولت قائم ہیں (و ۱۲ ا ر ۱۵) من یظہرہ اللہ کے بعد دیگر ظہورات بھی بے حد و انتہا ہوں گے (و ۱۲ از ۱۳) بعد کا ہر ظہور ظہور قبل سے اشرف ہوتا ہے (ج ۱۳ و ۱۲) ہر ظہور ما بعد میں مشیت اوّلیہ ظہور قبل سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل ہوتی ہے۔ مثلاً آدم نطفہ کے مقام پر تھے اور نقطۂ بیان دوازدہ سالہ جوانی کے مقام میں اور من یظہرہ اللہ چہاردہ سالہ جوانی کے مقام میں ہے (ج ۱۳) ہر ظہور بمنزلہ غرس شجر کے ہے۔ بعد کا ظہور اس درخت کے کمال اور حصول ثمر کے وقت ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر وہ حد بلوغ کو نہیں پہنچتا۔ جب درخت درجۂ کمال کو پہنچ گیا اور اس کا پھل کھانے کا وقت آیا۔ تو بغیر کسی لمحہ کی تاخیر کے بعد کا ظہور واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت انجیل کا درخت لگایا گیا تھا۔ اس وقت اسے کمال نصیب نہ ہوا تھا البتہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک روز پہلے ہو جاتی۔ یعنی ۲۷ رجب کے بجائے ۲۶ رجب ہوتی تو بعثت کا دن وہی (یعنی ۲۷ رجب) قرار پاتا تا قرآن کا درخت تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں لگا لیکن اس کا کمال (معاذ اللہ) ۱۲۶۰ھ میں (علی محمد باب کے ظہور کے وقت) ہوا۔ (صبح الاولی) بابی لوگ اس بیان کو کہ زمان و مکان کے اختلاف اور درجۂ شرف و کمال کے تفاوت کے باوجود ظہورات متعددہ حقیقت میں سب ایک ہی کیوں ہوتے ہیں ؟ معلم کی مثال سے سمجھایا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ شاگردوں کے مختلف طبقے ہوتے ہیں ہر طالب علم سن و سال اور درجۂ فہم میں متفاوت ہوتا ہے۔ معلم درس دیتا ہے۔ معلم ایک ہے اور اس کے علم و اطلاع کا اندازہ بھی ایک ہے۔ لیکن سامعین کے درجۂ فہم و ادراک کے تفاوت کے لحاظ سے وہ مختلف تعبیرات اور اصطلاحیں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً اطفال خرد سال کو مخاطب کرتے ہوئے وہ "منافع علم" کو اس تشریح کے ساتھ بچوں کے ذہن نشین کرے گا کہ علم مطلوب ہے کیونکہ وہ شکر کی طرح میٹھا ہے۔ اس طرز تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ ان بچوں کی قوۃ فہم اس درجہ پر نہیں کہ طالبان علم کی اہمیت کو کسی مادی و محسوس صورت میں سمجھائے بغیر سمجھ سکیں لیکن جب وہی معلم کسی اعلےٰ جماعت کے شاگردوں کو درس دے گا تو ضرورت علم کو اعلیٰ تعبیرات میں ثابت کرے گا۔ تفاوت ظہورات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ مثلاً جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب وحشی اور بدوی لوگ تھے۔ اس لحاظ سے کہ وہ بعث و معاد جنت و نار وغیرہ امور کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے مفہوم مادی صورتوں میں ان کے سامنے پیش کرتے تھے تا کہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں لیکن دورۂ بیان میں مخاطب (فرنگیوں کی طرح) دانا اور متمدن لوگ یعنی ایرانی ہیں اس لئے الفاظ و اصطلاحات مذکورہ کو دوسرے طرز (یعنی باطنی زنادقہ کے رنگ) میں بیان کیا گیا۔ اور ان الفاظ کے ایسے معنی مراد لئے گئے جو (شیطانی) عقل و فہم سے

زیادہ قریب تھے۔ مثلاً قیامت سے مراد ہر زمانہ اور ہر نام میں شجر حقیقت کا ظہور ہے۔ یہ ظہور اپنے زمانۂ غروب تک باقی رہتا ہے۔ مثلاً بعثت عیسوی کے دن سے لے کر اُن کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یوم بعثت سے آپ کے یوم عروج تک کہ تیئیس سال کی مدت تھی عیسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی۔ اور شجر بیان کے ظہور سے لے کر اس کے غروب تک محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قیامت ہے (ب ۷، ج ۳، ط ۳) شیعہ لوگ جو قیامت کو مادی معنوں پر محمول کرتے ہیں محض توہم ہے جس کی عند اللہ کوئی حقیقت نہیں (ب ۷) قیامت کے دن کوئی مُردہ قبروں سے نہیں اُٹھے گا۔ بلکہ بعث یہی ہے کہ اُس زمانہ کے پیدا ہونے والے لوگ زندہ ہو جاتے ہیں (ب ۱۱) قیامت کا دن بھی دوسرے دنوں کی مانند ہے آفتاب حسب معمول طلوع و غروب ہوتا ہے جس سرزمین میں قیامت برپا ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہاں کے باشندے اس سے مطلع نہیں ہوتے۔ (ح ۹) اسی طرح نقطۂ ظہور کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے کو جنت کہتے ہیں (ب ا ب ۱۴ ب ۱۶) عالم حیات میں تو جنت کی یہ حقیقت ہے لیکن جنت بعد از موت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (ب ۱۶) دوزخ سے مراد نقطۂ ظہور پر ایمان نہ لانا اور اس سے انکار کرنا ہے (ب ا ب ۱۴) برزخ سے عام لوگ (صحیح العقیدہ مسلمان) تو معلوم نہیں کیا مراد لیتے ہیں لیکن برزخ حقیقت میں وہ مدت ہے جو دو ظہوروں کے مابین حد فاصل ہے (ب ۸) علیٰ ہذا القیاس موت، قبر، قبر میں ملائکہ کا سوال میزان، حساب کتاب، صراط وغیرہ میں سے ہر ایک کے تمثیلی معنی بیان کئے ہیں۔

بابی تحریف کاریاں حضور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی علامتیں بیان فرمائیں تو اس سے حضورؐ کا یہ مقصد تھا کہ جھوٹے مہدی اور جھوٹے مسیح سچوں کی مسند عالی پر قدم نہ رکھ سکیں اور اُمت مرحومہ ہر مدعی کے دعووں کو ارشادات نبویہ کی کسوٹی پر کس کر اس کے صدق یا کذب کا امتحان کر سکے۔ یہ پیشین گوئیاں اُمت کے حق میں انتہا درجہ کی شفقت و رحمت ہیں لیکن حرمان نصیبی اور ضلالت پسندی کا کمال دیکھو کہ جھوٹے مدعیوں کے نادان پیرو ان ارشادات نبویہ کی مشعل ہدایت کو اپنے لئے دلیل راہ نہیں بناتے بلکہ اُلٹا ان کو اپنی خواہشات نفسانی کے قالب پر ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں اور انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ کہنے لگتے ہیں کہ ان روایتوں کا وہ مطلب نہیں جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے بلکہ ان کا وہ باطنی مفہوم مراد ہے جو ہم سمجھے ہیں۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ احکام وحی بھی گویا موم کی ناک ہے جسے جس وقت اور جس طرح چاہا پھیر لیا۔ باب بھی ایک جھوٹا مہدی تھا۔ اور اس کی ذات میں ان علامات کا پایا جانا ناممکن تھا جو سچے مہدی علیہ السلام کے ساتھ مختص ہیں اس لئے ضرور تھا کہ وادیٔ خسران کے راہ نورد ارشادات نبویہ کو کھینچ تان کر اپنے مفید مطلب بنانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ مرزا جانی بابی کتاب "نقطۃ الکاف" میں کمال بے باکی کے ساتھ لکھتا ہے کہ اَئمہ معصوم کی مراد باطنی معنی ہوتے ہیں۔ لیکن اہل ظاہر ظاہری کلمات کو دیکھتے ہیں اس لئے اس کے مصداق کو نہیں پاتے۔ یہ امر لابد ہے کہ ہر کلمہ کے معنے اس کے باطن میں ملاحظہ کئے جائیں اور باطن کو پا لینا ہر بے سروپا کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک منصب عالی ہے۔ جو فرشتہ یا نبی یا مومن ممتحن کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لیکن آج مومن ممتحن کہاں

پایا جاتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ باطنی معنی جان لینے کا دعوے کرے ؛ چونکہ ان اکثر احادیث کا جو علامات ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں باطنی مفہوم مراد ہے اور اہل زمان عموماً ظاہر بین ہیں اس لئے امام کے مقصود کو نہیں پاتے۔[1] "ائمۂ تلبیس" کے باب ۶ میں باطنی فرقہ کی تحریفات آپ کی نظر سے گزری ہوں گی۔ لیکن عنوان سابق میں آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ تحریف کاری کے فن میں بابی بھی انہی کے شاگرد رشید ہیں۔ گو اوپر بھی بابی باطنیت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے لیکن ذیل میں اس کے چند اور نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

الفاظ	بابی مفہوم
توحیدِ ذات	ذات مقدس حضرت نقطۂ وجود (باب) کی وحدانیت اور فردانیت کا اقرار
توحید صفات	حضرت حق کے جمیع اسماء و صفات کا مظہر حضرت نقطہ (باب) ہے۔ یعنی اس کی مشیت تمام مشیتوں سے بڑھ کر اور اس کا ارادہ عین اللہ کا ارادہ اس کی زبان اللہ کی زبان اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔
توحیدِ افعال	آنجناب (علی محمد باب) کا فعل اللہ کا فعل ہے۔ کسی کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ اس کے فعل میں چون و چرا کر سکے۔
توحیدِ عبادت	اس سرور (باب) کی محبت و عبودیت
زکوٰۃ	یوم قیام میں خدائے برتر کی مالکیت کا اقرار کرنا۔
روزہ	ان امور سے احتراز کرنا جو آنحضرت کی مرضی کے خلاف ہوں۔
حج	خدائے برتر کی مشیت، ارادہ، قضا و قدر کے ارد گرد پھرنا۔
بیت اللہ	(۱) جسم شریف حضرت نقطہ (باب) کے جسم شریف کا مقام استقرار اور (۲) حضرت نقطہ (باب) کا دل
زمزم	رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
صفا	شاہ ولایت
مشعر	حضرت فاطمہ زہرا رضہ
منیٰ	حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام رضہ

علی محمد باب قیامت کا بھی منکر تھا۔ اس کے نزدیک جیسا کہ اس نے "بیان" فارسی (باب ۷ واحد ۲) میں لکھا ہے یوم قیامت سے مراد شجرۂ حقیقت کا ظہور ہے اور حقیقت اس وقت تک مشاہدہ میں نہیں آسکتی جب تک کوئی شیعہ یوم قیامت کا مفہوم نہ سمجھے۔ بلکہ قیامت کے متعلق لوگوں نے جو کچھ موہوم سمجھ رکھا ہے عند اللہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ کے نزدیک یوم قیامت سے یہ مراد ہے کہ شجرۂ حقیقت کے ظہور کے وقت سے لے کر ہر زمانہ اور ہر اسم میں اس کے غروب تک قیامت کا دن ہے مثلاً عیسیٰ (علیہ السلام) کے یوم بعثت سے لے کر ان کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی کیونکہ شجرۂ حقیقت نے ہیکل محمدیہ (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) میں ظاہر ہوا تھا اور

[1] نقطۃ الکاف ص ۱۸۱۔ ۱۸۲ [2] نقطۃ الکاف ص ۱۴۸۔ ۱۵۱

اور شجرۂ بیان کے ظہور سے لے کر (معاذ اللہ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قیامت ہے جس کا قرآن میں خدائے قدوس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا آغاز ۵ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ کی رات کو دو ساعت اور گیارہ دقیقہ کے بعد ہوا کہ ۱۲۶۰ھ (علی محمد باب کی) بعثت کا سال بنتا ہے۔ یہی قرآن کے یوم قیامت کا آغاز ہے اور شجرۂ حقیقت کے غروب سے لے کر قرآن کی قیامت ہے کیونکہ جب تک کوئی چیز کمال تک نہ پہنچ جائے اس کی قیامت نہیں ہو سکتی اور دین اسلام کا کمال اوّل ظہور تک ختم ہو گیا اور من یظہرہُ اللہ کے ظہور پر بیان کی قیامت آجائے گی کیونکہ اس وقت بیان کا کمال ختم ہو جائے گا" جس طرح مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک لغو پیشین گوئی کر رکھی ہے کہ تین سو سال کی مدت میں ساری دنیا کا مذہب (معاذ اللہ) مرزائی ہو جائے گا۔ اسی طرح باب بھی کہہ گیا ہے کہ عنقریب سارے ایران کا مذہب بابی ہو جائے گا" لیکن یہ خواب نہ اب تک شرمندۂ تعبیر ہُوا۔ اور نہ یقیناً آئندہ ہو گا۔ اس لئے اس کو اضغاث احلام میں داخل سمجھنا چاہیئے۔

آیات قرآنی کو باب پر چسپاں کرنے کی کوشش

مرزا غلام احمد کی حق فراموش اُمت سخت ملحدانہ دیدہ دلیری کے ساتھ بعض آیات قرآنیہ کو مرزا غلام احمد پر چسپاں کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔ گو اس عیاری میں مرزائیوں کی حیثیت محض ناقلانہ و مقلدانہ ہے۔ اور اس فن میں ان کے اصل گرو بابی لوگ ہیں لیکن یہ بھی ایک ایسی حرکت ہے جو ان کے فاقد الایمان ہونے پر مہر توثیق ثبت کرتی ہے۔ بابیوں کی اس الحاد پسندی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔ آیۃ وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کا صحیح مفہوم تو یہ ہے کہ "بلا شبہ ہم نے توراۃ کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ اس سرزمین کے مالک میرے صالح و شائستہ بندے ہوں گے" یعنی اخیر زمانہ میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے اور ان کی اُمت اس زمین پر غالب آئے گی" لیکن حاجی میرزا جانی بابی اس کی تفسیر میں یوں گوہر افشانی کرتا ہے "ہم نے زبور میں لکھا تھا کہ ذکر یعنی علی محمد باب کے ظہور کے بعد میرے نیک بندے زمین کے مالک ہوں گے اور اگر ذکر سے مراد قرآن لیا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ قرآن کے بعد کتاب بیان ہے جس کے حامل حضرت ذکر (علی محمد باب) ہیں۔ رہا سلطنت الٰہی کا ظہور سو عرض ہے کہ سلطنت الٰہی نے دلوں کی سرزمین میں تجلی فرمائی ہے اسی کا ئنات قلب و روح میں ایسے ایسے پاکباز لوگ پیدا ہوئے ہیں کہ چشم روزگار نے اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھے تھے اور ضرور ہے کہ سلطنت ظاہری بھی ان حضرات کو بہم پہنچے گی۔ گو ہزار سال کی مدت ہی کیوں نہ گذر جائے۔ پس اس آیہ کا جزئی مصداق تو جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور کلی طور پر حضرت قائم (علی محمد باب) ہیں اور سچ پوچھو تو حضرت قائم علیہ السلام کا ظہور بھی محمد علیہ السلام ہی کی رجعت ہے۔ عارف باللہ اور عبد منصف کیلئے سارا قرآن حضرت قائم کی عظمت شان کی باطنی تفسیر ہے

باب ۴۳۔ ملا محمد علی بارفروشی

ملا محمد علی بارفروشی جسے بابی لوگ قدوس کے لقب سے یاد کرتے ہیں علی محمد باب کا سب سے بڑا خلیفہ تھا۔ اس کے

ع۵ نقطۃ الکاف ص ۲۷۲-۲۷۳

بعض حالات باب سابق میں سپرد قلم ہو چکے ہیں۔ مقام قدوسیت اور رجعت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مدعی تھا۔ رجعت رسول اللہ سے اس کی یہ مراد تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از سر نو دنیا کے اندر تشریف لاکر (معاذ اللہ) بارفروشی کے پیکر میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد نے بارفروشی ہی کے چبائے ہوئے لقمے کو اپنے خوانِ الحاد کی زینت بنالیا تھا۔ چنانچہ قادیانی صاحب نے ۵ نومبر ۱۹۰۱ء کے اشتہار میں لکھا کہ "میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ" میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیا ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی[1]۔ حاجی میرزا جانی کاشانی "نقطۃ الکاف" میں لکھتا ہے کہ بارفروشی کے حق میں بہت سی حدیثیں ائمۂ دین سے وارد ہیں منجملہ ان کے وہ حدیث ہے کہ جب سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو تو سمجھ لو کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے"۔ ایک وہ حدیث ہے جس میں چار جھنڈوں کا ذکر ہے۔ رایت یمانی، حسینی، خراسانی، طالقانی۔ یہ چاروں جھنڈے حق ہیں اور سفیانی پرچم جوان چاروں کے بالمقابل ہے باطل ہے حاجی میرزا جانی لکھتا ہے۔ کہ اس حدیث میں رایت یمانی سے مراد جناب ذکر (علی محمد باب) ہے اور رایت حسینی سے حضرت قدوس (ملا محمد علی بارفروشی) کا پرچم ہے۔ رایت خراسانی سے سید الشہداء علیہ السلام (ملا حسین بشرویہ) کا جھنڈا مقصود ہے جس نے خراسان سے حرکت کی تھی اور طالقانی جھنڈا سے جناب طاہرہ (قرۃ العین) مراد ہے کہ جس کا باپ طالقانی تھا۔ اور سفیانی جھنڈا ناصر الدین شاہ والی ایران کا پرچم ہے"۔ بابیوں نے قائمیت کا منصب دو شخصوں کو دے رکھا تھا ایک مرزا علی محمد باب کو دوسرا محمد علی بارفروشی کو لیکن بابیوں کی بعض تحریروں میں ملا بارفروشی کو علی محمد باب سے بھی فائق و برتر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حاجی میرزا جانی کاشانی لکھتا ہے۔ کہ اس دورہ میں اصل نقطہ حضرت قدوس (ملا بارفروشی) تھے اور جناب ذکر (علی محمد) اس کے باب (وسیلہ) تھے لیکن چونکہ رجعت کا دورہ تھا اور ولایت ظہور میں نبوت پر سبقت لے گئی اس لئے جناب ذکر (علی محمد) پہلے ظاہر ہو کر تین سال تک داعی الی الحق رہا۔ اس کے بعد چوتھے برس حضرت قدوس (ملا بارفروشی) ظاہر ہوئے[2]۔

باب ۴۶- زرین تاج معروف بہ قرۃ العین

زرین تاج عرف "قرۃ العین" ایک اعجوبۂ روزگار عورت گذری ہے۔ اس کا باپ حاجی ملا صالح قزوین کا ایک مشہور شیعی عالم تھا۔ باپ نے اس کو گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جب حدیث تفسیر اور فقہ کے علاوہ الہیات فلسفہ میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تو اس کی شادی اس کے حقیقی چچا مجتہد العصر ملا محمد تقی کے فرزند ملا محمد کے ساتھ ہوگئی

[1] تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جلد ۱۰ ص ۲۰۔ [2] نقطۃ الکاف ص ۱۵۲-۱۵۳، ۲۰۷-۲۰۸

جو جملہ علوم میں تبحر رکھنے کے ساتھ ایک جوان صالح تھا۔ جب زرین تاج نے علی محمد باب کے حالات سنے تو خفیہ طور پر باب کو خط لکھا۔ باب نے اس کے جواب میں جو چٹھی لکھی اس کو پڑھ کر وہ بے دیکھے اس پر ایمان لے آئی۔ قرۃ العین نے چند روز تک اپنی بابیت کو مخفی رکھا اور پوشیدہ ہی پوشیدہ دونوں میں مراسلت رہی۔ آخر جب باب نے دیکھا کہ یہ بحث و مناظرہ میں طاق اور اپنی دُھن میں پکی ہے تو اسے لکھ بھیجا کہ اب تم ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ شروع کر دو اور اس کے ساتھ باب نے اسے قرۃ العین (آنکھ کی پتلی) کا خطاب مستطاب بھی عطا کیا۔ قرۃ العین بابیت میں ایسی راسخ العقیدہ نکلی کہ اس نے باب کی راہ محبت میں حب مال و عیال اور اسم ورسم کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ قرۃ العین بابی مسلک کے نشر و ابلاغ میں اور براہین و ادلّہ مذہب کے پیش کرنے میں اس درجہ پر پہنچی ہوئی تھی کہ باب کے بڑے بڑے پیرو بھی جن میں سے بعض تو صفوۂ دہر اور سر آمد روزگار تھے۔ اس کے ادراک سے عاجز تھے۔ قرۃ العین نے پہلے گھر ہی میں تبلیغ کی طرح ڈالی نتیجہ یہ ہُوا کہ میاں بی بی میں بحث چھڑ گئی۔ ملا محمد نے لاکھ سر مارا لیکن بی بی کے خیالات بدلے نہ جا سکے۔ آخر شوہر نے اپنے باپ اور خسر سے شکایت کی انہوں نے بھی قرۃ العین کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح قائل نہ ہوئی۔ بلکہ باپ چچا اور شوہر کی مخالفت پر آمادہ ہوئی۔ قرۃ العین نے شوہر سے ملنا جلنا بات چیت ترک کر دی۔ باپ نے بڑی کوشش کی کہ یہ کسی طرح اپنے میاں ملا محمد سے مصالحت کرے لیکن قرۃ العین نے کسی طرح قبول نہ کیا۔ جب باپ کا اصرار بہت بڑھا تو کہنے لگی کہ میں طاہرہ ہوں (باب نے اس کو طاہرہ کا خطاب بھی دیا تھا) اور میرا شوہر امر حق کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے خبیث و مردود ہو گیا ہے۔ چونکہ ہمارے درمیان جنسیت نہیں رہی۔ اس لئے یہی باطنی عدم جنسیت طلاق و تفریق کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے بعد اپنے باپ سے کہنے لگی کہ عہد رسالت میں بھی ایسا ہی ہُوا تھا۔ مکہ کی جو عورتیں حضرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں اور ان کے شوہر بدستور کافر رہے۔ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں بے طلاق دوسروں کے عقد ازدواج میں دیدیا تھا۔

پردے کی پابندی

قرۃ العین نے بغیر اس کے کہ شوہر اور خسر کی اجازت یا عدم اجازت کی کچھ پروا کرے اپنے گھر میں ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ کی محفلیں گرم کرنی شروع کر دیں۔ جن میں خلقت کثیر جمع ہو جاتی۔ جب شوہر اور خسر کی طرف سے اس کام میں مزاحمتیں شروع ہوئیں تو کربلا چلی گئی۔ وہاں اس نے ایک مجلس درس قائم کی۔ اس مجلس میں پردے کا بڑا اہتمام تھا۔ مرد پس پردہ اور عورتیں پردہ کے اندر بیٹھ کر استفادۂ وعظ کرتی تھیں۔ اور خود بھی پس پردہ بیٹھ کر مصروف درس ہوتی تھی[1] مولوی عبد الحلیم شرر لکھنوی مرحوم نے رسالہ قرۃ العین میں اس کو ایک آزاد خیال عورت بتایا ہے جو برسرِ عام اپنے حسن کی نمائش کرتی تھی۔ چنانچہ شرر مرحوم لکھتے ہیں کہ قرۃ العین مزدک کی ہم آہنگ ہو کے کہتی تھی کہ عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ کسی ایک ہی کی پابند کر دی جائیں اور دوسرے لوگ اس کے حسن و جمال کی لذت سے محروم کر دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور علم و فضل نے اس میں آزادی پیدا کر دی تھی۔ یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوتے ہی ترقی کرتا اور تبحر و تحقیق کے ساتھ بڑھتا گیا۔ اپنی تقریر دل میں کہتی تھی۔ کہ اس پردے کو پھاڑ

---

[1] نقطۃ الکاف ص ۱۳۹

کے پھینک دو۔ جو تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان حائل ہے اور انہیں خلوت سے جلوت میں لاؤ۔ عورتیں دنیوی زندگی کے باغ کے خوبصورت پھول ہیں اور پھول صرف اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ آغوش شوق میں رکھے اور سونگھے جائیں۔ وہ گلے لگانے اور لطف اٹھانے ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ اور کچھ ضرورت نہیں کہ سونگھنے اور لطف اٹھانے والوں کے لئے کیفیت و مقدار کی قیدیں لگائی جائیں۔ پھول کو جس کا جی چاہے لے اور سونگھے کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ تبلیغی محفلوں میں وہ بے نقاب برآمد ہو کے سحر بیانیاں کرتی۔ بہت سے لوگ محض اس کے رخ زیبا دیکھنے اور آنکھیں سینکنے کے شوق میں چلے آتے حسن و جمال اور دلفریبی کی یہ حالت تھی کہ جس نے ایک دفعہ صورت دیکھ لی فریفتہ ہو گیا۔ اور اسی کا دم بھرنے لگا۔ بڑے بڑے لوگ رعب حسن سے ایسے مغلوب ہو جاتے کہ اس کے سامنے لب ہلانے کی جرأت نہ ہوتی۔" مگر یہ بیان مبالغہ آمیز ہے۔ بابی مذہب کی تمام کتابیں اس پر متفق اللفظ ہیں کہ نہ صرف وہ پردہ کی پابند تھی اور اس کے چہرے پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ بلکہ وہ دوسری عورتوں کو بھی حجاب و تستر ہی کی تلقین کرتی تھی۔ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ میں نے صبح ازل سے پوچھا تھا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرۃ العین نے (دائرۂ بابیت میں داخل ہونیکے بعد) برقعہ اتار دیا تھا" اس میں کچھ صداقت ہے یا نہیں؟ صبح ازل نے جواب دیا کہ یہ غلط ہے کہ اس نے بے پردگی اختیار کر لی تھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ تقریروں میں فصاحت و خوش بیانی کی داد دیتے وقت بعض اوقات اپنے جذبات سے اس درجہ مغلوب ہو جاتی تھی کہ وہ چشم زدن کے لئے چہرے سے نقاب الٹ دیتی تھی۔ لیکن پھر معاً چہرہ ڈھانک لیتی تھی؏"۔ قرۃ العین نے کربلا میں جو درس قائم کر رکھا تھا گو وہ بادی النظر میں مجلس درس و تدریس تھی۔ لیکن فی الحقیقت وہ اس کی آڑ میں بابیت کی تبلیغ کرتی تھی۔ جب کربلا میں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا شہرہ ہوا۔ اور کربلا کے ترک حاکم نے دیکھا کہ اس کے شرکائے درس بابیت میں داخل ہوتے جاتے ہیں تو حاکم نے اس کے گرفتار کرنے کا قصد کیا کہنے لگی میں مقام علم کی مدعی ہوں۔ تم اپنے علماء کو جمع کرو تا کہ میں ان سے گفتگو کروں۔ آخر حاکم کربلا نے حکم دیا کہ جب تک اس کے متعلق بغداد سے حکم نہ آجائے کربلا سے باہر نہ جانے پائے لیکن وہ کسی ترکیب سے کربلا چھوڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں سے اس نے سیدھا بغداد کا رخ کیا۔

حاجی ملا نقی قزوینی کا قتل بغداد پہنچ کر اس نے مفتی اعظم سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ بابی تحریک پر روشنی ڈال کر باب کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد مفتی اعظم سے درخواست کی کہ وہ انہیں تبلیغ بابیت کی اجازت دیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا مفتی بھلا اسے کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ وہ کھلے بندوں مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالتی رہے۔ مفتی اعظم سے ناامید ہو کر وہ گورنر سے ملی اور تبلیغ کی اجازت چاہی گورنر نے حکم دیا کہ تم ترکی عملداری سے نکل جاؤ۔ ناچار بغداد کو الوداع کہا لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے بابیت کے ہنگامے برپا کر دیئے اور بغداد کرمانشاہ اور کرمانشاہ سے ہمدان جاتے جاتے اس نے بہت لوگوں کو دائرۂ بابیت میں داخل کیا۔ ایک موقع پر اس نے حسب بیان حاجی میرزا کاشانی توحید کے بعض اسرار ایسے مغلق و مبہم الفاظ میں بیان کئے کہ رفقائے سفر میں سے

؏ اپیی سوڈ اوف باب ص ۴۱۳

شیخ صالح عرب، شیخ طاہر واعظ، ملا ابراہیم محلاتی اور آقا سید محمد گلپایگانی ملقب بہ ملیح کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ جو لوگ اس کے فہم و ادراک سے قاصر ہے انہوں نے زبانِ ردّ و طعن دراز کرتے ہوئے علی محمد باب کے نام شکوہ آمیز خطوط روانہ کئے۔ باب نے ان شکووں کے جواب میں قرۃ العین کو طاہرہ کے خطاب سے مفتخر کیا۔ اور اس کے آثار توحید کو منتسب الی اللہ گردانا۔ یہ دیکھ کر تمام منکر بابی اپنے کئے پر پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے۔ قرۃ العین نے ہمدان سے طہران جا کر محمد شاہ والئی ایران کو وعظ و نصیحت کرنے کا قصد کیا۔ جب اس کے باپ حاجی ملا صالح کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگا ہوا آیا اور بیٹی کو اس خیال سے باز رکھ کر قزوین لے گیا۔ قرۃ العین تھوڑے دن تو امن و سکون سے رہی لیکن اس نے پھر حسب معمول بابیت کی رٹ لگانی شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خسر اور شوہر میں پھر چپقلش شروع ہوئی۔ اب اس نے فتویٰ دے دیا کہ ملا تقی اور ملا محمد دونوں کافر اور واجب القتل ہیں کیونکہ جو کوئی تبلیغ حق میں مانع ہو اس کا خون حلال ہے۔ یہ فتوے سن کر بابیوں میں بلا کا جوش پیدا ہوا اور ہر طرف ایک آگ سی لگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن نماز فجر سے پہلے ہی چند سر بکف بابی فدائی مسجد میں جا کر چھپ رہے اور جیسے ہی قرۃ العین کے خسر ملا محمد تقی محراب مسجد میں نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے بابی کمینگاہ سے نکلے اور نرغہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ اور صرف جاں ستانی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ناک کان اور تمام اعضا و جوارح جدا کر کے صورت کو بالکل مسخ کر دیا۔ اس خوفناک حادثہ پر شہر میں آگ سی لگ گئی۔ قرۃ العین کے خلاف ہر طرف طوفانِ غضب امنڈ آیا۔ لوگ ہتھیار لئے پھرتے تھے کہ قرۃ العین اور اس کے بابی پیرووں کو جہاں پائیں ٹھکانے لگا دیں۔ یہ رنگ دیکھ کر قرۃ العین نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ قزوین سے نکل بھاگے۔ چنانچہ جس قدر بابی مل سکے انہیں ساتھ لیا۔ اور عام سڑکوں کو چھوڑ کر غیر معروف اور مجہول راستوں سے بھاگ کر اس مقام پر حدود خراسان میں داخل ہوئی جہاں ملا حسین بشرویہ نے سلطنت کے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا

عبرتناک موت

اس اثنا میں اس نے سنا کہ باب کا زبردست داعی ملا محمد علی بارفروشی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی طرف آ رہا ہے۔ جب بارفروشی وہاں پہنچا تو دونوں بڑی گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کارروائی کریں۔ بارہا دونوں میں تخلیہ ہوا اور زرین تاج کمال آزادی سے بارفروشی سے بے حجاب ملتی رہی۔ چنانچہ بابیوں کے اکثر مخالف واقعہ نگار اس کی اور بارفروشی کی تخلیہ کی ملاقاتوں کو ناجائز اور فاسقانہ تعلقات پر محمول کرتے ہیں۔ اب زرین تاج اور ملا بارفروشی نے ایک ہی محمل میں سوار ہو کر آگے کا سفر کیا۔ جب بدشت کے صحرا میں پہنچے تو رات کو قزاقوں نے لوٹ لیا۔ اور سب کو لنگوٹیاں بندھوا کے چھوڑ دیا۔ یہاں سے تمام بابی بحال تباہ متفرق و منتشر ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سمایا اس طرف کو چلا گیا۔ اسی افراتفری میں ملا بارفروشی اور زرین تاج کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ ملا محمد علی تو بارفروش چلا گیا اور زرین تاج ادھر ادھر سرگردان پھرنے لگی جب بابیوں کے لٹنے اور بحالت تباہ منتشر و پراگندہ ہونے کی خبر مازندران پہنچی تو لوگ بہت خوش ہوئے اب تو یہ حالت ہو گئی کہ بابی جدھر کا رخ کرتے اور جس شہر میں جاتے سخت رسوائی کے ساتھ نکال دیئے جاتے۔ حاکم ساری کو تاج زرین کا حال معلوم ہوا تو پیادے بھیج کر اسے ساری میں طلب کرنا چاہا لیکن وہ نور کو چلی گئی کچھ مدت نور میں رہی۔ آخر باشندگان نور نے اسے گرفتار کر کے حکام کے حوالے

کر دیا۔ حکام نے اسے طہران بھیج دیا۔ یہاں وہ محمود خاں کلانتر کی حراست میں رکھی گئی اور اگست ۱۸۵۲ء تک جبکہ وہ قتل ہوئی ہے اسی مکان پر رہی۔ گو محمود خاں کے مکان پر بظاہر نظر بند تھی لیکن وہ مختلف بابیوں کے ساتھ شہر کے مختلف حصوں میں بارہا دیکھی گئی جہاں وہ طرح طرح کے حیلے حوالے کرکے چلی جاتی تھی۔ دو ڈھائی سال اسی طرح گذر گئے۔ آخر جب ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو یہ بھی ان اٹھائیس ماخوذین میں داخل تھی جو واجب القتل ٹھہرائے گئے تھے۔ تاریخ نگار اس میں باہم مختلف البیان ہیں کہ قرۃ العین کس طرح ہلاک کی گئی؟ بعض کہتے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کی نعش جلا دی گئی۔ بعض کا بیان ہے کہ باغ ایلخانی میں لے جاکر نانت سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے باغ "لالہ زار" میں ہلاک کیا گیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ اسے قصر شاہی کے ایک باغ میں جسے "نگارستان" کہتے تھے لے جاکر ڈھکیل دیا گیا اور اس کوئیں کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔ایک بیان یہ ہے کہ اس کی زلفیں چاروں طرف سے کاٹ ڈالی گئیں۔ اور چندیا کے گرداگرد سر مونڈ ڈالا گیا۔ پھر سر کے بیچ کے بال ایک خچر کی دُم میں باندھے گئے اور لوگ اس طریقہ سے کھینچتے ہوئے اسے دار القضا میں لائے محکمۂ قضاء نے حکم نافذ کیا کہ زندہ آگ میں جلا دی جائے۔ لیکن قاتلوں نے گلا گھونٹ کے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش آگ میں پھونک دی گئی۔ لیکن میرے نزدیک مؤخر الذکر روایت ناقابل اعتماد ہے۔ شرر مرحوم نے یہ لکھنے میں غلطی کی ہے کہ قرۃ العین علی محمد باب کے مارے جانے سے دو سال پیشتر ہلاک کی گئی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ باب بتاریخ ۹ جولائی ۱۸۵۰ء قتل ہوا تھا۔ (ایپی سوڈ آف دی باب ص ۴۸) اور قرۃ العین کو اگست ۱۸۵۲ء میں خاک ہلاک پر ڈالا گیا (ایضاً صفحہ ۳۱۳)

حضرت فاطمہؓ کے مظہر ہونیکا دعویٰ

قرۃ العین سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مظہر ہونے کی دعویدار تھی اسے بابیت میں اتنا شغف اور غلو تھا کہ غیر بابیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا حاجی میرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ راہ استدلال میں پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھی اور اسی کا اثر تھا کہ لوگ اسے بابی مذہب کا رکن رابع یقین کرتے تھے۔ حسب بیان حاجی میرزا جانی قرۃ العین کو کسی امام معصوم کی ایک حدیث پہنچی تھی کہ جو کوئی ہمارے کامل شیعوں کو دشنام سے یاد کرے گا۔ وہ گویا ہم پر سب و شتم کرے گا۔ اور جو ہمیں دشنام دے گا وہ گویا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالی دے گا اور ایسا شخص ناصبی، کافر اور نجس ہوگا۔" اسی بنا پر وہ بابیوں کے سوا ہر شخص کو کافر اور ناپاک سمجھتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ بازار کی پکی ہوئی چیزیں حرام سمجھ کر نہ کھاتی تھی لیکن اس نے ان مزعومہ حرام و نجس چیزوں کے پاک کرنے کا ایک ڈھکوسلہ بھی بنا رکھا تھا چنانچہ کہتی تھی کہ میری آنکھ حضرت سیدۃ النساء (رضی اللہ عنہا) کی چشم مبارک کا حکم رکھتی ہے۔ میں جس نجس اور ناپاک چیز پر ایک نظر ڈال دوں وہ پاک و طاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مطہرات یعنی پاک کرنے والی چیزوں میں آل اللہ کی نظر بھی داخل ہے۔ چنانچہ اپنے بابی معتقدین سے کہا کرتی تھی۔ کہ جو چیز بازار سے خریدو وہ میرے پاس لے آؤ۔ تاکہ میں اس پر نظر ڈالوں اور وہ حلال و طیب ہو جائے۔[۲]

[۱] ایپی سوڈ آف دی باب مطبوعہ کیمبرج ص ۳۱۳ [۲] نقطۃ الکاف ص ۱۴۱-۱۴۲

قرۃ العین بحیثیت قادر الکلام شاعرہ

قرۃ العین بحیثیت شاعرہ ایران میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ پروفیسر براؤن وغیرہ کو باوجود تفحّص بسیار اس کے دو ہی قصیدے مل سکے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ باب نے اس کو طاہرہ کا لقب دیا تھا۔ اس نے اسی کو اپنا تخلص قرار دے لیا تھا۔

قصیدۂ اوّل

نفحات وصلک اوقدت جمرات شوقک فی الحشا — ز غمت بہ سینہ کم آتشے کہ نزد زبانہ کما تشا
جذبات شوقک الجمت بسلاسل الغم والبلا — ہمہ عاشقان شکستہ دل کہ دہند جان برہ بلا
لمعات وجہک اشرقت و شعاع طلعتک اعتلیٰ — ز چہ رو الست بربکم نزنی؟ بزن کہ بلیٰ بلیٰ
اگر آن صنم ز رہِ ستم پئے کشتن من بے گناہ — لقد استقام بسیفہ فلقد رضیت بما رضی
تو کہ غافل از مے و شاہدی پئے مرد عابد و زاہدی — چہ کنم کہ کافر و جاحدی ز خلوص نیت اصطفا
تو و ملک و جاہِ سکندری من و رسم و راہِ قلندری — اگر آن خوش ست تو در خوری وگر این بدست مرا سزا
من و عشق آن مہ خوبرو کہ چو زد صلائے بلا بر او — کہ نشاط و قہقہہ شد فرو کہ انا الشہید بکربلاء
بجوابِ طبل الستِ تو ز ولا چو کوس بلیٰ زدند — ہمہ خیمہ زد بدر دلم سپہ غم و حشم بلا
چہ شود کہ آتش حیرتے بزنی بقلۂ طورِ دل — فدککتہ و دککتہ متدکدکاً متزلزلاً
پئے خوان دعوتِ عشق او ہمہ شب ز خیلِ کروبیان — رسد این صفیر مہیمنے کہ گروہ غمزدہ الصلا
ہلہ اے گروہ امامیان بکشید ولولہ راسیان — کہ ظہور دلبرِ ما عیان شدہ فاش و ظاہر و برملا
گرتان بود طمع بقا در تان بود ہوس لقا — ز وجود مطلق مطلقا برآن صنم بشوید لا
طلعت ز قدس بشارتے کہ ظہور حق شدہ برملا — بزن اے صبا تو بمحفلش بگروہ زندہ دلاں صلا
چو شنید نالۂ مرگ من پئے ساز من شد و برگ من — فمشیٰ الیّ مہرولاً و بکیٰ علیّ مجلجلاً
ہلہ اے طوائف منتظر ز عنایتِ شہِ مقتدر — سر مفتخر شدہ مشتہر متبہجاً متہللاً
دو ہزار احمدِ مجتبیٰ ز بروق آں شہ اصفیا — شدہ مختفی شدہ در خفا متستراً متزملاً
تو کہ فلس ماہیٔ حیرتی چہ زنی ز بحر وجود دم — بنشیں چو طاہرہ دمبدم بشنو خروش نہنگ لا
طلعات قدس بشارتی کہ جمال حق شدہ برملا — بزن اے صبا تو بساحتش بگروہ غمزدگان صلا
شدہ طلعت صمدی عیاں کہ بپا کند علم بیاں — زگمان و وہم جہانیاں بجبروت اقدس اعتلا
بسریر عزت و فخر شاں بنشستہ آں شہ بے نشاں — بزداں صلا ببلا کشاں کہ گروہ مدعی الولا
چو کسی طریق مرا رود کنمش ندا کہ خبر شود — کہ ہر آنکہ عاشق من شود ز ہزار محنت و ابتلا
کسی ار نہ کرد اطاعتم نہ گرفت حبل ولایتم — کنمش بعید ز ساحتم دہمش بقہر بباد لا
صمدم ز عالم سرمدم احدم ز منبع او حدم — پئے اہل افئدہ آمدم ہلم الینا مقبلا

قبسات نار شیتی نادت الستُ بربکم
بگذر بساحت قدسیاں بشنو صفیر بلیٰ بلیٰ

منم آن ظہور ہیمنی منم آں منیّت بے منی
منم آں سفینۂ الیمنی ولقد ظہرت مجلّلاً

شجر مربع جاں منم ثمر عیاں و نہاں منم
ملک الملوک جہاں منم ولی البیان قد علا

شہدائے طلعتِ نار من بدید سوئے دیارِ من
سر و جاں کنید نثار من کہ منم شہنشہ کربلا

بزنید نغمہ ز ہر طرف کہ زوجہ ما طلع ما عرف
رفع القناع وقد کشف ظلم اللیال قد انجلیٰ

برسید باسپہ طرب صنمی مجسم صمدے عرب
بدمید شمس ہدے غرب بدوید البیہ ہرولا

فوران نار ز ارض فا فوران نور ز شہرہا
ظہران روح ز شطرہا ولقد علا و قد اعتلا

ظہر العماء تکفکفت ورق البہاء تصفصفت
دیک الضیاء تذورقت متمثلاً متجللاً

ز ظہور آن شہ آلہہ ز الست آں مہ ما آر
شدہ آلہہ ہمہ والہہ تنغنیات بلیٰ بلیٰ

بتموج آمدہ آں یمے کہ بکربلاش بہرمے
متنظر است بہردمے دو ہزار وادئ کربلا

زکمان آں رخ پر ولہ زکمند آں مہ دہ دلہ
دو ہزار فرقہ و سلسلہ متفرقاً متسلسلا

ہمہ موسیاں عمائیش ہمہ عیسیاں سمائیش
ہمہ دلبرانِ بقائیش متولّہا متزمّلا

بحر الوجود تموّجت لعل الشہود تو تجّت
صعق الجحود تلجلجت بلقائہ متجمّلا

تلل جمال ز طلعتش قلل جبال ز رفعتش
دو دل جلال ز سطوتش متخشعا متزلزلا

دلم از دو زلف سیاہ او ز فراق روی چو ماہ او
بتراب مقدم راہ او شدہ خون من متبلبلا

زغم تو اے مہ مہرباں ز فراقت ای شہ دلبراں
شدہ روح ہیکل جسمیان متخفّفا متخلخلا

تو و آں تشعشع روے خود تو و آں تلمع موے خود
کہ رسانیم تو بکوے خود متسرّعاً متعجّلاً

نہ چو زلف غالیہ بار او نہ چو چشم فتنہ شعار او
شدہ نافۂ ہمہ ختن شدہ کافرے ہمہ خطا

سحر آن نگار ستمگرم قدمے نہادہ بہ بسترم
واذا رأیتُ جمالہ طلع الصبّاح کانّما

بمراد زلف معلقی پے اسپ و زین مغرّقی
ہمہ عمر منکر مطلقی ز فقیر فارغ بے نوا

بگذر ز منزل ما و من بگزیں بملک فنا وطن
فاذا فعلت بمثل ذا فلقد بلغت بما تشا

چو شکنج زلف تو پر شکن گرہے فتادہ بکار من
بگرہ کشائی زلف خود کہ زکار من گرہے کشا

ہمہ اہل مسجد و صومعہ پئے ورد صبح و دعائے شب
من و ذکر طرہ طلعت تو من الغداۃ الی العشا

قصیدہ دوم

گر بتو افتدم نظر چہرہ بچہرہ رو برو
شرح دہم غم ترا نکتہ بنکتہ مو بمو

از پے دیدنِ رخت ہمچو صبا فتادہ ام
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

دو رو دہان تنگ تو عارضِ عنبریں خطت
غنچہ بغنچہ گل بگل لالہ بلالہ بُو بہُو

میرود از فراق تو خون دل از دو دیدہ ام
دجلہ بدجلہ یم بیم چشمہ بچشمہ جُو بجُو

مہر ترا دل حزیں بافتہ بر قماش جاں
رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو

در دل خویش طاہرہ گشت و نیافت جز ترا
صفحہ بصفحہ لا بلا پردہ بپردہ تو بتو

یہ قصائد علی محمد باب کی حمد و ثنا اور اس کے اشتیاق ملاقات میں کہے گئے ہیں اِن اشعار میں جو فصاحت و بلاغت، بلند خیالی اور شوکت الفاظ ہے۔ یقین ہے کہ وہ قارئین سے خود خراج تحسین وصول کرلے گی۔

باب ۶۵- شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی

دو مسیحان کاذب بعض ناواقف گمان کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد ہی وہ حضرت ہیں جنھوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے علم مسیحیت بلند کر کے خلق خدا کو گمراہ کیا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ ان سے پہلے بھی سرزمین ہند میں مسیحان کذاب گزر چکے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید محمد جونپوری نام ایک صاحب نے جنہیں ان کے پیرو میراں جی کہا کرتے تھے ۹۰۱ھ میں یعنی آج سے قریباً ساڑھے چار سو سال پہلے ہندوستان میں مہدویت کا دعویٰ کیا تھا ان کے پیرو مہدوی کہلاتے ہیں۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے۔ جب سید محمد جونپوری کو دعوائے مہدویت کئے کچھ عرصہ گذر چکا تو ان کے پیرو حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ ہوئے۔ لیکن ان کے خلاف توقع مسیح علیہ السلام نے قدم رنجہ نہ فرمایا کیونکہ ان کی تشریف آوری سچے مہدی علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ وابستہ ہے۔ آخر سید جونپوری کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ بھیک۔ نام مسیحیت کا مدعی بن بیٹھا لیکن ظاہر ہے کہ جب تک شیخ بھیک کو سید جونپوری کی بارگاہ سے مسیحیت کی سند صداقت نہ ملتی وہ مہدویہ میں سچا مسیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب شیخ بھیک میراں جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میراں جی نے فرمایا کہ تجھ کو عیسیٰ کس نے بنایا؟ اس نے کہا اسی نے جس نے آپ کو مہدی بنایا۔ میراں جی نے کہا تو جھوٹا مسیح ہے کیونکہ تیری ماں تو فلانی تھی آنے والے عیسیٰ تو مریم کے فرزند ہوں گے۔ اور ڈانٹ کر کہا کہ اگر تو پھر مسیح موعود ہونے کا دعوے کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ شیخ بھیک پر اس وقت تو اس وعظ کا کچھ اثر نہ ہوا لیکن چند روز کے بعد خود ہی اس دعویٰ سے رجوع کر لیا۔ میراں جی نے کہا کہ اب بالائے آسمان سے کس طرح اُترآئے؟ پھر خود ہی کہہ دیا کہ ہاں یہ بھی ایک مقام تھا[1] مہدویہ میں سید محمد جونپوری کی رحلت کے بعد دو اور خانہ ساز مسیحان موعود کا پتہ چلتا ہے۔ حسب بیان مولانا محمد زمان خاں شہید مہدویہ کی ایک کتاب "انصاف نامہ" کے اٹھارویں باب میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری کے ایک خلیفہ خوند میر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میاں خوند میر نے فرمایا کہ میں آج رات

[1] شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی کا تذکرہ سید محمد جونپوری کے بعد درج ہونا چاہئے تھا لیکن غلطی سے قلم انداز ہو گیا اسلئے مجبوراً یہاں قلمبند کیا گیا ہے۔ ۱۲ مؤلف

بتوجہ تمام بیٹھا تھا اور میراں جی کو بچشم خود دیکھتا تھا۔ میں نے پوچھا میراں جی! حضرت عیسیٰ کس وقت آئیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ میں نے پوچھا آپ کے ساٹھ سال بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک پھر پوچھا آپ کے پچاس برس بعد آئیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ پوچھا آپ سے چالیس برس کے بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ میں نے دریافت کیا کہ تیس سال بعد آجائیں گے؟ فرمایا نزدیک۔ پوچھا دس سال کے بعد آجائیں گے؟ کہا نزدیک۔ اس کے بعد ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دیکھو حضرت عیسیٰ حاضر ہیں خود اُن سے پوچھ لو۔" میاں خوندمیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بہت سی باتیں دریافت کیں لیکن یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ کب تشریف لائیں گے؟ اس مکاشفہ کے بیس سال بعد جونپوری کے ایک مرید شیخ محمد خراسانی نے سندھ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسلامی حکومت تھی۔ اس قسم کی فتنہ پردازی ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔ خراسانی زیر حراست کر لیا گیا اور بادشاہ شریعت پناہ کے حکم سے اس کا سر قلم کیا گیا۔[1] اسلامی سلطنتوں میں فتنہ پرداز مسیحوں اور خانہ ساز مہدیوں کا یہی حشر ہوتا ہے اسی انجام کے پیش نظر مسیح قادیان نے نہ کبھی حج کے لئے مکہ معظمہ جانے کی جرأت کی اور نہ امیر افغانستان کی دعوت پر سرزمین افغانستان کا رخ کیا۔

ایک اور مسیح دجّال اسی انصاف نامہ میں مذکور ہے کہ جونپوری کے مریدوں میں ابراہیم بزلہ نے بھی عیسویت کا دعویٰ کیا تھا اس سے بھی یہی کہا گیا کہ آنے والے عیسیٰ تو مریمؑ کے فرزند ہیں اور تیرے ماں اور باپ فلاں ہیں۔[2] معلوم نہیں کہ میاں بزلہ اس کے بعد تائب ہو گیا یا مرزا غلام احمد کی طرح اپنی ہٹ پر قائم رہ کر بدستور اغوائے خلق میں مصروف رہا؟

باب ۶۶ - مومن خاں اُچّی

مومن خاں اُچّی جسے حاجی میرزا جانی کاشانی اور دوسرے بابیوں نے مومن ہندی کے نام سے یاد کیا ہے۔ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ میں سے تھا۔ جو اُچ میں کُملین عرفاء میں سے گذرے ہیں سات سال کی عمر میں چیچک یا کسی دوسرے عارضہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ اس کا رجحان طبع دین کے بجائے دنیا کی طرف زیادہ تھا۔ اس لئے اوائل عمر میں دینی علوم کی بجائے دنیوی علوم کی تحصیل میں منہمک رہا۔ علم طب النجوم جفر اور صناعت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ متعدد زبانیں جانتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب بمبئی پہنچا تو بدنصیبی سے وہاں کسی بابی سے ملاقات ہو گئی۔ اس بابی نے بتایا کہ ایران میں ایک جلیل القدر ہستی نے مقام بابیت کا دعویٰ کیا ہے۔" بابی نے اپنے مقتدا کے من گھڑت فضائل میں اتنا مبالغہ کیا کہ مومن دام فریب میں آ گیا اور بن دیکھے اس کا والہ و شیدا ہو گیا۔ خوبیٔ قسمت" نے کہا کہ جس طرح تو آنکھوں کا اندھا ہے اسی طرح دل کا بھی اندھا کر کے چھوڑوں گی۔ سوء اتفاق سے باب بھی اس سال مکہ معظمہ آیا ہوا تھا پہلی ہی ملاقات میں اس کو نقد ایمان دے بیٹھا دوسرے لوگ بیت اللہ جا کر کسب سعادت کرتے اور اپنی مغفرت کے سامان مہیا کرتے ہیں لیکن اس بدنصیب نے

---

[1] ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۲-۱۷۳ [2] ایضاً ص ۱۷۳

وہاں جاکر شقاوت و ضلالت سے اپنے جیب و داماں بھر لئے۔ اس نے بابیت کیا پائی گویا اس کو گم گشتہ جواہر و لآلی مل گئے۔ مراجعت وطن کا خیال ترک کرکے ایران کا قصد کیا اور ہمیشہ کے لئے وہیں کا ہو رہا۔ جن ایّام میں بابیوں نے مازندران میں اُودھم مچا رکھا تھا مومن ان دنوں وہاں پہنچا۔ ہر چند کوشش کی کہ قلعہ میں داخل ہوکر بابیوں میں شامل ہو جائے مگر کامیاب نہ ہُوا۔ انہی دنوں میں ایک شخص مرزا مصطفےٰ کُرد مومن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔ مومن نے اس کی رفاقت میں گیلان کا سفر کیا۔ اہل گیلان نے ان کی بڑی مخالفت کی۔ گیلان سے اتر لی گئے۔ مومن نے وہاں پہنچ کر بڑی سرگرمی سے بابیت کا نغمہ چھیڑ دیا۔ وہاں کے باشندوں کو اس درجہ ناگوار ہُوا کہ خورد و نوش کے مہیا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس پر بھی اندھا وہاں سے نہ ٹلا تو لوگوں نے آدھی رات کے وقت وہاں سے جبراً نکال دیا۔ یہاں سے قزوین اور قزوین سے طہران گیا۔ وہاں صبح ازل اور بہاء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ بہاء اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ بابیت کے طریقۂ محبت میں صادق ہے بہت کچھ نوازشیں کیں۔ صبح ازل نے اسے برعکس نہند نام زنگی کافور کے حسب مصداق بصیر (بینا) کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مومن "رجعت حسنی" کا دعویدار ہُوا۔ اور اپنے اس دعوے کے متعلق صبح ازل اور بہاء اللہ کو اطلاع دی۔ صبح ازل نے اس دعویٰ کی تصدیق کی اور جواب خط میں "البصر الابصر" (بیناؤں میں سب سے بڑا بینا) کا خطاب دیا۔ صبح ازل نے اندھے کے نام جو عربی خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ یَا حَبِیْبُ اِنَّا قَدِ اصْطَفَیْنَاكَ بَیْنَ النَّاسِ (اے حبیب! ہم نے تمہیں لوگوں میں سے منتخب و برگزیدہ بنا لیا ہے) اس دعویٰ کے بعد ارض تاقت کا رخ کیا۔ وہاں بھی بہت سی مخلوق اس کی حرارت محبت میں جذب ہوکر گمراہ ہوئی۔

بابیوں کے پروردگار بابیوں کی ایک نہایت شرمناک کجروی یہ تھی کہ وہ علی محمد باب کو بے تکلف پروردگار عالم اور ربِّ اکبر کے خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ اسی کو اپنا خالق و رازق یقین کرتے ہیں۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے۔ "در زمانے کہ حکم از حضرت رب الاعلیٰ یعنی جناب ذکر علیہ السلام (علی محمد باب) صادر شدہ بود کہ اصحاب بخراسان بروند ع" اسی طرح جب کور چشم و کور دل مومن ہندی ارض تاقت سے چل کر چہریق پہنچا تو اس نے باب کو دیکھتے ہی ہذا ربی (یہی میرا پروردگار ہے) کا نعرہ لگایا اور بیخود ہو گیا۔ اور حسب بیان حاجی میرزا جانی کاشانی گریہ و زاری کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کیا اَنَا الْقَائِمُ الَّذِیْ ظَهَرَ (میں قائم ہوں جو ظاہر ہو گیا ہوں) مومن چہریق سے سلماس آیا اور قائم ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سیکڑوں ہزاروں خوش اعتقاد جان نثاری پر آمادہ نظر آئے۔ مومن نہایت نظیف لباس پہنتا تھا۔ حسب بیان حاجی میرزا جانی اس نے ایسی لطافت طبع بہم پہنچائی تھی کہ غذا تک نہ کھا سکتا تھا۔ اس کی تقلیل غذا کا یہ عالم تھا کہ چالیس دن کے بعد گلاب اور قند تناول کرتا۔ خلاصہ یہ کہ ان حدود میں اس نے خوب پاکھنڈ رچایا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور اس کی کمند فریب میں پھنستے جاتے تھے۔ جب یہ خبر حاکم خوئی کو ہوئی تو اس نے اندھے اور اس کے دو مشہور پیرووں شیخ صالح عرب اور ملا حسین خراسانی کو بلا بھیجا۔ اندھا حاکم کے سامنے جاکر اکڑنے لگا۔ اور "قائمیت" کا دعویٰ کرکے بولا میں جنیں و چناں

ع نقطۃ الکاف ص ۲۰۲

کر ڈالوں گا"۔ حاکم نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ تینوں کو بید لگائے جائیں۔ چنانچہ حکم کی دیر تھی۔ بید پڑنے لگے۔ جب تک حواس قائم رہے تینوں بید کی ہر ضرب پر اِنّی اَنَا اللّٰہُ (بلاشبہ میں خدا ہوں) پکارتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف باب ہی ان کا خدا نہ تھا بلکہ وہ نابکار خود بھی (معاذ اللہ) خدا ہی بنے پھرتے تھے۔ صالح عرب کی خدائی کا تو وہیں خاتمہ ہو گیا یعنی پٹتے پٹتے ڈھیر ہو گیا۔ باقی دونوں کو اپنے خدائی دعویٰ سے باز آنے کے لئے بار بار کہا گیا مگر وہ ہر دفعہ یہی جواب دیتے تھے کہ ہم منافق نہیں ہیں کہ مار سے ڈر کر اپنے خیالات سے رجوع کریں ہم نے جام محبت پیا ہے۔ اس شراب کا نشہ کبھی نہیں اتر سکتا۔ آخر اندھے اور اس کے مرید ملّا خراسانی کے سر منڈائے گئے (ڈاڑھیاں شاید پہلے ہی چٹ ہوں گی) اور گدھوں پر سوار کرا کے خوب تشہیر کی گئی۔ غرض ان کی خدائی کی خوب مٹی پلید ہوئی لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے۔ اندھے کو تو ارزن الروم بھیج دیا گیا۔ دوسرے کا حال معلوم نہیں۔

دو بابی مذہبی پیشواؤں کا دلچسپ جھگڑا

جس طرح دو بادشاہ اپنی اپنی عظمت و اقتدار کے لئے لڑتے ہیں ہر ایک دوسرے سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ تم چھوٹے اور ہم بڑے ہیں اسی طرح تقدس کے جھوٹے دعویداروں کی ساری کائنات چونکہ زبانی جمع خرچ ہوتی ہے اس لئے وہ بھی باہم دست و گریبان رہتے ہیں اور دوسروں کی نفی کر کے خود بڑا بننا چاہتے ہیں حالانکہ جس کسی کا دل معرفت الٰہی کے نور سے جگمگا رہا ہو وہ ہمیشہ خاکساری کا شیوہ اختیار کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو خدا کی تمام مخلوق سے ادنیٰ اور کمتر سمجھتا ہے۔ مومن ہندی اور علی عظیم خراسانی نام ایک بابی میں بہت دن تک چپقلش جاری رہی۔ حاجی میرزا جانی نے اس اختلاف و نزاع کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ علی عظیم کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ باب حضرتین، حبیب ثمرۃ الازلیہ اور سلطان منصور ہے اس لئے تمام مخلوق کا مُطاع ہے مومن ہندی کہتا تھا کہ تمہاری عزت کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم آنحضرت (علی محمد باب) کی عبودیت اور قرب کے مدعی ہو۔ دوسرے تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تمہارے نفس کے آئینۂ عبودیت میں آنجناب (علی محمد باب) کے شمس ربوبیت کے آثار حقہ ظاہر ہوتے ہیں۔ تمہارے دونوں دعوے حق ہیں اور تمہارے پاس ظاہری نفس (علی محمد باب کا فرمان) بھی موجود ہے اور میں بھی ان دونوں باتوں کا مدعی ہوں اور یہ میرا ان بھی حق ہے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ چونکہ اس شمس عزت کے جلال کے پہلو میں میری عبودیت و فنا کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے آنحضرت کے آثار ربوبیت جو فطری آیات میں جاری ہوئے ہیں اعظم آیات ہیں"۔ چھ مہینے تک دونوں کا جھگڑا چلتا رہا۔ آخر عظیم نے رواداری سے کام لے کر مومن کے دعاوی کو تسلیم کر لیا۔ ع

بابیوں کا عقیدۂ تناسخ

بابی لوگ قیامت کے منکر اور ہنود کی طرح تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ کتا بھونک رہا تھا۔ اندھا بے دین کہنے لگا کہ یہ کتا فلاں شخص کی رجعت ہے وہ شخص اس کے پیکر میں معذب ہو رہا ہے حاجی میرزا جانی کاشانی لکھتا ہے کہ اس کے بعد مومن ہندی نے اس کے مکان کا پتہ نشان بتا کر کہا کہ اس کا مکان یہاں سے سترہ گھر چھوڑ کر واقع ہے۔ متوفی کے اتنے بیٹے ہیں اور میرے قول کے صدق کی یہ یہ نشانیاں ہیں

ع نقطۃ الکاف ص ۲۵۹-۲۶۰

جب تفحّص کیا گیا تو سب باتیں بے کم وکاست صحیح ثابت ہوئیں[1]۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اندھا اور اس کا مداح جانی میاں جو چاہیں کہیں اور لکھیں کوئی کسی کی زبان اور قلم کو روک نہیں سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آج تک کوئی شخص اس قسم کے مہمل اور بعید از قیاس دعوے کر کے ان کا کوئی ثبوت کبھی پیش نہیں کر سکا۔ آئے دن لاہور کے ہندو جرائد اس قسم کے من گھڑت افسانے شائع کیا کرتے ہیں کہ فلاں مقام پر ایک خورد سال ہندو لڑکی اپنے پچھلے جنم کے واقعات سناتی ہے۔ لیکن ان سے سوال یہ ہے کہ ہمیشہ ہندو لڑکیاں ہی ایسے مہمل قصے کیوں سناتی ہیں۔ مسلمان یا عیسائی یا یہودی لڑکیاں کیوں نہیں سناتیں؟ اور جب ایک بے تمیز خورد سال لڑکی اپنی گذشتہ زندگی کے حالات سنا سکتی ہے تو تم با تمیز اور عاقل وبالغ ہو کر اپنی تاریخ کیوں نہیں پیش کر دیتے؟ اگر گاندھی جی یا مالوی جی یا منجی جی یا دوسرے ہنود کو اس قسم کا دعویٰ ہو تو وہ اپنی حیات سابقہ کے حالات وواقعات شائع کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ تولہ بھر کی زبان ہلا کر یا دو تین ماشہ کا قلم چلا کر بے پر کی ہانک دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے لیکن دیانت داری اور راست بازی کے ساتھ کبھی کوئی شخص اپنی مزعومہ سابقہ زندگی کا ہرگز دعویٰ نہ کر سکے گا۔ اندھے نے کتے کا سابقہ جنم تو بھانپ لیا۔ لیکن اس نے یہ کبھی نہ بتایا کہ خود وہ پہلے کہاں کس پیکر میں اور کس حالت میں تھا؟ جس طرح اندھے نے کسی کتے کو بھونکتے دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے اتنے بیٹے تھے۔ اسی طرح ہر شخص کسی کتے کو دیکھ کر از راہ کذب وزور کہہ سکتا ہے کہ یہ فلاں متوفی شخص ہے فلاں گھر میں جو بیوہ ہے وہ اسی کی منکوحہ تھی۔ فلاں گھر کے لڑکے اور لڑکیاں سب اسی کی اولاد ہیں[1]۔ غرض یہ ایک مضحکہ خیز دعوے ہے جسے کوئی ذی عقل وخرد اصلا قابل التفات نہیں سمجھتا۔

اندھے کی اندھی پیشین گوئیاں

حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ شجرۂ مبارکہ ازلیہ کے ظہورات میں سے دوسرا ظہور آقا سید موسن ہندی کا تھا اس کی کوشش سے ترکستان میں بابی مذہب کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ اس نے جو کچھ دعوے اور پیشین گوئیاں کیں ان کا ظہور ضرور ہو گا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دورہ میں مقدر نہیں تو پھر کسی دوسرے ہیکل درجات میں جو امام کا مظہر ہو گا ظاہر ہوں گی۔ کیونکہ موسن نے جو کچھ دعوے کئے لسان حق سے کئے حق ہی اس کے اندر بول رہا تھا۔ پس چونکہ لسان اللہ تھی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کے بموجب وہ خدائی وعدے کسی نہ کسی دن ضرور پورے ہو کے رہیں گے[2]۔ لیکن یاد رہے کہ ہندی اندھے کے اندر اسی طرح حق بول رہا تھا جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کے اندر بولا کرتا تھا اس لئے میرے خیال میں مناسب ہے کہ پیشین گوئیوں کے غلط نکلنے پر حضرت مسیح موعود کو بھی موسن ہندی کے ساتھ شامل کر دینا چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ دعوے اور پیش گوئیاں ان دونوں نے کیں ان کا ضرور ظہور ہو گا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دور میں مقدر نہیں تو دس بیس ہزار سال بعد ظاہر ہو جائیں گی۔ بابیوں اور مرزائیوں کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔

باب ۶۷۔ مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل

[1] نقطۃ الکاف ص ۲۵۸ [2] ایضاً ص ۲۱۲-۲۱۴

مرزا یحیٰی نوری معروف بہ صبح ازل علی محمد باب کا وصی و جانشین تھا۔ موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ میرزا عباس جو شاہ ایران کی مجلس وزارت کا ایک رکن تھا میرزا بزرگ نوری کے لقب سے مشہور تھا۔ میرزا بزرگ نوری کے دو بیٹے تھے جن کی مائیں الگ الگ تھیں بڑے کا نام میرزا حسین علی ملقب بہ بہاء اللہ اور چھوٹے کا نام میرزا یحیٰی ملقب بہ صبح ازل تھا۔ ازل کی ماں اس کی طفولیت میں مرگئی۔ گو اس کے باپ نے اپنی دوسری بی بی کو تاکید کر رکھی تھی کہ ازل کو اپنے بچے کی طرح پرورش کرے مگر وہ اس سے سوتیلی ماؤں ہی کا سا سلوک کرتی رہی۔ حاجی میرزا جانی بابی "نقطۃ الکاف" میں لکھتا ہے کہ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب امیر المومنین علی رض اس کے گھر تشریف لائے۔ ازل کا منہ چوما اور فرمایا یہ طفل ہمارا بچہ ہے اس کی اس وقت تک اچھی حفاظت کرو جب تک وہ ہمارے قائم علیہ السلام (علی محمد باب) کے پاس نہ پہنچ جائے۔ اس رویا کے بعد وہ اسے اپنی اولاد سے زیادہ چاہنے لگی۔[1] مگر ظاہر ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت اور کسی بابی کا دماغی اختراع ہے کیونکہ علی محمد باب اور اس کے تمام پیرو انتہا درجہ کے زندیق اور بنائے دین کے منہدم کرنے والے تھے۔ اس لئے یہ قطعاً ناممکن تھا کہ حضور خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی رافضیہ کے خواب میں آکر کسی بے دین کی کفالت و خبر گیری کی تاکید فرماتے۔ گو حاجی میرزا جانی نے لکھا ہے کہ صبح ازل ہی من یظہرہ اللہ تھا۔[2] لیکن معلوم نہیں کہ خود ازل بھی کبھی اس منصب کا مدعی ہوا تھا یا نہیں؟ بابی لوگ مرزا یحیٰی کے صبح ازل سے ملقب ہونے کی یہ مضحکہ خیز اور من گھڑت وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے صبح ازل سے درخشندگی پائی تھی۔

باب کی جانشینی صبح ازل نے اپنے بابی ہونے کا حال اس طرح لکھا ہے کہ جن دنوں علی محمد نے باب ہونے کا دعویٰ کیا میرا آغاز بلوغ تھا۔ ان ایام میں میرے دل میں یہ خیال موج زن تھا کہ کسی عالم دین کی تقلید کروں۔ میں علماء کے حالات کی تحقیق کیا کرتا تھا۔ ان ایام میں باب کے ظہور کا بڑا غلغلہ بلند ہوا۔ میرے بھائی (بہاء اللہ) کو اس تحریک سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ باب کی تحریریں پڑھوایا کرتا اور میں بھی اکثر ان تحریروں کو سنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنحضرت (باب) کی ایک مناجات پڑھی گئی جس میں فآہ آہ یا الٰہی کے الفاظ بکثرت تھے۔ اس کلمہ کی سجع نے مجھے اپنی طرف جذب کرلیا۔ اور باب کی محبت دل میں راسخ ہوگئی۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح ازل کو اسی مناجات کے الفاظ نے گھائل کردیا اور اس بدنصیب نے اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ باب کے دعووں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ائمۂ اہل بیت کی تصریحات کی روشنی میں دیکھتا۔ جب علی محمد نے بابیوں کو خراسان آنے کا حکم دیا تو صبح ازل بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ اس کے بعد اپنے بھائی کیساتھ طہران گیا۔ اثنائے راہ میں قرۃ العین سے ملاقات ہوئی۔ جن دنوں ملا محمد علی بار فروشی قلعہ میں تھا اس نے صبح ازل سے مدد چاہی تھی۔ صبح ازل اپنے بھائی اور چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ عون و نصرت کی غرض سے عازم قلعہ ہوا لیکن راستہ میں حاکم آمل نے گرفتار کرلیا۔ جب صبح ازل کو گرفتار کرکے آمل میں لائے تو مشتعل شہریوں نے ہزاروں

---

[1] نقطۃ الکاف ص ۲۳۸ - ۲۳۹ [2] ایضاً ص ۲۴۴ [3] ایضاً ص ۲۳۹ — ۲۴۰

اور کوچوں میں اس کی بڑی فضیحت کی۔ لوگ لعنت کرتے پتھر برساتے اور منہ پر تھوکتے تھے اس کے بعد تھوڑے دن تک قید رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ صبح ازل طہران سے باب کے نام عرائض بھیجتا رہا۔ باب نے اپنا قلم دان، کاغذات اور نوشتہ جات، لباس، انگوٹھی اور بعض دوسری چیزیں صبح ازل کے لئے روانہ کیں۔ اور اپنی جانشینی کی وصیت کر کے حکم دیا کہ کتاب "بیان" کے آٹھ واحد لکھ کر کتاب کی تکمیل کرے۔ اور اگر من یظہرہ اللہ عظمت و اقتدار کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو پھر بیان کو منسوخ سمجھے"۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ "من یظہرہ اللہ" سے خود صبح ازل کی ذات مراد تھی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی دوسرا شخص اس منصب کا اہل نہیں تھا[1]۔ باب کی ہلاکت کے بعد تمام بابی بلا استثناء صبح ازل کو واجب الاطاعت اور اس کے احکام و اوامر کو مفروض الامتثال یقین کرتے تھے۔ صبح ازل ان ایام سے لے کر مذبحۂ طہران کے واقعہ تک جب کہ اٹھائیس عظمائے بابیہ نے اس واقعہ میں شربت مرگ نوش کیا گرمی کا موسم شمیران میں جو حوالی طہران میں ایک سرد مقام ہے اور موسم زمستان مازندران میں گزارتا تھا۔ اور اپنے تمام اوقات بابی نیچہ کے نشر و ابلاغ میں صرف کرتا تھا۔

بغداد میں بابی اجتماع

جب بابیوں نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اور بابیوں کے خلاف دارو گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح ازل جو اس وقت نور میں تھا فوراً بہ تبدیل ہیئت بغداد کو بھاگ گیا۔ حکومت ایران نے اس کی گرفتاری پر ہزار تومان انعام کا اعلان کیا۔ ایک سرکاری جاسوس سے اس کی ملاقات بھی ہوئی اور جاسوس نے پہچانے بغیر اس سے بہت دیر تک باتیں بھی کیں تاہم صبح ازل درویشی کے لباس میں عصا و کشکول کے ساتھ حدود ایران سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کا بھائی بہاء اللہ طہران میں قید ہو گیا۔ صبح ازل ۱۲۶۸ھ یا اوائل ۱۲۶۹ھ میں وارد بغداد ہوا۔ اس کے چار ماہ بعد بہاء اللہ بھی زندان طہران سے مخلصی پا کر صبح ازل کے پاس بغداد پہنچ گیا۔ اب دوسرے بابیوں نے بھی آہستہ آہستہ بغداد کا رخ کیا یہاں تک کہ بغداد میں ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے ۱۲۷۹ھ تک یعنی دس سال کی مدت عراق عرب میں بسر کی اور جیسا کہ خود بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے بہاء اللہ اس عرصہ میں صبح ازل کا تابع فرمان اور مطیع و منقاد رہا۔ اور گو اس دوران میں چند بابیوں نے مختلف اوقات میں من یظہرہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تاہم جدید التاسیس بابی مذہب کے پیرو صبح ازل کے جھنڈے تلے متفق الکلمہ اور متحد المقصد رہے اور ان کے درمیان کسی تفرقہ و انقسام کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔

خلیفۃ الباب سے بہاء اللہ کی سرکشی

بقول مصنف "ہشت بہشت"[2] اقامت بغداد کے آخری ایام میں بہاء اللہ کے طرز عمل میں بہت کچھ تغیرات رونما ہوئے یہ حالت دیکھ کر بعض بابی قدما، مثلاً ملا محمد جعفر نراقی، ملا رجب علی قاہر، حاجی سید محمد اصفہانی، حاجی سید محمد جواد کربلائی، حاجی میرزا احمد کاتب، حاجی میرزا محمد رضا وغیرہ سخت مضطرب ہوئے اور بہاء اللہ کو اس طرز عمل پر تہدید کی۔ ان لوگوں نے بہاء اللہ کو صبح ازل کا اطاعت شعار رہنے کی اتنی تاکید کی کہ وہ تنگ آ کر بغداد سے باہر چلا گیا اور دو سال تک سلیمانیہ کے اطراف میں پہاڑوں میں رہا۔ اس عرصہ میں بغداد کے

---

[1] نقطۃ الکاف ص ۲۴۴۔ [2] "ہشت بہشت" حاجی شیخ احمد کرمانی شہیر بروحی کی تالیف ہے اس کتاب میں "بیان" کا فلسفہ اور ۔۔۔ ازلیاں کی تائید کی گئی ہے۔

بابیوں کو ہرگز معلوم نہ تھا کہ بہاء اللہ کہاں ہے۔ آخر جب پتہ چلا تو صبح ازل نے اس کو بغداد مراجعت کرنے کے لئے چھٹی لکھی بہاء اللہ امتثال امر کر کے بغداد واپس گیا۔ انہی ایام میں میرزا اسد اللہ تبریزی ملقب بہ دیّان نے کہ باب نے اس کو آیات صبح ازل کا کاتب مقرر کیا تھا اور عبرانی اور سریانی زبانوں میں ید طولیٰ رکھتا تھا "من یظہرہ اللہ" ہونے کا دعویٰ کیا بہاء اللہ نے اس کے ساتھ بڑے مناظرے کئے آخر وہ بابیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بابیوں نے اس کے پاؤں میں ایک وزنی پتھر باندھ کر اس کو شط العرب میں غرق کر دیا۔ اسی طرح میرزا عبد اللہ غوغا، حسین میلانی معروف بہ حسین جان، سید حسین ہندیانی اور میرزا محمد زرندی معروف بہ نبیل میں سے ہر ایک بابی من یظہرہ اللہ ہونے کا مدعی ہوا۔ آخر بابیوں کے بازار ہوا و ہوس میں اس جنس کی اتنی ارزانی ہوئی اور بقول "ہشت بہشت" معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر بابی جو صبح کے وقت بیدار ہوتا تھا تن کو اسی دعوے کے لباس کے ساتھ آراستہ کرنے لگتا تھا۔

بغداد اور ادرنہ سے اخراج

اب بابیوں نے ایران کے ہر گوشہ سے بغداد کا رخ کیا۔ ان کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ کربلا اور نجف کے شیعی علماء یہ دیکھ کر کہ بابی لوگ مشاہد مشرفہ کے قریب آ جمع ہوئے ہیں اور ان سے اور عامۂ مسلمین سے ان کے جھگڑے قضیے رہتے ہیں بابیوں کے قیام بغداد کی مخالفت کرنے لگے۔ دولت ایران نے بھی اپنے استنبولی سفیر میرزا حسین خاں مشیر الدولہ کو ہدایت کی کہ وہ دولت عثمانیہ سے درخواست کرے کہ بابیوں کو بغداد سے کسی دوسرے علاقے میں منتقل کر دے۔ "باب عالی" نے دولت ایران کی خواہش کی تکمیل کی اور بابیوں کو بغداد سے استنبول چلے آنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ چار مہینہ تک قسطنطنیہ میں رہے لیکن چونکہ ان کا قیام امن عامہ کے حق میں سخت مضر ثابت ہوا۔ اس لئے تمام بابی رجب ۱۲۸۰ھ میں قسطنطنیہ سے ادرنہ (اڈریانوپل) بھیج دیئے گئے۔ یہ لوگ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ تک ادرنہ میں رہے۔ ادرنہ میں صبح ازل اور بہاء اللہ میں جھگڑے قضیے برپا رہتے تھے اور فریقین میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ اپنے حریف کو زک دے۔ جب باب عالی نے ان میں ہیجان و اضطراب کے آثار مشاہدہ کئے اور یقین ہوا کہ فریقین آمادۂ پیکار رہیں تو دولت عثمانیہ نے اس قضیہ میں پڑنے کے بغیر کہ فریقین میں سے برسر حق کون اور خطاکار کون ہے ۱۲۸۵ھ میں تمام بابیوں کو ادرنہ سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ اور اس کے پیروؤں کے لئے عکّہ علاقہ شام میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اور صبح ازل کو اس کے اتباع سمیت جزیرۂ قبرس میں جو اس وقت ترکی عملداری میں داخل تھا قیام کرنے کا فرمان جاری ہوا۔ صبح ازل ۵ ستمبر ۱۸۶۸ء کو جزیرہ قبرس پہنچا۔ ترکی حکومت کی طرف سے اسے ساڑھے اڑتیس پیاسٹر وظیفہ روزانہ ملتا تھا۔ صبح ازل کے مزید حالات ان شاء اللہ العزیز بہاء اللہ کے واقعات میں درج کئے جائیں گے۔ "انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا" میں مرقوم ہے کہ صبح ازل ۱۹۰۸ء تک جزیرہ قبرس میں زندہ سلامت موجود تھا۔

باب ۶۸ - بہاء اللہ نوری

عــه یہ واقعات مقدمۂ "نقطۃ الکاف" اور "ایپی سوڈ آف دی باب" سے ماخوذ ہیں

مرزا حسین علی معروف بہ بہاء اللہ ۱۸۱۷ء میں موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا۔ اپنے سوتیلے بھائی صبح ازل سے قریباً تیرہ سال بڑا تھا۔ اس کی ابتدائی ۳۵ سالہ زندگی بالکل پردۂ خفا میں ہے۔ بہاء اللہ بھی ان چالیس بابیوں میں تھا جو ناصر الدین شاہ والیٔ ایران پر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد گرفتار ہوئے تھے۔ جب بابیوں نے شاہ کی جان لینے کی کوشش کی تو بہاء اللہ اس وقت موضع افجہ میں تھا۔ جو طہران سے ایک منزل کے بعد پر ہے۔ جب اس حادثہ کی خبر مشہور ہوئی تو بہاء اللہ نیاوران کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن جھٹ گرفتار کر لیا گیا اور پولیس نے لاکر اسے طہران کے محبس میں ڈال دیا۔ چار مہینے کے بعد جب ثابت ہوا کہ اسے شاہ کی حملہ آور جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو قید خانہ سے مخلصی نصیب ہوئی۔ رہائی کے بعد اپنے بھائی صبح ازل کے پاس بغداد چلا گیا۔ چونکہ باب صبح ازل کو اپنا جانشین مقرر کر گیا تھا اس لئے تمام بابی جو ایران سے بھاگ بھاگ کر بغداد میں جمع ہو رہے تھے صبح ازل کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر بہاء اللہ کو بھی حصول رفعت کی طمع دامنگیر ہوئی۔ اس کے بعد گو بہاء اللہ بہت دن تک بحکم ضرورت بظاہر صبح ازل کا فرمان بردار اور خدمت گذار رہا لیکن دل میں ہر وقت اپنی علیحدہ دکان آرائی کے منصوبے سوچا رہتا تھا آخر جب علی محمد باب کا ہر ممتاز پیرو "من یظہرہ اللہ" بننے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو بہاء اللہ نے بھی اس جامہ کو اپنی قامت پر راست کرنا چاہا۔ اتفاق سے بہاء اللہ کو اسی بابی جماعت میں ایک ایسا شخص ہاتھ آگیا جو بہاء اللہ کے ہر قول پر آمنا وصدقنا کہنے پر پوری طرح آمادہ تھا۔ اس شخص کو میرزا آقاجان کاشانی کہتے تھے۔ آقاجان بہاء اللہ کو "من یظہرہ اللہ" کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ چنانچہ بہاء اللہ کی طرف سے بھی اس دعویٰ کے آثار نمایاں ہونے لگے آخر ایک دن برملا کہنے لگا کہ میں ہی "من یظہرہ اللہ" اور قوموں کا موعود اور نجات دہندہ ہوں۔ روساء و قدمائے بابیہ نے بہاء اللہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اس دعویٰ سے دست بردار ہو جائے لیکن اس نے ایک نہ سُنی۔ آخر خود صبح ازل نے بہاء اللہ سے کہا کہ باب نے بیان میں بوضاحت لکھ دیا ہے کہ میرا مذہب اطراف واکناف ملک میں پھیل جائے گا اور میرے پیرو صاحب حکومت ہوں گے تب کہیں سال غیاث یا مستغاث میں "من یظہرہ اللہ" ظہور کرے گا۔ اور ابھی ان میں سے کوئی بات پوری نہیں ہوئی اس لئے تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ مگر بہاء اللہ پر عظمت و اقتدار کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس اثنا میں تمام بابی بغداد سے قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے۔ اور چار مہینے کے بعد انہیں مؤخر الذکر مقام سے بھی ادرنہ (اڈریانوپل) کو منتقل کر دیا گیا۔

خدا کا اوتار ہونیکا دعویٰ ادرنہ پہنچ کر اس نے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں خطوط و اشتہارات بھیج بھیج کر اپنا نشر شروع کر دیا۔ وہ من یظہرہ اللہ ہونے کے دعویٰ کے ساتھ اس بات کا بھی مدعی تھا کہ خدا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔[1] اس پروپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ بابی لوگ دھڑا دھڑ بہاء اللہ کے دائرہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ اور صبح ازل کیطرح اس کی بھی ایک جماعت بن گئی۔ مثل مشہور ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ صبح ازل اور بہاء اللہ کے پیروؤں میں تصادم شروع ہوا اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوگئیں لیکن

---

[1] ایپی سوڈ آف دی باب" صفحہ ۳۵۹

ان میں سے بہائی بڑے تیز نکلے۔ اُنہوں نے اپنے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے وہی طور طریقے اختیار کئے جو کسی زمانہ میں ان کے پیش رَو باطنیوں نے اسلام کے خلاف استعمال کر رکھے تھے۔ ازلی مؤرخوں کے بیان کے بموجب صبح ازل کے تمام مشہور حامیوں کی فہرست طیار کی گئی اور دنیا کو ان کے فارِ وجود سے پاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب بغداد میں مُلّا رجب علی قاہر حاجی مرزا احمد، حاجی مرزا احمد رضا اور بہت سے دوسرے ازلی یکے بعد دیگرے بہائی خون آشامی کا شکار ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ "ہشت بہشت" کے مصنف نے مرزا حسین علی (بہاء اللہ) پر اس سے بھی زیادہ سنگین الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہاء اللہ نے (کسی حیلہ سے) صبح ازل کو ایک ضیافت پر بلانے کا انتظام کیا۔ بہاء اللہ نے اپنے راز دان مصاحبوں کو سمجھا دیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ کھانا کھانے بیٹھیں گے۔ کھانے کی سینی میں ایک طرف مسموم کھانا رکھ دینا اور صبح ازل کو اس کے سامنے بٹھانا۔ جب سب لوگ کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو صبح ازل نے اس مسموم سینی کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس پلاؤ میں پیاز کا بگھار ہے اور مجھے پیاز کی بُو سے بھی نفرت ہے۔ بہاء اللہ نے یہ سمجھ کر کہ صبح ازل اس کا منصوبہ تاڑ گیا ہے دفع اشتباہ کے لئے سینی کے اس حصّہ میں سے بھی تھوڑا سا کھانا کھا لیا جو صبح ازل کی اگلی طرف تھا۔ کھانا کھاتے ہی اس کو قے آنے لگی اور زہر خوری کے دوسرے آثار ظاہر ہوئے لیکن بہاء اللہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے الٹا یہ کہنا شروع کیا کہ صبح ازل نے مجھے زہر دیا ہے

صبح ازل کے خلاف مزید بہائی سازشیں

ازلی تاریخ نگاروں کے بیان کے بموجب اس کے تھوڑا عرصہ بعد بہاء اللہ نے صبح ازل کی جان لینے کی سازش کی وہ یہ تھی کہ محمد علی حجام کو گانٹھ کر اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ صبح ازل کے حلق کے بال مونڈتے وقت اس کا گلا کاٹ دے۔ حسن اتفاق سے صبح ازل پر یہ راز منکشف ہو گیا اور جب حجام اس کے پاس آیا تو اس نے دُور ہی سے کہہ دیا کہ "میرے پاس نہ آنا"۔ اس کے بعد صبح ازل اپنے تمام پیروؤں کو ساتھ لے کر ادرنہ کے کسی دوسرے محلے میں چلا گیا۔ اور بہائیوں سے منقطع ہو کر وہاں بود و باش اختیار کی۔ انہی ایام میں دو بہائیوں نے ادرنہ کے حاکم سے جسے پاشا کہتے تھے اجازت لئے بغیر گھوڑے فروخت کرنے کا حیلہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہاں سے صبح ازل کی تردید کے لئے کتاب لائیں اور ازلیوں کے خلاف ایک مذہبی اکھاڑہ قائم کریں۔ پاشا کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس غرض کے لئے گئے ہیں؛ پاشاہ نے فوراً اس منزل پر جہاں سے وہ گذرنے والے تھے تار بھیج کر حکم دیا کہ دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ گرفتار کر کے ادرنہ واپس لائے گئے بہائیوں نے یہ یقین کر کے کہ صبح ازل نے مخبری کی ہے اس کا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ صبح ازل کا ایک ایرانی پیرو آقا جان بیگ قسطنطنیہ کے رسالہ میں ملازم تھا اور رسالہ کے افسروں یا سواروں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ وہ بابی ہے بہائیوں نے پاشا کے پاس مخبری کی کہ قسطنطنیہ کے رسالہ کا فلاں سوار بابی ہے اور وہ نہایت رازداری کے ساتھ بابی مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں آقا جان بیگ کا خانہ تلاشی ہوئی۔ اس کے پاس سے چند بابی کتابیں برآمد ہوئیں۔ اصل میں یہ کتابیں اس کو بغداد بھیجنے کے لئے کسی نے دے رکھی تھیں۔ اور بہت دنوں سے اسکو کوئی ایسا شخص نہ مل سکا تھا جس کے ہاتھ کتابیں بغداد بھیج دیتا۔ اس لئے یہ خیال کر کے کہ کہیں حکّام کو ان کتابوں کا پتہ

نہ مل جائے ان کے تلف کر دینے کی فکر میں تھا۔ کبھی تو یہ سوچتا تھا کہ انہیں گڑھا کھود کر دفن کر دوں۔ کبھی یہ ارادہ کرتا کہ ساحل بحر پر جا کر سمندر میں پھینک دوں۔ اسی سوچ بچار میں تھا کہ اچانک اس کے قیام گاہ کی تلاشی ہونے لگی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ آقا جان بیگ کو ترک حکام اور قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اقبال کیا کہ ادرنہ کی جماعت سے میرا تعلق ہے۔ میں بابی المذہب ہوں۔ آقا جان بیگ کو ساڑھے چار مہینہ قید کی سزا ہوئی اور وہ نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ آقا جان بیگ کو اس حادثہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کی ڈاڑھی اور سر کے بال قید خانہ میں یک بیک سفید ہو گئے۔ جب قید سے رہا ہوا اور بابیوں کی دونوں حریف جماعتیں جزیرہ قبرس اور عکّہ بھیجی گئیں تو آقا جان بیگ کاشانی بھی بہاء اللہ کے ساتھ عکّہ روانہ کیا گیا۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی بہائیوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ایک اور بہائی سازش

اب بہاء اللہ نے صبح ازل کے خلاف ایک اور سازش کی۔ مرزا آقا جان مشکین قلم عباس آفندی اور چند دوسرے بہائیوں نے ایک ایک چھٹی ترک عمائد سلطنت کے نام لکھی۔ ان چھٹیوں کا مضمون یہ تھا کہ ہم تقریباً تیس ہزار بابی شہر قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں بہ تبدیل ہیئت چھپے ہوئے ہیں ہم تھوڑے عرصہ میں خروج کریں گے۔ سب سے پہلے ہم قسطنطنیہ پر عمل و دخل کریں گے اگر سلطان عبد العزیز اور ان کے وزراء نے بابی مذہب قبول نہ کیا۔ تو ہم سلطان اور ان کے اعیان دولت کو علیحدہ کر کے نظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ہمارا بادشاہ مرزا یحییٰ صبح ازل ہے۔" یہ چھٹیاں مختلف دستخطوں سے لکھ کر قصر سلطانی اور تمام بڑے بڑے ارکان دولت کے مکانات پر پہنچائی گئیں۔ ترکی حکومت نے بابیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی اور ان سے نہایت شفقت آمیز سلوک کیا جا رہا تھا۔ حکام ان چھٹیوں کو پڑھ کر ملول ہوئے آخر یہ چھٹیاں قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کی گئیں اس کے بعد ترکی حکام اور ایرانی سفیر کی مشاورۃ باہمی سے یہ بات طے پائی کہ تمام سرکردہ بابیوں کو دور دست مقامات پر بھیج کر نظربند رکھا جائے۔[علہ] اس اثنا میں ترکی حکام کو یہ بھی بتایا گیا کہ بابیوں کی دونوں جماعتوں میں بُری طرح سر پھٹول ہو رہا ہے۔ اور یہ دونو گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں ان حالات کے پیش نظر باب عالیؔ نے فیصلہ کیا کہ مرزا یحییٰ صبح ازل اور مرزا حسین علی بہاء اللہ کو دو مختلف مقامات پر بھیج دیا جائے چنانچہ صبح ازل کے لئے حکم ہوا کہ وہ اپنے اہل و عیال سمیت جزیرۂ قبرس کے شہر ماغوسا میں جو اس وقت دولت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا جا کر اقامت گزیں ہو اور بہاء اللہ کے لئے یہ فرمان جاری ہوا کہ اسے اس کے اہل و عیال سمیت عکّہ (واقع ملک شام) میں بھیجا جائے۔ باب عالیؔ نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ بہاء اللہ کے چار پیرو مشکیں قلم خراسانی، میرزا علی سیاح محمد باقر اصفہانی اور عبد الغفار تو صبح ازل کے ساتھ قبرس جائیں۔ اور صبح ازل کے چار پیرو حاجی سید محمد اصفہانی آقا جان بیگ کاشانی میرزا رضا قلی تفرشی اور اس کا بھائی میرزا نصر اللہ تفرشی بہاء اللہ کے ہمراہ عکّہ کا رخ کریں۔ اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ مخالف عناصر دولت عثمانیہ کے لئے جاسوسی کی خدمات انجام دیں اور جو کوئی صبح ازل یا بہاء اللہ سے ماغوسا یا عکّہ میں ملاقات کرنے آئے یہ مخالف لوگ اس کے ورود و حرکات و سکنات

علہ ایپی سوڈ آف دی باب ص ۹۹-۱۰۰ علہ ایضاً ص ۵۸-۳۶۰

اور خیالات کے متعلق "باب عالی" کو اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن بابیوں کی دونوں حریف جماعتوں نے ابھی اور نہ سے کچھ بھی نہیں کیا تھا کہ مرزا حسین علی (بہاء اللہ) نے مرزا نصر اللہ تفرشی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ صبح ازل کے باقی تین آدمی بہاء اللہ کے ساتھ عکہ گئے اور انہوں نے چھاؤنی کے پاس ایک مکان لیا۔ لیکن وہ بھی بہت جلد بہائیوں کے ہاتھوں سے نذر اجل ہو گئے بہائیوں نے صرف انہی چار ازلیوں پر ہاتھ صاف نہ کیا۔ بلکہ وہ تمام قدماء و فضلائے بابیہ جو صبح ازل کی وفاداری اور پیروی میں ثابت قدم رہے اور جن میں سے بعض تو علی محمد باب کے رفیق خاص تھے ایک ایک کر کے عدم کے تہ خانے میں سلا دیئے گئے۔ آقا سید علی عرب تبریز میں مارا گیا۔ ملا رجب علی کو کربلا میں ہلاک کیا گیا۔ آقا محمد علی اصفہانی اور حاجی میرزا احمد کاشانی بغداد میں اور حاجی میرزا محمد رضا، حاجی ابراہیم حاجی جعفر تاجر حسین علی آقا ابوالقاسم کاشانی میرزا بزرگ کرمان شاہی وغیرہ مختلف مواضع میں بہائیوں کے خنجر بیداد کی نذر ہو گئے[1]۔ ازلی وقائع نگاروں نے بہائیوں کی بے شمار اور بھی خون آشامیاں بیان کی ہیں جو صاحب ان کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ کتاب اپی سوڈ آف دی باب صفحات ۳۶۱-۳۶۴) کا مطالعہ کریں۔ لیکن اگر یہ بیانات واقعیت پر مبنی ہیں تو حیرت ہے کہ ترکی حکومت نے بہاء اللہ اور اس کے خون آشام پیروؤں کو کیفر کردار تک کیوں نہ پہنچایا؟

مسیح موعود ہونیکا دعویٰ بہاء اللہ نے مَنْ یُظْہِرُہُ اللّٰہُ بننے کے ساتھ ہی مسیح موعود ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا تھا۔ یا یوں کہو کہ اس کے نزدیک مَنْ یُظْہِرُہُ اللّٰہُ اور مسیح موعود مترادف الفاظ تھے۔ بہاء اللہ نے لوح مبارک میں اپنی ایک وحی لکھی ہے

قُلْ یَا مَلَاءَ الْفُرْقَانِ قَدْ اَتَی الْمَوْعُوْدُ الَّذِیْ وُعِدْتُمْ فِی الْکِتٰبِ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَلَا تَتَّبِعُوْا کُلَّ مُشْرِکٍ اَثِیْمٍ	کہہ دے کہ اے گروہ فرقان! بیشک وہ موعود آگیا جس کا تم سے کتاب (قرآن) میں وعدہ کیا گیا تھا خدا سے ڈرو اور کسی مشرک گنہگار کی پیروی نہ کرو (معنوی)

اس الہام میں بہاء اللہ نے ہر مسلمان کو اپنی مسیحیت کی دعوت دی ہے۔ اس دعوت کا جواب یہ ہے کہ کلام الٰہی اور احادیث رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کو دین اسلام کی تائید کے لئے جس ذات اقدس کے تشریف لانے کا مژدہ سنایا گیا ہے وہ مسیح ناصری حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو قرآن کے رو سے اب تک زندہ موجود ہیں۔ ان کے سوا ہم ہر مدعی مسیحیت کو دجال کذاب یقین کرتے ہیں بہاء اللہ ہو یا غلام احمد ہو یا اس قماش کا کوئی دوسرا خانہ ساز موعود ہو۔ سب جھوٹے مسیح ہیں سچے مسیح کے متعلق بہاء اللہ کے فرزند و جانشین عبد البہاء صاحب نے لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو نشانیاں اور خوارق الفطرت معجزات شہادت دیں گے کہ سچا مسیح یہ ہے مسیح نامعلوم شہر (آسمان) سے آئے گا وہ فولاد کی تلوار کے ساتھ آئے گا (یعنی وہ منکروں کے خلاف غزا و جہاد کریں گے) اور لوہے کے عصا کے ساتھ حکومت کرے گا۔ (وہ کسی کی رعایا نہ ہوں گے بلکہ خود رعب و جلال کے ساتھ حکومت کریں گے) وہ انبیاء کی شریعت کو پورا کرے گا۔ وہ مشرق و مغرب کو فتح کرے گا۔ اور اپنے برگزیدہ لوگوں (مسلمانوں) کو عزت بخشے گا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا امن کا راج لائے گا کہ حیوان بھی انسانوں کے ساتھ دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے۔ بھیڑیا اور برہ ایک ہی چشمہ سے پانی پیئیں گے۔ اور خدا کی سب مخلوق امن سے رہے گی"[2]۔ ظاہر ہے کہ یہ سب علامتیں جو عبد البہاء نے بیان کی ہیں بہاء اللہ

[1] اپی سوڈ آف دی باب ص ۳۶۰-۳۶۳ [2] دور بہائی مطبوعہ دہلی ص ۲

مرزا غلام احمد یا کسی دوسرے خانہ ساز مسیح پر صادق نہیں آتیں اس لئے یہ سب جھوٹے مسیح ہیں۔ بہاء اللہ نے کتاب مُبین" (صفحہ ۵۹) میں عیسائیوں کو مندرجہ ذیل الہام میں اپنی مسیحیت کی طرف بلایا ہے۔

قُلْ یا ملأ النصاریٰ قد تجلّینا علیکم من قبل وما عرفتمونی هذه مرة اخریٰ هذا یوم الله اقبلوا الیه انه قد اتی من السماء کما اتی اول مرة

(اے بہاء اللہ) کہہ دے کہ اے گروہ نصاریٰ! ہم نے پہلی مرتبہ بھی تم پر تجلی فرمائی تھی لیکن تم نے ہمیں شناخت نہ کیا۔ اب یہ آمد ثانی ہے یہ خدا کا دن ہے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ بیشک یہ (بہاء اللہ) اسی طرح آسمان سے دوسری مرتبہ آیا ہے جیسے

بہاء اللہ نے نصاریٰ کو دعوت دیتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا تھا۔ "اے پیروانِ مسیح! کیا میرا نام (بہاء اللہ) تمہارے نزدیک میری مسیحیت کے منافی ہے؟ تم کس بنا پر شک میں پڑے ہو؟ تم لوگ شب و روز اپنے قادر مطلق (یسوع مسیح) کو پکارا کرتے تھے لیکن جب وہ ازلی آسمان سے کامل جلال کے ساتھ آ گیا ہے تو تم اس کے پاس نہیں پھٹکتے اور بے اعتنائی کے عالم میں پڑے ہو"[1] لیکن عیسائی لوگ اس دعوت کا بے تکلف یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہم تو خود ذات بابرکات حضرت یسوع مسیح کی تشریف آوری کے منتظر ہیں اس لئے ہمیں کسی نقلی اور جعلی مسیح کی ضرورت نہیں ہے بہرحال بہاء اللہ کا دعویٰ مسیحیت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح و روشن ہے جس میں کوئی ادنیٰ اخفا نہیں لیکن تجاہلِ عارفانہ کا کمال دیکھو کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے انتہائی دیدہ دلیری سے یہ لکھ مارا کہ "اس وقت جو ظہورِ مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ اس مدت تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ ہاں عیسائیوں نے مختلف زمانوں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ایک عیسائی نے امریکہ میں بھی مسیح ابن مریم ہونے کا دم مارا تھا۔ ہاں ضرور ہے کہ وہ ایسا دعویٰ کرتا تا انجیل کی وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی کہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں۔ پر سچا مسیح ان سب کے آخر میں آئے گا اور مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کار منتظر رہنا"[2]۔ مرزا صاحب نے یہ لکھ کر کہ سچا مسیح جھوٹے مسیحوں کے بعد سب کے آخر میں (یعنی قرب قیامت کو جب کہ عالم کائنات کا سلسلہ قریب الاختتام ہو گا) ظاہر ہو گا" خود اپنی جعلی مسیحیت کے شجر کی جڑیں کاٹ دیں۔ حضرت مرزا صاحب کا یہ بیان بھی سخت لغو ہے کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں میرے سوا کسی مسلمان نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا" کیونکہ اول تو دعویٰ کے لئے اسلام یا کفر کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر شخص جھوٹا دعویٰ کر کے لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔ اس سے قطع نظر میں ۶۵ ویں باب میں تین مسلمان جھوٹے مسیحوں کے حالات لکھ آیا ہوں بہاء اللہ کو ملانے سے اُن کی تعداد چار تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے باوجود مرزا غلام احمد نہایت جسارت اور شوخ چشمی سے لکھتے ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی مسلمان نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بہاء اللہ بابی ہو جانے کے بعد مرتد خارج از اسلام ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے وہ غالباً شیعوں کے اُس غیر غالی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا جسے علمائے اسلام نے دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے۔

---

[1] بہائی سکر بچرز مطبوعہ نیویارک ص ۱۲۴ [2] ازالہ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب طبع پنجم ص ۲۷۸-۲۷۹

اتحادِ مذاہب کا بہائی ڈھونگ

میں کتاب "رئیس قادیاں" کے ۲۰ ویں باب میں بالتفصیل لکھ آیا ہوں کہ کس طرح حکیم نورالدین بھیروی نے سرزمین کشمیر میں ایک مرزائی حکومت قائم کرنی چاہی تھی اور کس طرح حکیم مذکور کے اخراج کشمیر کے بعد قیام سلطنت کا خواب پریشان جہاد بالسیف کی حرمت اور سلطنت انگلشیہ کی اطاعت کے وجوب کی شکل میں تبدیل ہوا تھا۔ علی محمد باب نے بھی بابیوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ عنقریب سارے ایران پر بابی پرچم لہرائے گا لیکن یہ خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ایران میں بابیوں کو اس طرح پامال کیا گیا کہ پھر ان کے برسرِ اقتدار پہنچنے کا کوئی موقع نہ رہا۔ ہزارہا بابی خنجر خون آشام کی نذر ہوئے۔ بقیۃ السیف میں سے جس کسی کے جہاں سینگ سمائے وہاں جا کر جان بچائی۔ آخر بہاء اللہ نے دس بارہ سال کے تلخ تجربوں کے بعد مرزا غلام احمد کی طرح حکومت کی اطاعت اور امن و آشتی کے ظل عاطفت میں پناہ لینا ضروری خیال کیا اور سالہا سال کی بابی مقہوری اجلاء وطن اور نظر بندی کے بعد اتحاد بین الملل کا جھنڈا ہلانا شروع کیا۔ "اتحاد مذاہب" کا لفظ واقعی نہایت دل آویز ہے لیکن عملی نقطۂ نظر سے بالکل مہمل ہے۔ بہائیوں کے مجوزہ اتحاد مذاہب کی نوعیت یہ ہے کہ سچ بھی سچ ہے، اور جھوٹ بھی سچ ہے۔ نور بھی نور ہے اور ظلمت بھی نور ہے میٹھا بھی میٹھا ہے اور تلخ بھی میٹھا ہے۔ نیک بھی اچھا ہے اور بد بھی اچھا ہے۔ تندرست بھی تندرست ہے اور کوڑھی بھی تندرست ہے۔ غرض بہائیوں نے بظاہر صدق و کذب اور خیر و شر کی تمیز بالکل اٹھا دی ہے اور اپنا سارا زور قلم اس مہمل نگاری پر صرف کر رہے ہیں کہ مسلمان عیسائی پارسی ہندو بدھ سب برسرحق ہیں اس مضحکہ خیز منطق کی تہ میں دراصل یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ انہیں اچھا جانیں ع شیخ بھی خوش رہیں اور شیطان بھی ناراض نہ ہو۔ اور اس طرح ان کے سادہ لوح شکار بے تامل گردن ڈالے ان کے دام تزویر میں آپھنسیں۔ اب اس گنگا جمنی پالیسی کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجیے۔ کوکب ہند نام بہائیوں کا ایک ماہوار رسالہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی (جلد ۱۰ نمبر ۸) کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ارشاد ہوتا ہے: "قرآن مجید کی سورہ فاتحہ کا تطابق وید منتروں سے اسی جلد کے نمبر اول میں دکھایا جا چکا ہے۔ آج سورہ فاتحہ کی مطابقت پارسی مذہب کی مقدس کتاب "گاتھا" سے دکھائی جاتی ہے جس سے طالبان حقیقت بآسانی اندازہ لگا لیں گے کہ مقدس کتابوں کے مضامین میں کس قدر زبردست یگانگت ہے حقیقت میں سب کتابیں ایک ہی کتاب ہیں۔ زبانوں اور عبارتوں کا فرق صرف لباسوں کی رنگا رنگی ہے۔ اصل روح حقیقت ایک ہے (صفحہ ۱) ویدک دھرم جو پروردگار کا دین برحق ہے اور جس کی مقدس کتاب وید میں پاکیزہ تعلیمات کے جواہر عرصۂ دراز سے چمک رہے ہیں ہر ایک پیغمبر برحق (معاذ اللہ) اس کی تصدیق و تائید میں ہے کسی پیغمبر برحق نے آج تک وید کی تکذیب نہیں کی (صفحہ ۳) وہی حقیقت جو ویدک رشیوں کو معلوم ہوئی وہی عرب کے مقدس رسول اور فلسطین کے پیغمبروں پر آشکار ہوئی۔ وہی حقیقت ایران کے (آتش پرست) پیغمبر کو دریافت ہو گئی اور انہوں نے اپنی زبان اور اپنے طرز بیان میں اسے لوگوں تک پہنچایا۔ (صفحہ ۴) اس میں شک نہیں کہ ہندو دھرم اور دین اسلام کی موجودہ شکل بالکل علیحدہ ہے مگر حقیقۃً فروعات مسائل کو چھوڑ کر قرآن شریف

کی باتیں (معاذ اللہ) پُران و اُنپشد سے ملتی جلتی ہیں (صفحہ ۵) مگر میں "کوکب ہند" کے بدنصیب ایڈیٹر صاحب سے جو اسلام کی راہ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کی ہلاکت آفرین وادیوں میں سرگرداں ہیں پوچھتا ہوں کہ جب تمام مذہبی کتابیں منزّل من اللہ ہیں اور ہر ایک کے اندر انسان کی رہنمائی کی صلاحیت موجود ہے اور تمام موجودہ ادیان حق اور منجانب اللہ ہیں جو انسان کو ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں تو پھر بہائیت کس مرض کی دوا ہے؟ بہائیت نے آکر دنیا کی کس تشنگیٔ ہدایت و سعادت کو سیراب کیا؟ جب دنیا کے موجودہ مذاہب ہی انسان کی نجات و رستگاری کے لئے کافی ہیں تو پھر بہائیوں کو بہائیت کی الگ بانسری بجانے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے مذاہب میں کیوں جذب نہیں ہو جاتے؟

باب اور بہاء اللہ کو دوسرے ادیان سے نفرت

مگر میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں اتحاد مذاہب کا ڈھونگ بہائیوں کی ایک منافقانہ چال ہے۔ عوام کے دل مٹھی میں لینے کی ایک عیّاری ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بانیانِ مذہب باب اور بہاء اللہ تو اس نفاق و ظاہر داری کے سراسر خلاف لکھ گئے ہیں۔ چنانچہ علی محمد باب نے کتاب بیان کے باب ۶ واحد ۲ میں لکھا "اگر کسے باشد و داخل میزان بیان نشود ثمری بخشد تقوائے او اورا" (جو شخص کتاب بیان کی پیروی نہیں کرتا اس کا تقویٰ اور پرہیزگاری اس کو کچھ نفع نہ دے گی) اور کتاب بیان کے باب واحد ۴ میں لکھا "من یتجاوز عن حدّ البیان فلا یحکم علیہ حکم الایمان سواء کان عالماً او سلطاناً او مملوکاً او عبداً" (جو شخص میری کتاب بیان کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا اس کے مومن ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ خواہ وہ عالم ہو یا بادشاہ، مملوک ہو یا غلام) اور بیان کے باب ۱۱ واحد ۷ میں لکھا "اگر در غیر ایمان بیان قبض روح شود اگر عمل ثقلین را نماید نفع باو نمی بخشد" (جس شخص کی موت ایسی حالت میں واقع ہو کہ وہ بابی مذہب کا پیرو نہ ہو تو دونوں جہان کے عمل بھی اسے کوئی نفع نہ بخشیں گے۔ اور بہاء اللہ نے کتاب مبین (کے صفحہ ۱۸) میں لکھا "اِرْتَفَعَ سماءُ البیان وَثَبَتَ مَا نُزِّلَ فِیْہِ ان الذین انکروا اُولٰٓئِکَ فِیْ غَفْلَۃٍ وَّضَلَالٍ" (کتاب بیان کی عظمت بلند ہوئی اور جو کچھ اس میں اتارا گیا تھا وہ ثابت ہو گیا اور جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ غفلت اور گمراہی میں پڑے ہیں) اور کتاب مبین (کے صفحہ ۲۸۳) میں لکھا "قد خسر الذین کذّبوا بآیاتنا سوف تاکلھم النیران" (جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ خسارہ میں پڑے ہیں عنقریب وہ جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے) اور بہاء اللہ کتاب اقدس میں لکھتا ہے:۔ "والذی منع انہ من اھل الضلال ولو یأتی بکل الاعمال" (جس شخص نے مجھے قبول نہیں کیا وہ گمراہ ہے۔ اگرچہ وہ دنیا بھر کے حسنات ہی کیوں نہ بجا لائے۔

اتحادِ مذاہب کی اسلامی تعلیم

بہائیوں کو اس پر بڑا ناز ہے کہ وہ اتحاد مذاہب کے داعی و منادی ہیں حالانکہ اسلام اتحاد مذاہب کی تعلیم بہاء اللہ سے تیرہ سو سال پہلے ہی دے چکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۷: ۱۵۸)	اے نبی! آپ کہہ دیجئے۔ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور فرمایا:- وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا | اللہ کے سلسلہ ہدایت کو مضبوط پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو۔
لیکن اتحاد مذاہب کی جو صورت بہاء اللہ نے پیش کی کہ توحید و شرک، اسلام و کفر، ہدایت و ضلالت، نور و ظلمت میں امتیاز کئے بغیر مذہبی اتحاد ہو جائے یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اتحاد بین الملل کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اُس آسمانی نور کو مشعل ہدایت بنائے جو خالق ناس نے بنی آدم کی رہنمائی کے لئے برگزیدہ خلق سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ جب تک ایسا نہ ہو حق و باطل میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمام اہل مذاہب اپنے اپنے دین پر قائم رہ کر بوقت ضرورت کسی سیاسی اور دنیوی مقصد پر متحد العمل ہو سکتے ہیں۔ میں نے ایک بہائی سے پوچھا تھا کہ ہر شخص اپنے سابقہ عقاید و اسیال پر قائم رہ کر بہائی ہو سکتا ہے یا بہائی ہونے کے لئے بہائیوں کے مخصوص عقاید کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے؟" اس نے کہا کہ بہائی عقائد اختیار کرنا لابد ہے۔ ورنہ کوئی شخص اپنے سابقہ عقائد پر قائم رہ کر بہائی کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اتحاد مذاہب کا ڈھونگ محض ایک سنہری جال ہے جو چالاک بہائی شکاری نے سادہ لوح عوام کو پھانسنے کے لئے بچھا رکھا ہے۔

شاہ ایران کے نام بہاء اللہ کا مکتوب

بابیوں کی پیہم فتنہ انگیزیوں نے ان کے دامن شہرت پر غداری کے جو بدنما دھبے نمایاں کر دیئے تھے اگر بہاء اللہ استاذ زمانہ سے سبق لے کر ان کے دھونے کی کوشش نہ کرتا تو بابیوں کی کشتیٔ ہستی گرداب فنا میں غرق ہو گئی تھی۔ بابی مسلک سے دست بردار ہونے کے بعد بہاء اللہ نے ایک طویل مکتوب شاہ ایران کے نام لکھ کر بابیوں کے لئے مراجعت ایران کی اجازت طلب کی۔ اس مکتوب میں بابیوں کے موجودہ سیاسی مسلک کی تشریح کی۔ اور اپنے خلوص اور حسن نیت کا یقین دلاتے ہوئے شاہ کے جذبات رحم و کرم سے اپیل کی۔ یہ خط مرزا بدیع نام ایک بابی کے ہاتھ روانہ کیا۔ موکب شہریاری ان ایام میں طہران سے باہر مستقر تھا۔ اس لئے بدیع مذکور سراپردہ شاہی کے بالمقابل ایک پتھر پر جا بیٹھا اور تین شبانہ روز مرور رکاب شہریاری کا منتظر رہا۔ چوتھے دن ایسے وقت میں جبکہ شاہ دُوربین میں اطراف و اکناف کی سیر دیکھ رہا تھا اس کی نظر اس بابی پر پڑی ملازمان درگاہ کو تحقیق حال پر مامور کیا۔ جب بابی سے دریافت کیا گیا تو وہ چٹھی ...... دکھا کر کہنے لگا کہ اس عریضہ کو حضور ہمایوں میں پیش کرنا ہے۔ ایک افسر جا کر شاہ کی خدمت میں عرض پیرا ہُوا کہ وہ ایک بابی ہے جو جسارت عظیم کا مرتکب ہُوا ہے کہ فرقۂ مغضوبہ کا مکتوب بلا خوف و ہراس حضور بادشاہی میں لایا ہے۔" وزرائے دربار نے عقوبت کا حکم دیا چنانچہ وہ قید و سلاسل میں جکڑ کر بار حیات سے سبکدوش کر دیا گیا۔ شاہ نے حکام کی عجلت پسندی پر تاسف کیا اور کہا کہ بھلا کسی نامہ بر سے بھی کبھی مواخذہ ہُوا ہے کہ اسے ناحق قتل کر دیا؟ [علہ] معلوم نہیں کہ شاہ نے بہاء اللہ کی عرضداشت پڑھی بھی یا نہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ بہاء اللہ اپنی کوشش میں ناکام رہا اور کسی بابی کو مراجعت ایران کی اجازت نہ دی گئی۔ جو صاحب اس طویل مکتوب کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ کتاب "مقالۂ سیاح" صفحات ۱۲۳-۱۷۱ کی طرف رجوع کریں۔

علہ مقالۂ سیاح مطبوعہ لندن ص ۱۲۷

اس کے شروع میں یہ چند عربی فقرے بھی مسطور تھے :۔ یا الٰہی ہذا کتاب ارید ان ارسلالی السلطان وانت تعلم بانی ماارودت منہ الا ظہور عدلہ لخلقک وبروز الطافہ لاہل مملکتک وانی لنفسی ماارودت الا ما اردتہ ولا اریدہ بجولک الا ماترید عدمت کینونۃ تریدمنک دونک فوعزتک رضائک منتہیٰ املی ومشیتک غایۃ رجائی فارحم یا الٰہی ہذا الفقیر الذی تشبث بذیل غنائک وہذا الذلیل الذی یدعوک بانک انت العزیز العلیم اید یا الٰہی حضرۃ السلطان علی اجراء حدودک بین عبادک واظہار عدلک بین خلقک لیحکم علیٰ ہذہ الفئۃ کما یحکم علیٰ ما دونہم انک انت المقتدر العزیز الحکیم +

بہاء اللہ سے پروفیسر براؤن کی ملاقات

مسٹر ایڈورڈ جی براؤن پروفیسر فارسی کیمبرج یونیورسٹی نے کتاب "نقطۃ الکاف" کے دیباچہ میں لکھا کہ مجھے بابی مذہب کے حالات معلوم کرنے کا مدت سے اشتیاق تھا۔ آخر صفر ۱۳۰۵ھ میں ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ میں نے ایران کا سفر اختیار کیا اور قریباً ایک سال تک تبریز، زنجان، طہران، اصفہان، شیراز، یزد، کرمان کی سیاحت میں مصروف رہا۔ اس اثنا میں شیعہ، بابی اور زرتشتی فضلاء سے ملاقاتیں کرکے ان کے مذاہب کے معلومات حاصل کئے۔ آخر پورے ایک سال کے بعد یعنی صفر ۱۳۰۶ھ میں انگلستان کو مراجعت کی۔ اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۳۰۷ھ میں جزیرہ قبرس اور شہر عکہ کا سفر کیا۔ اور دو رقیب بھائیوں مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل کو قبرس میں مرزا حسین علی نوری معروف بہ بہاء اللہ کو عکہ میں دیکھا۔ جزیرہ قبرس کے شہر ماغوسا میں پندرہ دن تک اقامت گزیں رہا۔ اس اثنا میں ہر روز صبح ازل کی ملاقات کو جاتا رہا۔ میرا معمول تھا کہ ظہر سے غروب آفتاب تک معلومات حاصل کرکے مراجعت کرتا تھا۔ صبح ازل ہر موضوع پر نہایت بے باکی اور آزادی سے گفتگو کرتا تھا لیکن جب میں بابیوں کے تفرقہ اور بہاء اللہ اور بہائیوں کا تذکرہ چھیڑتا تھا تو اس کی عنان گوئی سبیل بسکون ہو جاتی تھی۔ میں نے اس حالت سے یہ استنباط کیا کہ اس قسم کے سوالات طبع پر شاق گذرتے ہیں اس لئے حتی المقدور اس موضوع پر گفتگو کرنے سے اجتناب کیا۔ ان مجالس میں اکثر اوقات صبح ازل کے فرزند عبد العلی، رضوان علی، عبد الوحید اور تقی الدین بھی موجود ہوتے تھے۔ جزیرہ قبرس چند سال سے انگریزی حیطہ تصرف میں آیا ہوا تھا۔ میں نے مسٹر ہنری بولور حاکم جزیرہ کی اجازت سے دفاتر حکومت پر نظر ڈالی تو اس سے معلوم ہوا کہ صبح ازل اور اس کے پیرو جزیرہ قبرس میں جلا وطن ہوئے ہیں۔ شہر ماغوسا میں پندرہ دن تک قیام کرنے کے بعد میں نے عکہ کا قصد کیا۔ لیکن پہلے بہائیوں کے پیشکار کی ملاقات کے لئے بیروت گیا۔ کیونکہ معمول یہ تھا کہ جو کوئی بہاء اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا اسے پہلے پورٹ سعید، اسکندریہ یا بیروت کے بہائی عمال میں سے کسی ایک کے پاس جاکر اس خواہش کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ اگر ان کی مرضی ہوتی تھی تو اجازت دے کر ملاقات کے قواعد و آداب سے مطلع کرتے تھے ورنہ انکار کر دیتے تھے۔ میں بیروت پہنچا لیکن سوء اتفاق سے بہائی ایجنٹ اس وقت بیروت میں موجود نہ تھا بہاء اللہ کے پاس عکہ گیا ہوا تھا۔ میں بہت افسردہ دل ہوا کیونکہ میرے پاس دو ہفتے سے زیادہ وقت باقی نہ تھا۔ اس کے بعد مجھے دار الفنون کیمبرج کو حتماً مراجعت کرنا تھا بہت کچھ دوڑ دھوپ کرنی پڑی آخر عامل کو چٹھی لکھی جس میں وہ سفارش نامہ بھی ملفوف کر دیا جو ایران کے بابی دوستوں نے عامل بیروت کے نام لکھ

دیا تھا۔ اس کے چند روز بعد میں نے جوابی تار بھیج کر ملاقات کی اجازت چاہی۔ اگلے دن تار کا جواب آیا جس میں نام اور پتہ کے بعد صرف یہ دو عربی لفظ لکھے تھے۔ "یَتَوَجَّہُ الْمُسَافِرْ" میں تار پاتے ہی فوراً روانہ ہوا اور ۲۲ر شعبان ۱۳۰۷ھ کو وارد عکّہ ہُوا۔ جب عکّہ کے قریب پہنچا تو دُور سے نہایت خوشنما منظر دکھائی دیا۔ بڑے بڑے خوبصورت باغ تھے نارنگی اور طرح طرح کے دوسرے میوے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ ان باغات نے جو حوالیٔ عکّہ میں واقع ہیں مجھے حیرت میں ڈال دیا کیونکہ ایک ایسے شہر میں کہ جس کو بہاء اللہ اپنے نوشتوں میں ہمیشہ "اَخْرَبُ البِلاد" نام سے یاد کیا کرتا تھا مجھے ایسی طراوت اور نضارت کے دیکھنے کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی۔ عکّہ میں دن کے وقت ایک مسیحی تاجر کے ہاں فروکش ہُوا۔ لیکن رات ایک محترم بہائی کے ہاں گذاری۔ دوسرے دن بہاء اللہ کا بڑا فرزند عباس آفندی جو آج کل عبد البہا کے نام سے مشہور ہے آیا اور مجھے وہاں سے منتقل کر کے قصر بہجہ میں کہ عکّہ سے باہر کوئی پندرہ منٹ کی راہ ہے لے جا کر ٹھہرایا۔ اس کے دوسرے دن بہاء اللہ کا ایک چھوٹا بیٹا میرے پاس پہنچا اور خواہش کی کہ میں اس کے ساتھ چلوں میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہت سے ایوانوں اور گذرگاہوں سے ہوتے ہوئے کہ جن کو نظر تعمق سے دیکھنے کی فرصت نہ تھی ہم ایک وسیع ایوان میں جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور اس پر نہایت خوشنما پچکاری ہو رہی تھی پہنچے۔ میرا رہنما ایک پردہ کے سامنے تھوڑی دیر تک ٹھہرا رہا تاکہ میں اپنا جوڑہ اُتار لوں۔ پردے کو اُٹھا کر میں ایک وسیع تالار میں داخل ہُوا۔ تالار ان چار ستونوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین میں گاڑ کر ان پر لکڑی کے تختے جڑ دیئے گئے ہوں تالار کے ایک گوشہ میں گاؤ تکیہ کے ساتھ ایک نہایت پر شکوہ اور محترم شخص بیٹھا تھا۔ سر پر درویشوں کے تاج کی مانند لیکن اس سے بہت بلند ٹوپی تھی جس کے گرد سفید کپڑے کا ایک چھوٹا سا عمامہ لپٹا ہُوا تھا۔ اس شخص کی درخشاں آنکھیں لوگوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ ابرو کشیدہ پیشانی چین دار بال سیاہ تھے ڈاڑھی بہت سیاہ گھنی اور اس قدر لمبی تھی کہ قریب قریب کمر تک پہنچ رہی تھی یہی شخص بہاء اللہ تھا۔ میں مراسم تعظیم بجا لایا۔ بہاء اللہ نے مجھے بہت کچھ تواضع کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا "الحمد للہ کہ تم فائز ہوئے۔ تم اس غرض سے یہاں آئے ہو کہ اس مسجون منفی سے ملاقات کرو۔ صلاح عالم اور فلاح امم کے سوا ہماری کوئی غرض و غایت نہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ان مفسدین کا سا سلوک کرتے ہیں جو حبس و طرد کے مستوجب ہوں۔ تمام ادیان و ملل کو ایک مذہب ہو جانا چاہیئے ہماری یہ آرزو ہے کہ تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔ بنی نوع انسان میں دوستی و اتحاد کا رابطہ مستحکم ہو۔ ان کا مذہبی اختلاف دُور ہو۔ قومی نزاع مرتفع ہو۔ بھلا اس میں عیب کی کونسی بات ہے؟ اگر ہماری یہ خواہش بار آور ہو تو یہ بیکار رزم و پیکار اور فضول جھگڑے آج ختم ہو سکتے ہیں کیا تم بھی یورپ میں اس امن و سکون کے محتاج ہو؟ کیا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اسی مقصد عظیم کی تلقین نہیں کی؟ بجائے اس کے کہ تمہارے مال و خزانے اصلاح بلاد اور آسائش عباد میں صرف ہوں دنیا بھر کے حکمران ان خزائن کو نوع بشر کی تخریب میں صرف کرتے ہیں ضرورت ہے کہ یہ نزاعیں یہ مصاف آرائیاں۔ یہ خونریزیاں اور اختلاف ختم ہو جائیں۔ تمام لوگ ایک خانوادہ کی طرح زندگی بسر کریں۔ کسی شخص کو اس بات پر فخر نہ کرنا چاہیئے کہ وہ وطن دوست

بلکہ حقیقی فخر یہ ہے کہ وہ نوع بشر کو دوست رکھے"! اس کے بعد میں پانچ ہی دن عکہ میں قیام کر سکا۔اس اثنا میں اپنے تمام اوقات قصر بہجہ میں نہایت خوشی کے عالم میں گزارے۔ میرے ساتھ ہر طرح سے مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اس مدت میں مجھے چار مرتبہ بہاء اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہر مجلس ۲۰ دقیقہ سے نیم ساعت تک رہتی تھی۔ یہ تمام مجلسیں ظہر سے قبل منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہاء اللہ کا ایک نہ ایک بیٹا ضرور موجود رہتا تھا۔

بابیوں اور بہائیوں کے مختلف فرقے

پروفیسر براؤن نے "نقطۃ الکاف" کے مقدمہ میں بابیوں کے متقدمین اور متاخرین کی تحریروں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ میں شاید ہی کوئی مذہب ایسا نظر آئے گا جس کے اندر بابی مذہب کی طرح ۶۹ سال (سن ۱۲۶۰ھ تا ۱۳۲۹ھ) کی قلیل مدت میں اس قدر تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں۔ بابی لوگ دو فرقوں ازلی اور بہائی میں تو پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے۔ دوسرا اختلاف بہاء اللہ کی وفات (۲ ذی القعدہ سنہ ۱۳۰۹ھ) کے بعد خود بہائیوں میں بھی رونما ہوا۔ بعض بہائیوں نے تو بہاء اللہ کے فرزند عباس آفندی یا عبد البہاء کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسروں نے بہاء اللہ کے دوسرے بیٹے میرزا محمد علی کا دامن پکڑا۔ ان اختلافات کی بدولت بابی آج کل چار گروہوں میں منقسم ہیں۔ اول وہ ہیں جو کل شئی کے نام سے مشہور ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو باب اور آنے والے من یظہرہ اللہ" پر ایمان لائے ہیں انہیں اس قصہ سے کوئی سروکار نہیں کہ باب کا وصی کون ہے یہ لوگ بہت قلیل التعداد ہیں۔ دوسرے ازلی جو میرزا یحییٰ نوری ملقب بہ صبح ازل کو باب کا وصی اور جانشیں مانتے ہیں ان کا خیال ہے کہ من یظہرہ اللہ ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ یہ گروہ بھی قلیل التعداد ہے اور ان کی جمعیت دن بدن رو بزوال ہے۔ سوم بہائی جو صبح ازل کے بھائی میرزا حسین علی نوری ملقب بہ بہاء اللہ کو من یظہرہ اللہ" گمان کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بہاء اللہ کے بعد کم از کم ہزار سال تک کوئی نیا "ظہور" نہیں ہوگا۔ چوتھے وہ بہائی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض الٰہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ رہیگا یہ لوگ عبد البہاء کے دعاوی کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو مظہر وقت جانتے ہیں۔ بابیوں کی کثرت تعداد آج کل اسی آخری فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ بات سخت حیرت انگیز ہے کہ صبح ازل اور بہاء اللہ کی تاریخ نے میرزا محمد علی اور اس کے سوتیلے بھائی عباس آفندی کے بارہ میں اعادہ کیا ہے یعنی جس طرح صبح ازل اور بہاء اللہ دونوں بھائی باہم دست و گریبان تھے اسی طرح بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں میں جنگ آزمائی ہو رہی ہے۔

بہائیوں کی خانہ جنگی

اس کے بعد پروفیسر براؤن لکھتا ہے "سچ یہ ہے کہ اس آخری تفرقہ اور حسد اور جنگ وجدال نے جو بہاء اللہ کے بعد بہائیوں میں رونما ہوا مجھے بہائی تحریک کی طرف سے کچھ بدظن کر دیا۔ میں اکثر سوچتا اور اپنے بہائی دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ وہ نفوذ اور قوت تصرف اور قاہریت جو ان کے عقیدہ میں کلمۃ اللہ کی اولین علامت اور اس کی لاینفک خصوصیت ہے کیا ہوئی؟ اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہیئے؟ بہاء اللہ کو حکم خداوندی تو یہ پہنچا تھا کہ عاشروا مع الادیان بالروح والریحان (تمام مذاہب سے محبت اور رواداری کا سلوک کرو) اور بہاء اللہ کا مقولہ ہے کہ ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی شاخ کے برگ وبار ہیں"! لیکن خود بہاء اللہ

کے جانشینوں کا عمل یہ ہے کہ اپنے ہی خانوادہ کے اعضا و جوارح کو کاٹ رہے ہیں اور ان کے باہم تلخی وعداوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اغیار سے بھی ایسی درندگی کا سلوک نہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں ایران کی اس وقت یہ حالت ہے کہ اہل سنت اور شیعۂ بالاسری اور شیخی، مسلمان اور یہود، عیسائی اور زرتشتی کے اختلافات مٹ رہے ہیں لوگ وطن دوستی کے قدح میں سرشار ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر جنس کے ایرانی ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اتحاد مذاہب کا بہائی دعوئے محض زبانی جمع خرچ اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ عبدالبہار کا تختۂ حیات ۱۹۲۱ء میں کنارۂ عدم کو جالگا۔ اس نے شوقی آفندی کو اپنا جانشین بنایا۔ میرزا محمد علی غالباً اب تک زندہ ہے معلوم نہیں کہ مرزا محمد علی اور شوقی آفندی میں بھی جھگڑے قضیے چلے جاتے ہیں یا فریقین نے لڑتے لڑتے تھک کر خاموشی اختیار کرلی ؟

منکرانہ عقائد اور زندقہ نواز شریعت

بہائی لوگ بہاء اللہ کو مَن یظہرہ اللہ اور مسیح موعود بلکہ کل ادیان کا موعود مانتے ہیں بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائی کا بھی مدعی تھا۔ چنانچہ کتاب "اقتدار" (صفحہ ۳۱) میں لکھتا ہے کذالک نطق القلم اذا کان مالک القدم فی سجنہ الاعظم بما کسبت ایدی الظلمین (جب مخلوق کا قدیم مالک ظالموں کے ظلم سے اپنے بڑے قید خانے میں پڑا ہوا تھا تو قلم نے اسی طرح نطق فرمایا) اور اسی کتاب کے (صفحہ ۱۴۴) میں لکھتا ہے اذا یراہ احد فی الظاھر یجدہ علے ھیکل الانسان بین ایدی اھل الطغیان واذا یتفکر فی الباطن یراہ مھیمنا علے من فی السموٰت والارضین (جب کوئی شخص اس کو (بہاء اللہ کو) دیکھتا ہے تو اسے اہل طغیان کے ہاتھوں میں انسانی شکل میں پاتا ہے لیکن جب اس کے باطن پر غور کرتا ہے تو اسے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کا نگہبان پاتا ہے) اور کتاب اقدس (صفحہ ۲۲۵) میں لکھتا ہے۔ الذی ینطق فی السجن الاعظم انہ لخالق الاشیاء وموجدھا حمل البلاء بالاحیاء العالم وانہ لھو الاسم الاعظم الذی کان مکنونا فی ازل الآزال۔ (جو بڑے قید خانے میں بول رہا ہے وہی کائنات کا خالق و موجد ہے وہ دنیا کو زندگی بخشنے کے لئے بلاؤں اور مصیبتوں کا متحمل ہوا وہی اسم اعظم ہے جو ازل سے مخفی تھا) اور کتاب مبین کے (صفحہ ۲۸۶) میں لکھتا ہے۔ لا الٰہ الا انا المسجون الفرید (مجھ بہاء اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو منفرد و یگانہ ہوں اور قید کیا گیا ہوں) معلوم ہوتا ہے کہ ان دعووں کی وجہ سے اس کے مرید بھی اس کو عموماً خدا ہی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بہائی شاعر (دیوان نوش ص ۳۹) کہتا ہے

رُخ سوئے تو آوردم اے مالکِ جان الٰہی   زاں رُو کہ تو در عالم معبودی و سلطانی۔

مرزا حیدر علی اصفہانی بہائی نے کتاب بہجۃ الصدور (صفحہ ۲۰۸) میں تصریح کی ہے کہ بہاء اللہ (اپنے دعوائے الوہیت کی وجہ سے) اپنے پیروؤں کا مسجود بنا ہوا تھا۔ اور اسی کتاب (کے صفحہ ۲۵۸) میں لکھا ہے کہ زائرین اس کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہائی کہتے ہیں کہ حدیث لو کان الایمان معلقا بالثریا لتالہ رجل من ابناء فارس (اگر بالفرض ایمان ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آئیگا) بہاء اللہ کے حق میں پیشین گوئی ہے۔ بہائی شریعت کے وضو میں صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا

حکم نہیں۔ البتہ اس کی جگہ ۹۵ مرتبہ اللہ ابہیٰ کا وظیفہ پڑھنا بتایا ہے جاڑوں میں تیسرے دن اور موسم گرما میں ہر روز ایک مرتبہ پاؤں دھونے کا حکم ہے اور ہر نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں بلکہ دن بھر میں ایک مرتبہ کافی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی جگہ پانچ مرتبہ بسم اللہ الاطہر کہہ لینا چاہیئے۔ بہائی شریعت میں نماز کا قبلہ کعبہ معلیٰ نہیں بلکہ عکہ اور بہاء اللہ کی قبر ہے اور نمازوں میں قرآن وغیرہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ بہاء اللہ کی کتابوں کی بعض عبارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز پنجگانہ کی جگہ تین تین رکعت کی تین نمازیں صبح، ظہر، مغرب فرض کی گئی ہیں۔ اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی کچھ اور ہی مقرر کیا ہے۔ ان کے نزدیک نماز باجماعت حرام ہے۔ مریضوں اور بوڑھوں کو نماز بالکل معاف ہے صیام رمضان کی جگہ موسم بہار میں انیس روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ روزے میں صبح صادق کی بجائے کھانے پینے کی ممانعت طلوع آفتاب سے رکھی ہے۔ عید الفطر کی جگہ عید نیروز مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ چار اور عیدیں ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ چالیسواں حصہ مقرر کی ہے لیکن بہاء اللہ نے سو مثقال سونے میں سے انیس مثقال یعنی پانچویں حصہ سے کسی قدر کم مقرر کی ہے۔ بہاء اللہ کے گھر میں دو بیویاں تھیں اسی تعداد کے پیش نظر اس نے دو عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ زیادہ کو حرام کر دیا۔ بہاء اللہ نے کتاب الاقدس میں لکھا "قد حرمت علیکم ازواج آباءکم انا نستحیی ان نذکر حکم الغلمان" (تم پر تمہارے باپوں کی بیویاں حرام کی گئی ہیں۔ اور لونڈوں کے احکام بیان کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے) بہاء اللہ کا صرف باپ کی منکوحہ عورتوں کی حرمت بیان کرنا اور دوسرے محرمات کو چھوڑ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے نزدیک بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ محرمات سے عقد کرنا جائز تھا۔ اور حسب بیان میرزا مہدی حکیم (کتاب مفتاح الابواب) یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں عبد البہا اور میرزا محمد علی میں اختلاف رہا۔ میرزا محمد علی کے نزدیک بہاء اللہ کا یہی منشا تھا کہ باپ کی بیویوں کے سوا تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے اور عبد البہاء نے بہاء اللہ کے حکم میں ترمیم کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ کتاب بدائع الآثار (جلد اول ص ۱۵۴) میں جو عبد البہاء کا سفرنامہ ہے لکھا ہے کہ عبد البہاء نے ایک تقریر میں کہا کہ بہائیوں کے لئے ہر مذہب و ملت کے مرد کو لڑکی دینا اور ہر مذہب کی عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ بہاء اللہ نے شہروں میں انیس مثقال سونا اور دیہات میں انیس مثقال چاندی مہر مقرر کیا اور اس مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شہریوں کے لئے ۹۵ مثقال سونا اور دیہاتیوں کے لئے ۹۵ مثقال چاندی مقرر کی۔ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ بہاء اللہ نے مفقود الخبر شوہر کی بیوی کو نو مہینے کے بعد شادی کر لینے کی اجازت دی۔ اس کے نزدیک مرد بیوی کو تین طلاقیں دے کر بھی بلا تکلف رجوع کر سکتا ہے۔ ڈاڑھی اور لباس کے متعلق پوری آزادی دی۔ سر منڈانے کی ممانعت کی۔ سود لینا اور دینا دونوں جائز کر دیئے۔ گانے بجانے کی بھی عام اجازت دی۔

بہاء اللہ کی طویل مدت دعویٰ

مرزائی لوگ عام طور پر مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ کسی ایسے جھوٹے مدعی کا نام بتاؤ جس نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور وہ مرزا غلام احمد کی طرح تیئس سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر قائم رہنے کے باوجود ہلاک نہ ہوا ہو۔ ہر چند کہ مرزائیوں کا یہ معیار صدق و کذب کتاب و سنت سے ہرگز ثابت

نہیں ہو سکتا تاہم مرزائیوں کی ضد پوری کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے کہ بہاء اللہ ۲۳ سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے دعوٰی پر قائم رہا اور ایک طویل عمر پاکر مرزا غلام احمد کی طرح طبعی موت مرا۔ اس میں اختلاف ہے کہ بہاء اللہ نے کس سال مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کیا۔ حسب تحقیق بہائیاں اس نے ۱۸۶۳ء میں اسوقت دعوٰی کیا جب کہ وہ ہنوز بغداد میں تھا۔ (دور بہائی صفحہ ۱۴) لیکن پروفیسر براؤن کی تحقیق کے بموجب اس نے ۱۸۶۴ء میں ادرنہ (اڈریانوپل) پہنچ کر دعوٰی کیا۔ (ایپی سوڈ آف دی باب ص ۳۵۹) تاہم اگر ۱۸۶۴ء ہی کو دعوٰی کا صحیح سال قرار دیا جائے تو بھی ۱۸۹۲ء تک جبکہ اس کی کشتی عمر غرقاب فنا میں چلی گئی۔ اس کی مدتِ دعوٰی مرزا غلام احمد کے دعوٰی سے پانچ سال زیادہ یعنی اٹھائیس سال بنتی ہے۔ اور پھر بہاء اللہ کی مزید فوقیت و برتری یہ تھی کہ مرزا غلام احمد تو ۲۳ سال تک انواع و اقسام کی جاں گسل بیماریوں میں مبتلا رہ کر ہمیشہ ابتلاؤں کا آماجگاہ بنا رہا لیکن بہاء اللہ نے نہ صرف عکہ میں اپنی ۲۴ سالہ نظر بندی کی مدت نہایت عیش و عشرت اور شاہانہ ٹھاٹھ میں گزاری بلکہ ایران کو الوداع کہنے کے بعد وہ ہمیشہ عافیت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اصل یہ ہے کہ خدائے رؤف و دانا جھوٹے مدعیوں اور انبیاء کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والے دوسرے ضلالت پسندوں کو عموماً مہلت دیتا ہے تاکہ آج باز آجائیں۔ کل توبہ کرلیں۔ اور اگر وہ جلد تائب نہیں ہوتے تو خدائے بے نیاز ان کی رسن انانیت کو اور زیادہ دراز کر دیتا ہے۔ ان کی خودسری کی پاداش میں توفیق الٰہی ان سے سلب کر لی جاتی ہے انجام کار جب وہ اپنی شیطانی بنیاد کا سارا کاروبار پایۂ تکمیل تک پہنچا لیتے ہیں۔ تو خدائے شدید العقاب اس شجر خبیث کو یکبارگی باغ عالم سے مستاصل کر دیتا ہے۔ امام فخر الدین رازی آیۂ "وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ" (میں ان کو مہلت دیتا ہوں میری یہ تدبیر نہایت زبردست ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ای امھلہم واطیل لہم مدۃ عمرھم لیتمادوا فی المعاصی ولا اعاجلہم بالعقوبۃ علی المعصیۃ	میں ان کو مہلت دیتا ہوں اور ان کی مدت عمر کو دراز کر دیتا ہوں۔ انکی سزا میں جلدی نہیں کرتا تاکہ وہ سرکشی اور شوریدہ سری میں اپنے دل کے حوصلے نکال لیں۔

باب ۶۹ - محمد احمد مہدی سوڈانی

محمد احمد ۱۸۴۴ء میں دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب موضع حنتک میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ بتایا جاتا ہے۔ عبد اللہ کشتی سازی کا کام کرتا تھا۔ محمد احمد ابھی بچہ ہی تھا کہ والدین جزیرہ ابا کو جو خرطوم سے شمال کی جانب نیل ابیض پر واقع ہے نقل مکان کر گئے۔ محمد احمد نے بارہ برس کی عمر میں کلام الٰہی حفظ کر لیا اس کے بعد جزیرہ شبکہ میں اپنے چچا شریف الدین کے پاس کشتی سازی کا کام سیکھنے کے لئے بھیجا گیا۔ ایک دن چچا نے اسے کسی بات پر پیٹا تو بھاگ کر شہر خرطوم چلا آیا جو سوڈان کا صدر مقام ہے اور عرصہ تک مدرسہ خوجلی میں علوم دین کی تحصیل کرتا رہا۔ یہاں سے بربر گیا اور ایک مدرسہ میں داخل ہو کر علوم دین کی تکمیل کی۔ یہاں سے ارواب پہنچ کر شیخ نور الدائم کا مرید ہوا جو ایک مشہور پیر طریقت تھے۔ وہاں کچھ عرصہ تک علوم حال

کی تحصیل میں مصروف رہا۔ اس کے بعد پھر خرطوم آیا۔ اور شیخ محمد شریف نام ایک پیر کے حلقہ میں داخل ہو کر "طریقۂ سمانیہ" کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ان دنوں ایک عجیب اتفاق پیش آیا شیخ مذکور کے بچوں کی ختنہ ہوئی اور اُن کے شاگردوں نے ایک جلسہ منعقد کر کے رسم ختنہ کی تقریب منائی۔ اس مجلس میں کثرت سے لوگ شریک ہوئے اور رقص و سرود سے دل بہلایا گیا۔ محمد احمد نے لوگوں کو اس خلاف شرع تفریح سے منع کیا اور کہا کہ شریعت حقہ ناجائز فعل کو جائز قرار نہیں دے سکتی۔ اور شیخ شریعت کے کسی ممنوع فعل کو جائز نہیں کر سکتا۔ شیخ محمد شریف کو جب اس کی خبر پہنچی تو غضبناک ہو کر محمد احمد کو طلب کیا۔ محمد احمد محمد شریف کی خدمت میں حاضر ہؤا اور معافی چاہی لیکن شیخ نے معاف نہ کیا اور زجر و توبیخ کے بعد اس کا نام "طریقۂ سمانیہ" کی فہرست سے خارج کر کے اس کو خانقاہ سے نکال دیا۔ لیکن محمد احمد کی حق گوئی اور جرأت و دلیری نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور اہل سوڈان کے دلوں میں اس کا وقار بہت بڑھ گیا۔ وہاں سے جزیرہ آبا کو مراجعت کی۔ کچھ دنوں کے بعد یہاں ایک غار میں داخل ہو کر ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ کہتے ہیں کہ غار میں خوشبو جلا کر کسی اسم کا ورد کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے زہد و اتقاء کا غلغلہ اطراف واکناف ملک میں بلند ہؤا۔ ہزارہا لوگ حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے اس کی عظمت یہاں تک دلوں میں نقش ہوئی کہ بڑے بڑے اصحاب ثروت و اقتدار کی جبین نیاز اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئی یہاں تک کہ بقارا کے مغرور و سرفراز شیوخ نے جو اپنے برابر دنیا میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے بکمال منت اپنی لڑکیاں عقد ازدواج کے لئے پیش کیں جب محمد احمد کے پیروؤں کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی تو آخر کار اس مذہبی گروہ پر سیاسی رنگ چڑھنے لگا اور اشاعت اسلام کے پردے میں ملک گیری کے ارادے نشو و نما پانے لگے۔ محمد احمد نے جہاد فی سبیل اللہ کا وعظ شروع کیا۔ اس کا قول تھا کہ موت ہمیں اس سے بھی کہیں زیادہ مرغوب ہے جس قدر کہ دولہا کو عروس محبوب ہوتی ہے۔ محمد احمد کی دعوت میں کچھ ایسا برقی اثر تھا کہ سیکڑوں آدمی روزانہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرکت جہاد پر آمادگی ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ اسلحہ جنگ کی فراہمی شروع ہوئی اور حرب و ضرب کی طیاریاں ہونے لگیں۔

دعوائے مہدویت اور گورنر خرطوم کی پریشانی

مئی ۱۸۸۱ء میں محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کے نام اس مضمون کے مراسلات بھیجنے شروع کئے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مہدی کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں مجھے خداوند عالم کی طرف سے سفارت کبریٰ عطا ہوئی ہے تاکہ میں دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دوں۔ اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح کروں جو لوگوں نے دین متین میں پیدا کر دی ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمام عالم میں ایک مذہب، ایک شریعت، اور ایک ہی بیت المال قائم کروں اور جو شخص میرے احکام کی تعمیل نہ کرے اسے بحر عدم میں غرق کر دوں۔" محمد احمد نے ماہ رمضان میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں سوڈان اور مصر کے طول و عرض میں اس کی دعوت کا چرچہ ہونے لگا۔ ماہ جولائی میں رؤف پاشا کو جو خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل تھا محمد احمد کے دعوائے مہدویت اور اس کے تبلیغی مراسلات کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنے معتمد خاص ابو السعود کو چار علماء کے ساتھ اس غرض سے محمد احمد کے پاس بھیجا کہ اسے

خرطوم لا کر حاضر کریں۔ ابوالسعود جزیرہ ابا پہنچا اور کشتی سے ساحل پر اُتر کر بلند آواز سے پکارا کہ مہدی کہاں ہے؟ محمد احمد ساحل پر آیا اور ابوالسعود کے پاس پہنچ کر اس کی مسند پر بیٹھ گیا۔ ابوالسعود نے دریافت کیا کیا تم ہی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ محمد احمد نے نہایت متانت سے جواب دیا ہاں میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا انتظار کیا جا رہا تھا! ابوالسعود نے کہا اس دعویٰ سے تمہاری کیا غرض ہے؟ محمد احمد نے جواب دیا کہ خدائے کردگار نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دوں۔ کفر کو سرنگوں اور دین حنیف کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کروں۔ خدا کی زمین پر خدائے لایزال کا قانون (قرآن) حکمران ہو اور اسلام سربلند دکھائی دے۔ ابوالسعود نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بھی تمہاری طرح مسلمان ہے! محمد احمد نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ حکمران نے نصاریٰ کو سیاہ وسپید کا مالک بنا رکھا ہے اور وہ جا بجا گرجے بناتے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں! اب ابوالسعود سمجھانے لگا کہ گورنمنٹ برطانیہ اور حکومت مصر کی مخالفت اچھی نہیں بہتر ہے کہ بلا انحراف میرے ساتھ خرطوم چل کر رؤف پاشا کی ملاقات کر آؤ۔ محمد احمد نے کہا میں وہاں نہیں جا سکتا۔ ابوالسعود بولا تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی اپنے تئیں گورنر خرطوم کے حوالے کر دو۔ حکیہ سرکاری توپیں اور انگریزی جنگی جہاز گولہ باری کر کے جزیرہ ابا کو خاک سیاہ کر دیں! محمد احمد نے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ کسی بدبخت کی کیا مجال ہے کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے؟ اس کے بعد نہایت درشت لہجہ میں ابوالسعود سے کہا جاؤ۔ میں ہرگز تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا! ابوالسعود محمد احمد کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر سہم گیا اور اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ وہاں سے چلتا بنے۔ آخر اپنے ساتھیوں کی معیت میں خرطوم پہنچ کر دم لیا اور رؤف پاشا کو صورت حال سے مطلع کر کے کہنے لگا کہ اگر پچاس مسلح آدمیوں کو میرے ساتھ کر دو تو میں اس منافق کو آپ کے پاس گرفتار کر لاتا ہوں! بیچارے ابوالسعود کو کیا معلوم تھا کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ یہ شخص عنقریب تفوق کے آسمان پر مہر منیر بن کر جلوہ گر ہوگا اور تین سال کے اندر سوڈان کی فضا اس کے پرچم اقبال پر فخر کرے گی۔ رؤف پاشا نے پچاس سپاہی اس کے سپرد کر دیئے۔ وہ اس جمعیت کو لے کر ابا پہنچا۔ خود کشتی میں رہا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ جزیرہ میں داخل ہو کر خانہ ساز مہدی کو گرفتار کر لاؤ! سپاہی ساحل سے بڑھے اور محمد احمد پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ جب محمد احمد کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مریدوں کا ایک غول بھیج دیا۔ وہ یک بیک ان سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً سب کو تہِ عدم میں پہنچا دیا۔ اس واقعہ سے مہدی کا اثر اور بڑھ گیا۔ اور اس کے دعوائے مہدویت کو بڑی تقویت پہنچی جب رؤف پاشا کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا تدبیر کی جائے؟

محمد احمد کے مقابلہ میں پہلی ناکام مہم

اب رؤف پاشا نے حکومت مصر کی منظوری سے مہدی کے مقابلہ کے لئے تین سو سپاہی اور دو عدد توپیں ایک جنگی جہاز کے ذریعہ سے روانہ کیں۔ یہ دستۂ فوج ۱۱ اگست ۱۸۸۱ء کی صبح کو بہ سرکردگی علی آفندی ابا سے تھوڑے فاصلہ پر اُترا۔ علی آفندی نے دیکھا کہ ایک شخص جس کے اردگرد بہت سے آدمی ہیں ان کی طرف آرہا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہی شخص مہدی ہے چاہا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دے چنانچہ نہایت تیزی

سے اس شخص کے سر پر پہنچ کر کہنے لگا کر تو نے ملک میں کیوں فساد ڈال رکھا ہے ؟ اور جھٹ اس کے گولی ماردی مگر مقتول مہدی نہ تھا کوئی دوسرا شخص تھا لیکن پھر مقتول کے ساتھی معاً علی آفندی پر حملہ آور ہوئے اور اس نے آناً فاناً دار القرار جاوید کو انتقال کیا علی آفندی کو ٹھکانے لگانے کے بعد محمد احمد کے پیرو اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس اثناء میں جنگی جہاز کے افسر توپ خانہ کو حکم ہُوا کہ وہ مہدویوں پر جو وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر نظر آرہے تھے گولہ باری کرے۔ مگر گول انداز مہدی کی مقدس وضع دیکھ کر سہم گیا اور آتشباری میں لیت ولعل کرنے لگا۔ آخر جب سختی کی گئی تو اس نے ہوائی فیر شروع کر دیئے۔ اتنے میں محمد احمد اور اس کے سوار وہاں سے دوسری جگہ کو چلے گئے۔ ابو السعود نے جو اس فوج کے ساتھ تھا راہ فرار اختیار کی اور شکست خوردہ خرطوم پہنچا۔ اس ہزیمت کا یہ نتیجہ ہوُا کہ مہدی کے پیروؤں کی تعداد اور زیادہ بڑھنے لگی۔ ان جھڑپوں سے محمد احمد نے جو نتیجہ نکالا وہ دانشمندی پر مبنی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ مرکز حکومت کے قریب رہنا خطرات سے لبریز ہے اسلئے اس نے جزیرہ اہا پر اپنے ایک مرید احمد مکاشف کو قائم مقام مقرر کیا۔ اور خود کوہ کردوفان جا کر اس کو اپنا مرکز و مستقر بنا لیا جزیرہ اہا کے شمال میں پچاس میل کے فاصلہ پر نیل ابیض کے قریب مقام کاوا پر ایک مصری فوج جس میں چودہ سو سپاہی تھے اور جس کا افسر اعلیٰ محمد سعید پاشا تھا پڑی تھی۔ جب محمد احمد کردوفان پہنچا تو اس لشکر نے محمد احمد کے خلاف جنبش کی۔ یہ دیکھ کر محمد احمد نے جنوبی کردوفان کا رخ کیا۔ مصری لشکر نے تعاقب کیا۔ اور ایک مہینہ تک جنگلوں اور پہاڑوں میں ٹکریں مارتا پھرا۔ لیکن محمد احمد کا پتہ نہ پا سکا۔ آخر اسی تگ و دو میں بھوک پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گیا۔ مہدی کے مقابلہ میں دو مہمیں اور بھی بھیجی گئیں لیکن وہ بھی نہ صرف ناکام رہیں۔ بلکہ تمام فوجیں صفحۂ ہستی سے بالکل نابود ہو گئیں۔ اب رشید بے حاکم فشودا ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مہدی کے مقابلہ کو روانہ ہوُا اور ۸ ردسمبر ۱۸۸۱ء کو لڑائی ہوئی۔ لیکن یہ لوگ بھی مہدویہ کے نیزوں سے چھد کر عالم آخرت کو چلے گئے اور بہت سا سامان جنگ مہدی کے ہاتھ آیا۔ رؤف پاشا قبل اس سے کہ کوئی اور تدبیر اس آفت کے ٹالنے کی سوچے ۱۸۸۲ء کے آغاز میں عہدہ گورنری سے معزول کر دیا گیا اور عبد القادر پاشا سوڈان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس اثناء میں مہدویہ نے مسلسل حملے کر کے تمام سرزمین سنار پر عمل و دخل کر لیا۔ اب شلالی پاشا نام ایک فوجی جرنیل نے مہدی کے خلاف ایک فوج مرتب کی جس کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مئی ۱۸۸۲ء میں یہ فوج فشودہ میں داخل ہوئی وہاں سے خشکی کی راہ سے آگے بڑھی۔ آخر آہستہ آہستہ کوچ کرتی ہوئی ۷ رجون کو دشمن کے قریب پہنچ گئی۔ محمد احمد نے چاروں طرف سے یکبارگی حملہ کر کے اس فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ اور مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے۔ اس حملہ میں سرکاری فوج کے بہت کم آدمی بچ سکے۔ اس فتح عظیم نے مہدی کے اقتدار کو اور زیادہ چمکا دیا۔ اہل سوڈان یہ دیکھ کر کہ مہدی کی مٹھی بھر فوج نے کثیر التعداد سپاہ پر فتح پائی۔ محمد احمد کی مہدویت پر اور زیادہ راسخ الاعتقاد ہو گئے۔ جب یہ خبر خرطوم پہنچی تو عبد القادر پاشا بیش از بیش طیاریوں میں مصروف ہُوا۔ محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو درویش کا لقب دیا تھا۔ عبد القادر پاشا نے اعلان کر دیا کہ جو شخص درویشوں کو قتل

کرے گا حکومت کی جانب سے اسے معقول انعام دیا جائے گا یعنی فی درویش دو پونڈ اور فی افسر اٹھارہ پونڈ معاوضہ ملے گا۔ اسی طرح اس مضمون کے اشتہار چھپوا کر محمد احمد کے لشکر میں پھینکوا دیئے کہ جو درویش محمد احمد کی رفاقت ترک کر کے حکومت کی وفاداری کا عہد کرینگے ان کو حکومت کی طرف سے بڑے بڑے انعام ملیں گے۔ لیکن عبدالقادر پاشا کو اس کوشش میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ابیض کا محاصرہ اور تسخیر عبدالقادر فراہمی لشکر میں ہمہ تن مصروف رہا۔ تھوڑے عرصہ میں اس کے پاس بارہ ہزار فوج جمع ہو گئی۔ جس میں سے ایک ہزار اس نے کردوفان کے صدر مقام ابیض کی حفاظت کے لئے بھیج دی۔ اتنے میں محمد احمد فوج لے کر ابیض کی طرف بڑھا۔ جہاں مصر کی طرف سے محمد سعید پاشا حکمران تھا۔ جب محمد سعید پاشا کو اس پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اس نے تمام اطراف سے فوج جمع کی اور شہر پناہ کے دروازوں کو بند کر کے مقابلہ کے لئے مستعد ہوا۔ ستمبر ۱۸۸۲ء کے شروع میں مہدی درویشوں کی معقول جمعیت کے ساتھ ابیض کے قریب پہنچا اور محمد سعید پاشا کو لکھا کہ وہ شہر کو اس کے حوالے کر دے۔ محمد سعید پاشا نے ارکان و اعیان کو جمع کر کے مشورہ کیا سب نے یہی رائے دی کہ مہدی کے قاصد کو واپس کر دیا جاوے۔ اور کوئی جواب نہ دیا جائے۔ لیکن شہر کے وہ باشندے جو درپردہ مہدی کی دعوت کو قبول کر چکے تھے اور جن کی مخفی تحریک سے مہدی یہاں آیا تھا شہر سے نکل کر مہدی سے جا ملے۔ ان لوگوں میں ابیض کا سابق حاکم اور کردوفان کا مشہور تاجر الیاس پاشا بھی شامل تھا جو اپنے ساتھ محافظ سپاہ کے کچھ آدمیوں کو بھی لے گیا۔ اب ابیض میں محمد سعید پاشا اور اس کے چند معتمد لوگ تھے جو دس ہزار باشی بزدق لشکر کو شہر کے اندر لئے ہوئے حفظ و دفاع کے لئے سربکف تھے۔ مہدی جو لشکر مقابلہ کے لئے لایا تھا اسمیں چھ ہزار صرف سنگین بردار سپاہی تھے جن کے پاس اعلیٰ قسم کی وہ مصری بندوقیں تھیں جو مختلف مواقع پر مصری لشکر سے مال غنیمت میں حاصل کی گئی تھیں۔ اس وقت مہدی کی مجموعی قوت ساٹھ ہزار آدمیوں پر مشتمل تھی۔ ۸ ستمبر ۱۸۸۲ء کو مہدی نے ابیض پر حملہ کیا۔ چونکہ شہر پناہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھی۔ مہدی کی سپاہ کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور آخر اس کو شکست ہوئی۔ مصری سپاہ نے تیرہ جھنڈے جن میں ایک جھنڈا خاص مہدی کا تھا اور جس کا نام "نیت عورائیل" تھا مال غنیمت میں حاصل کئے۔ اس حملہ میں مہدی کے ہزارہا آدمی ضائع ہوئے۔ جن میں اس کا بھائی محمد اور عبداللہ التعایشی خلیفہ مہدی کا بھائی یوسف بھی تھا۔ مصری محافظ سپاہ کے صرف تین سو آدمی مقتول ہوئے۔ مہدی پر اس شکست کا بڑا اثر پڑا اور اُسے محسوس ہوا کہ مستحکم و مضبوط فصیلوں اور شہر پناہوں پر حملہ کرنے میں کیا خطرات ہیں۔ اور عہد کیا کہ وہ آئندہ مستحکم فصیلوں اور شہر پناہوں پر کبھی حملہ نہ کرے گا بلکہ محصورین کو بھوکوں مار کر حوالگی شہر پر اُن کو مجبور کرے گا۔ اس اثناء میں مہدی کو کمک پہنچ گئی اور اُس نے ابیض کا سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ آخر ساڑھے چار مہینہ تک محصور رہنے کے بعد اہل ابیض نے تنگ آ کر اپنے آپ کو مہدی کے حوالے کر دیا۔ اب تمام کردوفان مہدی کے قبضہ میں تھا۔ ان حملوں اور محاصروں میں محمد احمد کو کثیر مال غنیمت حاصل ہوا سامان جنگ اور اسلحہ بکثرت ہاتھ آئے اور غلہ کی بھی بہت بڑی مقدار ملی۔ سعید پاشا حاکم ابیض اور سرکاری عملہ گرفتار کر لیا گیا۔

نظام حکومت اور فرمان شاہانہ

محمد احمد نے کردوفان پر قبضہ کر کے اس کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ اس نے انتظامی صیغوں کو تین محکموں میں تقسیم کیا (۱) سپاہ (۲) قضا (۳) مال۔ سپاہ کا انتظام عبداللہ تعایشی کے سپرد کیا۔ محکمہ قضا احمد بن علی کے دست اختیار میں دیا۔ یہ شخص پہلے دارفور میں قاضی تھا۔ اس عہدہ کا نام قاضی الاسلام رکھا۔ مالی معاملات کے انصرام کے لئے ایک بیت المال بنایا جس میں ہر قسم کی آمدنی عشور، مال غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ، اور جرمانوں کی رقمیں جمع ہوتی تھیں۔ جرمانے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے جو قانون شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ محمد احمد نے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ اپنے ایک دوست احمد بن سلطان کو مقرر کیا۔ محمد احمد کے اس نظام حکومت پر رعایا بہت خوش ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اس کی بدولت آسائش اور راحت و سکون نصیب ہوا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسی پر ظلم کر سکے یا عمال حکومت کسی سے ناجائز طور پر ایک حبہ بھی وصول کر لیں۔ محمد احمد کا لباس خوراک طرز معاشرت ہر چیز سادہ تھی۔ انتہا درجہ کی زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے ہر وقت احکام شریعت کے اجراء کی دھن تھی۔ اس نے اپنی قلمرو میں وہ تمام حدیں جاری کر دی تھیں جو شریعت اسلام نے مقرر فرمائی ہیں۔ اس کے مواعظ کا فلاصہ ترک دنیا اور انقطاع الی اللہ تھا۔ ذیل میں اس کے ایک منشور (فرمان) کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جو اس نے ۱۳۰۱ھ میں ابیض سے شائع کیا تھا۔ اس منشور سے اس کی پابندیٔ مذہب اور زاہدانہ خیالات کا اندازہ ہو سکیگا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھتا ہے اے بندگان خدا! اپنے رب بزرگ و برتر کی حمد کرو۔ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔ وہ نعمت کیا ہے؟ میرا (بحیثیت مہدی) ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لئے دوسری امتوں پر شرف خاص ہے۔ میرے دوستو! میرا مطمح نظر یہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں۔ خدا کے راستہ میں ہجرت اختیار کرو جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ راحت و آسائش کا خیال ہی دل سے نکال دو۔ اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو خدا اس کو تمہارے لئے آراستہ کر دیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان لوگوں کو دیکھو جن کو ہر قسم کی دنیوی آسائشیں حاصل تھیں لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی تمام راحتیں مصائب سے بدل گئیں اور آسائش زندگی کی شراب تلخ بن کر زہر بن گئی۔ اگر دنیا کی راحت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ایسا کیوں ہوتا؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ آخرت کا دردناک عذاب اُن کے لئے باقی ہے۔ تعجب ہے کہ تم یہ سب دیکھتے ہو اور پھر دنیوی راحت و آسائش کی تمنا اور دنیوی زندگی کی آرزو کرتے ہو۔ دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو۔ خدا سے ڈرو۔ اس کے سچے بندوں کی رفاقت اختیار کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ سچی زندگی یہی ہے۔ خدا کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ثواب میں ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ جہاد میں صرف اتنی دیر کھڑے رہنے کا ثواب بھی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔ عورتوں پر بھی خدا کی راہ میں جہاد فرض ہے پس جو عورتیں کہ میدان جہاد میں خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ اور عمر عائن کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے جہاد کریں۔ جوان اور پردہ نشین عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگی بسر کریں اور اپنے نفس سے جہاد میں مصروف رہیں گھر سے بلا ضرورت شرعی باہر نہ نکلیں۔ بلند آواز سے (کہ غیر مرد اُن کی آواز سنیں) باتیں نہ کریں

نماز کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کریں۔ اپنے شوہروں کی اطاعت فرض سمجھیں۔ اپنے جسموں کو کپڑوں سے چھپائے رہیں۔ جو عورت کہ جسم کو نہ ڈھکے اس کو سزا دی جائے۔ اگر ایک لحظہ بھی کوئی عورت سر کھول کر بیٹھے تو اس کو ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اور جو فحش گفتگو کرے اُس کے اسّی کوڑے لگائے جائیں۔ جو مرد اپنے بھائی (مسلمان) کو کتا یا سؤر یا یہودی یا اسی قسم کے اور الفاظ سے یاد کرے اُس کے اسّی کوڑے لگائے جائیں اور سات روز کی قید کی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کو) فاجر یا چور یا زانی یا خائن یا ملعون کہے اس کو اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص کسی مسلمان کو) کافر یا نصرانی یا لوطی کہے اس کو اسّی کوڑوں اور سات دن قید کی سزا دی جائے۔ جو شخص کسی ایسی اجنبی عورت سے جس سے اُس کا نہ تو کوئی شرعی تعلق ہو اور نہ شرعاً اس سے گفتگو کا جواز ہو باتیں کرتا ہوا پایا جائے اُسے ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اور جو شخص کسی حرام فعل پر قسم کھائے اس کو تادیباً ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص حقہ پئے یا تمباکو کسی دوسری طرح کھانے اور پینے کے کام میں لائے تادیباً اسّی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جس قدر تمباکو اس کے پاس موجود ہو اس کو جلا دیا جائے۔ تمباکو کو منہ میں رکھنے ناک میں چڑھانے اور کسی دوسرے طریقہ پر استعمال کرنے کی بھی یہی سزا ہے۔ جو شخص صرف خرید و فروخت کرتا ہُوا پایا جائے اور وہ اس کو استعمال نہ کرتا ہو یا استعمال کا موقع نہ ملا ہو اس کو صرف ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ شراب پینے والے کو خواہ وہ ایک قطرہ کا استعمال ہی کیوں نہ کرتا ہو اسّی کوڑے لگائے جائیں۔ اگر شراب خوار کا ہمسایہ اس کو سزا دینے کی خود قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع دے ورنہ اس کو اخفائے جرم میں اسّی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا دی جائے گی تاکہ عبرت پذیر ہو۔ انسان کا اپنے نفس (سرکش) سے خدا کی خوشنودی و اطاعت کے لئے جہاد کرنا جہاد بالسیف سے بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ نفس (سرکش) کافر سے زیادہ سخت ہے کافر تو صرف مقابلہ کرتا ہے اور جنگ کے بعد اس سے راحت مل جاتی ہے لیکن نفس ایک ایسا دشمن ہے جس کا مغلوب کرنا نہایت دشوار کام ہے۔ جو شخص قصداً نماز کو چھوڑے گا وہ خدا اور اس کے رسول دونوں کا گنہگار ہو گا۔ بعض ائمۂ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور بعض نے اس کے قتل کا فتوےٰ دیا ہے۔ تارک نماز کا پڑوسی اگر اس کو سزا دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو آگاہ کرے اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو اسّی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا اخفائے جرم کی پاداش میں دی جائے گی۔ اگر کوئی لڑکی پانچ سال کی عمر کو پہنچ گئی اور اس کی ستر پوشی نہ کی گئی تو اس کے وارثوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ جو عورت کسی ایسے شخص کے ساتھ پائی جائے جس سے اس کی منگنی ہو چکی ہو لیکن عقد نہ ہوا ہو تو اس مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال غنیمت سمجھا جائے گا۔ میرے دوستو! تم مخلوق خدا پر شفقت کرو۔ اس کو زہد و ترکِ دنیا کی رغبت دلاؤ اور آخرت کی محبت اس کے قلب میں مستحکم کر کے اسے طلب عقبیٰ کا شائق و گرویدہ بنا دو۔ تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ تم خدا کے بندوں کو عداوت نفس سرکش کی اہمیت بتلا کر اس سے محفوظ رہنے کے طریقے بتلاؤ۔ تم سے انصاف طلب کیا جائے تو پوری طرح انصاف کرو۔ اور مشکلات پر صبر و استقامت کی تعلیم دو۔ وہ معاملات جو ۱۲ رجب ۱۳۱۰ھ سے پہلے کے ہیں سوائے معاملات امانت، قرض اور مال یتیم کے سب اٹھا لئے گئے اور اب اُن کے متعلق کسی سے باز پرس نہ ہو گی البتہ

۱۲ رجب سنہ ۱۳۰۱ھ کے بعد اور فتح سے قبل کے معاملات میں دعا دی کی سماعت ہوگی قتل نفس کے مقدمات میں مقتول کے وارث کو قصاص اور دیت کا اختیار دیا جائیگا اور فتح کے بعد کے معاملات میں صرف قصاص کے فیصلے کئے جائیں گے پس میرے احکام کے مطابق اُن کا فیصلہ کرو۔ اسی طرح مقدمات خُلع میں مرد جو مال عورتوں سے دخول و تمتع کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ اُن کو نہ دیا جائے کہ یہ جائز نہیں ہے بلکہ اُن کے مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق کیا جائے۔ میرے دوستو! سمجھ لو کہ اتحاد و استقامت ضروری چیز ہے احکام خداوندی کی مخالفت نہ کرو اوامر کی پابندی لابد ہے میرے احکام کو سنو اور اطاعت کرو۔ تبدیل و تحریف کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ خداوند تعالےٰ نے جو نعمت تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔ عورتوں کے مہر بڑھا کر نہ باندھو دولتمند عورت کا مہر دس ریال مجیدی بلکہ اس سے بھی کم رکھو۔ متوسط الحال اور غربا پانچ ریال مجیدی (قریباً ۱۰ روپے) سے زیادہ مہر نہ رکھیں بلکہ اس سے کم رکھیں جو شخص اس کے خلاف بڑے بڑے مہر باندھے اس کو تادیباً کوڑوں اور قید کی اتنی سزا دی جائے کہ وہ تائب ہو جائے یا قید میں مر جائے۔ ایسا شخص ہمارے زمرہ سے خارج ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

جرنیل ھکس کا قتل انگریزی اور مصری افواج کی بربادی

محمد احمد نے اپنے بعض معتمد افسروں کو اطراف سوڈان میں تبلیغ و دعوت کے لئے روانہ کیا۔ عثمان دغنہ جو مہدی کا معتمد خاص تھا مشرقی سوڈان پہنچا اور وہاں مہدی کے معتقدین و متبعین کی ایک سپاہ تیار کر کے اطراف میں مہدی کے منشور شائع کئے اور وہاں کے قبائل کو اپنے اثر میں لانے کی جدو جہد شروع کی۔ ان ایام میں مہدی کی روز افزوں ترقی اور مہموں کی ناکامی سے سرکاری حلقوں میں خلفشار پھیل رہا تھا یہاں تک کہ عبد القادر پاشا گورنر جنرل سوڈان نے رپورٹ کی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے وہ نکلا جا تا ہے اور اگر فتنہ کی روک تھام کے لئے کوئی مؤثر کارروائی نہ کی گئی تو تمام ملک پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس رپورٹ کے بعد مصر و انگلستان میں ہر طرف افسردگی چھا گئی اور یہ مسئلہ در پیش ہوا کہ مصر اور انگلستان کو کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیئے کہ جس سے ملک مہدیہ کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے؟ مدت تک یہ سوال زیر بحث رہا آخر یہ قرار پایا کہ مہدی کی گوشمالی کے لئے ایک اور زبردست مہم بھیجی جائے۔ اس تجویز کے بموجب ایک زبردست لشکر ایک کار آزمودہ انگریز سپہ سالار جرنیل ھکس کے ماتحت روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جرنیل ھکس کے علاوہ نو دوسرے جنگ آزمودہ یورپی افسر بھی طیار ہوئے۔ اس وقت عبد القادر پاشا کی جگہ علاء الدین پاشا خرطوم کا گورنر تھا۔ علاء الدین پاشا نے اس مہم کے لئے نیل ازرق کے مشرق سے اونٹ جمع کئے اور آخر اگست تک ہر قسم کی جنگی طیاریاں مکمل ہو گئیں۔ ۸ ستمبر کو جرنیل ھکس نے فوج کا جائزہ لیا اور ۹ ستمبر کو یہ سپاہ امّ درمان کے مقام سے دوئم کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سپاہ میں چار مصری دستے پانچ سوڈانی دستے اور ایک دستہ توپچیوں اور سواروں کا تھا۔ مصری فوج سلیم بک عونی، سید بک عبد القادر، ابراہیم پاشا حیدر، اور رجب بک صدیق چار افسروں کے ماتحت تھی۔ سپاہ کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی جس میں سے سات ہزار مصری پیدل فوج تھی۔ ساڑھے پانچ ہزار اونٹ پانسو گھوڑے جرمن کارخانہ کرُپ کی چار توپیں، دس پہاڑی توپیں اور دس دوسری قسم کی توپیں تھیں۔ ٹائمز، ڈیلی نیوز اور لندن کے دوسرے ممتاز اخبارات کے نامہ نگار بھی اس مہم کے ساتھ تھے۔ ۲۰ ستمبر کو یہ سپاہ دوئم کے مقام پر پہنچی اور

علاؤالدین پاشا کی اس فوج سے مل گئی جو پہلے سے وہاں موجود تھی۔ لیکن علاؤالدین پاشا کی فوج کی تعداد معلوم نہیں۔
جرنیل ھکس نے مصری حکومت کو اطلاع دی کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ فوج کو دویم سے ابیض کی طرف بڑھایا جائے دویم سے ابیض کا فاصلہ ۱۲۶ میل ہے اس مسافت میں چند چوکیاں قائم کی جائیں گی جن پر فوج کی مناسب تعداد رکھی جائے گی تاکہ واپسی کے خطوط محفوظ رہیں اور معاملہ دگرگوں ہوتے پر دشمن واپسی کے راستہ کو منقطع نہ کر سکے۔ بہر حال جرنیل ہیکس آگے بڑھا۔ ابیض سے تیس میل کے فاصلہ پر مہدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ محمد احمد نے بہت بڑا لشکر فراہم کر رکھا تھا۔ اس کی فوج سرکاری سپاہ پر اس طرح ٹوٹ پڑی جس طرح شیر شکار پر گرتا ہے سرکاری فوج میں ایسی بدحواسی چھا گئی کہ اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی اور آپس ہی میں لڑنے کٹنے لگے۔ انگریزی اور مصری افواج کی قواعد پریڈ اور اس کی توپیں کسی کام نہ آئیں۔ مہدی کے پیروؤں نے تھوڑی دیر میں تمام فوج کا صفایا کر دیا۔ جرنیل ھکس اور اس کی ساری فوج، تمام یورپی افسر اور لندنی جرائد کے نمائندے سب میدان جان ستاں کی نذر ہوئے۔ البتہ تین سو آدمی جن میں سے اکثر ضعفا تھے جان بچانے میں کامیاب ہو گئے ان لوگوں نے درختوں کے پیچھے یا لاشوں کے نیچے چھپ چھپ کر جانیں بچائی تھیں۔ انہی لوگوں میں جرنیل ھکس کا خانساماں محمد نور بارور دی بھی تھا۔ اسی شخص کی زبانی ہزیمت و تباہی کے تمام واقعات مصر پہنچ سکے۔ محمد احمد نشۂ فتح میں سرشار یہاں سے برکت کی طرف چلا گیا۔ اور بعض امراء کو مال غنیمت جمع کرنے کے لئے وہیں چھوڑ گیا۔ اس لڑائی سے پہلے سوڈان کے اکثر قبیلے متردد تھے کہ حکومت کا ساتھ دیں یا محمد احمد کا؟ آخر یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ جرنیل ھکس کی لڑائی کا انتظار کر لیا جائے۔ انجام کار جب قبائل کو معلوم ہوا کہ مہدی نے فتح پائی اور سرکاری فوجیں بالکل تہس نہس ہو گئیں تو انہوں نے اپنی قسمت محمد احمد سے وابستہ

جرنیل ہیکر کی ہزیمت

جب مہدی کو ایسی شاندار فتح حاصل ہوئی اور وہ آناً فاناً سارے کردفان پر قابض و دخیل ہو گیا تو مصری سپاہی اسے سچا مہدی سمجھ کر حصول سعادت کے لئے بھاگ بھاگ کر مہدی سوڈانی کی فوج میں شامل ہونے لگے اور افریقہ کے مسلمانوں میں یہ خیال پختہ ہونے لگا کہ صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کہ جس کے لوائے سعادت کے نیچے کفار سے جنگ کر کے شہید ہونے والے قیامت کے روز شہدائے احد و بدر کے ساتھ اٹھائے جائیں گے یہی ہے اس اعتقاد و یقین کی تائید اُن احادیث سے ہوتی تھی جن میں حضرت مہدی آخر الزمان کا اسم مبارک محمد والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا آمنہ مروی ہے۔ چونکہ مہدی سوڈانی کا نام اور اس کے والدین کے نام بھی یہی تھے اس مطابقت اسمی کی وجہ سے اور نیز مہدی کی غیر معمولی فتوحات کے باعث لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے تھے لیکن چونکہ آئندہ چل کر بہت سی دوسرے امور احادیث مرویہ کے خلاف ثابت ہوئے رفتہ رفتہ یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا گیا۔ اور اصل یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کی ذات میں مہدی موعود کی بہت سی نشانیاں مفقود تھیں مثلاً وہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد نہیں تھا اس کا ظہور مکہ معظمہ میں نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلی بیعت رکن اور مقام کے درمیان نہیں ہوئی تھی۔ ان ذاتی خصوصیات کے علاوہ عالم اسلام کے سیاسی حالات بھی اس نہج پر رونما نہیں تھے جو حضرت مہدی علیہ السلام کے زمن سعادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جرنیل ہیکس کی ہلاکت خیز شکست سے قاہرہ اور لندن میں سخت اداسی چھا گئی۔ ابھی اس تباہی

کی مرثیہ خوانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہُوا یعنی علاقہ سواکن سے جو بحر قلزم پر واقع ہے مصری ہزیمت کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں۔ وہاں عثمان دغنہ ایک مہدوی سپہ سالار نے سنکات اور توکر کی مصری فوجوں پر تاخت کر کے شکست فاش دی اور انہیں چاروں طرف سے گھیر کر بالکل نیست و نابود کر دیا۔ اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لئے سواکن سے ایک اور مہم طیار کر کے محمد پاشا طاہر کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ انگریزی سفیر لیفٹی ڈاک مانکرف بھی ساتھ تھا۔ لیکن سواکن سے روانہ ہونے کے ایک ہی گھنٹہ بعد ساڑھے پانچ سو آدمی کی اس مہم پر عثمان دغنہ نے صرف ایک سو پچاس آدمیوں سے حملہ کر دیا اور شکست فاش دی۔ مصری اکثر تو مارے گئے اور جو بچے انہوں نے بھاگ کر سواکن میں جا دم لیا۔ سواکن اور کردفان کی ہزیمتوں نے انگریزوں اور مصریوں کو اور زیادہ مشوش کر دیا آخر جنرل ویلنٹائن بیکر کے زیر قیادت ایک اور زبردست مہم بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ مصری فوجوں کے مسلمان افسر اور سپاہی جو جانے سے علانیہ انکار نہ کر سکتے تھے یہ سن کر کہ انہیں مہدی کے مقابلے میں سوڈان جانا ہو گا زار زار روتے تھے۔ آخر مہم روانہ ہوئی اور ان میں سے جو لوگ محمد احمد کی مہدویت سے زیادہ شغف و عقیدت رکھتے تھے راہ ہی میں بھاگ کر مہدوی فوج میں جا شامل ہوئے۔ اس مہم میں پیدل اور سوار ہر قسم کی مصری اور انگریزی فوج تھی جن کے سر عسکر علاوہ جرنیل بیکر کے نو اور تجربہ کار انگریز فوجی افسر تھے۔ جرنیل بیکر مع اپنی فوج کے سواکن کے جنوب میں جہازوں سے اُتر کر ۴ر فروری ۱۸۸۴ء کو آگے روانہ ہُوا۔ جس وقت فوج الطیب کے قریب پہنچی عثمان دغنہ نے صرف بارہ سو آدمیوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ بیکر نے یہ دیکھ کر رسالہ کو پیچھے ہٹا لیا اور پیدل فوج سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر انگریزی اور مصری سپاہی جن کے دلوں پر پہلے ہی سے مہدی کی ہیبت چھائی ہوئی تھی بالکل وارفتہ ہو گئے۔ فوج میں ابتری پھیل گئی اور پیر اکھڑ گئے چار کروپ توپیں، پانچ لاکھ کارتوس اور تین ہزار بندوقیں عثمان دغنہ کے ہاتھ لگیں۔ جرنیل بیکر کے سوا تمام انگریز افسر مارے گئے۔ جرنیل بیکر تھوڑی سی پس ماندہ فوج کو لئے ہوئے بحال تباہ سواکن لوٹ آیا۔

محمد احمد کے حدود مملکت جرنیل بیکر کی شکست سے برطانیہ اور مصر میں اور بھی زیادہ تردد و انتشار پھیل گیا۔ اس وقت درویشوں نے سواکن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہاں کی حفاظت کے لئے بہت تھوڑی جمعیت رہ گئی تھی کردفان اور دارفور (دارفر) ہاتھ سے نکل چکے تھے اور مہدی کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔ مشرق کی طرف جلیشہ تک سنار کا تمام علاقہ اس میں آگیا تھا۔ مغرب کی جانب علاقہ کردفان دارفر اور فرتیب اس میں شامل ہو گئے تھے۔ اور شمال مشرق کی طرف سواکن تک اس کی سرحد جا ملی تھی۔ تھوڑے دن میں مہدی کا اثر علاقہ الفشیر تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر وہاں کا انگریز گورنر سر سلاٹن (جسے معرب کر کے سلاتین پاشا کہتے تھے) سخت بدحواس ہُوا خصوصاً اس لئے کہ اس کے افسروں میں بھی باغیانہ خیالات سرایت کر رہے تھے۔ وہ اس بات سے تو قطعاً مایوس ہو چکا تھا کہ جنگ کر کے مہدی سے عہدہ برا ہو سکے گا۔ اس لئے یہ سوچ کر کہ درویشوں میں اس کا رسوخ بڑھ جائے گا اور ملک کی بدنظمی بھی دُور ہو جائے گی۔ اس نے منافقانہ طریق پر دین اسلام اختیار کر لیا۔ اور مہدی سے

اظہار عقیدت کرکے اپنا علاقہ اس کے حوالے کرنے کی درخواست کی۔ اس سے قبل اس نے ایک چھٹی مسٹر لوگل کے ہاتھ جنرل ہکس کے نام طلب امداد کیلئے بھیجی تھی لیکن جرنیل ہکس کی ہزیمت اور ہلاکت نے سلاٹن کو ناامید کر دیا لوگل نے وہاں سے واپس آکر سلاٹن کو صلاح دی کہ مہدی کی اطاعت کرلے کیونکہ حالت اس درجہ یاس انگیز تھی کہ مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ غرض سلاٹن اور لوگل دونوں نے مہدی کی اطاعت کرلی۔ مہدی نے سلاٹن کا نام عبدالقادر رکھا اور حکم دیا کہ وہ العبید کو آجائے۔ جہاں اس وقت تک مہدی قابض ہو چکا تھا سلاٹن حسب الحکم العبید پہنچا اور وہاں سے مہدی کیساتھ خرطوم کی طرف آیا۔ مہدی کی رحلت کے بعد اُسکے خلیفہ عبداللہ نے اُسے اپنے باڈی گارڈ میں متعین کرکے اہم درباری بنا رکھا۔ سلاٹن پاشا کچھ مدت کے بعد وہاں سے چھپ کر بھاگ نکلا لیکن پھر گرفتار ہو گیا اور مدت تک درویشوں کی قید میں رہا۔ جب انگلستان اور مصر کو متواتر فوج کشی اور بے انتہا مصارف و نقصانات کے باوجود اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہوئی تو جرنیل گارڈن کو خرطوم بھیجنے کی تجویز ہوئی تاکہ وہ سوڈان میں قیام امن کی عملی تدابیر اختیار کرے۔ اور نظر غائر سے دیکھے کہ مہدی کی روزافزوں دولت و قوت کے مقابلے میں کیا تجویز مناسب ہے۔ جرنیل گارڈن اس سے قبل سوڈان میں گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتاز رہ کر اپنی لیاقت و مستعدی کا ثبوت دے چکا تھا اور اس ملک سے اچھی طرح واقف تھا۔ جنرل گارڈن لندن سے ۱۸ جنوری ۱۸۸۴ء کو روانہ ہوا اور اُسے ہدایت کی گئی کہ جس طرح بن پڑے وہ تمام سرکاری فوجوں کو جو سوڈان کے مختلف حصوں میں محصور ہیں نکال لائے گو یہ نہایت پرخطر اور سخت ذمہ داری کا کام تھا لیکن گارڈن نے نہایت دلیری اور استقلال سے اس اہم کام کا ذمہ لیا۔ جرنیل گارڈن برطانیہ کی طرف سے بحیثیت ہائی کمشنر سوڈان اور خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جنرل گارڈن نے بربر پہنچکر آزادی سوڈان کے متعلق ایک اعلان جاری کیا اور تمام محصولات بقدر نصف کے معاف کر دیئے اور تمام باشندوں کی جرم بخشی کی۔ یہاں تک کہ اہل سوڈان کو لونڈی غلام رکھنے اور ان کی بیع و شرا کی بھی اجازت دے دی اور اسی اعلان کے ذریعہ سے محمد احمد مہدی کو سلطان دارفور (دار فر) مقرر کیا۔ اور کچھ تحائف مہدی کی خدمت میں بھیجے مگر مہدی نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ میں کفار سے کسی بخشش و عطا کا روادار نہیں۔ محمد احمد نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور سچے دین اسلام کے پیرو بن جاؤ جس سے تمہیں دنیا و عقبیٰ میں سرخروئی ہو اور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جان بچے۔ ورنہ تم سب ناحق اپنی عزیز جانیں کھو بیٹھو گے۔ اس مراسلہ کا جواب جنرل گارڈن نے یہ دیا کہ "اب میں تم سے مزید خط و کتابت نہیں کر سکتا۔"

خرطوم کا محاصرہ

جب جنرل گارڈن خرطوم پہنچا تو انگریزی افواج میں مسرت کی ایک غیر معمولی لہر دوڑ گئی۔ سرکاری فوجیں اس وقت سخت ضغطہ کی حالت میں پڑی تھیں۔ نہ تو خرطوم خالی کرکے بھاگ جانے کا کوئی راستہ رہ گیا تھا اور نہ ان میں مہدی کے متوقع حملہ سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت تھی۔ جنرل گارڈن نے یہ پُرخطر حالت دیکھ کر یقین کر لیا کہ مہدی بہت جلد خرطوم پر حملہ آور ہو کر اس کا محاصرہ کرلے گا۔ اس لئے احتیاطاً اپنے محصور ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں اسے اس بات کا یقین تھا کہ اگر بروقت کمک پہنچ گئی تو محاصرے سے نکل کر غنیم کا آسانی سے مقابلہ کر سکیں گے۔ غرض گارڈن نے کئی مہینے کا سامان جمع کرکے شہر کے مورچوں کو مضبوط کر لیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شہر خرطوم کی جائے وقوع طبعی طور پر کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک نہایت مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دو طرفیں

شمال اور مغرب دریائے نیل سے محیط ہیں مشرق اور جنوب کی طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہے اور شہر پناہ کے باہر ایک نہایت عمیق خندق ہے۔ قاہرہ کو جو برقی سلسلہ جاتا تھا مہدی نے ۱۸۸۴ء میں اسے کاٹ ڈالا اس لئے آئندہ جنرل گارڈن اور اس کی فوج کے حالات پردۂ خفا میں پڑے رہے۔ چونکہ بہت دن تک جنرل گارڈن کی کوئی خبر قاہرہ نہ پہنچ سکی اس لئے انگریزی اور مصری حلقوں میں دن بدن انتشار پھیلتا گیا جب رود نیل میں طغیانی ہوئی تو جنرل گارڈن نے بذریعہ کشتیوں کے قاہرہ سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھنے کی کوشش کی۔ اس لئے کرنل ہمیل اسٹوئرٹ کے ہاتھ جو مسٹر پاور انگریزی سفیر اور موسیو ہربن فرانسیسی سفیر کے ساتھ جہاز عباس پر سوار ہو کر روانہ ہوا تھا اپنی بدحالی کے متعلق ایک مفصل رپورٹ قاہرہ بھیجی مگر بدقسمتی سے جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ کرنل اسٹوئرٹ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں سوار ہو کر کنارہ پر لگے اور ایک موضع میں پہنچے جہاں پر گاؤں والوں نے انہیں فرنگی بے دین" کا لقب دے کر قتل کر ڈالا اس طرح قاہرہ جا کر جنرل گارڈن کی داستان درد سنانے والا کوئی متنفس باقی نہ رہا اس اثنا میں مہدی کا لشکر خرطوم تک پہنچ گیا اور شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ جب کرنل اسٹوئرٹ اور انگریزی سفیر کے مارے جانے کی خبر لندن پہنچی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جرنیل گارڈن اور سرکاری افواج محصور ہیں تو انگلستان میں سخت پریشانی اور بددلی پھیل گئی یہ دیکھ کر مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم برطانیہ نے ایک اور مہم لارڈ ولزلی کے زیر کمان جنرل گارڈن کی کمک کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ حکومت برطانیہ نے لارڈ ولزلی کو حکم دیا کہ ایک دفعہ جنرل گارڈن اور سرکاری فوج کو کسی طرح خرطوم سے صحیح و سلامت نکال لیا جائے اور اس کے بعد مہدی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ حکومت برطانیہ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ سوڈان کو خالی کر کے اس کی قسمت مہدی کے ہاتھ میں دے دی جائے اور مصر کی سرحد وادی حلفہ تک رہے۔ واقعی اس وقت یہی مناسب تھا کیونکہ مہدی کی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حکومت برطانیہ کے پاس تخلیہ سوڈان کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ انگلستان نے گذشتہ تین سال کے عرصہ میں ہزاروں جانیں گنوائیں روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ اور بے شمار انگریز افسر ہلاک کرائے پھر بھی بجائے ترقی و اصلاح کے حالت دن بدن ابتر

لارڈ ولزلی کی لندن سے روانگی

لارڈ ولزلی لندن سے روانہ ہو کر ۹ ستمبر ۱۸۸۴ء کو اسکندریہ پہنچا اور وہاں سے قاہرہ آیا۔ جنرل اسٹیفن سن سپہ سالار افواج انگریزی مقیم مصر نے یہ تجویز پیش کی کہ لارڈ ولزلی کی مہم بحیرہ قلزم کی راہ سے بندرگاہ ٹرنکیٹٹ پر اترے اور وہاں سے براہ سواکن و بربر خرطوم جائے کیونکہ سواکن سے بربر تک براہ خشکی اور بربر سے خرطوم تک براہ رود نیل صرف چار سو اسی میل کا فاصلہ تھا اور قاہرہ سے دریائے نیل میں سے ہو کر خرطوم جانے میں ساڑھے سولہ سو میل کا سفر تھا۔ مگر جب لارڈ ولزلی اور جنرل اسٹیفن سن میں اختلاف رائے ہوا تو حکومت برطانیہ نے اس فیصلہ کا انحصار لارڈ ولزلی کی صواب دید پر رکھا۔ لارڈ ولزلی نے نیل کا راستہ پسند کیا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس میں کون سے فائدے مضمر تھے۔ یہ مہم ۳ نومبر کو ڈنگولہ پہنچی۔ لارڈ ولزلی نے محمد یاور حاکم ڈنگولہ کو جس نے مہدی کے حملہ کو کامیابی کے ساتھ روکا تھا کے سی۔ ایم۔ جی کا خطاب اور تمغہ عطا کیا۔ محمد یاور نے تمغہ پہنتے وقت گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا یہ اعزاز میری حیثیت اور لیاقت سے فزوں تر ہے۔ مگر جب عطائے خطاب کا جلسہ ختم ہو

محمد یاور نے غسل کیا اور تمام کپڑے بدل ڈالے کیونکہ اس کے اعتقاد میں اس کا جسم عیسائی کا ہات لگنے سے نجس ہوگیا
تھا۔ یکم نومبر ۱۸۸۴ء کو جنرل گارڈن کا ایک خط قاہرہ میں سر ایولن بیرنگ کے پاس پہنچا جو ۲۳ جولائی کا لکھا ہوا تھا۔
اس خط میں جنرل گارڈن نے لکھا تھا کہ ہم خیریت سے ہیں اور چار مہینہ تک خرطوم کو قبضہ میں رکھ سکتے ہیں لیکن جس وقت یہ
خط پہنچا چار مہینے گذر چکے تھے اس لئے اور بھی زیادہ فکر پیدا ہوئی۔ دسمبر کے اخیر میں انگریزی افواج مقام کورٹی میں پہنچ
گئیں مگر چونکہ خرطوم ابھی بہت مسافت پر تھا اس لئے لارڈ ولزلی نے حکومت کو لکھا۔ "یہاں سے روانگی میں اس لئے
توقف ہوا کہ کافی سامان رسد کے جمع ہونے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ کیونکہ خرطوم کو جو عرصہ سے محصور ہے اور
جس میں رسد کی سخت قلت ہے اور گردونواح کا سارا ملک ویران ہو چکا ہے بغیر کافی سامان کے جانا ہرگز مناسب نہیں ہے"
لارڈ ولزلی نے کورٹی میں اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو کورٹی سے براہ خشکی متمہ جانے اور وہاں سے کشتیوں
پر سوار ہو کر خرطوم پہنچنے کا حکم دیا۔ اور دوسرا نیل کی راہ سے بربر ہو کر خرطوم جانے کے لئے طیار ہوا۔ اول الذکر دستہ
فوج میجر جنرل سر ہربرٹ اسٹوئرٹ کے زیر احکام روانہ کیا گیا۔ اس کی فوج کا کچھ حصہ جس میں بارہ سو سپاہی اور دو ہزار
اونٹ تھے کورٹی سے غدکل کو روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں لارڈ ولزلی کے پاس کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے پر جنرل
گارڈن کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ پیغام پہنچا کہ "خرطوم میں بہمہ وجوہ خیریت ہے"۔ (دستخط) سی۔ جی گارڈن ۱۴ دسمبر ۱۸۸۴ء)
یہ تحریری پیغام محض مغالطہ دہی کے لئے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر قاصد مہدوی لشکر کے ہاتوں گرفتار ہو جائے تو وہ
سرکاری فوج کی کمزوری حالت کا احساس نہ کر سکے۔ اصل پیغام جو زبانی کہنے کے لئے قاصد کو دیا گیا تھا یہ تھا "ہماری
فوج کو قلت خوراک کی وجہ سے انتہائی مشکلات کا سامنا ہے ہمارا سامان خوراک قریب الاختتام ہے یعنی کسی قدر میدہ
اور تھوڑے سے بسکٹ رہ گئے ہیں ہماری آرزو ہے کہ ہماری مدد کو جلد آؤ"۔ جنرل گارڈن نے اس رقعہ کے ساتھ اپنے
ایک دوست کے پاس بھی ایک پیغام قاہرہ بھیجا تھا جس کے یہ الفاظ تھے "بھائی بس اب خاتمہ ہے۔ یقین ہے کہ ہفتہ
عشرہ میں ہماری نئی مصیبتوں کا آغاز ہوگا۔ اگر اہل ملک ہماری مدد کرتے تو یہ نوبت نہ آتی"۔ (سی۔ جی گارڈن)

میجر جنرل سر ہربرٹ کا مجروح ہونا

۱۶ جنوری ۱۸۸۵ء کو کرنل بارو نے سر ہربرٹ اسٹوئرٹ کو اطلاع دی کہ ابو
کلیہ سے شمال مشرق کی جانب پہاڑیوں پر مہدی کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اسی روز سرکاری فوج ابو کلیہ سے روانہ
ہو کر تین میل کے فاصلہ پر پہنچ گئی۔ مہدی کا کیمپ وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ ۱۷ جنوری کی صبح کو انگریزی سپاہ
مہدی کے لشکر سے معرکہ آرا ہوئی جس میں سر اسٹوئرٹ ایک زخم کاری سے بیکار ہو کر گر پڑا۔ اور فوج کی کمان سر چارلس
ولسن نے لی۔ اس لڑائی میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ سر چارلس نے ارادہ کیا کہ اس مقام کو محفوظ کر کے تھوڑی
سی فوج وہاں چھوڑ دی جائے اور باقی ماندہ فوج کے ساتھ نیل کی طرف پیش قدمی کی جائے مگر مہدویوں کی آتش
باری سے تمام مورچے مسمار ہو گئے اس لئے اس ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی۔ لندنی اخبارات مارننگ پوسٹ اور اسٹینڈرڈ
کے وقائع نگار مسٹر کیمرن اور ہربرٹ بھی اس معرکہ میں کام آئے۔ ۲۱ جنوری ۱۸۸۵ء کو چار مصری دخانی جہاز خرطوم کی
طرف سے آتے دکھائی دیئے قاہرہ کی انگریزی فوج نے انہیں دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے۔ جہازوں کے ایک

افسر نے جنرل گارڈن کا رقعہ فوج میں پہنچایا جس میں لکھا تھا "ہم خرطوم میں بالکل امن و عافیت سے ہیں اور کئی سال تک محفوظ رہ سکتے ہیں" (سی۔جی۔گارڈن مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۸۸۴ء) اس رقعہ سے بھی مثل سابق یہ غرض تھی کہ اگر مہدوی لشکر کے ہاتھ لگ جائے تو اسے سپاہ انگریزی کی قوت کا مغالطہ ہو اور خطۂ محاصرہ سے آگے بڑھ کر یک بیک خرطوم پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ کر سکے۔ اور حقیقی پیام جو فوج کمک کے افسر اعلیٰ کو بھیجا گیا تھا یہ تھا۔ میں نے خرطوم کو بچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن اب ماننا پڑتا ہے کہ ہماری حالت بہت نازک ہو گئی ہے اور ہمیں چاروں طرف سے دریاس و قنوط نے گھیر رکھا ہے۔ میں یہ بات گورنمنٹ سے ناراضی کی بنا پر نہیں کہتا بلکہ حقیقت حال سے مطلع کیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خرطوم پر دشمن متصرف ہو گیا تو ہم کسالا پر بھی قبضہ نہ رکھ سکیں گے۔" عبدالحمید بے جہاز بورڈین کے مصری افسر نے سرچارلس ولسن سے بیان کیا کہ محصورین کی حالت بہت نازک ہے اور جنرل گارڈن کی فوج قطعاً مایوس ہو چکی ہے۔ جنرل مذکور نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم انگریزی فوج کو سوار کر کے دس روز کے اندر اندر واپس نہ آ گئے تو پھر کمک بھیجنا بے سود ہو گا۔ ۲۳ جنوری کو سارا دن روانگی کی طیاریاں ہوتی رہیں۔ اور ۲۴ جنوری کو چند جہاز انگریزی فوج کو سوار کر کے خرطوم کی طرف روانہ ہوئے۔

خرطوم پر مہدی کا قبضہ اور جرنیل گارڈن کا قتل

جب محاصرے نے طول کھینچا اور خرطوم میں انگریزی فوج کی حالت زبونی کے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تو اہل شہر نے جو مہدی کی حمایت کا دم بھرتے تھے مہدی کو پیغام بھیجا کہ اب سپاہ انگریزی میں دم باقی نہیں اس لئے شہر پر بغیر مزید توقف کے حملہ کر دینا مناسب ہے۔ اہل خرطوم جو انگریزی فوج کیساتھ محاصرہ میں تھے برسر بازار انگریزوں کو گالیاں دیتے تھے۔ جنرل گارڈن سب کچھ کانوں سے سنتا مگر اشتعال بغاوت کے خوف سے کسی پر سختی کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ غرض مہدی نے خرطوم پر حملہ کر کے توپوں کے منہ کھول دیئے اور شہر آناً فاناً ایک کرۂ نار بن گیا۔ خرطوم کے ایک عیسائی سوداگر ماردینی نام کا بیان ہے کہ جنرل گارڈن کو اس بات کا یقین تھا کہ کمک جلد آنے والی ہے اس لئے سپاہیوں سے آخری مرتبہ درخواست کی کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں۔ مگر افسوس کہ کمک آخر وقت تک نہ پہنچی۔ جس شب کو مہدی نے خرطوم پر قبضہ کیا ہے اس شام کو میں نے جنرل گارڈن سے ملاقات کرنے کا قصد کیا۔ جس کی مجھے اجازت مل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دیوان خانہ میں بیٹھا ہے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو مجھ سے کہنے لگا "اب میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ سپاہی میرا ہرگز اعتبار نہ کرینگے۔ میں نے انہیں بارہا یقین دلایا کہ مدد آنے والی ہے مگر افسوس نہ آئی اب وہ یہ سمجھ لیں گے کہ کمک کے تمام افسانے من گھڑت تھے۔ جاؤ اور جس قدر آدمی میسر ہوں انہیں ساتھ لے کر اچھی طرح مقابلہ کرو اور مجھے چرٹ پینے دو" جنرل گارڈن کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سخت بدحواس ہے اس کا دل اس قدر بھر آیا تھا کہ منہ سے اچھی طرح بات نہ نکلتی تھی۔ تفکرات کی وجہ سے اس کے تمام بال یک بیک سفید ہو گئے تھے اور جنرل گارڈن کی بے بسی دیکھ کر میری بھی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی غرض جنرل گارڈن نے اپنی شکستہ دل فوج کو ساتھ لے کر آخری مرتبہ مدافعت کی کوشش کی لیکن شکست کھائی اور ۲۵ جنوری ۱۸۸۵ء کی رات کو مہدی کی فوج نے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ ۲۸ جنوری کی صبح کو جبکہ سرچارلس ولسن کے جہاز

خرطوم کی طرف بڑھ رہے تھے خرطوم پر مہدوی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مہدوی فوجیں رات ہی کو شہر میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس صبح کو جنرل گارڈن نے دیکھا کہ مہدی کے جھنڈے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر کی کوٹھی) کے اردگرد بلند ہو رہے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا ہجوم ہے لیکن کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں کوٹھی میں سرنگ نہ لگ رہی ہو تھوڑی دیر میں چار آدمی جو نہایت قوی ہیکل تھے کوٹھی میں گھس آئے اور بہت سے دوسرے آدمی بھی اُن کے پیچھے داخل ہوئے۔ جو اشخاص بعد میں داخل ہوئے وہ چھت پر چڑھ گئے اور پہرہ کے تمام سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ چار آدمی جو پہلے داخل ہوئے تھے انہوں نے جنرل گارڈن کی طرف رُخ کیا۔ قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے کہا ملعون الیوم یومک (اے ملعون آج تیری ہلاکت کا وقت آ پہنچا) یہ کہہ کر جنرل گارڈن کے نیزہ مارا۔ گارڈن نے داہنے ہات سے روکنا چاہا اور پیٹھ پھیر لی۔ اس نے دوسرا وار کیا جس سے ایک مہلک زخم آیا اور جنرل مذکور زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر سلاتین پاشا کو جا دکھایا جو مہدی کی قید میں تھا۔ سلاتین پاشا کا بیان ہے کہ ۲۶ جنوری کی صبح کو میں نہایت بے چین تھا اور اس انتظار میں تھا کہ دیکھوں پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ اس اثناء میں خوشی کے نعرے بلند ہوتے اور فتح کے شادیانے بجنے لگے میرے محافظوں میں سے ایک سپاہی خبر لانے کو دوڑا گیا جس نے چند منٹ میں واپس آکر بیان کیا کہ گذشتہ شب کو حضرت مہدی علیہ السلام نے خرطوم فتح کر لیا ہے۔ تھوڑی دیر میں تین سیاہ پوش سوڈانی میری طرف آئے۔ یہ سپاہی میرے خیمے کے قریب آ ٹھہرے اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ ان کے پاس کپڑے میں کوئی چیز لپٹی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ اُنہوں نے کپڑا کھول دیا اور جنرل گارڈن کا سر مجھ کو دکھایا۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر میرا دماغ کھولنے اور کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ قریب تھا کہ میرے قلب کی حرکت بند ہو جائے مگر میں انتہائی ضبط و تحمل کے ساتھ چپ چاپ دیکھنے لگا۔ ایک سوڈانی نے گارڈن کا چہرہ میری طرف کر کے کہا کہ یہ تیرے چچا کا سر ہے جو حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا تھا" میں نے جواب دیا کہ وہ بہادر جرنیل بہت خوش نصیب تھا جس کی موت کے ساتھ اس کے مصائب کا بھی خاتمہ ہو گیا" سوڈانی کہنے لگا واہ خوب اب بھی تم اس ملعون کی تعریف کرتے ہو؟ تم بہت جلدی اپنی شقاوت کا خمیازہ بھگتو گے یہ کہہ کر وہ گارڈن کا سر لئے ہوئے وہاں سے مہدی کے پاس چلے گئے۔ جنرل گارڈن کے قتل سے انگلستان کے سیاسی مطلع پر اُداسی اور غم کا ابر چھا گیا۔ اور ہر شخص گورنمنٹ کو اس بات کا ملزم قرار دیتا تھا کہ اس نے امدادی مہم کے بھیجنے میں لیت و لعل سے کام لیا۔ گورنمنٹ نے سر چارلس ولسن سے وجہ تاخیر کے متعلق جواب طلب کیا۔ سر چارلس نے جواب دیا کہ جب جہاز ۱۲ر جنوری کو غبات کے مقام پر پہنچے تو میری فوج متمہ میں غنیم کے ساتھ معروف پیکار تھی اور کثرت اموات کی وجہ سے فوج بہت کمزور ہو گئی تھی علاوہ بریں یہ خبر پہنچی تھی کہ مہدی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ امّ درمان سے آرہا ہے۔ ایسی حالت میں میں اس بات کا اطمینان کئے بغیر روانہ نہ ہو سکا کہ انگریزی فوج مقابلہ کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ مزید براں اگر میں ۲۲ر جنوری کو غبات سے روانہ ہو جاتا۔ تو بھی ۲۶ر جنوری کی دوپہر سے پہلے ہرگز نہ پہنچ سکتا۔ اور اس سے پیشتر خرطوم

پر مہدی کا قبضہ ہونے کے بعد جرنیل گارڈن قتل کیا جا چکا تھا۔

جرنیل ارل کی ہلاکت

امدادی مہم کا جو حصہ کورٹی سے براہ نیل خرطوم کو روانہ ہوا تھا اس سے کربیکان کے مقام پر ایک معرکہ ہوا جس میں جنرل ارل مارا گیا۔ جس وقت لارڈ ولزلی نے تسخیر خرطوم اور جنرل گارڈن اور جنرل ارل کے مارے جانے کی خبریں سنیں تو بعض انگریزی فوجوں کو واپسی کا حکم بھیج دیا اور بربر پہنچنے کے تمام ارادے فسخ کر دیئے اور حکومت انگلستان سے اس کے آئندہ ارادوں کے متعلق خط وکتابت شروع کی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ مہدی کی مزید ترقی کو روکنے کے لئے بربر پر قبضہ کیا جائے۔ غرض اس مہم کے لئے تیرہ ہزار فوج جن میں چار ہندوستانی پلٹنیں ایک ہندوستانی رسالہ اور آسٹریلیا کی ایک پلٹن بھی شامل تھی مع کثیر التعداد اونٹوں کے تیار کئے گئے۔ اور جنرل جیرلڈ گریہم کے زیر کمان یہ مہم روانہ ہوئی۔ ان میں سے ہندوستانی فوج جنرل ہڈسن کے ماتحت تھی۔ ۱۲ مارچ ۱۸۸۵ء کو جنرل گریہم نے سواکن پہنچ کر اس انگریزی فوج کی کمان لی جو وہاں پڑی تھی۔ اس فوج میں پانسو افسر اسوا دس ہزار سپاہی پونے سات ہزار گھوڑے پونے تین ہزار اونٹ، آٹھ سو خچر اور پونے تین ہزار خدمتگار اور ٹھیکہ داروں کے آدمی تھے۔ جنرل گریہم کو ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے مقدم اور اہم کام عثمان وغنہ کا خاتمہ کر کے جنگل کو ریل کے لئے صاف اور بے خطر بنانا ہے۔ اس کے بعد نہایت مستعدی سے ریل کی لائن طیار کی جائے۔ ۱۹ مارچ کو جنرل گریہم دس ہزار سپاہ کے ساتھ ہاشین کو روانہ ہوا جو سواکن کے قریب ہے یہاں مہدی کے لشکر سے ایک معرکہ ہوا۔ نتیجہ کے لحاظ سے یہ لڑائی بھی انگریزوں کے حق میں مضر ہوئی۔ اس محاربہ سے پیروان مہدی کی بہادری کا تازہ ثبوت ملتا تھا کیونکہ جس وقت ہندوستانی پلٹن بنگال لینسرز نے حملہ کیا مہدی کے پیدل آدمی بلالحاظ اس امر کے کہ ان کے مقابل سوار ہیں اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے معرکہ میں مہدی کے صرف ڈیڑھ سو آدمیوں نے انگریزوں کے پورے بریگیڈ پر حملہ کر کے اس کو نہایت کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اب جنرل گریہم نے سرجان میک نیل کے ماتحت کچھ فوج سواکن اور تمائی کے مابین فوجی کیمپ تیار کرنے کے لئے بھیجی۔ کیمپ کی حفاظت کے لئے چاروں طرف کٹیلوں کا ایک احاطہ طیار کیا گیا۔ مگر ابھی احاطہ کا تھوڑا حصہ ہی طیار ہوا تھا کہ فوجی محافظوں نے یک بیک یہ خبر دی کہ مہدی کا لشکر آ رہا ہے۔ یہ سن کر انگریزی لشکر میں سخت ابتری اور سراسیمگی پھیل گئی۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا بلکہ جو آدمی میدان جنگ سے بھاگ کر سواکن پہنچے انہوں نے تو یہ مشہور کر دیا کہ انگریزی فوج بالکل تباہ ہو گئی ہے۔

سرجان میک نیل کی ہزیمت، سارا سوڈان مہدی کے علم اقبال میں

۲ اپریل کو جنرل گریہم اعلیٰ درجہ کی آٹھ ہزار انگریزی فوج لے کر تمائی کی طرف بڑھا مگر وہ عثمان وغنہ کا کیمپ جلانے کے سوا کچھ نہ کر سکا اور گو انتہائی کوشش کی گئی اور فوج کی تعداد بڑھانے کی غرض سے باربرداری کی دقتیں بھی رفع کی گئیں اور سرجان میکنیل کو بھی سخت نقصان اٹھانا پڑا مگر نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلا کہ انگریزی سپاہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو جلا کر واپس آ گئی۔ کیونکہ قلت آب کی وجہ سے آگے بڑھ کر حملہ کرنا ناممکن تھا۔ غرض سرجان میک نیل کی ہزیمت اور بعد کی ناکامیوں سے انگریز افسروں کے دل چھوٹ گئے اور مہم سواکن اور توسیع ریلوے کی داستان یہیں پر ختم ہو گئی۔

عثمان دغنہ اس بلا کا آدمی تھا کہ اس پر قابو پانا کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ انگریز جتنی ریلوے لائن اور تار کے کھمبے طیار کرتے وہ تباہ کر جاتا۔ بالجملہ اس مہم کے افسر اعلیٰ جنرل گراہیم کو سوائے ندامت و شرمساری کے کچھ حاصل نہ ہوا چنانچہ اسی ناکامی کی وجہ سے لارڈ ولزلی نے خود سواکن پہنچ کر مہم کا انتظام اپنے ہات میں لیا۔ لیکن اس اثنا میں حکومت برطانیہ نے مہم سواکن کی ناکامی سے سبق آموز ہو کر مجوزہ سواکن بربر ریلوے کی طیاری کا ارادہ فسخ کر دیا اور حکم دیا کہ ریلوے لائن کا سارا سامان انگلستان بھیج دیا جائے اور فوج بھی سواکن سے واپس آجائے اس لیے ریلوے کا کام بند کر دیا گیا اور تمام فوج واپس بلا لی گئی۔ جس وقت اس فوج کے سامان کی آخری گاڑی روانہ ہوئی عثمان دغنہ کے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا اور از راہ تحقیر اس کی طرف چند فیر کر کے انگریزی مہم کو خیر باد کہا۔ اس نیرنگ ساز قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھو کہ وہ مغرور و پرشکوہ سلطنت برطانیہ جس کی فوجی طاقت اور جنگی حکمت عملیوں کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے۔ اس قدر صرف اور نقصان کے باوجود مہدی کے مقابلہ میں متواتر ہزیمتیں اٹھا کر کس طرح سوڈان خالی کرنے پر مجبور ہوئی؟ حالانکہ مہدی کے پیروؤں کو نہ تو کافی سامان جنگ اور اسلحہ میسر تھے اور نہ ان کے پاس توپیں تھیں گو بعض محاربات میں انہوں نے بندوقیں بھی استعمال کیں لیکن وہ عموماً تلواروں اور نیزوں ہی سے لڑتے رہے اور انہی کی انگلستان، مصر، ہندوستان اور آسٹریلیا کی بہترین قواعد دان اور تربیت یافتہ فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ہزیمت یافتہ وہ فوجیں تھیں جن کے پاس اعلیٰ درجہ کا سامان حرب تھا۔ اور انہیں یورپ کے ماہر ترین جرنیل لڑا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک طرف تمام دنیا کا مادی سامان جمع تھا تو دوسری طرف محض توکل علی اللہ اور جوش ایمانی کے ہتھیار تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر قائد ازل رہنمائی کرے اور خلوص نیت کارساز ہو تو مادیت روحانیت پر کبھی غالب نہیں آسکتی مہدی کی سلطنت چار سو میل تک بحر قلزم کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی اور اندرون ملک میں بھی اس کا علاقہ ایک طرف تو سرحد حبشہ (ابی سینیا) تک پہنچ گیا تھا۔ اور مغرب کی جانب میدان صحرا حد فاصل تھا پس یوں سمجھنا چاہیئے کہ وادی نیل ایک ہزار میل سے زیادہ حکومت مصر سے آزاد ہو گئی اور انگلستان اور مصر کی متحدہ حربی جد و جہد بے نوا فقراء کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوئی۔ جب سوڈان کے صدر مقام خرطوم پر عمل و دخل ہو جانے کے بعد سوڈان کی ساری مملکت محمد احمد کے زیر نگین ہو گئی تو اس کی عظمت و سطوت کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجنے لگا۔ اب محمد احمد وہ بوریہ نشین محمد احمد نہ تھا۔ جو جزیرہ ابا میں شب و روز ذکر الٰہی میں مصروف رہتا تھا اور ہزارہا مخلوق اس کا وعظ سننے آیا کرتی تھی اور فقر و فاقہ میں گزر بسر کرتا تھا بلکہ اب فقر کے ساتھ بادشاہت بھی جمع ہو گئی تھی۔ اب مہدی پر وہ زمانہ نہ تھا کہ حکومت مصر یا گورنمنٹ برطانیہ اسے باغی کا خطاب دے سکتی بلکہ اب وہ برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کا ہمسر و رقیب خیال کیا جاتا تھا اور دول یورپ اسے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔

تعلیمات محمد احمد تخت سلطنت حاصل کرنے کے بعد بھی شعائر الٰہی کا ویسا ہی پاس و لحاظ کرتا تھا جیسا کہ وہ اپنے آغاز گوشہ نشینی میں کرتا تھا۔ احکام خداوندی کی پابندی میں بڑا سخت گیر تھا۔ شراب خوار کو درے لگواتا چوروں کے ہاتھ کٹواتا اور زانی پر بھی حد شرع جاری کرتا۔ رمضان المبارک کا اتنا احترام کرتا تھا کہ بے عذر روزہ نہ رکھنے کی سزا میں

نے موت مقرر کر رکھی تھی۔ ان تعزیرات کی برکت سے چند ہی روز کے اندر ہر قسم کے فسق و فجور بد معاشی و بد دیانتی کا قلع قمع ہوگیا۔ اس کے انصاف کا ایسا ڈنکا بجا کہ کوئی شخص بیداد و غصب و بد دیانتی میں مبادرت نہ کر سکتا تھا۔ مسجدیں مصلیوں سے معمور تھیں ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کے چرچے تھے۔ جب محمد احمد کہیں جاتا تو لوگ اس کی زیارت کے لئے دیوانہ وار اُٹھ دوڑتے تھے۔ بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے مہدی کو سیکڑوں مرتبہ پہلے دیکھا ہوگا لیکن ان کا اعتقاد و اشتیاق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ مہدی کا رخ زیبا دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے اور عموماً اس محراب مسجد کے قریب پہنچنے کیلئے آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے جس میں وہ نماز پڑھتا تھا۔ ہزار ہا انسانوں کا شور ظاہر کر دیتا تھا کہ اب مہدی کے مسجد میں آنے کا وقت قریب ہے۔ محمد احمد کے مذہبی احکام و تعلیمات کا بیشتر حصہ "نظام حکومت اور فرمان شاہانہ" کے زیر عنوان اوپر درج ہو چکا ہے۔ مزید تعلیمات و رجحانات ملاحظہ ہوں۔

خلاصۂ تعلیمات محمد احمد کے مسلک کا ایک بڑا حصہ اس کے منشور میں آ چکا ہے اس کی تعلیمات کا لبِّ لباب ترکِ دنیا اور لذاتِ دنیوی سے اجتناب تھا۔ اس نے ہر قسم کے القاب برطرف کر دیئے۔ مالدار اور غریب کو مساوی کر دیا اور حکم دیا کہ میرے تمام پیرو لباس میں یک رنگی اختیار کریں تاکہ دوسروں سے امتیاز کرنے میں سہولت رہے اس کا ہر مرید خواہ امیر ہو یا غریب ایسا جبہ پہنتا تھا جس میں پیوند لگے ہوتے تھے (۲) اس نے چاروں مذاہب حنفی شافعی مالکی حنبلی کو جمع کر دیا۔ فروعی اختلافات کی صورت میں تطبیق کی کوشش کی جاتی تھی اور قدر مشترک کو لے لیا جاتا تھا۔ نماز صبح اور عصر کے بعد ہر روز قرآن کی چند مخصوص آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں اس عمل کو "راتب" کہتے تھے۔ وضو میں کسی قدر سہولت و تخفیف کر دی (۳) بیاہ شادی کی تقریب میں برات اور ہر قسم کے اجتماع کی ممانعت کی۔ اور حکم دیا کہ شادی کے موقع پر لوگوں کو کھانے کی دعوت نہ دی جائے۔ مہر کی مقدار بھی مقرر کر دی۔ باکرہ کا مہر دس ریال اور دو بدل مقرر کیا۔ ثیبہ کا اس سے نصف ٹھہرایا۔ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کا تمام مال و اسباب قرق کر لیا جاتا تھا۔ ولیمہ کا کھانا پکانے کی بھی ممانعت کی اور اس کی جگہ کھجور اور دودھ مقرر کر دیا (۴) رقص اور لعب کی بڑی سختی سے بندش کی اور جو کوئی اس کا مرتکب ہوتا اس کے کوڑے لگائے جاتے تھے اور اس کا مال و متاع ضبط کر لیا جاتا تھا۔ (۵) حج کعبہ کی ممانعت کر دی اور یہ ممانعت شاید اس اندیشہ پر مبنی ہو کہ مبادا سوڈان کے باہر کے لوگوں سے اس کے پیرووں کا خلا ملا اس کی تعلیمات اور اس کے مسلک پر اثر انداز ہو۔ جو کوئی اس کے مہدی موعود ہونے کا انکار کرتا یا شک و تردد کا اظہار کرتا اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جاتا۔ فرد جرم عائد کرنے کے لئے دو گواہوں کی شہادت کافی تھی اور بعض دفعہ مہدی کا یہ کہہ دینا ہی کفایت کرتا تھا کہ مجھے یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہو چکی ہے محمد احمد نے ان تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا جو اس کی تعلیمات کی منافی خیال کی گئیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ جہاں اس کی ذات اور اس کی تعلیمات میں بیسیوں خوبیاں تھیں وہاں بہت سے معائب و بدعات بھی موجود تھے۔ خصوصاً حج بیت اللہ سے روکنا بہت بڑی گمراہی تھی اگر یہ امتناع فرضیت حج کے انکار پر مبنی تھا تو محمد احمد اپنی امت سمیت دائرہ اسلام سے خارج تھا۔ ورنہ فسق اور کبیرہ گناہ ہونے میں شک نہیں ہے۔

حرمین اور بیت المقدس پر عمل و دخل کرنے کا خواب پریشان

جب خرطوم فتح ہوگیا اور انگریزی فوجیں سوڈان خالی کر کے مصر چلی آئیں تو ان لوگوں کو بھی محمد احمد کے مہدی موعود ہونے کا یقین ہوگیا جو اب تک مذبذب تھے کیونکہ محمد احمد کے مذہبی شغف کے ساتھ یہ حقیقت بھی ان کے پیش نظر تھی کہ اس نے کسی ایسے میدان جنگ میں شرکت نہیں کی جس میں وہ غالب نہ رہا ہو اور کسی ایسے شہر کا محاصرہ نہیں کیا جسے فتح نہ کیا ہو جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ جب وہ سوڈان کا بلا مزاحمت حکمران ہوگیا تو ڈینگیں مارنے لگا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وحی الٰہی کے حکم سے کرتا ہوں اور کہتا تھا کہ عنقریب مشرق و مغرب میں میری حکومت و سطوت پھیل جائے گی اور روئے زمین کے ملوک و سلاطین میرے سامنے اظہار عجز و نیاز مندی کریں گے۔ اس نے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ میں عنقریب مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کروں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا۔ اس وقت میرا پیمانۂ حیات لبریز ہو جائے گا۔ اور کوفہ میرا مدفن بنے گا۔ لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔

فتح خرطوم کے چند ہی ماہ بعد وہ بخار یا چیچک میں مبتلا ہوا اور ۱۲ رجون ۱۸۸۵ء کو ملک عدم کی روانگی کے لئے اس کے پاس اجل کا حکم آ پہنچا۔ اس وقت اس کی عمر کل ہم ۴ سال کی تھی۔ وفات کے وقت اس کے تینوں خلفاء اور تمام اعیان دولت موجود تھے۔ جب محمد احمد کو یقین ہوا کہ اب دنیا سے کوچ ہے تو حاضرین کو پست آواز میں کہنے لگا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور میں عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں جس طرح میری اطاعت کی تھی اسی طرح تمام لوگ عبداللہ کی اطاعت کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے جان شیریں جہان آفریں کے سپرد کر دی اس واقعہ سے شہر میں کہرام مچ گیا۔ اور لوگ چیخنے چلانے لگے۔ عبداللہ نے لوگوں کو نالہ و بکا سے منع کیا۔ اور کہا شریعت مطہرہ نے میت پر رونے کی ممانعت فرمائی ہے اور رونے کی در حقیقت کوئی بات بھی نہیں کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام تو اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے مولیٰ کی دید کے لئے دار دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہزارہا آدمی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہو گئے۔ محمد احمد کے ایک قرابت دار احمد بن سلیمان نے اسی پلنگ کے نیچے قبر کھدوائی جس پر اس نے اپنی عزیز جان ملک الموت کے سپرد کی تھی۔ مہدی کا مقبرہ اُمّ درمان کی بہترین سنگین عمارت ہے مگر انگریزی گولہ باری سے بہت کچھ شکستہ اور بدنما ہو گیا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد خلیفہ عبداللہ کے ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔ پتھر خرطوم سے لا کر دریائے نیل کے کنارے جمع کئے گئے تھے اس موقع میں قریباً تیس ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی خلیفہ اس انبوہ کثیر کے ساتھ نیل کے کنارے گیا جہاں پتھروں کے ڈھیر لگے تھے پہلے خلیفہ ایک پتھر مونڈھے پر اُٹھا کر قبر کے پاس لایا اس مثال کی پیروی کرتے ہوئے ہر شخص تبرکاً ایک ایک پتھر اٹھا لانے کے لئے اُٹھ دوڑا۔ اس افراتفری میں بہت لوگ زخمی ہوئے لیکن مجروحین نے اس تقریب میں صدمہ برداشت کرنے کو اپنی سعادت سمجھا۔ مہدی نے اپنے خلیفہ کو وصیت کی تھی کہ جس طرح بن پڑے انگریزوں کو مصر سے نکال دینا۔ چنانچہ خلیفہ اپنے مخدوم و مطاع کے حکم کے بموجب دو مرتبہ مصر پر حملہ آور ہوا لیکن دو مرتبہ ناکام واپس جانا پڑا۔ مہدی کی وفات کے چودہ سال بعد یعنی ۱۸۹۹ء تک انگریزی مصری افواج سے خلیفہ کی کئی لڑائیاں ہوئیں جن کا نتیجہ خلیفہ کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہوا ان محاربات کی وجہ سے اس کی قوت دن بدن رُو بزوال ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ انجام کار لارڈ کچنر نے سوڈان کو دوبارہ فتح کر کے وہاں انگریزی مصری پرچم بلند کر دیا۔

اور انگریزوں اور مصریوں کو مہدی اور خلیفہ عبداللہ کے ہاتھوں سے جو ہزیمتیں ہوتی رہی تھیں ان کی تلافی کر دی اسی کے ساتھ ان مصائب و نوازل کا بھی خاتمہ ہُوا جو محمد احمد سوڈانی کے دعوائے مہدویت کی بدولت اٹھارہ سال سے نازل ہو رہی تھیں

محمد احمد کی مہدویت کے انکار کی سزا

محمد احمد کی زندگی میں اس کی خانہ ساز مہدویت کے انکار کی سزا ایسی سنگین نہیں تھی جتنی کہ خلیفہ عبداللہ کے عہد سلطنت میں ہو گئی۔ عبداللہ کی عملداری میں مہدویت کا انکار اور قتل عمد دونوں مساوی جرم تھے۔ بلکہ مہدویت کا انکار ایک حیثیت سے قتل عمد سے بھی بڑھا ہُوا تھا۔ کیونکہ اگر قاتل مقتول کے ورثاء کو خون بہا دے کر راضی کر لیتا تھا تو قاتل کی جان بخشی کر دی جاتی تھی۔ لیکن محمد احمد کی مہدویت کا انکار بالکل ناقابل عفو جرم خیال کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مسلمان ملّاح نے دار الخلافہ امّ درمان میں کسی درویش کے سامنے کہہ دیا کہ محمد احمد سچا مہدی نہیں تھا کیونکہ سچے مہدی علیہ السلام کے جو علامات و خصائص احادیث نبویّہ میں مروی ہیں وہ اس میں نہیں پائے جاتے تھے۔" درویش نے خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایت کر دی ملزم جھٹ گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا گیا۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ واقعہ کا گواہ صرف ایک تھا جس کے بیان پر سزا نہیں دی جا سکتی تھی خلیفہ عبداللہ نے قاضی کو بلا کر واقعہ بیان کیا اور پوچھنے لگا کہ شاہد نہ ہونے کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ قاضی نے کہا میں شہادت کا انتظام کر لیتا ہوں۔" چنانچہ قاضی نے دو آدمی سکھا پڑھا کر قید خانہ میں بھیج دیئے وہ جا کر ملزم سے کہنے لگے کہ تمہارے انکار کے گواہ موجود ہیں اور تم کسی طرح سزا سے نہیں بچ سکتے ہاں اس صورت سے مخلصی پا سکتے ہو کہ ہمارے سامنے صاف لفظوں میں اپنے جرم کا اقرار کر لو۔ اور اپنی حرکت شنیعہ پر اظہار افسوس کرو۔" وہ بیچارہ نہیں جانتا تھا کہ یہ محض اس کے پھانسنے کا جال ہے اس نے ان کے سامنے اقبال جرم کر لیا۔ اور پھر منت کہنے لگا کہ جا کر میرے لئے خلیفہ سے معافی مانگو اور جرم بخشی کرا دو۔ جب شہادت مکمل ہو گئی تو خلیفہ کے سامنے مقدمہ پیش ہُوا۔ خلیفہ نے ملزم سے کہا کہ اگر تم نے میری توہین کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا مگر تم نے حضرت مہدی علیہ السلام کو جھوٹا خیال کیا اس لئے تمہیں کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔" اب طبل بجنے لگا اور اعلان کیا گیا کہ سب لوگ میدان میں آ کر منکر مہدی کا عبرتناک انجام دیکھ لیں تمام اہل شہر میدان میں اُمنڈ آئے۔ اس کے بعد بھیڑ کی کھال زمین پر بچھائی گئی۔ عبداللہ اس پر بیٹھ گیا۔ قاضی بھی آ گئے۔ اب ملزم کو لا کر عبداللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے لیکن ملزم بالکل مطمئن تھا اور اس سے خوف وہراس کی کوئی ادنیٰ علامت ظاہر نہیں ہو رہی تھی آخر اسے خلیفہ کے سامنے سے ہٹا کر سو قدم کے فاصلہ پر لے گئے اور احمد والیہ نام جلاد نے اس کی گردن مار دی عله انا للہ وانا الیہ راجعون خدا شہید مظلوم پر اپنی رحمت کا مینہ برسائے۔ آمین۔

لاش سے انتقام جوئی

بیان کیا جاتا ہے کہ لارڈ کچنر فاتح سوڈان نے تسخیر امّ درمان کے بعد مہدی کی قبر اور لاش سے اور مہدی کے مجروح پیروؤں سے نہایت وحشیانہ انتقام لیا۔ محمد احمد کا مقبرہ جو ایک نہایت

عله یہاں تک کے مندرجات "مشاہیر الشرق" مؤلفہ جرجی زیدان جلد اول ص ۵ء۔ ۱۲۰ اور "محاربات مصر و سوڈان" مطبوعہ دہلی وغیرہ کتب سے ماخوذ ہیں ۱۲ عله "فائر اینڈ سورڈ ان دی سوڈان" مطبوعہ لندن ص ۲۵۷

قیمتی سنگین عمارت تھی اور تمام برِّ اعظم افریقہ میں اعلیٰ درجہ کی عمارتوں میں شمار ہوتی تھی توپوں سے اڑا دیا گیا۔ اس کے مرتفع گنبد پر گولہ باری کی گئی چار دیواری آتش باری کی نذر کی گئی۔ قبر کھدوا کر مہدی کی نعش سے جنرل گارڈن کے خون کا انتقام لیا گیا اور سر کاٹ کر جنرل گارڈن کے بھتیجے کو دیا گیا جو اس وقت انگریزی فوج میں افسر تھا اور مہدی کی نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھینک دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لارڈ کچنر کی جگہ دنیا کا کوئی اور بہادر اور بہادری کا قدرشناس سپہ سالار ہوتا تو وہ مہدی جیسے متہوّر و شجاع آدمی کی قبر پر جو خاک مذلت سے اُٹھ کر آناً فاناً سارے ملک کا فرمانروا بن گیا تھا زر و جواہر نچھاور کرتا اور اس کے سامنے ادب و تعظیم سے جھک جاتا لیکن برطانیہ کے سب سے ممتاز قائد نے اپنی شجاعت و جوانمردی کا یہ ثبوت پیش کیا کہ جس شخص کی زندگی میں اس پر کوئی بس نہ چلا تھا اس کی وفات کے بعد اس کی لاش سے انتقام لے کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جرم ناآشنا باشندگانِ اُمِّ درمان سے قرآن مقدس اور تمام دوسری کتابیں چھین لی گئیں اور متواتر تین دن تک شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ مہدی کا دفینہ جو دارالحکومت میں تھا اور اس میں تقریباً بیس لاکھ روپیہ نقد جمع تھا نکال لیا گیا اور کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو غریب سوڈانیوں پر نہ توڑا گیا ہو۔ اسی طرح "کنٹمپوری ریویو" کے فوجی نامہ نگار مسٹر ای این بینیٹ کے بیان کے بموجب سیکڑوں ہزاروں زخمی میدان جنگ میں پڑے رہے اور مرہم پٹی کر کے ان کی جان بچانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی اور نہ صرف یہ بلکہ اکیسویں لینسر رجمنٹ کی ایک کمپنی کو حکم دیا گیا کہ تمام مہدوی زخمی جو رستہ میں ملیں موت کے گھاٹ اُتار دیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ان تمام مجروح درویشوں کو جو زمین پر پڑے کراہ رہے تھے برچھوں تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے بار زندگی سے سبکدوش کیا گیا۔[1] لیکن اگر درندگی و بربریت کے یہ الزام صحیح ہیں تو میرے نزدیک یہ لارڈ کچنر کا ذاتی فعل تھا۔ برطانوی حکومت اور انگریزی قوم اس کی کسی طرح جواب دہ نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ لارڈ کچنر کی مراجعت لندن کے بعد خود انگریزی قوم کے حساس افراد نے لارڈ کچنر پر نہایت سختی سے اعتراض کئے تھے اور کچنر نے ان کے جواب دے کر اپنی براءۃ کی کوشش کی تھی چنانچہ سر جارج آرتھر کتاب "لائف اوف لارڈ کچنر" میں لکھتے ہیں کہ انگلستان میں نام نہاد "ہمدردانِ بنی نوع" نے لارڈ کچنر پر الزام لگائے کہ اس نے سواکن اور اُمِّ درمان میں لوگوں پر ظلم توڑے اور سخت گیری کی۔ بڑے بڑے الزامات یہ تھے کہ اس نے اختتام جنگ کے بعد زخمی درویشوں کو قتل کرایا۔ مہدی کی قبر کو مسمار کیا اور اس کی ہڈیوں کو نکال لیا۔" لارڈ کچنر نے ان الزامات کے جواب میں ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا کہ مجھ پر یہ الزام عائد کئے گئے ہیں (۱) میرے زیر فرمان برطانوی، مصری اور سوڈانی فوجوں نے زخمی درویشوں کو قتل کیا اور ایسے وقت میں غیر مسلح درویشوں کی جان لی جب کہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ضرورت نہ تھی (۲) اُمِّ درمان پر قبضہ ہو جانے کے بعد وہاں تین دن تک لوٹ مار جاری رکھی گئی۔ (۳) جب فوجیں تیزی کے ساتھ اُمِّ درمان کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنگی جہازوں نے بازاروں کے پناہ گیر مجمعوں پر آتشباری کی (۴) مہدی کی لاش اکھیڑی گئی لیکن یہ تمام الزامات غلط ہیں۔" اس کے بعد کچنر نے لارڈ سالسبری کو لکھ بھیجا کہ جنگ اُمِّ درمان کے بعد میں نے سیاسی مصالح کی بنا پر یہی مناسب خیال کیا کہ مہدی

[1] محاربات مصر و سوڈان مطبوعہ دہلی ۱۲

کا مقبرہ جو زیارت اور مجنونانہ جذبات کا مرکز ہے تباہ کر دیا جائے۔ خود گولہ باری کی وجہ سے مقبرہ اس خطرناک حالت میں تھا کہ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو اس سے نقصان جان کا اندیشہ تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر میں اُمّ درمان سے فتشودا جاتے وقت مقبرہ کو تباہ کر دینے کا حکم دیتا گیا۔ یہ کام میری غیبت میں انجام پذیر ہُوا۔ مہدی کی ہڈیاں دریائے نیل میں پھینک دی گئیں۔ البتہ اُنہوں نے کھوپڑی کو محفوظ رکھ چھوڑا جو میری مراجعت پر میرے سامنے پیش کی گئی۔ اس کے بعد لارڈ کچنر نے لکھا کہ تسخیر امّ درمان کے بعد مجھے مصری افواج کے مسلمان افسروں نے مشورہ دیا تھا کہ مہدی کی لاش کو منتقل کر دینا مناسب ہے کیونکہ ایسا نہ کیا گیا تو سوڈانی جہلاء سمجھیں گے کہ مہدی کے تقدس نے ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد لارڈ کچنر نے لکھا مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جو اس ملک (انگلستان) میں رہتا ہے اس اقدام سے غیر مطمئن نہ ہو گا کہ ہم نے مہدی کی ساری طاقت کچلنے کے ساتھ اس کے مذہب کو بھی بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا۔[1] لارڈ کچنر کا یہ فعل محمود تھا یا مذموم مگر خدائے قاہر کی قدرتِ قہرمان نے بہرحال اس کا خوب انتقام لیا۔ مہدی سوڈانی تو چودہ سال تک ایک گنبدِ عالی کے نیچے دفن رہنے کے بعد سپردِ نیل ہُوا تھا لیکن کچنر کو ایک منٹ کے لئے بھی مادرِ گور کی آغوش میں استراحت کرنا نصیب نہ ہُوا۔ اگر محمد احمد کی ہڈیاں دریائے نیل میں جس کا پانی شیریں و خوشگوار ہے ڈالی گئیں تو کچنر کی لاش تلخ پانی کی نذر ہوئی۔[2] کچنر کی غرقابی کے وقت مہدی سوڈانی کی رُوح نے کچنر سے جو خطاب کیا اس کو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی زبان سے سنیئے۔ "جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں ؎

گفت اے کچنر اگر داری نظر | انتقامِ خاکِ درویشے نگر
آسماں خاکِ ترا گورے نہ داد | مرقدے جز در یمِ شورے نہ داد

باب ۷۔ مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد بن حکیم غلام مرتضیٰ موضع قادیاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور (پنجاب) کا رہنے والا تھا۔ مغل خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ سنہ ۱۸۳۹ء یا سنہ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہُوا۔ میں پیشتر "رئیس قادیاں" کے نام سے ایک مبسوط کتاب مرزا غلام احمد کے سوانح حیات میں لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں ایجاز و اختصار سے کام لیکر اجمالی تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔

دعووں کی کثرت و تنوع اس کتاب میں جس قدر ضلالت فروشوں کے حالات اوراقِ سابقہ میں قلمبند ہوئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا دعویٰ بھی درج کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام کو ان حالات کا مطالعہ کرتے وقت معلوم ہو گا کہ یہ لوگ عموماً ایک ایک منصب کے دعویدار ہے ہیں اور بہت کم مدعی ایسے گزرے ہیں جن کے دعووں کی تعداد دو یا تین تک پہنچی ہو۔ البتہ ایک مرزا غلام احمد اس عموم سے مستثنےٰ ہے۔ اس شخص کے دعووں کی کثرت و تنوع کا یہ عالم ہے کہ ان کا استقصاء اگر دوسروں کے لئے نہیں تو کم از کم میرے لئے بالکل محال ہے تاہم سطحی نظر سے قادیانی کے جو دعوے اسکی

---

[1] لائف آف لارڈ کچنر مؤلفہ سر جارج آرتھر مطبوعہ لندن جلد اول ص ۲۵۹-۲۶۰۔
[2] سنہ ۱۹۱۶ء میں جبکہ روس یورپ کی عالمگیر جنگ میں شامل ہو گیا تھا لارڈ کچنر کو ایک سفارت پر روس بھیجا گیا۔ راستہ میں کسی جرمن تحت البحر نے جہاز غرق کر کے لارڈ کچنر کو کسی نہنگ بحر کا نوالہ بنا دیا۔

کتابوں میں دکھائی دیتے ہیں ان کی تعداد چھیاسی تک پہنچتی ہے میں نے دو ایک دعوے جو سب سے زیادہ دلچسپ تھے اس خیال سے قلم انداز کر دیئے کہ مبادا خلیفۃ المسیح میاں محمود احمد صاحب کی خاطر اطہر پر گراں گزریں۔ باقی چوراسی دعوے ہدیۂ ناظرین ہیں:۔
ارشاد ہوتا ہے "میں محدث ہوں امام الزمان ہوں مجدد ہوں مثیل مسیح ہوں مریم ہوں مسیح موعود ہوں ملہم ہوں۔ حامل وحی ہوں۔ مہدی ہوں حارث موعود ہوں رجل فارسی ہوں سلمان ہوں چینی الاصل موعود ہوں خاتم الانبیاء ہوں۔ خاتم الاولیاء ہوں۔ خاتم الخلفاء ہوں حسینؑ سے بہتر ہوں حسنینؑ سے افضل ہوں۔ مسیح ابن مریم سے بہتر ہوں۔ یسوع کا ایلچی ہوں رسول ہوں مظہر خدا ہوں۔ خدا ہوں۔ مانند خدا ہوں خالق ہوں نطفۂ خدا ہوں خدا کا بیٹا ہوں خدا کا باپ ہوں۔ خدا مجھ سے ظاہر ہوا اور میں خدا سے ظاہر ہوا ہوں۔ تشریعی نبی ہوں۔ آدم ہوں شیثؑ ہوں نوحؑ ہوں۔ ابراہیمؑ ہوں اسحاقؑ ہوں اسمٰعیلؑ ہوں۔ یعقوبؑ ہوں۔ یوسفؑ ہوں موسیٰؑ ہوں۔ داؤدؑ ہوں عیسیٰؑ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں موتی ہوں حجر اسود ہوں۔ تمام انبیاء سے افضل ہوں ذوالقرنین ہوں احمد مختار ہوں بشارت اسمہٗ احمد کا مصداق ہوں میکائیل ہوں بیت اللہ ہوں۔ رُدّر گوپال یعنی آریوں کا بادشاہ ہوں۔ کلنکی اوتار ہوں شیر ہوں شمس ہوں قمر ہوں محی ہوں ممیت ہوں صاحب اختیارات کن فیکون ہوں۔ کاسر الصلیب ہوں امن کا شاہزادہ ہوں جری اللہ ہوں۔ برہمن اوتار ہوں رسل ہوں اشجع الناس ہوں معجون مرکب ہوں۔ داعی الی اللہ ہوں سراج منیر ہوں متوکل ہوں آسمان اور زمین میرے ساتھ ہیں۔ وجیہ حضرت باری ہوں زائد المجد ہوں محی الدین ہوں مقیم الشریعہ ہوں منصور ہوں مراد اللہ ہوں اللہ کا محمود ہوں (یعنی اللہ میری تعریف کرتا ہے) نور اللہ ہوں۔ رحمۃ للعالمین ہوں۔ نذیر ہوں منتخب کائنات ہوں میں وہ ہوں جس کا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ میں وہ ہوں جس سے خدا نے بیعت کی"۔ غرض دنیا جہان میں جو کچھ تھا مرزا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ؎

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو مسلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ادھوری تعلیم اور اس کا انجام

مرزا غلام احمد کے ایام طفولیت میں اس کے والد حکیم غلام مرتضیٰ صاحب قصبہ بٹالہ میں مطب کرتے تھے اور غلام احمد بھی باپ ہی کے پاس بٹالہ میں رہتا تھا۔ اس نے چھ سات سال کی عمر میں قرآن پڑھنا شروع کیا۔ قرآن مجید کے بعد چند فارسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا ابھی تیرہ چودہ سال ہی کی عمر تھی کہ باپ نے شادی کے بندھنوں میں جکڑ دیا۔ یہ پہلی بیوی قادیانی کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھی۔ یہ وہی محترمہ حرمت بی بی خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں جنہیں قادیانی نے معلقہ کر رکھا تھا نہ کبھی نان و نفقہ دیا اور نہ طلاق دے کر ہی بیچاری کی گلوخلاصی کی ابھی سولہ سال ہی کی عمر تھی کہ غلام احمد کے گھر میں مرزا سلطان احمد متولد ہوئے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں والد نے غلام احمد کو گل علی شاہ بٹالوی نام ایک مدرس کے سپرد کر دیا جو شیعی المذہب تھے۔ ان کی شاگردی میں منطق اور فلسفہ کی چند کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بس یہی قادیانی کی ساری علمی بساط تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے دینی علوم سے قطعاً محروم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیچارہ "نیم ملا خطرۂ ایمان" کے درجہ سے ترقی نہ کر سکا۔ ورنہ اگر صحاح ستہ نہیں تو کم از کم مشکوٰۃ ہی باقاعدہ کسی استاد سے پڑھ لی ہوتی تو اس کے دین میں شاید اتنا فتور نہ پیدا ہو سکتا جس قدر کہ بعد میں مشاہدہ میں آیا

منطق و فلسفہ کی چند کتابوں کے تعلیم کے بعد والد نے طب کی چند کتابیں پڑھائیں۔ مگر چونکہ علم طب کی بھی تکمیل نہ کی اس فن میں بھی بمشکل "نیم حکیم خطرہ جان" ہی کی حیثیت اختیار کر سکا۔ ورنہ اگر اسی فن میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی ہوتی تو ایک معقول ذریعہ معاش ہاتھ آجاتا اور آئندہ تقدس کی دکان کھول کر خلق خدا کو گمراہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ان ایام میں قادیاں کے مغل خاندان کو حکومت کی طرف سے سات سو روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد اپنے عم زاد بھائی مرزا امام الدین کے ساتھ پنشن لینے کے لئے گورداسپور گیا۔ سات سو روپیہ وصول کرنے کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ ذرا لاہور اور امرتسر کی سیر کر آئیں۔ دونوں بھائی امرتسر اور لاہور آ کر سیر و تفریح میں مصروف رہے۔ باوجودیکہ بڑا ارزانی کا زمانہ تھا سات سو روپیہ کی رقم خطیر چند روز میں اڑا دی۔ حالانکہ متعدد گھرانوں کی معیشت کا مدار اسی پنشن پر تھا۔ رقم تلف کرنے کے بعد غلام احمد نے سوچا کہ قادیان جا کر والدین کو کیا منہ دکھاؤں گا یہاں سے بھاگ کر سیالکوٹ کا رخ کیا۔

سیالکوٹ کی ملازمت مختاری کا امتحان

سیالکوٹ میں اس کا ایک ہندو دوست لالہ بھیم سین جو بٹالہ میں ہم سبق رہ چکا تھا موجود تھا۔ مرزا کو لالہ بھیم سین کی سعی و سفارش سے سیالکوٹ کی ضلع کچہری میں دس پندرہ روپیہ ماہانہ کی نوکری مل گئی۔ چند سال منشی گری کی ملازمت میں بسر کئے آخر ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اس کا دوست لالہ بھیم سین مختاری کے امتحان کی طیاری کر رہا ہے اس نے بھی مختاری کا امتحان دینے کا قصد کیا۔ چنانچہ اسی دن سے طیاری شروع کر دی۔ لیکن جب امتحان ہوا تو لالہ بھیم سین کامیاب اور مرزا غلام احمد ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد شاید خود ہی منشی گری کی نوکری چھوڑ کر قادیان کو مراجعت کی۔ چونکہ قانون کا مطالعہ کیا تھا باپ نے اہل پا کر اسے مقدمہ بازی میں لگا دیا۔ آٹھ سال تک مقدموں کی پیروی میں کچہریوں کی خاک چھانتا پھرا۔ بزرگوں کے دیہات خاندان کے قبضہ سے نکل چکے تھے اور مقدمہ بازی کے باوجود واپس نہ ملے تھے۔ اس لئے حزن و ملال، رنج و اضطراب ہر وقت مرزا غلام مرتضیٰ کے رفیق زندگی بنے ہوئے تھے ان حالات کے پیش نظر مرزا غلام احمد رات دن اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ خاندانی زوال کا مداوا کیا ہو سکتا اور ترقی و عروج کی راہیں کیونکر کھل سکتی ہیں؟ ملازمت سے وہ سیر ہو چکا تھا۔ مختاری کے ایوان میں باریابی نہ ہو سکی تھی فوج یا پولیس کی نوکری سے بھی بوجہ قلت مشاہرہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تجارتی کاروبار سے بھی قاصر تھا کیونکہ اس کوچہ سے نابلد ہونے کے علاوہ سرمایہ بھی موجود نہ تھا۔ اب لے دے کے تقدس کی دکان آرائی ہی ایک ایسا کاروبار رہ گیا تھا جسے غلام احمد زرطلبی کا وسیلہ بنا سکتا تھا اور یہی ایک ایسا مشغلہ تھا جس کی زرپاشیاں حصول عزوجاہ کی کفیل ہو سکتی تھیں۔ اس دکان آرائی کا بڑا محرک یہ تھا کہ ان دنوں میں قادیاں کے گرد و نواح میں چند بزرگ ہستیوں کی طرف بڑا رجوع خلائق تھا مثلاً قصبہ بٹالہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ پیر سید ظہور الحسن اور پیر سید ظہور الحسین صاحبان افادہ خلق میں مصروف تھے۔ موضع رتڑ چھتڑ میں پیر سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی مسند آرا تھے۔ اسی طرح موضع مسانیاں میں بھی ایک بڑی گدی تھی۔ ان حضرات کو مرجع انام دیکھ کر مرزا غلام احمد کے منہ سے بھی رال ٹپک رہی تھی کہ جس طرح بن پڑے مشیخت اور پیری مریدی کا کاروبار جاری کرنا چاہیئے۔

لاہور میں مذہبی چھیڑ چھاڑ

غلام احمد ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ اس کے بچپن کے رفیق و ہم مکتب

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی جو دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب (معروف بہ میاں صاحب) سے حدیث پڑھ کر چند روز پیشتر لاہور اقامت گزین ہوئے تھے بٹالہ آئے ہیں۔ غلام احمد نے بٹالہ آ کر ان سے ملاقات کی اور کہا میری خواہش ہے کہ قادیاں چھوڑ کر کسی شہر میں قسمت آزمائی کروں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر لاہور کا قیام پسند ہو تو وہاں میں ہر طرح سے تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ قادیانی نے کہا میرا خیال ہے کہ غیر اسلامی ادیان کے رد میں ایک کتاب لکھوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا ہاں یہ مبارک خیال ہے لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب مشکل سے فروخت ہوتی ہے۔ مرزا نے کہا کہ حصول شہرت کون سا مشکل کام ہے؟ اصل مشکل یہ ہے کہ تالیف و اشاعت کا کام سرمایہ کا محتاج ہے اور اپنے پاس روپیہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم لاہور چل کر کام شروع کرو اور اس مقصد کو مشتہر کرو میں بھی کوشش کروں گا حق تعالیٰ مسبب الاسباب ہے لیکن یہ کام قادیاں میں رہ کر نہیں ہو سکتا۔ غرض لاہور آنے کا مصمم ارادہ ہو گیا۔ مرزا غلام احمد نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کے بموجب اپنے مستقبل کا جو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں سے الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج و تکدر برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس وقت "اہل حدیث" کی مسجد چینیاں لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا نے لاہور آ کر انہی کے پاس مسجد چینیاں میں قیام کیا اور شب و روز تحفۃ الہند، تحفۃ الہنود، خلعت الہنود، اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگا۔ جب ان کتابوں کے مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہو گئے تو پہلے آریوں سے چھیڑ خانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کے مقابلہ میں ہَل مِن مُبارِز (کوئی مقابلہ کرے گا؟) کا نعرہ لگایا۔ ان ایام میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک، اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آ جاتا تھا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں غرض اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لئے جوڑ کی تلاش میں رہتا تھا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے پہلوانی کمال دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی قادیانی اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم دین اور نمائندۂ اسلام ظاہر کرتا تھا اور نہ تو ابھی تک کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور نہ الحاد و زندقہ کے کوچہ میں قدم رکھا تھا اس لئے ہر خیال و عقیدہ کا مسلمان [illegible] ناصر تھا۔ چند ماہ تک مجادلانہ ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا غلام احمد قادیاں چلا گیا اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع کئے۔ چونکہ بحث مباحثہ مقصود نہیں تھا بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی اس لئے آریہ لوگوں کے شرائط کے مقابلہ میں بالکل چکنے گھڑے کا مصداق بنا ہوا تھا۔ ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بلطائف الحیل ٹال جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا کے مجموعۂ اشتہارات موسومہ بہ "تبلیغ رسالت" کی جلد اول کے ابتدائی اوراق کا مطالعہ کر جاؤ۔

الہام بازی کا آغاز اب مرزا نے ان جھگڑوں قضیوں کو چھوڑ کر الہام بازی کی دنیا میں قدم [illegible]

المدعوات ہونے کا پروپیگنڈا شروع کیا۔ شہرت تو پہلے ہی ہو چکی تھی اہل حاجات کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ مرزا جس بالاخانہ میں بیٹھ کر یا لیٹ کر الہام سوچا کرتا تھا اس کو بیت الفکر (سوچنے کی جگہ) سے موسوم کیا تھا۔ ان دنوں الہامات کی آمد بہت تھی اور ان کا یاد رکھنا دشوار تھا اس لئے اپنے الہام ساتھ ہی ساتھ ایک پاکٹ میں نوٹ کر لیتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک بڑے حجم کی کاپی بنا لی اور ایک دوازدہ سالہ ہندو لڑکے شام لال کو الہام نویسی کے لئے نوکر رکھ لیا۔ قادیانی اپنا الہام لکھوا کر اس پر شام لال کے دستخط کرا لیتا تھا تاکہ وہ بوقت ضرورت الہام نازل ہونے کا گواہ رہے۔ یہ لڑکا نہایت سادہ لوح تھا مسلمانوں کو چھوڑ کر ایک سادہ لوح نابالغ ہندو لڑکے کو شاید اس لئے انتخاب کیا کہ موم کی ناک بن کر رہے اور اس سے ہر قسم کی شہادت دلائی جا سکے۔ ان دنوں میں لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل نام قادیان کے دو ہندو مرزا کے مشیر خاص اور رات دن کے حاشیہ نشین تھے۔ اب معتقدین کا بھی جمگھٹا ہونے لگا۔ خوشامدی مفت خورے ہاں میں ہاں ملانے والے بھی ہر طرف سے امنڈ آئے۔ لنگر جاری کر دیا گیا تاکہ ہر شخص الہامی کے مطبخ سے کھانا کھا کر جائے اور شہرت و نمود کا باعث ہو۔ چونکہ مستجاب الدعوات ہونے کے اشتہاروں نے اور اس سے پیشتر لاہور کے مناظروں اور اشتہار بازی نے پہلے سے بام شہرت پر پہنچا رکھا تھا نذر و نیاز اور چڑھاووں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ رجوعات و فتوحات کا شجر آرزو بار آور ہوا اور تمناؤں کی کشت زار لہلہاتی نظر آئی۔ اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں کیں۔ قادیان کا الہامی ہر ایک کو یہی جواب دیتا تھا کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا اس وقت تک صبر کرو جب کہ اس بارہ میں حکم خداوندی آ پہنچے۔

براہین احمدیہ کی تدوین و اشاعت

مرزا کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جس پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے کتاب "براہین احمدیہ" ہے۔ یہ ۵۶۲ صفحات کی کتاب ہے جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اس ضخامت اور اس موضوع کی کتاب چھ سات مہینے میں بسہولت لکھی جا سکتی ہے لیکن مؤلف علام پہلے تو کئی سال تک اس کا مواد جمع کرنے میں مصروف رہا اس کے بعد ۱۸۷۹ء سے لے کر کئی سال کی مزید مدت اس کی تالیف و تدوین کی نذر کر دی۔ ۱۸۸۰ء میں پہلے دو حصے شائع کئے ۱۸۸۲ء میں تیسرا حصہ طبع ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں چوتھا حصہ۔ اس طرح کتاب کے چار حصوں پر جو ۵۶۲ صفحوں پر مشتمل ہیں چھ سال سے زیادہ عرصہ لگا۔[علامت] حالانکہ ان صفحات پر جنہیں حصہ اول سے تعبیر کیا گیا کوئی علمی مضمون نہیں بلکہ صرف دس ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار۔ نہایت جلی حروف میں پھیلا کر لکھوا دیا۔ اور اسی کو صفحات اور حصص کی تعداد بڑھانے کے لئے پہلا حصہ قرار دے لیا اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تحقیق کو دخل ہے مرزا غلام احمد نے اس کتاب میں اپنی کاوش طبع سے ایک حرف بھی نہ لکھا بلکہ جو کچھ زیب رقم فرمایا وہ یا تو علمائے سلف کی کتابوں سے اخذ کیا یا علمائے معاصرین کے سامنے کاسہ گدائی پھرا کر ان کی علمی تحقیقات حاصل کر لیں۔ اور قادیان کے "سلطان القلم" نے انہی کو بے حوالہ زینت قرطاس بنا لیا[علامت]۔ ابھی یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ مرزا نے اس کی طباعت میں امداد دیئے جانے کے لئے بے پناہ پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ مرزا نے اپنے اشتہارات میں وعدہ کیا تھا کہ غیر مسلم اقوام میں سے جو کوئی اس کتاب کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اسلامی روایات میں جوئے کا یہ پہلا موقع

علامت حوالجات کے لئے کتاب "رئیس قادیان" کی طرف رجوع کیجئے ۱۲ علامت تفصیل کے لئے دیکھو کتاب "رئیس قادیان"

تھا جو یورپ کی تقلید سے مذہب کے نام پر کھیلا گیا۔ البتہ اتنی ہوشیاری کی کہ شرطی جوئے کو انعام کے نام سے موسوم کر کے بے خبروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ دس ہزار روپیہ انعام کا وعدہ پڑھ کر مسلمانوں نے یقین کیا کہ واقعی اسلام کی تائید میں یہ کوئی بہت بڑا توپخانہ ہوگا جو اغیار کے مذہبی قلعوں کو پاش پاش کر دے گا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے روپیہ کی بارش شروع ہو گئی اور مرزا کا دل اپنی اسکیم کی کامیابی پر کنول کے پھول کی طرح کھل گیا۔ حریص تاجروں کا جذبہ حرص و آز قلیل نفع سے تسکین نہیں پاتا لیکن ہمارا مرزا ایسا تاجر تھا جو کثیر نفع پر بھی مطمئن نہ ہوا۔ کتاب کی قیمت پہلے پانچ روپے رکھی تھی لیکن جب دھڑا دھڑ روپیہ آنا شروع ہوا تو قیمت پانچ کی جگہ دس روپے کر دی اور صرف یہی نہیں کہ لوگوں سے پیشگی قیمت وصول کی گئی بلکہ والیانِ ریاست اور اغنیاء سے فی سبیل اللہ امداد کرنے کی بھی درخواستیں کیں۔ چنانچہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال، نواب صاحب لوہارو، وزیر اعظم پٹیالہ، وزیر اعظم بہاولپور، وزیر ریاست نالاگڑھ، نواب مکرّم الدولہ رکن حیدر آباد دکن اور بہت سے رؤسا نے ہر طرح سے امداد کے وعدے فرمائے جب کتاب کے پہلے دو حصے چھپ چکے تو جذبۂ زراندوزی میں اور زیادہ تشنگی پیدا ہوئی اور اب اس کی قیمت مرفہ الحال لوگوں کے لئے دس کے بجائے پچیس روپے سے لے کر سو روپیہ تک کر دی۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے ڈھنگ اختیار کئے۔ پہلے تو یہ کوشش کی کہ کوئی شخص قیمت کا لفظ ہی زبان پر نہ لائے بلکہ اندھا دھند اپنے اندوختۂ عمری کا بیشتر حصہ خیرات کے طور پر قادیان بھیج دے۔ اگر کوئی شخص اس طرح قابو میں نہیں آتا تھا یا پچیس روپیہ سے بھی کم قیمت دینا چاہتا تھا تو ہوشیار دکاندار کی طرح اس سے کہا جاتا تھا کہ تم ایک پائی نہ دو بلکہ مفت ہی لے لو۔ کیونکہ ہم غریبوں کو مفت بھی دیتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ ایسا کون بے حیا مستطیع ہوگا جو غریب بن کر مفت مانگتا یا پچیس روپیہ سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرأت کرتا۔ ناچار یہ لوگ بڑی بڑی رقمیں بھیجتے رہے اس اثناء میں بعض حضرات نے یہ کہہ کر صاف گوئی کا حق ادا کیا کہ جس کتاب کے لئے اتنا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کی اشاعت ہی غیر ضروری ہے۔ مرزا نے اشتہاروں میں ان لوگوں کی خوب خبر لی اور فرمایا کہ یہ لوگ منافقانہ باتیں کر کے ہمارے کام میں خلل انداز ہوتے ہیں اور ناحق نیش زنی کرتے ہیں۔" یہاں یہ جتلا دینا ضرور ہے کہ مرزا نے جس کتاب کی قیمت پہلے پانچ پھر دس اور پھر مستطیع لوگوں کے لئے پچیس سے لے کر سو روپیہ تک مقرر کر کے پیشگی رقمیں وصول کیں اس کے متعلق وعدہ یہ کیا تھا کہ تین سو جزو یعنی چار ہزار آٹھ سو صفحات کی کتاب ہوگی لیکن کتاب کے ۵۶۲ صفحے شائع ہو چکے تو مرزا نے اعلان کر دیا کہ آئندہ کے لئے خود رب العالمین اس کتاب کا متولی و مہتمم ہو گیا ہے اس تولیت و اہتمام خداوندی کا یہ مطلب تھا کہ اب میں باقی ماندہ ۴۲۳۸ صفحات کی طبع و اشاعت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ چونکہ ہزارہا روپیہ پیشگی وصول ہو جانے کے بعد خریداروں سے کسی مزید رقم کے ملنے کی توقع نہ تھی اس لئے مرزا نے "براہین احمدیہ" کو نظر انداز کر کے اس کی جگہ دوسری کتابیں مثلاً "سرمہ چشم آریہ" اور رسالہ "سراج منیر" وغیرہ کی طرف عنانِ توجہ پھیر دی اور ستمبر ۱۸۸۶ء میں اپنی نئی کتاب "سرمہ چشم آریہ" کے ٹائٹل پیج پر اعلان کر دیا کہ "الہامات الٰہیہ کی بنا پر کتاب براہین کے تین سو جزو کے وعدے پورے نہیں کئے جا سکتے۔" اس کے بعد مرزا نے حقوق العباد سے سبکدوش

ہونے کے متعلق جو عملی نمونہ پیش کیا اس کی دلچسپ تفصیل کے لئے کتاب "رئیس قادیاں" کی طرف رجوع فرمائیے۔ کتاب براہین کا لب و لہجہ ایسا خراب ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی ہندو یا عیسائی پڑھے اور مشتعل نہ ہو۔ وہی باتیں جو جارحانہ الفاظ اور مبارزانہ انداز میں لکھی تھیں نرم لہجہ اور دلکش الفاظ میں بھی لکھی جا سکتی تھیں۔ اس کتاب نے اسلام اور اہل اسلام کیخلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں عناد و منافرت کی مستقل تخم ریزی کر دی۔ پنڈت لیکھرام نے "براہین احمدیہ" کا جواب "تکذیب براہین احمدیہ" کے نام سے شائع کیا۔ لیکن یہ جواب کیا تھا دشنام دہی اور بدگوئی کا شرمناک مرقع تھا۔ اور یقین ہے کہ جب سے بنی نوع انسان عالم وجود میں آیا کسی بدنہاد عدوئے حق نے خدا کے برگزیدہ انبیاء و رسل اور دوسرے مقربان بارگاہ احدیت کو اتنی گالیاں نہ دی ہونگی جتنی کہ پنڈت لیکھرام نے اس کتاب میں دیں۔ اس تمام دشنام گوئی کی ذمہ داری مرزا پر عائد ہوتی تھی۔ اسلام کے اس نادان دوست نے ہندوؤں اور ان کے بزرگوں پر لعن طعن کر کے انبیاء کرام کو گالیاں دلائیں۔ براہین احمدیہ میں مرزائی الہامات کی بھی بھرمار تھی اور یہی وہ الہامات تھے جو آئندہ دعووں کے لئے عموماً سنگ بنیاد کا حکم رکھتے تھے۔ گو براہین کی طباعت کے بعد بھی بعض علماء حسن ظن کے سنہری جال میں پھنسے رہے لیکن اکثر علماء ایسے تھے جن کی فراست ایمانی نے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا کہ یہ شخص کسی نہ کسی دن ضرور دعوائے نبوت کرے گا۔

دعوائے مجددیت اور حکیم نورالدین سے ملاقات

ان دنوں میں حکیم محمد شریف کلانوری نے جو مرزا کا یار غار تھا امرتسر میں مطب کھول رکھا تھا۔ مرزا جب کبھی قادیاں سے امرتسر آتا تو اسی کے پاس ٹھہرا کرتا۔ براہین کی اشاعت کے بعد حکیم مذکور نے مرزا کو مشورہ دیا کہ تم مجددیت کا دعویٰ کر دو کیونکہ اس زمانہ کے لئے بھی کسی مجدد کی ضرورت ہے چنانچہ مرزا نے اپنی مجددیت کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کیا۔ قادیاں پہنچ کر بیرونی لوگوں کے پتے منگوائے اور اُن کے نام خطوط بھیجنے شروع کئے۔ دول یورپ امریکہ و افریقہ کے تمام تاجداران اور اُن کے وزراء عمائد حکومت دنیا کے مدبروں، مصنفوں، نوابوں، راجاؤں اور دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں کے پاس حسب ضرورت انگریزی یا اردو اشتہارات بھجوائے۔ ان اشتہاروں میں اپنے دعوائے مجددیت کے بعد مکتوب الیہم کو دعوت اسلام دی گئی تھی لیکن مرزائی تجدید کے جذب و اثر کا کمال دیکھو کہ بیس ہزار دعوتی اشتہارات کی ترسیل کے باوجود ایک غیر مسلم بھی حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ان ایام میں حکیم نورالدین بھیروی ریاست جموں و کشمیر میں ریاستی طبیبوں کے زمرہ میں ملازم تھا۔ یہ حکیم نورالدین ایک لامذہب شخص تھا اور اگر کسی مذہب سے کوئی لگاؤ تھا تو وہ نیچری مذہب تھا۔ (دیکھو سیرۃ المہدی جلد ۲ صفحہ ۷۵) ان ایام میں سرسید احمد خاں سے حکیم نورالدین کی کچھ خط و کتابت ہوئی۔ جب مرزا غلام احمد کو اس خط و کتابت کا علم ہوا تو اسے یقین ہوا کہ اس شخص کی رفاقت ہر طرح سے بام مقصد تک پہنچا سکتی ہے چنانچہ جموں جا کر حکیم سے ملاقات کی اور یہ معلوم کر کے مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ حکیم بالکل اسی کا ہم مذاق واقع ہوا ہے۔ ان ایام میں حکیم نورالدین شیخ فتح محمد رئیس جموں کا کرایہ دار تھا۔ یہاں دس بارہ روز تک مختلف مسائل پر گفتگو رہی آخر آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا گیا۔ اور مرزا نے قادیاں کو مراجعت کی۔ ان واقعات کی تفصیل کتاب "رئیس قادیاں" میں ملے گی۔ کچھ دنوں کے بعد مرزا لدھیانہ گیا اور اپنی مجددیت کا اعلان کیا۔ چنانچہ بہت سے سادہ لوح آدمی حلقہ مریدین میں داخل ہو گئے مولوی

محمد مولوی عبد اللہ اور مولوی اسماعیل صاحبان نے جو تینوں حقیقی بھائی تھے اور علماء لدھیانہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے کہیں سے کتاب "براہین احمدیہ" حاصل کر کے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ اس میں الحاد و زندقہ کے طومار نظر آئے انہوں نے شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ ملحد و زندیق ہے۔ اس کے بعد علماء لدھیانہ نے مرزا کی تکفیر کا فتوے دیا اور اشتہارات چھپوا کر تقسیم کرائے۔ تھوڑے دن کے بعد علمائے حرمین کی طرف سے بھی مرزا کے کفر کے فتوے ہندوستان پہنچ گئے ۱۸۸۴ء میں براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع کیا۔ انہی ایام میں مرزا نے دہلی جا کر نصرت بیگم نام ایک نوکتخدا لڑکی سے شادی کی۔ پہلی بیوی تو پہلے ہی سے اپنے میکے میں اُجڑی بیٹھی تھی۔ دوسری بیوی کی آمد پر پہلی کے آباد ہونے کی رہی سہی امید بھی منقطع ہو گئی۔ جب مرزا نے دیکھا کہ علمائے حرمین کا فتوائے تکفیر راہِ ترقی میں حائل ہو رہا ہے تو ۱۸۸۵ء کے اوائل میں اس مضمون کے آٹھ ہزار انگریزی اور شاید ہزار ہا اردو اشتہارات طبع کرا کر تقسیم کرائے کہ جو شخص قادیان آ کر صبر و استقلال اور حسن نیت کے ساتھ ایک سال تک میری صحبت میں رہے گا اسے معجزے دکھائے جائیں گے" اعجاز نمائی کے وعدوں کے اشتہار یورپی پادریوں کو سب سے زیادہ بھیجے گئے تھے اور مرزا کو یقین تھا کہ کثیر التعداد پادری قادیان آئیں گے اس لئے ان موہوم مہمانوں کے قیام کے لئے اپنے مکان سے ملحق بڑی عجلت سے ایک گول کمرہ تعمیر کرایا۔ لیکن افسوس کہ کسی یورپی پادری کو قادیان آنے اور اس گول کمرے میں قیام کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی البتہ پنڈت لیکھرام نے معجزہ دیکھنے کے اشتیاق میں قادیان کے یک سالہ قیام و انتظار پر آمادگی ظاہر کی مرزا نے اس کے متعلق خط و کتابت شروع کی لیکن پانچ چھ مہینہ کی خط و کتابت کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ انجام کار پنڈت بذات خود قادیان پہنچ کر مرزا کے گلے کا ہار ہو گیا۔ آخر مرزا نے بہزار مشکل اس "جن" سے پیچھا چھوڑایا۔ پنڈت لیکھرام کی دلچسپ خط و کتابت کے لئے کتاب "رئیس قادیان" کی طرف رجوع فرمایئے۔ اسی طرح رسالہ "سراج منیر" اور دوسرے رسالوں کی اشاعت کے سبز باغ دکھا کر مرزا نے مسلمانوں سے جو پیشگی رقمیں وصول کیں اور پھر خواب بے اعتنائی میں سو گیا اس کی دلچسپ تفصیل بھی "رئیس قادیان" کے بتیسویں باب میں ملاحظہ فرمایئے۔

ہوشیار پور میں چلہ کشی اور پسر موعود کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد نے کسی پیر طریقت کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک حاصل نہ کیا تھا ہاں ایک مرتبہ چلہ کشی کا ضرور قصد کیا۔ وہ بےچارہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ کسی شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر اس کوچہ میں قدم رکھنا کس درجہ خطرناک ہے؟ بہر حال اس غرض کے لئے تین مریدوں کو ساتھ لے کر ہوشیار پور کو روانہ ہوا۔ اور شیخ مہر علی کے طویلہ میں قیام کیا۔ چونکہ مجدد وقت کا کوئی کام نام و نمود اور شہرت طلبی کے جذبات سے خالی نہ تھا اس لئے چلہ کشی کی نمائش بھی ضروری تھی۔ مرزا نے دستی اشتہارات چھپوا کر اپنے چلے کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ چالیس دن تک کوئی شخص ملنے کو نہ آئے۔ چلہ گزر جانے کے بعد بیس دن تک ہوشیار پور میں قیام رہے گا اس وقت ہر شخص ملاقات کر سکے گا" صوفیۂ کرام چلوں میں سدِ رمق سے زیادہ غذا نہیں کھاتے دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ لیکن مجدد وقت اپنے نام نہاد چلے میں بھی بدستور کھاتا پیتا رہا۔ معلوم نہیں اس چلہ کی غرض و غایت کیا تھی؟ بظاہر تو شیاطین کو مسخر اور تابع فرمان بنانا مقصود تھا۔ اگر واقعی یہی تھا

تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں مرزا کو ضرور کامیابی ہوئی کیونکہ کوئی نورانی ہستی اگر مرزا سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ مرزا نے ایک دفعہ عبداللہ سنوری سے جو مرزا کو بالاخانہ پر کھانا پہنچانے جایا کرتا تھا کہا کہ خدا تعالیٰ بعض اوقات دیر دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اقبال مند بیٹے کے متعلق اسی چلہ میں الہامات ہوئے تھے۔ ان ایام میں نصرت بیگم صاحبہ حاملہ تھیں۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ پسر موعود کے الہام کرنے والا رب العالمین ہے قادیاں پہنچتے ہی وضع حمل سے پسر موعود کی پیش گوئی کر دی مگر پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور مرزا کو بہت کچھ خفت اٹھانی پڑی اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دیر دیر تک باتیں کرنے والی کون ذات شریف تھی؟ مرزا کو اس کے پسر موعود کا نام عمموائیل بتایا گیا تھا۔ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو عمموائیل کی موعودہ آمد کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں اپنا یہ الہام درج کیا "تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا اس کا نام عمموائیل اور بشیر بھی ہے۔ مبارک ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے وہ صاحب شکوہ اور صاحب عظمت و دولت ہوگا۔ وہ اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے لوگوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائیگا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔"

ایک پادری نے اس پیشین گوئی کا مذاق اڑایا تو مرزا نے ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ یہ صرف پیشین گوئی ہی نہیں بلکہ عظیم الشان آسمانی نشان ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور در حقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و اکمل و افضل ہے خدا نے ایسی بابرکت روح کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔ ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ اس کے بعد ایک اشتہار میں لکھا کہ آج ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے ان ایام میں مرزا کے مرید بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ پسر موعود جلد پیدا ہو۔ غرض ہزار انتظار کے بعد وضع حمل کا وقت آیا لیکن پسر موعود کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی۔ لوگوں نے مرزا کا خوب مذاق اڑایا اور اعتراضات کی آندھیاں افق قادیاں پر ہر طرف سے امنڈ آئیں لڑکی کی پیدائش پر استہزاء و سخریت کی جو گرم بازاری ہوئی اس نے قادیاں پر بہت کچھ افسردگی طاری کر دی اس لئے مرزا ہر وقت دست بدعا تھا کہ کسی طرح بیوی مکرر حاملہ ہو کر لڑکا جنے اور وہ لوگوں کو عمموائیل کی پیدائش کا مژدہ سنا کر سرخرو ہو سکے۔ آخر خدا خدا کر کے گوہر شاہوار صدف رحم میں منعقد ہوا۔ اور نصرت بیگم صاحبہ نے ۹ مہینہ کے بعد اپنی کوکھ سے عمموائیل برآمد کر کے مرزا کی گود میں ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر مرزا کی باچھیں کھل گئیں اور زمین و آسمان مسرت کے گہوارے بن گئے۔ ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو عمموائیل پیدا ہوا اور مرزا نے اسی دن "خوشخبری" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا اے ناظرین میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں پیش گوئی کی تھی وہ آج ۱۲ بجے رات کے پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ کس قدر بزرگ پیشین گوئی ہے جو ظہور میں آئی عمموائیل قریباً سوا سال تک زندہ رہا۔ اس کے بعد ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو طعمۂ اجل ہو گیا۔ اس کے مرنے پر طعن و تمسخر کے طوفان ہر طرف سے اٹھے لیکن مرزا کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا چونکہ

اعتراضات کی آندھیاں برابر چلتی رہتی تھیں اس لئے تقریباً سوا تین سال کے بعد یعنی جنوری ۱۸۹۲ء کو ایک اشتہار زیر عنوان "منصفین کے غور کے لائق" شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ میں نے غلطی سے اس لڑکے کو پسر موعود خیال کر لیا تھا اس میں الہام الٰہی کا کوئی قصور نہیں ہے۔" اس معذرت خواہی کے ساڑھے سات سال بعد یعنی ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو جب مرزا کے گھر میں ایک اور لڑکا "مبارک احمد" پیدا ہوا تو مرزا نے اسی کو عمنوائیل قرار دینے کی کوشش کی۔ (دیکھو مرزا کی کتاب "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۷۰) حالانکہ مبارک احمد نو سال کی مدت معہودہ کے سوا چار سال بعد پیدا ہوا تھا۔ مگر مرزا کی بدنصیبی سے یہ لڑکا بھی عالم طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گیا۔ اور اس طرح فرزند موعود کی اقبال مندیوں کے سارے افسانے طاق اہمال پر رکھے رہ گئے۔ آج کل مرزائی لوگ خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد کے سر پر عمنوائیلیت کا تاج رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ان کی یہ کوشش بے سود ہے کیونکہ خود مرزا نے میاں محمود احمد کو کبھی عمنوائیل موعود نہ بتایا۔ مرزا محمود احمد کی پیدائش ۱۸۸۹ء میں ہوئی تھی اس کے بعد مرزا غلام احمد نے از سر نو عمنوائیل کی پیدائش کی پیشین گوئی ۱۸۹۱ء میں اس وقت کی جب میاں محمود احمد کی عمر پونے دو سال کی تھی چنانچہ کتاب ازالہ اوہام میں جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی مرزا نے لکھا "خدا نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو جو شبہات کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء (معاذ اللہ) ظاہر ہے کہ اگر میاں محمود احمد عمنوائیل موعود ہوتا تو اس پیشین گوئی کا اعادہ ایک لغو حرکت تھی غرض عمنوائیل کی پیشین گوئی پر مرزا کی بڑی کرکری ہوئی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور بعض دوسرے مولوی صاحبان نے جو اس وقت تک مرزا کا حق رفاقت ادا کر رہے تھے کمال دلسوزی سے مرزا کو مشورہ دیا کہ آئندہ اس قسم کی بعید از کار پیشین گوئیاں کر کے خواہ مخواہ ذلت و رسوائی کو دعوت نہ دیا کرو۔ لیکن بجائے اس کے کہ مرزا اس خیر خواہانہ مشورہ سے نصیحت آموز ہوتا الٹا اصلاح اندیش ناصحین کو ڈانٹنے اور چشم نمائی کرنے لگا اور ان کی نسبت لکھا کہ "غفلت اور حب دنیا کا کیڑا فراست ایمانی کو بالکل چٹ کر گیا ہے۔"

مسیح بننے کے لئے مضحکہ خیز سخن سازی

مرزا نے اوائل میں بہت دن تک دعوائے مجددیت ہی پر اکتفا کیا تھا مگر چونکہ ہر راسخ العلم قامع بدعات عالم دین مجدد ہو سکتا ہے اس لئے بظاہر اس منصب کو کچھ غیر رفیع سا سمجھ کر ترقی و اقدام کی ہوس دامنگیر ہوئی اور کوئی عظیم القدر ٹھوس دعوے کر کے اپنی عظمت کو ثریا سے ہمدوش کرنے کا قصد کیا۔ آخر طبیعت نے فیصلہ کیا کہ مسیحیت کا تاج زیب سر کرنا چاہیئے۔ لیکن کمال ہوشیاری اور معاملہ فہمی سے کام لے کر یک بیک مسیح نہ بنا بلکہ تدریج کو ملحوظ رکھا۔ سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور آپ کی آمد ثانی سے انکار کیا۔ حالانکہ کتاب "براہین احمدیہ" صفحہ ۴۹۸ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حیات اور آمد ثانی کا اقرار کر چکا تھا اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے تھے (نزول المسیح مؤلفہ مرزا ص ۱۸) اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ میں مثیل مسیح ہوں۔ جب مرید اس دعویٰ کے متحمل ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا کہ احادیث نبویہ میں جس مسیح کے آنے کی پیشین گوئی تھی وہ میں ہوں۔" جب اس سے کہا گیا کہ حدیثوں میں تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی پیشین گوئی ہے اور تم غلام احمد بن غلام مرتضیٰ ہو تو جواب دیا کہ میں ہی عیسیٰ بن مریم بنا دیا گیا ہوں

پوچھا گیا کہ ایک شخص دوسری شخصیت میں کیونکر تبدیل ہو سکتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ کی بعض روحانی صفات طبع عادت اور اخلاق وغیرہ خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں میری زندگی کو مسیح بن مریمؑ کی زندگی سے اشد مشابہت ہے اس بنا پر میں مسیح ہوں۔ (ازالۂ اوہام طبع پنجم ص ۹۷) لیکن جب کہا گیا کہ جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض روحانی صفات طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ تو خدا نے بر تر بہت سے اہل اللہ کی فطرت میں بھی ودیعت فرما دیتا ہے اور ان کی زندگی کو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی زندگی سے اشد مناسبت ہوتی ہے تو پھر وہ سب حضرات بھی مسیح موعود ہونے چاہئیں۔ اس میں تمہاری کونسی خصوصیت ہے؟ کوئی وجہ نہیں کہ تم تو کسی من گھڑت مناسبت کی بنا پر مسیح بن مریمؑ بن جاؤ۔ اور عارفین الٰہی حقیقی اشتراکِ صفات کے باوجود "مسیح موعود" نہ سمجھے جا سکیں"۔ بات معقول تھی مرزا سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر گیارہ سال کی سخت دماغی کدو کاوش کے بعد کشتیٔ نوح میں جسے ۵ راکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع کیا تھا اپنے مسیح بن مریم بن جانے کا یہ ڈھکوسلہ پیش کیا۔ "گو خدا نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصّہ میں میرا نام مریم رکھا۔ پھر دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین کے صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا" (کشتیٔ نوح صفحہ ۴۶-۴۷) جب مرزا بیک جنبش قلم ایک خیالی حمل کے ذریعہ سے مسیح بن مریمؑ بن چکا تو ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ اگر تم سچے مسیح ہو تو تم بھی حضرت رُوح اللہ کی طرح کوئی مسیحائی دکھاؤ زیادہ نہیں تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انہی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دو جو قرآن پاک میں دو جگہ مذکور ہیں یہ مطالبہ نہایت معقول تھا لیکن مرزا کے پاس سخن سازی کے سوا رکھا ہی کیا تھا؟ سوچنے لگا کہ اب کیا بات بناؤں؟ آخر اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام کے وجود ہی سے انکار کر دے۔ واقعی کسی چیز کی ذمہ داری سے نکلنے کا یہ نہایت آسان علاج ہے کہ اس چیز کے وجود ہی سے انکار کر دیا جاوے۔ مرزا نے معجزاتِ مسیح علیہ السلام کا صرف انکار ہی نہ کیا بلکہ اپنی بدنصیبی سے الٹا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ معجزات مسیح علیہ السلام کا مذاق نہیں تھا بلکہ فی الحقیقت کلام الٰہی کا مذاق اور انکار و استخفاف تھا۔ انہی ایام میں مولوی محمد حسین بٹالوی سے مرزا کی سخت کشیدگی ہو گئی وجوہ مخاصمت کتاب "رئیس قادیان" میں لکھ دیئے گئے ہیں

لاہور، لدھیانہ اور دہلی کے مناظرے

مرزائیت کا اسلام سے پہلا تصادم شاید وہ مناظرہ تھا جو لاہور میں ہُوا۔ منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ لاہور، منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ لاہور اور حافظ محمد یوسف ضلعدار محکمہ نہر تینوں اہل حدیث مبلغین تھے جو کچھ دنوں سے مرزائی ہو گئے تھے یہ تینوں حضرات مرزائیت کا بپتسمہ لینے سے پہلے نہایت سرگرم قومی کارکن تھے اور لاہور کی اسلامی تحریکوں میں سب سے پیش پیش رہتے تھے اس لئے مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کو ان کے مرزائی ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ گو چند سال کے بعد تینوں حضرات مرزائیت سے تائب ہو کر از سرِ نو اسلامی برادری میں داخل ہو گئے لیکن اوائل میں یہ سخت غالی مرزائی تھے۔ مولوی محمد حسین نے شروع میں ان کو بہتیرا سمجھایا لیکن یہ کسی طرح مرزائیت

سے منقطع نہ ہوئے بلکہ ان تینوں کی یہ بڑی آرزو تھی کہ موقع ملے تو مولوی محمد حسین کو حکیم نور الدین سے جسے مرزائی لوگ امام فخر الدین رازیؒ سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے (خدانخواستہ) ذلیل کرائیں۔ چنانچہ اسی کوشش میں ایک مرزئی حافظ محمد یوسف ضلعدار اور منشی عبدالحق اکونٹنٹ لاہور سے جموں گئے اور حکیم نور الدین کو مولوی محمد حسین سے مناظرہ کرنے کی تحریک کی۔ لیکن حکیم نے انہیں بلطائف الحیل ٹال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حکیم نور الدین مہاراجہ جموں کے ساتھ لاہور آیا اور ان تینوں نے اسے مولوی محمد حسین سے بھڑا دیا۔ مناظرہ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر ہوا۔ مولوی صاحب نے حکیم نور الدین کو بُری طرح رگیدا۔ جب مولوی صاحب نے دوران مباحثہ میں حکیم کے مفر کا راستہ بالکل مسدود کر دیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ وہ آئندہ سوال پر چاروں شانے چت گرا کر چھاتی پر سوار ہو جائیں گے تو حکیم نور الدین کوئی حیلہ تراش کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان ایام میں مرزا اپنے دہلوی خسر کے پاس لدھیانہ میں اقامت گزین تھا۔ حکیم نور الدین نے مرزا غلام احمد کے پاس لدھیانہ میں جا دم لیا۔ ۱۵ر اپریل ۱۸۹۱ء کو مولوی صاحب نے مرزا کو تار دیا کہ تمہارا حواری مناظرہ سے بھاگ گیا یا تو اس کو مقابلہ پر آمادہ کرو یا خود مناظرہ کے لئے آؤ۔ اس کے جواب میں خود مرزا نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی مگر یہ شرطیں پیش کیں کہ مناظرہ تحریری ہو۔ تم چار ورق کاغذ پر جو چاہو لکھ کر پیش کرو۔ اس کے بعد میں چار ورق میں اس کا جواب لکھوں بس ان دو پرچوں پر مناظرہ ختم ہو جائے غرض مرزا نے مولوی صاحب کو مرزائی دلائل کا بطلان ثابت کرنے کے لئے جواب الجواب کی اجازت نہ دی۔ اس لئے مولوی صاحب نے ایسے مناظرہ کو بے سود سمجھ کر انکار کر دیا۔ ۱۳ر مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا نے علمائے لدھیانہ کو تحریری چیلنج دیا کہ تم لوگ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کر لو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ۱۳۰۱ھ میں فتویٰ دیا تھا کہ مرزا غلام احمد مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں وہ شرعاً کافر ہیں پس تمہیں لازم ہے کہ پہلے ہم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کر لو کہ تم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو۔ اگر تم نے اپنا اسلام ثابت کر دکھایا تو پھر حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہو گی۔ جب علماء لدھیانہ کی طرف سے اس مضمون کا اشتہار شائع ہوا۔ تو مرزا کے ہوش اڑ گئے کیونکہ اس کے لئے اپنا مسلمان ثابت کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے حکیم نور الدین کو لاہور سے مشورہ کے لئے طلب کیا۔ حکیم نور الدین نے لدھیانہ پہنچ کر وہ اشتہار پڑھا جو علمائے لدھیانہ نے شائع کیا تھا اور مرزا غلام احمد سے کہا کہ جب ثالث کی موجودگی میں آپ کے ایمان و کفر پر مباحثہ ہو گا اور مخالف لوگ علمائے حرمین کا فتوائے تکفیر پیش کریں گے تو ثالث لا محالہ ہماری جماعت پر کفر و ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کے حق میں فیصلہ کر دے گا اس کے بعد ہم سے مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بھی کوئی شخص گفتگو نہ کرے گا۔ کیونکہ کسی بے ایمان شخص کا مسیح ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے البتہ ان مولویوں سے گفتگو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جو ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان سے بلا تکلف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کر سکتے ہیں اور بہترین صورت یہ ہے کہ آپ حنفی مولویوں کو چھوڑ کر مولوی محمد حسین سے مناظرہ کریں کیونکہ وہ آپ کے اسلام کا اقرار کر چکا ہے۔ مرزا نے علمائے لدھیانہ سے پھیر خانی کرتے وقت مناظرہ کا جو چیلنج دیا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر تم لوگ مناظرہ نہ کرنا چاہو تو اپنی طرف سے مولوی محمد حسین کو کھڑا کر لو۔ جب مولوی محمد حسین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ

لدھیانہ پہنچ گئے۔ اور مولوی محمد حسن لدھیانوی کو بھیج کر مناظرہ کی دعوت دی اور موضوع بحث یہ پیش کیا کہ کیا وہ مسیح جن کے قدوم کی احادیث نبویہ میں بشارت دی گئی ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟ اس کے جواب میں مرزا نے کہا کہ میں اپنی مسیحیت پر گفتگو کرنے کو طیار نہیں ہوں بلکہ صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کروں گا کیونکہ میرا دعوٰی اسی بنا پر ہے جب بنا ٹوٹ جائے گی تو دعوٰی بھی باطل ٹھہرے گا۔" اس کے جواب میں مولوی محمد حسین نے لکھ بھیجا کہ آپ کے اشتہار میں دونوں دعوے موجود ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی رحلت کا دعوٰی اور اپنے مسیح ہونے کا دعوٰی۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعوٰی ثابت ہو جائے لہذا پہلے تمہارے مسیح موعود ہونے پر گفتگو ہونی چاہیئے اس کے بعد مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام زیر بحث آئے۔ اور بحکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعوٰی پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے سے دستبردار ہو جائیں تو پھر مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مرزا نے اس کا جو بودا جواب لکھ بھیجا اس سے ہر شخص نے یقین کر لیا کہ مرزا مباحثہ سے گریزاں ہے۔ جب مرزا کے پٹیالوی مریدوں کو اپنے مقتدا کی گریز و فرار کا علم ہوا۔ تو انہوں نے لدھیانہ آ کر مرزا کو مباحثہ پر مجبور کیا۔ آخر مباحثہ ہوا۔ مولوی محمد حسین نے یہ سوال پیش کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا نے ٹال مٹول اور حیلے حوالے شروع کئے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں میں جواب کو ٹالتا رہا۔ کیونکہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اصل سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آخر جب ہر جگہ مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو مرزا اور مرزائیوں کا ہر جگہ مذاق اڑایا جانے لگا اور بدنامی اور رسوائی ان پر ہر طرف سے مسلط ہوئی۔ جب امرتسر اور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو اس کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ان سوالات و جوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی آبرو مٹی میں ملا رہا ہے ان سوالات و جوابات سے مولوی محمد حسین کا یہی مقصد ہے کہ آپ کو ذلیل کرے اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کو جلد ختم کر دیجئے ورنہ اور زیادہ ذلت ہو گی۔" غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ مرزا نے بارہویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی بحث کی درخواست پیش کر کے اپنی جان چھڑالی۔ لدھیانہ میں ناکامی و ہزیمت کا جو دھبہ مرزا کے دامنِ عزت پر لگا مرزا ہر وقت اس کے دھونے کی فکر میں تھا اس لئے خیال آیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کریں وہاں مولوی محمد حسین بٹالوی کے اُستاد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی جائے وہ اپنی بزرگی اور مرزا کی نااہلی کے پیش نظر اپنا مخاطب بنانا گوارا نہ کرینگے۔ اور مفت کی شہرت و ناموری حاصل ہو جائے گی چنانچہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں دہلی جا براجا۔ اور مولانا نذیر حسین صاحب کو مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کرنے کا چیلنج دیا اس چیلنج کا جو دلچسپ انجام مرزا کی شاندار ہزیمت و پسپائی کی شکل میں ظاہر ہوا وہ کتاب "رئیسِ قادیان" میں ملاحظہ فرمایئے قلت گنجائش کی وجہ سے ان دلچسپ مباحث کو یہاں ترک کرنا پڑا۔ مولانا نذیر حسین کے مقابلہ سے بھاگ کر مرزا نے ان کے نامور شاگرد مولوی محمد بشیر سہسوانی سے مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر تحریری مناظرہ شروع کیا لیکن جب چھٹے دن ہمارے تین تین پرچے ہو چکے تو مرزا پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مناظرہ سے دستبردار ہو گیا اور کہنے لگا کہ میرے خسر صاحب علیل

ہیں اس لئے میرا جلد مراجعت کرنا ضروری ہے۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل بھی کتاب "رئیس قادیان" میں ملے گی۔

آسمانی منکوحہ کے حصول میں ناکامی

مرزا غلام احمد کے ایک چچا کا نام غلام محی الدین تھا۔ مرزا امام الدین، نظام الدین اور کمال الدین اسی چچا کے بیٹے تھے۔ غلام محی الدین کی دختر عمر النسا مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری سے بیاہی ہوئی تھی اور غلام احمد کی حقیقی بہن کی شادی احمد بیگ ہوشیارپوری کے حقیقی بھائی محمد بیگ سے ہوئی تھی۔ ان قرابتوں کے علاوہ احمد بیگ کی حقیقی بہن مرزا غلام احمد کے ایک چچازاد بھائی غلام حسین سے بیاہی ہوئی تھی جو قریباً پچیس سال سے مفقود الخبر تھا۔ مرزا احمد بیگ جو محکمہ پولیس میں ملازم تھا۔ زیادہ تر ہوشیارپور سے باہر ملازمت ہی پر رہتا تھا اس لئے عمر النساء عموماً قادیان ہی میں رہتی تھی۔ اس کا معمول تھا کہ جب کبھی مرزا احمد بیگ چھٹی لے کر ہوشیارپور آتا تو یہ قادیان سے ہوشیارپور چلی جاتی اور جب وہ ہوشیارپور سے اپنی نوکری پر چلا جاتا تو یہ اپنی بیٹی محمدی بیگم اور دوسری اولاد کو لے کر قادیان آ جاتی۔ محمدی بیگم ایک نہایت خوش جمال لڑکی تھی۔ چونکہ اس کا نشوونما قادیان ہی میں ہوا اس لئے یہ ہمیشہ کی دیکھی بھالی تھی۔ غلام حسین مذکور کی زمین سرکاری کاغذات میں اس کی منکوحہ یعنی احمد بیگ کی ہمشیر کے نام درج ہو گئی تھی اور چونکہ وہ اپنے شوہر غلام حسین کی مراجعت کی طرف سے بالکل ناامید ہو چکی تھی اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ اپنے مفقود الخبر شوہر کی زمین اپنے بھتیجے (مرزا احمد بیگ کے بیٹے) کے نام ہبہ کر دے چونکہ مرزا غلام احمد بھی مفقود کا عم زاد بھائی تھا اس لئے جب ہبہ نامہ لکھا گیا تو احمد بیگ اس ہبہ نامہ پر دستخط کرانے کے لئے مرزا غلام احمد کے پاس لے گیا کیونکہ سرکاری قانون کے بموجب اس کی رضامندی کے بغیر ہبہ نامہ جائز نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ ہر چند کہ حقوق قرابت، شرافت نفس، شرف و مجد انسانی اور احسان و ایثار اسلامی کا مقتضاد یہ تھا کہ مرزا غلام احمد بلا معاوضہ دستخط کر دیتا۔ لیکن اس نے احمد بیگ سے اس سلوک و مروت کا صلہ اس کی لڑکی محمدی بیگم بیاہ دینے کی شکل میں طلب کیا۔ احمد بیگ نے اس مطالبہ کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ مرزا غلام احمد نے ہزار جتن کئے لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ آخر مرزا نے اسے اپنے من گھڑت الہاموں سے مرعوب کرنا چاہا۔ اس سلسلہ میں ایک یہ الہام شائع کیا "اس قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے ڈھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا (احمد بیگ) تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ خدا نے مقرر کر رکھا ہے۔ کہ وہ احمد بیگ کی دختر کلاں کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے"۔ لیکن مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور جس سے محمدی بیگم منسوب تھی اور احمد بیگ کے گھر والے ان الہامی گیدڑ بھبکیوں سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ مرزا غلام احمد نے سلطان محمد ساکن پٹی کی میعاد حیات یوم شادی سے ڈھائی سال تک بتائی تھی اس سے محمدی بیگم کی شادی ۷ر اپریل ۱۸۹۲ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آخری دن ۷ر اکتوبر ۱۸۹۴ء تھا لیکن قادیانی اعجاز کا کمال دیکھئے کہ آج ۱۹ر جون ۱۹۳۶ء تک وہ زندہ سلامت موجود ہے یعنی اپنی مدت حیات کے بعد بیالیس سال سے زیادہ گلشن دنیا

کی سیر کر رہا ہے۔ جب محمدی بیگم کو مرزا سلطان محمد کے گھر میں آباد ہوئے قریباً ڈھائی سال کی مدت گذر چکی تو مرزا نے زوجۂ سلطان محمد سے شادی کرنے کی ازسرنو پیشین کر کے اس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کرنا چاہا۔ چنانچہ ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں اپنا ایک الہام لکھا کہ "حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کی تکذیب کی اور ان سے ٹھٹھا کیا سو خدا انہیں یہ نشان دکھلائے گا کہ احمد بیگ کی بڑی لڑکی ایک جگہ بیاہی جائے گی اور خدا اس کو پھر تیری طرف واپس لائے گا یعنی آخر وہ تیرے نکاح میں آئے گی اور خدا سب روکیں درمیان سے اٹھا دے گا خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔ اس لڑکی کا اس عاجز کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔" کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ بھی موجود ہے۔ کہ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی۔ میں سب روکوں کو اٹھا دوں گا۔ خدا تعالیٰ کے غیر متبدل وعدے پورے ہو جائیں گے کیا کوئی زمین پر ہے جو ان کو روک سکے ہاے بدفطر تو! لعنتیں بھیج لو۔ ٹھٹھے کر لو۔ لیکن عنقریب دیکھو گے کہ کیا ہوتا ہے؟" مرزا نے اسی سال ۲۷ اکتوبر کے ایک اشتہار میں لکھا "میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدائے قادر و علیم! اگر احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ پیشگوئی تیری طرف سے ہے تو اس کو ظاہر فرما کر دبا طن حاسدوں کا منہ بند کر دے اور اگر تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر" اس دعائے غیر مستجاب کے قریباً سوا دو سال بعد یعنی ۲۱ جنوری ۱۸۹۷ء کو مرزا نے کتاب "انجام آتھم" شائع کی اس میں لکھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح خدائے بزرگ کی تقدیر مبرم ہے۔ اور عنقریب اس کے ظہور کا وقت آ جائے گا۔ اور میں اس کو اپنے صدق یا کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا نے مجھے اس کی خبر دی ہے۔" ۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد کو الہام ہوا "یردھا الیک" (خدا تعالیٰ محمدی بیگم کو تمہارے پاس واپس لائے گا) مرزا نے ۲۹ ستمبر ۱۹۰۰ء کو رسالہ اربعین میں اس الہام کی شرح کرتے ہوئے لکھا کہ "یہ پیشین گوئی اس نکاح کی نسبت ہے جس پر نادان مخالف جہالت اور تعصب سے اعتراض کرتے ہیں۔" اس کے بعد مرزا غلام احمد نے اگست ۱۹۰۱ء میں گورداسپور کی عدالت میں حلفاً بیان کیا کہ احمد بیگ کی دختر جس کی نسبت پیش گوئی ہے مرزا امام الدین کی بھانجی ہے سچ ہے وہ عورت میرے ساتھ نہیں بیاہی گئی مگر میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہو گا۔ غرض مرزا غلام احمد اسی طرح محمدی بیگم کی شادی کے بعد دس سال تک برابر پنجے جھاڑ کر اس غنیمہ کے پیچھے پڑا رہا اور اس بیچاری کی فضیحت و رسوائی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آخر ملا محمد بخش ایڈیٹر "جعفر زٹلی" نے ایک ایسی تدبیر نکالی جس نے مرزا غلام احمد کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد محمدی بیگم سے شادی کرنے کے سارے افسانے بھول گیا اور اس کا نام کبھی بھول کر بھی زبان قلم پر نہ لایا۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل آپ کو کتاب "رئیس قادیان" میں ملے گی۔

حکیم نورالدین کا جموّں سے اخراج

حکیم نورالدین مہاراجہ جموّں و کشمیر کا خاص طبیب تھا۔ وہ ریاست سے کیوں خارج کیا گیا؟ اسکی دلچسپ تفصیل آپ کو کتاب "رئیس قادیان" میں ملے گی۔ مختصر یہ ہے کہ وہ ریاست کشمیر کے علاقہ گلگت و اس میں (جیسا کہ میرے پاس روایتیں پہنچی ہیں) ایک مرزائی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے اسباب مہیا کئے جا رہے تھے۔ حکیم نورالدین کی کوششوں سے مرزائیت کو ریاست جموّں و کشمیر میں جتنا فروغ نصیب ہوا اس

سے کہیں زیادہ اس کا پنجاب میں نشو و نمو ہو رہا تھا اور جُوں جُوں یہ جماعت ترقی کرتی جاتی تھی حکّام کا سوءظن بھی بڑھتا جاتا تھا کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ مبادا مرزا غلام احمد بھی محمد احمد سوڈانی کی طرح زور پکڑ کر مشکلات کا موجب بن جائے حقیقت یہ ہے کہ گو مرزا نے تقدّس کی دکان ابتدا میں محض شکم پُری کے لئے کھولی تھی لیکن ترقی کر کے سلطنت پر فائز ہونے کا لائحۂ عمل بھی شروع سے اس کے پیش نظر تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا مغل اعظم سلطان عالمگیر اورنگ زیب غازیؒ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر افسوس کہ حکیم نور الدین کے اخراج سے مرزائی سلطنت کے بنے بنائے نقش بگڑ گئے۔ اور متوقع سلطنت کی جگہ حکومت کی دشمنی خرید لی۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حکیم نور الدین کو ریاست سے خارج نہ کیا جاتا تو بھی وہ اور مرزا غلام احمد قیام سلطنت میں کامیاب نہ ہو سکتے کیونکہ جب مرزا غلام احمد مدت العمر قادیاں کی اُن مسجدوں کو بھی آزاد نہ کرا سکا جنہیں سکھوں نے اب تک دھرم سالہ بنا رکھا ہے۔ (دیکھو ازالۂ اوہام طبع پنجم صفحہ ۵۷) تو پھر سلطنت کا قیام ایک موہوم چیز تھی" لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ اگر وہ لوگ کسی طرح قیام سلطنت میں کامیاب ہو جاتے تو قادیاں کی مسجدیں خود ہی آزاد ہو جاتیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حکیم نور الدین کے اخراج کے بعد حکومت وقت حکیم نور الدین اور مرزا غلام احمد پر بغاوت کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ لیکن اُنہوں نے کچھ قول و قرار کئے جس کی بنا پر کسی تشدّد کی ضرورت نہ رہی۔ عجب نہیں کہ یہ بیان صحیح ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان واقعات کے بعد مرزا غلام احمد کے رویّہ میں یک بیک تبدیلی پیدا ہو گئی اور قیام سلطنت کی توقعات کو تین سو سال تک مؤخر کر کے انگریزی کی خوشامد اور مدح و توصیف کا نغمہ چھیڑ دیا۔ اور پھر خوشامد میں اعتدال اور میانہ روی ملحوظ رہتی تو بھی ایک بات تھی لیکن مرزا نے تو اپنی افتاد طبیعت سے مجبور ہو کر تملّق و خوشامد کا خوفناک طوفان برپا کر دیا یہاں تک کہ خوشامد ہی اس کا اوڑھنا بچھونا بن گئی۔ اس خوشامد شعاری کی چند بانگیاں ملاحظہ ہوں لکھتا ہے:۔ "پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لئے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدّت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے؟ یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ برابر سترہ سال کا ہے (کتاب البریہ صفحہ ۱۷) سول ملٹری گزٹ لاہور میں میری نسبت ایک غلط اور خلاف واقعہ رائے شائع کی گئی ہے کہ گویا میں گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے رکھتا ہوں لیکن یہ خیال سراسر باطل اور دُور از انصاف ہے میرے والد نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں پچاس گھوڑے خرید کر اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی نذر کئے (تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۱۹۲) میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گذرا ہے۔ میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں (تریاق القلوب) انگریزوں کا اس ملک میں آنا مسلمانوں کے لئے درحقیقت ایک نہایت بزرگ نعمت الٰہی ہے۔ تو پھر جو شخص

خداتعالیٰ کی نعمت کو بے عزتی کی نظر سے دیکھے وہ بلا شبہ بدذات اور بدکردار ہے (ایام الصلح) میں جانتا ہوں کہ بعض جاہل مولوی میری ان تحریرات سے ناراض ہیں اور مجھے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی کافر قرار دیتے ہیں لیکن مجھے انکی ناراضگی

دعوائے مہدویت اس وقت تک مرزا مسیحیت ہی کا مدعی تھا مہدی نہیں بنا تھا۔ احادیث نبویہ کے رو سے حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب مہدی علیہ السلام ایک ہی زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ ۱۸۹۲ء میں ایک عالم ربانی نے مرزا سے پوچھا کہ تم مسیح ہو تو حضرت مہدی علیہ السلام کہاں ہیں؟ جو ان کے عہد سعادت میں ظاہر ہونے والے تھے؟ مرزا نے کہا وہ بھی میں ہی ہوں"۔ لیکن اس کے بعد دعوائے مہدیت میں مرزا کی ہمیشہ گو مگو حالت رہی۔ کبھی تو مہدویت کا مدعی بن بیٹھتا تھا اور کبھی حکومت کے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتا تھا۔ مسئلۂ ظہور مہدی علیہ السلام اور اپنی مہدیت کے متعلق مرزا نے جو رنگ بدلے اُن کی تشریح "رئیس قادیاں" میں دیکھئے۔ چونکہ مرزا کو تائید ربانی حاصل نہ تھی اور باوجود بڑی بڑی لن ترانیوں اور خودستائیوں کے قلم اور زبان کی دنیا سے باہر نکل کر اپنے دعووں کی تائید میں کوئی بیرونی شہادت پیش نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس کی دکانداری کا سارا مدار سخن سازی پر تھا۔ ایک مرتبہ اسے شوق چرایا کہ اپنے مہدی ہونے کی کوئی بیرونی شہادت پیش کرے اس کوشش میں اس نے ۲۷ مئی ۱۸۹۲ء کو "نشان آسمانی" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں اپنے مہدی آخرالزمان ہونے کے ثبوت میں شاہ نعمت اللہ کرمانی کا قصیدہ پیش کیا۔ لیکن قصیدہ کا صحیح مصداق بننے کی کوشش میں اس پر تحریف و تبدیل کے کچھ ایسے کُند ہتھیار چلائے کہ اس کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔ مرزا نے نہ صرف قصیدہ کے اشعار کی ترتیب حسب مراد بدل ڈالی اور بعض الفاظ و تراکیب کو مقدم و مؤخر کر دیا۔ بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کے اسم گرامی میں بھی تحریف کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا نام مبارک محمد بن عبداللہ ہو گا۔ شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں بھی احادیث نبویہ کے بموجب حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد ہی مذکور ہے چنانچہ پروفیسر براؤن نے "تاریخ ادبیات ایران" میں جہاں یہ قصیدہ نقل کیا ہے وہاں یہ شعر یوں درج کیا ہے ؎ میم حا میم دال می خوانیم نام او نامدار می بینیم

لیکن مرزا نے اپنے آپ کو اس بشارت کا مصداق ثابت کرنے کے لئے شعر کو یوں بدل دیا ؎

اح م و دال می خوانم نام او نامدار می بینم

مرزائیوں کے "سلطان القلم" نے شعر میں تصرف تو کیا لیکن تصرف و تحریف کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ مرزا اس رد و بدل کے وقت اتنا بھی احساس نہ کر سکا کہ اس سے شعر کا وزن درست نہ رہیگا۔ اس نے اپنی کم سوادی سے میم اور الف کو ہم وزن سمجھ لیا۔ مفصل بحث کے لئے "رئیس قادیاں" کا مطالعہ فرمایئے۔

آتھم سے مناظرہ پادریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے جواب میں قصبہ جنڈیالہ تحصیل امرتسر کے بعض مسلمان دین مسیحیت کی کمزوریاں دکھا دکھا کر پادریوں کے دانت کھٹے کرتے رہتے تھے۔ پادریوں نے تنگ آکر مسلمانان جنڈیالہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ مرزا غلام احمد اپنی صلیب شکنی کا ہمیشہ ڈھنڈورا پیٹا کرتا تھا۔ اس لئے اکثر عوام کے دلوں پر اس کے علمی کمالات کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس بنا پر مسلمانان جنڈیالہ نے مرزا کو اسلامی مناظر کی حیثیت سے کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔ کسی شخص نے مرزا کی الحاد پسندیوں پر اعتراض کیا تو کہنے لگے کہ مرزا اپنی ذات سے کافر و ملحد ہی کیوں نہ ہو مگر امید ہے کہ پادریوں کے مقابلہ

میں اسلام کی عزت رکھ لے گا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسلمانانِ جنڈیالہ کو ان کی خودرائی پر ملامت کی اور بتایا کہ مرزا میں اتنی استعداد نہیں ہے کہ وہ نصاریٰ کے مقابلہ سے عہدہ برآ ہوسکے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ قادیانی نے آج تک کس مخالف اسلام سے مباحثہ کرکے اس پر فتح حاصل کی۔ اس کی علمی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ کتاب "براہین احمدیہ" میں حقیقت اسلام کے تین سو دلائل پیش کروں گا مگر ایک دلیل کی بھی تکمیل نہ کرسکا۔ ہوشیارپور میں ایک آریہ سے مباحثہ کرکے بحث کو دو پرچوں میں محدود کردیا۔ اور نہ تو فریق مقابل کو باقی ماندہ دلائل پیش کرنے اور اپنی طرف سے ان کی تردید کرنے کا موقع دیا اور نہ اپنی طرف سے آریوں کے عقلی دلائل پیش کرکے ان کی تردید کی۔ اسی رسالہ میں تناسخ کی بحث کو چھیڑا مگر اس کو بھی ادھورا چھوڑ دیا۔" مسلمانان جنڈیالہ نے کہا کہ اگر قادیانی مناظرہ کا اہل نہیں ہے تو پھر دوسرا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک نہیں بلکہ لاہور، امرتسر اور دوسرے بلاد پنجاب میں بہت سے علماء ایسے موجود ہیں جو پہلے سے تقریراً و تحریراً پادریوں سے مناظرے کررہے ہیں ان میں سے کسی ایک کو انتخاب کرلو۔ دُور کیوں جاؤ میں خود اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ انشاء اللہ دیکھ لوگے کہ کس طرح پادریوں کا ناطقہ بند ہوتا ہے لیکن قادیانی پروپیگنڈے سے اثر پذیر ہونے کی وجہ سے حقیقت ناشناس مسلمانانِ جنڈیالہ پر مرزا کا جادو چل چکا تھا۔ انہوں نے مولوی صاحب کی ایک نہ سُنی اور مرزا ہی کو مناظر اسلام کی حیثیت سے پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہا۔ موضوع بحث پانچ مسائل قرار پائے (۱) حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں کون سا نبی اپنی کتاب اور نیز دوسرے دلائل سے معصوم ہے؟ (۲) ان دونوں میں سے کس بزرگ ہستی کو زندہ رسول کہہ سکتے ہیں جو الٰہی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے؟ (۳) ان میں سے کس کو شفیع کہہ سکتے ہیں؟ (۴) مسیحیت اور اسلام میں سے زندہ مذہب کونسا ہے (۵) انجیل اور قرآن کی تعلیمات میں سے کس کی تعلیم اعلیٰ و برتر ہے؟" مناظرہ تحریری قرار پایا۔ عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم پنشنر جو پہلے مسلمان تھا اور پھر کئی سال سے مرتد ہوگیا تھا مناظر قرار پایا۔
پندرہ دن تک مناظرہ ہوتا رہا لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کیونکہ فریقین اپنی اپنی فتح کا ڈنکا بجانے لگے۔ مولوی تاج الدین احمد صاحب پلیڈر لاہوری نے اس مناظرہ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کی اس عزت کو سخت چرکا لگایا ہے جو حافظ ولی اللہ مرحوم کے وقت سے پادریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حاصل تھی۔ حافظ ولی اللہ نے ان کو بالکل عاجز و لاجواب کررکھا تھا۔ اور وہ اسلام کی طرف سے سخت مرعوب تھے لیکن مرزا غلام احمد نے اس رعب کو دور کردیا ہے۔" اس مناظرہ کی ناکامی پر نہ صرف مسلمانانِ جنڈیالہ کو شرمسار ہونا پڑا بلکہ خود مرزا غلام احمد بھی نہایت خفیف ہوا کیونکہ وہ باوجود لمبے چوڑے دعووں کے ایک معمولی پادری کو بھی نیچا نہ دکھا سکا۔ اس لئے اس نے رفع خفت کے لئے ۵ جون ۱۸۹۳ء کو یعنی مناظرہ کے آخری دن بوقت اختتام جلسہ اپنے حریف مقابل مسٹر آتھم کے متعلق یہ پیشین گوئی بھرے جلسے میں بآواز بلند سنائی "اور آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کرسکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کررہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اس کو ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع

اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔ اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔ میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ روسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں۔ اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔" (جنگ مقدس)

خدا خدا کر کے سوا سال کی طویل مدت گزری اور لوگ یہ دیکھنے کے قابل ہوسکے کہ مرزا کی پیشین گوئی سچی نکلتی ہے یا جھوٹی معلوم ہوا ہے کہ جس تاریخ کو پندرہ مہینے کی میعاد ختم ہونے والی تھی اس رات قادیان میں کوئی مرزائی نہ سویا۔ مرزا اور مرزائی رات بھر سر بسجود رہے کہ الٰہی! طلوع آفتاب سے پہلے پہلے آتھم کا کام تمام کردے مگر خدائے غیور خانہ ساز مقدسین کی دعائیں قبول نہیں کرتا بلکہ انہیں عبرت روزگار بننے کے لئے ذلت و رسوائی کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔ سوا سال کی مقررہ میعاد گزر گئی مگر آتھم مذکور نہ مرا۔ اور پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔ مرزا کا بری طرح مذاق اڑایا گیا۔ اور مرزائیوں کی بڑی رسوائی ہوئی۔ تفصیل کے لئے کتاب "رئیس قادیان" کا مطالعہ فرمایئے۔ جب یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی تو مرزائی حلقوں میں اضطراب و خلفشار کی لہر دوڑ گئی۔ جو مرزائی بڑھ بڑھ کر باتیں بنایا کرتے تھے وہ شرم کے مارے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ سردار محمد علی مالیر کوٹلوی جیسے مرزائی شاید اس بنا پر کہ آئندہ چل کر مرزا غلام احمد نے اپنی آٹھ نو سال کی بچی مبارکہ بیگم اس کے حبالۂ ازدواج میں دیکر داماد بنایا نواب محمد علی خاں کہا کرتے ہیں سب سے زیادہ پریشان اور حواس باختہ دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اس موقع پر اضطراب آفرین لیکن نہایت دلچسپ چھٹی مرزا غلام احمد کے نام لکھی وہ کتاب "رئیس قادیان" میں آپ کی نظر سے گذریگی مرزا نے اس چھٹی کے جواب میں سردار محمد علی کو جو خط لکھا اس میں مرقوم تھا۔ آتھم کے زندہ رہنے کے بارے میں میرے دوستوں کے بہت خط آئے لیکن یہ پہلا خط ہے جو تذبذب اور تردد اور شک اور سوء ظن سے بھرا ہوا تھا۔ بعض لوگوں نے اس موقع پر نئے سرے سے بیعت کی ہے بہر حال آپ کا خط پڑھنے سے آپ کے ان الفاظ سے بہت ہی رنج ہوا جن کے استعمال کی ہرگز امید نہ تھی۔ (مکتوبات احمدیہ) آتھم کے مناظرہ کے بعد مرزا نے مولوی عبدالحق غزنوی سے امرتسر میں مباہلہ کیا۔ اس کی کیفیت اور انجام معلوم کرنا ہو تو کتاب "رئیس قادیان" کی طرف رجوع فرمایئے۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے مناظرہ سے مرزا نے جو شاندار پسپائی اختیار کی اس کی کیفیت بھی آپ کو اسی کتاب میں ملے گی ۔

پنڈت لیکھرام کا قتل

تقدس کے دکاندار اپنی پیشین گوئیوں میں قرائن حالیہ سے بہت کام لیتے ہیں اگر قرینہ حسب توقع انجام پذیر ہوا تو اپنی صداقت کا ڈنکا بجانے لگتے ہیں اور اگر خلاف مدعا ظاہر ہوا تو تاویل کاریوں اور سخن سازیوں کا دروازہ تو ان کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹوں کو آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ زندگی کا بیمہ کرانے والے کا ڈاکٹری معائنہ کراتے ہیں اور اس کی جسمانی حالت اور عمر کا لحاظ کر کے تخمینہ سے کہہ دیتے ہیں کہ تم اتنی مدت کے اندر نہیں مروگے

اور اگر مر جاؤ تو ہم اتنے ہزار روپیہ تمہارے ورثاء کی نذر کریں گے۔ پھر جتنی رقم اور مدت کا بیمہ ہوتا ہے اس سے اتنے سال تک کچھ معین رقم سالانہ یا ماہانہ وصول کرتے رہتے ہیں اس طرح بیمہ کمپنیاں قرائن داخلیہ و خارجیہ کا لحاظ کر کے عموماً کامیاب ہوتی ہیں اور کروڑوں روپیہ اسی ترکیب سے کماتی ہیں۔ مرزا بھی قرائن حالیہ کو دیکھ کر پیشین گوئیاں کر دیتا تھا۔ اگر وہ قرینہ صحیح اترتا تو اپنی عظمت و کبریائی کا نقارہ بجانے لگتا ورنہ تاویل کاری اور سخن سازی کا مرزائی میدان تو اتنا وسیع تھا کہ شاید عالم خیال کے جولانگاہ کو بھی اتنی وسعت نصیب نہ ہوگی ان ایام میں برگشتہ بخت لیکھرام کے بہیمی جذبات کا یہ عالم تھا کہ وہ برسر عام پاکوں کے سردار سیدنا احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کر رہا تھا اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو اس ابلیسانہ حرکت پر سینہ ریش نہ ہو جس طرح ۱۹۲۷ء میں پنجاب کے ہر مسلمان کو یقین تھا کہ راجپال جلد یا دیر میں ضرور قتل ہوگا اسی طرح ۱۸۹۲ء کے اواخر اور ۱۸۹۳ء کے اوائل میں ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ کسی نہ کسی با حمیت اور غیرت مند مومن کی چھری لیکھرام کو ضرور پیام ہلاکت سنائے گی۔ یہ حالت دیکھ کر مرزا غلام احمد نے ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء کو پیشین گوئی کر دی کہ لیکھرام آریہ چھ برس کے اندر اپنی بدزبانیوں کی سزا میں یعنی ان بے ادبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی ہیں عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ (ضمیمہ کمالات) جب یہ پیشین گوئی شائع ہوئی تو لیکھرام نے کہا کہ یہ پیشین گوئی میرے قتل کرانے یا زہر دلانے کا منصوبہ ہے۔ اس کے بعد پنڈت نے مرزا غلام احمد کو لکھا کہ میں قتل وغیرہ کی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرتا۔ اگر سچ مچ تمہارے اندر کوئی جوہر ہے تو اس قسم کا کوئی معجزہ دکھا کر مجھے قائل کرو مثلاً (۱) ایک ماہ تک اپنے الہامی خدا سے سنسکرت کی تعلیم حاصل کر کے لکچر اور وعظ کرنا سیکھو اور آریہ سماج کے مشہور پنڈت دیو دت اور شام کرشن کے ساتھ شاستر ارتھ کر کے فتح حاصل کرو یا اس قسم کا کوئی اور معجزہ دکھا دو۔ اگر کوئی معجزہ دکھا سکو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ ورنہ میں کسی حالت میں تمہاری چالوں میں نہیں آ سکتا۔" اس کے جواب میں لیکھرام کو ایک سرخ چٹھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا "بخدمت پیشوائے گمراہاں افتخار ہنوداں پنڈت لیکھرام مادام فی النار والسقر و غضب اللہ مثل کلب ناپاک بکدام اسلحہ شمارا خواہند کشت۔ پس بہ نہایت ذلت ہنوداں شمارا بر چہار چوب برداشتہ کہ اول درجہ علامت غضب الٰہی است در آتش دنیا خواہند سوخت۔ پنڈتا! شنیدہ باشید کہ شخصے شیر علی نام گورنر جنرل صاحب بہادر را بے جرم کشتہ بود۔ پس شما چہ منصب و لیاقت دارید کہ بشما آنچناں پے در پے نخواہند کشت (آریہ مسافر لاہور) الغرض مرزائی پیشین گوئی کے چار سال بعد یعنی ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو پنڈت لیکھرام کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔" مرزا نے تو لیکھرام کے قتل کی مدت بڑی لمبی چوڑی رکھی تھی اور قتل ہوتے ہوتے بھی اس نے چار سال لگا دیئے لیکن دھرم پال کی ہلاکت کے متعلق بیسیوں مسلمانوں نے مدت قلیل کی پیشین گوئیاں کر رکھی تھیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ مرزائی لوگ قتل لیکھرام کی مرزائی پیشین گوئی پر بہت اترایا کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ اس پیشین گوئی میں کوئی جدت نہیں تھی۔ قرائن عالیہ کو دیکھ کر تو زید عمرو بکر ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے اس سے قطع نظر آریوں نے بوثوق اعلان کیا تھا کہ مرزا غلام احمد ہی نے پنڈت لیکھرام کو قتل کرایا ہے۔ اور وہ بھی اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔ چنانچہ وہ برملا کہتے تھے کہ ہم مرزا سے اس کا انتقام لیں گے۔ اخبار آفتاب ہند کے ایک نامہ نگار نے لکھا "مرزا قادیانی خبردار۔ مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے۔ بکرے کی ماں

کب تک خیر منا سکتی ہے۔ جب اس قسم کے مضامین کی بنا پر مرزا کو اپنی جان کا خطرہ ہُوا تو اُس نے حکومت پنجاب کے نام ایک درخواست بھیج کر اس سے حفاظت جان کی درخواست کی (دیکھو تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد جلد ۱۰ صفحہ ۳۸) پنڈت لیکھرام کے واقعۂ قتل اور نتائج مابعد کی نہایت دلچسپ تفصیلات کے لئے کتاب "رئیس قادیان" کی طرف رجوع کیجئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ کو دعوت مبارزت

مرزائیت کی تردید میں آج تک جو ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں ان میں شاید سب سے پہلی کتاب "شمس الہدایہ" تھی جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے جو علم حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری مرحوم کے شاگرد ہیں آج سے تقریباً چالیس سال پہلے زیب رقم فرمائی۔ اس کتاب میں مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو اس طرح منقح کیا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مرزائی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا نے اپنے حواری خاص مولوی محمد احسن امروہی سے اس کا جواب بنام "شمس بازغہ" لکھوا کر شائع کیا۔ حضرت پیر صاحب نے "شمس بازغہ" کی تردید میں کتاب "سیف چشتیائی" لکھی۔ یہ کتاب آج تک کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے لیکن گذشتہ ۳۸ سال کی طویل مدت میں اُمت مرزائیہ کو اس کا جواب لکھنے کا حوصلہ نہیں ہُوا جب کتاب "سیف چشتیائی" نے مرزائیت کے سارے بخیئے اُدھیڑ دیئے اور مرزائیت کا جنازہ ذلت و رسوائی کے بحر ظلمات میں ڈوبتا نظر آیا تو مرزا غلام احمد نے اس تن مُردہ میں از سر نو زندگی کی رُوح پھونکنی چاہی چنانچہ اس کوشش میں ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو ایک مطبوعہ اعلان میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اور ہندوستان بھر کے دوسرے چھیاسی علمائے کرام و صوفیائے عظام کو لاہور آ کر مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ اور لکھا کہ "مہر علی شاہ صاحب اپنی رسمی مشیخت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلۂ آسمانی کو مٹا دیں۔ اس غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں وہ اپنی کتاب کے ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوگا حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور ناحق نزول کے لفظ کے الٹے معنے کرتے ہیں اگر مہر علی شاہ صاحب اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لئے ایک سہل طریق پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ پیر صاحب میرے مقابل سات گھنٹہ تک زانو بہ زانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی میں تفسیر لکھیں جو تقطیع کلاں کے بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر دونوں تفسیریں تین عالموں کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سنائی جائیں جس کی تفسیر کو وہ حلفاً پسند کریں وہ مؤیّد من اللہ سمجھا جائے مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اس خدمت کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبد الجبار غزنوی امرتسری اور مولوی عبد اللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کر لیں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ اگر پیر صاحب کی تفسیر بہتر ثابت ہوئی تو میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اپنے دعووں کے متعلق ہیں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا اور اگر وہ مقابلہ میں مغلوب ہو گئے یا انہوں نے مباحثہ سے انکار کر دیا تو ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں۔ میں مکرر لکھتا ہوں کہ پیر صاحب مباحثہ میں

بالکل ناکام رہیں گے بلکہ مباحثہ کے لئے لاہور ہی نہیں آئیں گے۔ اور میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصوّر ہوگا جبکہ پیر مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذلیل اور قابلِ شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی نہ لکھ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہلِ علم تھوکیں اور نفرت کریں کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر پیر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں مومن مستجاب الدعوات جانتے ہیں تو وہ بھی ایسی ہی دعا کریں اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مامور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لئے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔

یاد رہے کہ مقامِ بحث بجز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا۔ اگر میں حاضر نہ ہُوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس کے افسر بلا لئے جائیں گے۔ اور لعنت ہو اس پر جو تخلف یا انکار کرے" مرزا کو پورا اطمینان تھا کہ پیر صاحب جو نہایت معمور الاوقات اور عزلت گزیں بزرگ ہیں اور ذکرِ الٰہی ان کا دن رات کا مشغلہ ہے مناظرہ کے لئے ہرگز نہیں آئیں گے اور مریدوں کے سامنے یہ شیخی بگھارنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب گولڑوی جیسا فاضل اجل جس کے لاکھوں مرید ہیں میرے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ دیکھ کر مرزا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پیر صاحب نے سچ مچ اس چیلنج کو منظور کر لیا اور ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو لکھ بھیجا کہ "مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار آج ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو نیاز مند کی نظر سے گذرا۔ خاکسار کو دعوت حاضری جلسہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب منظور ہے لیکن درخواست یہ ہے کہ میری بھی ایک گذارش کو شرائط مجوزہ کے سلک میں منسلک فرما لیا جائے اور وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب اجلاس میں پہلے اپنی مسیحیت و مہدویت کے دلائل پیش کریں اور میں مرزا صاحب کے دلائل کا جواب دُوں" اگر مرزا صاحب کے تجویز کردہ تینوں حَکم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ مرزا صاحب اپنے دعوٰی کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا سکے تو وہ میرے ہاتھ پر توبہ کریں۔ میں اپنی طرف سے تاریخ مناظرہ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں ازراہ کرم آپ تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ جائیے۔ لاہور امرتسر اور بعض دوسرے مقامات کے علما کو ہم خود جمع کر لیں گے۔ دوسرے علماء کے جمع کرنے کا ہم ذمہ نہیں لے سکتے" الغرض جب تمام مراحل طے ہو گئے تو حضرت پیر صاحب بروز جمعہ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں سے اکثر کے نام مرزا کی فہرست میں درج تھے لاہور تشریف لے آئے۔ مناظرہ لاہور کی شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ قادیانی بھی وقت معہودہ پر پہنچ جائیگا مگر اسے حق کے رعب نے مقابلہ پر آنے کی اجازت نہ دی۔ البتہ اس کی جگہ ایک مطبوعہ اشتہار لاہور میں تقسیم کرا دیا کہ "پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے"! واقعی یہ بھی مسیح قادیاں کا ایک معجزہ تھا کہ قادیاں سے قدم باہر رکھنے کی تو خود جرأت نہ ہوئی اور مقابلہ سے راہِ فرار پیر صاحب نے اختیار کی۔ اور صرف یہی نہیں کہ پیر صاحب کی ہزیمت و فرار کے اشتہاران کی مراجعت کے بعد شائع کئے گئے ہوں بلکہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ جب یوم مباحثہ کی صبح کو پیر صاحب اور دوسرے لوگ شاہی مسجد کی طرف جا رہے تھے تو راستہ میں ہر جگہ نہایت جوب قلم اشتہارات لاہور کی دیواروں پر چسپاں پائے گئے جن کا یہ عنوان تھا "پیر مہر علی کا فرار" جو لوگ پیر صاحب کو بچشم خود لاہور میں دیکھ رہے تھے وہ بزبانِ حال کہہ رہے تھے ع

این چہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب؟

آخر جب پیر صاحب ۲۹ اگست کے روز بعد انتظار بسیار لاہور سے مراجعت فرما ہوئے تو مرزا کا ایک زرد رنگ اشتہار جو زبانِ حال مرزائی ہزیمت اور زرد روئی کی شہادت دے رہا تھا بلا تاریخ نکلا جس میں لکھا تھا کہ پیر صاحب نے ہمارا طریق فیصلہ منظور نہ کیا اور چال بازی کی ۔ اس کے بعد ایک اور اعلان بھی شائع کیا جس کا عنوان "آخری حیلہ" تھا۔ گو اس اشتہار پر تاریخ طبع ۲۸ درج تھی لیکن یہ لاہور میں پیر صاحب کی مراجعت کے کئی دن بعد تقسیم ہُوا۔ اس میں لکھا تھا "اب مجھے معلوم ہُوا ہے کہ لاہور کے گلی کوچوں میں پیر صاحب کے مرید اور ہم مشرب شہرت دے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالمقابل تفسیر لکھنے کے لئے لاہور میں پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا حالانکہ یہ تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں بلکہ خود پیر صاحب بھاگ گئے ہیں۔ میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سُنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پٹھان پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو اس صورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے۔ اس فتنہ اور اشتعال کے وقت میں بجز شہر کے رئیسوں کی پوری طرح کی ذمہ داری کے لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص ۱۳۹ - ۱۴۲) اس اعلان کے متعلق منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ لاہور نے جو سالہا سال تک مرزائی رہنے کے بعد مرزائیت سے تائب ہوئے تھے کتاب "عصائے موسیٰ" میں لکھا: "جب مرزا صاحب لاہور آنے سے ایسے ہراساں و ترساں تھے تو اوّل خود ہی اشتہار دے کر اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالا؟ مرزا صاحب نے خود ہی تو تمام دنیا کو مقابلہ کے لئے بلایا اور اشتہار پر اشتہار شائع کئے اور جب آپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت پیر صاحب اور دوسرے حضرات جمع ہوئے تو فرمانے لگے کہ ایسے مجمع میں جانا تو گویا آگ میں کود پڑنا ہے۔ ذرا غور کرو کہ اللہ کے مرسل تو سچ مچ دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیئے گئے لیکن حافظِ حقیقی نے انہیں ہر طرح سے محفوظ رکھا لیکن آپ محض خیالی اور مجازی آگ میں قدم رکھنے سے بھی ڈر گئے جو خود بدولت ہی کی سلگائی ہوئی تھی۔ سچا مومن تو خیر الحافظین کے حفظ و امن اور اس کی نصرت بخشیوں کا بھروسہ کر کے ہر خطرے کا مقابلہ کرتا ہے لیکن منافق لوگ اس طرف قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

گو مرزا صاحب کو لاہور آنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن ہر کس و ناکس کو مرزا صاحب کے اس قول کی تصدیق ہو گئی کہ اگر میں حاضر نہ ہُوا تب بھی کاذب سمجھا جاؤں گا (عصائے موسیٰ صفحہ ۱۲۴) اس کے بعد مرزا نے اپنے رسالہ اربعین کے نمبر ۴ میں شکوہ کیا کہ پیر صاحب نے اپنے جوابی اشتہار میں تحریری مقابلہ سے پہلے نصوص قرآن و حدیث کے رُو سے مباحثہ کئے جانے کی کیوں خواہش کی؟" افسوس مرزا نے یہ شکایت کرتے وقت اتنا انصاف نہ کیا کہ انہوں نے خود ہی تو پیر صاحب کو علم قرآن و حدیث سے بے بہرہ بتایا تھا اور ان کی کتاب "شمس الہدایہ" کو جو مرزائیت شکنی میں بہترین کتاب ہے ذخیرۂ لغویات قرار دیتے ہوئے ان سے رفع و نزول مسیح علیہ السلام کے دلائل پیش کرنے کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ پیر صاحب شمس الہدایہ میں اس کے بیسیوں دلائل پیش کر چکے تھے۔ پس اگر پیر صاحب نے تفسیر نویسی کے مقابلہ سے پہلے مرزائی کھروی اور رفع و نزول مسیح علیہ السلام کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کے لئے تھوڑے سے زبانی مناظرہ کی بھی خواہش کی تو کیا بیجا کیا؟ اور پھر

کہ جب مرزاجی نے حضرت پیر صاحب کے مطالبہ کو شرف قبول نہ بخشا تو پیر صاحب نے بھی اس پر کچھ اصرار نہ فرمایا تھا بلکہ مرزا کی دس شرطوں کو ہی قبول فرما کر مقابلۂ تفسیر نویسی کے لئے لاہور تشریف لے آئے تھے اور پیر صاحب کے اشتہار مؤرخہ ۱۲ر اگست سنہ ۱۹۰۰ء میں مرزا کے تمام شرائط منظور ہو کر ۲۵ر اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو جانبین کا لاہور پہنچ جانا قرار پا چکا تھا جس کے لئے مرزا کے پاس بشرط انصاف و دیانت کسی عذر خواہی اور حیلہ گری کی گنجائش نہ تھی (عصائے موسیٰ) بہر حال مرزا کی اس شاندار پسپائی نے قادیاں کے خلاف شکنجہ ملامت کے بہت سے پیچ کس دئے اور مرزائیوں کے لئے گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ ۲۸ر اگست کے اشتہار میں تو مرزا نے لکھا تھا کہ میں نے سرحدی پٹھانوں کے خوف سے لاہور کا رُخ نہیں کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد رسالہ اربعین میں یہ لکھ مارا کہ اگر پیر مہر علی شاہ صاحب منقولی مناظرہ اور اپنی بیعت کی شرط پیش نہ کرتے تو اگر لاہور اور قادیاں میں برف کے پہاڑ بھی ہوتے اور جاڑے کے دن ہوتے تو میں تب بھی لاہور پہنچتا۔ اور ان کو دکھلاتا کہ آسمانی نشان اس کو کہتے ہیں (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۴)

اس کے بعد ۱۵ر دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کو مرزا یوں شکوہ سنج ہوا کہ باوصف اس کے کہ اس معاملہ کو دو مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر اب تک پیر مہر علی شاہ کے متعلقین سب و شتم سے باز نہیں آتے اور ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں پیر مہر علی شاہ کو آسمان پر چڑھایا ہوتا ہے اور مجھے گالیاں دی ہوتی ہیں۔ اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مہر علیشاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لئے صعوبت سفر اٹھا کر لاہور میں پہنچے مگر یہ شخص اس بات پر اطلاع پا کر کہ درحقیقت وہ بزرگ نابغۂ زمان اور سحبان دوران اور علم معارف قرآن میں لاثانی روزگار ہیں اپنے گھر کی کسی کوٹھری میں چھپ گیا ورنہ حضرت پیر صاحب کی طرف سے معارف قرآنی کے بیان کرنے اور زبان عربی کی بلاغت دکھلانے میں بڑا نشان ظاہر ہوتا (ضمیمہ اربعین نمبر ۳ و ۴ ص ۱۴-۱۵) بہر حال مرزا نے مقابلہ سے فرار کرنے کے متعلق اپنی طرف سے دوگونہ معذرتیں پیش کیں جو اوپر درج کی گئی ہیں۔ لیکن عجب نہیں کہ اس کی ایک تیسری وجہ بھی ہو۔ اور شاید وہی حقیقی وجہ ہو جو خود تقدس مآب مرزا غلام احمد نے ضمیمہ تحفۂ گولڑویہ (طبع سوم کے صفحہ ۱۳) میں لکھی ہے کہ "میدان میں نکلنا کسی مخنث کا کام نہیں"۔ مگر یاد رہے کہ میں مرزا کو خدانخواستہ مخنث باشتعال نہیں کہتا۔ بلکہ "شیر" سمجھتا ہوں جو اپنے "شکار" پیر صاحب پر حملہ کرنے کے لئے ڈکارتا ہوا قادیان سے لاہور آ پہنچا تھا۔ چنانچہ خود "شیر قادیاں" لکھتا ہے "اس وقت مہر علی شاہ کہاں ہے جس نے گولڑہ کو بدنام کیا؟ کیا وہ مُردہ ہے جو باہر نہیں نکلے گا؟ اور شیر تو ضرور نعرہ مارتا ہے (اعجاز احمدی مؤلفہ مرزا غلام احمد صفحہ ۴۹) بعض لوگ تقدس مآب مرزا غلام احمد کے شیر ہونے سے انکار کرتے ہوئے اسے شیر قالین قرار دینگے لیکن میں ایسے لوگوں سے متفق نہیں ہوں۔ اگر وہ حقیقی شیر غرّاں نہیں تھا تو کم از کم چیلنج دینے کا تو شیر تھا۔ اس لئے وہ شیر کا شیر رہا شیر قالین نہ ہُوا۔ اصل یہ ہے کہ مرزا غلام احمد ذرّہ بے قدر اور مور بے مایہ ہونے کے باوجود پہاڑ سے ٹکرانے لگتا تھا۔ اور جب لہولہان اور بدحال ہو کر گر پڑتا تو دل میں عہد کرتا کہ اب کسی بڑے پہلوان سے مبارزت خواہ نہ ہونگا۔ لیکن جب اپنا وحی رساں "ٹیچی ٹیچی" آکر ایک معبود نما جلوہ دکھاتا تو مقابلہ کی از سر نو تحریک ہوتی اور خم ٹھونک کر دوبارہ آ موجود ہوتا۔ ؎

شب زمے توبہ کنم از بیم نازِ شاہداں ۔۔۔ بامداداں روئے ساقی باز در کار آورد

حضرت پیر صاحب کے مقابلہ میں مرزا کو جو زخم آئے ان کو دو مہینہ تک سینکتا رہا۔ آخر جب زخم اچھے ہو گئے تو پیر صاحب سے

ازسرنو مقابلہ کی خواہش کا اظہار کرنے لگا اور لکھا کہ اگر کشتی دو پہلوانوں کی مشتبہ ہو جائے تو دوسری مرتبہ کرائی جاتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک فریق تو دوبارہ کشتی کے لئے (قادیاں کے کونے میں دبکا) کھڑا ہے اور دوسرا جو جیتا ہے وہ مقابلہ پر نہیں آتا (ضمیمہ اربعین نمبر ۳ و ۴ ص ۱۴) لیکن اگر وہ بیچارہ کسی حقیقی پہلوان ہی سے پوچھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ غالب اپنے مغلوب پہلوان سے دوبارہ کشتی نہیں لڑا کرتا۔ اور مغلوب بھی وہ جس کا چیلنج محض نمائشی ہو۔ اگر کبھی کوئی سچ مچ سامنے آ موجود ہو تو گھر کے دروازے بند کر کے کسی کونے میں جا چھپے۔

افسوس کہ میں قلت گنجائش کی وجہ سے بیسیوں اہم واقعات قلم انداز کرنے پر مجبور ہوں جو صاحب مسیح قادیاں کی اعجوبۂ روزگار شخصیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنا چاہیں وہ خاکسار راقم الحروف کی کتاب "رئیس قادیان" کی طرف رجوع فرمائیں۔

مسیح قادیاں کی عربی دانی مرزا غلام احمد کو عربی ادب و شعر گوئی کا پرٗ نوچنے میں بڑا کمال تھا۔ بلکہ یہ کمال اعجازی درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ مرزا کی عربی زبان اس قدر لچر ہے کہ اس کے پڑھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علماء اس کی عربی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالتے رہے مگر نصف صدی کا طویل زمانہ گذر جانے کے باوجود یہ سلسلہ ہنوز منقطع نہیں ہوا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ مرزا کو نے اپنے مسیح کو الٹا "سلطان القلم" کا لقب دے کر علم و ادب کا منہ چڑایا ہے۔ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی شاید سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے مرزا کی عربی تحریروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ انہوں نے سب سے پہلے مرزا کی کتاب "دافع وساوس" کا مطالعہ کیا اور اس میں چھیاسٹھ غلطیاں نکال کر شائع کیں۔ مرزا نے ان اغلاط کو صحیح ثابت کرنے کے بجائے حسب عادت گالیاں دے کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا۔ جو صاحب اس فہرست اغلاط کے دیکھنے کے شائق ہوں وہ رسالہ اشاعۃ السنہ (جلد ۱۵ ص ۳۱۶ - ۳۲۸) کا مطالعہ فرمائیں۔ مولوی محمد حسین تو ایک بڑے فاضل تھے وہ اس کی عربی تحریروں میں سیکڑوں ہزاروں غلطیاں نکال سکتے تھے مگر بعض غیر علماء بھی اس فرض کی انجام دہی سے قاصر نہ تھے۔ چنانچہ رسالہ "کرامات الصادقین" کے متعلق مرزا نے اعلان کیا کہ جو شخص اس میں سے کوئی غلطی نکالے گا اسے فی غلطی پانچ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بابو احمد الدین کلرک محکمہ انکم ٹیکس سیالکوٹ جنہوں نے محض الف اے یا بی اے کلاس کی عربی تعلیم حاصل کی تھی اس خدمت پر کربستہ ہوئے۔ اور رسالہ کے چند ابتدائی صفحات کو سرسری نظر سے دیکھ کر جھٹ گیارہ غلطیاں نکالیں اور بذریعہ چٹھی بھیج کر پچپن روپے انعام کا مطالبہ کیا۔ لیکن مرزا نے نہ صرف وعدۂ انعام کا ایفا نہ کیا بلکہ ایسی چپ سادھی کہ گویا اس قسم کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا تھا۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۵ اگست ۱۹۱۶ء) بابو احمد الدین نے وہ غلطیاں اخبار "وزیر ہند" سیالکوٹ مورخہ ۸ اگست ۱۸۹۴ء میں چھپوا دیں۔ اس پر مرزا غلام احمد اور اس کے پیروؤں کو بہت خفت اٹھانی پڑی (اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ ص ۵۳) اسی طرح مولوی عبدالعزیز صاحب پروفیسر مشن کالج پشاور نے بڑے طمطراق سے رسالہ کرامات الصادقین کی غلطیاں نکالیں مگر مرزا نے ان کو بھی کچھ انعام نہ دیا۔ جو حضرات ان اغلاط کے دیکھنے کے خواہشمند ہوں وہ جریدۂ "اہل حدیث" کی ۲۱ جولائی ۱۹۱۶ء اور ۲۸ جولائی ۱۹۱۶ء کی اشاعتوں کا مطالعہ فرمائیں۔ مرزا نے ۲۲ فروری ۱۹۰۱ء کو رسالہ "اعجاز المسیح" جس میں سخت ملحدانہ انداز میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی شائع کیا۔ اور اسے قرآن پاک کی طرح معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا مرزائیوں نے اس کی اشاعت پر بڑا واویلا مچایا اور کہا کہ قرآن کے بعد اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ علمائے امت نے فرمایا کہ دعوائے اعجاز تو چھوٹا منہ بڑی بات ہے اس کی عبارت

تک درست نہیں۔" حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے کتاب "سیف چشتیائی" میں نہ صرف "اعجاز المسیح" کی غلطیوں کے انبار لگا کر مرزائیوں کی حماقت ظاہر کی بلکہ یہ بھی دکھا دیا کہ "سلطان القلم" صاحب نے کس کس کتاب سے کیا کیا عبارتیں چرائی ہیں؟ جو صاحب ان اغلاط و مسروقات کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب "سیف چشتیائی" (صفحات ۷۰-۸۰) کی طرف رجوع فرمائیں۔ حضرت پیر صاحب کو اس تنقید کے "انعام" میں بارگاہ قادیاں سے یہ "اعزاز" بخشے گئے: "نادان، چور، کذاب، نجاست خور وغیرہ" (نزول المسیح مؤلفہ مرزا غلام احمد ص ۷۰) جاہل بے حیا، سرقہ کا الزام دیتا تو گوہ کھاتا ہے (نزول المسیح ص ۶۳) اے جاہل بے حیا! اول عربی بلیغ فصیح میں کسی سورہ کی تفسیر شائع کر پھر حق حاصل ہوگا کہ میری کتاب کی غلطیاں نکالے یا مسروقہ قرار دے (نزول المسیح ص ۶۳) غرض مرزا نے "نزول المسیح" کے بیس صفحے (۶۲-۸۱) صرف حضرت پیر صاحب کے خلاف دریدہ دہنی کرنے کے لئے وقف کر دیئے ہیں یاد رہے کہ مولوی محمد حسن صاحب فیضی نے جو موضع بھین ضلع جہلم کے رہنے والے تھے رسالہ "اعجاز المسیح" کے مقابلہ میں اس سے ہزار درجہ بہتر اور فصیح و بلیغ کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ مرزائیت کی پامالی میں جو شاندار کارنامے فیضی صاحب سے عرصہ ظہور میں آئے انہیں "رئیس قادیاں" میں ملاحظہ فرمایئے۔ ۲۹-۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو موضع مُدّ ضلع امرتسر میں مرزائیوں سے اہل حق کا ایک مناظرہ ہوا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزائیت کو ایسی بُری طرح پامال کیا کہ مرزائی لوگ اس کی تلخی آج تک محسوس کر رہے ہیں مرزائی مناظر نے جس کا نام سرور شاہ تھا کتاب "اعجاز المسیح" کو مرزائی معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا لیکن مولوی ثناء اللہ نے یہ ثابت کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیا کہ اس میں بے شمار اغلاط و مسروقات ہیں تا بہ اعجاز چہ رسد۔ جب شکست خوردہ مرزائی مناظر نے قادیان پہنچ کر اپنی دردناک داستانِ ہزیمت مرزا کو سنائی تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور بزعم خود مولوی ثناء اللہ کے دانت کھٹے کرنے کے لئے ایک رسالہ بنام "اعجاز احمدی" جس میں کچھ اردو نثر اور کچھ عربی نظم تھی لکھا اور مولوی ثناء اللہ کو چیلنج دیا کہ اگر اسی ضخامت کا ایک رسالہ پانچ دن میں لکھ دکھاؤ تو تم کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔" اس رسالہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ دیا گیا تھا اسی طرح رسالہ "اعجاز احمدی" میرا معجزہ ہے حالانکہ اگر اس میں کوئی اعجازی شان پائی جاتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جواب کے لئے وقت کی تحدید کی جاتی اور قرآن کی طرح صلائے عام نہ دیا جاتا کہ قیامت تک جو شخص بھی چاہے اس کی مثل پیش کرے۔ اس چیلنج کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار میں مرزا سے مطالبہ کیا کہ پہلے تم ایک مجلس منعقد کرو جس میں میں اس قصیدے کی صرفی نحوی عروضی ادبی غلطیاں پیش کروں گا اگر تم ان غلطیوں کا جواب دے سکے تو پھر میں زانو بزانو بیٹھ کر تم سے عربی نگاری کا مقابلہ کروں گا۔ یہ کیا مضحکہ خیز حرکت ہے کہ خود تو کسی بڑی مدت میں کوئی مضمون لکھو اور اپنے مخاطب کو کسی محدود وقت کا پابند بناؤ۔ اگر تم مؤید من اللہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ میرے مقابلہ میں برسر میدان طبع آزمائی نہ کرو۔" مگر مرزا نے اس مطالبہ کا کچھ جواب نہ دیا اور ایسی چپ سادھی کہ گویا سانپ سونگھ گیا۔ بہرحال یہ رسالہ بھی رسالہ "اعجاز المسیح" کی طرح اغلاط سے مملو ہے ہاں اگر اس کو اس لحاظ سے معجزہ و بے مثل کہیں کہ مہمل نگاری میں دنیا کے اندر اس کی کوئی مثل نہیں تو اس کے اعجاز سے کسی کو انکار نہ ہوگا جو حضرات "اعجاز احمدی" کے اغلاط دیکھنا چاہیں وہ کتاب "الہامات مرزا" (صفحات ۹۸-۱۰۲) کا مطالعہ فرمائیں۔ قرۃ العین کے کلام کا نمونہ کسی گذشتہ باب میں معرض تسوید میں آچکا ہے باوجودیکہ وہ بھی مرزا کی طرح باطل کی پیرو تھی مگر جہاں مرزا کا قصیدہ "اعجازیہ" پڑھنے سے دل میں سخت تکدر اور انقباض

پیدا ہوتا ہے وہاں قرۃ العین کا قصیدہ پڑھتے وقت ایک روحی لذت محسوس ہوتی ہے "قصیدۂ اعجازیہ" میں بھی دوسری مرزائی تالیفات کی طرح گالیوں کی بھرمار ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھیڑیا، کُتّا، کمینہ، جھوٹا، کِرم وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے اس نام نہاد قصیدہ کے مقابلہ میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم سابق پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور جو پہلے ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے ایک قصیدہ بنام "قصیدہ رائیہ" شائع کیا جس کے ۴۲، اشعار نمونۃً کتاب "الہامات مرزا" (ص ۱۰۳-۱۰۵) میں نقل کئے گئے ہیں "اعجاز احمدی" کے جواب میں مولانا غنیمت حسین صاحب مونگیری نے بھی ایک کتاب "ابطال اعجاز مرزا" دو حصوں میں لکھی۔ پہلے حصہ میں مرزائی نظم کے اغلاط ظاہر کئے اور دوسرے حصہ میں ساڑھے سو اشعار کا نہایت فصیح و بلیغ عربی قصیدہ لکھا۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے اور پنجاب میں بعض حضرات کے پاس موجود ہے۔ مولانا اصغر علی صاحب روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے بھی "اعجاز احمدی" کے جواب میں ایک قصیدہ شائع کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا ؎

تسیر الی ربع الحبیب الرواحل ۔ فیالک شوقاً ھیجتہ المنازل

اونٹنیاں منزلِ حبیبؐ کی طرف جا رہی ہیں ۔ اللہ رے وہ شوق جس کو منازل نے ابھارا ہے

اسی طرح ایک قصیدہ مولوی محمد حسن فیضی مرحوم متوطن موضع بھین ضلع جہلم نے بصنعتِ غیر منقوط شائع کیا یعنی اس قصیدہ کے کسی لفظ میں کوئی نقطہ دار حرف نہیں تھا۔ جو صاحب اس قصیدہ کا نمونہ دیکھنا چاہیں وہ رسالہ "تازیانۂ عبرت" (ص ۴۲-۴۳) کی طرف رجوع فرمائیں فیضی صاحب کا قصیدہ انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہوار رسالہ میں شائع ہوا تھا لیکن مرزا کی مجال نہیں تھی کہ اس کے مقابلہ میں ایک غیر منقوط فصیح و بلیغ شعر لکھ کر ہی دکھا دیتا۔ یہاں یہ بتا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سید رشید رضا ایڈیٹر المنار قاہرہ نے مرزا کی عربیت کا مذاق اڑایا تھا۔ مرزا نے اس کا جس شکل میں انتقام لیا وہ مرزائی تہذیب کا روشن ترین مرقع ہے۔ اس مرزائی عفونت نگاری کی دلچسپ تفصیل کتاب "رئیس قادیان" میں آپ کی نظر سے گذرے گی۔ ایک مرتبہ مولانا اصغر علی صاحب روحی نے مرزا کی بعض عربی کتابوں میں سے شرمناک قسم کی غلطیاں نکال کر مرزا کو لکھ بھیجی تھیں مرزا نے اخبار الحکم قادیان میں یہ لکھ کر مولوی صاحب سے پیچھا چھڑایا کہ نہ میں عربی کا عالم ہوں اور نہ شاعر ہوں (اخبار الحکم قادیان مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۵) ایک مرتبہ مولانا اصغر علی صاحب روحی نے مرزا کے رسالہ "حمامۃ البشریٰ" کی غلطیاں نکال کر مرزا کے حواری خواجہ کمال الدین کو خفا کر دیا تھا۔ یہ دلچسپ واقعہ بھی کتاب "رئیس قادیان" میں ملاحظہ فرمائیے۔

مرزائیت کے ماخذ اور اصول مذہب

مرزا غلام احمد نے اپنا جو نیا مذہب جاری کیا وہ مختلف ادیان و مذاہب سے ماخوذ تھا۔ اس نے اسلام، آریہ دھرم، یہودیت، نصرانیت، باطنیت، مہدویت، بابیت اور بہائیت کے تھوڑے تھوڑے اصول لے کر ان کو اپنا لیا۔ اور ایک معجون مرکب تیار کر کے اس کا نام احمدیت رکھ دیا۔ ذیل میں آپ کو معلوم ہوگا کہ مسیح قادیان نے کون کون سا عقیدہ کہاں کہاں سے اڑایا؟ اس نے جو اصول و عقاید اسلام سے اخذ کئے وہ تو ہر ایک کو معلوم ہیں۔ اس لئے ان کا اندراج غیر ضروری ہے البتہ اس نے غیر اسلامی مذاہب کے سامنے کشکول گدائی پھرا کر جو لقمے حاصل کئے ان پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے

یہود کی پیروی اور ہمنوائی | قادیان کے خانہ ساز مسیح نے جن مسائل میں اسلام کی صراط مستقیم کو چھوڑ کر یہود کی

تقلید کی ان میں سے چند امور نمونۃً درج کئے جاتے ہیں۔ یہود حضرت مریم بتول (علیہا السلام) کو اعاذ اللہ زانیہ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کا ہم بدہن ناجائز تعلقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مرزا نے بھی ان کی تقلید میں حضرت مریم بتول سلام اللہ علیہا کی شان پاک میں وہی گندگی اُچھالی۔ چنانچہ "ایام الصلح" میں لکھا کہ یہود کی طرح افغانوں میں بھی رواج ہے کہ اگر ان کی لڑکیاں نکاح سے پہلے اپنے منسوب سے میل ملاقات رکھیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے مثلاً مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ اختلاط اور اس کے ساتھ گھر سے باہر چکر لگانا اس رسم کی شہادت دیتا ہے اور بعض پہاڑی خوانین کی لڑکیاں اپنے منسوبوں سے حاملہ بھی ہو جاتی ہیں۔ اس میں کچھ ننگ و عار نہیں سمجھا جاتا (ترجمہ از ایام الصلح مؤلفہ مرزا غلام احمد صفحہ ۶۵ حاشیہ) اور "کشتی نوح" میں لکھا "مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیوں نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا، اور تعدد ازواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنی باوجودیکہ یوسف نجار کے گھر میں پہلی بیوی موجود تھی پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں۔ (کشتی نوح صفحہ ۱۶) اور "حقیقۃ المسیح" میں لکھا کہ جب چھ سات مہینہ کا حمل نمایاں ہو گیا تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک نجار سے نکاح کر دیا۔ اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کے بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسٰی یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا (حقیقۃ المسیح صفحہ ۱۸) ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ خدا کے ایک برگزیدہ رسول کو غیر طاہر قرار دینے میں مرزا نے کس طمطراق کے ساتھ یہود کی ناپاک سنت کی تجدید کی ہے جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں اسی طرح مرزا نے بھی انکار کیا چنانچہ لکھا کہ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۶-۷) جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گالیاں دیتے ہیں اسی طرح قادیانی نے بھی دیں۔ چنانچہ لکھا کہ ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلامانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۹) مرزا نے حضرت مسیح علیہ السلام کو جو جو گالیاں دیں ان کو مرزا کی کتابوں ضمیمہ انجام آتھم اور دافع البلاء میں دیکھیئے۔ خدا کے برگزیدہ رسول حضرت مسیح علیہ السلام کی دشمنی میں مرزا کی شدت انہماک کا یہ عالم تھا کہ اس نے آپ کو خاص وہ گالیاں دینے کے لئے جو تیرہ بخت یہود دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائیں (دیکھو مکتوبات احمدیہ ۵ حصہ اول صفحہ ۵) جس طرح یہود توراۃ میں تحریف کرتے رہتے تھے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ (کلام الٰہی میں تحریف و تبدیل کرتے تھے) اس پر گواہ ہے۔ اسی طرح مرزا نے قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں سیکڑوں تحریفیں کیں۔ مرزا غلام احمد کی تحریفات کے نمونے آیندہ صفحات پر حوالہ قلم ہوں گے۔ حکیم نور الدین کی تحریفات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کو سورۂ صف کے درس میں کسی سامع نے حکیم نور الدین سے درخواست کی کہ اس آیۃ کی تشریح فرما دیجئے وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوں گے جن کا اسم گرامی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ لیکن جب آپ معجزات باہرہ کے ساتھ تشریف لے

اسے تو کفار کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے) حکیم نور الدین نے سائل سے کہا کہ تم بڑے نادان ہو۔ سنو جس احمد کی بشارت اس آیۃ میں دی گئی ہے وہ مثیل مسیح (مرزا غلام احمد) ہے۔ اس کے بعد کہا میں اپنی ذوقی باتیں بہت کم بیان کیا کرتا ہوں۔ تم تو صرف احمد کے متعلق تشریح چاہتے ہو۔ یہاں تو خدا نے احمد کے بعد نور کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ اس کے آگے دین کا لفظ بھی ہے اور اس نور کو نہ ماننے کے متعلق بھی یہ وعید فرمائی ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (القول الفصل صفحہ ۳۲) حکیم نور الدین کا نور اور دین کا اشارہ اس آیۃ کی طرف تھا۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ ان تحریفات سے آپ کو معلوم ہو گا کہ مرزائی بدنصیبوں نے یہود کی مانند کس طرح کلام الٰہی احادیث رسول اور آثار سلف کو اپنی نفسانی خواہشوں کا آلۂ کار بنا رکھا ہے۔

نصاریٰ کی خوانِ شرک سے زلہ ربائی

مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے تھے چنانچہ قرآن پاک میں ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (نہ یہود نے مسیح کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا) اس کے خلاف نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ یہود نے آنحضرت کو صلیب پر چڑھایا اور لطف یہ ہے کہ باوجود ادعائے صلیب شکنی مرزا بھی اس مسئلہ میں نصاریٰ ہی کا پیرو تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ حضرت مسیح بروز جمعہ بوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کیلوں کی تکلیف اٹھا کر بیہوش ہو گئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو ایک دفعہ سخت آندھی اٹھی (نزول المسیح صفحہ ۱۸) جب مرزا نے مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے عقیدہ میں اہل صلیب کی ہمنوائی اختیار کی تو لاہور کے مسیحی رسالہ تجلی نے لکھا کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ وہ مسلمانوں کو اپنے سنہری جال میں پھانس کر ہمیشہ "خانۂ دوستاں بروب و در دشمناں مکوب" کے اصول پر کاربند رہے۔ ہاں عیسائیوں کو ان کی ذات سے بہت فائدہ پہنچا کہ انہوں نے مسیح کے مصلوب ہونے کو قرآن سے ثابت کر دکھایا۔ پس عیسائیوں پر جو نجات کے لئے مسیح کی صلیب کو ضروری خیال کرتے ہیں واجب ہے کہ مرزا جی کی اس صلیبی خدمت پر ان کے مرہون احسان ہوں۔ کیونکہ مرزا صاحب حقیقی معنی میں صلیب کے زبردست حامی تھے۔ اور انہوں نے عیسائیوں کے خلاف جو کچھ لکھا وہ محض دہریوں کے خیالات کو اپنی طرف سے پیش کر دیا تھا۔ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل ہیں اسی طرح مرزا بھی (معاذ اللہ) اپنے تئیں خدائے برتر کی اولاد بتایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے الہام ملاحظہ ہوں اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِيْ (تو بمنزلہ میری اولاد کے ہے) الحکم ۱۰ دسمبر ۱۹۰۶ء اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِيْ (تو میرے بیٹے کی جگہ ہے) حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۶ اِسْمَعْ يَا وَلَدِيْ (اے میرے بیٹے سن) البشریٰ جلد اوّل صفحہ ۴۹ ان الہاموں میں مرزا نے ظاہر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔ ایک اور الہام اَنْتَ مِنْ مَّائِنَا وَهُمْ مِنْ فَشَلٍ (تو میرے پانی یعنی نطفہ سے ہے اور دوسرے لوگ مٹی سے بنے ہیں) اربعین نمبر ۳ میں مرزا نے اپنے آپ کو معاذ اللہ نطفۂ خدا بتایا ہے۔ ان کے علاوہ لکھتا ہے کہ مسیح کا اور میرا مقام ایسا ہے جیسے استعارہ کے طور پر ابنیت سے علاقہ ہے (توضیح مرام صفحہ ۱۲) حالانکہ ولد اور ابن وغیرہ وہ الفاظ ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں شرک قرار دیا ہے اور ان کی پُرزور مذمت فرمائی ہے مرزا نے اسلام کی پاک توحید کے مقابلہ میں نصاریٰ کی تقلید میں اپنی ایک پاک تثلیث بھی پیش کی تھی۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ان دو محبتوں کے کمال سے جو خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر نر و مادہ کا حکم رکھتی ہے اور محبت الٰہی کی آگ سے ایک تیسری چیز پیدا

ہوتی ہے جس کا نام روح القدس ہے اس کا نام پک تثلیث ہے اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن اللہ کے ہے (ازالہ اوہام) ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ سابق پرنسپل فورمن کرسچن کالج لاہور نے لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد اور پنڈت دیانند سرستی بانئ آریہ سماج میں دو امر یکساں قابل توجہ اور دلچسپ معلوم ہوتے ہیں دونوں صاحب ذو معنی باتیں کرتے ہیں چنانچہ مرزائی قادیانی چنانچہ مذاہب کے مقام پر اوّل ورجہ کے لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اور جب لفظی معنی سے مطلب برآری ہوتی دکھائی نہیں دیتی تو منکوئی عبارت ایسی نہیں جس کی وہ حسب مطلب کوئی نئی تاویل و تشریح نہ کر لیتے ہوں۔ اسی طرح وہ استعارات اور تشبیہات کو کام میں لاکر بعض اوقات یہاں تک پہنچتے ہیں کہ تثلیث کی تعلیم میں بھی سچائی اور حقیقت کے کسی حد تک معتقد بن بیٹھتے ہیں چنانچہ مرزا صاحب کے نزدیک الٰہی محبت اور انسانی محبت تثلیث کے دو اقانیم ہیں۔ اور وہ جذبات یا جوش جو ان دو کی مخالطت کا نتیجہ ہے ان کے نزدیک اقنوم ثالث ہے اسی طرح پنڈت دیانند نے ویدوں کی جو تفسیر کی ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مرزا صاحب کی طرح ذو معنی تفاسیر کے حامی اور غیر محقق آدمی تھے (مرزا غلام احمد صفحہ ۳۷) خواجہ کمال الدین مرزائی ایک ملحد آدمی تھا وہ عیسائی ہونے والا ہی تھا کہ اس اثنا میں مرزا غلام احمد نے اپنی مسیحیت کی ڈفلی بجانی شروع کی چونکہ خواجہ کمال الدین کو مرزا مثیت مسیحیت کا نعم البدل نظر آئی اس لئے اس نے عیسائی ہونے کا خیال ترک کر کے مرزائیت قبول کر لی چنانچہ جریدہ الفضل قادیان نے ۱۸ نومبر ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں لکھا کہ "خواجہ کمال الدین صاحب کہا کرتے تھے کہ اگر حضرت مسیح موعود کا وجود دنیا میں جلوہ فروز نہ ہوا ہوتا تو میں زمانہ دراز سے عیسائی ہو چکا ہوتا" ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ کا خیال ہے کہ مرزائیت اسلام اور مسیحیت کے بین بین ہے (مرزا غلام احمد مولفہ ڈاکٹر گرس وولڈ صفحہ ۴) لیکن ان اوراق کا پڑھنے والا یقین کرے گا کہ مرزائیت کی معجون بے شمار دوسرے اجزا سے بھی مرکب ہے۔

آریوں سے ہمرنگی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے آریہ دھرم کا صرف ایک اصول اپنے پنتھ میں داخل کیا۔ مگر اس لحاظ سے کہ وہی ایک عقیدہ جس کے لئے مرزائیت آریہ دھرم کی ممنون احسان ہے آریہ مت کی جان اور اس کا بنیادی اصول ہے اس لئے اس کو بمنزلہ کثیر کے سمجھنا چاہیئے۔ قدیم وہ ہے جو ازلی ہو یعنی اس کی کوئی ابتدا نہ ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ خالق کون و مکان عز اسمہ کے سوا کوئی چیز قدیم نہیں۔ آریہ لوگ خالق کردگار کی طرح روح اور مادہ کو بھی قدیم اور ازلی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلسلہ کائنات قدیم بالنوع ہے اور خالق کے ساتھ مخلوق کا بھی کوئی نہ کوئی سلسلہ ازل سے برابر چلا آ رہا ہے مرزا بھی اسی عقیدہ کا پیرو تھا چنانچہ "چشمہ معرفت" میں لکھتا ہے "چونکہ خدا تعالیٰ کی صفات کبھی معطل نہیں رہتیں اس لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے۔ یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آئی ہے مگر شخصی قدامت باطل ہے (چشمہ معرفت صفحہ ۲۶۸) ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ الحاد میں فلاسفہ سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ صرف آسمان کو قدیم بالنوع خیال کرتے تھے لیکن مرزا نے آریوں کی طرح اس کی تعمیم کر کے تمام مخلوقات کو قدیم بالنوع بتا دیا۔ ڈاکٹر گرس وولڈ نے مرزائی جماعت اور آریہ سماج میں ایک عجیب مشابہت و مطابقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آریہ اور مرزائی دونوں فرقے پنجابی ہیں۔ مرزائی تو صوبہ پنجاب ہی کے باشندے ہیں اور آریہ سماج گو ابتداءً بمبئی میں قائم ہوئی تھی تاہم یہ بھی ایک طرح سے پنجابی جماعت ہے کیونکہ اس کا زیادہ زور شور پنجاب ہی میں پایا جاتا ہے اس لحاظ سے یہ فرقے علی گڑھ والوں (نیچریوں) اور برہمو سماج والوں سے متفاوت ہیں

کیونکہ ان کی پیدائیش اور نشو و نمو کا مقام علی الترتیب صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ اور بنگال ہے جس طرح اسلام سے علی گڑھ والے (نیچری) اور مرزائی نکلے اسی طرح ہند و دھرم سے بھی دو نئے فرقے یعنی آریہ سماج اور برہمو سماج پیدا ہوئے جس طرح نیچری آزاد خیال ہیں اور قادیانی محافظ دین ہونے کے مدعی ہیں۔ اسی طرح ہنود میں سے برہمو سماج کا رویہ آزادانہ ہے اور آریہ سماج حامی کتابوں کی حامی وحافظ ہونے کی مدعی ہے (مرزا غلام احمد" صفحہ ۴۴-۴۵) مرزائیت نے جنم لے کر اسلام کو فائدہ پہنچایا یا شاردہ دھرم کو؟ اس کا فیصلہ خود ایک آریہ اخبار کے بیان سے ہو سکتا ہے "آریہ ویر" نے اپنی ۱۴-۲۲ مارچ ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں لکھا کہ اسلامی عقاید کو متزلزل کرنے میں احمدیت نے آریہ سماج کو ایسی امداد دی ہے کہ جو کام آریہ سماج صدیوں میں انجام دینے کے قابل ہوتا وہ احمدی جماعت کی جد و جہد نے برسوں میں کر دکھایا ہے۔ بہرحال آریہ سماج کو مرزا صاحب اور ان کے مقلد و مرید مرزائیوں کا مشکور ہونا چاہیئے۔ (قادیانی ہذیان صفحہ ۳۸)

متشبہین فلاسفہ اور اہل نجوم کے نقش قدم پر

مسیح قادیان نے اپنی عمر کا ایک حصہ علوم نظری کی تو نذر کیا تھا چنانچہ لکھتا ہے کہ میں نے گل علی شاہ بٹالوی سے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم حاصل کیے (کتاب البریہ صفحہ ۱۵۰) لیکن دینی تعلیم کسی سے حاصل نہ کی (اربعین نمبر ۲ ص ۱۰-۱۱) اگر منطق اور حکمت کے ساتھ دینی علوم کی بھی تحصیل کی ہوتی تو بڑی امید تھی کہ الحاد و زندقہ کی وادیوں میں سرگرداں ہونیکے بجائے اسے فلاح و ہدایت کا راستہ مل جاتا ؎

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں　　حکمتِ ایمانیاں راہم بخوان

دینی تعلیم سے بے بہرہ رہنے کا یہ اثر ہوا کہ جس غیر اسلامی مذہب کا جو عقیدہ بھی من کو بھایا اسی پر ریجھ گیا اور اس کی پروا نہ کی کہ غیر اسلامی عقاید کا شغف اسے دائرۂ اسلام سے خارج کر دے گا۔ آپ نے پڑھا کہ اس نے کس طرح یہود، نصاریٰ اور آریوں کے عقیدے اختیار کر لئے لیکن یہ معاملہ ابھی یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آگے چلکر آپکو یہ حقیقت اور بھی زیادہ عریاں نظر آئے گی کہ اس کے دل و دماغ کو کہیں قرار نہ تھا۔ اس کے قوائے ذہنی باطل قوتوں کے سامنے اسی طرح بے بس تھے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں بے بس ہوتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس نے مجسمہ سے بھی کہیں بیہودہ اور مضحکہ خیز عقیدہ اختیار کر لیا تھا چنانچہ لکھتا ہے "قیوم العلمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بیشمار ہاتھ، بیشمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضا ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں نام عالم ہے (توضیح مرام صفحہ ۳۵) اور انوار الاسلام (صفحہ ۳۳) توضیح مرام کے صفحہ ۳۰-۳۷) مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلاسفہ کی طرح ملائکہ کا بھی منکر تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جبرئیلؑ کا تعلق آفتاب سے ہے۔ وہ بذات خود اور حقیقی معنی میں زمین پر نازل نہیں ہوتا بلکہ اس کے نزول سے جو شرع میں وارد ہے اس کی تاثیر کا نزول مراد ہے اور جبرئیلؑ اور دوسرے ملائکہ کی جو شکل و صورت انبیاء علیہم السلام دیکھتے تھے وہ محض جبرئیلؑ وغیرہ کی عکسی تصویر تھی۔ ملک الموت بذات خود زمین پر آ کر قبض ارواح نہیں کرتا بلکہ اس کی تاثیر سے روحیں قبض ہوتی ہیں۔ ملائکہ ستاروں کے ارواح ہیں وہ سیاروں کے لئے جان کا حکم رکھتے ہیں اس لئے نہ تو کبھی ان سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ذرہ بھر آگے پیچھے حرکت کر سکتے ہیں اس کے خلاف اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ آفتاب، ماہتاب، ستارے

افلاک اور طبائع خالق ارض وسماء کے مطیع فرمان ہیں۔ ان میں بذاتہا کوئی فعل و تاثیر موجود نہیں ہے لیکن طبیعیوں اور اہل نجوم کا خیال ہے کہ سبع سیارہ میں سے ہر ایک سیارہ مستقل بالذات ہے۔ تمام موجودات میں انہی کی حرکت مؤثر ہے وہی نفع و ضرر پہنچاتی ہے۔ وہی انسانی زندگی اور انسانی تہذیب و تمدن پر اثر انداز ہے"۔ بعینہ یہی عقیدہ مرزا غلام احمد کا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں اور اس انسان سے زیادہ تر کوئی دنیا میں جاہل نہیں جو ستاروں کی تاثیرات کا منکر ہے۔ یہ لوگ جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو شرک میں داخل کرتے ہیں۔ ان چیزوں کے اندر خاص وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں جیسا کہ حکمائے متقدمین نے لکھا ہے (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸۲ حاشیہ)
امام محمد غزالی اس مشرکانہ خیال کی تردید میں لکھتے ہیں کہ فلاسفہ اور ان کے پیرووں کی مثال اس چیونٹی کی سی ہے جو کاغذ پر چل رہی ہو اور دیکھے کہ کاغذ سیاہ ہو رہا ہے اور نقش بنتے جاتے ہیں۔ وہ ذرا نگاہ اٹھا کر سر قلم کو دیکھے اور خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس فعل کی حقیقت معلوم کر لی کہ یہ نقوش قلم کر رہا ہے۔ یہ مثال طبیعی کی ہے جو آخری درجہ کے محرک کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا۔ پھر ایک اور چیونٹی جس کی بصارت و نگاہ پہلی سے زیادہ تیز ہو اس کے پاس آ کر کہے کہ تجھے غلط فہمی ہوئی۔ میں تو اس قلم کو کسی کا مسخر دیکھتی ہوں اور محسوس کرتی ہوں کہ اس قلم کے سوا کوئی اور چیز ہے جو نقاشی کر رہی ہے یہ بتلا کر دوسری چیونٹی نہایت خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس کام کا راز پا لیا کہ ہاتھ نقاشی کرتے ہیں نہ کہ قلم۔ کیونکہ قلم تو ہاتھ کا مسخر ہے یہ مثال نجومی کی ہے کہ اس کی نظر طبیعی سے کسی قدر آگے تک پہنچی اور دیکھا کہ یہ طبائع ستاروں کے تابع فرمان ہیں لیکن وہ ان درجوں پر جو اس سے اوپر ہیں نہ پہنچ سکا۔ پھر ایک تیسری چیونٹی جو قریب ہی موجود ہو ان کی گفتگو سن کر پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم دونوں غلطی پر ہو۔ ذرا نظر اٹھا کر اوپر کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ قلم اور ہاتھ کو حرکت دینے والی کوئی اور ہی ہستی موجود ہے کہ ہاتھ اور قلم جس کے ارادہ سے حرکت کر رہے ہیں یہ مثال اہل اسلام کی ہے جو جملہ امور کا فاعل حقیقی اور متصرف بالذات خالق کردگار کو مانتے ہیں۔ ان کی نظر محسوسات و ممکنات تک محدود نہیں بلکہ وہ سب سے وراء الوراء اور بزرگ ترین ہستی کو ایجاد و تکوین کا باعث یقین کرتے ہیں کہ آفتاب، ماہتاب اور ستارے جس کے حکم پر چل رہے ہیں۔ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ (سورج چاند اور ستارے اسی کے حکم کے موافق کام پر لگے ہیں)

باطنی فرقہ سے نسبت تلمذ

علماء نے لکھا ہے کہ تاویل اس وقت جائز ہے جب کہ ظاہری معنی کے محال ہونے پر کوئی دلیل موجود ہو۔ تاویل کے متعلق قول فیصل یہ ہے کہ جس تاویل کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صراحت نہیں کی اس کی ایجاد و ابداع سے احتراز کیا جائے۔ ظاہر اس کلام کو کہتے ہیں جس کا مطلب صاف ظاہر ہو اور نص وہ ہے جو کسی کلام کی حقیقی غرض و غایت ہو۔ بلکہ بعض لوگ تو ہر کلام صریح و ظاہر کو بھی نص ہی کہتے ہیں اور ظاہر اور نص دونوں کی مثال آیۃ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا حق تعالیٰ نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام ٹھہرایا) یہ آیت بیع کی حلت اور سود کی حرمت پر بطور ظاہر کے دلالت کرتی ہے مشرکین عرب کہتے تھے کہ بیع اور سود میں کچھ فرق نہیں۔ یہ آیت اس بات پر نص بھی ہے۔ کیونکہ بیع اور ربا میں حق تعالیٰ کو جو فرق بتانا مقصود تھا اس پر دلالت کرتی ہے۔ تمام علمائے اہل سنت و جماعت اس پر متفق ہیں کہ نصوص ظاہر پر محمول ہیں اور بغیر کسی انتہائی مجبوری کے ان کی تاویل جائز نہیں۔ خود مرزا غلام احمد نے اس اصول کو بارہا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ

لکھتا ہے کہ "تمام نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ کا یہ حق ہے کہ ان کے معنی ظاہر عبارت کے رُو سے کئے جائیں اور ظاہر پر حکم کیا جائے جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ پیدا نہ ہو اور بغیر قرینہ قویہ صارفہ ہرگز خلاف ظاہر معنی نہ کئے جائیں (تحفہ گولڑویہ ص ۱۳۲) اسی طرح لکھا کہ "یہ معنی نصوص صریحہ مبیّنہ قرآن میں سے ٹھہر گئے جن سے انحراف کرنا الحاد ہوگا۔ کیونکہ مسلّم ہے کہ نصوص کو ان کے ظواہر پر ہی محمول کیا جاتا۔ (ازالہ اوہام ص ۳۰۴) غرض آیۃ و روایت کے ظاہر الفاظ سے جو مطلب سمجھ میں آتا ہے وہی معنی مراد ہوتے ہیں اور ظاہری معنی سے اعراض کرنا فرقہ باطنیہ اور ان کے ہم مشرب ملاحدہ کا معمول ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد اور اس کے دام افتادوں کی یہ حالت ہے کہ زبان سے تو یہی کہے جاتے ہیں کہ "نصوص ظاہر پر محمول ہیں" لیکن عملاً باطنیوں کے بھی کان کاٹتے ہیں۔ باطنی فرقہ کی تاویلیں آپ عبداللہ بن میمون اہوازی کے تذکرہ (باب ۱۷) میں پڑھ چکے ہیں۔ گو مرزا غلام احمد فن تاویل کاری میں باطنیوں ہی کا شاگرد رشید تھا لیکن مرزائی تحریفات کو دیکھ کر جو نیچے درج کی جاتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ شاگرد استاد سے بھی بڑھ گیا ہے۔

آیت و روایت یا ان کے الفاظ و مفہوم	مرزائی معنی و مفہوم
دجّال	باقبال قومیں (ازالہ اوہام ص ۴۶)
〃	شیطان (ایام الصلح ص ۶۱)
〃	وہ فرقہ جو کلام الٰہی میں تحریف کرتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۳۸)
〃	شیطان کا اسم اعظم (تحفہ گولڑویہ ص ۱۷۰)
〃	سونا (تفسیر سورۂ جمعہ از حکیم نورالدین ص ۵۷)
〃	تجارتی کمپنیاں ایضاً
〃	نہرو رپورٹ (الفضل ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۸ء)
〃	عیسائی اقوام (تحریک احمدیت ص ۱۲۱)
دجّال کانا ہو گا	پادریوں میں دینی عقل نہیں (ازالہ ص ۲۰۸)
دجّال زنجیروں میں جکڑا ہے۔	عہد رسالت میں پادریوں کو موانع پیش تھے۔ (ازالہ ص ۲۰۱)
دجّال کے ساتھ اس کی جنّت و دوزخ ہو گی۔	عیسائی قوم نے تنعّم کے اسباب مہیا کر لئے ہیں۔ (ازالہ ص ۲۹۶)
دجّال مشرق کی طرف سے خروج کرے گا	پادری ملک ہند میں ظاہر ہوئے۔ (ازالہ ص ۲۹۷)
عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام)	مرزا غلام احمد قادیانی (کشتی نوح ص ۴۷)
حضرت مریم بنت عمران (علیہا السلام)	مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ (ایضاً)
حضرت مسیح دجّال کو قتل کریں گے	مرزا کے زمانہ میں دجّالی بدعات دُور ہو جائیں گی۔ (ایام الصلح (ص ۶۱)
دجّال کا گدھا	ریل گاڑی (ازالہ ص ۴۶)
مسیح علیہ السلام دمشق کے سفید مشرقی مینار پر نازل ہوں گے	مرزا کی سکونتی جگہ قادیاں کے مشرقی کنارہ پر ہے۔ (ازالہ ص ۴۳)

آیت و روایت یا ان کے الفاظ و مفہوم	مرزائی تحریفات
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دو زرد چادریں پہن رکھی ہوں گی	مرزا کی صحت اچھی نہیں (ازالہ ۳۰)
" "	مرزا دو بیماریوں میں مبتلا ہے (تذکرۃ الشہادتین ص ۴۴)
حضرت مسیح علیہ السلام خنزیر کو نابود کر دیں گے	مرزا نے بے حیا لوگوں پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلایا (ازالہ ص ۱۸۷)
مسیح علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے	مرزا کی سچائی کے اتنے دلائل جمع ہوئے کہ گویا وہ آسمان ہی سے اترا ہے (تذکرۃ الشہادتین ۳۷)
عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے۔	مرزا کی بعثت پر صلیبی مذہب روبزوال ہوا۔ (ایام الصلح ص ۵۲)
عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر ہوں گے	مرزا کا ہاتھ دو باطنی موکلوں کے سہارے پر ہے۔ (ازالہ ص ۴۸)
" " "	مرزا کے ظہور کے ساتھ ملائک کے تصرفات شروع ہو گئے (ایام الصلح ۵۴)
" " " "	مرزا محمود احمد کے دو ساتھی (الفضل ۲۵ر نومبر ۱۹۲۴ء)
عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ اپنے پیروؤں کو کوہ طور پر لے جائیں	مرزا کو حکم ہوا کہ مرزائیوں کو ساتھ لیکر پادریوں سے مقابلہ کرو (چشمہ معرفت ص ۱)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کا حکم منسوخ کر دیں گے	دل سچائی کی طرف مائل ہو جائیں گے (توضیح مرام ص ۸)
حضرت مسیح علیہ السلام حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ میں دفن ہوں گے	مرزا کو رسول اللہ کا روحانی قرب نصیب ہوا (حقیقۃ الوحی ص ۱۲)
حضرت مسیح علیہ السلام خنزیر کو نابود کریں گے	لیکھرام مرزا کی بددعا سے ہلاک ہوا۔ (ایضاً)
لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی علامت ہیں)	عیسیٰ اسرائیلیوں کا آخری نبی تھا (ملفوظات احمدیہ ص ۱۸۶)
یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (اے عیسیٰ میں آپ کو اٹھانے والا ہوں)	مرزا کے مخالف مرزا کے قتل پر قادر نہ ہوں گے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۲۵)
اے عیسیٰ میں آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا	اے مرزا میں واضح دلائل سے تیرا مقرب ہونا ثابت کروں گا (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ۲۵)
میں آپ کے پیروؤں کو آپ کے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا	مرزائی دوسرے لوگوں پر غالب رہیں گے۔ (")
مسیح علیہ السلام کے دم سے کافر مریں گے	مخالف کسی بات میں مرزا کا مقابلہ نہیں کر سکتے (ازالہ ص ۴۸)
عیسیٰ علیہ السلام حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے	مرزا نے لوگوں کی غلطیاں ظاہر کر دی ہیں (ازالہ ص ۲۸۵)
دمشق	قادیاں (ازالہ ۳۰)
عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے	مرزا محدث (فتح دال) ہے۔
خدا نے مسیح علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا	ان کا درجہ بلند کر دیا۔
مسیح علیہ السلام کے نزول کے وقت تمہارا امام (حضرت مہدی علیہ السلام) تم (امت محمدی) میں سے ہوں گے	مرزا امت محمدی میں پیدا ہوا۔ (توضیح مرام ص ۷)
" " " "	مرزائی کو مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴)
پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ مہدی کا نام میرے نام سے اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا۔	مرزا مثیل مصطفیٰ ہے (ازالہ ص ۶۵)

مہدی علیہ السلام روشن پیشانی ہوں گے ۔ ۔ ۔	مرزا کی پیشانی میں نورِ صدق رکھا گیا۔ (کتاب البریہ ص ۲۶۷)
مہدی علیہ السلام بلند بینی ہوں گے ۔ ۔	مرزا اپنی کبریائی کے استغنا سے بلند مزاجی دکھائے گا (ایضاً)
وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (مقام ابراہیم کی جگہ نماز پڑھا کرو)	تمام فرقوں میں سے صرف مرزائی فرقہ نجات پائیگا (اربعین نمبر ۳ ص ۳۰)
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ (خدا نے تمہیں بدر کے میدان میں فتح دی)	مرزا کے زمانہ میں اسلام بدر کامل ہوگیا۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۸۴)
” ” ”	خدا نے مرزا کو ظاہر کرکے مومنوں کی مدد کی (اعجاز المسیح ص ۱۸۳)
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو ایک ایک کرکے جمع کرلیں گے ۔ ۔	مرزا نے اپنی پُر ہیبت آواز لوگوں تک پہنچا دی۔ (چشمہ معرفت ص ۸۰)
وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا (جب تم میں سے کسی نے ایک آدمی کا خون کردیا پھر ایک دوسرے کے ذمے لگانے لگے) ۔ ۔	یہ طریق عمل الترب (یعنی مسمریزم) کا ایک شعبہ تھا۔ (ازالہ ص ۳۰۵)
ابولہب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	جس میں اشتعال کا مادّہ زیادہ ہو۔ (تقاریر مسیح موعود ص ۵)
” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مولوی نظیر حسین دہلوی (مواہب الرحمٰن ص ۱۲۷)
” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مولوی محمد حسین بٹالوی (ضیاء الحق ص ۴۳)
حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑیاں اٹھانے والی عورت)	سخن چین عورت (تقاریر مسیح موعود ص ۵)
قربِ قیامت کو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا ۔ ۔	(لوگ توبہ نہیں کریں گے۔ (ازالہ ص ۲۱۵)
قربِ قیامت کو آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا ۔ ۔	اہل یورپ و امریکہ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔ (ازالہ ص ۲۱۴)
” ” ”	مرزائی تبلیغ مرزائیت کے لئے یورپ گئے (الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۲۴ء)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ۔ ۔	آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۹۷)
اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (اے نبی ہم نے آپ کو حوض کوثر دیا)	مرزا کے زمانے میں دینی برکات کے چشمے پھوٹ نکلے (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۵)
یاجوج وماجوج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	انگریز اور روس (ازالہ ۲۰۹)
” ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	دجّال (تحریک احمدیت ص ۱۱۹)
دابۃ الارض (زمین کا جانور) ۔ ۔	علمائے اسلام (ازالہ ص ۲۰۹)
” ” ” ”	طاعون کا کیڑا (نزول المسیح ص ۴۰)
” ” ” ”	ریل گاڑی (شمس بازغہ ص ۱۲۱)
دُخان (دھواں) ۔ ۔ ۔	قحط عظیم (ازالہ ص ۲۱۳)
قیامت کو قرآن آسمان پر اٹھا لیا جائے گا ۔ ۔ ۔	مرزا کے زمانہ میں مسلمانوں کے دلوں پر قرآن خوانی کا کچھ اثر نہیں ہوتا (ازالہ)
حارث ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مرزا غلام احمد۔ (ازالہ ص ۳۰۰)
حارث آلِ محمدؐ کو تقویت دے گا ۔ ۔	مرزا اسلام کی عزت قائم کرنے کیلئے کھڑا ہوا۔ (ازالہ ص ۴۴)

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا (جب زمین کو زلزلہ کا سخت جھٹکا آئیگا)

" " " "

زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی " " " "

مسجد اقصیٰ " " " " "

پیغمبر علیہ السلام کو معراج ہوئی۔ " " "

آنحضرتؐ کو مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ " " "

آنحضرت کا قدم مسجد اقصیٰ تک گیا

آنحضرت نے قاب قوسین کا مرتبہ پایا۔

دمشق کا مینار " " " " "

قیامت کو صور پھونکا جانے گا۔ " " " "

لیلۃ القدر " " " " "

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (جب زمین کی وسعت بڑھ جائیگی اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اگل کر خالی ہو جائے گی

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (جب قریب الوضع گابھن اونٹنیوں کا بھی کوئی پرسان حال نہ ہوگا)

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (جب حساب کتاب کیلئے دفتر اعمال کھولے جائیں گے)

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (جب تارے گدلے ہو جائیں گے)

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (جب تارے جھڑ جائیں گے)

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (جب (قیامت کو) ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں گے)

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ (جب وحشی جانور گھبرا کر جمع ہو جائیں گے)

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (جب زمین شق ہو جانے کے بعد سب شیریں اور شور سمندر باہم مل کر ایک ہو جائیں گے) "

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (جب پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے)

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (جب آفتاب بے نور ہو جائے گا)

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ (جب آسمان پھٹ جائے گا)

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ (جب تمام رسول جمع کئے جائیں گے)

مرزا کے وقت میں روحانی مردے زندہ ہونے لگے (ازالہ ص ۶۰)

اہل ارض میں ایک تغیر عظیم آئے گا (شہادۃ القرآن ص ۱۹)

زمینی علوم اور زمینی مکر ظہور کرے گا (ایضاً)

قادیاں کی مرزائی مسجد (تبلیغ رسالت جلد ۹ ص ۴۰)

آپ کو حضرت آدمؑ اور حضرت خلیلؑ کے کمالات حاصل ہوئے۔ (ایضاً ص ۴۴)

آپکی ذات میں تمام اسرائیلی انبیاء کے کمالات موجود تھے (ایضاً)

آنحضرتؐ کی کشفی نظر مرزا کے زمانہ تک پہنچ گئی (ایضاً)

آپ صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں (ایضاً)

مسیح کا نور ظاہر ہونے کی جگہ (ایضاً ص ۳۴)

کوئی مصلح پیدا ہوگا (شہادۃ القرآن ص ۳۴)

تاریکی کا زمانہ (ایضاً ص ۱۸)

ایجادات و فنون زمین سے نکالے جائیں گے۔ (ایضاً ص ۲۳)

مرزا کے زمانہ میں ریل جاری ہوگئی۔ (ایضاً ص ۲۲)

مرزا کے وقت میں مطابع اور ڈاک خانے جاری ہوئے (ایضاً)

جب علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ (ایضاً)

جب علمائے ربانی فوت ہو جائیں گے۔ (ایضاً)

مرزا کے زمانہ میں بلاد بعیدہ کے بنی آدم کے دوستانہ تعلقات بڑھ گئے۔ (ایضاً)

وحشی قوموں نے تہذیب کی طرف رجوع کیا (ایضاً ص ۲۳)

نہریں جاری ہونے سے زراعت کی کثرت ہوئی۔ (ایضاً)

پہاڑوں میں آمد و رفت اور ریل کے چلنے کیلئے سڑکیں بن گئی ہیں (ایضاً)

دنیا پر جہالت اور معصیت کی ظلمت طاری ہوئی (ایضاً)

جب مرزا ظاہر ہوا (ایضاً)

جب مرزا بھیجا گیا (ایضاً ص ۴۴)

ہامان - . . . . .

یٰھَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا (فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنوا)

لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ (لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے)

یہود - . . . . . .

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ (ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب نازل ہوا) . . . . .

بیت اللہ - . . . . . .

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم تمام امتوں سے بہترین امت ہو جو آج تک لوگوں کے لئے ظاہر ہوئیں۔

ابراہیم علیہ السلام کے بلانے پر چار پرندوں کے اجزا جمع ہو کر ان کے پاس آ گئے

اے نبی! آپ ازواج (طاہرات) کی خوشنودی خاطر کے لئے ایسی چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جو اللہ نے آپ پر حلال کر رکھی ہے؟

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کرونگا)

حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (یہاں تک) کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے تو وہ ہر بلندی کی طرف سے (موج و ملخ کی طرح) اُمنڈ آئیں گے۔

حق تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں مٹی کا ایک بشر بنانے والا ہوں۔ سو جب اُسے پیدا کرکے اس میں روح پھونک دوں تو اس کے آگے سربسجود ہو جانا۔

وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ (اور قیامت کے دن پر بھی یقین رکھتے ہیں)

حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ (جب ذوالقرنین آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہیں احمد نام ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں (سورۂ صف)

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (الٰہی ہمیں یہود و نصاریٰ کا راستہ نہ دکھانا)

وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ (اول و آخر میں خدا ہی کے لئے

مولوی نظیر حسین دہلوی (نزول المسیح ص ۲۱۵)

مولوی نذیر حسین دہلوی نے مرزا کی تکفیر کا فتویٰ تیار کیا۔ (ایضاً ص ۲۷)

مرزا کا صحابی اسّی برس کے غیر صحابی سے بہتر ہے (فتح اسلام ص ۲۷)

علمائے اسلام (ضیاء الحق ص ۳۳)

مسلمانوں میں سے یہودی کہلانے والوں نے مرزا کی تکذیب کی (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۴)

مرزا غلام احمد قادیانی (اربعین نمبر ۴ ص ۱۶)

اس امت کو دجّال (پادریوں) سے مقابلہ پڑے گا۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۳۵)

یہ عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک تجربہ تھا۔ (ازالہ ص ۳۰۶)

مرزا کو پہلے مریم کا رتبہ ملا۔ پھر عیسیٰ کی روح پھونکی گئی۔ تب مریم سے عیسیٰ نکل آیا۔ (تعلیم المہدی ص ۲۰)

مرزا کو روحانی نیابت عطا ہوئی (براہین احمدیہ ص ۴۹۲-۴۹۳)

مرزا کو آدم سے لے کر آخر تک تمام انبیاء کے نام دیئے گئے تاکہ وعدۂ رجعت پورا ہو۔ (نزول المسیح ص ۵)

ملائکہ کو حکم ہے کہ جب کوئی انسان بقا باللہ کا درجہ حاصل کرے تو اس پر آسمانی انوار کعبہ کی طرح اترا کرو اور اس پر صلوٰۃ بھیجا کرو (توضیح مرام ص ۲۴)

اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آخری زمانہ میں مسیح موعود (مرزا) پر نازل ہوگی۔ (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۴۹)

جب خلیفۂ ثانی محمود احمد نے یورپ کا سفر کیا۔ (الفضل ۱۶ اگست ۱۹۲۴ء)

یہ پیشین گوئی مرزا غلام احمد کے حق میں ہے۔ (ازالہ ۲۷۵)

خدا نے مرزا کے مخالفوں کا نام عیسائی یہودی اور مشرک رکھ دیا ہے۔ (نزول المسیح ص ۴)

پہلی حمد سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری سے

احمد ہے ۔ ۔ ۔ ۔	مرزا غلام احمد (اعجاز المسیح ص ۱۴۳)
یَوْمِ الدِّیْن (قیامت کا دن)	مرزا غلام احمد (اعجاز المسیح ص ۱۴۳)
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الٰہی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں)	خداوندا مجھے احمد بنائے (اعجاز المسیح ص ۱۴۳)
شیطانِ رجیم ۔ ۔ ۔ ۔	دجّالِ لعین (اعجاز المسیح ص ۸۳)
رجل فارس ۔ ۔ ۔ ۔	مرزا غلام احمد قادیانی
کرعہ	قادیان (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۸)
مسیح علیہ السلام نے باذن اللہ مُردے زندہ کئے ۔ ۔	یہ عمل مسمریزم اور شعبدہ بازی کی قسم سے تھا۔ (ازالہ ص ۱۲۸)
مسیح علیہ السلام کی مٹی کی چڑیاں	وہ امّی و ناداں لوگ جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا (ازالہ ص ۱۳۸)
مسیح علیہ السلام اندھوں اور جذامیوں اور برص کے مریضوں کو باذن اللہ اچھے کرتے تھے۔ ۔ ۔ ..	یہ مریض تالاب میں غوطہ لگا کر اچھے ہوتے تھے۔ (ازالہ اوہام ص ۲۰۲)
جہاد فی سبیل اللہ .. ۔ ۔ ۔ ۔	تریاقی ہوا کی زہریلی ہوا سے روحانی جنگ (ایام الصلح ص ۶۱)
ابراہیم علیہ السلام پر آگ سرد ہو گئی۔ ۔	جنگ اور عداوت کی آگ دھیمی ہو گئی (سیرۃ المہدی جلد اول ص ۱۳۲)
ویھبط نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ الی الارض (اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیرو کوہ طور سے زمین پر اُتریں گے)	مرزا غلام احمد کا خلیفہ مرزا محمود احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ لندن میں وارد ہوا۔ (الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۲۴ء)
عیسیٰ علیہ السلام کے سر سے قطرے ٹپکتے ہوں گے۔	مرزا معارف قرآنی کا مالک ہوگا۔ (شمس بازغہ مؤلفہ محمد احسن امروہی ص ۹۳)
عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک دنیا میں قیام فرما رہیں گے۔	مرزا غلام احمد نے چالیس سال کی عمر میں مجددیت کا دعویٰ کیا۔ (ایضاً ص ۹۷)
مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ ۔	جن لوگوں نے مرزا کی نماز جنازہ نہیں پڑھی وہ مسلمان نہیں رہے۔ (ایضاً)
عیسیٰ علیہ السلام باب لُد کے پاس دجال کو قتل کریں گے۔	باب لُد بیت المقدس کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے (ازالہ ۹۳)
" " " " "	لُد بمعنی جھگڑالو مراد لاٹ پادری جسے مسیح موعود (مرزا) ہلاک کر رہا ہے (شمس بازغہ ص ۱۱۸)
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی (پھر فرشتہ آپ کے نزدیک آیا اس کے بعد اور قریب ہوا)	آنحضرت ﷺ اطاعت اور محبت الٰہی میں سراپا محو ہوئے (براہین احمدیہ ص ۴۹۳)

ان اقتباسات سے آپ پر یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہو گئی کہ مرزائے قادیان نے کلام الٰہی اور احادیث خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو علیٰ حالہا رکھ کر کس طرح ان کے مفہوم کو اپنی نفسانی خواہشوں کا بازیچہ بنایا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی سرزمین کو باطنی فتنہ سے پاک کیا تھا لیکن قریباً ہزار سال کے بعد ایک اور باطنی فتنہ نے قادیان سے سر نکالا۔ کاش وہ لوگ آنکھیں کھولتے جو مرزائیوں کو دائرۂ اسلام میں داخل رکھنے پر مصر رہتے ہیں اور غور کرتے کہ کیا یہود نصاریٰ، آریہ یا دوسرے اعدائے اسلام بھی کبھی دینِ حنیف کو اتنا نقصان پہنچا سکتے ہیں جس قدر کہ مرزا نے پہنچایا؟

خرمن مہدویہ سے خوشہ چینی | مندرجہ ذیل اقتباسات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزا نے اپنے ذخیرۂ ایمان فرشتی میں

پیروان سید محمد جونپوری کے خرمن الحاد سے بھی بہت کچھ خوشہ چینی کی اور یہ کہ بہت سے امور میں آج کل کی مرزائیت مہدویت کا صحیح چربہ ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

مہدوی اقوال	مرزائی اقوال
مہدوی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین سے یہ مراد ہے کہ کوئی پیغمبر صاحب شریعت جدیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا نہ ہوگا۔ اور اگر نبی متبع شریعت محمدیہ کا پیدا ہو تو منافی آیۃ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کا نہیں ہے اور سید محمد جونپوری پیغمبر متبع ہیں (ہدیہ مہدویہ ۲۸)	خاتم النبیین سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی صاحب شریعت نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اور کوئی غیر تشریعی نبی ظاہر ہو تو آیۃ خاتم النبیین کے منافی نہیں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب غیر تشریعی نبی تھے۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد ۲۱ نمبر ۹)
پنج فضائل وغیرہ کتب مہدویہ میں مذکور ہے کہ سید محمد جونپوری کا نواسہ سید محمود ملقب بہ حسین ولایت شہید کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ کے برابر ہے یا بہتر ہے (ایضاً صفحہ ۳۳)	مسیح قادیاں نے نزول المسیح (۹۹) میں لکھا کربلائے است سیر ہر آنم صد حسین است در گریبانم۔ اور نزول المسیح (۴۴) پر لکھتا ہے بعض نادان شیعوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ شخص امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہو لیکن کیا یہ سچ نہیں ہے کہ قرآن اور احادیث اور تمام نبیوں کی شہادت سے مسیح موعود حسین سے افضل ہے۔
شواہد الولایت میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو جملہ موجودات کے احوال اس طرح معلوم کرا دیئے ہیں کہ جیسے کوئی رائی کا دانہ ہاتھ میں رکھتا ہو اور ہر طرف پھرا کر کما حقہ دیکھے (الیغم ۲۹)	مرزائے قادیاں نے لکھا کہ مجھے علم غیب پر اس طرح قابو حاصل ہے جس طرح سوار کو گھوڑے پر ہوتا ہے (ضرورۃ الامام ۱۳)
مہدویہ کا اعتقاد ہے کہ سید محمد جونپوری وہی مہدی ہیں جن کے ظہور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارۃ دی (ایضاً ۱۶)	مسیح قادیاں نے لکھا: اگر خدا کا پاک نبی اپنی پیشگوئیوں کے ذریعہ سے میری گواہی دیتا ہی تو اپنے نفس کو ظلم مت کرو (ایام الصلح ۹)
ایک دن میاں خوندمیر (داماد و خلیفۂ مہدی جونپوری) نے ایک سنگریزہ ہاتھ میں لیکر مہاجرین و خلفائے مہدی کے مجمع میں کہا دیکھو یہ کیا ہے سب نے جواب دیا سنگریزہ ہے کہا اس کو مہدی موعود علیہ السلام نے جواہر بیبہا کہا ہے۔ تمام مہاجرین و خلفاء نے کہا آمنّا و صدقنا ہمارے دیکھنے کا کیا اعتبار ہے کہ جو کوئی فرمان مہدی میں شک کرے یا تاویل کرے وہ آل مہدی میں سے نہیں ہے۔ (ایضاً ۱۸)	مولوی نور الدین (خلیفۂ اول) فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو صرف غیرت کی بات ہے میرا تو ایمان ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو بھی مجھے انکار نہ ہو کیونکہ جب ہم نے آپ کو واقعی صادق اور منجانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ فرمائینگے وہی حق ہوگا اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیۃ خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہوں گے۔ سیرۃ المہدی جلد اوّل ۸۱ - ۸۲
انصاف کرنا چاہیئے کہ شیخ جونپوری مدعی مہدیت نے کس قدر آیات قرآنیہ کے معنی احادیث صحیحہ اور تفسیرات صحی	قرآن میں یہ پیشگوئی بڑی وضاحت سے آنے والے مسیح کی خبر دیتی ہے وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ یعنی ایک گروہ اور ہے

اور جمہور مفسرین کے خلاف کئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں وَاٰخَرِیْنَ مِنْہُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ کو خاص اپنے فرقہ مہدویہ پر محمول کیا ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ۱۲۴)

مہدی جونپوری لوگوں کو حج بیت اللہ سے باوجود فرضیت اور استطاعت کے منع کیا کرتے تھے۔ اور اپنے خلیفہ میاں دلاور کے حجرے کو بمنزلہ کعبہ کے ٹھہرایا تھا کہ اس کے تین طواف کعبۃ اللہ کے سات طواف بلکہ تمامی ارکان حج کے قائم مقام ہے قرار دیتے تھے (ایضاً صفحہ ۲۰۸)

سید محمد جونپوری اس بات کے مدعی تھے کہ وہ وار دنیا میں حق تعالیٰ کو عیاناً سرکی آنکھوں سے دیکھتے ہیں (ایضاً ۱۴۹)

حضرت سید محمد جونپوری کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مہدی موعود (سید محمد جونپوری) ایک ذات ہیں۔ (ایضاً ۲۷۹)

مطلع الولایت میں لکھا ہے کہ اوّل بارہ برس تک امر الٰہی ہوتا رہا اور مہدی جونپوری وسوسۂ نفس وشیطان سمجھ کر (حکم خدا) ٹالتے رہے۔ آخر خطاب باعتاب ہوا کہ ہم روبرو سے فرماتے ہیں تو اس کو غیر اللہ سے سمجھتا ہے۔ اس کے بعد بھی شیخ موصوف اپنی عدم لیاقت وغیرہ کا عذر پیش کرکے آٹھ برس اور ٹالتے رہے بیس برس کے بعد خطاب باعتاب ہوا کہ قضائے الٰہی جاری ہو چکی اگر قبول کرے گا ماجور ہوگا۔ ورنہ مہجور ہوگا۔ (ایضاً) ۴۴

جو احادیث رسول خدا کی تفاسیر قرآن اگرچہ کیسی ہی

جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا وہ بھی اوّل تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے۔ اور علم اور حکمت اور یقین سے دُور ہونگے تب خدا ان کو بھی صحابہ کے رنگ میں لائیگا یعنی جو کچھ صحابہ نے دیکھا وہ ان کو بھی دکھایا جائے گا یہاں تک کہ اُن کا صدق اور یقین بھی صحابہ کے صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا اور یہ مسیح موعود کا گروہ ہے (ایّام الصلح ص ۷۰ - ۱۷)

مرزا غلام احمد نے لکھا:- ایک حج کے ارادہ کرنیوالے کیلئے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جس کا تیرہ سو برس سے انتظار ہے تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جاسکتا (تذکرۃ الشہادتین ۴۷) ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام (حج) کے لئے مقرر کیا ہے (ملخص از برکات خلافت ص ۵/ح)

مسیح قادیان نے امام الزمان ہونیکا دعویٰ کرتے ہوئے لکھا کہ خدا تعالیٰ مجھ سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے سے جو نور محض ہے اُتار دیتا ہے (ضرورۃ الامام)

مسیح قادیان نے لکھا جس شخص نے مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ فرق سمجھا نہ تو اُس نے مجھے پہچانا اور نہ مجھے دیکھا میرا وجود عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا وجود ہو گیا (خطبہ الہامیہ ۱۷۱)

مرزا غلام احمد نے اعجاز احمدی (ص۶) میں لکھا کہ میں قریباً بارہ برس جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑے شد ومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور سیرۃ المہدی جلد اول ص۳۱ میں ہے کہ وہ الہام جس میں مسیح موعود کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے صریح طور پر مامور کیا گیا مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا لیکن (باوجود امر الٰہی کے) اس وقت سلسلہ بیعت شروع نہیں فرمایا بلکہ مزید حکم تک توقف کیا (حکم الٰہی کو ٹالتے رہے) چنانچہ جب فرمان الٰہی نازل ہوا تو آپ نے بیعت کے لئے ۱۸۸۸ء میں (یعنی پہلے حکم کے چھ سال بعد) بیعت لینی شروع کی۔

مرزا نے لکھا کہ جو شخص حَکَم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں

روایات صحیحہ سے مروی ہوں لیکن مہدی جونپوری کے بیان و احوال سے مطابق کر کے دیکھیں۔ اگر مطابق ہوں تو صحیح ورنہ غلط جانیں (ہدیہ مہدویہ) ۱۷

سید محمد جونپوری سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ابراہیم، موسےٰ، عیسےٰ، نوح، آدم اور دوسرے تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں (ایضاً)

مطلع الولایت میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ بندے کے پاس آدم علیہ السلام سے لے کر اس دم تک تمام انبیاء و رسل اولیائے عظام اور تمام مومنین و مومنات کی روحوں کی تصحیح ہوتی ہے۔ کسی نے پوچھا میراں جی تصحیح کس کو کہتے ہیں۔ فرمایا جب ایک تاجدار کی جگہ دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے اور اپنے تمام لشکروں کا معائنہ کرتا ہے اسے کیا کہتے ہو؟ کہا بعض داخلہ موجودات کہتے ہیں اور بعض عرض اور آمدہ نیا مدہ بھی کہتے ہیں فرمایا یہی تصحیح ہے آج تین دن ہوئے بالکل فرصت نہیں ہر نماز سے فارغ ہوتے ہی حکم ہوتا ہے کہ سید محمد خلوت میں جاؤ کہ بقیہ ارواح کا بھی جائزہ لے لو۔ انبیاء و مرسلین اور اولیاء و اتقیاء کی روحیں سب بندے کے حضور میں عرض کی جاتی ہیں

(ایضا ۲۰، ۲۴۷)

مطلع الولایت میں ہے، کہ جو شخص مہدی جونپوری کے حضور میں مقبول ہوا وہ خدا کے ہاں بھی مقبول ہے اور جو یہاں مردود ہوا وہ عند اللہ بھی مردود ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲)

پنج فضائل میں ہے کہ ایک روز بعد نماز فجر سب (دینی) بھائی صف بستہ بیٹھے تھے۔ شاہ دلاور خلیفۂ مہدی نے اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں کہ رسول خدا نے جن کی نسبت فرمایا ہے کہ ہم اخوتی بمنزلتی یعنی وہ میرے بھائی ہیں جو میرے ہم رتبہ ہیں اور ایک روز دکھا کر کہا کہ مرسلین کے درجہ پر ہیں اور رسل اسے کہتے ہیں کہ جبرئیل اس پر وحی لائیں اور بارہ صحابی تو اس سے بھی افضل تر ہیں (ایضاً)

کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سی علم پا کر قبول کر اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سی علم پا کر رد کرے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۱۰) جو حدیث ہمارے الہام کے خلاف ہو اسے ہم ردی میں پھینک دیتے ہیں (اعجاز احمدی ۳۰)

نبی کریم کے شاگردوں میں سے علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا درجہ بھی پایا ہے اور نہ صرف نبی بنا بلکہ اپنے مطاع کے کمالات کو ظلّی طور پر حاصل کر کے بعض اولوالعزم نبیوں سے بھی آگے نکل گیا ہے (حقیقۃ النبوۃ)

مرزائے قادیاں نے کہا: خدا نے مجھے وہ بزرگی بخشی جو دنیا جہاں کے کسی اور شخص کو نہیں دی (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰) میرا قدم اس منارہ پر ہے جہاں تمام بلندیاں ختم ہو جاتی ہیں (خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵) اور لکھا کہ خدا نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر تقسیم کئے جائیں تو ان کی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے (چشمۂ معرفت ص ۱۷) اور لکھا کہ میں نور ہوں، مجدد مامور ہوں عبد منصور ہوں۔ مہدی موعود اور مسیح موعود ہوں مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔ میں مغز ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں اور سورج ہوں جس کو دھواں نہیں چھپا سکتا اور ایسا کوئی شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو ہرگز نہیں پاؤ گے (اقتباس از خطبہ الہامیہ)

مسیح قادیاں نے لکھا جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے۔ (حقیقۃ الوحی) صفحہ ۱۶۳

مسیح قادیاں نے لکھا: جو میری جماعت میں داخل ہوا در حقیقت میرے خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمود نے اپنے والد سید محمد جونپوری سے روایت کی کہ میراں جی نے فرمایا کہ نہ میں کسی سے جنا گیا۔ اور نہ میں نے کسی کو جنا۔ اور ایک روز ان کے خلیفہ دلاور کے سامنے یوسف نام ایک شخص نے بوقت وعظ سورۂ اخلاص پڑھی جب وہ لم یلد ولم یولد پر پہنچا تو دلاور نے کہا نہیں یلد و یولد یوسف نے کہا نہیں لم یلد ولم یولد۔ دلاور نے کہا یلد و یولد عبدالملک نے یوسف سے کہا بھائی خاموش رہو۔ میاں جی ولایت کا شرف بیان کرتے ہیں۔ جو کہتے ہیں سو حق ہے۔ (ہدیہ ۲۴۹)

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمد جونپوری کے خلیفہ میاں نعمت نے کہا گو میں بندۂ کمینہ نعمت ہوں لیکن کبھی میں خدا بن جاتا ہوں اور کبھی حق تعالیٰ مجھ سے فرماتا ہے اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ تو مجھ سے پیدا ہُوا اور میں تجھ سے پیدا ہُوا (ہدیہ) صفحہ ۲۵۰

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمد جونپوری کے خلیفہ شاہ نظام نے اپنا ایک طویل کشف ظاہر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو سرفراز کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے دریافت کرتا ہے کہ اگر تو کہے تو یہ درجہ اس کو دوں ورنہ ہرگز نہ دوں پس میں سفارش کرکے اس (ولی) کو درجہ دلا دیتا ہوں۔ (ہدیہ) صفحہ ۲۵۰

مہدوی لوگ سید محمد جونپوری کو رسول صاحب شریعت جانتے ہیں اور ان کے بعض احکام کو شرع محمدی کے بعض احکام کا ناسخ سمجھتے ہیں۔

ہدیہ مہدویہ (۲۴)

شواہد کے تیرہویں باب میں لکھا ہے کہ مہدویت اور نبوت میں نام کا فرق ہے کام اور مقصود ایک ہے ہدیہ ۲۲۱ ام العقاید

مسیح قادیاں نے اپنا ایک کشف بدیں الفاظ بیان کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بعینہ اللہ ہوں اور میں نے یقین کر لیا کہ میں اللہ ہی ہوں۔ اسی حال میں (جبکہ میں بعینہ خدا تھا) میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم دنیا کا کوئی نیا نظام قائم کریں یعنی نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں پس میں نے پہلے زمین اور آسمان اجمالی شکل میں بنائے جنمیں کوئی ترتیب و تفریق نہیں تھی۔ پھر میں نے انہیں تفریق کردی اور جو ترتیب درست تھی اسکے موافق انکو مرتب کر دیا۔ اس وقت میں اپنے تئیں ایسا پاتا تھا کہ گویا میں ایسا کرنے پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمانی دنیا کو پیدا کیا اور کہا اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی سے بنائیں (آئینۂ کمالات صفحہ ۵۶۴-۵۶۵)

مسیح قادیاں کو الہام ہُوا۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ (اے مرزا تو مجھ میں سے پیدا ہُوا اور میں تجھ سے پیدا ہُوا) (حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۴)

مسیح قادیاں نے لکھا: مجھے خدا کی طرف سے دنیا کو فنا کرنے اور پیدا کرنے کی طاقت دی گئی ہے۔ میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہ ہوگا۔ مگر وہی جو مجھ سے ہوگا۔ اور میرے عہد پر ہوگا۔

(کتاب خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۳)

مولوی ظہیر الدین مرزائی متوطن اروپ ضلع گوجرانوالہ مرزا صاحب کو صاحبِ شریعت رسول بناتے ہوئے لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کے الہاموں میں لفظ (رفیق درمی) آیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے قرآن میں نہیں آیا (آئینہ کمالات) بلکہ مرزا نے بھی بہت سے احکام اسلامی کو منسوخ قرار دیا اور شرح اس کی آگے آئے گی۔

مرزا قادیاں نے لکھا لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا

لکھا ہے کہ مہدی موعود فرماتے ہیں جو حکم کہ میں بیان کرتا ہوں خدا کی طرف سے بامر خدا بیان کرتا ہوں جو کوئی ان احکام میں سے ایک حرف کا منکر ہوگا وہ عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ (ہدیہ ۲۵)

سید جونپوری کو ہندی فارسی عربی اور گجراتی میں الہام ہوتے تھے۔ منجملہ ان کے یہ اردو فقرہ بھی وحی ہوا اے سید محمد دعویٰ مہدویت کا کہلاتا ہوئے تو کہلا نہیں تو ظالماں میں کروں گا۔ چنانچہ شواہد الولایت کے باب ہفدہم میں لکھا ہے۔ واہ کیا فصیح و بلیغ فقرہ اترا کہ تمام اہل ہند کو اس کی فصاحت نے حیران کر دیا۔ ہدیہ مہدویہ (۲۶)

شواہد الولایت کے چھبیسویں باب میں لکھا ہے کہ سید محمد جونپوری نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے اوصاف پیغمبروں کے سامنے بیان فرمائے تھے اس لئے اکثر پیغمبروں کو تمنا تھی کہ اس عاجز کی صحبت میں پہنچیں اور انتیسویں باب میں لکھا ہے کہ اکثر انبیاء و مرسلین اولو العزم دعا مانگتے تھے کہ بار خدایا ہم کو امت محمدی میں کر کے مہدی کے گروہ میں کرے۔ ان میں سے بہتر عیسیٰ کی دعا قبول ہوئی کہ اب وہ آکر بہرہ یاب ہوں گے۔ چنانچہ دیوان مہدی کا مؤلف سید جونپوری کی نعت میں لکھتا ہے ؎

بل چہ عالم کہ از آدم و عیسیٰ ۔۔۔ ز یحییٰ و خلیل از موسیٰ
بودہ غایت بصحبتش ہوسی ۔۔۔ ہر چہ ہست از ولایت ظہور است
ولہ
نقطۂ آن دائرۂ مفضلاں ۔۔۔ شد متمنائے ہمہ مرسلاں
خواست ز حق ہر یکے از اولین ۔۔۔ رب اجعلنی لمن الآخرین

ہدیہ مہدویہ (۲۴۴)

پنج فضائل میں ہے کہ مہدی جونپوری قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے۔ حاجی محمد فرہی نے پوچھا میراں جی خدام تو آئے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کب آئیں گے۔ میراں نے ہاتھ پیچھے کر کے کہا کہ بندہ کے پیچھے آئیں گے فوراً حاجی محمد فرہی کو عیسیٰ روح اللہ کا

دعوے کرے۔ مگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے نہ کوئی نئی نبوت۔

(چشمۂ معرفت ۲۵، ۳۲۴)

مرزا کو بھی کئی زبانوں میں الہام ہوتے تھے۔ چند الہام ملاحظہ ہوں۔ خاکسار پیپرمنٹ۔ پیٹ پھٹ گیا جیسے جیتے جہنم میں چلا گیا۔ خدا قادیان میں نازل ہوگا۔ تہی دستانِ عشرت را۔ دِس اِز مائی اینمی۔ پریشن، بست و یک روپیہ آنے والے ہیں۔ قرآن خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ دیکھو کیا کہتی ہے تصویر تمہاری ہیں اس گھر سے جانے والی تھی مگر تیر ہوا سطی رہ گئی

مسیح قادیان نے لکھا۔ خدا نے مجھے آدم سے لیکر یسوع مسیح تک مظہر جمیع انبیاء قرار دیا یعنی الف سے حرف یا تک اور پھر تکمیل دائرہ کی غرض سے الف آدم سے لیکر الف احمد تک صفت مظہریت کا خاتم بنایا (نزول المسیح صـ۲) اسی طرح لکھا ہے آدمم نیز احمدِ مختار، در برم جامۂ ہمہ ابرار، آنچہ داد است ہر نبی را جام، داد آں جام را مرا بتمام، آن یقینے کہ بود عیسیٰ را، ہر کلامے کہ شد برو القاء، وان یقین کلیم بر تورات، وان یقین ہائے سید السادات، کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین، ہر کہ گوید دروغ ہست و لعین، زندہ شد ہر نبی بآمدنم، ہر رسولے نہان بہ پیراہنم (نزول المسیح ۹۹-۱۰۰) مرزا محمود احمد نے کہا کہ مسیح موعود کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا اس زمانہ میں ذہنی ترقی زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرت پر حاصل ہے نبی کریم صلعم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا اور نہ قابلیت تھی۔ (قادیانی ریویو جون ۱۹۲۹ء)

مسیح قادیاں نے لکھا: اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ (کشتی نوح صـ۵۶)

مقام حاصل ہو گیا میراں (سید جونپوری) کی زندگی بھر تو خاموش رہا
ان کی رحلت کے بعد سندھ میں نگر ٹھٹھ کی طرف جا کر مسیحیت کا
دعویٰ کر دیا (ہدیہ مہدویہ صفحہ ۲۴۵)

شواہد الولایت (مہدویوں کی ایک کتاب) کے چوبیسویں
باب میں لکھا ہے کہ میراں (سید محمد جونپوری) نے فرمایا
کہ حق تعالیٰ نے ارواح اوّلین و آخرین کو حاضر کر کے فرمایا کہ اے
سید محمد! ان سب ارواح کا پیشوا اپنا قبول کر۔ میں نے اپنی
عاجزی کا خیال کر کے عذر کیا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ عنایت الٰہی میرے
حال پر مبذول ہے قبول کر لیا۔ ہدیہ مہدویہ (۲۴۵)

شواہد الولایت کے چھبیسویں باب میں لکھا ہے کہ دونوں محمدوں
کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور فرق کرنے والے کو زیاں ہے
یعنی جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سید جونپوری برابر ہیں
اور مہدویہ کی ایک کتاب جوہر نامہ میں لکھا ہے۔ (دوہرہ)

نبی مہدی یک ذات جانو برابر اجتہاد عقلی سوں پاک
ظاہر باطن تابع متبوع حق مانو کل اوراک

مہدویوں کی ایک کتاب صراط مستقیم میں ہے کہ نبی و مہدی
علیہما السلام یک ذات موصوف بجمیع صفات سرتاپا
مسلمان ظاہر و باطن کلام اللہ سوں برابر فرق کرن ہارے
کافر مردود۔ ہدیہ مہدویہ (۲۴۵۔۲۴۶)

مہدویہ کا اعتقاد ہے کہ سید محمد جونپوری ہی مہدی موعود
تھے۔ اب ان کے سوا کوئی مہدی وجود میں نہیں آئے گا اور
جو شخص اس عقیدے پر نہیں وہ کافر ہے۔ (ایضاً ۲۵۹)

مہدویہ کہتے ہیں کہ سید جونپوری وہی مہدی ہے جس کی
نسبت محمد بن سیرین نے فرمایا کہ وہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے
بہتر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے اور دوسری روایت میں

اور لکھا کہ ؎

انیک منم بحسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم

مرزا نے لکھا خدا عرش پر میری تعریف کرتا ہے انجام آتھم ۵۵،
میرے آنے سے پہلوں کے سورج ڈوب گئے (خطبہ الہامیہ) زندہ
شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم (درثمین ۱۶۰) جس
طرح پہلی رات کا چاند کمی روشنی کی وجہ سے ہلال اور چودھویں
کا کمال روشنی کی وجہ سے بدر کہلاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم صدی اوّل میں ہلال اور میں چودھویں صدی میں بدر منیر
ہوں (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۷۔۱۸۵ تک کا خلاصہ)

مرزا نے لکھا کہ جس شخص نے مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں کچھ فرق سمجھا تو اس نے مجھے پہچانا اور نہ مجھے دیکھا (خطبہ
الہامیہ ص ۱۷۱) میرا وجود عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود
ہو گیا۔ (ایضاً) میں خود محمد اور احمد بن چکا ہوں خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہی اپنے دوسرے وجود میں اپنی نبوت سنبھال لی ہے
اور محمد کی نبوت محمد ہی کے پاس رہی ہے غیر کے پاس نہیں گئی (ذاتہا
ایک غلطی کا ازالہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر خاتم النبیین کو
مبعوث کرے گا پس مسیح موعود خود رسول اللہ تھے جو اشاعت اسلام
کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے (کلمۃ الفصل ص ۱۸۵) محمد پھر
اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں محمد دیکھنے
ہوں جس نے اکمل، غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں (بدر جلد ۲ ص ۱۴۳)
وہ آخری مہدی جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ میں ہی ہوں
(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۲)

مرزا غلام احمد نے لکھا۔ "میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت
محمد ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ حضرت ابو بکر کے درجہ
پر ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ابو بکر تو کیا وہ تو بعض انبیاء

ہے کہ وہ بعض انبیاء علیہم السلام پر بھی فضیلت رکھتا ہے (ہدیہ ۲۸۲)
مہدویہ کہتے ہیں کہ نبوت و رسالت کسبی ہے کہ جب ریاضت
و مشقت زیادہ کرتے ہیں تو حاصل ہو جاتی ہے۔ غرض ان کے نزدیک
شرط استحقاق زیادہ مشقت ہے لیکن یہ اہل ایمان کا یہ مذہب نہیں
بلکہ یہ فلاسفۂ یونان کا مشرب ہے۔ (۲۷۸)

سید محمد جونپوری کے پیروؤں نے اپنی دعوت کی
بنیاد امر معروف و نہی منکر پر رکھی۔ ان کے طریقہ کی پہلی
شرط یہ تھی کہ ہر حالت میں احکام شریعت کی تبلیغ کریں۔
یہ لوگ جہاں کہیں شہر و بازار میں کوئی نامشروع دیکھتے تو حق
احتساب ادا کرتے۔ شیخ علائی مہدوی خاص طور پر امر معروف و
نہی کے منکر تھے۔ (منتخب التواریخ ص ۱۰۷-۱۰۸)

انصاف نامہ کے باب دوم میں لکھا ہے کہ سید محمد
جونپوری نے فرمایا۔ کہ میری مہدیت کا انکار کفر ہے۔ اور
ملا احمد خراسانی نے سید محمود فرزند مہدی جونپوری سے پوچھا
کہ منکرین مہدی کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں کہا کافر کہتا ہوں
ملا احمد نے کہا اگر بالفرض میں انکار کروں کہا کہ اگر سلطان
العارفین بایزید بسطامی بھی مہدی کا انکار کرے تو وہ کافر
ہو جائے۔ ہدیہ مہدویہ (۱۹۸)

انصاف نامہ کے باب سوم میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری
نے فرمایا کہ ہمارے منکروں کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے
اگر پڑھی ہوں تو اعادہ کرے (ہدیہ مہدویہ ۱۹۸)

انصاف نامہ کے باب چہارم میں لکھا ہے کہ شہر ٹھٹھ میں
میراں اپنی مہدویت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ایک شخص اپنے لڑکے
کے لئے ملتجی دعا ہوا مہدی جونپوری نے جواب دیا کہ اگر
حق تعالیٰ توفیق دے تو ہیں (دعا کی جگہ) تم لوگوں سے جزیہ لوں

سے بھی بہتر ہے (معیار الاخیار ص۱۱)

میاں (محمود احمد) صاحب (خلیفہ ثانی) نے زبانی گفتگو میں
یہاں تک بھی فرما دیا کہ اگر میں کوشش کروں تو نبی بن سکتا ہوں
اور اگر منشی فاضل جلال الدین (راوی) کوشش کریں تو وہ بھی نبی بن
سکتے ہیں۔ (النبوۃ فی الاسلام ص۱۷۵)

مسٹر محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور زیر عنوان "احمدیت اشاعت
اسلام کی تحریک ہے" لکھتے ہیں احمدیت کا صحیح مفہوم صرف
اسی قدر ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کی ایک زبردست تحریک ہے اور
جسقدر اسکی نمایاں خصوصیات ہیں وہ صرف اسی عظیم الشان غرض
کو حاصل کرنے کے ذرائع ہیں یہاں تک کہ خود بانی تحریک کے دعاوی
کو ماننا بھی بجائے خود ایک مقصد نہیں بلکہ تبلیغ اسلام کے اہم مقصد کو
حاصل کرنے کا ذریعہ ہے (تحریک احمدیت ص ۱۷۹)

مسیح قادیاں کو الہام ہوا جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا
وہ جو تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور جو تیرا مخالف رہیگا وہ
خدا اور رسول کی نافرمانی کرنیوالا اور جہنمی ہے (اشتہار معیار الاخیار
۱۸۹۹ء) مرزا نے ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مرحوم پٹیالوی کو لکھا تھا
خدائے تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری
دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے
(جریدۂ فاروق ۱۲ جنوری ۳۱ء) جو شخص میرے مخالف ہیں ان کا نام عیسائی
یہودی اور مشرک رکھا گیا (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۷)

مرزا غلام احمد نے کہا کہ جو شخص ہمارا منکر ہے اس کے پیچھے ہرگز
نماز نہ پڑھی جائے اور فتاوی احمدیہ ص۱۲ میں ہے کہ مسیح موعود نے فرمایا
کہ جو شخص حج کو جائے وہ مکہ معظمہ اپنی جائے قیام پر ہی نماز پڑھ لے (الفضل ۲ مارچ

مرزا محمود احمد خلیفۂ ثانی نے اپنی تقریر میں کہا: جو شخص احمدی
نہیں وہ ہمارا دشمن ہے ہماری بھلائی کی صرف ایک صورت ہے
کہ ہم تمام دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں تاکہ ان پر غالب آنے کی کوشش
کریں شکاری (مرزائی) کو کبھی غافل نہ ہونا چاہیئے اور اس امر کا برابر

اور خوندمیر خلیفہ مہدی کہا کرتا تھا کہ منکر لوگ حربی ہیں
(ہدیہ مہدویہ ۱۹۸)

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہو گا اور
اس کے شارحین اور نووی لکھتے ہیں کہ دسویں صدی کے سر پر
مہدی مجدد ہوں گے اور سید جونپوری کی ذات بھی اسی تاریخ پر
سید جونپوری نے حکم دیا کہ کسی کے پاس قلیل مال ہو یا کثیر اس
کا دسواں حصّہ خیرات کرنا اس پر فرض ہے (ایضاً ص ۲۸)
کتب مہدویہ میں لکھا ہے کہ مہدی جونپوری کی عادت
تھی کہ جب دعویٰ کرتے تھے تو الفاظ دعویٰ سے تاریخ نکلا کرتی
تھی چنانچہ یہاں قال مَنِ اتَّبَعَنِی فھو مومن (فرمایا جس نے میرا
اتباع کیا وہ مومن ہے) سے تاریخ ۹۰۱ھ کی عیاں ہے۔
(ایضاً ۹۵)

مہدوی لوگ کلام الٰہی کی لفظی و معنوی تحریف کرتے ہیں حالانکہ
اہل کتاب کا عموماً خصوصاً یہود کا شیوہ ہے اور ہر جگہ تحریف
کرتے وقت کہتے ہیں کہ اس سے مراد الٰہی یہ ہے اور تفسیر بالرائے
کفر ہے۔ اور ظاہری مطلب کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی معنی
گھڑ لینا فرقہ باطنیہ کا طریقہ ہے جو نصوص و احکام کو ظاہری معنی
پر محمول نہیں سمجھتے بلکہ جو جی میں آتا ہے قرآن و حدیث کے معنی
بنا لیتے ہیں حالانکہ یہ فرقہ بالاتفاق گمراہ ہے اور لطف یہ ہے
کہ فرقہ باطنیہ کو یہ لوگ بھی گمراہ سمجھتے ہیں لیکن تحریف اور تاویل
کاری میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں (ایضاً ۱۷۹)

قرآن حکیم میں ہے "اے پیغمبر! آپ (جلد یاد کر لینے کی غرض
سے وحی کے ساتھ ہی) اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے (کیونکہ آپ
کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) پڑھوا دینا
ہمارا کام ہے سو جب جبریل پڑھا کریں تو آپ اس کی متابعت
کیجئے پھر (اس قراءت کے بعد) اس کا مطلب واضح کرنا بھی ہمارے

خیال رکھنا چاہیئے کہ شکار (مسلمان) بھاگ نہ جائے یا ہم پر
ہی حملہ نہ کر دے (الفضل ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء) ہمارے دشمن (مسلمان) جنگلوں
کے سور ہیں اور ان کی عورتیں کتیوں سے بدتر ہیں (نجم الہدیٰ ص۱۰)
مرزا نے لکھا کہ انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر
مہر لگا دی ہے کہ وہ (مہدی) چودھویں کے سر پر پیدا ہو گا
اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہو گا (اربعین نمبر ۲ ص ۲۳)
مرزا نے حکم دیا کہ اس قبرستان میں وہی مدفون ہو گا جو اپنی جائداد
کے دسویں حصّہ یا اس سے زیادہ کی وصیت کرے (الوصیۃ ص ۱۹)
مرزائے قادیاں کی بھی عادت تھی کہ ایسے الفاظ کے عدد نکالنے
کے درپے رہتے تھے جن سے وہ کسی طرح مسیح سمجھے جا سکیں ازالہ صفحہ
۱۵۸ میں لکھا کہ "غلام احمد قادیانی" کے اعداد تیرہ سو ہیں اور صرف
میرا ہی دعویٰ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ میں ہی اس صدی میں
مسیح ہو کر آیا ورنہ تم آسمان سے مسیح کو اتار لاؤ۔"
مرزا تحریف و تبدیل میں بالکل فرقہ باطنیہ کا نقش ثانی
تھا۔ چنانچہ لکھا کہ علماء کو روحانی کوچہ میں دخل ہی نہیں۔
یہودیوں کے علماء کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں
ڈھالتے جاتے ہیں لیکن ایک دوسرا گروہ (باطنیہ اور مرزائیہ کا)
بھی ہے جو آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت کے موافق
سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور مجازات کے قائل
ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ بہت تھوڑے ہیں۔
(ازالہ صفحہ ۱۰)
مسیح قادیاں نے کہا۔ "میں قرآن کی غلطیاں نکالنے
آیا ہوں (ازالہ ۳۷۱)
کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے (جو شارع علیہ السلام
اور صحابہؓ سے ارشاً پہنچی تھیں) مولوی لوگوں کو بہت خراب کیا
ہے اور ان کے دلی اور دماغی قویٰ پر بہت بُرا اثر ان سے پڑا
ہے (ازالہ ۳۷۹)

فرمتے ہے) جونپوری نے اس آیۃ کی تفسیر میں کہا کہ ثُمَّ تراخی کے لئے آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا واضح مطلب مہدی کی زبان سے ظاہر ہو گا۔ مہدی جونپوری کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ اے پیغمبر آپ بالفعل الفاظ قرآن کو توجبریل سے سیکھ لیجیے۔ لیکن قرآن کا مطلب و مفہوم ہم نو سو سال کے بعد سید محمد جونپوری کی زبان سے ظاہر کریں گے اور تمام اُمّت مرحومہ نو صدیوں تک محروم البیان اور خطائے معنوی میں مبتلا رہے گی۔ (ہدیہ مہدویہ ۱۲۰ - ۱۲۳)

سید جونپوری نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے بندے (جونپوری) کے وصف پیغمبروں سے بیان فرمائے اس لئے اکثر پیغمبروں کی تمنا تھی کہ میری صحبت میں پہنچیں (ایضاً ص ۴۴۲)

میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو اس میں میرا مقابلہ کر سکے۔ (ضرورۃ الامام صفحہ ۲۶)

یہ عاجز اسی کام کے لئے مامور ہے تا کہ غافلوں کے سمجھانے کے لئے قرآن شریف کی اصلی تعلیم پیش کی جائے۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۷۷)

مرزا غلام احمد نے لکھا۔ "اے عزیزو! اس شخص (مرزا مسیح موعود) کو تم نے دیکھ لیا۔ جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے خواہش کی۔ (اربعین نمبر ۲ ص ۱۴)

بابی خوانِ الحاد سے ریزہ چینی

ہر چند کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے پیشرو مرزا علی محمد باب کے خوانِ الحاد سے بہت کچھ ریزہ چینی کی لیکن اس نے اپنی عادت مستمرہ کے بموجب احسان شناسی کے فرض سے ہمیشہ پہلو تہی کی۔ قادیانی تحریک کے متعلق علامہ سید محسن امین عاملی کا ایک مضمون مئی ۱۹۲۵ء میں ہندوستان کے بعض جرائد میں شائع ہوا تھا جس میں صاحب ممدوح نے لکھا تھا کہ جب مرزا غلام احمد کا اعجازی کلام دمشق میں پیش کیا گیا تو اہل دمشق نے صاف کہہ دیا کہ قادیاں کا سارا علمی سرمایہ اور استدلال بابیوں کا سرقہ ہے۔ اور یہ کہ اہل قادیاں بابیوں کی نامکمل نقل ہیں (کوکب ہند ۱۷ مئی ۱۹۲۵ء) اور ڈاکٹر ایچ ڈی گرسن وولڈ نے لکھا کہ جہاد سے دست بردار ہونا اور جس سلطنت کے زیر سایہ ہوں اُس کے حق میں وفاداری اور خیر خواہی کا اظہار کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں ایران کے موجودہ بابی اور ہندوستان کے مرزائی حد درجہ کی مشابہت اور موافقت رکھتے ہیں بلکہ یہ مشابہت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ خواہ مخواہ یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرا فرقہ پہلے کی نقل ہے (مرزا غلام احمد قادیانی مؤلفہ ڈاکٹر گرسن وولڈ ص ۴۲) اب ذیل میں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ مرزائیت اور بابیت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔

مرزا علی محمد باب	مرزا غلام احمد
ملا محمد حسین بشرویہ نے کہا کہ مشرق اور مغرب کے تمام سلاطین ہمارے سامنے خاضع و سربسجود ہوں گے (نقطۃ الکاف ۱۴۲) کتاب بیان میں پہلے سے وہ احکام و دستور العمل درج کر دیئے گئے ہیں جن پر مستقبل کی بابی سلطنت کا عمل درآمد ہو گا اور بیان میں صراحتاً کہا ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ سارا ایران بابی ہو جائیگا۔ اور وہاں کا آئین و قانون کتاب "بیان"	مرزا غلام احمد نے ایک الہام کے رُو سے پیشین گوئی کی کہ بادشاہ میرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ (حقیقۃ الوحی) مسیح موعود نے کہا کہ ساری دنیا میں احمدیت ہی احمدیت پھیل جائے گی۔ (الفضل ۲۸ اگست ۱۹۲۳ء) مرزا محمود احمد نے کہا مجھے تو ان غیر احمدی مولویوں پر رحم آیا کرتا ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ احمدیوں کو حکومت دے گا۔ احمدی

کا قانون ہوگا (مقدمہ نقطۃ الکاف کح) حضرات بابیہ باطنی
وروحانی سلطنت کے حکمران ہیں اور ضرور ہے کہ ظاہری سلطنت
بھی ان کو پہنچے گی گو ہزار سال ہی کیوں نہ لگ جائے (ایضاً ۱۸۲-۱۸۳)
مرزا علی محمد باب نے کہا "محمد نقطۂ فرقان ہیں" اور
میرزا علی محمد باب نقطۂ بیان ہے اور پھر دونوں ایک ہو
جاتے ہیں (دیباچہ نقطۃ الکاف)
تمام انبیاء کرام اُمی تھے اور مرزا علی محمد باب بھی اُمی
تھا۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۹)

مرزا علی محمد باب نے کہا "علماء علم وعمل میں مستور اور حب
ریاست میں گرفتار ہیں۔ ان لوگوں نے گوش طلب کو نہ کھولا
اور نظر انصاف سے نہ دیکھا بلکہ اس کے برعکس رد و اعراض
کی زبان کھول دی۔ ان حرمان نصیبوں نے کہا جو کچھ کہا اور کیا
جو کچھ کیا۔ (نقطۃ الکاف ۱۰۸-۱۰۹)

مؤلف نقطۃ الکاف نے سید یحییٰ سے دریافت کیا کہ تمہارے
والد محترم کا حضرت حق (مرزا علی محمد باب) کے متعلق کیا خیال
ہے؟ سید یحییٰ نے جواب دیا کہ وہ اس وقت تک اظہار توقف
کر رہا ہے۔ اس کے بعد کہا میں ذات اقدس کی قسم کھا کر کہتا
ہوں کہ اگر میرا والد باوجود اس جلالت قدر کے اس ظہور باہر النور
پر ایمان نہ لایا تو میں سبیل محبوب میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن
اڑا دوں گا۔ (ایضاً ۱۲۲)
علماء سے میرزا علی محمد باب نے کہا کہ قرآن کی ہر آیت
میرے دعووں کی تصدیق کرتی ہے۔ (نقطۃ الکاف ۱۳۴)
مرزا علی محمد باب نے اپنی کتاب "بیان" میں لکھا تم
لوگ یہود کی تقلید نہ کرو۔ جنہوں نے مسیح علیہ السلام کو دار پر

بادشاہ تختوں پر بیٹھیں گے۔ "الفضل" کے پرانے فائل
نکال کر بیٹھ ہوں گے تو اس وقت ان بیچاروں کا
کیا حال ہوگا (الفضل ۱۵ اکتوبر ۲۲ء)
مسیح قادیاں نے لکھا "خدا تعالیٰ نے ہر ایک بات میں وجود
محمدی میں مجھے داخل کر دیا یہاں تک کہ یہ بھی نہ چاہا کہ یہ کہا جائے
کہ میرا کوئی الگ نام ہو یا کوئی الگ قبر ہو (نزول المسیح ص ۴)
مسیح قادیاں نے لکھا "آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس
میں یہ اشارہ ہے کہ وہ علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا اور قرآن
وحدیث میں کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوگا (ایام الصلح ص ۱۴۷)
مسیح قادیاں نے لکھا "یہ مولوی لوگ اس بات کی شیخی مارتے
ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ نفاق سے زندگی
بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا ہے کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں
نے انہیں بہت خراب کیا ہے (ازالہ ص ۲۷۹) یہ لوگ سچائی کے
پکے دشمن ہیں راہ راست کے جانی دشمن کی طرح مخالف ہیں
(کشتی نوح ص ۶۵) اور لکھا "اے بدذات فرقہ مولویان۔ اے یہودی
خصلت مولویو۔ (انجام آتھم ص ۱۹)
ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں (انوار خلافت ص ۹۰)
اگر کسی احمدی کے والدین غیر احمدی ہوں اور وہ مر جائیں تو ان
کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے (الفضل ۲ مارچ سنہ ۱۹۱۵ء) اگر کسی
غیر احمدی کا چھوٹا بچہ بھی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے
(فتاویٰ احمدیہ ص ۳۱۳) مسیح قادیانی کا ایک بیٹا فوت ہو گیا جو
زبانی طور پر آپ کی تصدیق کرتا تھا لیکن مسیح موعود نے اس
کا جنازہ نہ پڑھا۔ (فتاویٰ احمدیہ ص ۳)
مسیح قادیاں نے لکھا: میں زور سے دعویٰ کرتا ہوں کہ قرآن شریف
میری سچائی کا گواہ ہے (تذکرۃ الشہادتین ص ۴۲)
مرزا نے لکھا کہ تیرھویں صدی میں وہ لوگ جا بجا یہ وعظ
کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں امام مہدی یا مسیح موعود آئے

چڑھایا اور نصاریٰ کی بھی پیروی نہ کرو جنہوں نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انکار کیا اور اہل اسلام کی بھی پیروی نہ کرو جو ہزار سال سے مہدی موعود کے انتظار میں سراپا شوق بنے بیٹھے تھے لیکن جب ظاہر ہُوا تو اس سے انکار کر دیا۔

(دیباچہ نقطۃ الکاف)

حضرت قائم علیہ السلام (میرزا علی محمد باب) کا ظہور بھی جناب محمد رسول اللہ ہی کی رجعت ہے۔ (نقطۃ الکاف ۲۷۳)

عارف باللہ اور عبد منصف کے لئے تو سارا قرآن حضرت قائم علیہ السلام (میرزا علی محمد باب) کی عظمت شان کی باطنی تفسیر ہے۔ (ایضاً ۲۷۳)

اہل ظاہر کی ظاہری الفاظ پر نظر ہوتی ہے اس لئے اس کے مصداق کو نہیں پاتے حالانکہ وہاں اس کا باطن مراد ہوتا ہے لیکن اس کے باطن تک پہنچنا ہر بے سروپا کا کام نہیں بلکہ یہ ایک جلیل القدر منصب ہے جس کا مقام فرشتہ یا نبی یا مومن ممتحن سے قرین ہے اور آج کل مومن ممتحن ہی کہاں ملتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کرے پس ظہور مہدی علیہ السلام کی جو علامتیں حدیثوں میں مذکور ہیں اُن سے ان کا باطن مراد ہے۔ اور چونکہ اکثر اہل آخر الزمان ظاہر بین واقع ہوئے ہیں اس لئے حدیثوں کا مطلب نہیں سمجھتے

(نقطۃ الکاف ص ۱۸۲-۱۸۳)

بابی لوگ مرزا علی محمد باب کی تالیفات کو خرق عادت یعنی معجزہ یقین کرتے تھے (مقالہ سیاح صفحہ)

مرزا علی باب نے کہا میں تفسیر آیات و احادیث ائمۂ اطہار کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں جو کلمات فصاحت ظاہری و باطنی کو متضمن ہیں پانچ ساعت میں بدون تفکر و سکوت ہزار بیت لکھ دیتا ہوں۔ میرے سوا کسی کو یہ قدرت نہیں دی گئی۔ اگر کسی

گا اور کم سے کم یہ کہ ایک بڑا مجدد پیدا ہو گا۔ لیکن جب چودھویں صدی کے سر پر وہ مجدد پیدا ہُوا اور خدا تعالیٰ کے الہام نے اس کا نام مسیح موعود رکھا تو اس کی سخت تکذیب کی اور اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کی اس ملک ہند میں سلطنت نہ ہوتی تو مدت سے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے معدوم کر دیتے۔ (ص ۷۴ تذکرۃ الشہادتین)

مسیح قادیان نے لکھا میری طرف سے کوئی نیا دعویٰ نبوت اور رسالت کا نہیں بلکہ میں نے محمدی نبوت کی چادر کو ہی ظلی طور پر اپنے اوپر لیا ہے (نزول المسیح صفحہ ۳)

مسیح قادیاں نے لکھا۔ میں زور سے دعویٰ کرتا ہوں کہ قرآن شریف میری سچائی کا گواہ ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین ۴۲)

مسیح قادیاں نے لکھا: لیکن مشکل تو یہ ہے کہ روحانی کوچہ میں ان (علماء) کو دخل ہی نہیں یہودیوں کے علماء کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں لیکن ایک دوسرا گروہ (مرزائیوں کا) بھی ہے جن کو خدا تعالیٰ نے یہ بصیرت اور فراست عطا کی ہے کہ وہ آسمانی باتوں کو آسمانی قانون قدرت کے موافق سمجھنا چاہتے ہیں اور استعارات اور مجازات کے قائل ہیں لیکن افسوس کہ وہ لوگ بہت تھوڑے ہیں (ازالہ ص ۱۱) ہر ایک استعارہ کو حقیقت پر حمل کر کے اور ہر ایک مجاز کو واقعیت کا پیرایہ پہنا کر ان حدیثوں کو ایسے دشوار گذار راہ کی طرح بنایا گیا جس پر کسی محقق معقول پسند کا قدم نہ ٹھہر سکے (ازالہ اوہام ص ۲)

مسیح قادیاں نے لکھا: میری کلام نے وہ معجزہ دکھلایا کہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔ (نزول المسیح ص ۱۳۲)

مرزا غلام احمد نے لکھا کہ خدا تعالیٰ کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ میں فصیح بلیغ عربی میں تفسیر لکھ سکتا ہوں۔ اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ وہ مولوی ہو یا گدی

کو دعوٰی ہو کہ میری طرح وہ بھی اُمّی ہے تو وہ میرے جیسا کلام پیش کرے۔ (نقطۃ الکاف ص ۱۰۷)

ملّا محمد علی محمد نے بیان کیا کہ مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ان کا جو امام غائب ہو گیا تھا وہ ظاہر ہو گا۔ کافہ مسلمین برابر منتظر تھے۔ اب ہم لوگ (بابی) کہتے ہیں کہ امام منتظر ظاہر ہو گیا ہے اور وہ میرزا علی محمد باب ہے لیکن یہ نادان ہماری تکذیب کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث ہی کو جو باب علیہ السلام کے حق میں وارد ہوئی ہیں محک حق و باطل بنا لو مگر کچھ التفات نہیں کرتے ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اچھا بابی حضرات کے علم و عمل تقوٰی طہارت تدین توجہ الی اللہ زہد و ایثار تبتل و انقطاع کو غیر بابیوں کے علم و عمل سے مقابلہ کر لو وہ کچھ جواب نہیں دیتے۔ ہم نے بارہا مباہلہ کی دعوت دی کہتے ہیں ہمارے ہاں مباہلہ جائز نہیں۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۳۰)

مرزا علی محمد باب کا دعوٰی تھا کہ میں رسول اللہ کی رجعت اور مہدی موعود ہوں۔ ائمۂ دین نے میرے حق میں بہت سی پیشین گوئیاں کی ہیں (ایضاً ۱۵۲)

امام جامع اصفہان نے مرزا علی محمد باب سے سوال کیا کہ تمہاری حقیقت کی کیا دلیل ہے۔ کہنے لگا میری آیت صدق یہ ہے کہ میں ہر موضوع پر چھ ساعت میں ہزار بیت قلم برداشتہ بلا غور و فکر لکھ دیتا ہوں۔ امام نے کہا اچھا سورۂ کوثر کی تفسیر ہمارے سامنے لکھو۔ باب نے چھ ساعت میں ہزار بیت لکھ دیئے امام جامع اصفہان کو یقین ہو گیا کہ یہ توفیق منجانب اللہ ہے۔ (نقطۃ الکاف صفحہ ۱۱۶)

باب نے کہا کہ عیسٰی علیہ السلام کے ظہور کے وقت انجیل کا درخت لگایا گیا تھا اس وقت اُسے کمال نصیب نہ ہوا تھا البتہ محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر اُسے کمال نصیب ہوا اسی طرح قرآن

نشین الیسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکے گا۔

(نزول المسیح ص ۵۳)

مسیح قادیاں نے لکھا: دیکھو آسمان نے خسوف کسوف کے ساتھ گواہی دی اور تم نے پرواہ نہیں کی اور زمین نے غلبہ صلیب اور نجاست خوروں کے نمونہ سے گواہی دی اور تم نے پرواہ نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے پاک اور بزرگ نبی کی عظیم الشان پیشگوئیاں گواہوں کی طرح کھڑی ہو گئیں اور تم نے ذرہ التفات نہیں کی (ایام الصلح ص ۹۱) بڑا افسوس ہے کہ خدا کی طاقت کھلے طور پر میری تائید میں آسمان سے نازل ہو رہی ہے مگر یہ لوگ شناخت نہیں کرتے۔ اُمّت ضعیفہ کی ضرورت پر نظر نہیں ڈالتے صلیبی غلبہ کا مشاہدہ نہیں کرتے اور ہر روز ارتداد کا گرم بازار دیکھ کر ان کے دل نہیں کانپتے اور جب ان کو کہا جائے کہ عین ضرورت کے وقت میں عین صدی کے سر پر غلبہ صلیب کے ایام میں یہ مجدد آیا تو کہتے ہیں کہ حدیثوں میں ہے کہ اس اُمت میں تیس دجال آئیں گے

مسیح قادیان نے لکھا: ہاں میں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا اور پھر خدا نے ان کی معرفت بڑھانے کیلئے منہاج نبوت پر اسقدر نشانات ظاہر کئے کہ لاکھوں انسان ان کے گواہ ہیں (نشانِ آسمانی)

مرزا نے لکھا کہ میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاپردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی میں یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے (نزول المسیح ص ۵۶) جسقدر متفرق کتابوں میں اسرار اور نکات دینی خدا تعالیٰ نے میری زبان پر باوجود نہ ہونے کسی اُستاد کے جاری کئے ہیں اور جسقدر میں نے باوجود نہ پڑھنے علم ادب کے بلاغت اور فصاحت کا نمونہ دکھایا ہے اُسکی کوئی نظیر نہیں (ایام الصلح)

مسیح قادیاں نے لکھا: جس طرح پہلی رات کا چاند کمی روشنی کیوجہ سے ہلال اور چودھویں کا کمال روشنی کی وجہ سے بدر کہلاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدی اول میں ہلال اور میں چودھویں

(نزول المسیح ص [illegible])

([illegible])

کا درخت تو رسول اللہ کے زمانہ میں لگا لیکن اس کا کمال ۱۲۶۰ھ میں ہوا۔ (مقدمہ نقطۃ الکاف مطبوعہ لندن صحیح۔ الاولیٰ)

باب کے احکام توحید و تفرید الٰہی کی حیثیت رکھتے ہیں تمام مال حضرت باب کے مال ہیں۔ دنیا کے تمام مرد باب کے غلام اور تمام عورتیں آپ کی لونڈیاں ہیں جتنا مال چاہتے ہیں اتنا لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جتنا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء (نقطۃ الکاف ۱۵۱)

مرزا علی محمد باب نے کہا دنیا کے تمام ادیان و ملل کو ایک ہو جانا چاہیئے۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔ (دیباچہ نقطۃ الکاف مؤلفہ پروفیسر براؤن)

مرزا علی محمد باب نے کہا میں جو کچھ کہتا ہوں منجانب اللہ کہتا ہوں میں حرام و حلال کے متعلق جو حکم کروں اسے حکم الٰہی یقین کرو۔ اور اس سے اعراض و انکار نہ کرو۔ (ایضاً ۱۰۹)

جب مرزا علی محمد باب کے حواری ملا محمد علی کو گرفتار کر کے شہر بارفروش میں لے گئے تو وہ غضبناک شہریوں میں سے جس کسی کے پاس سے گزرتا اسے ایک دو طمانچے یا گھونسے رسید کر دیتا۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مدرسوں کے طلبہ آ آ کر اس کے منہ پر تھوکتے اور گالیاں دیتے تھے۔ (ایضاً ۱۹۸)

ایک بابی کا بیان ہے کہ راستہ میں آنجناب (مرزا علی محمد باب) سے بہت سے خوارق عادات (معجزات) ظہور میں آئے۔ اور خدا کی قسم ہم نے تو خوارق عادات کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ (ایضاً ۱۱۳)

مرزا علی محمد باب نے لوگوں کو اپنی مہدویت قبول کرنے کی دعوت دی اپنے قاصد اسلامی بلاد کو روانہ کئے۔ اور سلاطین عالم اور علماء ملل کے نام مراسلے ارسال کئے۔ اور اطراف عالم میں نوشتے بھیجے۔ (نقطۃ الکاف ص ۲۰۹، ۲۱۲)

صدی میں بدر منیر ہوں۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷-۱۸۵ کا خلاصہ)

مرزا غلام احمد نے لکھا کہ ریل گاڑی بوجہ ملکیت اور قبضہ اور تصرف تام اور ایجاد دجالی گروہ کے دجال کا گدھا کہلاتا ہے اسکے علاوہ جبکہ مسیح موعود قاتل دجال ہے یعنی روحانی طور پر تو بموجب حدیث من قتل قتیلاً کے جو کچھ دجال (انگریز اور دوسری یورپی اقوام) کا ہے وہ سب مسیح کا ہے (ازالہ اوہام جلد دوم خاتمہ)

حضرت مسیح موعود دنیا کو دین واحد پر جمع کرنیکے لئے آئے تھے۔ آپ کے مقصد اتحاد میں لا شرقیۃ ولا غربیۃ کی شان ہے وہاں مشرق مغرب بلکہ کل دنیا کو ایک دین پر جمع کرنا ہے (الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۴۲ء)

مسیح قادیان نے کہا میری شان میں ہے وما ینطق عن الھویٰ یعنی مرزا اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا بلکہ جو کچھ کہتا ہے منجانب اللہ کہتا ہے (اشتہار انعامی پانسو ص ۴۲)

ایک مرزائی نامہ نگار لکھتا ہے کہ ہم (مرزا صاحب کیساتھ) گنتی کے چند آدمی تھے۔ جدھر کو نکلتے لوگ اشارے کرتے اور گالیاں دیتے۔ ہمارے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ دل بیٹھے جاتے تھے۔ نمازوں میں چیخیں نکل نکل جاتی تھیں زمین درندوں کی طرح کھانے کو آتی تھی۔ (الفضل ۲۶ مئی ۱۹۳۱ء)

مسیح قادیاں نے لکھا: پنجاب کے لوگوں نے بڑی سنگدلی ظاہر کی۔ خدا کے کھلے کھلے نشان دیکھے اور انکار کیا وہ نشان (معجزات) جو ملک میں ظاہر ہوئے جن کے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان گواہ ہیں جو ڈیڑھ سو سے بھی کچھ زیادہ ہیں لیکن اس ملک کے لوگ ابھی تک کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا (نزول المسیح ص ۲۶)

مسیح قادیاں نے لکھا: بارہ ہزار کے قریب اشتہارات دعوت اسلام رجسٹری کرا کر تمام قوموں کے پیشواؤں، امیروں اور والیان ملک کے نام روانہ کئے شاہزادہ ولیعہد اور وزیر اعظم انگلستان گلیڈسٹون اور جرمن وزیر اعظم پرنس بسمارک کے نام بھی روانہ کئے (ازالہ ۱۲۱)

ڈاکٹر گرس وولڈ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی احمدی جماعت کا کئی حیثیتوں سے بابی جماعت سے مقابلہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ مرزا علی محمد باب کی دعوت کل چھ سال یعنی ۱۸۴۴ء سے ۱۸۵۰ء تک رہی اور یہ چھ برس بھی زیادہ تر قید خانہ ہی میں گزرے اور آخر کار قتل کیا گیا۔ اور حکومت ایران نے اس کے پیروؤں پر بڑی سختیاں کیں تاہم بابی جماعت اس قدر بڑھی کہ صرف ایران ہی کے اندر بابیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے دس لاکھ تک ہے۔ اور لارڈ کرزن کے نزدیک ان کی تعداد دس لاکھ ہے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی ص۲۴)

بہائی چشمۂ زندقہ سے سیرابی جس طرح مرزا نے مہدویوں اور بابیوں کے چبائے ہوئے نوالوں کو اپنے خوانِ الحاد کی زینت بنا لیا تھا اسی طرح وہ بہائی سفرۂ زندقہ کے پس انداز سے بھی خوب شکم سیر ہوا۔ ڈاکٹر گرس وولڈ نے لکھا ہے کہ بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ ہی مسیح موعود ہے جو اپنے وعدے کے موافق دوسری دفعہ آیا ہے۔ اور چونکہ ان کے نزدیک رجعت ثانی ظہور اوّل سے زیادہ کامل ہوتی ہے اس لئے بہاء اللہ مسیح سے افضل و اعلیٰ ہے۔ بہاء اللہ نے ۱۸۹۲ء میں رحلت پائی اور اس کا بیٹا عبد البہا جو آج کل بہائی جماعت کا سرگروہ ہے اس کا جانشین ہوا۔ عبد البہا اس بات کا مدعی ہے کہ میری ہستی وہی ہے جو میرے باپ کی تھی اس لئے اس کے تمام القاب اور کمالات مجھ میں ودیعت ہیں چنانچہ وہ عبد البہا اور بہاء اللہ دونوں ہے۔ مرزا غلام احمد نے بھی اس کی دیکھا دیکھی دوگونہ دعوے کئے۔ اور اس حیثیت سے عبد البہا اور مرزا غلام احمد کے دعووں میں بال بھر کا فرق نہیں۔ وہ احمد کا خادم (غلام احمد) بھی ہے اور ساتھ احمد موعود بھی بنتا ہے ایران میں مرزا علی محمد باب نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور بہاء اللہ مسیح موعود ہونے کا دعویدار بنا۔ لیکن مرزا غلام احمد نے باب اور بہا دونوں کے عہدے کہ مہدویت اور مسیحیت کا مشترک تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔ (مرزا غلام احمد ص ۴۳-۴۴)

بہر حال مرزا غلام احمد قادیانی نے بہاء اللہ کے بیانات و دعاوی سے جو اکتساب کیا وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

بہاء اللہ	مرزا غلام احمد
اگر کوئی شخص خدا پر افتراء باندھے کسی اپنے کلام کو اس کی طرف منسوب کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو جلد پکڑتا اور ہلاک کر دیتا ہے اور مہلت نہیں دیتا۔ اور اس کے کلام کو زائل کر دیتا ہے چنانچہ سورۂ مبارکہ حاقہ میں فرماتا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (اور اگر یہ پیغمبر ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ان کی رگِ جان کاٹ ڈالتے)	میرے دعوائے الہام پر تیئیس سال گذر گئے اور مفتری کو اس قدر مہلت نہیں دی جاتی چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ پھر کیا یہی خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ایسے لئام بیباک مفتری کو جلد نہ پکڑے یہاں تک کہ اس افترا پر تیئیس سال سے زیادہ عرصہ گذر جائے توریت اور قرآن دونوں گواہی دے رہے ہیں کہ خدا پر افترا کرنے والا جلد تباہ ہو جاتا ہے (اربعین نمبر ۴ ص۱۴ اور انجام آتھم وغیرہ)
حضرت بہاء اللہ نے علمائے آخر الزمان کے متعلق فرمایا ہے شَرُّ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْهُمْ خَرَجَتِ الْفِتْنَةُ وَاِلَيْهِمْ	مرزا صاحب نے لکھا کہ حدیث میں ہے کہ اس زمانہ کے مولوی اور محدث اور فقہا ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں گے

تعوذ (علماء آسمان کے نیچے سب سے بڑے لوگ ہیں انہی سے
فتنے اٹھے اور انہی کی طرف عود کریں گے (مقال سیاح ص ۱۳۳/۱۲۱)
(۳) خدا کے مظہر برابر آتے رہیں گے کیونکہ فیض الہی کبھی معطل
نہیں رہا اور نہ رہیگا (مقدمہ نقطۃ الکاف) قرآن پاک کی
آیۃ یا بنی ادم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم
ایاتی۔ میں صراحۃً مستقبل کی خبر دی ہے کیونکہ لفظ یاتینکم
کو نون تاکید سے مؤکد کیا ہے اور فرمایا کہ تمہارے پاس ضرور
رسول آتے رہیں گے (کتاب الفرائد ص ۴۱/۳)
(۴) وبالآخرۃ ھم یوقنون یعنی اس وحی پر بھی یقین رکھتے
ہیں جو اخیر زمانہ میں نازل ہوگی (بحر العرفان ص ۱۸۱)
(۵) صحیح بخاری کی حدیث میں ہے ویضع الحرب ہے یعنی مسیح آ
کر جہاد کو برطرف کرے گا۔ (عمدۃ التنقیح ص ۹) بہاء اللہ کے مرید
جہاد کے قائل نہیں اور نہ کسی غازی مہدی پر ایمان رکھتے ہیں (الحکم
۱۳ مئی ۱۹۰۸ء ص ۸) بہاء اللہ نے قتل کو حرام لکھا ہے (حضرت بہاء اللہ
کی تعلیمات ص ۲۲) بہاء اللہ نے لکھا ہے اے اہل توحید کمر ہمت
مضبوط باندھ کر کوشش کرو کہ مذہبی لڑائی (جہاد) دنیا سے محو
ہو جائے حبًا للہ اور بندگان خدا پر رحم کر کے اس امر خطیر پر قیام
کرو اور اس نار عالم سوز سے خلق خدا کو نجات دو (مقالہ سیاح ص ۹۶)
(۶) لو کان الایمان معلقا بالثریا والی حدیث صاف طور پر
حضرت بہاء اللہ کے متعلق ہے کیونکہ وہ ایران کے دار السلطنت
طہران کے قریب ایک موضع میں جسکا نام نور ہے پیدا ہوئے
موضع نور میں ایران کے کیانی بادشاہوں کی نسل میں ایک
خاندان آباد تھا۔ بہاء اللہ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں (کوکب ہند)

جو دور سے زمین پر رہتے ہیں بدل گئے (تبلیغ رسالت ص ۲/۱۳۱)
اے بدذات فرقۂ مولویاں (ضمیمہ انجام آتھم)
سورۂ اعراف میں فرمایا ہے یا بنی ادم اما یاتینکم رسل
منکم یقصون علیکم ایاتی اے بنی آدم تمہارے پاس
ضرور رسول آتے رہیں گے۔ یہ آیۃ آنحضرت پر نازل ہوئی۔
اس میں تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے یہاں نہیں لکھا کہ
ہم نے گذشتہ زمانہ میں یہ کہا تھا سب بلکہ آنحضرت اور آپ کے بعد کے
زمانہ کے لوگ مخاطب ہیں غرض یاتینکم کا لفظ استمرار پر دلالت کرتا ہے
وبالآخرۃ ھم یوقنون اس وحی پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آخری
زمانہ میں مسیح موعود (مرزا) پر نازل ہوگی (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۵۲)
اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال / دیں کے لئے حرام ہے
اب جنگ اور قتال، اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے / دیں کے
تمام جنگوں کا اب اختتام ہے، اب آسماں سے نور خدا کا نزول
ہے، اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے۔ کیوں چھوڑتے ہو
لوگو نبی کی حدیث کو، جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو۔ کیوں
بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۳۹) میں کسی خونی مہدی اور خونی مسیح کے آنے
کا منتظر نہیں (تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۱۹۹)
میرا ایک الہام ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس۔
توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ دوسرا الہام یہ ہے
لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس اگر ایمان
ثریا سے بھی معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے (مرزا) اس کو
وہیں جا کر لے لیتا (کتاب البریہ صفحہ ۱۳۵ حاشیہ)

مرزا غلام احمد اور اس کے اعوان پر نیچریت کا رنگ

جس طرح مرزا غلام احمد مہدویت اور بابیت کی نالیوں سے سیراب ہوتا رہا تھا اسی طرح اس
نے نیچریت کے گھاٹ سے بھی دہریت کی پیاس بجھائی تھی۔ نیچری مذہب کے بانی سر سید احمد خاں
علی گڑھی تھے یہ مذہب آج کل ہندوستان میں بالکل ناپید ہے۔ اس کے اکثر پیرو تو مرزائیت میں مدغم ہوگئے اور جو بچے وہ ۱۹۱۲ء
کی جنگ بلقان کے بعد از سر نو اسلامی برادری میں داخل ہوگئے۔ نیچری مذہب بالکل دہریت سے ہمکنار تھا، مغیبات کا انکار اس

مذہب کا اوّلین اصول تھا۔ وہ عقاید جو اہل اسلام کو مشرکین سے ممیز کرتے ہیں اور جن میں یہود و نصارٰی بھی مسلمانوں سے متفق ہیں۔ مثلاً وحی، ملائکہ، نبوّت، جنّت و نار، حشر و نشر، معجزات وغیرہم نیچریوں کو قطعاً تسلیم نہ تھے۔ سر سید احمد خاں نے تفسیر القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اسلامی تعلیمات کو موڑ توڑ کر یہ کوشش کی تھی کہ اسلام کے ہر عقیدہ و اصول کو الحاد و دہریت کی قامت پر راست لایا جائے۔ سید احمد خاں نے نبوّت اور وحی کو ایک ملکہ قرار دیا۔ چنانچہ لکھا کہ "لوہار بھی اپنے فن کا پیغمبر ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے اور جس شخص میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضا اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ خدا در پیغمبر میں بجز اس ملکہ کے جس کو زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہی جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے، اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے خود اسی کے دل سے فوّارہ کی مانند وحی اُٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے (تفسیر احمدی جلد اوّل صفحہ ۲۴) جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اُن کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور اُن قوٰی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے (ایضاً صفحہ ۴۲) نبوّت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے بلکہ نبوّت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکۂ نبوّت رکھا ہے وہی نبی ہوتا ہے (ایضاً جلد ۳ ص ۹۴) مرزا غلام احمد بھی سر سیّد احمد خاں سے استفادہ کرتا رہتا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کے باہم خط و کتابت بھی جاری تھی۔ میاں بشیر احمد ایم اے بن مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ مرزا دینیگ جالندھری نے مرزا صاحب سے بیان کیا کہ سر سید احمد خاں نے توراۃ و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں۔ آپ پادریوں سے مباحثہ کرنا بہت پسند کرتے ہیں اس معاملہ میں آپ کو ان سے بہت مدد ملے گی"۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سر سید کو عربی میں خط لکھا (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص ۱۳۸) مرزا غلام احمد نے مرزائیت کا ڈھونگ رچانے کے بعد بجز ان عقاید کے جن کے بغیر تقدس کی دکانداری کسی طرح چل نہیں سکتی تھی تمام نیچری اصول کو بحال رکھا۔ میاں محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور نے مرزائیت کو نیچریت سے ممیز کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "عیسائی مورخین نے احمدیت کو اسلام پر یورپین خیالات کے اثر کا نتیجہ قرار دیا ہے مگر ہندوستان کی تاریخ حاضرہ میں ہم کو دو الگ الگ تحریکات نظر آتی ہیں یعنی ایک وہ تحریک جس کا تعلق سر سیّد احمد خاں سے ہے اور دوسری وہ تحریک جس کا تعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے ہے۔ جہاں تک سر سیّد کے مذہبی خیالات کا سوال ہے اور جن کو تحقیر کے رنگ میں نیچریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ان دونوں تحریکوں میں ایک بیّن فرق نظر آتا ہے۔ سر سیّد نے بھی اسلام کے مسائل کو معقولی (یعنی عقلی) رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی اور حضرت مرزا صاحب نے بھی ان مسائل کا معقولی رنگ ہی پیش کیا ہے۔ مگر سر سیّد کی مذہبی تحریک نے یورپین خیالات کی غلامی کا رنگ اختیار کر لیا۔ اور حضرت مرزا صاحب کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت لانے کیلئے تھی (تحریک احمدیت صفحہ ۲۱) مگر مرزا کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت کہاں تک لے آئی؟ اس کی تائید ان پچاس الماریوں سے ہو سکتی ہے جو مرزا نے اپنے یورپی حکام کی خوشامد میں تالیف کیں میر عباس علی لدھیانوی نے جو مرزائیت کے سب سے پہلے غاشیہ بردار تھے مرزائیت اور نیچریت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا "اس وقت جو فیصلہ میری طبیعت نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب صاف اور قطعی طور پر نیچری ہیں معجزات انبیاء و کرامات اولیاء سے مطلق انکار رکھتے ہیں۔ معجزات اور کرامات کو مسمریزم قیافہ

قواعدِ طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو سب اہل اسلام خصوصًا اہل تصوّف نے مانا ہے کوئی چیز نہیں۔ سیّد احمد خاں اور مرزا غلام احمد صاحب کی نیچریت میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ وہ بلباس جاکٹ و پتلون ہیں اور یہ بلباسِ جُبّہ و دستار (اشاعۃ السنہ) چونکہ سرسید نے اپنے الحاد و زندقہ کی دکان کو خوب آراستہ کر رکھا تھا اس لئے نہ صرف خود مرزا کا بلکہ اس کے پیروؤں کا بھی یہ معمول تھا کہ ان ملحدانہ عقاید کی تشریحات کو جو مرزا نے سرسیّد سے لئے تھے سرسید کی کتاب سے نقل کر کے اپنا لیا کرتے تھے۔ اور اس خوف سے کہ لوگ نیچریت سے مطعون نہ کریں ان مضامین کو سرسید کی طرف منسوب کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ لاہور کے ماہوار مسیحی رسالہ "تجلّی" نے لکھا تھا کہ اس وقت دو قادیانی رسالے ہمارے سامنے ہیں "تشحیذ الاذہان" ماہ دسمبر ۱۹۰۸ء اور "ریویو آف ریلیجنز" ماہ فروری ۱۹۰۸ء جن میں بلا اعتراف اور بلا حوالہ وہ ساری بحث سرقہ کر لی گئی جو معجزات مسیح پر سرسیّد نے اپنی تفسیر میں کی تھی۔ وہی دلائل ہیں وہی اقتباسات، وہی آیات، وہی تاویلات وہی نتائج ہیں۔ ہاں بدتمیزی و بے شعوری جو اس طائفہ کا قاعدہ ہے مزید براں ہے" سرسید کی آزاد خیالیوں نے مرزا کیلئے اس کا مجوزہ راستہ بہت آسان کر دیا تھا۔ سرسیّد نے واقعۂ صلیب کا جو نقشہ اپنی تفسیر (جلد دوم ص ۴۸) میں پیش کیا مرزا نے اسی پر وحی الٰہی کا رنگ چڑھا کر اس پر بڑی بڑی خیالی عمارتیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ جب تک مرزا نے یہ تحریریں نہیں پڑھی تھیں براہین کے حصّہ چہارم تک برابر حیات مسیح علیہ السلام کا قائل رہا۔ لیکن جب نیچریت کا رنگ چڑھنا شروع ہُوا یا یوں کہو کہ نیچریت کا یہ مسئلہ مفید مطلب نظر آیا تو نہ صرف اپنے سابقہ الہامات کے گلے پر چھری چلانی شروع کر دی بلکہ عقیدۂ حیات مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) شرک بتانے لگا۔ جس کے یہ معنی تھے کہ وہ پچاس سال کی عمر تک باوجود صاحبِ وحی ہونے کے مشرک ہی چلا آتا تھا۔ جن مسئلوں میں مرزا غلام احمد اور اس کے پیرو نیچریت کے زیر بار احسان ہیں ان میں سے چند مسائل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

سرسید احمد خان	مرزا اور مرزائی
حضرت عیسیٰ بیماروں پر دم ڈالتے اور برکت دیتے تھے لوگ ان کے ہاتھوں کو برکت لینے کے لئے چومتے تھے یہ خیال غلط ہے۔ کہ اس طرح کرنے سے اندھے آنکھوں والے اور کوڑھی اچھے ہو جاتے تھے خدا نے انسان میں ایک ایسی قوت رکھی ہے۔ جو دوسرے انسان میں اور دوسرے انسان کے خیال میں اثر کرتی ہے اس سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جو نہایت عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ اسی قوت پر اس زمانہ میں اُن علوم کی بنیاد قائم ہوئی ہے جو مسمریزم اور اسپریچوا لزم کے نام سے مشہور ہے۔ مگر جبکہ وہ ایک قوت ہے قوائے انسانی میں سے اور ہر ایک انسان میں بالقوہ موجود ہے تو اس کا کسی انسان سے ظاہر ہونا معجزہ میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو فطرت انسانی	مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اُس کو طاقت بخشی گئی تھی وہ ایک فطری طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں چنانچہ اس بات کا تجربہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے۔ حضرت مسیح کے مسمریزم سے وہ مُردے جو زندہ ہوتے یعنی وہ قریب المرگ آدمی جو گویا نئے سرے سے زندہ ہوتے تھے وہ بلا توقف چند منٹ میں مر جاتے تھے کیونکہ بذریعہ عمل الترب (مسمریزم) روح کی گرمی اور زندگی صرف عارضی طور پر ان میں پیدا ہو جاتی تھی عمل الترب یعنی مسمریزم میں مسیح بھی کسی درجے تک مشق رکھتے تھے۔ سلب امراض کرنا اپنی روح کی گرمی جماد میں ڈالنا در حقیقت یہ سب عمل مسمریزم کی شاخیں ہیں۔ ہر ایک زمانے

میں سے انسان کی ایک فطرت ہے حضرت عیسیٰ نے تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کی منادی کی تھی یہی ان کا کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرنا تھا۔ (تفسیر احمدی جلد ۲ ص ۱۶۰ — ۱۶۳)

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ کے پھونکنے کے بعد درحقیقت وہ پرندوں کی مورتیں جو مٹی سے بناتے تھے جاندار ہو جاتی تھیں اور اڑنے بھی لگتی تھیں۔ یہ کوئی امر واقعی نہ تھا بلکہ صرف حضرت مسیح کا خیال زمانہ طفولیت میں بچوں کے ساتھ کھیلنے میں تھا مورتیں بنا کر پوچھنے والے سے کہتے تھے کہ میرے پھونکنے سے وہ پرند ہو جائیں گے پس حضرت عیسیٰ کا یہ کہنا ایسا ہی تھا جیسے کہ بچے اپنے کھیلنے میں بمقتضائے عمر اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۵۲ — ۱۵۱)

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ پہلے ما نافیہ سے قتل کا سلب مراد ہے اور دوسرے سے کمال کا۔ کیونکہ صلیب پر چڑھانے کی تکمیل اسی وقت تھی جب صلیب کے سبب موت واقع ہوتی حالانکہ صلیب پر موت واقع نہیں ہوئی۔ (ایضاً ص ۵۴)

رفع کے لفظ سے حضرت عیسیٰ کے جسم کا آسمان پر اٹھا لینا مراد نہیں بلکہ ان کی قدر و منزلت مراد ہے حضرت عیسیٰ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا (ایضاً ص ۴۴)

جس دن حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھائے گئے وہ جمعہ کا دن اور یہودیوں کی عید فصح کا تہوار تھا دوپہر کا وقت تھا جب ان کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ ان کی ہتھیلیوں میں کیلیں ٹھونکی گئیں۔ عید فصح کے دن کے ختم ہونے پر یہودیوں کا سبت شروع ہونے والا تھا اور یہودی مذہب کی رو سے ضرور تھا کہ مقتول یا مصلوب کی لاش قبل ختم ہونے دن کے یعنی قبل شروع ہونے سبت کے دفن کر دی جائے مگر صلیب پر انسان اسقدر جلد ہی نہیں مر سکتا تھا اس لئے یہودیوں نے درخواست

میں ایسے لوگ ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو اس روحانی عمل کے ذریعہ سے سلب امراض کرتے رہتے تھے۔ اور مفلوج و مبروص و مدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہتے تھے (ازالہ طبع پنجم ص ۱۲۸ — ۱۳۵)

کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کیساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز عمل الترب سے بطور لہو و لعب ظہور میں آ سکیں جس کو زمانہ حال میں مسمرزم کہتے ہیں۔ (ازالہ ۱۲۷ — ۱۲۸)

قرآن کریم کا منشا ما صلبوہ سے یہ ہرگز نہیں کہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا۔ بلکہ منشا یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا اس سے خدا نے مسیح کو محفوظ رکھا۔ (ازالہ طبع پنجم ص ۱۵۷)

رَافِعُكَ اِلَيَّ کے یہ معنی ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے تو ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی (ازالہ طبع پنجم ص ۱۱۲)

رَافِعُكَ اِلَيَّ کے یہ معنی ہیں کہ عزت کیساتھ تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں (ازالہ ص ۲۴۴)

حضرت مسیح بروز جمعہ بوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کیلوں کی تکلیف اٹھا کر بیہوش ہو گئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو ایک دفعہ سخت آندھی اٹھی (نزول المسیح ص ۱۸) مسیح یہودیوں کے حوالے کیا گیا اور اس کو تازیانے لگائے اور جس قدر گالیاں سننا اور طمانچے کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے سے اڑائے جانا اس کے حق میں مقدر تھا سب دیکھا۔ آخر صلیب دینے کیلئے طیار ہوئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور عصر کا وقت اور اتفاقاً یہ یہودیوں کی

کی کہ حضرت مسیح کی ٹانگیں توڑ دی جاویں تاکہ وہ فی الفور مر جاویں مگر حضرت عیسیٰ کی ٹانگیں توڑی نہیں گئیں اور لوگوں نے جانا کہ وہ اتنی ہی دیر میں مر گئے۔ جب لوگوں نے غلطی سے جانا کہ حضرت درحقیقت مر گئے ہیں تو یوسف نے حاکم سے ان کے دفن کر دینے کی درخواست کی۔ وہ نہایت متعجب ہوا کہ ایسے جلد مر گئے۔ یوسف کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔ اور حضرت عیسیٰ صرف تین چار گھنٹہ صلیب پر رہے۔ یوسف نے ان کو ایک لحد میں رکھا اور اس پر ایک پتھر ڈھانک دیا۔ حضرت عیسیٰ صلیب پر مرے نہ تھے بلکہ ان پر ایسی حالت طاری ہو گئی تھی کہ لوگوں نے ان کو مردہ سمجھا تھا۔ رات کو وہ لحد میں سے نکال لئے گئے اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے حواریوں نے ان کو دیکھا اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے۔ بلا شبہ ان کو یہودیوں کی عداوت کے خوف سے نہایت مخفی طور پر کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہوگا۔ جو اب تک نامعلوم ہے (ایضاً ص ۳۸ - الم)

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر یہ کہ یقین کرے ساتھ اس کے (یعنی حضرت عیسیٰ کے صلیب پر مارے جانے کے) قبل اپنے مرنے کے وہ جان لیگا کہ صلیب پر حضرت عیسیٰ کا مرنا غلط تھا اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے (یعنی اہل کتاب کو اپنی زندگی میں جو عقیدہ تھا اس کے برخلاف گواہی دیں گے (ایضاً ص ۱۰۷)

جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے (ایضاً جلد اول ص ۲۸)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات

عید فسح کا دن بھی تھا۔ اور ایک شرعی تاکید تھی کہ سبت میں کوئی لاش صلیب پر لٹکی نہ رہے۔ تب یہودیوں نے جلدی سے مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا تا شام سے پہلے ہی لاش اتاری جائے مگر اتفاق سے اسی وقت آندھی آگئی جس سے سخت اندھیرا ہو گیا۔ یہودیوں کو یہ فکر پڑی کہ کہیں شام نہ ہو جائے۔ اس لئے لاش کو صلیب پر سے اتار لیا۔ عید فسح کی کم فرصتی، عصر کا تھوڑا سا وقت اور آگے سبت کا خوف اور پھر آندھی کا آ جانا ایسے اسباب پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا گیا۔ جب مسیح کی ہڈیاں توڑنے لگے تو ایک سپاہی نے یوں ہی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا کہ یہ تو مر چکا ہے ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں اس طور سے مسیح زندہ بچ گیا۔ (ازالہ ص ۱۵۵) اس کے کچھ عرصہ بعد مسیح کشمیر چلا آیا اور یہیں انتقال کیا چنانچہ سری نگر میں شہزادہ یوز آسف کے نام کی جو مشہور قبر ہے وہ اسی کی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۴)

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا فرمایا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لائے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا یعنی ہم جو پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کوئی اہل کتاب اس بات پر دلی یقین نہیں رکھتا کہ درحقیقت مسیح مصلوب ہو گیا (ازالہ ص ۱۵۴ - ۱۵۵)

دو محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتے ہیں ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے یہ کیفیت دونوں کیفیتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اسکو روح امین بھی کہتے ہیں اسکا نام شدید القوی اور ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے (توضیح مرام)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے

ڈالی کہ سب لوگ جو موجود ہیں اور انہی میں قاتل بھی ہے مقتول کے اعضا سے مقتول کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں ہیں وہ بہ سبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے مگر اصلی قاتل بہ سبب خوف اپنے جرم کے جواز روئے فطرت انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے ایسا نہیں کرے گا۔ اور اسی وقت معلوم ہو جاویگا اور وہی نشانیاں جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھی ہیں لوگوں کو دکھاوے گا۔ اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بھی بہت سے چور معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ بسبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلا خوف بہ تقویت اپنی بے جرمی کے کرتے ہیں نہیں کر سکتے پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنیکی تھی اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔ (ایضاً ص ۱۰۱)

ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ وہ سچ مچ بندر ہو گئے تھے مگر یہ باتیں لغو و خرافات ہیں۔ ان کی حالت بندروں کی سی ہو گئی تھی۔ جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل و خوار ہیں اسی طرح تم بھی انسانوں سے علیحدہ اور ذلیل و خوار ہو۔ (ایضاً ص ۹۹-۱۰۰)

معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسدہٖ بیت المقدس تک جانا اور وہاں سے بجسدہٖ آسمانوں پر تشریف لے جانا خلاف قانون فطرت ہے اس لئے ممتنعات عقلی میں داخل ہے اگر ہم احادیث معراج کے راویوں کو ثقہ اور معتبر تصور کرلیں تو بھی یہ قرار پائیگا کہ ان کو اصل مطلب کے سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی ہوئی مگر اس واقعہ کی صحت تسلیم نہیں ہو سکنے کی اسلئے کہ ایسا ہونا ممتنعات عقلی میں سے ہے اور یہ کہہ دینا کہ خدا میں سب قدرت ہے اس نے ایسا ہی کر دیا ہو گا جاہل اور ناسمجھ بلکہ مرفوع القلم لوگوں کا کام ہے یا ایک واقعہ ہے جو سوتے میں آنحضرت نے دیکھا تھا (ایضاً جلد ۱ ص ۱۳۲)

نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مُردہ زندہ ہو گیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑ گئی تھی۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے خون کرکے چھپا دیا تھا۔ اور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتے تھے سو خدا تعالیٰ نے یہ تدبیر سمجھائی کہ ایک گائے کو ذبح کرکے اس کی بوٹیاں لاش پر مارو اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ ہے ان بوٹیوں کو نوبت بہ نوبت اس لاش پر ماریں۔ تب اصل خونی کے ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ثابت نہیں ہوتا بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف ایک دھمکی تھی کہ تا چور بیدل ہو کر اپنے تئیں ظاہر کرے اصل یہ ہے کہ یہ طریق عمل علم الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بہ حرکت حیوانات پیدا ہو کر مشتبہ و مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے (ازالہ ۳۰۵)

اللہ تعالیٰ نے نافرمان یہودیوں کے قصہ میں فرمایا کہ وہ بندر بن گئے اور سؤر بن گئے سو یہ بات تو نہیں تھی کہ وہ حقیقت میں تناسخ کے طور پر بندر بن گئے تھے بلکہ اصل حقیقت یہی تھی کہ بندروں اور سؤروں کی طرح نفسانی جذبات ان میں پیدا ہو گئے تھے (ست بچن)

نیا اور پرانا فلسفہ اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اس خاکی جسم کے ساتھ کرۂ زمہریر تک بھی پہنچ سکے بلکہ علم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوئی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں پس اس جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔ اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا محالات میں سے ہے تو پھر آنحضرت کا معراج اس جسم کیساتھ کیونکر جائز ہو گا تو اسکا جواب یہ ہے کہ سیر معراج (معاذ اللہ) جسم کثیف کیساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا

(ازالہ ص ۲۴۷)

یہ واقعہ ایسے وقت میں واقع ہُوا تھا جب حضرت بنی ہو چکے تھے اُس وقت حضرت عیسیٰ کی بارہ برس کی عمر تھی جب انہوں نے بیت المقدس میں یہودی عالموں سے گفتگو کی۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تلقین سے جو خلاف عقائد یہودتھی علماء ناراض ہو کر حضرت مریم کے پاس آئے جس سے انکی غرض یہ ہوگی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو ان باتوں سے باز رکھیں۔ الغرض یہ ایسا معاملہ ہے جو فطرت انسانی کے موافق واقع ہُوا۔ شوخ و شریر لڑکے کی ماں سے اسکی شکایت کی جاتی ہے غرض اس سے حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدا ہونے پر کسی طرح استدلال نہیں ہوسکتا۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۳۳)

حضرت یونس کے قصہ میں اس بات پر قرآن مجید میں کوئی نص صریح نہیں ہے کہ درحقیقت مچھلی ان کو نگل گئی تھی اِبْتَلَعَ کا لفظ قرآن میں نہیں ہے اَلْتَقَمَ کا لفظ ہے جس سے صرف منہ میں پکڑ لینا مراد ہے لَبِثَ فِی بَطْنِ الْحُوتِ کی نفی دو طرح پر ہو سکتی ہے اوّل اس طرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہیں دوسرے اس طرح کہ نگلا ہو مگر اس کے پیٹ میں نہ ٹھہرے ہوں (تحریر فی اصول التفسیر یعنی مقدمہ تفسیر سرسید احمد خان مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۷)

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ (حضرت مریم انہیں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں) معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت مریم کی گود میں نہیں تھے بلکہ سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوئے تھے (بیان القرآن مؤلفہ میاں محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور جلد ۲ ص ۱۲۱۱) حضرت عیسیٰ تیس سال کے نوجوان تھے۔ پرانے بزرگوں کے سامنے وہ بچہ ہی تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ جو ہمارے سامنے کا بچہ ہے ہم اس سے کیا خطاب کریں اس کے سوا مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا کے کچھ معنی نہیں بنتے۔ یہ زمانہ نبوت کا کلام ہے نہ پیدائش کے فوراً بعد کا۔ (ایضاً ص ۱۲۱۳)

قرآن مجید میں کسی جگہ مذکور نہیں کہ مچھلی درحقیقت یونس کو نگل گئی تھی۔ کیونکہ لفظ اَلْتَقَمَ کا مفہوم نگل جانا نہیں بلکہ صرف منہ میں پکڑنا ہے۔ لین صاحب نے اپنے لغات میں اَلْتَقَمَ فَاهَا فِی التَّقْبِیْلِ (اس نے بوسہ کیوقت اسکے ہونٹ منہ میں پکڑ لئے) کی نظیر پیش کی ہے بائبل میں مچھلی کا یونس کو نگل جانا اور پیٹ میں داخل ہونا مذکور ہے لیکن قرآن اسکی تردید کرتا ہے۔ (ترجمہ قرآن بزبان انگریزی مؤلفہ میاں محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور حاشیہ ملفوظ ۲۱۲۳)

باب ۱۷۔ قادیاں کے برساتی نبی

جب اُمّتِ مرزائیہ نے دیکھا کہ اُن کے پیر و مرشد نے نبوت کا دعویٰ کرکے ختم نبوت کی سدِّ اسکندری میں رخنہ ڈال دیا ہے تو ہر حوصلہ مند مرزائی کو طمع ہوئی کہ موقع ملنے پر اپنی اولوالعزمی کے جوہر دکھائے اور کچھ بن کر "مسیح موعود" صاحب کی طرح نفع عاجل حاصل کرے۔ چنانچہ قضا و قدر کے ہاتھوں "قادیانی نبوت عظمیٰ" کی بساط کے الٹے جانے کی دیر تھی کہ بہت سے مرزائی یاجوج ماجوج کی طرح دعوائے نبوت کیساتھ ہر طرف سے اُمنڈ آئے۔ اور اپنے اپنے تقدس کی ڈفلی بجانی شروع کر دی جس طرح برکھا رُت میں بارش کا پہلا چھینٹا پڑنے کے ساتھ ہی ہر طرف برساتی کیڑے مکوڑے رینگتے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح ان خودساختہ انبیاء کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان پر برساتی انبیاء کا اطلاق بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے بہرحال ان برساتی نبیوں کے کچھ مختصر سے حالات ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں

چراغ الدین متوطن جموں چراغ الدین نام جموں کا ایک نہایت بیباک مرزائی تھا۔ اس کی شوخ چشمی کا کمال دیکھو کہ اپنی دکان آرائی کے لئے اپنے مقتدا کی موت کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ نہایت بے صبری کے ساتھ مرزا غلام احمد کی زندگی ہی میں

ملے اہل زیغ و ضلال کے جو خرافات اس باب میں سپرد قلم ہوئے ہیں ان کے جوابات انشاء اللہ العزیز خاکسار راقم الحروف کی کتاب فلسفۂ اسلام میں قارئین کرام کی نظر سے گذریں گے ۱۲

نبوت و رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ چونکہ اس دعویٰ سے خود حضرت مسیح موعود کے کاروبار پر اثر پڑنے کا احتمال تھا اس لئے یہ جرم کچھ ایسا خفیف نہیں تھا کہ قابل عفو و درگذر سمجھا جاتا۔ مرزا نے اس کو جماعت سے خارج کر دیا۔ میں اس اقدام میں مرزا کو برسرِ حق سمجھتا ہوں کیونکہ مرید کو اس درجہ شوریدہ سری کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ وہ پیر کے مقابلہ میں کاروبار شروع کر دے اور رقیبانہ چشمک کے سامان پیدا کرے۔ حضرت مسیح موعود صاحب نے اس باغی مرید کے متعلق اپنی کتاب "دافع البلاء" میں جو ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی لکھا کہ چراغ الدین کا جو مضمون رات کو پڑھا گیا وہ بڑا خطرناک اور زہریلا اور اسلام کے لئے مضر ہے اور سر سے پیر تک لغو اور باطل باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ میں رسول ہوں اور رسول بھی اولو العزم اور اپنا کام یہ لکھا ہے کہ تا عیسائیوں اور مسلمانوں میں صلح کرا دے اور قرآن اور انجیل کا تفرقہ باہمی دور کر دے اور ابن مریم کا ایک حواری بن کر یہ خدمت کرے اور رسول کہلاوے۔ یہ کیسی ناپاک رسالت ہے جس کا چراغ الدین نے دعویٰ کیا ہے۔ جائے غیرت ہے کہ ایک شخص میرا مرید کہلا کر یہ ناپاک کلمات منہ پر لاوے لعنۃ اللہ علی الکافرین پھر باوجود ناتمام عقل اور ناتمام فہم اور ناتمام پاکیزگی کے یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ہوں یہ کس قدر خدا کے پاک سلسلہ کی ہتک عزت ہے گویا رسالت اور نبوت بازیچۂ اطفال ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ نفس امارہ کی غلطی نے اس کو خودستائی پر آمادہ کیا ہے پس آج کی تاریخ سے وہ ہماری جماعت سے منقطع ہے جب تک کہ مفصل طور پر اپنا توبہ نامہ شائع نہ کرے اور اس ناپاک رسالت کے دعوے سے ہمیشہ کے لئے مستعفی نہ ہو جائے۔ افسوس کہ اس نے بے وجہ اپنی تعلّی سے ہمارے سچے انصار کی ہتک کی۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ایسے انسان سے

منشی ظہیر الدین اروپی یہ شخص موضع اروپ ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے اس کے نزدیک مرزا ایک صاحب شریعت نبی تھا اس کا خیال ہے کہ قادیاں کی مسجد ہی بیت اللہ شریف ہے۔ اور وہی خدا کے نبی کی جائے ولادت ہے اس لئے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیئے۔ لاہوری پارٹی کے جریدہ پیغام صلح کا مدیر بھی رہ چکا ہے اس نے قادیانی جماعت کے بعض سربرآوردہ افراد کی ہلاکت کی پیش گوئی کی تھی لیکن پوری نہ ہوئی۔ یوسف ہونے کا مدعی تھا لیکن اس دعویٰ پر ثابت قدم نہ رہا۔ اور لاہوری مرزائیوں کے رسالہ المہدی نمبر میں لکھا کہ گو مجھے الہام ہوا تھا اور خدا نے مجھے یوسف قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی تمنّی کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے شیطان ورغلاتا ہے اور جو الہامات مجھے ہوئے ان پر عمل درآمد بھی مشکل ہے اس لئے جس قدر طاقت تھی میں نے کام کر دیا۔ اب طاقت نہیں رہی اس لئے اپنے دعویٰ پر زور نہیں دے سکتا۔ یہ سخت ناکام نبی ہے اور غالباً اب تک زندہ ہے۔ اس نے اپنے ایک مضمون میں جو لاہوری مرزائیوں کے رسالہ "المہدی" میں شائع ہوا لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں بہت تضاد و تخالف ہے۔

محمد بخش قادیانی اس شخص کو مدت العمر قادیاں میں الہام ہوتے رہے مگر مرزائیت قبول نہ کی لیکن جب قوٰی زیادہ مضمحل ہو گئے اور قوت فکر جواب دے بیٹھی تو مرزائیت کا بپتسمہ لے لیا جس طرح حضرت مسیح موعود کا ایک دلچسپ الہام غثم غثم غثم ہے اسی نمونہ کا ایک مضحکہ خیز الہام محمد بخش کا بھی ہے یعنی آئی ایم وٹ وٹ (میں وٹ وٹ ہوں)

مسٹر یار محمد پلیڈر مسٹر یار محمد وکیل ہوشیار پور کا بیان ہے کہ محمدی بیگم جس کے ساتھ مسیح موعود کا آسمان پر نکاح ہوا تھا وہ دل حقیقت میں ہوں اور نکاح سے یہ مراد ہے کہ میں ان کی صحبت میں داخل ہوں گا۔ اسی نے مرزا صاحب کا ایک کشف بیان کیا تھا کہ گویا رب العالمین (معاذ اللہ) ایک مرد کی طرح مرزا صاحب سے فعل مخصوص کر رہا ہے۔ یہ مرزا کے حقیقی جانشین اور خلیفہ برحق ہونے کا مدعی تھا۔ اور اعلان کیا تھا کہ مرزا صاحب کی گدی کا اصل استحقاق مجھے حاصل ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جو الوصیت میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ تمہارے

لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔" اس کا صحیح مصداق میں ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ بھی کہا تھا کہ قدرت ثانیہ کا مظہر وہ ہوگا جو میری خو بو پر ہوگا۔ سو یہ علامت میری ذات میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ مسٹر یار محمد نے بہت کوشش کی کہ مرزا محمود احمد ان کیلئے مسند خلافت خالی کر دیں مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ سنا جاتا ہے کہ یار محمد میاں محمود احمد کے خلاف چالیس پچاس رسالے شائع کر چکا ہے۔

عبداللہ تیماپوری یہ شخص تیماپور واقع قلمرو حیدر آباد دکن کا رہنے والا ہے پہلے روح القدس کے نزول کا مدعی بنا پھر مظہر قدرت ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا کہتے ہیں کہ اسے داہنے بازو کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اس شخص نے "انجیل قدسی" نام ایک کتاب لکھی ہے جس میں مرزا غلام احمد کے ان خطوط کو جو محترمہ محمدی بیگم سے عقد کرنے کے سلسلۂ مساعی میں لکھے تھے پسندیدہ خیال نہیں کیا اور لکھا ہے کہ ان خطوط کے پڑھنے سے دل میں نفرت و کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اس بے دین نے "انجیل قدسی" کے بعض مندرجات میں سخت جاہلانہ گندہ دہنی کا ثبوت دیا ہے مثلاً ایک جگہ یَسْفِکُ الدِّمَاءَ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کیخلاف (معاذاللہ) اپنی زوجہ محترمہ حوا سے خلاف وضع فطرت انسانی فعل کا ارتکاب کیا۔" اس شخص نے پیشین گوئی کی تھی کہ مرزا محمود احمد بہت جلد میری بیعت میں داخل ہو جائے گا لیکن پیشگوئی پوری نہ ہو سکی۔ اس کو سب سے پہلے یہ وحی ہوئی تھی "یا ایّھا النّبی" تیماپور میں رہیو۔ کتاب "محاکمۂ آسمانی" میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کو صرف مقام شہودی حاصل تھا۔ اور وہ مقام وجودی سے بالکل عاری تھے لیکن مجھے یہ دونوں مقام حاصل ہیں اس لئے میں ظل محمد بھی ہوں اور ظل احمد بھی۔ درجۂ رسالت میں میں اور مرزا صاحب دونوں بھائی ہیں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں جو فرق کرے وہ کافر ہے۔ مامور من اللہ کو تیس یا چالیس مردوں کی قوت رجولیت حاصل ہوتی ہے اور بلا اجازت فراغت نہیں ہوتی آسی صاحب کاویہ میں لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنی کتاب "قدسی فیصلہ" میں اعلان کیا کہ میں نے خدا کے دربار میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی الٰہی مسلمان مفلس ہو رہے ہیں اس لئے سود خواری کی ممانعت دور فرمائی جائے۔ جواب ملا کہ ساڑھے بارہ روپے سیکڑہ سود کی اجازت دیتا ہوں۔ اسی طرح حکم ملا کہ رمضان کے تین روزے کافی ہیں، عورتیں بے حجاب رہ سکتی ہیں چونکہ میں بروز محمد ہوں اس لئے مجھے شریعت محمدی میں نسخ و تبدیل کا اختیار ہے۔ سنا جاتا ہے کہ تیماپور اور کیمل پور کے بہت سے مرزائی اس کے مرید ہیں۔

سید عابد علی سید عابد علی نام ایک پرانا مرزائی ملہم قصبہ بدوملی ضلع سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ اسے ایک مرتبہ ایسا عجیب الہام ہوا تھا جس سے مرزا غلام احمد کا قصر نبوت بالکل پیوند خاک ہو جاتا تھا۔ لیکن توفیق ایزدی رہنمانہ ہوئی اس لئے باطل سے منہ موڑ کر اسلام کے سواد اعظم کی پیروی نہ کر سکا۔ قادیانی صاحب کی خانہ زاد شریعت میں کسی مرزائی کے لئے جائز نہیں کہ مسلمان کو لڑکی دے۔ لیکن سید عابد علی نے اپنے ایک الہام کے بموجب اس حکم پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ اور مرزائی قیود سے آزاد ہو کر اپنی لڑکی ایک مسلمان

عبداللطیف گناچوری یہ بھی ایک مشہور مرزائی ہے مدعی نبوت تھا۔ اس نے اپنے دعوے کی تائید میں ایک ضخیم کتاب "چشمۂ نبوت" شائع کی۔ اس میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کا نام زمین پر غلام احمد اور آسمان پر مسیح ابن مریم تھا۔ اس طرح خدا نے زمین پر میرا نام عبداللطیف اور آسمانوں میں محمد بن عبداللہ موعود رکھا ہے جس طرح مرزا صاحب روحانی اولاد بن کر سید ہاشمی بن گئے تھے اسی طرح میں بھی آل رسول میں داخل ہوں۔ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کا مصداق میں ہوں۔ احادیث میں جو مہدی کے آنے

کا ذکر ہے وہ میں ہوں دانیال نبی نے میرا ہی زمانہ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۴۲ھ تک بتایا ہے۔ ہم کسی مسلمان کو محض اس بنا پر کافر نہیں کہتے کہ اس نے ہم سے بیعت کیوں نہیں کی کیونکہ اس قسم کی باتیں فروعات میں داخل ہیں۔ احمدیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسیح اور مہدی دونوں کی ایک ہی شخصیت ہے کیونکہ مرزا صاحب فرما چکے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی مہدی آ چکے ہیں اور بعد میں بھی آئیں گے۔ ان کے زمانے میں کوئی مہدی نہ تھا۔ اس لئے میں مہدی آخر الزمان ہوں۔ مرزا صاحب کو اٹھارہ سال تک اپنی رسالت کا یقین نہ تھا آخر جب زور سے وحی آنے لگی تو یقین ہوا۔ میرے تو سے معجزے ہیں میری پیشین گوئیاں مرزا صاحب سے بھی بڑھ کر سچی نکلی ہیں چنانچہ ہندوستان میں وبائیں زلزلے اور سیاسی انقلابات میری پیشین گوئیوں کے مطابق آئے۔ لیکن مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں درست نہ نکلیں۔ اس نے اپنا لقب قمر الانبیاء رکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر محمد صدیق بہاری

مولوی محمد عالم صاحب آسی (امرتسر) نے اپنی کتاب الکاویہ کے چودہ پندرہ صفحے اسی شخص کے حالات کی نذر کر دیئے ہیں میں اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ یہ شخص صوبہ بہار کے علاقہ گدکا کا رہنے والا مرزائیوں کی لاہوری پارٹی سے متعلق ہے اس نے اپنی کتاب "ظہور لشبو لیسور" میں لکھا ہے کہ مسیح قادیانی دشنو اوتار تھا۔ خلیفہ محمود ابن غلام احمد ویر بسنت ہے اور میں "نہ لشبو لیسور" ہوں میرے ظہور کے بعد سات سال کے اندر مرزا محمود مر جائیگا۔" لیکن یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی مولوی محمد عالم صاحب لکھتے ہیں کہ شاید اس سے اخلاقی موت مراد ہو۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوبہ بہار کے ہنود کی مذہبی کتابوں میں وہ موعود مذکور ہیں اور ہندو لوگ ان کا سخت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ کتب ہنود کے علامات مجھ پر صادق آتے ہیں میں برہمچاری بن کر علاقہ کرناٹک کو گیا اور آٹھ سال کی غیبوبت کے بعد ظاہر ہوا۔ پیٹھ پر سانپ کے منہ کا نشان بھی موجود ہے ہاتھ میں سنکھ، بیل، چکر وغیرہ نشانات بھی مجھ میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف مجھے صدیق کا درجہ ملا ہے اور صدیق کا درجہ مہدی اور مسیح سے بھی فائق ہے ۸ ر اپریل ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب نے جس پسر موعود کی پیشین گوئی کی تھی وہ میں ہی یوسف موعود ہوں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اہل قادیان کی اصلاح کروں۔ قادیان سے آواز اٹھ رہی ہے کہ حضرت خاتم النبیین کے بعد بھی نبوت جاری ہے۔ اسلام میں سرور دو جہاں کی ذات گرامی پر اس سے بڑھ کر اور کوئی حملہ نہیں کہ حضور کے بعد کوئی اور نبی کھڑا کیا جائے اور بیس کروڑ مسلمانوں کو مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے خارج از اسلام تصور کیا جائے میں اسی توہین آمیز عقیدہ کے مٹانے کی غرض سے مبعوث ہوا ہوں محمودیوں اور پیغامیوں (قادیانی مرزائیوں اور لاہوری مرزائیوں) میں جھگڑا تھا اس لئے میں حکم بن کر آیا ہوں۔ میرے نشانات کئی ہزار ہیں صرف اخلاقی نشان چون ہیں یہ نعمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے اور قادیان کا خلاف کرنے سے ملی غیرت الٰہی نے میرے لئے مرزا صاحب کے نشانات سے بڑھ کر نشانات ظاہر کئے میری بعثت کے بغیر قادیان کی اصلاح ناممکن تھی میں نے تلاش حق میں مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی لیکن عقاید پسند نہ آنے پر بیعت فسخ کر دی اور قادیان سے نکالا گیا۔ اب میں مسلسل بارہ سال سے محمودی عقاید کی تردید کر رہا ہوں۔

احمد سعید سمبھڑیالی

سنبھڑیال ضلع سیالکوٹ کے احمد سعید مرزائی سابق اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے بھی قدرت ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب "یوسف موعود" رکھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے الہام "پیراہن یوسفی" نام ایک کتاب میں جمع کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نہایت غمزدہ رو رہا تھا۔ اس اثنا میں حضرت مریم علیہا السلام تشریف لائیں

اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا بچہ مت روؤ۔ ایک مرتبہ احمد سعید نے اپنا یہ الہام چوک فرید امرتسر میں بیان کیا تو مسلمانوں نے چاروں طرف سے خشت باری شروع کر دی بے اوسان بھاگا۔ بچوں نے "بچہ روتا ۔ بچہ رونا" کہہ کر اسے چھیڑنا اور ستانا شروع کیا یہ بدبخت حسب بیان آسی صاحب اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ رشتہ داریاں سب ناجائز ہیں اور (معاذ اللہ) ولد الزنا ہیں آئندہ کے لئے میں حکم دیتا ہوں کہ غیر قوموں سے رشتے ناطے کریں اگر معاذ اللہ تمام مسلمان ایسے ہیں تو معلوم نہیں کہ یہ ناہنجار ولد الحلال کیسے ہو گیا؟ اس کے گلے میں ایک گلٹی ہے جسے وہ مُہر نبوت سے تعبیر کرتا ہے۔

احمد نور کابلی قادیان کا سر فروش احمد نور کابلی مرزا غلام احمد کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ اس کی ناک پر پھوڑا تھا۔ جب کسی طرح اچھا نہ ہوا تو عمل جراحی کرایا۔ جب ناک کاٹی گئی تو درجۂ نبوت پر فائز ہو گیا۔ اس نے ایک ٹریکٹ زیر عنوان "لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ" شائع کیا ہے جس میں لکھتا ہے۔ "اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں دین اسلام میری ہی متابعت میں دائر و سائر ہے۔ مجھے نہ ماننا دین سے خارج ہونا ہے۔ میں روحانی سورج ہوں میں رحمۃ للعالمین ہوں میرا نام محمد رسول اللہ ہے میں سفید مینار سے نازل ہوا جملہ انبیاء کا مظہر ہوں۔ قرآن کو ستاروں سے لایا ہوں خدا نے مجھے الہام کیا تھا "عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" اس الہام میں خدا نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے خلیفہ محمود کے عہد خلافت میں قادیان میں مبعوث کیا جائے گا۔ خدا نے آیہ "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا" میں فرمایا ہے کہ خدا نے افغانوں میں ایک رسول بھیجا ہے میں شرعی رسول ہوں اب خدا نے قرآن مجھ پر نازل کیا ہے۔ مجھے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ احمد نور رسول اللہ دیا گیا ہے خدا نے میرے ساتھ بکثرت کلام کیا ہے۔ میری وحی کی تعداد دس ہزار تک پہنچتی ہے جو شخص میرا انکار کرے گا وہ لعنت کی موت مریگا۔ وغیر ذالك من الخرافات

نبی بخش مرزائی یہ شخص موضع معراجکے تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کا ایک پرانا مرزائی تھا۔ اس نے ۱۹۱۱ء میں ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں لکھا "اے ہر مذہب وملت کے دوستو! آپ پر واضح ہو کہ اس عاجز پر ستائیس سال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کا سلسلہ جاری ہے اس عرصہ میں اس عاجز کی بیشمار پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ مجھے ایک روشن نور اپنی طرف کھینچ کھینچ کر مقام محمود کی طرف لے جا رہا ہے۔ مجھے سلطان العارفین کا درجہ دیا گیا ہے مجھے چار سال سے تبلیغ کا حکم ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کیا الٰہی میں اُمّی ہوں۔ حکم ہوا جس طرح محمد رسول اللہ تبلیغ کرتے تھے تو بھی تبلیغ کر اس کے بعد یہ عاجز ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا "یا ایھا الصدیق نبی یوسف انی معك"۔ اسی طرح بار بار حکم ہوتا رہا۔ یہ عاجز فکرمند تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن مجھے سمجھایا گیا کہ نبوت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ تم دنیا کے طعنوں سے نہ ڈرو۔ نبوت کا تاج تمہارے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ وقت قریب آ رہا ہے کہ تجھ سے حکماً تعمیل کرائیں گے۔ نبوت کا تاج تیرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ دعوائے نبوت کے واسطے تیار ہو جا۔ مدعی نبوت کا فرض ہے میدان میں نکل پڑے۔ میں تیری مدد کے لئے فرشتوں کی فوج تیار رکھوں گا۔ ہر وقت تجھے مدد دیتا رہوں گا۔ موسیٰ مرسل کی طرح میدان میں ہوشیار رہنا۔ بڑے بڑے فرعون تیرے سامنے آئیں گے مگر سب منہ کی کھائیں گے۔ تیرے خاندان کے لوگ اس دعوے کو تسلیم نہیں کرینگے۔ مگر کسی کی پروا نہ کرنا۔ آنے والی نسلیں افسوس کریں گی کہ لوگ تجھ پر ایمان نہ لائے حالات سن سن کر رویا کریں گے۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ تو ابراہیمی نسل ہے تو خاندان نبوت سے ہے۔

عبد اللہ پٹواری یہیں دکھنی ضلع منٹگمری میں عبد اللہ نام ایک مرزائی چودھری رہتا تھا۔ قادیان کے چشمۂ الحاد سے دجالی

کا فیض پانے کے بعد کفریات و شطحیات بکنے میں اپنے پیرو مرشد کا ہمسر تھا۔ اس نے اپنا لقب رجل اللہ تمیمی احمد رسول رکھا تھا اپنے اعلان میں لکھتا ہے "میں رسول اللہ بھیجا گیا طرف تمہارے رب تمہارے سے۔ بندے ہو اسلام کے پیروں مرشدوں مولویوں کی خود ساختہ شریعت کے پیچھے نہ جاؤ۔ وہ سب احکام بلا وحی ہیں جن کا ثبوت نہ کتاب سے دیتے ہیں یعنی کلمہ درود سنت نفل نعت غزل مولود نماز تراویح نماز عیدین نماز جنازہ اور عرس مُردہ اولیا پر کھانا کھلانا وغیرہ۔ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کہنا شرک ہے۔ کتاب "ہدایۃ للعالمین" میں لکھتا ہے کہ الرسول بد عو کم اور اطیعوا الرسول میں میری طرف اشارہ ہے اور لکھتا ہے کہ میں نے خواب میں اپنی والدہ مرحومہ کو دیکھا اور کہا کہ خدا نے مجھے مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سُن کر والدہ حیران رہ گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ بیٹا کل تو تو یہ کہتا تھا کہ مسیح آئیگا اور آج خود مسیح بن بیٹھا ہے جب بیدار ہوا تو یقین ہو گیا کہ کسی بد روح نے مجھ سے مسیح ہونیکا دعویٰ کرایا تھا اسی خبیث روح نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بھی مسیحیت کا دعویٰ کرایا تھا حالانکہ وہ اس سے پیشتر خود لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیح آسمان سے نازل ہوں گے۔ مجھے الہام ہوا کہ مرزا صاحب ابن مریم نہیں ہیں اور ان کی آمد کا کوئی تُکم نہیں ہے۔ مرزا صاحب جیسے فرضی مریم بنے اسی طرح ابن مریم بھی بنے۔ جو ماں ہے وہ بیٹا نہیں ہو سکتی، اور جو بیٹا ہے وہ ماں نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے" اور مرزا محمود لکھتا ہے کہ مرزا صاحب ہی احمد رسول ہیں یہ دونوں باتیں لغو ہیں۔

فضل احمد چنگا بنگیالی افضل احمد مرزائی موضع چنگا بنگیال ضلع راولپنڈی کا ایک مشہور مرزائی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ میں مرزا صاحب کا ظہور ہوں۔ کہتا ہے کہ مرزا صاحب کی عمر اسی سال کی تھی لیکن جب وہ اپنی عمر کے ساٹھ سال گزار چکے تو باقی ماندہ بیس سال عمر مجھے تفویض فرما کر وادیٔ آخرت کو چل دیئے۔ اب میں ہی حقیقی مرزا صاحب ہوں۔ اس شخص کا ایک مضحکہ خیز مضمون جو سراسر تعلّیوں لن ترانیوں اور ملحدانہ خیالات سے مملو تھا ۱۹۳۱ء کے اواخر میں جریدہ "زمیندار" میں شائع ہوا تھا۔

غلام محمد مصلح موعود و قدرت ثانی یہ وہی شخص ہے جس نے ڈیڑھ دو سال پیشتر لاہوری مرزائیوں کے خلاف اُدھم مچا رکھا تھا اور مسٹر محمد علی امیر جماعت لاہور کے اسرار و خفایا کو الم نشرح کر کے لاہوری مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قادیانی مرزائیوں کا ایجنٹ ہے جو مسٹر محمد علی کی تخریب کے درپے رہتا ہے۔ اس نے اپنے مصلح موعود اور قدرت ثانی ہونے کے متعلق متعدد کتابیں شائع کی ہیں یہ شخص شروع میں مسلم ہائی سکول لاہور میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے لاہوری مرزائیوں کے اخبار "پیغام صلح" کی ملازمت میں منسلک ہو گیا تھا مگر اس کے بعد مرزائی ہوا کا رُخ پہچان کر اسے ارتقاء نازل کی سُوجھی چنانچہ معًا الہامی تالاب میں غوطے کھانے لگا۔

باب ۲۷ - یحییٰ عین اللہ بہاری

یہ شخص موضع بھدسی ضلع گیا صوبہ بہار کا رہنے والا ہے۔ خدا کا اوتار اور مسیح منتظر اور مہدی موعود ہونے کا مدعی ہے اپنے تئیں یحییٰ فرمانروا عین اللہ لکھا کرتا ہے خدا جانے یہ کہاں کا فرمانروا ہے؟ شاید عالم خیال کا فرمانروا ہوگا۔ اپنی خانہ ساز الوہیت اور مسیحیت وغیرہ کے متعلق رسالہ "انا الحق" میں لکھتا ہے ؎

میں جو ہوں اب تک کنوارا مجھ کو جوڑا کب ملا؟	روح میری اور ہے ظاہر میں ہوں مثلِ بشر

تیرے گھر شادی مری ہو، تو بر نو برائے چھپا ۔۔۔ تو ہی کیا اچھا ہے، جو لاڑو ملے گی خوب تر
میں نے حق مارا نہیں ہرگز کسی کا آج تک ۔۔۔ میں انا الحق ہوں نہ تم سا ہے انا الباطل کا ٹر
نور سے ظلمات ہے ظلمات ہی سے نور ہے ۔۔۔ وقت پر جو کام لے۔ ہے وہ بہادر سول جر
ایسے ہی ہم سے خدا ہے اور ہم ہیں از خدا ۔۔۔ عطر اپنا کھینچ کر دیکھا تو پایا رُوح گر
نشاۂ عالم سے لے کرتا بہ ابدم کوئی شخص ۔۔۔ یہ نہیں دکھلا سکا دیکھو وہ ہے پرمیشور
جب کوئی پرمیشور کو ڈھونڈ کر تھک جائیگا ۔۔۔ بے شک و شبہ کمر باندھے گا وہ انکار پر
میں جو ہوں انساں یہ انسانیت ہے اور کچھ ۔۔۔ فوقیت رکھتی ہے جیسے نجم میں شمس و قمر
سب انا الباطل کے پیرو ہو جبھی بطلان ہے ۔۔۔ میں انا الحق کا ہوں پیرو اس لئے ہے حق ادھر
من نمی گویم انا الحق یار مے گوید بگو ۔۔۔ گشتہ ایں تعمیں ہکمش تو چہ دانی اے پسر
یاد باشد! ہے یہی یحییٰ بنائے کائنات ۔۔۔ ہے یہی یحییٰ امام الکائنات و تاج سر
اب خدائی کا زمانہ آگیا ہشیار باش ۔۔۔ صورتِ یحییٰ میں گویا ہے وہی اسٹیج پر
اس کی مرضی ہے کہ بندہ ہی تو ہونا ہے گناہ ۔۔۔ کر ترقی کہ خدا بن بے گناہی ہے اُدھر
آسماں سے اب ندا آئے گی بعد از قتلِ عام ۔۔۔ ہے یہی یحییٰ کہ جس کی شکل ہے افلاک پر
ہے یہی یحییٰ کہ جس کے منتظر مدت سے ہو ۔۔۔ مہدی الموعود و عیسےٰ یا مسیح منتظر

اور رسالہ "دھرم لوری" میں لکھتا ہے ؎

یا اتنا تو یہوا ہے تو ہی خدا ہے خود آ ہے ۔۔۔ یہ بندہ کب یحییٰ ہے تو ہی مجھ میں گویا ہے
جیسی کرنی ویسی بھرنی ۔۔۔ نیک بنو اور ایک بنو
یہوا ہی بس یحییٰ ہے، یحییٰ ہی بس یہوا ہے ۔۔۔ دونوں یحییٰ یحییٰ ہے یحییٰ کا یہ کھا کھا ہے
جیسی کرنی ویسی بھرنی ۔۔۔ نیک بنو اور ایک بنو

رسائل مذکورہ کے علاوہ اس نے "فرمان" کے نام سے ۴۲۸ صفحوں کی ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جسے وہ اپنا قرآن بتاتا ہے اس کے شروع میں اس نے ان الفاظ میں اپنا تعارف کرایا ہے "اعلیٰ حضرت احدیت مآب فرمانروا سید محمد یحییٰ خاں دوران نائب اللہ علی العالمین دی لینڈ لارڈ آف موضع یحییٰ پرگنہ اروی ضلع گیا صوبہ بہار اس کتاب میں اپنے دعوے کے متعلق یہ لکھ کر اپنی شرافت اور خوش کلامی کی داد دیتا ہے "ایسے حرام زادوں پر پھٹکار ہے جو فرمانروا کی پیروی نہیں کرتے۔ اے نمک حرام سور کے بچو! تمہیں اب بھی یقین نہ ہوگا حالانکہ تمہارے لئے مالک نے انسانی لباس اختیار کیا ہے۔ کنواری لڑکی سے خود کو پیدا کر دکھلایا۔ مُردہ زندہ کیا تیرہ میں پھرا۔ اُمی بن کر اہل فصاحت کو متلجلج کرایا۔ قبل از وقت پیدا ہو کر ۵۴ روز بغیر دُودھ کے رہا۔ بچپن میں چنے اور چاسے پر گذارہ کیا اور مہینوں لگا تار فاقہ کشی کی۔ خواب میں خدائی لباس میں بہتیروں کو دیدار دیا۔ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں غیب سے اگر کسی نے کہا کہ یہ خدا کا فوٹو ہے۔ فوٹو گرافر نے ہمارے فوٹو لینے میں ایک درجن شیشے استعمال کئے مگر فوٹو نہ آیا۔ غیب سے میری تصدیق کے

لئے آواز آئی کہ درست ہے فضائے آسمانی سے یہ آواز آئی کہ حضرت مولینا سید محمد یحییٰ التحیات علیکم وخیر لک من الاولیٰ۔ ۲۸ روز بڑودہ میں فاقہ کش رہ کر لکچر دیا۔ لوگ مارنے آئے تو ہم نے تلوار دکھائی اور سب لوگ بھاگ گئے مکہ میں لکچر دیا۔ مدینہ پہنچا تو روضۂ اقدس کانپا اور بابا نمو کی آواز آئی۔ زنجبار اور بمبئی میں انتقال کیا اور چار گھنٹہ بعد پھر جی اٹھا۔ تم نے کئی بار سنکھیا دیا مگر کچھ نہ ہوا۔ بمقام لندن انڈیا آفس میں خوبصورت تصویر نے جھک کر سلام کیا۔ ایک ہی وقت میں کئی جگہ تم کو نظر آیا (فرمان ص ۴۰۵ / ۱۱) انبیائے سلف میں سے کوئی صفی اللہ کوئی نجی اللہ، کوئی خلیل اللہ کوئی ذبیح اللہ، کوئی روح اللہ اور کوئی حبیب اللہ تھے علیہم الصلوٰۃ و السلام ان کی دیکھا دیکھی یحییٰ نے بھی اپنا ایک کلمہ تجویز کر رکھا ہے اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَحْیٰی عَیْنُ اللّٰہِ ہے۔

دادرا پنجاب مارشل لا کے عہد آشوب کے بعد خاکسار راقم الحروف نے بمبئی سے ایک روزانہ اخبار بنام "نصرت" جاری کیا تھا انہی ایام میں یحییٰ نے ایک دادرا بغرض اشاعت روانہ کیا اور یہ رقعہ بھی لکھا۔ "مہربان من تسلیم! میں زمانے کے مطابق ایک عرفانی دادرا لکھ کر بھیجتا ہوں۔ یقین ہے کہ آپ اپنے روزنامچہ بنام "نصرت" میں شائع فرما کر مجھ کو اور سب کو ممنون فرمائیں گے خاص کر رضا کاروں کے لئے جو چرخے کے گیت گاتے پھرتے ہیں زیادہ مفید ہوگا (آپ کا خادم فرمانروا سید محمد یحییٰ عین اللہ) لیکن دادرا شائع نہ کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۲۲ء کو یحییٰ نے "انا الحق" اور "دھرم لوری" نام کے دو رسالے بغرض ریویو روانہ کئے اور لکھ بھیجا:۔

بجناب برادر نامہربان بعجز و انکسار تعظیم و تکریم کے ساتھ آداب و تسلیم قبول ہو ہمیں یقین ہے کہ آپ ہمیں جانتے ہیں۔ ہم نے چند بار آپ کے پاس آرٹیکل بھیجے مگر نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ ایک بھی شائع نہ فرمائی۔ حالانکہ ہم مفید خلائق اور حق بات لکھا کرتے ہیں لیکن آپ کی نگاہ مبارک میں جب لغو دکھائی دیتا ہے تو خیر جزاک اللہ۔ یہ کتاب ریویو کیلئے بھیجی جاتی ہے اب جیسی آپ کی مرضی۔ اس کے بارے میں لکھئے یا نہ لکھئے۔ سپردم بتو مایۂ خویش را، (آپ کا خادم سید محمد یحییٰ) دادرا کا کچھ حصہ قارئین کرام کی دلچسپی کیلئے درج ذیل ہے ؎

چرخہ گھُن گھُن گھُن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ

دَورہ ہے ہندوستاں کا ہندی ہے اوتار چمکا چمکا نور چمکا۔ دیکھو دیکھو یار
چرخہ گھُن گھُن گھُن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ

جگ میں چمکا جگمگ تارہ جاگو جگ کے لوگ میں ہی جوگی جگموہن ہوں دیکھو میرا جوگ
چرخہ گھُن گھُن گھُن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ

ماتھے پر ہے جگمگ تارہ ماتھا ہے سکھیات ارے یہی محمد یحییٰ ہے مینٹر بابائے حضرات
چرخہ گھُن گھُن گھُن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ

یحییٰ ہی جگ مانس ہے یحییٰ ہی ہے جگدیو جیسے مٹی بھیت دوآرا مٹی ہی ہے پھر نیو
چرخہ گھُن گھُن گھُن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ

آؤ آؤ! دور نیا ہے ست جگ ہے دن رات "یحییٰ" ہی وہ ہادی ہے لو نور کی سوغات
چرخہ گھُن گھُن گھُن بولے۔ چرخہ گھُن گھُن گھُن بولے ذرا سنو نگر کے لوگ

ذیل میں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے یحییٰ کی ایک دلچسپ نظم درج کی جاتی ہے ؎

راما ہم ہیں مریم ہم ہیں رستم ہم ہیں ہم ہی جم — گویا کہ بس ہم ہی ہم ہیں ہم ہی ہم ہیں ہم ہی ہم
یاد رہے تم سب کو اتنا جبتک ہے اس دم میں دم — بولیں گے ہم بیشک حق حق لاکھ کرو تم ذم پر ذم
یا اُمتی یا اُمتی اُمتی امّی اُمتی امتّیہم — مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی مہدی امام
ہم ہی صبیؔ مہدی ہیں گہوارہ میں جو بولے تھے — احمد ہم ہیں موسیٰ ہم ہیں عیسیٰ ہم ہیں یحییٰ ہم
پہلے جو کچھ لائے تھے ہم دید لئے تم سب کو گئے — تم نے اس کو ایک نہ مانا سیدھے ین کیسے ہو گئے خم
اب ہم جو کچھ لائے ہیں سو لیلو بھلے منسائی سے — چھوڑو اپنا دھوم دھڑا کا چھوڑو اپنا سارا بم
دیکھو کیا ہے شان ہماری سارے احمد حامد ہیں — قال رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ العم
ایلی ایلی ایلی ایلی ولما سبقتنی — اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا پھر کیا ہے ہم کو اس کا غم
سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا — اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ میں ہوں تیرا خالی فہم
قدرت تیری رنگ برنگی تو قدرت کا مالی ہے — میں ہی تیرا فوٹو ہوں بس مجھ سے ہی عالم الہم
اَبْجَدْ ھَوَّزْ حُطِّیْ کَلِمَنْ سَعْفَصْ قَرَشَتْ ثَخَّذْ ضَظَغْ — سارے علم اسی میں بھرے ہیں ناظر العالم کم
دیکھو بھاگو بچتے جاؤ چلتی ہے تلوار مری — چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم
خون بہے گا دنیا میں پڑ جائیں گے کہرام بڑے — سوکھی ساکھی دھرتی سب ہو جائیگی اکدم سی یم
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ — نیتی تل کے مانس کی ہے دیکھو دو نو نینا نم
سُبْحَانَ اللّٰہِ تَعَالٰی مَنْ یَّخْشَ اللّٰہَ یَتَّقِہٖ — جَعَلَ لِکُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا وہ وہ وہ وہ وہ وہ ہم
ھُوَ الْمَھْدِیُّ ھُوَ الْھَادِیْ لَیْسَ الْھَادِیْ اِلَّا ھُوَ — نازل ہو گا کس جا پر؟ امریکہ میں جو ہے اک تھم
خُشَّعًا اَبْصَارُھُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ — لَیْسَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَاشِفَۃٌ مِّنْ ھَمِّ الْغَمِّ
ہادی مہدی۔ ترزائن دولھا دولہن ایک ہیں — سب کے سب کنگالی ہیں اور اتّم جو کہم خالی ہم

مندرجہ ذیل نظم میں اس نے مرزا غلام احمد کی طرح خدا دستائی کے آسمان میں پیوند لگایا ہے۔

خود بقا اور خود فنا ہوں میں
اختر و مہر و ماہ و برج و فلک
بحر و بر سبزہ و مکین و مکاں
اور نا ممکن القیاس جو ہو
بس خدا ہی کا نام یحییٰ ہے

خود نبی اور خود نبا ہوں میں
جنت و دوزخ و خلا ہوں میں
روح و ارواح و بازیا ہوں میں
وہ بھی میں ہوں بس اب خدا ہوں نیر
میں نہ کچھ باد و جا و بیا ہوں میں

واہ کیا خوب رہ رہا ہوں میں
ابر و باد و سحاب و قوس قزح
الغرض جملہ کائن و ما کان
خود سے چھپتا ہوں شرم کے مارے

اپنے ہی آپ پر فدا ہوں میں
بارش و برق و طور و طا ہوں میں
میں ہی میں ہوں تباہ کیا ہوں میں
حیّ و یحییٰ و یا حیا ہوں میں

عین اللہ ہونے کے متعلق مضحکہ خیز خیال آفرینی

میں نے کلکتہ میں سنا تھا کہ یہ شخص نہ صرف اردو فارسی عربی ترکی مشرقی زبانوں میں اچھی دستگاہ رکھتا ہے بلکہ انگریزی جرمن فرانسیسی وغیرہ مغربی زبانیں بھی بخوبی جانتا ہے۔ زیادہ تر یورپ میں رہتا ہے ایسا نفیس و بیش قیمت لباس پہنتا ہے کہ اس سے زیادہ قیمتی پوشش کسی والی ریاست کو بھی میسر نہیں آسکتی۔ یہ شخص ۱۹۲۳ء

کے اواخر میں لاہور بھی آیا تھا لیکن میں نے اس کے دیکھنے کا قصد نہ کیا۔ نومبر میں اس کا ایک مراسلہ لاہور کے ہندو اخبار ملاپ میں شائع ہوا تھا اس میں اس نے اپنے "عین اللہ" ہونے کی جو دلیل و برہان پیش کی ہے جریدۂ انقلاب مؤرخہ ۲؍ دسمبر ۱۹۳۰ء سے نقل کی جاتی ہے یحیٰی آ نے ملاپ میں لکھا تھا کہ "جیسے پرندوں کے پروں کے نلی کے اندر چنیا گھاس کی طرح ایک سہ پہلو ریشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ریڑھ کے اندر ایک سہ پہلو چیز ہوتی ہے جو سانپ سے مشابہ ہوتی ہے جس پر انسان کا ڈھانچہ قائم ہے جو خیمے کے بیچ میں ستون کا حکم رکھتا ہے جسے انگریزی میں ورٹیبرام کالم کہتے ہیں اور سنسکرت میں یہوا اور عربی میں یوانحیٰی اور عمود الفقری کہتے ہیں جس میں نور پیدا ہو نیسے وجدانی دجذباتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے پیدا ہوتے ہی جو بات بصیرت و بصارت سے نہیں معلوم ہو سکتی تھی اس کیفیت سے معلوم ہو جاتی ہے جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎ بگفتا حالِ ما برق جہان است۔ دمے پیدا و دیگر دم نہان است۔ یعنی کہنے والے نے کہا کہ حال اس کا برق جہندہ کی طرح ہے کہ جس دم وہ چمک کر سانپ کی طرح رواں دواں ہوئی تو اس کی روشنی میں ازل سے ابد تک معلوم ہو جاتا ہے اور اگر نہ چمکی تو کچھ نہیں تو وہ ہمیشہ نہیں چمکتی جس وقت چمک جائے یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہے یا وجدانی کیفیت پر چنانچہ اگر وہ عمود الفقری جس کا ذکر اوپر پیش آیا۔ ریڑھ کے اندر سے خارج کر دیا جائے تو فی الفور جسم کا ڈھانچہ بیٹھ جائے گا گویا اس قدر عمود الفقری کی ہستی کی اہمیت ہے کہ وہی بنائے جسم یا بنائے زندگی ہے ایک تو یہ معنی یحیٰی کے ہیں دوسرے یحیٰی کے معنے خدا کے ہیں جو سنسکرت اور عبرانی زبان کے لفظ یہوا سے بنا ہے"۔ غرض یہ کہ یحیٰی کے معنے (معاذ اللہ) خدا کے ہیں اور یحیٰی کے معنے عمود الفقری کے بھی ہیں لہٰذا الیحییٰ عین اللہ" کے معنی یہ ہوئے کہ خدا عمود الفقری ہے اور عمود الفقری خدا کی آنکھ ہے گویا خود یحیٰی عمود الفقری بھی ہے اور ریڑھ کی ہڈی بھی ہے خدا بھی ہے خدا کی آنکھ بھی ہے۔

مُردہ زندہ کرنے کا مطالبہ میں نے ایک مرتبہ کلکتہ میں سُنا تھا کہ یحیٰی کے دعوائے الوہیت کے بعد کسی نے اس سے پُوچھا کہ پنجاب میں مرزا غلام احمد جو نبوّت کا مدعی ہے وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے یا نہیں؟ بولا وہ جھوٹا ہے میں نے تو اسے نبی بنا کر بھیجا ہی نہیں وہ از خود نبی کس طرح بن بیٹھا؟ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ قصبہ جہان آباد ضلع گیا کا ایک ہندو سیٹھ اس کا بڑا معتقد تھا اور یہ اکثر وہاں جا کر اس کی کوٹھی میں ٹھہرا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سیٹھ کے مکان کے قریب ایک ہندو بیوہ کا اکلوتا بیٹا مر گیا وہ بیچاری مصروفِ بکا تھی کسی نے آکر اس سے کہا کہ روتی کیوں ہو؟ "خدا صاحب" آئے ہوئے ہیں وہ ادنیٰ توجہ سے تمہارے فرزند کو زندہ کر دیں گے۔ یہ سُنکر غم نصیب بیوہ منتیں کرنے لگی کہ "خدا صاحب" سے عرض معروض کر کے میرا بچہ زندہ کرا دو۔ اس نے کہا اگر فلاں سیٹھ سفارش کرے تو یحیٰی عین اللہ صاحب تمہارے بیٹے کو از سر نو زندگی بخش دیں گے۔ لڑکے کی لاش اُٹھا کر سیٹھ کے پاس لے جاؤ اور منت کہو کہ اس بچے کو زندہ کرا دیں"۔ عورت نے بچے کی لاش اُٹھائی اور سیٹھ کے مکان کی طرف لے چلی۔ سیکڑوں ہزاروں تماشائی پیچھے تھے۔ عورت سیٹھ کے مکان پر پہنچ کر زار و قطار رونے لگی اور ہاتھ جوڑ کر سیٹھ سے عرض پیرا ہوئی کہ مجھ دُکھیا بیوہ کی زندگی کا آخری سہارا یہی فرزند تھا جو لقمۂ اجل ہو گیا اس کے بعد میری زندگی محال ہے اگر سفارش کر کے اس کو زندہ کرا دو تو ہمیشہ دعا گو رہوں گی"۔ سیٹھ کے دل میں رحم آگیا اور عورت کو ساتھ لے کر یحیٰی کے پاس پہنچا اور کہا کہ یہ ایک بیکس بیوہ ہے اس کا ایک ہی فرزند تھا جس کو دیکھ کر دیدۂ دل روشن کرتی اور زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ از راہ کرم اس بچے کو زندہ کر دیجئے سادہ لوح سیٹھ کو یقین تھا کہ جس طرح ہندو دھرم میں رام اوتار، کرشن اوتار، وشنو اوتار مشہور ہیں اسی طرح یہ بھی (معاذ اللہ) خدا کا کوئی اوتار ہے اور اس میں (معاذ اللہ) رب العلمین

کی ذات جلوہ گر ہے۔ یحییٰ یہ بے ڈھب درخواست سُن کر بہت گھبرایا اس لئے چاہا کہ حیلے حوالے کرکے بلا کو ٹال دے چنانچہ عورت سے خطاب کرکے کہنے لگا کہ بڑھیا! ہم ایک دفعہ مار کر کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کیا کرتے۔ کیونکہ اگر ایسا کرنے لگیں تو ہمارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے اس لئے اب تم صبر کرو" لوگوں نے عورت کو سمجھا دیا تھا کہ یحییٰ لاکھ انکار کرے مگر تم ایک نہ سُننا اور اپنی درخواست پر مصر رہنا۔ عورت ہاتھ باندھ کر یحییٰ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور گڑگڑا کر عرض کرنے لگی خدا صاحب مجھ غریب بیوہ پر رحم کرو۔ اس ایک بچے کو زندہ کر دینے سے تمہارا نظام کائنات نہیں بگڑ جائے گا۔ غرض اس کی منت سماجت اور گریہ زاری حد سے بڑھ گئی اور پاس سے سیٹھ نے بھی زور دیا کہ اس عورت پر رحم فرمایا جائے تو ناچار یحییٰ نے اس کے زندہ کر دینے کا وعدہ کر لیا اور عورت سے کہا اچھا اس وقت تو تم لاش کو بحفاظت گھر لے جاؤ۔ صبح سویرے میرے پاس لے آنا میں زندہ کر دوں گا۔" عورت کامل وثوق و اطمینان کیساتھ بیٹے کی لاش گھر اُٹھا لائی لیکن یحییٰ اسی رات وہاں سے چمپت ہو گیا۔ جس طرح مرزا غلام احمد اپنے من گھڑت معجزات کا پروپیگنڈا کرتا رہتا تھا اسی طرح یحییٰ نے بھی اپنا ایک آسمانی نشان بنا رکھا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۰ء کے دن بوقت پانچ بجے شام جو ستارہ ٹوٹ کر سانپ کی شکل پر ہو گیا تھا اس کی نشست میں یحییٰ کا املاء پڑھا جاتا تھا اور اس کی روشنی کے سامنے آفتاب ماند پڑ گیا تھا چنانچہ لکھتا ہے ؎ کہ بخطِ اژدہا تھا آسماں کی لوح پر؟ صاف تھا املائے یحییٰ پڑھ چکے اہلِ نظر

شریعت یحیویہ کے اوامر و نواہی

یحییٰ بھی مرزا غلام احمد کی طرح انگریز کی رعایا اور اغیار کا محکوم ہے لیکن اس نے اپنی من گھڑت شریعت کے جو مضحکہ خیز احکام کتاب "فرمان" میں لکھے ہیں ان کا لب لہجہ ایسا تحکمانہ ہے کہ گویا کسی والیٔ ملک کے حدود و تعزیرات ہیں۔ بہرحال اس کی شریعت کا بانکپن ملاحظہ ہو۔ لکھتا ہے زانی کو کتے سے کٹوا کر ہلاک کر دو۔ پسند کئے بغیر شادی نہ کرو اگر کوئی مزاحم ہو تو اس پر کھولتا ہُوا پانی ڈالو کوئی کسی کا منہ چڑائے تو اس کے ہونٹ کاٹ ڈالو۔ ابرو سے اشارہ کرے تو موچنہ سے بال نوچ دو۔ بہتان باندھنے والے کو چونہ کی بھٹی میں بٹھا کر پانی ڈال دو۔ قاتل کو کرسی پر بٹھا کر اس پر برقی رو ڈالو اور ہلاک کر دو۔ جو باغ میں پیشاب کرے اس کے منہ پر پیشاب کرو۔ نطفہ ضائع کرنے والے کا آلۂ تناسل قطع کر دو جو عورت گاجر وغیرہ سے فرزجہ کرے نمک نوشادر اور مرچ سے اس کو فرزجہ کرو۔ جانور سے جماع کرنے والے کا عضو تناسل کاٹ دو جو کوئی زنا بالجبر کرے اس کی جورو یا بیٹی سے برسر بازار زنا کراؤ اور کتے سے اس کی سفرہ کو پی کراؤ۔ پھر تہ خانے میں برف کے نیچے دبا دو۔ زانی کو الٹا لٹکا دو کہ سُوکھ سُوکھ کر ہلاک ہو جائے یا درندے نوچ کھائیں اور مفعول کو سولی دو۔ زانیہ کو حمل ہو جائے تو اُس کو حراست میں رکھو کہ حمل نہ ساقط کر سکے اگر حمل گرائے تو قتل عمد کی سزا دو۔ جو کسی کو عقیم ہونے کی دوا دے یا مخنث بنائے اُسے لاکھ کی دیوار میں چنوا دو۔ آگ لگانے والے کو توپ سے اڑا دو۔ باغی کو بچھوؤں کی خندق میں ڈالو اور زبان کاٹ دو۔ جو شخص بُرا فسانہ لکھے یا غیبت اور غمازی کرے یا جھوٹی گواہی دے یا جھوٹی مخبری کرے اس کی آنکھ میں چونہ بھر دو۔ انگلی سے بکر نہ توڑو وزفاف کا خون نہ دکھاؤ سب اردو بولو یہی ذریعہ تعلیم ہو۔ فرمانروائے کل (یحییٰ) کو قبول کرو جس کے ماتحت فرمانروائے جز ہوں خمس (مال کا پانچواں حصہ) تحصیل کرکے (یحییٰ کے) بیت المال میں جمع کراؤ۔ یہ بیت المال فرمانروائے کل (یحییٰ) کے زیر تصرف رہے گا۔ جو اتحاد میں مزاحم ہو اسے تیزاب میں ڈالو۔ شفایاب ہو جائے تو پھر تیزاب میں ڈالتے رہو۔ بلا استحقاق مال کھانے والے پر وہی مال پگھلا کر ڈالو۔ سرکشی کی سزا چار مینخہ ہے جس پر اس کی کھال کھینچی جائے "فرمان" کے خلاف چلنے والے کو سنگسار کرو۔ جس عضو سے

جو برائی ہو وہی کاٹ ڈالو۔ یحییٰ مسیح کا یہی لکچر ہے جو گرجاؤں میں دُہرایا جائے۔ گرجا کو صاف رکھو۔ تلوار کو منبر کے پاس بخور جلاؤ داہنے بائیں مسیح ثانی (یحییٰ) کی دو تصویریں ہوں لوگ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سر جھکائیں۔ حکام کے بیٹھنے کے لئے اوپر برآمدہ ہو۔ منبر کے پاس اسٹیج پر خوش آواز باجہ ہو۔ جب "فرمان" پڑھتے پڑھتے کوئی سرور افزا مقام آجائے تو خوش گلو لوگ باجے کے ساتھ گانے لگیں۔ بیت المقدس کو سید المعابد بناؤ۔ "فرمان" کی تلاوت ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ نہ ہو۔ بیچ میں ٹفن کی چھٹی بھی ہو جلسہ برخاست ہونے کے بوقت خطیب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے۔ اختتام دعا کے بعد لا الٰہ الا اللہ یحییٰ عین اللہ کہہ کر سب لوگ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا دیں۔ میت کے غم میں چالیس دن تک ماتمی نشان بازو پر رکھو۔ مُردہ کو گاڑی پر لے جا کر مشین کے ذریعہ سے آگ میں پھونک دو۔ بے اجازت گاڑی کے پیچھے بیٹھنے والے کو خوب پیٹو اگرچہ مر جائے۔ اضلاع کی رپورٹیں وائسرائے کے پاس جایا کریں اور وہ فرمانروائے کل (یحییٰ) کے پاس بھیجے۔ مشہور خادم خلق اللہ کا مجسمہ کسی بڑے شہر میں بلند مینار پر نصب کرو۔ لڑکی اپنی تصویریں بھیجے اور لڑکوں کی تصویریں منگوائے پھر قرعہ ڈال کر انتخاب کرے پھر دونوں گرجا میں جا کر شادی کرلیں ٹیلیفون اور تار کے کھمبوں پر صلیب اور چاند تارہ کی شکل ہو کوئی نن مُرلی، جوگی اور سنیاسی نہ بنے۔ کوئی عورت چہرے پر نقاب نہ ڈالے اور پاجامہ نہ پہنے بلکہ گون اور بوٹ اور ساڑی پہنے۔ کوئی عورت مہندی نہ لگائے۔ سلام کرنے میں ٹوپی اُتارو اور سینے پر ہاتھ رکھو۔ مونچھ سے خوبصورتی ہوتی ہے سرمہ نہ لگاؤ پاجی کی خوب خبر لو ورنہ تم سا کوئی ولد الحرام نہیں۔ فرستادۂ خدا (یحییٰ) کے سامنے دلائل پیش نہ کرو کسی کا پس خوردہ پانی نہ پیو۔ گلاس بائیں ہاتھ سے پکڑو۔

اہل ایمان سے عناد

کتاب "فرمان" کے جو اقتباسات اوپر درج ہوئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص نہ صرف مغربیت کا بہت دلدادہ بلکہ انتہا درجہ کا مطلق العنان بھی ہے اگر یہیں تک محدود رہتا تو چنداں افسوسناک نہ تھا کیونکہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں ملحد و زندیق موجود ہیں لیکن اس کی سرشاریٔ ضلالت کا ایک نہایت دلفگار پہلو یہ ہے کہ اس نے بے پائی کا لبادہ اوڑھ کر اصول اسلام کا مضحکہ اڑایا ہے اور اہل ایمان کو ایسی گالیاں دی ہیں کہ لیکھرام یا کسی بدلگام پادری کو بھی ان کی جرأت نہ ہوئی ہوگی۔ گو ان خرافات کا نقل کرنا جن کو پڑھ کر ایک غیور مسلمان کا خون کھولنے لگتا ہے مجھ پر سخت شاق ہے لیکن یہ دکھانے کے لئے کہ ان شیاطین اخرس کو جو تقدس کے بہروپ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اسلام اور اہل ایمان سے کس درجہ عناد ہوتا ہے اس کی فحاشی کے چند نمونے پیش کرتا ہوں "سلام کے معنے عافیت و سلامتی کے ہیں اور السلام علیکم کے یہ معنی ہیں کہ تم سلامت اور مفلح و کامگار رہو۔ لیکن یہ لعین لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے السلام علیکم کہہ کر یہ بتایا تھا کہ یا ایلتم کو سلام ہے گویا یہ لفظ لعنۃ اللہ علیکم کا مرادف ہے" اور لکھتا ہے کہ اسلام اور مسلم کا لفظ بھی آج نجس معنی میں استعمال ہو رہا ہے" حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی معزز و محترم لفظ ہی نہیں کیونکہ اسلام کے معنی تسلیم کرنا اور مسلم کے معنی اطاعت شعار کے ہیں۔ اور لکھتا ہے کہ شریعت قدیم ختم ہو گئی اب شرع جدید پر عمل کرو اس کے خلاف کرنا جرم ہے ورنہ تم واجب التعزیر ہو گے اور تمہارا مال و متاع چھین لیا جائے گا اور تمہاری جورو و بیٹی خواص (لونڈی) بنالی جائے گی بھر تہ تیغ کیا جائے گا رومی، ایرانی، حیدرآبادی اور انگریزی ٹوپی پہنو۔ پگڑی شملہ ابلیس کا لباس ہے اور لکھتا ہے وہ قوم (معاذ اللہ) بڑی حرامزادی مردود ہے جس نے کتابوں (قرآن) کا حرف حرف نقطہ نقطہ اعراب وغیرہ شمار کیا ہے موسیقی بہترین چیز ہے مگر وہ سؤر کے بچے حرامزادے ہیں جو اس نعمت الٰہی کا کفران کرتے ہیں۔ ختنہ نہ کرو۔ حاملہ بیہودہ قیام و قعود

اور حرکت بیجا (نماز) کو عبادت نہ سمجھے مثلاً بار بار زمین پر ناک رگڑنا (سجدہ کرنا) اور دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑ دھوپ کرنا گھوم گھیل کھیل کے روسیاہ پتھر کو چومنا شیاطین کا ایک مجمع تصوّر کر کے اینٹ پھینکنا سخت بیہودہ حرکتیں ہیں وہ حرامزادے ہیں جو عورتوں کو حبس بیجا کرتے (پردے میں رکھتے) ہیں۔ بہت سے مردود لوگ تصویر رکھنا حرام سمجھتے ہیں۔ سو وہ حرام کے بچے یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی چیز تصویر سے خالی نہیں لہٰذا ایسی مادر بخطا مردود حرام زادی قوم خود کی باتیں نہ سنو"۔ یہ ہیں ایسے شخص کے "اخلاق عالیہ" جسے خدا کا نائب یا (معاذ اللہ) ناسوتی پیکر میں لاہوت ہونے کا دعوٰی ہے اور میرا خیال ہے کہ آج تک جس قدر لفنگے میدان مذہب میں عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرے اُن میں یحییٰ جیسا کوئی بدمعاش نہ ہوگا جس نے اہل حق کو اس طرح سوقیانہ گالیاں دے کر اپنی فرومائگی کا عملی ثبوت پیش کیا۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

انگریز بہادر کی حمد و ثنا مولوی محمد عالم صاحب آسی امرتسری لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد، یحییٰ بہاری اور اس قسم کے دوسرے لوگ جو مامور بن کر آتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مامور من اللہ نہیں ہوتے بلکہ مامور من النصاریٰ ہوتے ہیں جو عیسٰی اور مہدی کا روپ دھارن کر کے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو مسیحیت سے مانوس کریں یا کم از کم انہیں دین نصاریٰ سے برسر عناد و پیکار نہ رہنے دیں"۔ میں مولوی صاحب کے اس خیال سے پورا متفق ہوں۔ میں نے سُنا ہے کہ ایسے لوگ مشن کی طرف سے بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں اور یہ صرف کچھ چھوٹے مدعیوں پر موقوف نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو مذہب میں رخنہ اندازی کر کے ملک میں آتش فتنہ مشتعل کرتا ہے وہ بھی نصاریٰ کا ایجنٹ ہے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ عبداللہ چکڑالوی بانی فرقہ "اہل قرآن" نصاریٰ کا گماشتہ تھا اور یہ کہ اُسے مشن کی طرف سے اس معاوضہ میں بیش قرار مواجب ملتے تھے کہ اسلام میں الحاد کر کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ مرزا غلام احمد نے انگریز کی تعریف میں بقول خود پچاس الماریاں کتابیں لکھی تھیں۔ یحییٰ بہاری پچاس الماریاں لکھنے کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا لیکن پھر بھی وہ اپنے فرض سے قاصر نہیں رہا۔ چنانچہ اس کا رسالہ "انا الحق" اس حقیقت کا شاہد ہے گو اس نے "مقولۂ عوام" کے زیر عنوان انگریزوں کی چند کوتاہیاں بھی نقل کی ہیں مگر پھر انگریز کی طرف سے ان اعتراضوں کے جواب دے کر پوری طرح حق وفا ادا کر دیا ہے۔ "مقولۂ عوام" کے تحت میں لکھتا ہے۔

میں نے مانا تو بہت اچھا ہے لیکن یہ تو کہہ
کیوں تجھے صاحب بے غا کہتے ہیں سب دنیا کے لوگ
یہ بھی کہہ مجھ کو کہ آئرلینڈ کیوں تجھ سے ہی تنگ
کیوں تجارت کے بہانے لوٹتا ہے ملک کو؟
ہے کہیں محصول بیجا ہی کہیں حد سے فزوں
ایک چٹکی بھی نمک کوئی بنا سکتا نہیں
صنعت ہندوستاں کی تو نے کی مٹی پلید
تو نے اپنے ملک میں ہندوستانی چھینٹ کو
کیوں خوشی معدوم ہے؟ میلا جھمیلا کیوں نہیں؟

اہل امریکہ نے تجھ کو کیوں کیا گھر سے بدر؟
کچھ نہ کچھ تو دال میں کالا ہے یا سب ہے کچر؟
ہے ترا ہمسایہ بلکہ جزء عضو و دست دمہ
کورٹ فیس اتنی بڑھائی ہے کہ گویا الحذر
ہے یہ کیوں حشرات برپا؟ کچھ تو اس مالک سے ڈر
اس قدر ظلم و تعدی سبدی خلق اللہ پر
اور انگوٹھے ان کے کاٹے جو تھے اچھے کاریگر
پاپ ٹھہرایا پہننا واقعہ کو یاد کر
کیوں کنوئیں اس قدر ہیں؟ کیوں بھکاری اسقدر؟

حالتِ افلاس میں شادی کبھی جائز نہیں
بانیٔ افلاس کہتے ہیں تجھی کو سب بشر

وقتِ پیری سب کو حاجت ہی کہ وہ عینک لگائے
اس قدر غربت بڑھی کہ لے نہیں سکتا مگر

ہیسٹنگ اور واقعاتِ لارڈ کچنر یاد ہیں
اور ڈگبی کارپٹ ہے دل میں نقشِ کالحجر

حُسن ملیامیٹ ہے جو نسل ہے برباد کی
بھوک سے سب مر رہے ہیں اور تو کھائے بشر

اے تو قہر اللہ جلدی آ دظالم کو نکال
ورنہ اے ظالم یہ کہتا ہوں کہ جلدی سی سُدھر

کیوں نہ تعلیمات جبراً دی کہ سب بنتے عقیل؟
کیوں نہ کوشش کی کہ ہوتے متحد با یک دگر؟

فرضِ شاہی کیوں نہیں اچھی طرح پورا کیا؟
فائدہ اپنا ہی رکھا ہر جگہ مدِّ نظر

گیارہ آنے خود لئے تو ایک آنہ دے دیا
یہ کوئی انصاف ہے؟ انسانیت سے غور کر

کوئی ہو انساں کی صورت میں اسے بھائی سمجھ
ورنہ اے ساگر! تو بڑھ انگلینڈ کو غرقاب کر

یہ نہیں کہ مار ڈالے اونگھنے والے کو تو
یا اٹرینوں میں تو بیٹھے آدمی کے پیٹ پر

جونک بن کر چوس ڈالے سب بنی آدم کا خوں
اور یہ ظلم و تعدی ہوں عمل میں مستمر

اور ہر انساں کو سمجھے بدتر از عبد و رہی
اُن سے جو برتاؤ ہو بدتر ہو از کلب و بقر

کیس جب اس کا چلے تو نرم کر دے کیس کو
کالے گورے کی لگائے پخ یہ ہے اک ظلم و شر

ایسی حالت میں مجھے بے اعتنائی فرض ہے
اس پہ جو عامل نہ ہو گویا ہے مٹی یا حجر

اے تم ایسے لوگ! جب دیکھو کہ وہ ایسا کرے
رُخ وہیں اپنا بدل دو، یہ عمل ہی ہے سپر

جب ہوئے معزول اپنے فعل سے سب بادشاہ
یہ نہ کیوں معزول ہو، کیا اس میں ہی عنقا کا پر؟

اس کے بعد یحییٰ نے انگریزوں کی طرف سے ان اعتراضوں کے بڑے لمبے چوڑے جواب دیئے ہیں چند اشعار نمونۃً ملاحظہ ہوں، کہتا ہے ؎

کیا یہ کہنا ان کا سچ ہے یا فقط ہے اتہام؟
اس کو جلدی صاف کر یہ کیس ہے بس پُر خطر

ورنہ تم سے بڑھ کے لُچّا کوئی عالم میں نہیں
جس قدر ہو ظلم تم پر، عدل ہے بلکہ ہنر

ملک لیں شمشیر سے ہم پھیر دیں تقریر سے؟
دشمنوں نے کس طرح ہم سے لیا تھا بیشتر

ملک دے کر کب دیا تم کو بنی سُفیان نے
گرچہ اُن پر لعنتیں برسائیں سب نے عمر بھر

باپ تک تو جیتے جی دیتا نہیں بیٹے کو ملک
کس طرح سے غیر دیدے ہے یہ کہاں کی بے خبر

یہ تدبر ہے کہ نچلے سے کہیں ہم اے عزیز
کل تجز کو چاند لا دیں گے تو سو رہ چُپ نہ کر

اب خدا سے رنج ہو جا۔ کیوں مجھے اس نے دیا
میرے کرتب کا یہ پھل ہے خُذ صَفَادَعْ مَا کَدَرْ

اک محل چونکہ آئرلینڈ ہے انگلستان کا
اس لئے اک گھر میں دو سوراج آفت کا ہے گھر

توم امریکہ نے کب پایا؟ کہ جب لائق بنا
ہاں مگر افسوس ہے کچھ ہو گیا تھا شور و شر

ہر جگہ اچھے برے ہیں جاہلوں کو دیکھ لو
اب فرنگی ہو کہ زنگی ہو کہیں کا ہو بشر

پس کسی انگریز جاہل نے اگر کی ہے خطا
مت نکالو ایک جاہل کیلئے سب سے کسر

ساری دنیا میں سمجھ لینا کہ میں ہی ہوں بُرا
کیا یہی انصاف ہے اور شیوۂ انصاف ور

پہلے ہی سے ہے جہاں میں جنگ و غربت کا وجود
شاہد اس کے ہیں کتاب و آمدِ پیغام بَر

پہلے زر کم تھا تو ارزانی بھی تھی چار وں طرف
اب زیادہ زر ہے اس نسبت سے ہی سودا و زر

میں نے تجھ کو کب کہا ؟ حرفت نہ کر حیوان بن
تو تو خود اس کو بُرا کہتا ہے خود انصاف کر

کیا نہ چوہوں کا کہیں معبد میں ہے بول و براز
اس سے بھی بدتر ہیں" انگریزان "اے بہیودہ سر؟

گر یہی انصاف ہے تو پھر ہمیں کیا چاہیئے
غالباً یہ چاہیئے ہم تجھ کو سمجھیں گاؤ خر

ٹھیک ایسا ہی ہے اپنا داخلہ اس ملک میں
جس طرح سے ہند میں آیا کوئی ہندو کے گھر

تم تو خود دجال ہو دجال کے ساتھی بنے
ہم پہ الٹا دوش رکھتے ہو کہ ہیں دجال فر

صید کو صیاد جو دیتے ہیں وہ کا وقت صید
ہے وہ دھوکا یا کہ حکمت ؟ کہہ تو اسکو اے بقر

میں نے مانا میں فریبی ہوں بڑا مکار ہوں
تم نے کیوں مانا مجھے ہر دم فریبی جان کر

میں لڑاتا ہوں تو کیوں لڑتے ہو؟ کچھ ہو مت لڑو
خود تو لڑتے ہو مگر الزام ہے شیطان پر

اس لئے نااہل ہو ، نادان ہو مردود ہو
ہوش میں اب تک نہ آیا کوئی بھی بکر و عمر

ملک کو نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر دیا
اس کی مزدوری جو لی پبلک ہوئی ناراض تر

جب دوا چھوڑی کنوئیں میں تاکہ پانی صاف ہو
لوگ بولے زہر میں نے دے دیا ہے جان کر

جب کبھی چاہا کہ اچھی بات کی تعلیم دوں
بول اُٹھے بیدین کرنا چاہتا ہے یہ سؤر

ایک مُنسپلٹی جو دی تھی اس کی حالت دیکھیئے
جس طرف رہتے ہیں ہم رکھتے ہیں اسکو صاف تر

اور جہاں رہتے ہیں خود ہی اس کو رکھتے ہیں کثیف
جب چلے ہم دیکھنے کو کر دیا آب گہر

اب کوئی عادل اسے فیصل کرے میں کیا کروں ؛
تنگ آ کر میں نے چھوڑا اُن کو ان کی رائے پر

کیسی ہی سچی خبر دوں یہ نہ مانیں گے کبھی
ہاں اگر میرے مخالف ہے تو ہے سچی خبر

ہیکل رانی کو بے حرمت کیا اکثر جگہ
اور اس کے واسطے پیدا کئے والنٹیر

دشمنوں سے چونکہ دہشت تھی ہمیں ہر سمت سے
اس لئے حفظانِ ذاتی میں تھے ہم مصروف تر

اس میں تھی حاجت زرِ وافر کی ہر اک طور سے
اس لئے کچھ زرکشی زائد ہوئی ہے عفو کر

اس کا آگے بند و بست ہو گا کہ ہو آرامِ جاں
مہربانی کر کے کچھ خاموش رہ جلدی نہ کر

بم سے جب مارا تھا دہلی میں وزیرِ ہند کو
قتلِ دہلی پر ہوا کب مستعد انگلش لیبر

کیسے اک مجرم کی خاطر بیگناہوں کا ہو خوں
منہ خدا کو کیا دکھائیں گے کریں ایسا اگر

ہم اگر چاہیں تو سارے لیڈروں کو خفیتہً
ایکدم غائب کرا دیں خوف ہے رب سے مگر

رحم کھاتے ہیں کہ یہ بچے ہیں سب نادان ہیں
روتے روتے خود ہی چُپ ہو جائیں گے سب گھر بہ گھر

ہم تو زر سے کارخانے کھولتے ہیں ہر جگہ
اور یہ سب زر کو رکھتے ہیں زمیں میں گاڑ کر

مفت میں کچھ کام لینا یا مصنف سی کتاب
اسکے معنی یہ ہیں وے دے مفت میں خونِ جگر

برکتیں کیسے ہوں؟ کیسے ہو ترقی علم کی؟
اہل امریکہ و یورپ بھی ہیں کیا ایسے ہی خر؟

جس کو عیسائی بنایا صاف ستھرا کر دیا
کہ دیا لے۔ کھا کما۔ بابا اور اپنا کام کر

جس جگہ کثرت سے ہوں گے کاروبار و مشغلہ
وقت کب اُن کو ملے گا تاکہ ہوں بدکار تر

جو نکمّے اور مفلس ہیں وہی بدکار ہیں
تاکہ وقتِ زندگانی ہو کسی گو نہ بسر

عقل کا مفلس بھی ہے بدکار بیشک ہر جگہ
دیکھ لو دونوں نظیریں عقل رکھتے ہو اگر

لوگ جب غافل ہوئے انگریز تب بھیجا گیا
شاید عند اللہ ہے دارین کا یہ کسٹمر

ایشیا کا ڈوم ہو یا ایشیا کا ہو چمار
مغربی ڈوموں چماروں کے مقابل میں ہے خر

ان کے کھپڑے پھوس کے چھپر کو دیکھو غور سے
کیسے ہیں سڑ دل؟ اب دیکھو الٹ کر اپنا گھر

کوئلے سے اور لکڑی سے جہاں کھانا پکے
وہ ہے بہتر یا غلاظت سے ہے پکنا خوب تر

ایک مُنہ میں آم لے کر اُس کو چُوسے بار بار
پے گھنائے اسکو دیکھے اپنے دیدے پھاڑ کر

دوسرا چمچے سے کاچھے بعدہٗ کھائے اُسے
کون ان دونوں میں بہتر ہے؟ تو کہہ اے مفتخر

پوختہ بر ریختہ دیوار پر اُپلے کی تھاپ
یہ تمیز ان کی ہے دیکھو ان کا یہ مکھیات گھر

جس گلی کوچے میں جاؤ شور برپا ہے وہاں
ان کی یہ اولاد ہیں اور خود ہیں یہ ان کے پدر

ہاتھ باندھیں جا کے یہ حاکم کے آگے کسطرح
یہ نہ فیصل کر سکے تو کیا کرینگے اپنا سر؟

رینگتے جس کو نہ آئے وہ ہو زپلن پر سوار
فرش پر چلنے نہ آیا کیا چلے گا عرش پر؟

گر کبھی زپلن پہ بیٹھے ہو گیا کپڑا خراب
اور چلّانے لگے بھیّا مرے! جلدی اُتر

آج تک اچھا نہ دیکھا نظمِ شادی و برات
کیا کرینگے انتظامِ سلطنت یہ بدگہر

دیکھ لو نظمِ ریاست گر نہیں ہے اعتبار
والیانِ مُلک ہیں سب باخبر یا بے خبر؟

کیا نہ دی تھی میں نے تجھ کو اسکے پہلے سلطنت
مل گیا دشمن سے تو اپنے ولی کو چھوڑ کر

میں نے خوشامد کے طومار میں سے وہ اشعار لے لئے ہیں جو ہندوستانیوں کے لئے سبق آموز اور تازیانۂ عبرت ہو سکتے تھے باقی سب چھوڑ دیئے ہیں معلوم نہیں کہ یکچی کے پیروؤں کی تعداد کس قدر ہے، سُننے میں آیا ہے کہ مسلمان بہت کم اس کے دامِ تزویر میں پھنسے ہیں اور یہ کہ اس کے پیروؤں کی بہت بڑی اکثریت ہنود و یہود پر مشتمل ہے۔

باب ۴۷ - عہد بنو عباس کے برساتی نبی

خلافت عباسیہ کے دور میں جب ایک طرف فلسفۂ یونان کا مذاق مسلمانوں میں بڑھتا جاتا تھا اور دوسری طرف مختلف مذاہب کی تاریخ سے اہل عرب آشنا ہونے لگے تھے صدہا لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو دعویٰ نبوت کرتے ہی پکڑے گئے۔ اور خلیفۂ وقت کے سامنے پیش ہونے کے بعد بھی اپنے دعویٰ پر قائم رہے تو اُن کی گردن ماردی گئی مامون رشید کے سامنے ایک بار دس مدعیانِ نبوت ایک ساتھ پکڑ کے لائے گئے۔ قصر خلافت میں آتے وقت جب وہ راستہ میں قطار و تمکنت کی شان سے گذر رہے تھے کیونکہ سب تعلیم یافتہ اور شائستہ صورت کے لوگ تھے تو ایک طفیلی کو جو دعوتوں میں بے بلائے جاکے پیٹ بھرنے کا عادی تھا دھوکا ہُوا کہ یہ لوگ کہیں دعوت میں جارہے ہیں اور اُن کے غول میں مل گیا۔ مامون کے سامنے جب یہ لوگ پہنچے تو سب لوگ متحیر تھے کہ یہ دس کے گیارہ کیونکر ہوگئے۔ جب تصدیق کے بعد اُن کے قتل کا حکم ہُوا تو وہ طفیلی گھبرایا اور بولا میں تو یہ سمجھ کے ان کے ساتھ ہولیا تھا کہ یہ کسی امیر کے ہاں دعوت میں جارہے ہیں ورنہ مجھے دعوائے نبوت سے کیا علاقہ؟ یہ سُن کے تمام حاضرین ہنس پڑے اور مامون بھی مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ آخر تمام مدعیانِ نبوت موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعیان نبوت میں سے بعض خلیفہ کے سامنے کوئی لطیفہ یا مذاق کا فقرہ کہہ کر چھوٹ جاتے تھے جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہوگا:۔ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا۔ جب اُسے پکڑ کے دربار خلافت میں لائے تو مہدی نے پوچھا "تم نبی ہو؟" بولا "جی ہاں" پوچھا اور کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو" بولا تم نے کسی کے پاس ایک گھڑی بھر کے لئے بھی تو جانے نہیں دیا۔ میں نام لوں تو کس کا لوں، ادھر میں نے دعویٰ کیا اور اُدھر تم نے مجھے پکڑ کے قید خانہ میں بند کر دیا۔ یہ جواب سُن کر مہدی ہنسا اور اُسے چھوڑ دیا۔ ایک شخص نے ایک بار بصرہ میں پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ لوگ اُسے پکڑ کے حاکم بصرہ سلیمان بن علی کے پاس لائے۔ سلیمان نے صورت دیکھتے ہی کہا: "تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہو؟ بولا جی اس وقت تو قیدی ہوں۔ پوچھا "کمبخت تجھے کس نے نبی بنایا ہے۔ بولا بھلا پیغمبروں کے ساتھ ایسی ہی تہذیب سے گفتگو کی جاتی ہے؟ اے بے عقیدہ شخص اگر میں گرفتار نہ ہوتا تو جبریل کو حکم دیتا کہ تم سب کو ہلاک کر ڈالیں مگر کیا کروں قید میں ہوں" سلیمان نے پوچھا تو گویا قیدی کی دعا نہیں قبول ہوتی؟ بولا جی اور کیا۔ خصوصاً انبیاء کا تو معمول ہے کہ جب تک قید رہتے ہیں اُن کی دعا آسمان پر نہیں جاتی۔ سلیمان کو اس پر ہنسی آگئی اور کہا اچھا میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں آزادی پانے کے بعد تم جبریل امینؑ کو حکم دو اور اگر اُنہوں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا تو ہم سب تم پر ایمان لائیں گے۔ یہ سُن کے بولا خدا سچ فرماتا ہے فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ (یہ لوگ جب تک عذاب کو دیکھ نہ لیں گے ایمان نہ لائیں گے) یہ جواب سُن کر سلیمان بہت ہنسا پھر اس سے کہا جاؤ پھر کبھی نبی نہ بننا اور اُسے چھوڑ دیا۔

مامون کے عہد میں ایک اور شخص نے دعوائے نبوت کیا اور اس خصوصیت کے ساتھ کہ میں ہی ابراہیم خلیل اللہ ہوں جب وہ مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس وقت ثمامہ بن اشرس مامون کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ مامون نے اس مدعی نبوت کی کیفیت سن کے کہا میں نے ایسا جری شخص نہیں دیکھا کہ خدا پر بھی تہمت لگائے ثمامہ نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اس سے گفتگو کروں۔ اس نے اجازت دی اور ثمامہ نے کہا اے شخص حضرت ابراہیمؑ کے پاس تو نبوت کی دلیلیں بھی تھیں تمہارے پاس کونسی دلیل ہے، پوچھا ابراہیمؑ کے پاس کونسی دلیلیں تھیں؟ ثمامہ نے کہا آگ جلائی گئی اور وہ اس میں ڈال دیئے گئے مگر آگ اُن کے لئے ٹھنڈی اور آرام دہ ہوگئی تو ہم تمہارے لئے آگ جلواتے ہیں اور تمہیں اس میں ڈالدیں گے اگر تمہارے لئے بھی آگ ویسی ہوگئی تو تم پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ سن کر وہ بولا "یہ زیادہ

مشکل ہے اس سے کوئی آسان صورت بتاؤ۔" ثمامہ نے کہا تو حضرت موسیٰ کے ایسے دلائل نبوت پیش کرو۔ اس نے پوچھا ان کے دلائل کیا تھے؟
کہا ان کے پاس عصا تھا جب اُسے زمین پر ڈال دیتے اژدہا بن جاتا انہوں نے اسی عصا سے مار کر سمندر کو ٹھہرا دیا تھا۔ بولا اس سے بھی آسان
صورت نکالئے۔ کہا تو حضرت عیسیٰ کے دلائل سہی۔" پوچھا وہ کیا تھے؟ کہا مردوں کو زندہ اور اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ بولا "
یہ تو سب پر قیامت ہے ثمامہ نے کہا پھر کوئی دلیل نبوت تو ضرور ہونی چاہیئے اُس نے جواب دیا میرے پاس اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے
میں نے جبریل سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے شیطانوں کے پاس بھیجتے ہو تو کوئی دلیل دو تاکہ میں اُسے پیش کروں۔ اس پر جبریل بگڑے خفا
ہوئے اور کہا تم نے خود ہی برائی سے اپنے کام کی ابتدا کی جا کے دیکھو تو کہ لوگ کیا کہتے ہیں یہ باتیں سن کے ثمامہ نے مامون سے کہا امیرالمومنین
اس کا دماغ خراب ہے۔ مامون نے کہا ہاں میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں اور یہ کہہ کے اسے نکلوا دیا۔ اسی طرح ایک شخص ادعائے نبوت کا مجرم
بنکر خلیفہ مہدی کے سامنے پکڑا آیا۔ مہدی نے اس کی صورت دیکھ کے پوچھا تم کب مبعوث ہوئے؟ بولا آپ کو تاریخ سے کیا تعلق؟ مہدی
نے پوچھا تمہیں کہاں نبوت ملی؟" بولا "خدا کی قسم یہاں تو ایسی باتیں پوچھی جا رہی ہیں جن کو نبوت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اگر آپ میری نبوت
مانتے ہوں تو میں جو کچھ کہوں اُسے سنئے اور میری پیروی کیجئے اور اگر آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہوں تو اپنے گھر خوش رہیئے اور مجھے چھوڑ دیجئے کہ میں
اپنا راستہ لوں۔ مہدی نے کہا چھوڑ کیونکر دوں؟ تمہاری وجہ سے دین میں فساد پڑ جائیگا" یہ سُن کر بولا بڑے تعجب کی بات ہے جب اپنے دین
میں خرابی پڑنیکے اندیشہ سے آپ برہم ہوئے جاتے ہیں تو پھر مجھے کیوں نہ غصہ آئے کیونکہ میری تو نبوت ہی کا سارا کاروبار بگڑا جاتا
ہے آپ کی ساری شان و شوکت اور یہ سارا جبروت معن بن زائدہ اور حسن بن قحطبہ کے ایسے سپہ سالاروں کے برتے پر ہے۔" اتفاقاً اس وقت
قاضی شریک سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ مہدی نے کہا قاضی صاحب آپ اس پیغمبر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ قبل اس کے کہ قاضی شریک
لب ہلائیں اس شخص نے کہا آپ نے میرے معاملہ میں ان سے تو مشورہ لیا بھلا مجھی سے کیوں نہ مشورہ لیا؟ مہدی نے کہا اچھا تم ہی بتاؤ کہ اس
بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بولا میں اپنا فیصلہ اُن انبیاء پر چھوڑتا ہوں جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں بس جو اُن کا فیصلہ ہو اُسی پر عمل کیجئے
مہدی نے کہا مجھے یہ منظور ہے۔" اب اس نے پوچھا اچھا بتائیے میں آپ کے نزدیک کافر ہوں یا مومن؟ مہدی نے کہا تم کافر ہو؟ بولا
تو بس قرآن میں موجود ہے کہ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ آپ کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجئے اور اُن کے
تکلیف دینے کو چھوڑ دیجئے اس لئے آپ نہ میری پیروی کیجئے اور نہ مجھے ستائیے بلکہ مجھے چھوڑ دیجئے کہ غریبوں اور مسکینوں کے پاس جاؤں
جو کہ پیغمبروں کے پیرو ہوتے آئے ہیں اور بادشاہوں اور جباروں کو میں بھی چھوڑ دوں گا جو کہ جہنم کے کندے ہیں۔ یہ سُن کے مہدی ہنسا
اور اُسے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔ ایک دن عبداللہ بن حازم دجلہ کے پل کے پاس اپنی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں لوگ ایک
شخص کو پکڑے ہوئے لائے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا انہوں نے اس سے کہا "تم پیغمبر ہو؟" بولا "جی ہاں" پوچھا کس قوم پر مبعوث
ہوئے ہو؟ بولا کسی پر ہوا ہوں تمہیں کیا؟ میں شیطان پر مبعوث ہوا ہوں۔" یہ جواب سُن کے عبداللہ ہنسے اور کہا اسے چھوڑ دو کہ
شیطان ملعون کے پاس جائے ثمامہ بن اشرس کہتے ہیں میں قید تھا کہ کیا دیکھتا ہوں ایک مہذب اور شائستہ اور باوقار شخص قید خانہ
میں آیا اُس وقت میرے ہاتھ میں شربت کا جام تھا اُسے دیکھ کے میں اس قدر متحیر ہوا کہ جام کو منہ سے لگانا بھول گیا اور اس سے کہا
آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ لوگوں نے کس گناہ پر آپ کو قید کیا ہے؟ بولا یہ بدمعاش مجھے پکڑ لائے ہیں اور محض اس بنا پر کہ میں نے امر حق
کو ظاہر کیا۔ میں نبی مرسل ہوں یہ سُن کے میں متعجب ہوا اور اُس سے کہا کوئی معجزہ بھی آپ کے پاس ہے بولا جی ہاں میرے پاس

تو سب سے بڑا معجزہ موجود ہے پوچھا وہ کیا؟ کہا کسی حسین عورت کو لاؤ دیکھو ابھی حاملہ کرا دونگا پھر اُس سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا۔ ثمامہ نے یہ سن کر مشکل سے ہنسی روکی۔ محمد بن عتاب نام ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ہارون رشید کے زمانہ میں ایک روز شہر رقہ میں دیکھا کہ لوگ ایک شخص کو گھیرے کھڑے ہیں۔ اس کی صورت دیکھی تو بہت مہذب و باوقار شخص نظر آیا۔ پوچھا اسے کیوں گھیرے ہوئے ہو؟ لوگوں نے کہا صاحب یہ پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے میں نے کہا تم غلط کہتے ہو ایسے شخص سے ایسا فعل نہیں سرزد ہو سکتا اس پر اور سب لوگ تو خاموش رہے۔ مگر خود اس نے بگڑ کے مجھ سے کہا "تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ یہ مجھے جھوٹ لگاتے ہیں؟" میں نے کہا تو کیا تم نبی ہو؟ بولا "بیشک" میں نے کہا "اس کی دلیل"؟ بولا "دلیل یہ ہے کہ تم ولد الزنا ہو"۔ میں نے ضبط کر کے کہا "بھلا پاکدامن عورتوں کو زنا سے متہم کرنا پیغمبروں کا کام ہے؟" بولا "میں تو خاص اسی غرض کے لئے مبعوث ہوا ہوں"۔ میں نے کہا تو مجھے تمہاری نبوت سے انکار ہے بولا "انکار ہے تو اپنے گھر خوش رہو"۔ اتنے میں کسی نے اسے چند سنگریزے کھینچ مارے جن سے وہ زخمی ہو گیا اور بولا "یہ فعل خاص ابن زانیہ کا ہے" اور آسمان کی طرف سر اٹھا کے کہنے لگا "تم نے میرے ساتھ یہ بھلائی نہیں کی جو ان جاہلوں کے ہاتھ میں مبتلا کر دیا ہے"! بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مجنون تھا۔ مامون کے زمانے میں ایک اور شخص نے دعوائے نبوت کیا تھا مامون نے قاضی یحییٰ ابن اکثم کو ساتھ لیا اور کہا چلو ہم اس شخص سے چھپ کے ملیں اور دیکھیں کہ یہ کیسا شخص ہے اور کیا کہتا ہے چنانچہ دونوں بھیس بدل گئے اور ایک خادم کو ہمراہ لے کے اس کی صحبت میں گئے۔ اس نے ان کی کیفیت پوچھی تو کہا ہم دونوں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر ایمان لائیں" اس نے کہا تو "آؤ بیٹھو"۔ اجازت پا کے مامون اسکے داہنے جانب اور قاضی صاحب بائیں طرف بیٹھ گئے۔ اب مامون نے پوچھا "آپ کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں؟" بولا "ساری خلقت اور کل بندگان خدا پر مبعوث ہوا ہوں"۔ پوچھا تو کیا آپ پر وحی نازل ہوتی ہے؟ یا آپ خواب دیکھتے ہیں؟ یا دل میں القا ہو جاتا ہے؟ یا آپ سے فرشتہ آ کے گفتگو کرتا ہے۔ بولا فرشتہ گفتگو کرتا ہے پوچھا کون فرشتہ آتا ہے؟ کہا "جبریل" پوچھا اس سے پہلے کب آئے تھے؟ کہا ابھی تمہارے آنے سے پہلے وہ موجود تھے"۔ پوچھا "تو تم پر اس وقت کیا وحی آئی ہے؟" بولا "یہ کہ عنقریب میرے پاس دو شخص آئیں گے۔ ایک میرے داہنے ہاتھ بیٹھے گا اور دوسرا بائیں پر اور جو بائیں ہاتھ پر بیٹھے گا وہ دنیا میں سب سے بڑا لوطی ہوگا۔ مامون اس کی یہ وحی سنتے ہی مارے ہنسی کے لوٹ گیا اور بولا اشہد انک رسول اللہ (میں تمہاری رسالت پر ایمان لاتا ہوں) خالد قسری کے زمانے میں بھی ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا۔ لوگ اُسے خالد کے سامنے پکڑ لائے۔ پوچھا تم کس بات کے مدعی ہو؟ بولا میں نے قرآن کا جواب دیا ہے۔ قرآن میں ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ اور میں کہتا ہوں اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الجماہر فَصَلِّ لربک وجاہر ولا تطع کل ساحر وکافر خالد نے برہم ہو کے حکم دیا کہ اسے سولی دی جائے چنانچہ وہ صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ اتفاق سے خلف بن خلیفہ شاعر کا اُدھر سے گزر ہوا اس نے اسے لٹکتے ہوئے دیکھ کے کہا انا اعطیناک العمود فصل لربک علی عود۔ وانا ضامن ان لا تعود۔ کوفہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دن میرے ایک دوست آئے اور کہا تم نے کچھ اور بھی سنا؟ یہاں ایک پیغمبر صاحب پیدا ہوئے ہیں۔ چلو ذرا اُن سے مل کے دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں"۔ میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ہم دونوں اس نبی کے مکان پر پہنچے۔ وہ دروازے پر ملا اور بہت کچھ عہد و پیمان لے کر ہمیں اندر لے گیا یہ ایک نہایت ہی کریہہ صورت خراسانی بڈھا تھا۔ اور بھینگا تھا حسن اتفاق سے میرے دوست کانے تھے۔ انہوں نے کہا تم چپکے رہو اور مجھے گفتگو کرنے دو میں نے کہا بہتر۔ اب ان دوست نے پوچھا "جناب آپ کا کیا دعویٰ ہے"؟ بولا میں نبی ہوں پوچھا دلیل؟ کہا دلیل یہ کہ تم کانے ہو اپنی دوسری آنکھ بھی نکالا

کے اندھے ہو جاؤ اسی وقت میں دعا کر کے تمہیں اچھا کر دوں گا میں نے ہنسی روک کے اپنے دوست سے کہا پیغمبر صاحب نے بات تو معقول کہی ہے
انہوں نے جھنجلا کے کہا تو تم اپنی ہی دونوں آنکھیں پھوڑ کے ان کا امتحان لے لو اس کے بعد ہم دونوں ہنستے ہوئے اپنے گھر آئے۔ ایک بار
ماموں کے سامنے ایک اور مدعی نبوت پیش کیا گیا۔ پوچھا "تمہارے پاس کوئی معجزہ بھی ہے؟" کہا جی ہاں جو آپ کے دل میں ہو بتا دوں گا"
ماموں نے کہا اچھا بتاؤ میرے دل میں کیا ہے؟" بولا آپ کے دل میں ہے کہ یہ شخص بڑا جھوٹا ہے" ماموں نے کہا "ہاں یہ تو تم نے سچ بتایا"
اور اُسے قید خانہ میں بھیج دیا۔ چند روز بعد پھر سامنے بلوایا اور کہا "تم پر کچھ وحی اُتری؟" بولا "نہیں" پوچھا کیوں؟ کہا اسلئے کہ قید خانہ
میں فرشتے نہیں آتے" اس پر ماموں ہنس پڑا اور اُسے چھوڑ دیا۔ ایک بار ماموں کے پاس آذربائیجان سے ایک مدعی نبوت گرفتار کر کے
لایا گیا۔ جب وہ سامنے آیا تو ماموں نے اپنے داروغہ محل ثمامہ کو حکم دیا کہ اس کا اظہار لے۔ اُس نے عرض کیا "امیر المومنین کیا عرض کروں
کہ آپ کے زمانہ میں انبیاء کی کس قدر کثرت ہو گئی ہے"۔ پھر اس مدعی نبوت سے کہا تمہاری نبوت کی دلیل کیا ہے؟ کہا "ثمامہ تم اپنی
جورو کو میرے پاس بھیجدو اور میں تمہارے سامنے اس سے مقاربت کروں اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو گہوارے ہی میں میری پیغمبری کی
تصدیق کرے گا ثمامہ نے کہا اشھد انک رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ تم خدا کے رسول ہو) ماموں نے کہا تم تو چھوٹتے
ہی ایمان لے آئے! عرض کیا امیر المومنین کا کیا بگڑے گا آبرو تو میری جورو کی جائے گی جسے اپنی بی بی سے دست بردار ہونا ہو
وہ ان کی نبوت میں شک کرے۔ اس پر ماموں بے اختیار ہنس پڑا اور اُسے چھوڑ دیا۔ ایک بار ہارون رشید کے سامنے ایک مدعی
نبوت پیش کیا گیا۔ رشید نے اُس سے دریافت کیا تو بولا جی ہاں میں نبی کریم ہوں"۔ پوچھا دلیل؟ کہا "آپ جو فرمائیں۔ رشید نے
کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ جتنے امرد غلام کھڑے ہوئے ہیں ان کے اسی وقت ڈاڑھیاں نکل آئیں"۔ سوچ کے بولا "بھلا اس میں کون سی
خوبی ہے کہ ان کے پیارے پیارے مونہوں پر ڈاڑھیاں نکل آئیں۔ اور ان دلفریب صورتوں کو میں بگاڑوں گا۔ ہاں یہ معجزہ
دکھا سکتا ہوں کہ جتنے ڈاڑھیوں والے کھڑے ہیں اُن کی ڈاڑھیاں غائب کر دوں۔ یہ سن کے رشید بہت ہنسا اور
اس کو نکلوا دیا۔ ایک اور مدعی نبوت کو ماموں کے سامنے لائے اور معجزہ طلب کیا۔ اُس نے کہا میں سنگریزے پانی میں ڈالتا ہوں اگر
گھل جائیں تو جانیے میں سچا نبی ہوں۔ ماموں نے کہا "منظور"۔ اُس نے ایک کٹورے میں پانی بھر کے سب کے سامنے سنگریزے ڈالے
جو دم بھر میں گھل گئے لوگوں نے کہا یہ جعلی سنگریزے تھے۔ ہم جو سنگریزے دیں اُنہیں گھلاؤ تو سند ہے بولا "نہ تم فرعون سے بڑے
ہو اور نہ میں موسیٰ سے بڑا ہوں۔ فرعون نے موسیٰ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہارے عصا کی سند نہیں۔ ہم اپنا عصا دیتے ہیں اسی اژدہا
بناؤ تو جانیں۔ ماموں اس لطیفہ پر بہت ہنسا اور اس مدعی نبوت کو چھوڑ دیا۔ ایک مدعی نبوت کو لوگ پکڑ کے معتصم باللہ کے
سامنے لائے معتصم نے پوچھا "تم نبی ہو؟" کہا "جی ہاں۔ پوچھا کس کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے ہو؟ کہا آپ کی ہدایت کے لئے
معتصم بولا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم رذیل اور احمق ہو"۔ بولا جی ہاں یہ تو قاعدہ ہی ہے کہ جیسے لوگ ہوتے ہیں ویسے ہی پیغمبر بھی اُن
پر بھیجے جاتے ہیں اس جواب پر معتصم شرمندگی سے ہنسا اور اُسے رخصت کر دیا۔ ایک اور جعلی پیغمبر ماموں کے سامنے لایا گیا۔
ماموں نے کہا اچھا اسی وقت ایک خربوزہ لا کے پیش کرو۔ اُس نے کہا تین دن کی مہلت دیجیے۔ ماموں نے کہا مہلت نہ دی جائے
گی اسی وقت لا کے حاضر کرو"۔ بولا "بھلا یہ کون سا انصاف ہے؟ وہ خدائے عزوجل جس نے سارے آسمان و زمین کو چھ دن میں بنا لیا
وہ تو خربوزے کو کم از کم چھ مہینہ میں پیدا کرتا ہے اور میں اسی وقت پیدا کر دوں"۔ اس جواب پر ماموں ہنسا اور اُسے چھوڑ دیا۔

ایک مدعی نبوت متوکل علی اللہ عباسی کے سامنے پیش کیا گیا پُوچھا "تم نبی ہو"؟ بولا "جی ہاں" کہا "دلیل"؟ بولا خود قرآن میری
نبوت کی تصدیق کر رہا ہے میرا نام ہے نصر اللہ اور قرآن میں موجود ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ کہا اچھا کوئی معجزہ دکھاؤ کہا "
کسی بانجھ عورت کو میرے پاس لاؤ میں اسی وقت بچہ پیدا کرا دوں گا۔ جو پیدا ہوتے ہی میری نبوت کی تصدیق کریگا۔ اتفاقاً وزیر حسن
بن عیسیٰ کی بی بی بانجھ تھی متوکل نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو کیا مضائقہ ہے؟ اس کے معجزے کو ضرور آزمانا چاہیئے تم اپنی بی بی
کو لے آؤ"۔ حسن نے کہا "حضور اپنی بی بی کو تو وہ لائے جسے ان کی نبوت سے انکار ہو۔ میں تو ان کا یہ معجزہ سنتے ہی ایمان لا چکا اور
اقرار کرتا ہوں کہ اشہد انہ نبی اللہ۔ متوکل اس پر ہنسا اور اُسے آزادی دیدی ٭ اسی متوکل کے عہد میں ایک عورت بھی گرفتار کر کے
لائی گئی جو پیغمبری کا دعویٰ کرتی تھی متوکل نے پُوچھا "تو نبیہ ہے"؟ بولی "جی ہاں" پوچھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبی مانتی
ہے یا نہیں؟ بولی کیوں نہیں؟ بیشک مانتی ہوں۔ کہا تو انہوں نے فرمایا ہے کہ "لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ" (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)
بولی بے شک فرمایا ہے مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ لَا نَبِیَّۃَ بَعۡدِیۡ (میرے بعد کوئی نبیہ نہ ہوگی اس پر متوکل ہنسا اور
اُسے چھوڑ دیا ٭[عے]

باب ۴۷ - عہد حاضر کے دجّال کذّاب

عہد حاضر کے مرزائی دجالوں کا تذکرہ ۱۷ ویں باب میں سپرد قلم ہو چکا ہے۔ اب حال کے دوسرے خود ساختہ مقتدین
کے حالات سنئے۔ آج سے کوئی بارہ سال پیشتر کتور ضلع بلگام علاقہ کرناٹک میں ابراہیم خاں نام ایک سی سالہ جوان ایف
اے فیل نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے مذہب کا نام "اللہ ازم" رکھا۔ اس کے مشن کو "اللہ اینڈ برہما مشن"
کہتے تھے۔ معلوم نہیں یہ شخص ہنوز زندہ ہے یا نہیں؟ اور اس کا مذہب اب تک ملیامیٹ ہُوا یا نہیں؟ اس نے اپنی عورت
کے متعلق ایک ضخیم کتاب انگریزی میں لکھی اور اس کا خیال تھا کہ اس کے شائع ہوتے ہی تمام مذاہب مندرس ہو جائیں
گے اور تمام مخلوق اللہ ازم میں داخل ہو جائے گی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مادہ ہی خدا ہے۔ اور وہی مختلف صورتیں اختیار کرتا
ہے۔ اس کی شریعت میں ایک عورت پر بہت سے مرد قناعت کر سکتے تھے۔ حسب خواہش طرفین سب عورت مرد ایک دوسرے
سے متمتع ہو سکتے تھے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ اس آزادانہ حرام کاری سے جو بچے پیدا ہوں گے ان کی تربیت و کفالت
کون کرے گا؟ تو بولا کہ یہ کام "اللہ ازم" کا مشن انجام دے گا۔ جب وراثت کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگا کہ جب تمام
روئے زمین پر اسی مشن کی حکومت ہو جائے گی تو لوگوں کا ترکہ صرف مشن کو ملے گا کوئی شخص کسی جائداد کا وارث نہ ہو گا۔ یہ شخص
کسی خاص طریقۂ عبادت کا قائل نہیں تھا۔ اس کے نزدیک صرف خدا کا خیال دل میں رکھنا کافی تھا۔ (ماخوذ از جریدۂ "زمیندار"
لاہور مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۲۵ء)

کُرد مسیح موعود ۱۹۲۹ء میں قسطنطنیہ سے یہ خبر آئی تھی کہ کردستان میں احمد نام ایک شیخ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا
ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایسا جادو ہے کہ آنکھیں چار ہوتے ہی زائر مطیع و منقاد ہو جاتا ہے۔ بیشمار زائرین کا بیان ہے کہ

عے تحفۃ الاولی الالباب فی مجالس الاحباب مطبوعہ مصر ص ۳۷ - ۳۸

احمد نے اپنے ملازموں کو پچیس آدمیوں کا کھانا پکانے کا حکم دیا لیکن وہی کھانا قریباً ڈیڑھ سو نفوس نے کھایا اور پھر بھی پس انداز ہو گیا۔ شیخ اپنے پیروؤں کو قتل، سرقہ اور دوسری منہیات کی ممانعت کرتا ہے احکام خداوندی کی اطاعت اور ہر حال میں اس سے اعانت خواہ رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اس وقت تک پچاس ہزار ترک شیخ کی زیارت کے لئے شام کا طویل سفر اختیار کر چکے ہیں۔ اس وقت تک قریباً اسی قدر ترک اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے پولیس نظر غائر سے اس کے طور طریقوں کی دیکھ بھال کر رہی ہے پولیس کا بیان ہے کہ شیخ نے مختلف ترکی اضلاع میں اپنے پروپیگنڈا ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں جو شیخ کو آسمان عظمت پر پہنچا کر لوگوں کو حصول زیارت اور مرید ہو جانے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں چنانچہ اسی الزام میں اس کے پانسو اسی ایجنٹ گرفتار ہو کر ایک ایک ہفتہ کی سزا کاٹ چکے ہیں (سیاست" لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

ایک ترک مہدی موعود

۱۹۳۱ء میں قسطنطنیہ سے اناطولیہ میں ایک نئے مہدی کے ظہور کی خبر آئی تھی جس کی مہدویت کی عمر حکومت کے فوری اقدام کے باعث تین دن سے زیادہ ممتد نہ ہو سکی۔ اس مہدی کا بیان تھا کہ دو سال کا زمانہ گذرتا ہے جبکہ جبرئیل امین نے مجھے بتایا تھا کہ تجھے خدا نے اپنی نبوت کے لئے چن لیا ہے۔ دنیا تیرے ذریعہ سے ہدایت پائے گی لیکن تا حکم ثانی تو بالکل خاموش رہ۔" جب ترکی پولیس نے اسے گرفتار کیا تو اس نے مجسٹریٹ کے سامنے بیان کیا کہ ابھی پرسوں ہی شب خدا کا حکم نازل ہوا تھا جس کی تعمیل کے لئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔" ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد فیصلہ کیا کہ یہ شخص بالکل صحیح الدماغ ہے۔ ("زمیندار" ۲۸ اگست ۱۹۳۱ء)

وللہ الحمد والمنۃ علی التمام وعلی نبیہ افضل التحیۃ والسلام وآلہ وصحبہ البررۃ الکرام وتابعیہ الی یوم القیام۔ وقد فرغت من تسوید ھذا الکتاب بعون اللہ الموفق ببلدۃ لاھور فی وسط ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ علی صاحبھا الف الف تحیہ وسلام

رئیسِ قادیاں

یعنی سوانح عمری مرزا غلام احمد صاحب

گزشتہ نصف صدی کے اندر مرزائیت کی تردید میں ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں لیکن آج تک کسی مسلمان نے بانیٔ پنتھ کے پوست کندہ حالات لکھ کر مرزائیت کا طلسم توڑا حالانکہ مرزائی عقائد و مزعومات کو زیر بحث لانے سے کہیں زیادہ اہم و ضروری یہ تھا کہ مرزا غلام احمد صاحب کی اعجوبۂ روزگار شخصیت اور ان کے راز ہائے درون پردہ کو عیاں کر دیا جاتا اور ملک و قوم کو دکھایا جاتا کہ جس شخص کو معاذ اللہ نبی اور مسیح بنایا جاتا ہے وہ کس قماش کا آدمی تھا۔ اس کا کیرکٹر کیسا تھا؟ کیا قابلیت تھی؟ خصائل و عادات کیسے تھے؟ اسے تعلق باللہ سے کہاں تک واسطہ تھا؟ اس ضرورت کا احساس کر کے ابوالقاسم رفیق دلاوری مؤلف "ائمہ تلبیس" نے مرزائیت کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اور قریباً ڈیڑھ سال کی جانفشانی اور محنت شاقہ کے بعد مرزا غلام احمد کی لائف مرتب کر کے اس کو "رئیسِ قادیاں" کے نام سے موسوم کیا۔ اس بیش بہا تالیف کے متعلق مؤلف کو دعویٰ ہے کہ بجز ان مرزائیوں کے جن کا رزق قادیاں سے وابستہ ہے یا وہ لوگ جو علیٰ قلوبہم کا مصداق ہیں کوئی مرزائی اس کتاب کو پڑھ کر مرزائی نہیں رہ سکتا۔ کچھ عرصہ پیشتر اس کتاب کے چند بہت چھوٹے چھوٹے ابواب جریدہ "احسان" اور اخبار "مجاہد" میں شائع ہوتے رہے، جنہیں پڑھ کر مبصرین مرزائیت اور دوسرے اہل علم حضرات نے ان کو بہت سراہا اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ مؤلف کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے اس کار عظیم و خطیر کو اپنے دوش ہمت پر اٹھایا اور خدائے برتر کی نصرت بخشیوں سے مؤید ہو کر اس کو انجام تک پہنچایا۔ اس کتاب کی [illegible] جلدیں ہیں۔ پہلی جلد کی کتابت ہو رہی ہے۔ جو انشاء اللہ العزیز بہت جلد طبع ہو کر ہدیۂ احباب ہوگی۔ اغلب ہے کہ پہلی جلد جس میں ۱۸۹۶ء تک کے حالات ہیں قریباً چار سو صفحات پر ختم ہوگی اور قیمت سوا دو روپیہ رکھی جائے گی۔ پہلی جلد غالباً مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہوگی۔ باب۱۔ نام اور پیدائش۔ باب۲۔ جائے پیدائش اور مرز بوم۔ باب۳۔ خاندان کی تعیین کا گورکھ دھندا۔ باب۴۔ بعض خاندانی حالات۔ باب۵۔ عہد طفولیت۔ باب۶۔ تعلیم۔ باب۷۔ سیالکوٹ کی ملازمت اور مختاری کا امتحان۔ باب۸۔ مقدمہ بازی کے مقدس مشغلے۔ باب۹۔ اراضی منصوبہ کی بازیابی کے لئے حضرت مسیح موعود کے خلاف مقدمہ۔ باب۱۰۔ خاندانی زوال اور اس کا مداوا۔ باب۱۱۔ رجوعات و فتوحات کی دعا کرانے کے لئے امرتسر کا سفر۔ باب۱۲۔ لاہور میں ورود، مذہبی چھیڑ چھاڑ اور مناظرانہ سرگرمیاں۔ باب۱۳۔ حکیم غلام مرتضیٰ کا انتقال۔ باب۱۴۔ مرزا غلام احمد "عارف کامل" اور باخدا صوفی کی حیثیت سے۔ باب۱۵۔ مراق کا عارضہ اور دوسری بیماریاں۔ باب۱۶۔ مرزا غلام احمد بحیثیت ملہم و صاحب کشف باب۱۷۔ مرزائی الہامات کے مصدر اور ماخذ۔ باب۱۸۔ حضرت مسیح موعود کے الہامی ہتھکنڈے۔ باب۱۹۔ پنڈت دیانندجی کی ہنگامہ خیزیاں، اور مسیح قادیاں کی خانہ نشینی۔ باب۲۰۔ براہین احمدیہ کی تالیف و اشاعت۔ باب۲۱۔ "براہین" پر مولوی محمد حسین